تصوف کی بنیادی کتاب

رسالہ قشیریہ

مُصنّف

ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیری رحمۃ اللہ علیہ

مُتوفّٰی ۴۶۵ھ

مترجم

شیخ الحدیث

مُفتی محمد صِدّیق ہزاروی

رکن اسلامی نظریاتی کونسل

کاوش

ابوحنظلہ محمد اجمل عطاری

مکتبہ اعلیٰ حضرت

تصوف کی بنیادی کتاب رسالہ
قشیریہ کا اردو ترجمہ

رسالہ قشیریہ

مصنف
ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیری
متوفی ۴۶۵ھ

مترجم
شیخ الحدیث
مفتی محمد صدیق ہزاروی
رکن اسلامی نظریاتی کونسل

کاوش
ابوحنظلہ محمد اجمل عطاری

مکتبہ اعلیٰ حضرت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان رحم والا

رسالہ قشیریہ

موضوع	تصوف
زبان	عربی
نام کتاب	الرسالة القشيريه
نام مصنف	امام ابوالقاسم ''عبدالکریم'' بن ہوازن القشیری رحمۃ اللہ علیہ
نام مترجم	حضرت علامہ مولانا ''محمد صدیق'' ہزاروی صاحب مدظلہ
کاوش	ابوحنظلہ ''محمد اجمل'' عطاری
سن اشاعت	مئی 2009ء بمطابق جمادی الاولی 1430ھ
تعداد صفحات	688
ھدیہ عام ایڈیشن	
ھدیہ خاص ایڈیشن	
ناشر	مکتبہ اعلیٰ حضرت دربار مارکیٹ لاہور
باہتمام	شعبہ: دارالتراجم

تقسیم کار

Darbar Market Lahore | 042-7247301-0300-8842540

E-mail:darultarajim@gmail.com

فہرست مضامین

صوفیاء کرام کے مخصوص الفاظ کی تفسیر......

توبہ کا بیان

مجاہدہ کا بیان

خلوت اور گوشہ نشینی کا بیان

تقویٰ کا بیان

وَرَع کا بیان

زُہد کا بیان

خاموشی کا بیان

خوف کا بیان

اُمید کا بیان

حُزن کا بیان

بھوکا رہنا اور خواہش کو ترک کرنا

خشوع اور تواضع کا بیان

نفس کی مخالفت اور اس کے عیوب کا بیان

اخلاقِ مذمومہ

غیبت کا بیان

قناعت کا بیان

توکل کا بیان

شکر کا بیان

یقین کا بیان

صبر کا بیان

مراقبہ کا بیان

رضا کا بیان

عبودیت (بندگی) کا بیان

اِرادہ کا بیان

استقامت کا بیان

اخلاص کا بیان

صدق کا بیان

حیاء کا بیان

حرّیت کا بیان

ذکر کا بیان

جواں مردی کا بیان

فراست کا بیان

خُلق کا بیان

جُود وسخا کا بیان

غیرت کا بیان

ولایت کا بیان

دعا کا بیان

فقر کا بیان

تصوف کا بیان

ادب کا بیان

صوفیاء کرام کے احکامِ سفر کا بیان

صحبت کا بیان

توحید کا بیان

دنیا سے جاتے وقت صوفیاء کرام کی حالت کا بیان

اللہ عزوجل کی معرفت کا بیان

محبت کا بیان

شوق کا بیان

مشائخ کا دل رکھنا اور ان کی مخالفت نہ کرنا

سماع کا بیان

کراماتِ اولیاء کا بیان

اولیاء کرام کے خوابوں کا بیان

مریدوں کو وصیت کا بیان

شیخ کی ذمہ داری

کچھ ابوحنظلہ کے قلم سے

الحمدللّٰہ علیٰ احسانہ کہ ''رسالۂ قشیریہ'' زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر مطالعہ کے لیے آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ آج سے تقریباً چار سال قبل اس کا آغاز ہوا اور آخر کار مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے طویل عرصہ کے بعد پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

کچھ بعید نہیں کہ قارئین یہ خیال کریں کہ اس کتاب پر چار سال کیسے لگ گئے؟ اس لیے میں ''رسالۂ قشیریہ'' کے حوالے سے پچھلے چار سالوں کی سرگزشت سپردِ قلم کر رہا ہوں۔ توجہ کے ساتھ مطالعہ فرمائیے!

31 مئی 2005ء کا دن تھا، میرے ایک دوست ضلع رحیم یار خان کے ایک مفتی صاحب کے ساتھ میرے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے ''ان سے کوئی کام لے لیں۔'' مختصر مگر جامع گفت و شنید کے بعد طے پایا کہ ''رسالۂ قشیریہ'' کا ترجمہ کیا جائے۔ چنانچہ اسی روز رسالۂ قشیریہ کی شرح ''نتائج الافکار'' خرید کر حضرت مفتی صاحب کے سپرد کی جبکہ تقریباً 6 ماہ کا عرصہ ترجمہ کی تکمیل کے لیے طے ہوا۔ وقتاً فوقتاً رابطہ ہوتا رہا اور تسلی ملتی رہی اور آخر کار ایک دن ایسی خبر ملی کہ میں ایک لمحہ کے لیے سکتے میں آ گیا اور وہ خبر کیا تھی؟ پڑھیے!

''میں انتہائی معذرت خواہ ہوں کہ اپنے ایم۔فل کے امتحان کی وجہ سے ترجمہ کا کام نہیں کر سکتا۔ لہٰذا وعدہ کرتا ہوں کہ دو سال بعد یہ کام کروں گا۔ آپ انتظار فرما سکتے ہوں تو بہتر ورنہ......''

اس پر سوائے اس کہ اور کیا کہا جا سکتا تھا:

؎ رکاب چھوٹی اُمید ٹوٹی نگاہ حسرت کے ولولے تھے

لیکن ﴿لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ کا سہارا لیے ہوئے مترجم شہیر حضرت علامہ مولانا مفتی ''محمد صدیق ہزاروی'' مدظلہ العالی کی خدمت میں حاضر ہوا اور مدعا عرض کیا تو قبلہ مفتی صاحب نے از رہِ شفقت قبول فرماتے ہوئے کتاب کو اپنے پاس محفوظ کر لیا اور 10 اگست 2008ء بمطابق 12 شعبان المعظم 1429ھ کو ترجمہ مکمل کر کے ادارے تک پہنچا دیا۔ اس طرح تقریباً سوا تین سال ترجمہ ہوتے ہوتے گزر گئے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ قبلہ ہزاروی صاحب کو ترجمہ کے لیے کتاب 2007ء کے اوائل میں دے دی گئی تھی جبکہ آپ کے قلم کی سرعت سے اہل قلم واقف ہیں۔ یقیناً اس میں اللہ ﷻ نے ایسی سرعت رکھی ہے کہ قلم چلتا ہی چلا جاتا

ہے۔اوراس پر کرم بالائے کرم یہ کہ تاحال آپ کے تراجم میں کوئی فحش غلطی سامنے نہیں آئی دعا کرتا ہوں کہ اللہ ﷻ اسی طرح آئندہ بھی آپ کے قلم کو خطاؤں سے محفوظ و مامون فرمائے۔

یاد رہے کہ ابھی ہمارا ترجمہ زیر تکمیل تھا کہ ایک صاحب نے چند دن کے اندر اس عظیم کتاب کے ترجمہ کو مکمل کر کے ایک ادارہ سے چھپوا دیا۔ خیر اس ''عظیم ترجمہ'' کی کلی دوران تصحیح خوب نکھر کر ہمارے سامنے آئی تو معلوم پڑا کہ یہ واقعی چند دن والا ترجمہ تھا۔ چونکہ ہمیں یہ فکر دامن گیر نہ تھی کہ جلدی جلدی ترجمہ مارکیٹ میں آجائے اس لیے ہم نے بڑے اطمینان کے ساتھ اپنا ترجمہ ایک صاحب کو پروف اور تصحیح کے لیے کمپوز شدہ حالت میں دیا۔ اگرچہ انھوں نے کافی محنت کی لیکن کچھ مقامات پر ان سے بھی صرف نظر ہو گیا۔ اس ترجمہ کو وقتاً فوقتاً مزید کن مراحل سے گزرنا پڑا ذرا تفصیل وار ملاحظہ فرمائیں:

① ابتداءً اس میں عربی اشعار کا صرف ترجمہ لکھنے کا ارادہ تھا لہٰذا کمپوزنگ اسی طرح ہوئی لیکن بعد میں اشعار کا عربی متن بھی ساتھ دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ جس کی وجہ سے کام مزید بڑھ گیا۔

② بعد ہی میں کئی مقامات پر واعظین و مبلغین کی سہولت کے لیے عربی عبارات کو بھی نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا۔

③ آیات کی تخریج اور ترجمہ کنزالایمان کا اہتمام کیا گیا۔

④ جس نسخہ سے ترجمہ کیا گیا اگرچہ اس میں احادیث کی تخریج نقل کی گئی تھی لیکن اس میں مطبوعہ کا ذکر نہ تھا۔ لہٰذا ادارہ نے اس تخریج پر اعتماد نہیں کیا اور نئے سرے سے تخریج احادیث کا اہتمام کیا اور اس میں خاص طور پر کوشش کی کہ حوالہ احادیث امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے کے محدثین کا دیا جائے تاکہ تخریج کا حق ادا ہو۔ البتہ کہیں کہیں امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ یا ان کے بعد کے محدثین سے حوالہ ذکر کیا گیا ہے اور کسی جگہ پر حوالہ دستیاب نہ ہو سکا تو اس کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی۔ اس وضاحت کا مقصد یہ تھا کہ تخریج کے حوالے سے ادارہ نے خانہ پوری نہیں کی بلکہ حتی الوسع کوشش کی ہے کہ بہتر سے بہتر کام ہو سکے۔

⑤ چونکہ عربی نسخہ میں سرخیوں کا اہتمام نہ تھا اس لیے دوران ترجمہ اس کا اہتمام نہ کیا، جبکہ بعد میں تمام کتاب میں سرخیاں لگانے کا اہتمام کیا گیا تاکہ استفادہ کرنے میں سہولت ہو سکے۔

⑥ بالخصوص اصطلاحاتِ صوفیہ کے باب میں مختلف اصطلاحات پر بقلم مترجم مختصر حواشی اور تمام کتاب پر بالعموم حواشی کا اہتمام کیا گیا۔

⑦ تعارف کتاب، تعارف مصنف اور تعارف مترجم کو شامل کتاب کیا گیا۔

میں نے یہاں چند اہم چیزوں کا ذکر کر دیا حالانکہ کتاب کو آسان اور دیدہ زیب بنانے کے لیے کافی امور کی

جانب مختلف لحاظ سے توجہ کرنا پڑی۔ میں یقین کامل کے ساتھ بطور تحدیث نعمت یہ عرض کرتا ہوں کہ مارکیٹ میں اس انداز سے ترجمہ ''رسالۂ قشیریہ'' شائع کرنے کا اہتمام ابھی تک نہیں کیا گیا۔ اور اگر قارئین اس کا موازنہ دیگر اداروں سے شائع شدہ تراجم سے کریں گے تو یقیناً اس کو ہر لحاظ سے ممتاز پائیں گے۔ اور بالیقین اس میں مجھ تنہا کا کوئی کمال نہیں بلکہ یہ میرے ادارے سے وابستہ تمام افراد کی ''مشترکہ'' محنت کا ثمر ہے۔

اس لیے میں بطور خاص نام لے کر ان حضرات کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جن میں سب سے اول حضرت مترجم شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا مفتی ''محمد صدیق ہزاروی'' مدظلہ العالی کا کہ جنھوں نے اس کتاب کے ترجمہ کی بھاری ذمہ داری کو بڑی خوش اسلوبی سے نبھایا۔ نیز محمد انور صاحب اور افضال احمد نوشاہی عطاری کا کہ جنھوں نے کمپوزنگ وڈیزائننگ کی ذمہ داری نبھائی جبکہ رضا الحسن، محمد ثاقب عطاری اور خصوصاً محمد لقمان عطاری کا کہ جنھوں نے بڑی محنت کے ساتھ نہ صرف پروف پڑھا بلکہ اپنے مفید مشوروں سے نوازا اور ان کے بروقت مشوروں کی بدولت میں اور ادارہ کئی آزمائشوں سے بھی محفوظ رہے۔ ان کے علاوہ جملہ معاونین کاتب، ٹائٹل ڈیزائنر، بائنڈر وغیرہ کا شکر گزار ہوں اللہ عزوجل ان سب کے تعاون پر ان کو ''اجر عظیم'' عطا فرمائے۔ آمین

اور آخر میں خصوصاً بالخصوص محترم جناب ڈاکٹر ''طاہر رضا'' بخاری صاحب ڈائریکٹر جنرل مذہبی امور و اوقاف پنجاب زیدہ مجدہ کا شکر گزار ہوں کہ جنھوں نے ''حرفِ محبت'' تحریر فرما کر ہماری حوصلہ افزائی فرمائی۔ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں دست بدعاء ہوں کہ ہماری اس ''کاوش'' کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر ہمیں بروز قیامت اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے مشرف فرمائے اور امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت و ملاقات سے نوازے۔

آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم

ابو حنظلہ محمد اجمل عطاری

5 مئی 2009ء

بروز منگل بوقت اذان عشاء

بمطابق 9 جمادی الاولیٰ 1430ھ

حرفِ محبت!

ڈاکٹر طاہر رضا بخاری
ڈائریکٹر جنرل مذہبی امور و اوقاف پنجاب

اس کائنات کی تمام رعنائیوں، مسرتوں اور توانائیوں کا سرچشمہ ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ اس سرچشمۂ اَحدِیّت و صَمَدیّت سے استفادے کا بہترین ذریعہ یہی ہے کہ ہم اپنی جملہ وابستگیوں اور دلچسپیوں کا ناطہ اُسی سے جوڑ لیں۔ اپنا قلبی اور ذہنی رابطہ اللہ تعالیٰ سے مضبوط بنائیں۔ تمام حواس اور جملہ توانائیوں کو اُس پر مرکوز کریں۔ لب پر ہر دم اُسی کا نام ہو۔ روح اُسی کے تصور سے سرشار اور آنکھیں ہر وقت اُسی کی تلاش میں سرگرم رہیں۔ اس عملِ پیہم کے تسلسل اور تکرار سے روح کو یک گونہ فرحت، پُراسرار طاقت اور ایک ماورائی قوّت کا احساس ہوگا، دل کی دنیا سے کیف و سرور کے چشمے اور سوتے پھُوٹ نکلیں گے، اور یوں آپ کی ہستی اطمینان و سکون کا گہوارہ بن جائے گی۔

اپنی رضا کو رضائے الٰہی کے تابع کرنا اور خود کو خدائی مشیّت کے سانچے میں ڈھال دینا ہی تصوّف اور دین ہے۔ ہمارے ممدوح، امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ھوازن القشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''غناء اور فقر کے حوالے سے لوگ مختلف آراء رکھتے ہیں، کوئی ایک رائے کو اختیار کرتا ہے اور کوئی دوسری کو، لیکن میں وہ راستہ اختیار کرتا ہوں جسے اللہ تعالیٰ میرے لیے اختیار کرے، اور جس حال میں مجھے رکھے...... اگر صاحبِ دولت بنائے تو مجھے اپنی یاد سے غافل نہ کرے اور اگر فقیر رکھے تو حریص و نافرمان ہونے سے محفوظ رکھے۔''

الرّسالة القشيرية فی علم التصوّف، دراصل امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ھوازن القشیری رحمۃ اللہ علیہ کا وہ عظیم مکتوب ہے جو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بلادِ اسلامیہ کے صاحبانِ تصوّف و طریقت کے نام تحریر فرمایا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

''هذه رسالة كتبها الفقير الى الله تعالى عبدالكريم بن هوازن القشيرى الى جماعة الصوفيه ببلدان الاسلام فی سنة سبع وثلاثين واربعمائة .''

''یہ ایک خط ہے جسے فقیر عبدالکریم بن ھوازن القشیری نے 437ھ میں صوفیہ کی ان جماعتوں کی طرف تحریر کیا ہے جو بلادِ اسلام میں مقیم ہیں۔''

یقیناً یہ کوئی رحمۃ اللہ علیہ رسمی مراسلہ رحمۃ اللہ علیہ نہیں ہے، بلکہ ایک ایسی تصنیفِ لطیف ہے جس میں نہ صرف اُس دور...... بلکہ رہتی دنیا تک کے صاحبانِ دین وفقر کو مخاطب کیا گیا ہے۔ یہ اسلوب بالکل ویسا ہی ہے جیسا حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب کے لیے اپنایا، جس میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کے رفیق خاص حضرت ابوسعید الہجویری نے آپ رحمۃ اللہ علیہ سے تصوّف اور اس کے حقائق ومعارف کے حوالے سے چند سوالات پوچھے۔ جس کے جواب میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ''کشف المحجوب'' کی صورت میں ایک ایسی کتاب تحریر فرمادی جو دین اور تصوّف کے حوالے سے صحیح اسلامی تصوّرات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں:

''قال السائل وهو ابو سعيد الهجويرى: "بیان کن مرا اندر تحقیق طریقت تصوّف، و کیفیت مقامات ایشان، وبیان مذاهب ومقالات ایشان، واظهار کن مرا رموز و اشارات ایشان، وچگونگی محبت خداوند عزوجل. وکیفیت اظهار آن بردلها، وسبب حجاب عقول از کنه و ماهیت آن، ونفرت نفس از حققیقت آن، و آرام روح با صفوت آن، وآن چه بدین تعلق دارد از معاملات آن.''

''یعنی مجھ (ابوسعید ہجویری) سے بیان فرمائیے:

ا۔ طریق تصوف کی حقیقت ب۔ مقاماتِ صوفیہ کی کیفیت

ج۔ صوفیہ کے عقائد ومقالات کی تشریح د۔ ان کے رموز واشارات

ہ۔ اللہ تعالیٰ سے ان کی محبت کی نوعیت اور دلوں میں اس کے ظہور کی کیفیت وماہیّت

و۔ محبت الٰہی کی ماہیّت کی معرفت میں حائل ہونے والے حجاباتِ عقل ونفس

ز۔ کشف وحجابات کے طریقے، نفس کی حجابات سے بیزاری اور روح کی تسکین۔''

''الرسالة القشيرية'' کیونکر تحریر ہوا......؟ امام ابوالقاسم القشیری رحمۃ اللہ علیہ زیرِ نظر کتاب کے مقدمے میں اس کی وضاحت فرماتے ہیں:

''طریقت میں خلا پیدا ہو گیا ہے...... نہیں، بلکہ درحقیقت طریقت مٹ چکی ہے، جن شیوخ سے لوگ ہدایت پاتے تھے، گزر چکے ہیں اور اب وہ نوجوان بھی کم پائے جاتے ہیں جو ان شیوخ کے اخلاق وسیرت کی پیروی کرتے تھے، پرہیزگاری جاتی رہی اور اس کی بساط لپیٹ لی گئی اور لالچ بڑھ گیا اور اس کی چٹانیں مضبوط ہو گئیں۔ لوگوں کے دلوں سے شریعت کا احترام اٹھ گیا، حلال وحرام میں تمیز کرنا چھوڑ دیا، لوگ عبادات کے ادا کرنے کو حقارت سے دیکھتے ہیں، صوم وصلوٰۃ کی اہانت کرتے ہیں، غفلت کے میدان میں گھوڑے دوڑاتے

ہیں اور اپنی خواہشات کی تابعداری میں لگے ہوئے ہیں...... یہ لوگ اس قسم کی بداعمالیوں پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ ایک قدم اور آگے بڑھا کر حقائق اور احوال کی طرف اشارہ کرتے ہیں...... وہ اس بات کے مدعی ہیں کہ وہ حق پر قائم ہیں اور حق کے احکام جوان پر جاری ہوتے ہیں، وہ تو محو چکے ہیں۔ چاہیں وہ کریں یا نہ کریں اللہ انہیں عتاب وملامت نہیں کرتا...... جب میں نے دیکھا کہ آج کل اللہ کی طرف سے ہماری آزمائش طول پکڑ چکی ہے...... مجھے اس بات پر غیرت آئی کہ اہل طریقت کو برائی سے یاد کیا جاتا ہے۔ مخالفین ان پر نکتہ چینی کیے جانے سے لُطف اٹھاتے ہیں...... میں امید کرتا تھا کہ اس خلاء کے اسباب معدوم ہو جائیں گے...... لیکن مجھے خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں لوگ یہ خیال نہ کر بیٹھیں کہ طریقت کے قواعد کی بنیاد ہی انہی امور پر ہے اور ان کے اسلاف بھی اس قسم کی روش اختیار کرتے رہے، لہٰذا یہ رسالہ لکھ کر میں نے آپ لوگوں کو بھیجا۔''

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے آستاں سے عقیدت ومحبت میری حیات کا سرمایہ ہے۔ یہی وابستگی ''رسالہ قشیریہ'' سے شغف اور اس کے ترجمے وطباعت سے میری دلچسپی کا باعث بنی...... کہ اس کتاب اور صاحبِ کتاب کو سیّدی حضور داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف پسند فرمایا بلکہ کشف المحجوب میں اس کا تتبع بھی فرمایا۔ بلاشبہ امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے نابغہ، مقتدٰی، روحانی پیشوا اور ''زینُ الاسلام'' تھے۔ جیسا کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں فرمایا:

''استاذ و امام، زینُ الاسلام عبدالکریم بن ھوازن قشیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے میں نادر الوجود اور رفیع القدر بزرگ ہیں، اہل زمانہ آپ کے علم وفضل، مقام ومرتبے اور محامد ومناقب سے پوری طرح آگاہ ہیں، ہر فن میں آپ کے بیان کردہ علمی لطائف ونکات بے شمار ہیں......''

بلاشبہ امام قشیری اور حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ہم عصر تھے۔ معاصرین کی باہمی آویزشیں ہماری تاریخ کا ایک مستقل موضوع ہیں، لیکن حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ کے اعزاز واکرام کا جس انداز میں تذکرہ کیا ہے، اس سے ان اکابرینِ اُمت کے متصوّفانہ مزاج اور عالی حوصلگی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ آج دینی حلقوں اور مذہبی زاویوں کو ''عدم برداشت'' کے عفریت سے نجات پانے کے لیے صوفیاء کے اِسی مشرب ومزاج کو اپنانا ہوگا۔ اسی سے ایثار، محبت، رواداری اور تواضع جیسے جذبوں کو فروغ نصیب ہوگا۔ آج تشدّد، انتہا پسندی، مذہبی اشتعال انگیزی اور دہشت گردی سمیت ایسے جملہ تصوّرات کے ڈانڈے مدارس اور دینی مکاتب سے جوڑنے کی کوششیں عالمگیر سطح پر جاری ہیں۔ حقائق کیا ہیں......؟ کون کیا کر رہا ہے......؟ اور کس کو کیا کرنا ہے......؟ اس بحث میں اُلجھے بغیر آج اس ضرورت کا

ادراک کیا جانا ازبس ضروری ہے کہ ہمارے دینی مدارس کے نصاب جسے دنیا ''درس نظامی'' کے نام سے جانتی ہے، میں کہیں ''رسالہ قشیریہ''، ''کشف المحجوب''، ''عوارف المعارف'' شامل نصاب نہیں۔ صوفیاء کے افکار ونظریات اور احوال وتعلیمات سے روشنی کے حصول کا اہتمام آج نہ صرف قومی بلکہ بین الاقوامی ضرورت ہے۔ آج سارا یورپ ''رومی رحمۃ اللہ علیہ'' کا گرویدہ ہو رہا ہے۔ اس لیے کہ شاید ان تک آپ رحمۃ اللہ علیہ ہی کے افکار صحیح انداز میں پہنچے ہیں۔ ابھی کتنے ہی گوہر آبدار پڑے ہیں جن کی چمک اور روشنی سے ہم خود بھی پوری طرح مستنیر و مستفیض نہیں ہوئے۔ آگے کیسے پہنچائیں گے۔

یقیناً یہ امر مسرّت اور افتخار کا باعث ہے کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہِ عالیہ سے ملحق جامعہ ہجویریہ کے شیخ الحدیث علامہ مفتی محمد صدیق ہزاروی صاحب نے زیر نظر کتاب کے اردو ترجمہ کا اعزاز حاصل کیا ہے۔ آپ علمی، دینی اور تدریسی حلقوں کا سرمایہ، عربی و فارسی زبان وادب کے ماہر اور اسلامی علوم ومعارف کے معتبر استاذ ہیں۔ بلاشبہ ان کا ترجمہ محققین کے ساتھ ساتھ عام قارئین کے لیے بھی استفادے کا باعث ہوگا۔ ''مکتبہ اعلیٰ حضرت'' کے پروپرائٹر ابوحنظلہ محمد اجمل عطاری صاحب کو بھی مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے اس عظیم کتاب کے ترجمے کے لیے ایک مستند اور معتبر شخصیت کی خدمات حاصل کیں۔ ''مکتبہ اعلیٰ حضرت'' نے گزشتہ مختصر عرصے میں تحقیق وتفحص اور طباعت واشاعت کے حوالے سے جو خدمات سرانجام دی ہیں، وہ یقیناً لائقِ ستائش ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ آمین

تصوف اور صوفیائے کرام

سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور سیدنا حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ السلام نے جب خانہ کعبہ کی تعمیر مکمل کی تو پانچ دعائیں کیں: ① اے ہمارے رب اسے ہماری طرف سے قبول فرما۔ ② ہم دونوں (حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام) کو اور ہماری اولاد میں سے ایک جماعت کو اپنا مطیع اور فرماں بردار رکھنا۔ ③ ہمیں ہماری شریعت کے احکام اور مناسک حج کی تعلیم فرما۔ ④ ہمیں توبہ کی توفیق عطا فرما اور ہماری توبہ قبول فرما۔ ⑤ ہماری اس اولاد یا امت مسلمہ میں ایک رسول مبعوث فرما۔

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا ۚ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ○ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَیُزَکِّیْھِمْ ؕ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ○﴾

"اور جب اُٹھاتا تھا ابراہیم اس گھر کی نیویں اور اسمٰعیل یہ کہتے ہوئے اے رب ہمارے ہم سے قبول فرما، بے شک تو ہی ہے سنتا جانتا۔ اے رب ہمارے اور کر ہمیں تیرے حضور گردن رکھنے والا اور ہماری اولاد میں سے ایک اُمت تیری فرماں بردار اور ہمیں ہماری عبادت کے قاعدے بتا اور ہم پر اپنی رحمت کے ساتھ رجوع فرما۔ بے شک تو ہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان۔ اے رب ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول انھیں میں سے کہ ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انھیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور انھیں خوب ستھرا فرمادے بے شک تو ہی ہے غالب حکمت والا۔"[1]

آخری دعا رسول اکرم خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت سے متعلق ہے۔ کیونکہ سرزمین عرب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے صرف امام الانبیاء سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت

[1] پارہ 1، البقرہ، آیت: 129-127، ترجمہ کنز الایمان

ہوئی۔اس بعثت میں تین مقاصد بیان کیے گئے جس طرح مندرجہ بالا آیت نمبر 129 میں مذکور ہے:

① تلاوت آیات ربانی ② تعلیم کتاب حکمت ③ تزکیہ

گویا رسول اکرم ﷺ کے مقاصد بعثت میں جہاں آیات قرآنیہ کی تلاوت آیات کے معانی اور سنت نبویہ مطہرہ کا بیان شامل ہے وہاں تزکیہ قلوب بھی آپ ﷺ کے فرائض منصبی میں شامل ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے ﴿و یزکیھم﴾ کے الفاظ سے ذکر کیا۔

تزکیہ،تطہیر (پاک کردینے) کا نام ہے۔شیخ الازہر السید محمد طنطاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

(ای یطهرهم من ارجاس الشرك ومن كل مالا يليق التلبس ظاهرا و باطنا . يقال زكاه الله اى طهره و اصلح و منه زكاة المال لتطهره بها)

"یعنی وہ نبی ﷺ ان کو شرک،نجاستوں اور اس خرابی سے پاک کریں گے جس کا ظاہر اور باطن کے ساتھ ملنا نامناسب ہے۔کہا جاتا ہے۔(زكاه الله) اس کو اللہ تعالیٰ نے پاک کر دیا اور اس (کے ظاہر و باطن) کی اصلاح کر دی۔اسی سے زکاۃ المال ہے کیونکہ زکاۃ کی ادائیگی سے مال (چھوٹی موٹی خرابیوں سے) پاک ہو جاتا ہے۔"[1]

قرآن مجید میں اس تزکیہ کا متعدد مقامات پر ذکر کیا گیا،مثلاً:ایک جگہ فرمایا:﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى﴾ "بے شک مراد کو پہنچا جو ستھرا ہوا۔"[2]

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے "تزکّیٰ" کا معنیٰ "جو ستھرا ہوا" کے الفاظ سے کیا ہے۔اور یہ بات یقینی ہے کہ اس سے صرف جسمانی اور لباس کی صفائی مراد نہیں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر حقیقی طور پر دل کی صفائی مراد ہے جسے تزکیۂ قلب کہا گیا ہے۔تزکیۂ قلب کا فائدہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے جسمانی اعضاء گناہوں کے ساتھ ملوث ہونے سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔اور یہی نہیں بندہ مشاہدۂ حق کی منزل تک پہنچ جاتا ہے۔

نماز کی ادائیگی اور درستگی کے لیے دیگر شرائط کے ساتھ جسم،لباس اور اس جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے جس جگہ آدمی نماز پڑھتا ہے۔جب یہ شرائط پائی جائیں تو بندہ فریضۂ نماز کی ادائیگی سے سبکدوش ہو جاتا ہے۔لیکن جب اسے تزکیۂ قلب کی دولت نصیب ہوتی ہے۔تو وہ نماز میں اپنے رب کا مشاہدہ کر رہا ہوتا ہے۔جس طرح اس کی شان کے لائق ہے۔گویا اب وہ صرف نمازی نہیں ہوتا بلکہ محسنین،مقربین کی صف میں شامل ہو جاتا ہے۔رسول اللہ ﷺ سے جب

[1] التفسير الوسيط للقرآن الكريم، جلد 1، صفحه: 274.

[2] پارہ 30، الاعلیٰ، آیت: 14.

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے احسان کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَنْ تَعْبُدَاللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ)) ''اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔'' [1] اسی تزکیہ کو ''تصوف'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ گویا تزکیہ کا دوسرا نام ''تصوف'' ہے۔ اور جن لوگوں کو یہ اعزاز ملتا ہے۔ انھیں ''صوفی'' کہا جاتا ہے۔

حضرت امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق تصوف کا لفظ اسلام کے ابتدائی دور میں ہی مشہور ہو گیا تھا۔ وہ فرماتے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت میں رہنے والوں کو ''تابعین'' اور ان کے بعد والوں کو ''تبع تابعین'' کہا جاتا تھا۔ اس کے بعد لوگوں میں اختلاف ہوا اور جدا جدا مراتب ہو گئے۔ چنانچہ دینی امور سے لگاؤ رکھنے والوں کو ''زاہد'' اور ''عابد'' کہنے لگے۔ پھر بدعات رونما ہوئیں اور ہر فرقہ دعویٰ کرنے لگا کہ اس میں ''زاہد'' ہیں۔ چنانچہ اہلِ سنت کے ان خاص لوگوں نے جنھوں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے لیے وقف کر دیا۔ اپنے لیے الگ ''تصوف'' نام رکھ لیا۔ [2] محققین نے لفظ ''تصوف'' یا ''صوفی'' کی وجہ تسمیہ میں اگرچہ متعدد وجوہ کا ذکر کیا لیکن اس کی اصل دل کی صفائی اور طہارت کو ہی قرار دیا ہے۔ خود حضرت امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے: (فاما من قال انه من الصوف ولهذا يقال تصوف اذا لبس الصوف كما يقال تقمص اذا لبس القميص فذلك وجه ولكن القوم لم يختصوا بلبس الصوف) ''جس نے کہا کہ یہ لفظ، لفظ صوف (اون) سے بنا ہے۔ اسی لیے جب کوئی اونی لباس پہنتا ہے تو کہا جاتا ہے ''تصوف'' جس طرح قمیص پہننے پر کہا جاتا ہے ''تقمص'' تو یہ بھی اس کی ایک وجہ (وجہ تسمیہ) ہے، لیکن صوفیائے کرام نے اس کو اس (صوف) کے ساتھ خاص نہیں کیا۔ [3] اسی سلسلہ میں ایک جامع تعریف یوں کی گئی ہے:

(التصوف هو الدخول فی كل خلق سنی و الخروج من كل خلق دنی)

''تصوف ہر عمدہ خلق کو اپنانا اور برے خلق سے نکل جانے کو کہتے ہیں۔'' [4]

حضرت ذوالنونِ مصری رحمۃ اللہ علیہ صوفیائے کرام کے بارے میں فرماتے ہیں: (هم قوم آثروا الله عزوجل علی كل شی وآثرهم الله عزوجل علی كل شی) ''صوفیائے کرام وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر ترجیح دی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر چیز پر ترجیح دی۔'' [5]

تصوف اور صوفی کی اس جامع تعریف سے بات واضح ہو گئی کہ عمدہ اخلاق کو اپنانا اور برے اخلاق سے دور رہنا، نیز اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر ترجیح دینا ''تصوف'' ہے۔ اور ان صفات کے حاملین ''صوفی'' کہلاتے ہیں۔ اسی تصوف کے لیے

[1] صحيح البخاری، كتاب الايمان، رقم الحديث: 48.

[2] رساله قشيريه، صفحه: 21 مطبوعه دارالكتب العلميه بيروت

[3] الموسوعة الاسلاميه العامه قاهره، صفحه: 387.

[4] الموسوعة الاسلاميه العامه قاهره، صفحه: 387.

[5] رساله قشيريه، باب التصوف، صفحه: 314.

طریقت کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے جس کی بنیاد شریعت ہے۔

طریقت کی بناء آداب شریعت کی حفاظت، نیز حرام اور مشتبہ چیزوں کی طرف ہاتھ پھیلانے سے بچنے، حواس کو ممنوع چیزوں سے بچانے اور غفلت ترک کر کے اپنے سانسوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شمار کرنے پر ہے۔ صوفیائے کرام نے واضح طور پر فرمایا کہ طریقت اور شریعت جدا جدا نہیں ہیں۔ جیسا کہ بعض جہلاء کا تصور ہے۔

صوفیائے کرام نے زہد و تقویٰ اور قلبی طہارت اور تزکیہ کے ذریعے اپنے دل کو دنیا کی محبت سے فارغ کر کے اسے اللہ تعالیٰ کی محبت کا مسکن بنایا۔ یہی نہیں انھوں نے اہل اقتدار اور دیگر جاہ پرست حریص اور لالچی لوگوں کے دلوں سے دنیا کی محبت کو نکالا جو تمام فتنوں کی جڑ ہے۔ ان مقبولانِ بارگاہِ خداوندی نے معاشرے میں محبت، رواداری اور اخوت کا پیغام عام کر کے نفرتوں کا خاتمہ کیا اور کائنات عالم میں دین اسلام کا آفاقی پیغام پہنچایا۔

اس سلسلہ میں معروف مذہبی سکالر صاحبزادہ سید خورشید احمد گیلانی کا درج ذیل تبصرہ صوفیاء کرام کی خدمات پر پڑے بغض وحسد کے دبیز پردوں کو چاک کرتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ”برصغیر پاک و ہند میں اشاعت اسلام کا سہرہ صوفیائے کرام کے سر ہے۔ صوفیاء کی کوششوں کا ذکر کیے بغیر برصغیر کی اشاعت اسلام کی تاریخ مکمل نہیں ہوتی۔ لیکن جن حالات میں صوفیاء نے اشاعت اسلام کا کام سرانجام دیا اسے وہی شخص جان سکتا ہے جسے ہندوستان کی اخلاقی اور معاشرتی حالت کا کما حقہ علم ہو۔ (جھوٹے) خداؤں کی حد سے بڑھی ہوئی کثرت، جنسی خواہشات کی بحرانی کیفیت، طبقاتی تقسیم اور معاشرتی اختیارات کی لعنت کے دور میں توحید پرستی کا درس، ضبط نفس کی تلقین اور انسانی وحدت و اخوت کا پیغام جس جاں گسل اور صبر آزما محبت کا متقاضی ہے اسے ہر شخص بخوبی جانتا ہے۔ اور صوفیا نے یہی کچھ کیا ہے۔ دلوں میں ایک خدا کے لیے جذبۂ عبادت و محبت، کردار میں پاکیزگی اور عفت اور انسانوں کے مختلف طبقات میں وحدت و مودت پیدا کر کے صوفیاء نے تاریخ کا رخ موڑ دیا۔“ [1]

ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے ہاں ایک طبقہ نے صوفیائے کرام کی حالاتِ زندگی، زہد، ورع، تقویٰ اور شریعت کی پاس داری کے حوالے سے ان کے کردار کو پڑھنے کی زحمت گوارہ نہیں کیا وہ تعصب کا شکار ہیں اس لیے وہ تصوف کو متبادل شریعت قرار دے کر بددیانتی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اور ایسا لگتا ہے کہ ایسے لوگ آخرت کی جواب دہی سے غافل ہیں۔

دوسری طرف بعض جاہل اور بے عمل طبقہ پیری مریدی کے نفع بخش کاروبار کی راہ اختیار کر کے دین اسلام کے ایک اہم بلکہ بنیادی شعبہ کو بدنام کرنے کا باعث بن رہا ہے۔

[1] روح تصوف، صفحہ: 84

ایک اور طبقہ ہے جو تصوف کا انکار تو نہیں کرتا لیکن مزارات پر حاضری، فاتحہ خوانی اور حصول فیض کو قبر پرستی سے تعبیر کر کے امت مسلمہ پر شرک و بدعت کے فتوؤں کے تیر چلا رہا ہے۔

ان حالات میں جہاں ہم نے تصوف کے منکرین اور اسے متبادل شریعت قرار دینے والوں کے زہریلے اور بددیانتی پر مبنی پروپیگنڈہ سے بچنا ہے وہاں جعلی اور بے عمل پیروں کی حوصلہ شکنی بھی ضروری ہے۔ تا کہ ایسے لوگوں کی آڑ میں حقائق کے انکار کا دروازہ کھولنے والوں کی راہ مسدود کی جا سکے۔ حضرت امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ میں تصوف، ولایت اور صوفیائے کرام کے اخلاق اور ان کے کردار پر نہایت عمدہ طریقہ پر روشنی ڈالی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"ولی کی تین نشانیاں ہیں: ① وہ اللہ عزوجل کے ساتھ عبادات اور اوراد کے ساتھ مشغول رہے۔ ② اپنی خواہشات اور کاموں سے بھاگ کر اللہ عزوجل کی طرف جائے۔ ③ اسے اللہ عزوجل ہی کا خیال دامن گیر رہے۔"[1]

اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ کتب تصوف کا مطالعہ کر کے صوفیائے کرام کی پاکیزہ زندگیوں سے روشنی حاصل کی جائے۔ اور ہر اس شخص کو جو مسند دعوت و ارشاد کا وارث کہلاتا ہے اسی کسوٹی پر پرکھا جائے۔ راقم (محمد صدیق ہزاروی) کی خوش بختی ہے کہ اسے "رسالہ قشیریہ" ایسی اہم کتاب جو تصوف کی امہات الکتب میں نمایاں خصوصیت کی حامل ہے، کا ترجمہ کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾

راقم مکتبہ اعلیٰ حضرت کے پروپرائیٹر فاضل نوجوان علامہ "محمد اجمل قادری" کو اس رسالہ کی اشاعت پر ہدیۂ تبریک پیش کرتا اور ان کا شکریہ ادا کرتا ہے کہ انھوں نے اس عظیم مقصد کے لیے اس ناچیز کا انتخاب کیا۔

محکمہ اوقاف و مذہبی امور پنجاب کے ڈائریکٹر جنرل حضرت صاحبزادہ ڈاکٹر سید طاہر رضا بخاری زید مجدہ جو ایک روحانی خانوادہ کے چشم و چراغ ہیں اور ان کی علم دوستی اپنی مثال آپ ہے کا بے حد ممنون ہوں کہ انھوں نے اپنے قیمتی کلمات سے بھی نوازا۔ اللہ عزوجل دونوں احباب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والسلام

محمد صدیق ہزاروی سعیدی الازہری
رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان
استاذ الحدیث، جامعہ ہجویریہ دربار عالیہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ
6 جمادی الاولیٰ 1430ھ بمطابق 2 مئی بروز ہفتہ 2009ء

[1] رسالہ قشیریہ، صفحہ: 290.

تعارفِ کتاب

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف میں سب سے زیادہ شہرت حاصل کرنے والی کتاب ''رسالہ قشیریہ'' ہی ہے جسے آپ نے 437 ہجری میں صوفیائے کرام کی ایک جماعت کی جانب لکھا تھا۔ اس رسالہ کے لکھنے کے مقصد کو آپ نے کتاب کے مقدمہ میں خود بیان فرمایا ہے۔ جسے کتاب کے صفحہ 46 اور 47 پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

اہمیتِ کتاب

اگرچہ تصوف پر ''رسالہ قشیریہ'' سے پہلے کافی کتب لکھی جا چکی تھیں مگر ان میں کوئی بھی ایسی نہ تھی کہ جس میں تصوف کے تمام مسائل پر ہر ہر پہلو سے گفتگو کی گئی ہو۔ اس کمی کو یہ کتاب لکھ کر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے پورا کیا اور اپنی اس کتاب میں تمام مسائلِ تصوف پر انتہائی وضاحت کے ساتھ کلام کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک ہر ایک کے نزدیک یہ کتاب بڑی عقیدت واحترام کی نگاہ سے دیکھی جاتی رہی ہے۔

ترتیب کتاب

اس کتاب کی ابتداء میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے صوفیائے کرام کے ''عقائد'' کو بیان فرمایا، پھر اکابرین صوفیاء کا ''تعارف'' کروایا اور پھر صوفیائے کرام کی ''اصطلاحات'' کے اُوپر کلام کیا ہے۔ اس کے بعد صوفیائے کرام کی ''تعلیمات'' اور ان کے ''احوال واقوال'' کو بڑے خوب صورت انداز میں پیش کیا ہے۔ جبکہ آخر میں ''کرامات اولیاء اور مرشد اور مرید'' کے حوالے سے کچھ کلام فرمایا۔

اسلوب کتاب و مآخذ

اس کتاب میں آپ کا اسلوب یہ ہے کہ آپ ہر باب میں اولاً قرآن پاک کی آیات، پھر موضوع سے متعلق احادیث مبارکہ بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد اکابرین صوفیاء کے اقوال اور احوال کو بیان فرماتے ہیں۔ نیز اس کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے زیادہ تر امام ابوعبدالرحمٰن سُلمی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب مثلاً: ''طبقات الصوفیہ'' نیز ''کتاب اللمع'' وغیرہ سے استفادہ فرمایا ہے۔ آپ کا انداز یہ ہے کہ آپ مآخذ کا تذکرہ نہیں فرماتے یہی وجہ

ہے کہ آپ نے پوری کتاب میں صرف ایک کتاب ''بھجة الأسرار'' کا حوالہ دیا ہے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ صوفیاء کی اصطلاحات کے لیے ''التعرف'' اور کرامات کے لیے ''حلیة الأولیاء'' سے استفادہ کیا ہوگا۔

مذکورہ کتاب بزرگوں کی نظر میں

یہ کتاب بزرگوں کی نظر میں بڑی وقعت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بزرگوں نے اس کی بڑی تعریف کی ہے۔
چنانچہ امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''اَلرِّسَالَةُ الْمَشْهُوْرَةُ الْمُبَارَكَةُ الَّتِیْ قِیْلَ مَا تَكُوْنُ فِیْ بَیْتٍ وَیَكْلَبُ''

''یہ رسالہ برکت والا مشہور ہے اور جس گھر میں یہ رسالہ ہوگا وہاں کوئی آفت نہیں آئے گی۔''[1]

جبکہ یوسف الیان سرکیس نے لکھا ہے کہ: (اَلرِّسَالَةُ الْمُبَارَكَةُ) ''یہ رسالہ برکت والا ہے۔''[2]

جبکہ فقیہِ اعظم مولانا ابوالخیر ''محمد نور اللہ'' نعیمی صاحب فتاویٰ نوریہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے خاص تلامذہ کو اس کا درس دیا کرتے تھے۔ اور اُن کو حضرت صدر الافاضل مولانا محمد ''نعیم الدین'' مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی اجازت حاصل تھی۔

اس کے علاوہ بھی اکابرین امت اور اولیاء اپنے متعلقین کو اس کتاب کے مطالعہ کی تلقین کرتے رہے ہیں جبکہ ابن تیمیہ جیسے شخص نے بھی اس کتاب کی تعریف کی ہے اور کہا ہے کہ تصوف کا مطالعہ کرنا ہو تو ''رسالہ قشیریہ'' کا مطالعہ کرو۔

شروحات وتراجم

اس کی متعدد شروحات ہوئیں۔ ان میں سب سے پہلی شرح سدید الدین ابو محمد ''عبد المعطی'' بن ابی اثناء رحمۃ اللہ علیہ نے کی۔ اس کی ایک شرح ''نتائج الأفکار'' کے نام سے دو جلدوں میں ہوئی۔ جبکہ ایک شرح ''احکام الدلالة علیٰ تحریر الرسالة'' کے نام سے ہوئی اور فارسی میں بھی خواجہ گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی شرح کی ہے۔ نیز اس کے انگریزی اور اُردو میں متعدد ترجمے ہوئے جن میں سے ایک آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ دیگر تراجم کے مقابلہ میں قارئین اسے ایک بہترین ترجمہ پائیں گے۔ اللہ عزوجل اس کتاب کے فیوض و برکات سے ہمیں حصہ عطا فرمائے۔ اٰمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم

ابو حنظلہ محمد اجمل عطاری
30 اپریل 2009ء بروز جمعرات
بمطابق 4 جمادی الاولیٰ 1430ھ

[1] طبقات الشافعیه، جلد 3، صفحه: 155.
[2] یوسف الیان سرکیس، معجم المطبوعات العربیه، مطبع سکیس، مصر صفحه: 1514.

تعارفِ مصنف

مصنفِ کتاب علمی حلقہ میں تو یقیناً کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں البتہ عوام الناس شاید ایسی عظیم ہستی سے ناآشنا ہوں لہٰذا اُن کے لیے مختصر تعارف پیش کر رہا ہوں۔

نام ونسب: عبدالکریم بن ہوازن ہے جبکہ ''امام قشیری'' کی نسبت سے مشہور ہیں۔ قشیر بن خزیمہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو ''قشیری'' کہا جاتا ہے۔

تاریخ ولادت اور مقام ولادت: آپ کی ولادت ماہ ربیع الاول 376ھ میں نیشاپور کے قریب موضع ''استواء'' نامی قصبہ میں ہوئی جس کی نسبت سے آپ کو ''استوائی'' اور ''نیشاپوری'' سے یاد کیا جاتا ہے۔

تعلیم وتربیت

آپ ابھی زمانۂ بچپن ہی میں تھے کہ والد گرامی کا سایہ اُٹھ گیا۔ آپ نے ابوالقاسم یمانی رحمۃ اللہ علیہ سے ادب اور عربی زبان پڑھی۔ ابتداءً آپ دنیا داروں سے میل جول رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ علم دنیا کے حصول کے لیے ''نیشاپور'' تشریف لائے۔ یہاں آئے تو دنیاوی علوم حاصل کرنے کے لیے تھے مگر تقدیر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ہوا یوں کہ نیشاپور میں آپ کا گزر امام ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس سے ہوا وہ بڑے صاحبِ کشف بزرگ تھے۔ ان کا کلام سنتے ہی دل کی حالت بدل گئی...... دنیا کا علم حاصل کرنے کا خیال رفو چکر ہو گیا اور آپ نے راہِ درویشی کو اختیار کر لیا۔

علوم وفنون کا حصول اور اساتذہ

آپ نے ''علم فقہ'' حضرت ابوبکر محمد بن ابی بکر طوسی رحمۃ اللہ علیہ (م 405ھ) سے پڑھا اور اس میں اس قدر مہارت حاصل کی کہ اس علم میں آپ نے کتابیں تصنیف کیں پھر ان کے مشورے سے امام ابوبکر بن فورک رحمۃ اللہ علیہ سے ''علم اصول'' پڑھا۔ پھر انھی سے ''اصول فقہ'' کا علم بھی حاصل کیا۔ پھر استاذ ابواسحاق ابراہیم محمد بن اسفرائنی رحمۃ اللہ علیہ (م 418ھ) کے مدرسے میں حصول علم کے لیے تشریف لے گئے۔ ان کے علاوہ ابومنصور عبدالقاہر بن طاہر بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (م 469ھ) بھی آپ کے اساتذہ میں شامل ہیں۔ ان کے علاوہ بھی آپ کے کثیر اساتذہ ہیں جن کا ذکر طوالت سے بچنے کے لیے ترک کر رہا ہوں۔

قوتِ حافظہ

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ کو کمال قوت حافظہ عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ آپ امام ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں کئی دن بیٹھے ایک دن انھوں نے فرمایا کہ یہ علم صرف سننے سے حاصل نہ ہوگا بلکہ اس کو تحریر کر لیا کرو تو آپ نے فوراً تمام دنوں کا سبق سنا دیا۔ وہ یہ معاملہ دیکھ کر متعجب ہوئے اور فرمایا: تم کو میرے درس کے سننے کی حاجت نہیں بس میری کتب پڑھ لیا کرو۔

بیعت

چونکہ ''نیشاپور'' میں آپ شیخ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ سے متاثر ہوئے تھے اور پھر ان کے کہنے پر ہی آپ نے ''علم شریعت'' حاصل کیا لہٰذا آپ نے انھی کے دست حق پرست پر بیعت کی۔

پیرومرشد کا ادب واحترام

آپ اپنے مرشد کا انتہائی ادب فرماتے تھے یہاں تک کہ ان کی مجلس میں جانے سے پہلے روزہ رکھتے اور غسل کرتے کئی بار ایسا بھی ہوتا کہ جا کر دروازے سے واپس آجاتے اندر داخل ہونے کی جرأت نہ ہوتی خود بیان فرماتے ہیں کہ اگر مدرسہ میں داخل ہو جاتا تو بدن پہ لرزہ طاری ہو جاتا یہاں تک کہ اگر مجھے سوئی چبھوئی جاتی تو شاید اس کے اثر کو محسوس نہ کرسکتا۔

نکاح مبارک

آپ کے پیرومرشد امام ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی نگاہ فراست سے آپ کو ملاحظہ فرمایا تو آپ میں خاص علامات پائیں۔ بس آپ نے باوجود اس کے کہ اپنے خاندان میں صالح نوجوان موجود تھے۔ اپنی بیٹی کا نکاح آپ سے کر دیا۔

اولاد

آپ کے چھ بیٹے اور ایک بیٹی تھی جن کے نام یہ ہیں: ① ابو سعد عبد اللہ ② ابو سعید عبد الواحد ③ عبد الرحمٰن ④ ابو النصر عبد الرحیم ⑤ عبید اللہ ⑥ ابو المظفر عبد المنعم اور بیٹی کا نام ''امۃ الکریم'' تھا۔ آپ کی تمام اولاد نیک اور صالح تھی۔

تلامذہ

آپ کے تلامذہ میں بھی بڑے بڑے عظیم نام ہیں کہ جن کے علوم وفنون کے فیضان سے ایک عالم فیض یاب

ہوا۔ آپ کے چند مشہور تلامذہ کے نام یہ ہیں: ① خطیب بغدادی: اُنھوں نے 100 کے قریب کتابیں لکھی جن میں ''تاریخ بغداد'' زیادہ مشہور ہے۔ ② ابوبکر عبد الرحمٰن بن عبد اللہ البحیری ③ ابو محمد عبد اللہ بن عطاء الابراہیمی ④ ابوبکر شاہ بن احمد الشاد یاخی الصوفی رحمہ اللہ اور ابو عبد اللہ الفراوی رحمہ اللہ یہ بڑے امام، متقی اور مناظر تھے۔ اور ایک ہزار سے زائد مجالس میں آپ نے حدیث لکھوائی۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں نے آپ کے نام ''الفراوی'' کی توجیہ یوں کی ہے کہ یہ ''الف راوی''، یعنی ایک ہزار وی۔ آپ نے تقریباً 20 سال تک لوگوں کو صحیح مسلم سنائی۔

آپ کے معاصرین

آپ کے ہم زمانہ لوگوں میں بھی بڑے بڑے نام شامل ہیں۔ مثلاً: حضرت سید علی ہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ جیسی عظیم علمی اور روحانی ہستی آپ کے ہم زمانہ ہے۔ بلکہ حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''کشف المحجوب'' میں آپ کا ذکر بڑی عقیدت کے ساتھ کیا ہے، آپ فرماتے ہیں: میں نے امام قشیری رحمہ اللہ سے پوچھا تصوف میں آپ کی ابتداء کس طرح ہوئی؟ اُنھوں نے فرمایا: ایک مرتبہ مجھے ایک پتھر کی ضرورت تھی، میں تلاش میں نکلا تو جس پتھر کو اُٹھاتا وہ گوہر بن جاتا تو میں اس کو پھینک دیتا۔ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمہ اللہ جیسی عظیم ہستی کا ان کا یہ واقعہ اپنی کتاب میں بیان فرما دینا ہی ان کی عظمت کے اظہار کے لیے کافی ہے۔

آپ کی خوبیاں

آپ اپنے زمانے کے بہت بڑے صوفی، امام، متقی اور صاحبِ ورع ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے خطیب بھی تھے۔ آپ کے وعظ کی تاثیر سے سخت سے سخت دل بھی نرم ہو جاتے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کا وعظ اگر پتھر سے ٹکرائے تو وہ نرم ہو جائے اور اگر ان کی مجلس میں شیطان کو باندھ دیا جائے تو وہ تائب ہو جائے۔ اس کے علاوہ آپ مفسر، محدث، مصنف، ادیب، شاعر اور فنِ سپاہ گیری اور خوش نویسی کے اوصاف سے بھی متصف تھے۔

تصانیف

آپ کی تصانیف کی تعداد تقریباً 30 کے قریب ہے جن کے نام یہ ہیں: ① التفسیر الکبیر ② الرسالہ ③ الستجیر فی التذکیر ④ آداب الصوفیہ ⑤ لطائف الأشارات ⑥ کتاب الجواهر ⑦ عیون الأجوبة فی اصول الأسئلة ⑧ کتاب المناجاة ⑨ کتاب نکت اولی النهیٰ ⑩ کتاب نحو القلوب الکبیر ⑪ کتاب نحو القلب الصغیر ⑫ کتاب احکام السماع ⑬ کتاب الاربعین فی

الحدیث ⑭ رساله ترتیب السلوك فی طریقه الله تعالیٰ ⑮ شکایت اهل سنة بحکایه مانالهم من المحنه ⑯ کتاب سیرة المشائخ ⑰ کتاب المعراج ⑱ استفادات المردات ⑲ بلغة المقاصد فی التصوف ⑳ ناسخ الحدیث و منسوخه ㉑ حیاة الارواح والدلیل الیٰ طریق الصلاح ㉒منشور الخطاب فی شهود الالباب ㉓ الفصول فی الاصول ㉔ القصیدة الصوفیه ㉕التوحید النبوی ㉖ اللمع ㉗ الفتوه ㉘ المقامات الثلاثة ㉙ فتویٰ ㉚ جبکہ ایک اور کتاب ہے جس میں آپ نے وہ احادیث جمع کیں ہیں جو آپ نے حضرت شیخ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ سے بسند متصل سنی تھیں۔

وفات پُرملال

آپ نے 16 ربیع الآخر 465ھ میں صبح کے وقت اس فانی دنیا کو چھوڑا۔ اس وقت عمر مبارک 89 سال کی تھی۔ سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ مرض الموت میں بیماری کی شدت کے باوجود آپ نے نماز نہ چھوڑی۔ آپ کو آپ کے شیخ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

بعداز وصال

آپ کے وصال کے بعد ابوتراب مراغی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے تھے: (أَنَا فِی أَطْیَبِ عَیْشٍ وَّأَکْمَلِ رَاحَةٍ) ''میں پاکیزہ عیش اور کامل راحت میں ہوں۔''

اللہ عزوجل کی بارگاہ میں بندۂ عاجز دعا گو ہے کہ ان کے درجات کو بلند فرما کر ان کو مزید راحت و عیش عطا فرمائے اور ان کے فیوض و برکات کو تا قیامت جاری وساری فرمائے۔

یہ مختصر سا تعارف تھا جسے تحریر کرنے کا مقصد اپنی نسبت ''امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ'' سے قائم کرنے کی کوشش ہے تا کہ بروز قیامت ان کے متعلقین میں میرا بھی شمار ہو جائے۔ اور حقیقت میں نسبت ہی کی بہاریں ہیں۔ اللہ عزوجل ہمیں نسبتوں کی حفاظت کی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمین بجاہ النبی الامین ﷺ

ابوحنظلہ محمد اجمل عطاری

30 اپریل بروز جمعرات 2009

بمطابق 4 جمادی الاولیٰ 1430ھ

تعارفِ مترجم

رسالہ قشیریہ کے اس ترجمہ کی سعادت بیسیوں کتب کے مصنف و مترجم حضرت علامہ ''محمد صدیق'' ہزاروی مدظلہ العالی نے حاصل کی ہے۔

آپ کا اسم گرامی ''محمد صدیق'' ہے۔ وطن مالوف کی نسبت سے ''ہزاروی'' روحانی نسبت کے حوالے سے ''سعیدی'' اور جامعہ ازھر (قاہرہ مصر) میں تدریب الائمہ کورس میں شرکت کی وجہ سے ''ازہری'' کہلاتے ہیں۔

آپ کے والد گرامی حضرت مولانا ''محمد عبداللہ رحمۃ اللہ'' جید عالم دین تھے جبکہ آج سے نصف صدی پہلے ان کے پاس گاؤں کی مسجد میں 70-80 کے قریب طلباء علوم دینیہ حاصل کرتے تھے۔

تاریخ ولادت: 15 ستمبر 1947ء موضع چھڑھ، ضلع مانسہرہ (صوبہ سرحد)

بیعت: غزالیٔ زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی شاہ صاحب رحمۃ اللہ کے دست حق پر کی۔

تعلیم و تربیت

ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کی، والد گرامی سے ناظرہ قرآن پڑھا جبکہ بڑے بھائی مولانا ''عبدالرشید رضوی'' صاحب سے فارسی کی کتب پڑھیں۔ 1963ء میں پشاور بورڈ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور ''جامعہ اسلامیہ'' رحمانیہ ہری پور ہزارہ میں داخلہ لیا۔ پھر قلعہ دیدار سنگھ گوجرانوالہ اور جامع العلوم مرکزی مسجد خانیوال میں علم کی منازل طے کرتے ہوئے ''جامعہ نظامیہ رضویہ'' لاہور سے درس نظامی کی تکمیل کی اور اس کے ساتھ ساتھ ''پنجاب یونیورسٹی'' لاہور سے بی۔ اے اور انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری بورڈ لاہور سے فاضل عربی کا امتحان بھی پاس کیا۔

اساتذہ

آپ کے چند اساتذہ کے اسمائے گرامی یوں ہیں۔ ❀ مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ ❀ حضرت علامہ مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ، ❀ حضرت مولانا غلام فرید ہزاروی رحمۃ اللہ (گوجرانوالہ)، ❀ علامہ محمد شریف ہزاروی (گوجرانوالہ)، علامہ حسن الدین ہاشمی (لاہور)، ❀ علامہ نور احمد ریاض (خانیوال)، ❀ علامہ سعید الرحمٰن (ہری پور)، ❀ علامہ احمد حسن رحمۃ اللہ (خانیوال)، ❀ علامہ سید زبیر شاہ صاحب رحمۃ اللہ (ہری پور)، ❀ علامہ

مولانا مفتی ریاض الدین رحمۃ اللہ علیہ (ہری پور)۔

اِعزازات

شهادة العالميه فى العلوم العربيه والاسلاميه (ایم۔اے عربی و اسلامیات) تنظیم المدارس (اہلِ سنت) پاکستان کے امتحان درجہ عالمیہ میں آپ نے 1975ء میں ''پہلی پوزیشن'' حاصل کی۔ نیز 1975ء میں ''جامعہ نظامیہ'' میں دورہ حدیث کا آغاز ہوا تو اس پہلے سال میں ''دورہ حدیث'' کرنے والے طلباء میں آپ بھی شامل تھے۔ جبکہ جامعہ ازہر مصر سے ''تدریب الائمہ کورس'' کی تکمیل کی۔ جامعہ نظامیہ رضویہ میں فقہ، اصول فقہ، تفسیر اور حدیث پڑھاتے رہے جبکہ آج کل ''جامعہ ہجویریہ'' لاہور میں ''شیخ الحدیث'' کے منصب پر فائز ہیں۔

سرکاری مناصب

آپ زونل رویت ہلال کمیٹی پنجاب کے ممبر، وفاقی شرعی عدالت کے مشیر، اتحاد بین المسلمین کمیٹی پنجاب کے رکن رہ چکے ہیں۔ جبکہ حال ہی میں ''اسلامی نظریاتی کونسل'' کے رکن منتخب ہوئے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ جماعتِ اہلِ سنت پاکستان کے مرکزی ناظم تعلیم وتبلیغ ہیں۔

خاندانی زندگی

1974ء میں آپ کی شادی ہوئی۔ آپ کی اولاد میں تین بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں جبکہ سب سے بڑے بیٹے ''محمد بشارت صدیق ہزاروی'' اس وقت جامعہ ہجویریہ میں ''دورہ حدیث'' مکمل کر رہے ہیں۔

دینی خدمات

درس نظامی کی تکمیل کے بعد علامہ موصوف نے ایک انتہائی متحرک زندگی کا آغاز کیا اور 1970ء سے تادم تحریر شعبہ درس نظامی کے تمام درجوں کی تدریس جبکہ ''جامعہ نظامیہ رضویہ'' لاہور سے متصل جامعہ خراسیاں اندرون لوہاری گیٹ محکمہ اوقاف کی جانب سے خطیب رہے۔ اب ریٹائرمنٹ کے بعد آپ کے بڑے صاجزادے مولانا ''محمد بشارت ہزاروی'' محکمہ اوقاف کی جانب سے اس مسجد میں خطیب مقرر ہیں جبکہ علامہ موصوف کا اس وقت تین مسجدوں میں خطبۂ جمعہ کا معمول ہے۔

فی زمانہ چونکہ میڈیا کا دور ہے اس کے پیش نظر آپ نے خود کو الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا سے منسلک رکھا ہوا ہے۔

مختلف اخبار ورسائل کے اندر آپ کے بیسیوں علمی مضامین شائع ہو چکے ہیں جبکہ لبیک ٹی وی چینل پر درس بخاری اور اپنا نیوز ٹی وی پر فقہی سوالات کے جوابات پر مشتمل پروگرام کا سلسلہ جاری ہے جبکہ ساتھ ہی ساتھ ریڈیو پاکستان پر بھی فقہی مسائل پر سوالوں کے جوابات دیتے ہیں۔کئی ملکی و بین الاقوامی سیمیناروں میں شرکت کر چکے ہیں۔

تحریری خدمات

قارئین اندازہ کر سکتے ہیں کہ مذکورہ بالا کثیر الجہات امور سرانجام دینے والی شخصیت کی مصروفیت کا عالم کیا ہوگا، اس کے لیے یکسوئی کے ساتھ تصنیف وتالیف کے لیے وقت نکالنا کتنا دشوار ہوگا؟ لیکن اللہ عزوجل کا کرم ہے کہ آپ کثیر مشاغل رکھنے کے باوجود اس وقت تقریباً 70 کے قریب کتب و رسائل تصنیف، تالیف یا ترجمہ کی صورت میں اپنے قلم سے سپرد قارئین فرما چکے ہیں۔ جو کہ حدیث، تصوف، درس نظامی کے علاوہ متفرق موضوعات پر مشتمل ہیں۔ ذیل میں ان کی کتابوں کی فہرست پیش کی جاتی ہے:

سنن دارمی (دوجلد)*	کتاب الآثار (ایک جلد)*	رسالہ قشیریہ (ایک جلد)*
تنبیہ المغترین (ایک جلد)*	ریاض الصالحین (دوجلد)	تفہیم البلاغۃ (ترجمہ دروس البلاغہ)
مسند اسحاق بن راھویہ (ایک جلد)	احیاء العلوم (چارجلد)	المواھب اللدنیہ (تین جلد)
صحیح مسلم شریف (تین جلد)	"جامع ترمذی (دوجلد)	سنن ابو داؤد (تین جلد)
شرح معانی الآثار (چارجلد)	غنیۃ الطالبین (ایک جلد)	الکبائر (ایک جلد)
جلاء الافہام (ایک جلد)	نور الایضاح (ترجمہ وحاشیہ)	تفہیم النحو (ترجمہ ھدایۃ النحو)
مقدمۃ المناظرہ	اصول الشاشی (سوالاً جواباً)	تفہیم البیضاوی (سوالاً جواباً)
مراح الارواح (سوالاً جواباً)	علم النحو، تلخیص اصول الشاشی	صرف بھترال (ترجمہ وترتیب)
خلاصۃ الھدایہ (جلد چہارم)	انتخاب جلالین و مشکوۃ (ترجمہ)	حسامی (سوالاً جواباً)
اربعین نووی (ترجمہ وحاشیہ)	شمائل ترمذی (ترجمہ)	حصن حصین (ترجمہ)
کنزالایمان تفاسیر کی روشنی میں	سجدۂ تعظیمی (تحقیقی رسالہ اعلیٰ حضرت)	سنت و بدعت
حضرت پیر مہر علی شاہ اور ردّ قادیانیت	اعضاء کی پیوندکاری	عقائد وعبادات (بچوں کے لیے)
تعلیم نماز (اردو، انگریزی)	خطبات ومقالات	فرض نماز کے بعد دعا

* یہ تمام "مکتبہ اعلیٰ حضرت" لاہور نے انتہائی دیدہ زیب انداز میں شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ (ابو حنظلہ محمد اجمل عطاری)

قبر پر اجتماعی قرآن خوانی	قرآن سے علاج	علمی ونشری تقریریں
پیغام حق (مجموعہ رسائل)	قربانی تین دن	توسل کی شرعی حیثیت
قربانی (فضائل ومسائل)	تعلیقات رضا	حضرت امام ابو یوسف (عربی، غیر مطبوعہ)
تجہیز وتکفین	مقالات تعارف (تعارف جامعہ نظامیہ رضویہ)	مقدمة الميراث (عربی)
سیرت کوئز (حصہ اول)	بابرکت راتیں	مضامین ماہ رمضان
تعارف علماء اہلِ سنت	دو نامور مجاہد	رسول اکرم ﷺ کی وصیتیں (گنبد خضری کے سائے میں لکھی گئی کتاب)
میلاد النبی اور علمائے عرب	دلوں کو موم کرنے والی باتیں	عرفان القرآن (قرآن بزبان قرآن)
تعلیمات شاہ جیلاں	تجلیات اعتکاف	تحقیق طلاق
تقسیم وراثت	تحقیق حلالہ	

جبکہ تحریر کا سلسلہ تادم تحریر جاری وساری ہے۔اس کے علاوہ ''آپ'' نے مدارس دینیہ کے قائم کرنے کا اہتمام بھی کیا ہے۔ چنانچہ ''جامعہ اسلامیہ'' حنفیہ عثمان آباد مانسہرہ اور ''جامعہ عائشہ صدیقہ'' عثمان آباد مانسہرہ میں اس وقت آپ کی زیر سرپرستی علوم دینیہ کا فیضان جاری ہے، اس کے علاوہ آپ کی سرپرستی میں ایک ماہنامہ ''نوید سحر'' بھی شائع ہو رہا ہے۔ جو اپنے قارئین تک علمی وتحقیقی مضامین پہنچانے کی بھاری ذمہ داری کو پورا کرنے کی سعی جمیل کر رہا ہے۔

عادات ومعاملات

آپ انتہائی سادہ، درویش منش، صابر، قناعت پسند اور دین کے لیے خود کو قربان کردینے کے جذبے سے سرشار شخصیت کے حامل انسان ہیں۔ وقت کی انتہائی قدر کرتے ہیں اور اپنی ذمہ داری کا بھرپور احساس کرتے ہیں، حق بات کہنے کی جرأت رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی اللہ ﷻ نے آپ کو بے شمار خوبیوں سے نوازا ہے۔ اس حقیقت کے اعتراف کے ساتھ اپنا مضمون ختم کرتا ہوں کہ میرے قلم میں آپ جیسی عظیم شخصیت کا کماحقہٗ تعارف کروانے کی سکت نہیں۔

گر قبول از رهے عز و شرم است

ابو حنظلہ محمد اجمل عطاری

30 اپریل بروز جمعرات 2009ء

بمطابق 4 جمادی الاولیٰ 1430ھ

مقدمہ از مصنف

تمام تعریفیں اللہ ﷻ کے لیے ہیں جو اپنی بادشاہی کے جلال کے ساتھ ''یکتا'' ہے اور اپنی بڑائی کے جمال کے ساتھ ''واحد'' ہے، اپنی وحدانیت کی بلندی کے ساتھ ''معزز'' ہے اور اپنی بے نیازی کی عظمت کے ساتھ ''پاک'' ہے۔ اپنی ذات میں ہر مثل کی مشابہت سے ''بڑا'' ہے اور اپنی صفات میں ہر انتہاء اور کمی سے ''پاک'' ہے۔ اس کی صفات ہیں جو اس کے حق کے ساتھ ''خاص'' ہیں اور اس کی بولنے والی نشانیاں اس کی مخلوق کے مشابہ ''نہیں'' ہیں۔

توحید کا اقرار

وہ عزیز ذات پاک ہے کوئی حد اُس کو پا نہیں سکتی، کوئی گنتی اس کو گھیر نہیں سکتی، کوئی انتہاء اس کو محدود نہیں کر سکتی، کوئی اس کی مدد کرنے والا نہیں، اس کی اولاد نہیں جو اس کی سفارش کرے، کوئی عدد اس کو جمع کرنے والا نہیں، کوئی مکان اس کو ٹھہرانے والا نہیں، کوئی وقت نہیں جو اس کا ادراک کر سکے، کوئی فہم اور سمجھ اس کا اندازہ نہیں کر سکتی اور کوئی وہم اس کا تصور نہیں کر سکتا۔

وہ اس بات سے پاک ہے کہ کہا جائے وہ کیسا ہے؟ وہ کہاں ہے؟ اس نے اپنے عمل سے زینت حاصل کی یا اپنے فعل سے نقص اور عیب کو دور کیا؟ کیونکہ اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سننے، دیکھنے والا ہے، کوئی زندہ اس پر غالب نہیں آ سکتا اور وہ خبر رکھنے والا طاقت والا ہے۔

وہ جس چیز کا مالک ہے اور جو کچھ کرتا ہے اس پر میں اس کی تعریف کرتا ہوں اور جو کچھ وہ جمع کرتا اور دور کرتا ہے اس پر اس کا شکر ادا کرتا ہوں۔ میں اس پر بھروسہ اور قناعت کرتا ہوں اور وہ جو کچھ دیتا یا روکتا ہے اس پر راضی ہوں۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ﷻ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ ایسی شہادت جس میں اس کی توحید کا یقین رکھتا ہوں اور اس کی بہترین مدد کی پناہ لیتا ہوں۔

رسالت کا اقرار

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ اس کے منتخب بندے اور مختار امین ہیں۔ اس کے بھیجے ہوئے وہ رسول ہیں جو تمام مخلوق کو کافی ہیں۔ آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی آل پر جو اندھیروں کے چراغ ہیں اور

آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جو ہدایت کی چابیاں ہیں، اللہ عزوجل کی رحمت اور بہت زیادہ سلام ہو۔

یہ ایک رسالہ ہے جس کو اللہ عزوجل کی بارگاہ کے فقیر ''عبدالکریم بن ہوازن قشیری'' نے 439ھ میں اسلامی ممالک کے صوفیاء کی طرف لکھا۔ اس کے بعد!

جماعتِ صوفیاء کے اوصاف

اللہ عزوجل ان سے راضی ہو۔ اللہ عزوجل نے اس جماعت کو اپنے دوستوں میں سے منتخب فرمایا۔ اپنے رسولوں اور نبیوں (ان پر اللہ عزوجل کی رحمتیں اور سلام ہو) کے بعد اپنے تمام بندوں پر ان کو فضیلت دی۔ ان کے دلوں کو اپنے اسرار کا مخزن بنایا اور امت کے درمیان ان کو اپنے انوار (وتجلیات) کے طلوع ہونے کے ساتھ خاص کیا۔

وہ مخلوق کے مددگار ہیں اور اپنے عام حالات میں حق کے ساتھ حق کے ہمراہ پھرتے ہیں۔ (اللہ عزوجل نے) ان کو بشری کدورتوں سے پاک کیا اور وحدانیت کے جو حقائق ان کے لیے روشن کیے ان کے مشاہدات کے مقامات کی طرف ان کو ترقی دی۔ ان کو آداب بندگی قائم رکھنے کی توفیق دی اور احکامِ ربوبیت جاری ہونے کے مقامات میں حاضر کیا۔

پس ان کو جن واجبات کا مکلف بنایا گیا وہ ان کو ادا کرنے کے لیے کمربستہ ہوئے اور اللہ عزوجل کی طرف سے جو تبدیلی اور پھرنے کا حکم ملا، اس کو ثابت کیا۔ پھر وہ سچی محتاجی اور انکساری کی صفت کے ساتھ اپنے رب عزوجل کی طرف لوٹے اور انھوں نے اپنے اعمال یا احوال کی صفائی پر بھروسہ نہ کیا۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ عزوجل جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اپنے بندوں میں سے جسے چاہے پسند کرتا ہے۔ مخلوق اس کے خلاف فیصلہ نہیں دے سکتی اور سچی مخلوق اس کے خلاف نہیں کرسکتی۔ اس کا ثواب اس کے فضل کی ابتداء اور اس کا عذاب عدل کے ساتھ فیصلہ ہے اور اس کا حکم (حق و باطل کے درمیان) قولِ فیصل ہے۔

پھر اللہ عزوجل تم پر رحم کرے تم جان لو! اس جماعت کے محققین کی اکثریت ختم ہو چکی ہے اور اس زمانے میں صرف ان کے نشانات باقی رہ گئے ہیں جس طرح کہا گیا:

''اَمَّا الْخِيَامُ فَإِنَّهَا كَخِيَامِهِمْ وَاَرٰى نِسَاءَ الْحَيِّ غَيْرَ نِسَائِهَا

* ''ان کے خیمے تو ان کے خیموں کی طرح ہیں اور میں قبیلے کی عورتوں کو ان کی عورتوں جیسا نہیں دیکھتا۔''

زمانے کے حالات

اس طریقہ (طریقۂ صوفیاء) میں وقفہ آ گیا بلکہ حقیقتاً یہ طریقہ مٹ گیا۔ وہ بزرگ چلے گئے جن کی اقتداء کی جاتی

تھی اور وہ نوجوان کم ہیں جن کی سیرت اور طریقے کی اقتداء کی جائے۔ پرہیزگاری ختم ہوگئی اور اس کی بساط لپیٹ دی گئی۔ لالچ بڑھ گئی اور اس کی طنابیں مضبوط ہوگئیں۔ لوگوں کے دلوں سے شریعت کی عزت کوچ کر گئی، انھوں نے دین کی بہت کم پروا کرنے کو مضبوط ذریعہ بنالیا نیز حلال وحرام کے درمیان امتیاز کرنا چھوڑ دیا، ترکِ احترام کے قریب چلے گئے اور دوسروں کی عزت کرنا چھوڑ دیا۔ عبادت کی ادائیگی کو ہلکا جانا اور نماز، روزے کی توہین کرنے لگے۔ انھوں نے غفلت کے میدان میں دوڑ لگا دی اور خواہشات کی اتباع کی جانب مائل ہو گئے۔ ممنوعات کو اختیار کرنے نیز بازاری لوگوں، عورتوں اور بادشاہ کے درباریوں سے نفع اندوزی (ایسے جرم) کی پروا بہت کم ہوگئی۔

پھر ان برے افعال کے ذریعے کچھ حاصل کرنے پر بھی راضی نہ ہوئے حتیٰ کہ انھوں نے حقائق واحوال کی بلندی کی طرف اشارہ دیا اور دعویٰ کیا کہ وہ پابندیوں کی غلامی سے آزاد ہو گئے اور وصال کے حقائق تک پہنچ گئے، نیز وہ حق بات کے ساتھ قائم ہیں، ان پر حق کے احکام جاری ہوتے ہیں وہ (اپنی ذات سے) مٹ چکے ہیں اور وہ جس کام کو ترجیح دیتے یا جس کو چھوڑتے ہیں اس کے بارے میں اللہ ﷻ ان پر ناراضگی یا ملامت نہیں فرمائے گا اور ان پر اسرارِ اَحدِیَت منکشف ہو چکے ہیں اور انھوں نے ان کو مکمل طور پر حاصل کر لیا ہے۔ نیز ان سے احکامِ بشریت زائل ہو چکے ہیں اور ان کے فناء وزوال کے بعد وہ انوارِ صَمدِیَت کے ساتھ باقی ہیں اور ان کی طرف سے کوئی اور بولتا ہے جب وہ بولتے ہیں اور جب وہ تصرف کرتے بلکہ پھرتے ہیں تو ان کی طرف سے کوئی اور نیابت کرتا ہے۔

سببِ تالیفِ رسالہ

اور جب ہمارے اس زمانے کے یہ حالات جن کا میں نے کچھ ذکر کیا ہے، ظاہر ہوئے تو آزمائش طویل ہوگئی اور میں اس حد تک انکار کی زبان کو نہیں پھیلاتا کیونکہ مجھے اس بات کی غیرت آتی ہے کہ اس طریقہ (تصوف) والوں کا ذکر برائی کے ساتھ کروں یا ان کے کسی مخالف کو ان کی عیب جوئی کی گنجائش (کا موقعہ) ملے کیونکہ ان علاقوں میں اس طریق (تصوف) کے مخالفین اور منکرین کا بہت زیادہ زور ہے۔

اور جب مجھے اس بات کی امید ہے کہ اس (اِنحِطَاط کے) دور کا مادہ ختم ہو جائے گا اور امید ہے کہ اللہ ﷻ اپنے لطف وکرم سے ان آدابِ طریقت کو ضائع کرنے والوں کے اس مخالفِ سنت طریقے پر ان کو آگاہ کر دے گا اور اس زمانے میں تو سخت مشکلات ہیں اور اکثر اہل وطن اپنی عادات میں بڑھے ہوئے ہیں اور جس عادت کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اس کے بارے میں دھوکے کا شکار ہیں، تو مجھے دلوں پر یہ خوف لاحق ہوا کہ ان کا حساب لیا جائے کہ کیا اس معاملہ (تصوف) کے قواعد اسی طرح بنائے گئے تھے اور پہلے بزرگ اسی طریقے پر چلتے تھے؟

تو میں نے یہ رسالہ تم لوگوں سے متعلق کر دیا۔ اللہ ﷻ تمھیں عزت عطا فرمائے۔

مضامینِ رسالہ

میں نے اس میں اس طریقہ (تصوف) کے بعض شیوخ کے حالات ذکر کیے ہیں، ان کے آداب، ان کے اخلاق، ان کے معاملات اوران کے قلبی عقائد کا ذکر کیا اوران کی بزرگی کے اشارات، نیز ابتداء سے انتہاء تک ان کی نگرانی کی کیا صورت تھی، تاکہ میرے مرید کے لیے یہ طریقہ طاقت بن جائے اور میری طرف سے تمھارے لیے ان کی تصحیح شہادت قرار پائے اوراس شکوہ کو پھیلانے میں میرے لیے تسلی ہواور کریم ذات کی طرف سے فضل اور ثواب ہو۔

میں جو کچھ ذکر کروں گا اس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مدد طلب کرتا ہوں، اس سے کفایت کا طالب ہوں، اس میں خطا سے اس کے دامن میں پناہ لیتا ہوں، اس سے بخشش اور مدد طلب کرتا ہوں۔ وہ فضل و کرم کے زیادہ لائق اور ہر شے پر قادر ہے۔

فقیر بارگاہ الٰہی
عبدالکریم بن ہوازن قشیری
439 ہجری

باب
فصل اوّل

مسائل اصول میں اس طائفہ (گروہ) کے اعتقاد کا بیان

صوفیاء کے نزدیک توحید اور اس کے اصول

جان لو! (اللہ ﷻ تم پر رحم فرمائے) اس گروہ (صوفیاء کرام) کے بزرگوں نے توحید کے سلسلے میں اپنے موقف کے قواعد کو صحیح اصول پر اُستوار کیا ہے۔ انھوں نے اپنے عقائد کو بدعات سے محفوظ رکھا [1] اور جو کچھ اسلاف اور اہلِ سنت سے پایا اس کے قریب تر ہے یعنی ایسی توحید جس میں تمثیل یا تعطیل نہیں ہیں [2] انھوں نے قدیم ہونے کے حق کو پہچانا اور جو عدم سے وجود میں آیا اس کے اوصاف کو بھی واضح کیا۔

اسی لیے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''توحید قِدم کو حدث سے الگ ماننا ہے۔'' [3]

توحید کے دلائل جاننا ضروری ہیں

ان حضرات نے اصول عقائد کو واضح دلائل اور روشن شواہد کے ساتھ مضبوط کیا جس طرح حضرت ابو محمد جریری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''جو شخص شواہد میں سے کسی شاہد (دلیل) کے ساتھ علم توحید سے واقفیت حاصل نہیں کرتا اس کے قدم دھوکے کے باعث ضائع ہونے کے گڑھے میں پھسل جاتے ہیں۔''

ان کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص محض تقلید کی طرف مائل ہوتا ہے اور توحید کے دلائل میں غور و فکر نہیں کرتا وہ نجات کے

---

[1] لغوی معنٰی کے اعتبار سے ہر نئے کام کو بدعت کہا جاتا ہے اور اصطلاحی طور پر جو کام سنت کے خلاف ہو وہ بدعت ہے۔ اگر کوئی نیا کام شروع کیا جائے لیکن وہ سنت کے خلاف نہ ہو بلکہ اچھا کام ہو تو وہ بدعت حسنہ ہے اس سے منع نہیں کیا گیا البتہ جو سنت کے خلاف ہو وہ بدعت سیئہ (بری بدعت) ہے اور ممنوع ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[2] تمثیل کا معنی اللہ ﷻ کی مثل ثابت کرنا اور تعطیل کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے اپنے نائبین مقرر کر دیے اور خود فارغ ہو کر بیٹھ گیا (معاذ اللہ) ۱۲ ہزاروی

[3] حدث کا معنی حدوث ہے۔ حدوث کی تین قسمیں ہیں۔ ① حدوث ذاتی یعنی اس سے پہلے کوئی موجود ہو، ② حدوث زمانی یعنی قدیم نہ ہو اور ③ حدوث رضائی یعنی اس کا وجود دوسرے کے وجود سے کم ہو۔ اللہ ﷻ ہر قسم کے حدوث سے پاک ہے کیونکہ اللہ ﷻ ہر اعتبار سے قدیم ہے یعنی جب کچھ نہ تھا وہ موجود تھا۔ ۱۲ ہزاروی

راستے سے ہٹ جاتا ہے اور وہ ہلاکت کے قید خانے میں چلا جاتا ہے۔ اور جو شخص ان کے الفاظ میں غور کرتا اور ان کے کلام میں سوچ بچار کرتا ہے وہ ان تمام اقوال میں، وہ جمع ہیں یا متفرّق، اس بات کا یقین حاصل کر لیتا ہے کہ اس قوم نے تحقیق کی طرف ترقی کرنے میں کوئی کمی نہیں کی اور طلب کے سلسلے میں کوتاہی کے زینے پر قدم نہیں رکھا۔

ہم اس فصل میں مسائل اصول سے متعلق ان کے متفرّق کلام کا خلاصہ ذکر کریں گے پھر ہم بالترتیب ان باتوں کا ذکر کریں گے جن کی اعتقاد کے سلسلے میں ضرورت ہے۔ اور یہ بیان اختصار کے طریقے پر ہوگا، اِنْ شَاءَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ۔

توحید کے بارے میں صوفیاء کے اقوال

حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

"واحد: وہ ہے جو حدود اور حروف سے بھی پہلے معروف تھا۔"

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے صریح الفاظ میں بتایا گیا کہ قدیم ذات سبحانہ کی ذات کے لیے کوئی حد نہیں اور اس کا کلام حروف سے پاک ہے۔

حضرت رُویم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنی مخلوق پر سب سے پہلے کون سا فرض عائد کیا؟

فرمایا: "معرفت"۔ کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝﴾

"اور میں نے جن اور آدمی اتنے ہی لیے بنائے کہ میری بندگی کریں۔"[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: (اِلَّا لِیَعْرِفُوْنِ) "مگر اس لیے (پیدا کیا) کہ وہ مجھے پہچان لیں۔"

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بندہ حکمت کی گرہوں میں سے سب سے پہلے اس چیز کا محتاج ہے کہ وہ مصنوع اپنے صانع کو (ممتاز کر کے) پہچانے اور مُحدَث (جس کو پیدا کیا گیا) جان لے کہ اس کو کس طرح پیدا کیا گیا تاکہ وہ خالق اور مخلوق کی صفات میں امتیاز کر سکے اور قدیم اور محدث کی صفات کو پہچان لے، وہ اس کے حکم کے سامنے جھک جائے اور اس کی عبادت کے وجوب کا اعتراف کرے کیونکہ جو شخص اپنے مالک کو نہیں پہچانتا وہ اس بات کا اعتراف نہیں کر سکتا کہ ملکیت کا مستحق کون ہے۔

حضرت ابوطیب مراغی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"عقل کا کام راہنمائی کرنا، حکمت کا کام اشارہ کرنا اور گواہی دینا معرفت ہے، پس عقل دلالت کرتی ہے، حکمت

[1] پارہ 27، الذّٰریٰت 56، ترجمہ کنزالایمان

اشارہ کرتی ہے اور معرفت گواہی دیتی ہے کہ عبادات کا خالص اور صاف ہونا توحید کے اخلاص اور صفائی سے حاصل ہوتا ہے۔"

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے توحید کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: اس واحد ذات کو کمال اَحدِیت کے ساتھ ایک ماننا یہ ہے کہ وہ ایسا واحد ہے جس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا یعنی اس کی ضد، شریک، مشابہ کی نفی کی جائے کہ اس کو کسی سے تشبیہ نہ دی جائے نہ اس کی کوئی کیفیت ہے نہ صورت اور نہ ہی مثال۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝﴾

"اس جیسا کوئی نہیں اور وہی سنتا دیکھتا ہے۔"[1]

حضرت ابوبکر زاہراباذی رحمۃ اللہ علیہ سے معرفت کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

"معرفت ایک اسم ہے اس کا معنیٰ یہ ہے کہ دل میں ایسی تعظیم پائی جائے جو تمھیں تعطیل اور تشبیہ سے روک رکھے۔[2]

حضرت ابوالحسن بوشنجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: توحید اس بات کو جاننا ہے کہ اللہ عزوجل دیگر ذاتوں کے مشابہ نہیں اور نہ اس کی صفات کی نفی ہو سکتی ہے۔

اللہ سبحانہ کی صفات

حضرت حسین بن منصور (حلاج) رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"سب (مخلوق) کو حادث جانو کیونکہ قدیم تو صرف وہی ہے پس جس کا ظہور جسم کے ساتھ ہے اس کا عرض (غیر کے ساتھ قائم) ہونا لازم ہے اور جس کا جمع ہونا آلات کے ساتھ ہوتا ہے اس کا باہم ملا رہنا اس کو مضبوط رکھتا ہے، جس کو ایک وقت جوڑتا ہے دوسرا وقت اسے متفرق کر دیتا ہے، جو غیر کے ساتھ قائم ہوتا ہے وہ حاجت مند ہوتا ہے جس پر وہم کامیاب ہوتا ہے تصویر اس کی طرف چڑھتی ہے جس کو کسی جگہ میں ٹھکانہ ملتا ہے اس کے لیے لفظ "اَین" (کہاں ہے) استعمال ہوتا ہے اور جس کا کوئی ہم جنس ہو، کیفیت اس کی طالب ہوتی ہے۔" بے شک اللہ سبحانہ پر

لفظ "فَوْقَ" (اوپر) سایہ فگن نہیں ہوتا۔

لفظ "تَحْتَ" (نیچے) اس کو اٹھاتا نہیں اس کے مقابل کوئی حد نہیں۔

---

[1] پارہ 25، الشوریٰ 11، ترجمہ کنزالایمان

[2] اللہ عزوجل کو معطل سمجھنا تعطیل اور مخلوق کے مشابہ سمجھنا تشبیہ ہے اللہ عزوجل ان دونوں باتوں سے پاک ہے۔ تعطیل کا عقیدہ رکھنے والے اللہ عزوجل کے ساتھ جھوٹے معبودوں کے قائل ہیں جو کائنات کا نظام چلاتے ہیں، یہ غلط بات ہے۔ ۱۲ ہزاروی

لفظ ''عِنْد'' (پاس ہونا) اس سے ٹکراتا نہیں۔
لفظ ''خَلْف'' (پیچھے) اس کو پکڑتا نہیں۔
لفظ ''اَمَام'' (آگے) اس کی حد بندی نہیں کرتا۔
لفظ ''قَبْل'' (پہلے) اس کو ظاہر نہیں کرتا اور
لفظ ''بَعْد'' اس کو فنا نہیں کرتا۔
لفظ ''کُلْ'' اس کو جمع نہیں کرتا اور
لفظ ''کَانَ'' اس کا موجد نہیں اور نہ
لفظ ''لَیْسَ'' (نہیں ہے) اس کو مفقود کر سکتا ہے۔

اس کے وصف کی کوئی صفت نہیں، اس کے فعل کی کوئی علت (سبب) نہیں، اس کے ہونے کی کوئی انتہاء نہیں، وہ مخلوق کے احوال سے پاک ہے، اس کے وجود میں کوئی ملاوٹ نہیں اور اس کے فعل میں کوئی مشق نہیں، وہ ان (مخلوق) سے قدیم ہونے کے ساتھ ممتاز ہے جس طرح وہ اپنے حدوث کے ساتھ اس سے جدا ہیں۔

اگر تم کہو کہ وہ کب سے ہے؟ تو اس کا وجود وقت سے پہلے ہے۔
اگر تم اسے ''هُوَ'' (وہ) کہو تو ''ہا'' اور ''واؤ'' اس کے پیدا کردہ ہیں۔
اگر تم کہو ''اَیْنَ'' (وہ کہاں ہے؟) تو اس کا وجود ''مکان'' سے بھی پہلے ہے۔

پس حروف اس کی نشانیاں ہیں اور اس کا وجود اس کا اِثبات ہے اور اس کی معرفت اس کی توحید ہے اور اس کی توحید اس کا اپنی مخلوق سے ممتاز ہونا ہے جو کچھ وہموں میں متصوَّر ہوتا ہے وہ اس کے خلاف ہے، وہ چیز اس کے ساتھ کیسے کھلے جس کی ابتداء اس (اللہ ﷻ) سے ہے یا جس کو اس نے پیدا کیا وہ اس کی طرف کس طرح لوٹے؟

آنکھیں اس کو دیکھ نہیں سکتیں، گمان اس کے مقابل نہیں آسکتے، اس کا قرب اس کی عزت ہے اور اس کی دوری اس کی توہین ہے، اس کی بلندی بغیر اوپر کی طرف چڑھنے کے ہے اور اس کا آنا بغیر منتقل ہونے کے ہے۔ وہ اوّل ہے، آخر ہے، ظاہر اور باطن ہے، قریب بھی ہے اور دور بھی، اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سننے، دیکھنے والا ہے۔

حضرت یوسف بن حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک شخص حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کھڑا ہوا اور اس نے کہا مجھے توحید کے بارے میں بتائیے کہ وہ کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا:

''توحید اس بات کا جاننا ہے کہ اشیاء میں اللہ ﷻ کی قدرت کسی ملاوٹ کے بغیر ہے اور اشیاء میں اس کی تخلیق کسی مشقت کے بغیر ہے۔ ہر چیز کی علت اس کی صنعت ہے اور اس کی صنعت کی کوئی علت نہیں اور بلند آسمانوں اور پست زمینوں میں اس کے سوا کوئی تدبیر کرنے والا نہیں اور جس کا تمھارے وہم میں تصور آتا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔''

اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''توحید یہ کہ تم اس بات کو جان لو اور اقرار کرو کہ اللہ عزوجل اپنی ازلیت میں ایک ہے، نہ اس کا کوئی ثانی ہے اور نہ اس سے پہلے کوئی چیز عمل میں آئی۔''

ایمان کی تعریف

حضرت ابوعبداللہ بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''دلوں کا ان غیب کی باتوں کو سچا ماننا جن کا اللہ عزوجل کو سب سے زیادہ علم ہے۔''

حضرت ابوالعباس سیاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اللہ عزوجل کی عطاء دو قسم کی ہے: ① کرامت ② اِستدراج۔

پس جس چیز کو اللہ عزوجل تم پر باقی رکھے وہ کرامت ہے اور جس کو تم سے دور کرے وہ استدراج [1] ہے۔ یعنی تم کہو میں اِنْ شَاءَ اللّٰہُ مومن ہوں۔ [2] حضرت ابوالعباس سیاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے شیخ تھے۔

اور میں نے حضرت ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے ایک شخص نے حضرت ابوالعباس رحمۃ اللہ علیہ کے پاؤں کو ٹٹولا تو انھوں نے فرمایا: تم ایسے پاؤں کو ٹٹول رہے ہو جس کو میں نے اللہ عزوجل کی نافرمانی میں کبھی نہیں اٹھایا۔

حضرت ابوبکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جو شخص کہے میں حقیقتاً اللہ عزوجل پر ایمان رکھتا ہوں تو اس سے کہا جائے گا حقیقت اطلاع اور احاطہ کا تقاضا کرتی ہے پس جو اس چیز کو نہ پائے اس کا دعوٰی باطل ہے۔''

اس سے ان کی مراد وہی ہے جو اہلِ سنت نے کہا کہ حقیقی مومن وہ ہے جس کے لیے جنت کا فیصلہ ہو گیا تو جو شخص اللہ عزوجل کے اس (پوشیدہ) راز کو نہیں جانتا اس کا یہ دعوٰی کہ وہ حقیقتاً (واقعی) مومن ہے، صحیح (دعوٰی) نہیں۔

حضرت سہل بن عبداللہ تُستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مومن اللہ عزوجل کو آنکھوں کے ساتھ کسی احاطہ اور انتہاء کے ادراک کے بغیر دیکھیں گے۔

اللہ عزوجل کے بارے عقیدہ

حضرت ابوالحسین نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حق نے دلوں کا مشاہدہ کیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی دل کو اپنا زیادہ مشتاق نہ پایا۔ پس اس نے دیکھنے اور مکالمہ کرنے کی جلدی کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج شریف کے ساتھ عزت

[1] ''استدراج'' شعبدہ بازی کو کہتے ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

[2] یہ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ شک کے لیے نہیں کیونکہ ایمان میں شک کا اظہار درست نہیں بلکہ یہ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ برکت اور یقین کے لیے ہے۔ ۱۲ ہزاروی

عطا فرمائی۔

حضرت ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ کے خادم حضرت محمد بن محبوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ ایک دن حضرت ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا:

''اے محمد! اگر کوئی شخص تم سے پوچھے تیرا معبود کہاں ہے تو تم کیا کہو گے؟''

فرماتے ہیں میں نے کہا: ''میں کہوں گا وہ وہاں ہے جہاں وہ ازل میں تھا۔''

انھوں نے فرمایا: اگر وہ پوچھے ''ازل میں کہاں تھا، تو تم کیا کہو گے؟''

میں نے کہا: ''میں کہوں گا جہاں وہ اب ہے یعنی وہ جہاں تھا وہ مکان نہیں اور اب بھی اسی طرح ہے جس طرح پہلے (کسی مکان کے بغیر) تھا۔''

فرماتے ہیں: وہ مجھ پر راضی ہوئے اور انھوں نے اپنی قمیص اتار کر مجھے عطا فرمائی۔

حضرت ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں اللہ عزوجل کی جہت کے بارے میں ایک عقیدہ رکھتا تھا۔ جب میں بغداد میں آیا تو وہ میرے دل سے زائل ہو گیا پس میں نے مکہ مکرمہ میں اپنے احباب کی طرف لکھا کہ اب میں جدید اسلام کے ساتھ مسلمان ہو گیا ہوں۔

حضرت محمد بن حسین سلمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ سے مخلوق کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: یہ جسم اور ارواح ہیں جن پر احکام جاری ہوتے ہیں۔

حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب ارواح اور جسم اللہ عزوجل کے ساتھ قائم ہیں اور اسی کے ساتھ ظاہر ہیں اپنی ذاتوں کے ساتھ نہیں تو خیالات اور حرکات بھی اللہ عزوجل کے ساتھ قائم ہیں اپنی ذاتوں کے ساتھ نہیں، کیونکہ حرکات اور خیالات، جسموں اور روحوں کی فروع ہیں۔

انھوں نے اپنے اس کلام میں وضاحت کر دی کہ بندوں کے افعال و اعمال اللہ عزوجل کی مخلوق ہیں اور جس طرح جواہر کا خالق صرف اللہ عزوجل ہے اسی طرح اعراض کا خالق بھی اللہ عزوجل ہے۔ [1]

حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ خیال کرے کہ وہ محنت کر کے مطلوب تک پہنچے گا تو وہ تمنا کرنے والا ہے اور جس کا خیال ہو کہ وہ محنت کے بغیر مطلوب تک رسائی حاصل کرے گا وہ بھی تمنا کرتا ہے۔ [2]

حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مقامات مقسوم ہیں ان کی تقسیم کر دی گئی ہے اور وہ صفات ہیں جو جاری کر دی گئی

[1] اس میں معتزلہ کا رد کیا گیا ہے جو کہتے ہیں بندہ اپنے افعال کا خالق ہے۔ اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ بندہ اور اس کے افعال اللہ عزوجل کی مخلوق ہیں۔ بندہ اپنے افعال کا خالق نہیں بلکہ ''کاسب'' ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[2] اس کا مطلب یہ ہے کہ محنت کر کے اسے ایک وسیلہ قرار دے اور مطلوب تک رسائی کو اللہ عزوجل کے فضل و کرم کی مرہون منت سمجھے۔ ۱۲ ہزاروی

ہیں کس طرح حرکات کے ذریعے ان کو حاصل کیا جاسکتا ہے اور کوشش کے ذریعے پایا جاسکتا ہے۔ [1]

کفر کی تعریف

حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ سے اللہ عزوجل کے ساتھ کفر یا اللہ عزوجل کے لیے کفر کے بارے میں پوچھا گیا، انھوں نے فرمایا:

کفر اور ایمان، دنیا اور آخرت اللہ عزوجل کی طرف سے ہیں۔ اللہ عزوجل کی طرف ہیں، اللہ عزوجل کے ساتھ ہیں اور اللہ عزوجل کے لیے ہیں۔ ابتداء اور آغاز اللہ عزوجل کی طرف سے ہے اور واپسی اور انتہاء بھی اللہ عزوجل کی طرف ہے، بقاء اور فناء بھی اللہ عزوجل کے ساتھ ہے اور ملکیت اور تخلیق بھی اللہ عزوجل کے لیے ہے۔

توحید کیا ہے؟

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''بعض علماء سے توحید کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: یہ یقین ہے۔ پوچھنے والے نے عرض کیا اس کی وضاحت کیجیے۔

انھوں نے فرمایا: تو اس بات کی پہچان حاصل کر لے کہ مخلوق کی حرکات اور سکون اللہ وحدہٗ کا فعل ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ جب تو یہ بات جان لے گا تو تُو نے توحید کو مان لیا۔''

حضرت محمد بن حسین جوہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا میرے لیے اللہ عزوجل سے دعا کیجیے تو انھوں نے فرمایا: ''اگر غیب کے علم میں توحید کی تصدیق کے ساتھ تیری مدد ہو چکی ہے تو تیرے لیے کتنی ہی مقبول دعائیں گزر چکی ہیں ورنہ ڈوبنے والے کو پکار بچا نہیں سکتی۔ [2]

حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فرعون نے ظاہری طور پر ربوبیت کا دعویٰ کیا اور مُعْتَزِلَہ نے پوشیدہ طور پر یہ دعویٰ کیا [3] وہ کہتے ہیں تم جو چاہو کرو۔

حضرت ابوالحسین نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''توحید ہر وہ خیال جو اللہ عزوجل کی طرف اشارہ کرے لیکن اس میں تشبیہ

---

[1] یعنی اللہ عزوجل نے اپنے فضل سے جس کو جو مقام دینا تھا، عطا کر دیا لیکن ظاہر ہے کہ اس کا علم بندے کو نہیں ہوتا لہٰذا وہ اللہ عزوجل کے حکم کی تعمیل میں محنت و مشقت کرتا ہے۔ ۱۲ہزاروی

[2] یعنی اگر تقدیر میں تیرے لیے ڈوبنا لکھا ہے تو تجھے کوئی بھی بچا نہیں سکتا۔ دراصل یہ توحید اور توکل کے طور پر فرمایا، دعا سے ممانعت نہیں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ عزوجل سے دعا مانگتے وقت بھی یہی خیال ہونا چاہئے کہ جو کچھ ہوگا اللہ عزوجل کے حکم سے ہوگا آگے دعا کے بیان میں کسی بزرگ کا یہ قول آرہا ہے کہ اللہ عزوجل جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ دعا تو اللہ عزوجل کے سامنے محتاجی کا اظہار ہے۔ ۱۲ہزاروی

[3] یعنی جب وہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے تو گویا وہ اپنے رب ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن کھلے الفاظ میں اپنے آپ کو رب نہیں کہتے۔ ۱۲ہزاروی

کے خیالات کی مزاحمت نہ ہو (یعنی اللہ عزوجل کے ساتھ مشابہت نہ ہو)۔"

حضرت ہلال بن احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت ابوعلی روذباری رحمۃ اللہ علیہ سے توحید کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

"توحید دل کی استقامت کا نام ہے جب کہ تعطیل کے عقیدے سے جدا ہو اور تشبیہ کا بھی انکار کیا جائے توحید ایک کلمہ میں ہے، وہموں اور افکار میں جو تصور آتا ہے اللہ عزوجل اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝﴾

"اس جیسا کوئی نہیں اور وہی سنتا دیکھتا ہے۔"[1]

حضرت ابوالقاسم نصراباذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جنت اس کے باقی رکھنے سے باقی ہے۔ تیرے لیے اس کا ذکر، اس کی رحمت اور تیرے لیے اس کی محبت اس کے باقی رکھنے کے ساتھ باقی ہے، تو ان دونوں میں فرق ہے ایک یہ کہ اس کے باقی رہنے کے ساتھ باقی ہو اور دوسری اس کے باقی رکھنے سے باقی ہو۔

تو یہ بات حضرت شیخ ابوالقاسم نصراباذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے۔ یہ انتہائی تحقیق ہے کیونکہ اہلِ حق نے فرمایا: ذات قدیم سبحانہ کی صفات اس کے باقی رہنے کے ساتھ باقی ہیں پس انھوں نے اس مسئلہ سے آگاہ کیا اور واضح کیا کہ جو باقی ہے وہ اس کے باقی رہنے سے باقی ہے اور جو کچھ اہل حق کے مخالفین نے کہا وہ اس کے خلاف ہے پس انھوں نے حق کی مخالفت کی۔

حضرت نصراباذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تم فعل کی صفات اور ذات کی صفات میں تردّد کرتے ہو۔ درحقیقت یہ دونوں اللہ عزوجل کی صفات ہیں جب وہ جدائی کے مقام پر تجھے دیوانہ کر دے تو اپنی صفاتِ فعل کے ساتھ تجھے ملا دیتا ہے اور جب وہ تجھے جمع کے مقام تک پہنچا دے تو اپنی ذات کی صفات سے ملا دیتا ہے۔ اور حضرت ابوالقاسم نصراباذی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے شیخ تھے۔

امام ابواسحاق اسفراینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب میں بغداد میں آیا تو میں نیشاپور کی جامع مسجد میں روح کے مسئلہ پر درس دیتا تھا اور اپنی بات کی تشریح کرتے ہوئے کہتا کہ یہ مخلوق ہے اور حضرت ابوالقاسم نصراباذی رحمۃ اللہ علیہ ہم سے دور بیٹھے ہوئے تھے لیکن انھوں نے میرے کلام کی طرف کان لگا رکھے تھے۔

چند دنوں کے بعد ایک دن وہ ہمارے پاس سے گزرے تو انھوں نے حضرت محمد الفرّاء رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اس شخص کے اسلام پر نئے سرے سے ایمان لایا اور انھوں نے میری طرف اشارہ کیا۔

[1] پارہ 25، الشوریٰ 11، ترجمہ کنزالایمان

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''جس کی کوئی شبیہ اور نظیر نہیں وہ اس کے ساتھ کب مل سکتا ہے جس کی شبیہ اور نظیر ہے؟ افسوس! یہ عجیب گمان ہے ہاں اگر وہ مہربان ذات مہربانی کرے تو یہ ممکن ہے کیوں کہ وہاں ادراک، وہم اور احاطہ کا گزر نہیں۔ ہاں یقین کا اشارہ اور ایمان کا ثبوت مدد و معاون ہے۔''

حضرت طاہر بن اسماعیل رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا مجھے اللہ عزوجل کی خبر دیجیے۔

فرمایا: ''وہ ایک معبود ہے۔''

ان سے پوچھا گیا: ''اس کی کیفیت کیا ہے؟''

فرمایا: ''بادشاہ ہے، قادر ہے۔''

پوچھا گیا: ''وہ کہاں ہے؟''

فرمایا: ''وہ مرصاد (گھات) میں ہے۔''

سائل نے کہا: میں آپ سے اس بارے میں نہیں پوچھتا۔''

انھوں نے فرمایا: اس کے علاوہ مخلوق کی صفات ہیں جہاں تک اس کی صفت کا تعلق ہے تو میں تمھیں اس کے بارے میں بتا چکا ہوں۔

حضرت ابو علی روذباری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کوئی وہم کرنے والا اپنی جہالت کی وجہ سے جو وہم کرتا ہے کہ یہ اس طرح ہے تو عقل اس کے خلاف پر دلالت کرتی ہے۔

حضرت ابن شاہین رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے لفظ ''مع'' کا معنیٰ پوچھا تو انھوں نے فرمایا: ''مع'' کے دو معنیٰ ہیں: انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ مدد اور حفاظت کے معنی میں ہوتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّنِیْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی۝﴾

''میں تمھارے ساتھ ہوں، سنتا اور دیکھتا ہوں۔''[1]

یعنی میں تمھارا مددگار ہوں۔

اور عام لوگوں کے ساتھ علم اور احاطہ کے معنی میں ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا یَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ﴾

''جہاں کہیں تین شخصوں کی سرگوشی ہو تو چوتھا وہ موجود ہے۔''[2]

1. پارہ 16، طٰہٰ 46، ترجمہ کنزالایمان
2. پارہ 28، المجادلہ 7، ترجمہ کنزالایمان

یعنی اللہ عزوجل کو اس کا علم ہوتا ہے۔

حضرت ابن شاہین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: آپ جیسے لوگ اُمت کے راہ نما ہو سکتے ہیں۔

عرش کے بارے گفتگو

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا:

﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی ۝﴾

''وہ بڑی مہر والا اس نے عرش پر اِستواء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔''[1]

انھوں نے فرمایا (اس کا مطلب یہ ہے کہ) اس نے اپنی ذات کو ثابت کیا اور کسی مکان میں ہونے کی نفی فرمائی۔ پس وہ ذاتی طور پر موجود ہے اور اشیاء اس کے حکم سے موجود ہیں جس طرح وہ پاک ذات چاہے (موجود ہوتی ہیں)۔

اور حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: رحمٰن ہمیشہ سے ہے اور عرش کو پیدا کیا گیا اور عرش رحمٰن کے ساتھ ٹھہرا ہوا ہے۔

حضرت جعفر بن نُصیر رحمۃ اللہ علیہ سے اسی مذکورہ بالا آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا: اس کے علم میں ہر چیز ہے اور کوئی چیز کسی دوسری چیز کے مقابلے میں اس کے زیادہ قریب نہیں ہے (یعنی سب کا قرب برابر ہے)۔

اور حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''جو شخص اللہ عزوجل کو کسی چیز میں یا کسی چیز سے یا کسی چیز پر خیال کرے اس نے شرک کیا کیونکہ اگر وہ کسی چیز پر ہو تو وہ اٹھایا ہوا ہوگا، اگر کسی چیز میں ہوگا تو وہ محصور ہوگا اور کسی چیز سے ہوگا تو حادث ہوگا (قدیم نہ ہوگا)۔''

حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے ارشادِ خداوندی: ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی﴾ ''پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا۔''[2] کے بارے میں فرمایا: اگر کوئی شخص خیال کرے کہ وہ ذاتی طور پر قریب ہوا تو اس نے وہاں مسافت قرار دی کیونکہ ''تدانی'' (قریب ہونا) یہ ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے قریب ہوئے تو اس نے آپ کو مختلف قسم کے معارف سے دور کر دیا کیونکہ وہاں قرب اور بُعد نہیں ہے۔

اور میں نے استاذ ابو علی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر دیکھی کہ ایک صوفی سے پوچھا گیا ''اللہ عزوجل کہاں ہے؟''

اس نے کہا: اللہ عزوجل تجھے تباہ کرے تو عین ذات کے بارے میں لفظ ''این'' (کہاں ہے) کے ساتھ پوچھتا ہے۔

---

[1] پارہ 16، طٰہٰ 5، ترجمہ کنزالایمان

[2] پارہ 27، النجم 8، ترجمہ کنزالایمان

حضرت خرّاز رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

''قرب کی حقیقت یہ ہے کہ دل سے اشیاء کا احساس ختم ہو جائے اور دل اللہ عزوجل کے ساتھ اطمینان حاصل کرے۔''

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

''میں ایک شخص کے پاس پہنچا جس کو شیطان نے پچھاڑ دیا تھا میں اس کے کان میں اذان دینے لگا تو اس کے اندر سے شیطان نے مجھے آواز دی مجھے چھوڑ دو کہ میں اس کو قتل کر دوں کیونکہ یہ قرآن مجید کو مخلوق کہتا ہے۔ [1]

حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ نے فرمایا: ''جب اللہ عزوجل نے حروف کو پیدا کیا تو ان کو اپنا راز قرار دیا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو یہ راز ان میں پھیلا دیا اور اسے کسی فرشتے میں نہیں رکھا پس وہ حروف حضرت آدم علیہ السلام کی زبان پر جاری ہونے کے طریقوں اور لغات کے طرق کے مطابق جاری ہوئے پس اللہ عزوجل نے ان کو شکلیں عطاء فرمائیں۔''

تو حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ نے واضح کیا کہ حروف مخلوق ہیں۔

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ نے فرمایا: ''حروف فعل کی زبان ہیں، ذات کی زبان نہیں کیونکہ یہ مفعول کے اندر فعل کا نتیجہ ہے۔'' انھوں نے فرمایا: یہ اس بات کی وضاحت ہے کہ حروف مخلوق ہیں۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ نے شامیوں کے مسائل کے جواب میں فرمایا: ''توکل دل کا عمل ہے، توحید دل کا قول ہے۔'' اور فرمایا: یہ اصولیوں کا قول ہے کہ بے شک کلام وہ معنیٰ ہے جو امر، نہی، خبر اور طلب خبر کے مفہوم سے دل کے ساتھ قائم ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ نے شامیوں کے جواب میں ہی فرمایا:

''(ذاتی) علم غیب صرف حق تعالیٰ کو حاصل ہے پس وہ جو ہو چکا اور جو ہوگا اور جو نہیں ہوگا اور یہ کہ جو ہوگا وہ کیسے ہو گا، سب باتوں کا علم رکھتا ہے۔'' [2]

حضرت حسین بن منصور رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: جو شخص توحید کی حقیقت کو پہچان جائے اس سے لِمَ (کیوں) اور کَیفَ (کیسے) ختم ہو جاتا ہے (یعنی وہ سوال نہیں کرتا)۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ نے فرمایا: ''سب سے زیادہ معزّز اور اعلیٰ مجلس میدان توحید میں غور و فکر کے ساتھ

---

[1] قرآن مجید اللہ عزوجل کی صفت ہے اس لیے وہ قدیم ہے اور مخلوق نہیں۔ مخلوق قدیم نہیں ہوتی بلکہ حادث ہوتی ہے۔ الفاظ حادث اور مخلوق ہیں، کلام نفسی قدیم اور غیر مخلوق ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[2] یعنی ذاتی طور پر غیب کا علم اللہ عزوجل کو ہے اور جسے وہ چاہے اور جتنا چاہے غیب کا علم عطا کرتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ماکان اور مایکون جو ہو گیا اور جو ہوگا سب کا علم عطا فرمایا اور چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم عطائی ہے اور اللہ عزوجل کا علم ذاتی ہے اس لیے شرک کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ ۱۲ ہزاروی

بیٹھنا ہے۔''

حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اللہ عزوجل نے روح سے زیادہ عزت والی کوئی چیز پیدا نہیں کی۔'' انھوں نے واضح فرمایا کہ روح مخلوق ہے۔

حضرت استاذ امام زین الاسلام ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''یہ حکایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مشائخ صوفیاء کے عقائد مسائل اصول میں اہل حق کے اقوال کے موافق ہیں۔''

ہم نے اِسی مقدار پر اکتفا کیا کہ کہیں اختصار کی حد سے نکل نہ جائیں۔

فصل دوم

مسائل توحید اور عقائد صوفیاء

حضرت استاذ زین الاسلام ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ فصول مسائل توحید میں ان حضرات (صوفیاء) کے عقائد پر مشتمل ہیں ہم نے ان کو ترتیب کے ساتھ ذکر کیا ہے۔اس طریقہ کے شیوخ کے متفرق کلام، ان کے مجموعات اور توحید کے سلسلے میں ان کی تصنیفات میں جو کچھ پایا جاتا ہے وہ اس طرح ہے:

ذاتِ باری تعالیٰ کی صفات

بے شک حق سبحانہ وتعالیٰ موجود ہے، قدیم ہے، واحد ہے، حکمت والا ہے، قادر ہے، جاننے والا ہے، قہر وغضب والا ہے، رحیم ہے، ارادہ کرنے والا، سننے والا ہے، بزرگی عطا کرنے والا، بلندی والا، کلام کرنے والا، دیکھنے والا، بڑائی والا اور قدرت والا ہے، زندہ ہے، احد (ایک) ہے، باقی رہنے والا اور بے نیاز ہے۔

اور وہ علم کے ساتھ عالم، قدرت کے ساتھ قادر، ارادے کے ساتھ مُرید (ارادہ کرنے والا)، سننے کے ساتھ سمیع (سننے والا)، دیکھنے کے ساتھ بصیر (دیکھنے والا)، کلام کے ساتھ متکلّم، حیات کے ساتھ حیّ (زندہ)، اور بقاء کے ساتھ باقی ہے۔ [1]

اس کے دو ''یَد'' ہیں [2] جو اس کی صفات ہیں۔ان کے ساتھ جو کچھ چاہے پیدا کرتا ہے۔وہ پاک ہے، یہ صفات اس کے ساتھ خاص ہیں۔اس کا ''وجہ'' (چہرہ) ہے [3] اور اس کی ذاتی صفات اس کی ذات کے ساتھ خاص ہیں۔نہ تو ان کو عین ذات کہا جاسکتا ہے اور نہ ہی ذات کا غیر کہا جاسکتا ہے بلکہ یہ اس کی ازلی صفات ہیں اور اس کی سرمدی (دائمی) صفات ہیں۔وہ اپنی ذات میں واحد ہے وہ اپنی مصنوعات (مخلوقات) میں سے کسی کے مشابہ نہیں اور نہ ہی مخلوقات میں

---

[1] ان لوگوں کا رد کیا گیا ہے جو اللہ عزوجل کو علم کے بغیر عالم، قدرت کے بغیر قادر اور اسی طرح دیگر صفات کے بغیر مانتے ہیں یعنی وہ کہتے ہیں اللہ بصیر ہے لیکن دیکھنا اس کی صفت نہیں تو آپ نے بتایا کہ وہ ان صفات کے ساتھ موصوف ہے اور اس میں یہ صفات پائی جاتی ہیں البتہ مخلوق کا دیکھنا آنکھوں کے ساتھ ہے اور اس کا دیکھنا آلہ کے بغیر ہے اسی طرح دیگر صفات کا معاملہ ہے۔۱۲ہزاروی

[2] ید ہاتھ کو کہتے ہیں لیکن وہ ہاتھوں سے پاک ہے لہٰذا اس سے اس کی صفات مراد ہیں۔۱۲ہزاروی

[3] وجہ چہرے کو کہتے ہیں۔یہاں اس کی ذات مراد ہے۔۱۲ہزاروی

سے کوئی شے اس کے مشابہ ہے۔

وہ جسم، جوہر اور عرض نہیں [1] اور نہ ہی اس کی صفات اعراض [2] ہیں۔ وہ وہم و خیال میں نہیں آ سکتا اور نہ اس تک عقلوں کی رسائی ہے اس کے لیے کوئی جہت اور مکان نہیں نہ اس پر وقت اور زمانہ جاری ہو سکتا ہے۔

اس کی صفات میں کمی اور زیادتی بھی جائز نہیں اس کی کوئی شکل اور پیائش نہیں اور نہ ہی کوئی انتہاء اور حد اس کا اختتام ہے۔ کوئی حادث (نو پید) اس میں حلول نہیں کر سکتا اور اس کے فعل کا کوئی باعث (ابھارنے والا) نہیں، اس کے لیے کوئی رنگ اور کَون [3] (وفساد) ثابت نہیں، کوئی مدد اور معاونت اس کی مدد نہیں کر سکتی اور کوئی چیز جو قدرت میں ہو سکتی ہے اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ کوئی فطری بات اس کے حکم سے جدا نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی معلوم چیز اس کے علم سے دور یا غائب ہو سکتی ہے۔

اللہ عزوجل کے بارے کیا نہیں کہہ سکتے؟

اس کے فعل کے بارے میں کیفیت کا سوال نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اسے اس کے فعل پر ملامت کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بارے میں کہاں، جہاں اور کیسے کا سوال نہیں ہو سکتا۔ نہ اس کے وجود کا آغاز معلوم کیا جا سکتا ہے کہ کہا جائے وہ کب تھا اور نہ ہی اس کے بقاء کی کوئی انتہاء ہے کہ کہا جائے موت اور زمانے نے اس کو پورا کر دیا۔ جب وہ کوئی فعل کرے تو اس کے بارے میں سوال نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے کیوں کیا؟ کیوں کہ اس کے افعال کی کوئی علت (اور وجہ) نہیں۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کیا ہے؟ کیونکہ اس کی کوئی جنس نہیں کہ وہ کسی نشانی کے ذریعے اپنے ہم شکلوں سے ممتاز ہو سکے۔

وہ دکھائی دیتا ہے لیکن سامنے نہیں، وہ غیر کو دیکھتا ہے لیکن آنکھ کے ڈھیلے سے نہیں، وہ بناتا ہے لیکن اپنے عمل دخل سے نہیں (بلکہ حکم سے بناتا ہے)۔

اللہ عزوجل کے اسماء، افعال اور قدرت

اس کے اچھے نام اور بلند صفات ہیں، جس کا ارادہ فرماتا ہے اسے کر ڈالتا ہے، بندے اس کے حکم کے سامنے

---

[1] جوہر وہ جو خود قائم ہو اور عرض وہ ہے جو دوسروں کے ساتھ قائم ہو۔ ۱۲ ہزاروی

[2] اعراض: عرض کی جمع۔ ۱۲ ہزاروی

[3] رنگ حادث کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ قدیم ہے اور "کون" کا معنی ہو جانا اور "فساد" کا معنی ٹوٹ جانا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہے۔ کیونکہ حادث کی صفات ہیں کوئی چیز نہ ہو پھر ہو جائے، پھر ختم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس طرح نہیں ہے۔ ۱۲ ہزاروی

سرِ تسلیم خم کرتے ہیں، اس کی سلطنت میں وہی کچھ ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے اور اس کے ملک میں وہ کچھ نہیں ہوسکتا جس کا پہلے سے فیصلہ نہ ہوا ہو، جو اس کے علم میں پیدا ہونے والا ہے، اس کے ہونے کا ارادہ فرماتا ہے اور جو ہوسکتا ہے لیکن اس کے علم کے مطابق نہیں ہوگا تو وہ اس کے نہ ہونے کا ارادہ کرتا ہے۔ بندوں کے اعمال کا خالق ہے، وہ خیر ہوں یا شر، کائنات میں جو اشیاء یا آثار ہیں ان کو پیدا کرنے والا ہے۔ وہ کم ہوں یا زیادہ، وہ امتوں کی طرف رسولوں کو بھیجنے والا ہے لیکن یہ (بھیجنا) اس پر واجب نہیں۔

رُسل عظام علیہم السلام کی خبر سے لوگ اس کی عبادت کرتے ہیں اور کسی کو ملامت کرنے یا اس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں۔ وہ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کی ظاہری، معجزات اور واضح نشانیوں کے ساتھ ایسی تائید کرنے والا ہے جس سے عذر زائل ہوگیا اور یقین و انکار واضح ہوگیا۔

اس نے نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد عظمت و سیادتِ اسلام کی حفاظت آپ ﷺ کے خلفاء راشدین (رضی اللہ عنہم) کے ذریعے فرمائی۔ پھر دین کی حجتوں میں سے جس کو واضح کیا اس کی حفاظت اپنے اولیاء کی زبانوں سے کی اور اس نے امت حنفیہ (مسلمانوں) کو گمراہی پر مُتفق ہونے سے محفوظ رکھا اور دلائل قائم کرکے باطل کا مادہ کاٹ دیا اور دین متین کا وعدہ جو ارشادِ گرامی میں فرمایا اس کو پورا کردیا:

﴿لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۝﴾

"کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے، پڑے بُرا مانیں مشرک۔"[1]

تو اُصولِ مشائخ کو اختصار کے ساتھ اس انداز (مندرجہ بالا) میں بیان کردیا ہے۔ اور اللہ عزوجل ہی توفیق دینے والا ہے۔

[1] پارہ 10، التوبہ 33، ترجمہ کنز الایمان

باب
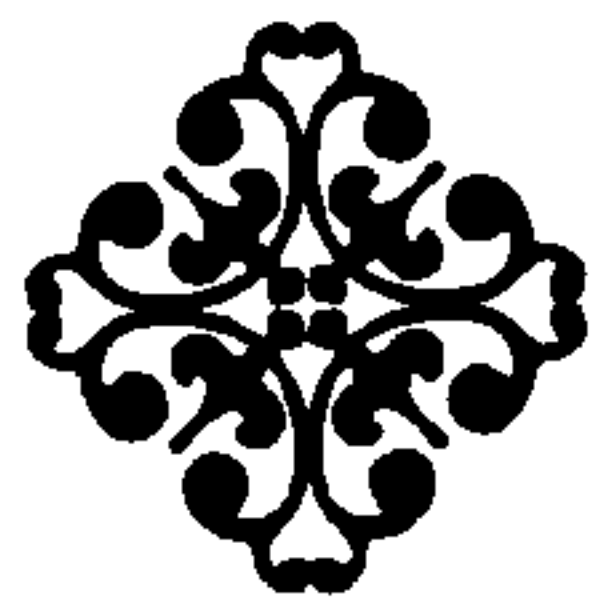
مشائخ طریقت کا ذکر......صوفیاء کے مخصوص نام

صحابہ، تابعین اور تبع تابعین

اللہ ﷻ تم سب پر رحم فرمائے جان لو کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد مسلمانوں نے اپنے زمانے کے افاضل و اکابر حضرات کا کوئی خاص نام نہیں رکھا صرف رسول اکرم ﷺ کی صحبت پر اکتفاء کیا کیونکہ اس سے بڑی کوئی فضیلت نہیں پس ان کو ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم'' کہا جاتا ہے۔

جب وہ دوسرے زمانے میں داخل ہوئے تو جن لوگوں کو صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی صحبت کا شرف حاصل ہوا ان کو ''تابعین'' کہا گیا اور یہ سب سے زیادہ شرف والی علامت سمجھی گئی۔ پھر ان کے بعد والوں کو ''تبع تابعین'' کہا گیا۔ پھر لوگ (درجات کے اعتبار سے) مختلف ہو گئے اور ان کے مراتب میں بھی ایک دوسرے کے مقابلے میں فرق پڑ گیا تو ان میں سے جو دین (اسلام) سے زیادہ تعلق رکھتے تھے ان خاص لوگوں کو ''زہّاد'' اور ''عُبّاد'' کہا گیا۔

صوفی نام کب جاری ہوا؟

پھر بدعات ظاہر ہو گئیں اور مختلف جماعتوں نے ایک دوسرے کو گرانا شروع کر دیا تو ہر فرقے نے دعویٰ کیا کہ ''زہّاد'' تو صرف انہی میں ہیں تو اہلِ سنت کے خاص لوگ جن کی سانسیں اللہ ﷻ کے ساتھ چلتی ہیں اور وہ اپنے دلوں کو غفلت کے راستوں سے محفوظ رکھتے ہیں، خاص ان کے لیے ''تصوّف'' کا نام تجویز ہوا۔ ان اکابر کے لیے یہ نام 200ھ سے پہلے ہی مشہور ہو چکا تھا۔

تعظیم شریعت پر ان کے حالات و واقعات اور اقوال کی دلالت

ہم اس باب میں اس طریقہ کے مشائخ جو طبقۂ اولیٰ سے متاخرین تک ہیں کے اسماء گرامی اور ان کی سیرتوں کا خلاصہ نیز ان کے اقوال ذکر کریں گے جن سے ان کی اصول اور آداب سے آگاہی حاصل ہوگی، اِنْ شَاءَ اللّٰہُ ﷻ!

حضرت ابو اسحاق ابراہیم بن ادھم بن منصور رحمۃ اللہ علیہ

توبہ کا سبب لومڑی بنی

آپ (خراسان کے) ضلع بلخ سے تعلق رکھتے ہیں اللہ عزوجل آپ سے راضی ہو۔ آپ بادشاہوں کی اولاد میں سے تھے۔ ایک دن آپ شکار کے لیے تشریف لے گئے آپ نے لومڑی یا خرگوش کو دوڑایا اور آپ اس کی طلب میں تھے تو غیبی آواز دینے والے نے آواز دی: اے ابراہیم! کیا تمھیں اس کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے یا تمھیں اس بات کا حکم دیا گیا ہے؟ پھر آپ کی زِین کے پچھلے بلند حصے سے آواز آئی قسم بخدا! تم اس مقصد کے لیے پیدا نہیں کیے گئے اور نہ تمھیں اس بات کا حکم دیا گیا ہے۔

پس آپ اپنی سواری سے اتر گئے اور اپنے والد ماجد کے چرواہے کے پاس تشریف لے گئے۔ چرواہے کا اُونی جُبَّہ لے کر پہنا اور اپنا گھوڑا مع ساز وسامان اسے دے دیا۔ پھر جنگل میں تشریف لے گئے۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور وہاں حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اختیار کی۔ پھر شام تشریف لے گئے اور وہیں آپ کا انتقال ہو گیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے مثلاً کھیتی کاٹنا اور باغوں کی حفاظت کرنا وغیرہ۔

انھوں نے جنگل میں ایک شخص کو دیکھا جس نے ان کو اللہ عزوجل کا اسم اعظم سکھایا۔ اس کے بعد انھوں نے اسے پکارا تو حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھا۔ انھوں نے فرمایا: آپ کو میرے بھائی حضرت داوٗد علیہ السلام نے اللہ عزوجل کا اسم اعظم سکھایا ہے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال

حضرت ابراہیم بن بشار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اختیار کی اور عرض کیا کہ مجھے اپنے اس معاملے کی ابتداء کے بارے میں کچھ بتائیں تو انھوں نے یہ (مذکورہ بالا) بات بتائی۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ تقویٰ میں بہت بڑی شان کے مالک تھے۔ ان سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا:

"تم اپنا کھانا (رزق حلال) تلاش کرو اور تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم رات کو (نوافل کے لیے) کھڑے نہ ہو اور نہ دن کو روزہ رکھو۔"

کہا گیا کہ آپ عام طور پر یہ دعا مانگتے تھے:

"اَللّٰھُمَّ انقُلْنِیْ مِنْ ذِلِّ مَعْصِیَتِكَ اِلٰی عِزِّ طَاعَتِكَ"

"یا اللہ! مجھے اپنی نافرمانی کی ذلت سے اپنی اطاعت کی عزت کی طرف پلٹ دے۔"

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ گوشت مہنگا ہو گیا ہے تو انھوں نے فرمایا: اسے سستا کر دو یعنی نہ خریدو۔ پھر انھوں نے اس سلسلے میں یہ اشعار پڑھے:

وَإِذَا غَلَاشَیْءٌ عَلَیَّ تَرَکْتُهٗ
فَیَکُوْنُ أَرْخَصَ مَایَکُوْنُ إِذَا غَلَا

* جب کوئی چیز مہنگی ہو جاتی ہے تو میں اس کو چھوڑ دیتا ہوں۔ تو وہ مہنگی ہونے کی بجائے سستی ہو جاتی ہے۔

صالحین کا درجہ پانے کے لیے چھ گھاٹیاں

حضرت احمد بن حضرویہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے طواف کے دوران ایک شخص سے فرمایا: جان لو کہ تم صالحین کا درجہ اس وقت تک نہیں پا سکتے جب تک چھ گھاٹیوں کو عبور نہ کر لو:

① آسائش کا دروازہ بند کر کے سختی کا دروازہ کھولو۔

② عزت کا دروازہ بند کر کے ذلت (یعنی عاجزی و تواضع) کا دروازہ کھولو۔

③ آرام کا دروازہ بند کر کے محنت و مشقت کا دروازہ کھولو۔

④ نیند کا دروازہ بند کر کے شب بیداری کا دروازہ کھولو۔

⑤ مال داری کا دروازہ بند کر کے فقر کا دروازہ کھولو۔

⑥ امید کا دروازہ بند کر کے موت کی تیاری کا دروازہ کھولو۔

میرے سر کو مارو

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ انگور (کے باغ) کی حفاظت کر رہے تھے کہ وہاں سے ایک فوجی گزرا۔ اس نے کہا مجھے اس انگور میں سے (کچھ) دیجیے۔ انھوں نے فرمایا: اس کے مالک نے مجھے اس کا حکم نہیں دیا۔ اب نے آپ کو کوڑے کے ساتھ مارنا شروع کیا تو آپ نے اپنا سر مبارک جھکا دیا اور فرمایا: اس سر کو مارو جس نے عرصۂ دراز تک اللہ عزوجل کی نافرمانی کی ہے۔ پس وہ شخص عاجز ہو کر چلا گیا۔

کندھے پر اٹھا لیا

حضرت سہل بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اختیار کی اور میں بیمار ہو گیا۔ انھوں نے اپنے اخراجات کا مال مجھ پر خرچ کر دیا پھر مجھے کچھ خواہش ہوئی تو انھوں نے اپنا دراز گوش فروخت کر

کے اس کی قیمت بھی مجھ پر خرچ کر دی۔ جب میں ٹھیک ہو گیا تو میں نے پوچھا دراز گوش کہاں ہے؟

انھوں نے فرمایا: ہم نے اسے بیچ دیا ہے۔

میں نے پوچھا میں کس پر سواری کروں گا؟

فرمایا: اے میرے بھائی! میرے کندھوں پر، پس انھوں نے تین منزلیں مجھے اٹھائے رکھا۔

حضرت ابوالفیض ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسم گرامی ثوبان بن ابراہیم ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ فیض بن ابراہیم ہے اور آپ کے والد نوبہ (مقام) کے رہنے والے تھے۔ (نوبہ جنوبی مصر میں ایک وسیع و عریض علاقہ ہے)۔ آپ کا انتقال 245ھ میں ہوا۔ اس شان (ولایت) میں آپ فوقیت رکھتے تھے۔ علم، تقویٰ، حال[1] اور ادب[2] میں آپ یکتائے زمانہ تھے۔

اہلِ تقویٰ کا ذکر کرو تو ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کرو

متوکل (بادشاہ) کے پاس ان کی چغلی کھائی گئی تو اس نے آپ کو مصر سے بلوا لیا۔ جب آپ اس کے پاس پہنچے اور اسے نصیحت کی تو متوکل رو پڑا اور عزت و احترام کے ساتھ آپ کو مصر کی طرف واپس کر دیا۔ جب متوکل کے سامنے متقی لوگوں کا ذکر کیا جاتا تو وہ رو پڑتا اور کہتا جب اہل تقویٰ کا ذکر ہو تو حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ضرور کیا کرو۔

آپ کمزور آدمی تھے اور آپ پر سرخ رنگ غالب تھا۔ آپ کی داڑھی سفید نہ تھی (براؤن تھی)۔

حضرت سعید بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ سے سنا آپ فرماتے تھے کلام کا دارومدار چار باتوں پر ہے:

① جلیل (اللہ) سے محبت۔

② قلیل (دنیا) سے نفرت۔

③ تنزیل (قرآن مجید) کی اتباع۔

④ خوفِ تحویل (حالت کے بدلنے کا خوف)۔

---

[1] تصوف کی اصطلاح میں دل پر وارد ہونے والی کیفیت مثلاً خوشی، غم وغیرہ جس میں انسانی کسب کا دخل نہ ہو حال کہلاتا ہے۔ تفصیلی بحث آگے آرہی ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[2] بارگاہ خداوندی میں حاضری کے آداب کا خیال رکھنا ادب ہے۔ تفصیلی بحث آرہی ہے۔ ۱۲ ہزاروی

حضرت سعید بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا انھوں نے فرمایا:
''اللہ عزوجل سے محبت کرنے والے کی علامات میں سے یہ بات بھی ہے کہ اللہ عزوجل کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق (سیرت)، افعال، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور سنتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرے۔''
حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے ''سفلہ'' (کمینہ شخص) کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:
جو شخص اللہ عزوجل کی طرف جانے کے راستے کو نہ جانتا ہو اور نہ ہی جاننے کی کوشش کرے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی توبہ کا سبب

حضرت یوسف بن حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
''میں ایک دن حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حاضر ہوا ان کے پاس حضرت سالم مغربی رحمۃ اللہ علیہ حاضر ہوئے اور ان سے کہا اے ابوالفیض! آپ کی توبہ کا سبب کیا ہے؟
انھوں نے فرمایا: عجیب بات ہے تم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔
سالم مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: آپ کو اپنے معبود کی قسم مجھے بتائیے۔ تو حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:
میں نے مصر سے کسی دوسری بستی کی طرف جانے کا ارادہ کیا تو صحرا میں راستے میں سو گیا۔ میں نے آنکھ کھولی تو میرے سامنے قنبرہ نامی پرندہ تھا جو اندھا بھی تھا۔ وہ اپنے گھونسلے سے زمین پر گر گیا تھا۔ (میں نے دیکھا کہ) زمین پھٹی تو اس میں سے دو پیالے نکلے ان میں سے ایک سونے کا اور دوسرا چاندی کا تھا۔ ایک میں سُمْسُم (تل) تھے اور دوسرے میں پانی تھا۔ وہ اس پیالے میں سے کھاتا اور دوسرے (پیالے) سے پیتا۔
میں نے کہا بس! مجھے کافی ہے۔ میں نے توبہ کر لی اور دروازے کو مضبوطی سے پکڑ لیا حتیٰ کہ اللہ عزوجل نے مجھے قبول فرمالیا۔''

حضرت ابو دجانہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا:
(لَا تَسْكُنُ الْحِكْمَةُ مِعْدَةً مُلِئَتْ طَعَامًا)
''علم و دانائی اس معدے میں نہیں ٹھہرتی جو کھانے سے بھرا ہو (یعنی اہل علم کو کم کھانا چاہئے)۔''
حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ سے توبہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:
(تَوْبَةُ الْعَوَامِ تَكُوْنُ مِنَ الذُّنُوْبِ وَتَوْبَةُ الْخَوَاصِ تَكُوْنُ مِنَ الْغَفْلَةِ)
''عوام کی توبہ گناہوں سے ہوتی ہے اور خاص لوگوں کی توبہ غفلت سے ہوتی ہے۔''

حضرت ابوعلی فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ

آپ خراسان میں ''مرو'' کے مضافات میں پیدا ہوئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ ''سمرقند'' میں پیدا ہوئے اور آپ کی پرورش (خراسان کے شہر) ''ابیورد'' میں ہوئی جب کہ محرم الحرام 187ھ میں مکہ مکرمہ میں آپ کا انتقال ہوا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی توبہ

حضرت فضل بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ ڈاکو تھے اور وہ ابیورد [1] اور سرخس [2] کے درمیان ڈاکے ڈالتے تھے۔ اِن کی توبہ کا سبب یہ ہے کہ انھیں ایک لونڈی سے عشق ہوگیا۔ جب وہ اس کے پیچھے دیوار پر چڑھ رہے تھے تو انھوں نے ایک تلاوت کرنے والے کو اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے سنا:

﴿اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ﴾

''کیا ایمان والوں کو ابھی وہ وقت نہ آیا کہ ان کے دل جھک جائیں اللہ کی یاد کے لیے۔'' [3]

تو انھوں نے عرض کیا: اے میرے رب! (وہ وقت) آچکا ہے۔

پس آپ واپس ہوئے اور رات ایک ویرانے میں گزاری۔ وہاں مسافروں کی ایک جماعت تھی ان میں سے بعض نے کہا کہ یہاں سے چلیں تو کچھ دوسروں نے کہا صبح چلیں گے۔ کیونکہ فضیل راستے میں ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے توبہ کی اور ان کو امن دیا اور حرم شریف میں پناہ لے لی حتیٰ کہ آپ کا وصال ہوگیا۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''جب اللہ عزوجل کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کے غموں کو بڑھا دیتا ہے اور جب اللہ عزوجل کسی بندے کو ناپسند کرتا ہے تو اس پر اپنی دنیا کو کشادہ کر دیتا ہے۔'' [4]

اور حضرت ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''جب حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو غم اٹھ گیا۔''

---

[1] ابیورد: یہ خراسان میں سرخس اور نسا کے درمیان ایک شہر کا نام ہے جسے بادشاہ کیکاؤس نے بنایا تھا۔ (معجم البلدان، جلد1، صفحہ 87-86) ابوحنظلہ محمد اجمل عطاری

[2] سرخس: سرخس خراسان میں ایک قدیم اور بہت بڑے شہر کا نام ہے جو نیشاپور اور مرو کے عین درمیان واقع ہے اس کا نام اپنے بانی کے نام پر پڑا (معجم البلدان، جلد3، صفحہ: 208) ابوحنظلہ محمد اجمل عطاری

[3] پارہ 27، الحدید 16، ترجمہ کنزالایمان

[4] اس سے مراد ایسی دنیا ہے جو دین کے راستے میں خرچ نہ ہو ورنہ جو لوگ مال دار ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ عزوجل کی راہ میں خرچ کرتے ہیں وہ قابل تعریف ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اقوالِ زرّیں

حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اگر دنیا پوری کی پوری مجھ پر پیش کی جائے اور مجھ سے اس کا حساب بھی نہ لیا جائے تو بھی مجھے اس سے گِھن آتی ہے جس طرح تم میں سے کسی ایک کو مُردار سے گِھن آتی ہے، جب اس کے پاس سے گزرے کہ کہیں اس کے کپڑوں کو نہ لگ جائے۔''

حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اگر میں قسم کھاؤں کہ میں ریاکار ہوں تو یہ بات مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں قسم کھا کر کہوں کہ میں ریاکار نہیں ہوں (کسرِ نفسی کے طور پر فرمایا)۔

حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: ''لوگوں کے لیے عمل کو ترک کرنا ریاکاری ہے اور لوگوں کے (دکھاوے) کے لیے عمل کرنا شرک (شرکِ خفی) ہے۔

حضرت ابو علی رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میں تین سال حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ رہا لیکن میں نے آپ کو ہنستے اور مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا البتہ جس دن ان کے صاحبزادے حضرت علی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو میں نے اس سلسلے میں ان سے بات کی تو انھوں نے فرمایا:

اللہ عزوجل نے ایک بات کو پسند کیا پس میں نے بھی اس کو پسند کیا۔ [1]

حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''میں اللہ عزوجل کی نافرمانی کرتا ہوں تو اس کی پہچان مجھے اپنے دراز گوش اور غلام سے ہو جاتی ہے۔'' [2]

ابو محفوظ حضرت معروف بن فَیروز کرخی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ بڑے بڑے مشائخ میں سے تھے۔ آپ کی دعا قبول ہوتی تھی اور آپ کی قبر سے شفاء حاصل کی جاتی ہے۔

بغداد والے کہتے ہیں: حضرت معروف رحمۃ اللہ علیہ کی قبر تریاق ہے اور اس کا تجربہ کیا گیا ہے۔ [3]

آپ حضرت علی بن موسیٰ رضا رحمۃ اللہ علیہ کے غلاموں میں سے تھے۔ 200ھ میں آپ کا انتقال ہوا اور آپ حضرت

---

[1] یعنی میرے بیٹے کی موت کو پسند کیا تو چوں کہ یہ میرے رب کی پسند ہے اس لیے میں نے بھی اس کو پسند کیا اور اس پر راضی ہوا۔ ۱۲ ہزاروی

[2] یعنی اس صورت میں وہ میری حکم عدولی کرتے ہیں کیونکہ جو شخص اپنے رب کا فرماں بردار ہو، کائنات کی ہر چیز اس کے تابع ہوتی ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[3] معلوم ہوا کہ اللہ عزوجل کے نیک بندوں کی قبروں سے شفاء کے حصول کا عقیدہ بزرگانِ دین کا عقیدہ ہے اس کے خلاف سوچ بدعتی لوگوں کی ہے جنھوں نے اسلاف کے خلاف نئے نئے عقائد نکال لیے جیسے دیوبندی، وہابی وغیرہ فرقے۔ ۱۲ ہزاروی

سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ تھے۔ آپ نے ایک دن ان سے فرمایا: کہ جب تمھیں اللہ تعالیٰ سے کوئی حاجت ہو تو اسے میری قسم (واسطہ) دینا۔ [1]

آپ کے عیسائی والدین کی توبہ

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے والدین عیسائی تھے۔ انھوں نے آپ کو اپنے تربیت کنندہ کے سپرد کیا اس وقت آپ بچے تھے۔ تربیت کرنے والا آپ سے کہتا کہو تین میں سے تیسرا (معبود یعنی اللہ تعالیٰ، حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام)۔ آپ فرماتے نہیں بلکہ ایک (معبود)۔

ایک دن معلم نے آپ کو بہت پیٹا تو آپ بھاگ گئے۔ آپ کے والدین کہتے تھے کاش وہ ہماری طرف لوٹ آئے، وہ جس دین کو چاہے اختیار کرے ہم اس کی موافقت کریں گے۔

پھر آپ نے حضرت علی بن موسیٰ رضا رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور اپنے گھر کی طرف واپس آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ پوچھا گیا: ''کون ہے؟''

فرمایا: ''معروف ہوں۔''

پوچھا: ''کس دین پر آئے ہو؟''

فرمایا: ''دین حنفی (اسلام) پر۔''

پس آپ کے والدین نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے خواب میں حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا گویا وہ عرش کے نیچے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرما رہا ہے:

''یہ کون ہے؟''

وہ کہتے ہیں: ''اے رب! تو خوب جانتا ہے۔''

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ معروف کرخی ہیں۔ یہ میری محبت کے نشے سے سرشار ہیں۔ پس ان کو میری ملاقات سے ہی افاقہ ہوگا۔

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھ سے حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اصحاب (ساتھی یا شاگردوں) نے فرمایا:

---

[1] یعنی وہ اس قدر مقرب بارگاہ خداوندی تھے اور انھیں اعتماد تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرماتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

''عمل ترک کرنے سے بچو یہی تمھیں تمھارے مولیٰ کی رضا کے قریب کرے گا۔''

میں نے پوچھا: ''کون سا عمل؟''

انھوں نے جواب دیا: ''ہمیشہ اپنے رب کی فرمانبرداری کرو، مسلمانوں کی خدمت اور ان کی خیر خواہی کرو۔''

آپ کی بخشش کا سبب

حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے وصال کے بعد خواب میں دیکھا تو میں نے ان سے پوچھا:

''اللہ عزوجل نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟''

فرمایا: ''اس نے مجھے بخش دیا۔''

میں نے پوچھا: ''آپ کے زہد و تقویٰ کی وجہ سے؟''

فرمایا: ''نہیں! بلکہ اس لیے کہ میں نے حضرت ابن سماک رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت کو قبول کیا، فقر کو اختیار کیا اور فقراء سے محبت کی۔''

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''حضرت ابن سماک رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت اس طرح ہے، وہ فرماتے ہیں میں کوفہ سے گزر رہا تھا تو ایک شخص کے پاس کھڑا ہو گیا جس کو ''ابن سماک'' کہا جاتا تھا اور وہ لوگوں کو نصیحت کر رہے تھے۔ انھوں نے اپنی گفتگو کے دوران فرمایا:

''جو شخص مکمل طور پر اللہ عزوجل سے منہ پھیر لیتا ہے اللہ عزوجل بھی اس کی طرف توجہ کم کر دیتا ہے اور جو شخص دل سے اللہ عزوجل کی طرف متوجہ ہو جائے، اللہ عزوجل اپنی رحمت کو اس کی طرف متوجہ کر دیتا ہے اور تمام مخلوق کا رُخ اس کی طرف پھیر دیتا ہے اور جو کبھی کبھی ایسا کرے تو اللہ عزوجل بھی کبھی کبھی اس پر رحمت فرماتا ہے۔''

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ان کے کلام کا میرے دل پر اثر ہوا اور میں اللہ عزوجل کی طرف متوجہ ہو گیا اور اپنے مرشد حضرت علی بن موسیٰ رضا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کے علاوہ سب کچھ چھوڑ دیا۔ میں نے اپنے مرشد سے اس نصیحت کا تذکرہ کیا تو انھوں نے فرمایا: ''اگر تم اس نصیحت کو اختیار کرو تو تمھارے لیے یہ نصیحت کافی ہے۔''

جیسا دنیا میں آیا ویسا جاؤں

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کی مرض الموت میں ان سے کہا گیا کہ کچھ وصیت فرمائیے:

فرمایا: ''جب میں انتقال کر جاؤں تو میری قمیص صدقہ کر دینا، میں چاہتا ہوں کہ میں دنیا سے ننگا جسم جاؤں جس طرح اس دنیا میں داخل ہوا تھا۔'' [1]

حالتِ روزہ میں پانی پی لیا

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ ایک ساقی کے پاس سے گزرے وہ کہہ رہا تھا اللہ عزوجل اس پر رحم فرمائے جو پانی پئے۔ آپ روزہ دار تھے، پس آپ آگے بڑھے اور پانی نوش فرمایا۔ پوچھا گیا کہ کیا آپ روزہ دار نہ تھے؟

فرمایا: ہاں! روزہ دار تھا لیکن میں نے اس کی دعا کی امید کی۔ [2]

حضرت ابوالحسن سری بن مغلّس سقطی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابوالحسن سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں، استاذ اور حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ آپ تقویٰ، احوالِ سنت اور علم توحید میں یکتائے زمانہ تھے۔

آپ بازار میں تجارت کرتے تھے

حضرت ابوالعباس بن مسروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''کہ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ بازار میں تجارت کرتے تھے اور وہ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے تھے۔ ایک دن حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور آپ کے ساتھ ایک یتیم بچہ تھا۔ انھوں نے فرمایا: ''اس یتیم بچے کو لباس پہناؤ۔''

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں نے اس بچے کو لباس پہنایا تو اس پر حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ خوش ہوئے اور فرمایا: اللہ عزوجل تمھارے لیے دنیا کو قابلِ نفرت بنائے اور جس حالت میں ہو اُسی سے تمھیں راحت عطا فرمائے۔''

فرماتے ہیں: پس میں دکان سے اُٹھا تو دنیا سے بڑھ کر میرے نزدیک کوئی چیز زیادہ ناپسند نہ تھی اور میرے پاس جو کچھ ہے وہ حضرت معروف رحمۃ اللہ علیہ کی برکات سے ہے۔

---

[1] اس سے مراد ہے کہ جس طرح میں دنیا میں آیا تو میری ملکیت میں کوئی کپڑا نہ تھا اسی طرح دنیا سے جاتے ہوئے بھی میری ملکیت میں کوئی کپڑا نہ ہو کیونکہ ننگے جسم تو کوئی نہیں جاتا مسلمانوں کے ہاں کفن پہنایا جاتا ہے۔ (ابوحنظلہ محمد اجمل عطاری)

[2] یعنی آپ نے نفلی روزہ رکھا ہوا تھا جس کو کسی اچھے مقصد کے تحت توڑنا جائز ہے۔ البتہ اس کی قضا لازم ہو جاتی ہے۔ ۱۲ ہزاروی

آپ کی عبادت کا عالم

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں نے حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ عبادت گزار کسی کو نہیں دیکھا ان کی زندگی میں اٹھانوے سال آئے لیکن میں نے ان کو مرض الموت کے علاوہ پہلو کے بل لیٹے ہوئے نہیں دیکھا۔''

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں: ''تصوف کا اطلاق تین معانی پر ہوتا ہے:

① وہ شخص جس کی معرفت کا نور اس کے تقویٰ کے نور کو نہ مٹائے۔

② وہ باطنی طور پر ایسے علم میں گفتگو نہ کرے جس کو کتاب وسنت کا ظاہر توڑے۔

③ اس کی کرامات اللہ عزوجل کے محارم کے پردوں کو نہ پھاڑ دیں۔ [1]

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال 257ھ میں ہوا۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''ایک دن حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے محبت کے بارے میں سوال کیا تو میں نے کہا ایک قوم کے نزدیک ''موافقت'' کا نام ''محبت'' ہے، ایک قوم ''ایثار'' کو ''محبت'' قرار دیتی ہے، کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ۔''

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بازو کے چمڑے کو پکڑ کر کھینچا لیکن وہ نہ کھینچا گیا۔ پھر فرمایا:

''اللہ عزوجل کی عزت کی قسم! اگر تم کہو بے شک اس کی محبت میں یہ کھال اس ہڈی پر خشک ہو گئی ہے تو تم سچ کہو گے۔''

پھر آپ پر بے ہوشی طاری ہوگئی اور چہرہ چمکتے چاند کی طرح ہو گیا۔ حالانکہ آپ سانولے رنگ کے تھے۔

ایک بار الحمد للہ کہنے پر 30 سال استغفار کرتے رہے

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''میں نے ایک مرتبہ ''الحمد للہ'' کہا تو تیس سال سے اس قول سے استغفار کر رہا ہوں۔'' پوچھا گیا یہ کیسے ہوا؟

فرمایا: ایک مرتبہ بغداد میں آگ لگ گئی (اور مکانات وغیرہ جل گئے) ایک شخص میرے سامنے آیا اور اس نے کہا آپ کی دکان بچ گئی میں نے کہا ''الحمد للہ''۔ پس میں تیس سال سے اپنے اس قول پر نادم ہوں کہ میں نے اس سے اپنے نفس کے لیے اس نقصان سے محفوظ رہنے کا ارادہ کیا جو مسلمانوں کو پہنچا۔

حضرت ابوبکر حربی رحمۃ اللہ علیہ نے (مذکورہ بالا) واقعہ حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا۔

---

[1] ان تین باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ تصوف شریعت کے خلاف نہیں بلکہ شریعت کے مطابق ہے۔ جو لوگ شریعت کی مخالفت کرتے اور صوفی کہلاتے ہیں وہ گمراہ ہیں، صوفی نہیں۔ ۱۲ ہزاروی

میری ناک سیاہ تو نہیں ہوگئی؟

حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے انھوں نے فرمایا:
میں اپنی ناک کو دن میں کئی مرتبہ دیکھتا ہوں اس ڈر سے کہ کہیں وہ سیاہ نہ ہوگئی ہو۔ کیونکہ مجھے اللہ عزوجل سے ڈر لگتا ہے کہ وہ میری صورت کو میرے اعمال کی وجہ سے سیاہ نہ کردے۔

جنت کا سیدھا راستہ

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے میں جنت کی طرف جانے والے مختصر اور سیدھے راستے کی معرفت رکھتا ہوں۔
میں نے پوچھا وہ کیا؟
فرمایا: کسی سے کسی چیز کا سوال نہ کرو اور نہ کسی سے کوئی چیز لو اور نہ تمھارے پاس کوئی چیز ہو جس میں سے کچھ تم کسی دوسرے کو دو۔ [1]

آپ کے اقوال

حضرت جنید بن محمد (بغدادی) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے ہیں: ''میں چاہتا ہوں کہ مجھے بغداد شریف کے علاوہ کسی اور شہر میں موت آئے۔''
پوچھا گیا کیوں؟
فرمایا: مجھے ڈر ہے کہ میری قبر مجھے قبول نہ کرے اور مجھے شرمندگی اٹھانا پڑے۔ [2]
حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ یہ دعا مانگتے تھے:
''اَللّٰهُمَّ مَهْمَا عَذَّبْتَنِیْ بِشَیْءٍ فَلَا تُعَذِّبْنِیْ بِذُلِّ الْحِجَابِ''
''یا اللہ! جب تو مجھے کسی چیز کے ساتھ عذاب دے تو پردہ دری کی ذلت کا عذاب نہ دینا (یعنی میرا پردہ رکھنا)۔''

---

[1] دنیا سے بے رغبتی کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲ ہزاروی
[2] بتانا چاہتے تھے کہ میں نے اس سرزمین پر گناہ کیے حالانکہ آپ ولی ہونے کی وجہ سے محفوظ تھے لیکن خوف خدا کی وجہ سے اس طرح فرماتے تھے۔ ۱۲ ہزاروی

ٹھنڈے پانی کا کوزہ نہ پیا

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میں ایک دن حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ رو رہے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا آپ کس وجہ سے رو رہے ہیں؟''

فرمایا: ''گذشتہ رات میرے پاس میری بچی آئی اور اس نے کہا ابا جان! یہ گرم رات ہے میں (ٹھنڈے پانی کا یہ کوزہ) یہاں لٹکا دوں۔ پھر مجھے نیند آ گئی تو میں نے ایک نہایت خوبصورت لڑکی دیکھی جو آسمان سے اتری۔ میں نے پوچھا تو کس کے لیے ہے؟

اس نے کہا میں اس کے لیے ہوں جو کوزوں میں ٹھنڈا پانی نہیں پیتا۔ پس میں نے وہ کوزہ لے کر زمین پر دے مارا اور اسے توڑ دیا۔''

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ انھوں نے ٹھیکریوں کو نہ اٹھایا اور نہ ہاتھ لگایا حتیٰ کہ ان پر مٹی پڑ گئی۔

حضرت ابو نصر بشر بن حارث حافی رحمۃ اللہ علیہ

آپ اصلاً علاقہ ''مَرو'' سے تعلق رکھتے تھے۔ بغداد میں سکونت اختیار کی اور وہیں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ حضرت علی بن خشرم رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے تھے۔ 227 ھ میں آپ کا وصال ہوا اور آپ بہت بڑی شان کے مالک تھے۔

آپ کی توبہ کا سبب

آپ کی توبہ کا سبب یہ ہوا کہ آپ کو راستے میں پڑا ہوا ایک کاغذ ملا جس پر اللہ عزوجل کا نام لکھا ہوا تھا اور وہ پاؤں کے نیچے روندا جا رہا تھا۔ آپ نے اسے اٹھایا اور آپ کے پاس ایک درہم تھا جس سے آپ نے خوشبو خریدی اور اس کاغذ پر مَل دی پھر اسے دیوار کے ایک سوراخ میں رکھ دیا۔ اس کے بعد آپ نے خواب میں دیکھا کہ ایک کہنے والا آپ سے کہہ رہا ہے:

''اے بشر! تم نے میرے نام کو خوشبو لگائی میں دنیا اور آخرت میں تمہارے نام کی خوشبو کو پھیلاؤں گا۔''

استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''حضرت بشر رحمۃ اللہ علیہ کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے تو ان لوگوں نے کہا یہ شخص رات بھر نہیں سوتا اور تین دنوں میں صرف ایک دن روزہ نہیں رکھتا ہے۔''

یہ سن کر حضرت بشر رحمۃ اللہ علیہ رونے لگے۔ آپ سے رونے کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا:
"مجھے یاد نہیں کہ میں نے پوری رات جاگ کر گزاری ہو اور دن بھر روزہ رکھا ہو اور رات تک کچھ کھایا پیا نہ ہو لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے لطف و کرم سے دلوں میں بندے کے عمل سے زیادہ ڈال دیتا ہے۔" پھر آپ نے اپنے ابتدائی معاملہ کا ذکر کیا جو پہلے ذکر ہوا (کہ کس طرح آپ کا اس طرف رجوع ہوا)۔

اتباعِ سنت کے سبب آپ کا مرتبہ بلند ہوا

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ حضرت بشر بن حارث حافی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے خواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

((یَا بِشْرُ! اَتَدْرِیْ لِمَ رَفَعَكَ اللّٰهُ مِنْ بَیْنِ أَقْرَانِكَ))

"اے بشر! کیا تم جانتے ہو کہ اللہ عزوجل نے تمھارے ساتھیوں سے تمھارا مرتبہ کیوں بلند فرمایا؟"
میں نے عرض کیا: "یارسول اللہ صلی اللہ علیك وسلم! مجھے معلوم نہیں۔"
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((بِاتِّبَاعِكَ لِسُنَّتِیْ وَخِدْمَتِكَ لِلصَّالِحِیْنَ وَنَصِیْحَتِكَ لِإِخْوَانِكَ وَمَحَبَّتِكَ لِأَصْحَابِیْ وَأَهْلِ بَیْتِیْ وَهُوَ الَّذِیْ بَلَّغَكَ مَنَازِلَ الْأَبْرَارِ))

"اس لیے کہ تم میری سنت کی اتباع کرتے ہو، صالحین کی خدمت کرتے ہو، اپنے (مسلمان) بھائیوں کی خیرخواہی کرتے ہو اور میرے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) اور میرے اہل بیت (رضی اللہ عنہم) سے محبت کرتے ہو۔ یہی وہ بات ہے جس نے تمھیں نیکوکار لوگوں کے مراتب تک پہنچا دیا ہے۔"

آپ جیسا کوئی نہ تھا

حضرت بلال الخواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: "میں بنی اسرائیل کے (میدان) تیہ [1] میں تھا کہ ایک شخص مجھے چلّانے لگا۔ مجھے اس پر تعجب ہوا پھر مجھے الہام ہوا کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔ میں نے کہا تجھے حق کا واسطہ مجھے بتا، تُو کون ہے؟
اس نے کہا: تمھارا بھائی خضر ہوں۔
میں نے کہا: میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔

[1] میدان تیہ جہاں بنی اسرائیل چالیس سال تک بھٹکتے رہے اور باہر نہ نکل سکے۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر آیا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

انھوں نے فرمایا: پوچھو۔
میں نے کہا: آپ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟
انھوں نے فرمایا: وہ اوتاد (اولیاء کرام کا ایک درجہ) میں سے ہیں۔
میں نے کہا: حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟
فرمایا: وہ نہایت سچے آدمی ہیں۔
میں نے پوچھا آپ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟
فرمایا: (لَمْ يَخْلُقْ بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ) ''ان کے بعد ان جیسا پیدا نہیں ہوگا۔''

آپ سے ایک بچی کا کلام

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ حضرت معافی بن عمران رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تشریف لائے۔ حضرت حافی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا دروازہ کھٹکھٹایا۔
پوچھا گیا ''کون ہے؟''
فرمایا: بشر حافی ہوں۔
گھر کے اندر سے ایک بچی نے آواز دی: اگر آپ دو، دانق (اس زمانے کا ایک سکہ) کے بدلے جوتا خرید لیتے تو آپ سے حافی[1] کا نام چلا جاتا۔
حضرت ابو عبداللہ بن جلاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: میں نے حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ان کا کلام واضح تھا۔ حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ان کے کلام میں اشارے تھے اور حضرت بشر بن حارث رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ان کے پاس تقویٰ تھا۔
ان سے پوچھا گیا آپ (ان تینوں میں سے) کس کی طرف مائل تھے؟
فرمایا: حضرت بشر بن حارث رحمۃ اللہ علیہ کی طرف جو ہمارے استاذ تھے۔

کئی سال لوبیا نہ کھایا

کہا گیا ہے آپ کو کئی سال لوبیا کی خواہش رہی لیکن آپ نے اسے نہ کھایا۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کو خواب میں دیکھا گیا تو آپ سے پوچھا گیا اللہ عزوجل نے آپ سے کیا سلوک کیا؟

[1] حافی ننگے پاؤں والے کو کہتے ہیں۔۱۲ہزاروی

فرمایا: مجھے بخش دیا اور فرمایا اے نہ کھانے والے! کھاؤ اور اے نہ پینے والے! پیو۔

چالیس (40) سال گوشت نہ کھا سکے

حضرت ابوبکر بن عفان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت بشر بن حارث رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے ہیں:
"مجھے چالیس سال سے بھنے ہوئے گوشت کی خواہش ہے لیکن میرے لیے اس کی قیمت صاف نہیں ہوتی (صاف ستھری حلال رقم حاصل نہیں ہوتی)۔" حضرت بشر رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ کس چیز کے ساتھ روٹی کھاتے ہیں؟

فرمایا: "عافیت کو یاد کر کے اسے سالن بنا لیتا ہوں۔"

ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک شخص نے حضرت بشر رحمۃ اللہ علیہ سے اس حکایت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: "حلال مال ضرورت سے زائد کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتا۔"[1]

حضرت بشر رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا گیا تو آپ سے پوچھا گیا کہ اللہ عزوجل نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

فرمایا: اس نے مجھے بخش دیا اور نصف جنت میرے لیے مباح کر دی اور مجھ سے فرمایا:
اے بشر! اگر تم میرے لیے انگارے پر بھی سجدہ کرو تو اس بات کا شکر ادا نہیں کر سکتے جو میں نے تمہارے لیے (محبت) اپنے بندوں کے دلوں میں رکھی ہے۔

حضرت بشر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وہ شخص آخرت کی مٹھاس حاصل نہیں کر سکتا جو چاہتا ہے کہ لوگ اسے پہچانیں (یعنی جو شہرت کا طالب ہے)۔

حضرت ابو عبداللہ حارث بن اسد محاسبی رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنے زمانے میں علم، تقویٰ، معاملہ اور حال[2] میں بے مثال تھے۔ اصلاً بصری تھے اور آپ کا انتقال 243ھ میں بغداد میں ہوا۔

آپ کا تقویٰ

کہا گیا ہے کہ آپ کو اپنے والد سے (70,000) ستر ہزار درہم بطور وراثت ملے لیکن آپ نے ان میں سے کچھ

---

[1] یعنی حلال مال کھانے والوں کے پاس زیادہ مال نہیں ہوتا اس لیے وہ فضول خرچی نہیں کرتے۔ ۱۲ ہزاروی
[2] حال تصوف کی ایک اصطلاح ہے جس کا ذکر اسی کتاب میں تفصیلاً موجود ہے وہاں دیکھئے۔ ۱۲ ہزاروی

بھی نہ لیا۔ کہا گیا کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے والد تقدیر کے منکر تھے پس آپ نے تقویٰ اسی بات میں سمجھا کہ ان کی میراث سے کچھ نہ لیں اور فرمایا: صحیح روایت میں رسول اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ:

((لَا يَتَوَارَثُ أَهْلُ مِلَّتَيْنِ شَيْئًا))

''دو مختلف دینوں سے تعلق رکھنے والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے۔''[1]

حضرت محمد بن مسروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت حارث بن اسد محاسبی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو آپ ایک درہم کے محتاج تھے، حالانکہ آپ کے باپ نے سامان اور زمین چھوڑی لیکن آپ نے اس میں سے کچھ نہیں لیا۔

حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ جب ایسے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتے جس میں شبہ ہوتا تو آپ کی انگلیوں پر پسینہ حرکت کرتا اور آپ اس سے رک جاتے۔[2]

حضرت ابو عبداللہ بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہمارے مشائخ میں سے پانچ کی اقتداء کرو اور باقی کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ (وہ پانچ یہ ہیں) ① حضرت حارث بن اسد محاسبی رحمۃ اللہ علیہ، ② حضرت جنید بن محمد (بغدادی) رحمۃ اللہ علیہ، ③ حضرت ابو محمد رُویم رحمۃ اللہ علیہ ④ حضرت ابو العباس بن عطاء رحمۃ اللہ علیہ، ⑤ حضرت عمرو بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ۔ اس لیے کہ یہ حضرات علم اور حقائق کے جامع تھے۔

حضرت ابو عثمان بلدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''جو شخص مراقبہ اور اخلاص کے ساتھ اپنے باطن کو درست کرے اللہ عزوجل اس کے ظاہر کو مجاہدہ اور اتباع سنت کے ذریعے درست کر دیتا ہے۔

مال حرام کا کھانا نگل نہ پاتے

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ میرے پاس سے گزرے تو میں نے ان میں بھوک کا اثر دیکھا۔ میں نے کہا اے چچا! اندر گھر میں آئیں اور کچھ کھالیں۔

فرمایا: ہاں!

میں گھر میں داخل ہوا اور کچھ تلاش کیا تا کہ ان کی خدمت میں پیش کروں تو گھر میں کھانا رکھا تھا جو کسی شادی والے لوگوں نے بھیجا تھا۔ میں نے ان کے آگے رکھ دیا۔

انھوں نے لقمہ لیا اور کئی بار منہ میں گھمایا پھر وہ کھڑے ہو گئے اور دہلیز پر ڈال کر چلے گئے۔

[1] سنن ابو داؤد، كتاب الفرائض، باب هل يرث المسلم الكافر؟ حديث: 2911.

[2] اولیاء کرام پر اللہ عزوجل کا یہ فضل ہوتا ہے کہ ان کو حلال وحرام کی تمیز ہو جاتی ہے اور اس کی بنیادی وجہ تقویٰ ہے۔ ۱۲ ہزاروی

جب کچھ دنوں کے بعد میں نے ان کو دیکھا تو ان سے اس بارے میں پوچھا۔

انھوں نے فرمایا: میں بھوک سے تھا اور میں نے ارادہ کیا کہ میں کھانے کے ذریعے آپ کو خوش کروں اور آپ کے دل کی حفاظت کروں۔ ● لیکن میرے اور اللہ ﷻ کے درمیان ایک علامت ہے کہ وہ مجھے ایسا کھانا نہیں کھلاتا جس میں شبہ ہو لہٰذا اس نے مجھے اس کے نگلنے کی طاقت نہ دی۔ آپ کے پاس وہ کھانا کہاں سے آیا تھا؟

میں نے کہا: میرے گھر کے قریب سے شادی والے گھر سے آیا تھا۔ پھر میں نے کہا آپ آج تشریف لائیں گے؟

فرمایا: ہاں!

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے روٹی کا ایک خشک ٹکڑا ان کے سامنے رکھا جو ہمارے گھر کا تھا تو انھوں نے تناول فرمایا اور ارشاد فرمایا: جب تم کسی فقیر کے سامنے کھانا رکھو تو اسی قسم کا کھانا رکھو۔ ●

حضرت ابوسلیمان داؤد بن نُصیر طائی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ بڑی شان کے مالک تھے۔ حضرت یوسف بن سباط رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کو وراثت میں بیس (20) دینار ملے تو آپ نے ان کو بیس سالوں میں کھایا (خرچ کیا)۔

استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کے زہد کا سبب یہ ہوا کہ آپ بغداد شریف میں گزرا کرتے تھے۔ ایک دن گزرے تو گزرنے والے ان کو حضرت حمید طوسی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لے گئے۔ حضرت داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو دیکھا تو فرمایا:

دنیا پر افسوس! تم سے "حمید" سبقت لے گئے چنانچہ وہ گھر میں بیٹھ گئے اور محنت اور عبادت کو اختیار کر لیا۔

میں نے بغداد میں ایک فقیر کو دیکھا وہ فرماتے تھے کہ ان کے زہد کا سبب یہ ہوا کہ انھوں نے ایک نوحہ کرنے والی (پیٹنے والی) سے سنا، وہ نوحہ کر رہی تھی:

بِأَيِّ خَدَّيْكَ تُبْدِي الْبَلٰى
وَأَيِّ عَيْنَيْكَ إِذَا سَالَا

✱ تمھارے کون سے رُخسار پر غم کو ظاہر کیا اور اس وقت تمھاری کون سی آنکھ جاری ہوئی۔

● یعنی آپ کی حوصلہ افزائی کروں اور آپ کے دل کو غلط خیالات سے بچاؤں۔ ۱۲ ہزاروی

● آج کے خود ساختہ پیروں کو ان بزرگانِ دین کے حالات پڑھ کر موازنہ کرنا چاہئے کہ کیا وہ بھی حلال و حرام میں امتیاز کرتے اور سوکھی روٹی کی دعوت قبول کرتے ہیں؟ ۱۲ ہزاروی

کہا گیا ہے کہ آپ کے زہد کا سبب یہ ہوا کہ آپ حضرت امام ابو حنیفہ ؒ کی مجلس میں بیٹھتے تھے تو ایک دن حضرت امام ابو حنیفہ ؒ نے ان سے فرمایا: اے ابو سلیمان! ہم نے علم کو مضبوط کر دیا ہے؟
انھوں نے پوچھا باقی کیا رہ گیا ہے۔ آپ نے فرمایا: اس کے ساتھ عمل کرنا۔

لوگوں میں بیٹھ کر ایک سال کلام نہ کیا

حضرت داؤد ؒ فرماتے ہیں: پس میرے نفس نے مجھ سے تنہائی کا مطالبہ کیا تو میں نے اپنے نفس سے کہا: نہیں، حتیٰ کہ تم ان لوگوں کے ساتھ بیٹھو اور کسی مسئلہ میں کلام نہ کرنا۔ فرماتے ہیں پس میں ان کے ساتھ ایک سال تک بیٹھا رہا اور میں کسی مسئلہ میں کلام نہیں کرتا تھا۔ میرے سامنے مسئلہ کان کریدتا اور میں اس میں کلام کرنے کی اس قدر خواہش رکھتا تھا کہ پیاسے آدمی کو ٹھنڈے پانی کی بھی اس قدر خواہش نہ ہوگی لیکن میں اس میں کلام نہیں کرتا تھا۔
پھر ان کا معاملہ وہ ہو گیا جو ہو گیا (یعنی اُن کو مقام و مرتبہ حاصل ہو گیا)۔

آپ کے اقوال و احوال

کہا گیا ہے کہ جنید حجام نے آپ کی حجامت بنائی تو آپ نے اسے ایک دینار دیا۔ کہا گیا یہ تو اسراف ہے۔
انھوں نے فرمایا: نہیں یہ اس شخص کے لیے عبادت ہے جس کی مروت نہ ہو۔
حضرت داؤد طائی ؒ رات کے وقت کہتے تھے: الٰہی! تیرے غم نے مجھ پر دنیاوی غم معطل کر دیئے ہیں اور وہ میرے اور نیند کے درمیان حائل ہو گیا ہے۔ حضرت اسماعیل بن زیاد ؒ فرماتے ہیں حضرت داؤد ؒ کی دایہ نے، ان سے کہا کیا آپ کو روٹی کی خواہش نہیں ہوتی؟ آپ نے فرمایا: میرے روٹی چبانے اور پانی پینے کے درمیان پچاس آیات کی قراءت ہوتی ہے۔ جب حضرت داؤد طائی ؒ کا وصال ہوا تو بعض صالحین نے خواب میں اُن کو دوڑتے ہوئے دیکھا پوچھا آپ کو کیا ہوا؟ فرمایا: اس وقت میں قید خانے سے چھوٹا ہوں۔ وہ شخص خواب سے بیدار ہوا تو لوگوں میں شور و غل مچا ہوا تھا کہ حضرت داؤد طائی ؒ کا انتقال ہو گیا ہے۔
ایک شخص نے آپ سے کہا کہ مجھے کوئی نصیحت کیجیے، آپ نے فرمایا موت کا لشکر تمھارا منتظر ہے۔ ایک شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو پانی کا گھڑا دیکھا جس پر دُھوپ آ چکی تھی۔ اس نے پوچھا آپ اس کو سائے میں نہیں رکھتے۔
آپ نے فرمایا: جب میں نے اس کو وہاں رکھا تو اس جگہ دھوپ نہ تھی اور مجھے حیاء آتی ہے کہ اللہ ﷻ مجھے اس کام میں چلتے ہوئے دیکھے جس میں میرے نفس کا حصہ ہے۔
کوئی شخص آپ کے پاس آیا اور آپ کو دیکھنے لگا، آپ نے فرمایا: کیا تمھیں معلوم نہیں کہ وہ لوگ (صوفیاء کرام)

فضول نظر کو اسی طرح ناپسند کرتے تھے جس طرح فضول گفتگو کو ناپسند کرتے تھے۔

حضرت ابو ربیع واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میں نے حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں، انھوں نے فرمایا: دنیا سے روزہ رکھو اور موت کو افطاری بناؤ اور لوگوں سے اس طرح بھاگو جس طرح تم کسی درندے سے بھاگتے ہو۔'' [1]

حضرت ابو علی شقیق بن ابراہیم بلخی رحمۃ اللہ علیہ

آپ مشائخ ''بلخ'' میں سے تھے۔ توکل میں مشہور تھے اور حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ تھے۔

آپ کی توبہ کے متعلق پہلا واقعہ

کہا گیا کہ (تصوف کی طرف) ان کے رجوع کا سبب یہ ہوا کہ وہ مال دار لوگوں کی اولاد میں سے تھے۔ سرزمین ترکی کی طرف تجارت کی غرض سے نکلے اور آپ نوجوان تھے۔ آپ بت خانے میں داخل ہوئے تو وہاں بتوں کے لیے مقرر خادم دیکھا جس نے اپنا سر اور داڑھی منڈوا رکھی تھی اور سرخ رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔

حضرت شقیق رحمۃ اللہ علیہ نے خادم سے فرمایا:

تمھیں پیدا کرنے والا زندہ، عالم اور قادر ہے۔ اس کی عبادت کرو اور ان بتوں کی پوجا نہ کرو جو تمھیں نقصان دے سکتے ہیں نہ نفع۔

اس نے کہا: اگر بات وہی ہے جو تم کہتے ہو تو وہ تمھیں تمھارے شہر میں رزق دینے پر قادر ہے تو تم نے تجارت کے لیے اس مقام کا قصد کیوں کیا ہے؟

اس پر حضرت شقیق رحمۃ اللہ علیہ (خوابِ غفلت سے) بیدار ہوئے اور زہد کا طریقہ اختیار کرلیا۔

آپ کی توبہ کے متعلق دوسرا واقعہ

کہا گیا ہے کہ آپ کے زہد کا سبب یہ تھا کہ آپ نے ایک غلام کو دیکھا کہ وہ قحط کے زمانے میں کھیل کود میں مصروف تھا اور اکڑ کر چلتا تھا۔ جب کہ لوگ فکر میں مبتلا تھے۔

[1] معاشرے سے دور رہنے کی ترغیب نہیں بلکہ دعوت یہ ہے کہ دنیا سے حسب ضرورت میل جول رکھو، باقی وقت اپنے رب کے ساتھ لگانے میں گزارو۔ ۱۲ ہزاروی

حضرت شقیق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ خوشی جس میں تم مبتلا ہو، کیا ہے؟ تم نے لوگوں کو خشک سالی اور قحط میں مبتلا نہیں دیکھا؟

اس غلام نے جواب دیا: اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں میرے آقا کی ایک خالص بستی ہے ہم جس چیز کے حاجت مند ہیں وہ چیز اس کے لیے وہاں سے آجاتی ہے۔

یہ سن کر حضرت شقیق رحمۃ اللہ علیہ خبردار ہو گئے اور فرمایا: اگر اس کے آقا کی ایک بستی ہے حالانکہ اس کا آقا مخلوق اور ''فقیر'' ہے پھر وہ اپنے رزق کے لیے فکرمند نہیں ہے تو مسلمان کو رزق کی فکر کیسے ہو سکتی ہے جب کہ اس کا آقا و مولیٰ ''غنی'' ہے۔

آپ کی توبہ کے متعلق تیسرا واقعہ

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کشادہ حال تھے اور اپنے آپ کو جوان ظاہر کرتے اور نوجوانوں کے ساتھ رہتے تھے جب کہ علی بن عیسیٰ بن ماہان بلخ کا امیر تھا اور وہ شکاری کتوں کو پسند کرتا تھا۔ اس نے اپنے کتوں میں سے ایک کو گم پایا۔ اس نے ایک شخص کے بارے میں سنا کہ وہ کتا اس کے پاس ہے اور وہ شخص حضرت شقیق رحمۃ اللہ علیہ کا پڑوسی تھا۔ اس شخص کو تلاش کیا لیکن اس نے بھاگ کر حضرت شقیق رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں پناہ حاصل کر لی۔

حضرت شقیق رحمۃ اللہ علیہ امیر کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: تم اس شخص کا راستہ چھوڑ دو کتا میرے پاس ہے اور میں تین دن تک تمہیں لوٹا دوں گا۔

ان لوگوں نے اس شخص کا راستہ چھوڑ دیا اور حضرت شقیق رحمۃ اللہ علیہ اس عمل پر پریشان واپس ہوئے۔ جب تیسرا دن ہوا تو حضرت شقیق رحمۃ اللہ علیہ کے عزیزوں میں سے ایک شخص جو بلخ سے غائب تھا، واپس بلخ آ گیا۔ اس نے راستے میں ایک کتا پایا جس کے گلے میں ہار تھا۔ اس نے اسے لے لیا اور کہا کہ میں اسے حضرت شقیق رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کروں گا کیونکہ وہ کتوں کے دِل دادہ ہیں۔ چنانچہ وہ اسے اٹھا کر لے آیا۔

حضرت شقیق رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا تو وہ امیر کا کتا تھا۔ آپ اس پر خوش ہوئے اور اسے امیر کے پاس لے گئے اور تاوان سے بچ گئے۔ پس اللہ عزوجل نے آپ کو (روحانی) بیداری کی توفیق دی اور آپ نے اپنے عمل سے توبہ کی اور زہد کے طریقے پر چل پڑے۔

میدانِ جنگ میں سو گئے

بیان کیا گیا ہے کہ حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم حضرت شقیق رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ ترکوں کے ساتھ لڑائی میں صف

بستہ تھے۔ یہ ایسا دن تھا کہ ہم اس میں سروں کو کٹ کر گرتے ہوئے اور نیزوں اور تلواروں کو ٹوٹتا ہوا دیکھتے تھے تو حضرت شقیق رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا:

"اے حاتم! آج اپنے آپ کو کس طرح دیکھ رہے ہو؟ اس کی مثل دیکھتے ہو جس طرح تم اس رات تھے جب تمہاری بیوی پہلی رات تمہارے پاس آئی تھی۔"

میں نے کہا: اللہ عزوجل کی قسم! نہیں۔

حضرت شقیق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بلکہ اللہ عزوجل کی قسم! میں آج کے دن اپنے نفس کو اس کی مثل دیکھتا ہوں جس طرح اس رات تھا۔ پھر آپ دونوں لشکروں کے درمیان سو گئے اور آپ کی ڈھال آپ کے سر کے نیچے تھی اور میں آپ کے خراٹوں کی آواز سن رہا تھا (یعنی آپ مطمئن تھے)۔

آپ کے اقوال

حضرت شقیق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب تم کسی شخص کی پہچان حاصل کرنا چاہو تو اس وعدہ کو دیکھو جو اللہ عزوجل نے اس کے ساتھ کیا اور جو وعدہ لوگوں نے اس کے ساتھ کیا ہے، ان میں سے کس کے ساتھ اس کا دل زیادہ مضبوط ہے۔

حضرت شقیق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آدمی کے تقویٰ کی پہچان تین باتوں کے ساتھ ہوتی ہے: اس کے لینے، روکنے اور کلام کے ساتھ (یعنی کیا لیتا ہے؟ کیا چھوڑتا ہے؟ اور کیسا کلام کرتا ہے؟)۔

حضرت ابو یزید بن طیفور بن عیسیٰ بسطامی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے دادا مجوسی (آتش پرست) تھے، پھر مسلمان ہو گئے اور آپ تین بھائی تھے:

① آدم، ② طیفور اور ③ علی رحمہم اللہ۔

یہ سب زاہد اور عبادت گزار تھے لیکن ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ ان سب میں سے زیادہ بزرگ تھے۔

کہا گیا ہے کہ 261ھ میں آپ کی وفات ہوئی بعض نے 234ھ بتائی ہے۔

حضرت حسن بن علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے یہ معرفت کس چیز کے ساتھ حاصل کی؟ انھوں نے فرمایا: بھوکے پیٹ اور ننگے بدن کے ساتھ۔ [1]

---

[1] یعنی حسب ضرورت لباس پہنا، بالکل ننگا ہونا مراد نہیں، عیاشی کی نفی ہے۔ نیز یہ بتایا کہ اپنے آپ کو پیٹ اور جسم کی فکر میں رکھا۔ ۱۲ ہزاروی

تیس (30) سال مجاہدہ کیا تو

حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں نے تیس سال مجاہدہ کا عمل کیا تو میں نے علم اور اس کی اتباع سے زیادہ کسی چیز کو سخت نہیں پایا۔ اگر علماء کا اختلاف نہ ہوتا تو میں ایک اجتہاد پر رہتا اور علماء کا اختلاف رحمت ہے لیکن توحید کی تجرید میں نہیں (یعنی توحید میں اختلاف گناہ ہے)۔''

اور کہا گیا ہے کہ حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ نے دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے پہلے پورا قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔

المعروف بعمی بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے والد فرماتے تھے مجھ سے حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہمارے ساتھ چلو حتیٰ کہ ہم اس شخص کو دیکھیں جو ولایت میں مشہور ہوا اور اس شخص کا قصد کیا جاتا تھا اور وہ زہد میں مشہور تھا، ہم اس کی طرف گئے۔ جب وہ گھر سے نکل کر مسجد میں داخل ہوا تو اس نے قبلہ رُخ تھوک دیا۔

حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ واپس آ گئے اور اسے سلام تک نہ کیا اور فرمایا:

یہ شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب میں سے کسی ادب کی حفاظت نہیں کرتا تو جس چیز کا دعویٰ کرتا ہے اس کی حفاظت کیسے کرے گا؟

یہی فرماتے ہیں حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

میں نے ارادہ کیا کہ اللہ عزوجل سے سوال کروں کہ وہ مجھے کھانے کی مشقت اور عورتوں کی پریشانی سے کفایت کرے۔ پھر میں نے سوچا کہ میرے لیے یہ سوال کرنا کیسے جائز ہوگا جب کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سوال نہیں کیا۔ پھر اللہ عزوجل نے مجھے عورتوں کی پریشانی سے محفوظ کر لیا حتیٰ کہ مجھے پرواہ نہیں ہوتی کہ میرے سامنے کوئی عورت آئی ہے یا دیوار۔

آپ کے اقوال

حضرت بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے والد فرماتے تھے: میں نے حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی ابتداء اور زہد کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا:

(لَیْسَ لِلزُّھْدِ مَنْزِلَۃٌ) ''زہد کی کوئی منزل نہیں۔''

میں نے پوچھا کیوں؟

انھوں نے فرمایا: میں تین دن زہد میں رہا، جب چوتھا دن ہوا تو اس سے نکل گیا۔ پہلے دن دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، سے زہد (بے رغبتی) اختیار کی۔ دوسرے دن آخرت اور جو کچھ اس میں ہے، سے زہد اختیار کیا۔ تیسرے دن

اللہ عزوجل کے علاوہ جو کچھ ہے، اس سے زہد اختیار کیا اور چوتھے دن میرے لیے اللہ عزوجل کے علاوہ کچھ نہ رہا اور میں دیوانہ وار پھرتا رہا۔

اچانک میں نے غیب سے آواز دینے والے کو سنا وہ کہہ رہا تھا: اے ابو یزید! تو ہمارے ساتھ رہنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ میں نے کہا: میں اسی چیز کا ارادہ کرتا ہوں۔ پس میں نے کسی کہنے والے سے سنا وہ کہہ رہا تھا:

"تم نے پالیا، تم نے پالیا۔"

حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا آپ نے اللہ عزوجل کے راستے میں کس قدر تکلیف اٹھائی ہے؟

فرمایا: اس کا بیان ممکن نہیں۔ پوچھا گیا آپ کے نفس نے آپ سے کس قدر ذلت پائی؟

فرمایا: ہاں اس کا بیان ممکن ہے۔ میں نے اسے کسی اطاعت کی طرف بلایا تو اس نے میری بات نہ مانی تو میں نے ایک سال تک اسے پانی سے روکے رکھا۔

حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں تیس (30) سال سے اس طرح نماز پڑھ رہا ہوں کہ ہر نماز کے وقت میرے دل میں یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ گویا میں مجوسی ہوں اور اپنا زُنار (مجوسیوں کی علامت) کاٹنا چاہتا ہوں۔ [1]

حضرت عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ اسے اس قدر کرامات دی گئی ہیں کہ وہ ہوا میں اڑتا ہے تو تم اس سے دھوکہ نہ کھاؤ حتیٰ کہ دیکھو تم اسے (اللہ عزوجل کے) امر اور نہی، حدود حفاظت اور شریعت کی ادائیگی میں کس طرح پاتے ہو۔"

حضرت عمی بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ ایک رات سرائے کی طرف گئے تا کہ اس کی فصیل پر اللہ عزوجل کا ذکر کریں لیکن صبح تک اس کا ذکر نہ کیا۔

میں نے اس سلسلے میں پوچھا تو فرمایا: مجھے ایک کلمہ یاد آ گیا جو میرے بچپن میں میری زبان پر جاری ہوا تھا تو میں اللہ عزوجل کا ذکر کرنے سے ڈر گیا (یعنی مجھے شرم آئی کہ اس کا ذکر کروں)۔

حضرت ابو محمد سہل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ [2]

آپ قوم کے ائمہ میں سے ایک تھے اور ان کے دور میں معاملات اور پرہیزگاری میں کوئی شخص ان کی مثل نہ تھا۔

---

[1] اس عبارت سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ میں بشری تقاضوں کے مطابق دنیاوی خواہشات کی طرف مائل تھا اور ان کو ختم کرنے کی کوشش کر رہا۔ تفصیل نتائج الأفکار القدسیہ، جلد ۱، پہلا حصہ، صفحہ: 165 پر ملاحظہ کریں۔ ۱۲ ہزاروی

[2] تستری تُستر کی طرف نسبت ہے جو کہ ملک ایران کے صوبہ خوزستان کے ضلع اہواز کا شہر ہے۔ (معجم البلدان) ابو حنظلہ محمد اجمل عطاری

آپ صاحب کرامات تھے، آپ جب حج کے لیے گئے تو مکہ مکرمہ میں حضرت ذوالنون مصری ﷫ سے ملاقات کی۔ جیسا کہ کہا گیا ہے آپ کا وصال 283 ھ میں ہوا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ 273 ھ میں ہوا۔

حضرت سہل ﷫ فرماتے ہیں: میں تین سال کا تھا، میں رات کے وقت اٹھ کر اپنے ماموں حضرت محمد بن سوار ﷫ کی نماز کو دیکھتا اور وہ رات بھر قیام کرتے تھے وہ بعض اوقات مجھ سے فرماتے:

اے سہل! جاؤ سو جاؤ تم نے میرے دل کو (دوسری طرف) مشغول کر دیا ہے۔

اللہ ﷻ دیکھ رہا ہے نافرمانی سے بچو

حضرت عمر بن واصل بصری ﷫ حضرت سہل بن عبداللہ ﷫ سے نقل کرتے ہیں انھوں نے فرمایا: ایک دن میرے ماموں نے مجھ سے فرمایا: کیا تم اللہ ﷻ کو یاد نہیں کرتے جس نے تمھیں پیدا کیا؟

میں نے پوچھا! میں اس کو کیسے یاد کروں؟

فرمایا: جب تم اپنے کپڑوں میں پھرو تو تین مرتبہ زبان کو حرکت دیے بغیر کہو اللہ ﷻ میرے ساتھ ہے، اللہ ﷻ مجھے دیکھ رہا ہے اور اللہ ﷻ میرا شاہد ہے۔

میں نے تین راتیں اسی طرح کہا پھر میں نے ان کو خبر دی تو انھوں نے مجھ سے فرمایا: ہر رات سات مرتبہ کہو۔

میں نے اسی طرح کہا اور پھر ان کو خبر دی تو انھوں نے فرمایا: ہر رات دس مرتبہ کہو۔ میں نے کہا تو میرے دل میں اس کی چاشنی پیدا ہوگئی۔ جب ایک سال گزر گیا تو میرے ماموں نے مجھ سے فرمایا: میں نے جو کچھ تمھیں سکھایا ہے اسے یاد رکھو اور قبر میں داخل ہونے تک اس پر قائم رہو یہ تمھیں دنیا اور آخرت میں فائدہ دے گا۔ پس میں کئی سالوں تک اس پر قائم رہا تو میں نے اپنے دل میں اس کی مٹھاس پائی۔

پھر ایک دن میرے ماموں نے مجھ سے فرمایا:

اے سہل! جس شخص کے ساتھ اللہ ﷻ ہو اور وہ اسے دیکھ رہا ہو اور بندہ اس کے سامنے ہو تو کیا وہ اس کی نافرمانی کرے گا؟ تم اپنے آپ کو اس کی نافرمانی سے بچاؤ۔

ایک مسئلہ پوچھنے کے لیے بصرہ کا سفر

فرماتے ہیں: میں تنہا تنہا رہتا تھا پس انھوں (گھر والوں) نے مجھے مکتب میں بھیجا، میں نے کہا مجھے ڈر ہے کہ میری توجہ بٹ جائے گی البتہ تم معلم سے یہ شرط رکھو کہ میں ایک گھڑی اس کے پاس جاؤں گا اور سیکھ کر واپس آ جاؤں گا۔

فرماتے ہیں: میں مکتب میں گیا اور میں نے قرآن مجید حفظ کیا۔ اس وقت میں چھ یا سات سال کا تھا۔ میں روزانہ

روزہ رکھتا تھا اور میری خوراک جَو کی ایک روٹی تھی حتیٰ کہ میں بارہ سال کا ہو گیا۔ اس وقت جب کہ میں تیرہ سال کا تھا مجھے ایک مسئلہ پیش آیا۔ میں نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ مجھے بصرہ بھیج دیں تا کہ میں اس کے بارے میں پوچھوں۔ میں بصرہ میں آیا اور وہاں کے علماء سے پوچھا تو ان میں سے کسی نے بھی مجھے تسلی بخش جواب نہ دیا۔

میں عبادان میں ایک شخص کے پاس چلا گیا جو ابو حبیب حمزہ بن عبداللہ عبادانی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور تھے۔ میں نے ان سے اس مسئلہ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے مجھے جواب دیا۔ میں ایک مدت تک ان کے پاس ٹھہرا، ان کے کلام سے نفع حاصل کرتا رہا اور ان کے طور طریقے سیکھے۔ پھر میں تستر میں واپس آیا تو میں نے اپنی خوراک صرف اس قدر کر دی کہ میرے لیے ایک درہم کا فرق (ایک پیمانہ) جَو خریدے جاتے، ان کو پیس کر میرے لیے روٹی پکائی جاتی اور میں ہر رات سحری کے وقت صرف اوقیہ بھر روٹی پر نمک اور سالن کے بغیر افطار کرتا اور ایک درہم مجھے سال بھر کے لیے کفایت کرتا۔

پھر میں نے ارادہ کیا کہ تین راتوں کے بعد افطار کروں، پھر پانچ، پھر سات، پھر پچیس راتیں، میں بیس سال تک اسی حالت میں رہا۔ پھر میں کئی سال تک زمین میں سیاحت کرتا رہا پھر ''تستر'' کی طرف لوٹا اور میں رات بھر قیام کرتا۔

حضرت نصر بن احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بندہ جو فعل فرماں برداری ہو یا نافرمانی، نبی اکرم ﷺ کی اقتداء کے بغیر کرتا ہے وہ نفس کی زندگی ہے اور جو فعل آپ ﷺ کی اقتداء کے ساتھ کرتا ہے وہ نفس پر عذاب ہے۔ [1]

حضرت ابو سلیمان عبدالرحمٰن بن عطیہ دارانی رحمۃ اللہ علیہ

داران، دمشق کی بستیوں میں سے ایک بستی ہے اور آپ کا انتقال 215ھ میں ہوا۔ حضرت احمد بن ابی حواری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابو سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا:

''جس نے اپنے دن میں نیکی کی اسے رات کے وقت کافی ہے اور جس نے رات کے وقت نیکی کی اسے دن کو کفایت کرے گی۔ [2] جو شخص خواہشات کو ترک کرنے میں سچا ہو اللہ عزوجل انہیں اس کے دل سے لے جاتا ہے۔ اللہ عزوجل

[1] مطلب یہ ہے کہ نفس، سنت رسول ﷺ کی اتباع کو اپنے لیے مشقت کا باعث سمجھتا ہے لیکن مسلمان نفس کو خوش کرنے کی بجائے اس کی مخالفت کرتا ہے وہ نفس کو زندگی نہیں دیتا تا کہ اس کے حملوں سے محفوظ رہ سکے۔ ۱۲ ہزاروی

[2] نیکی کے اثرات باقی رہنے کی طرف اشارہ ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ دن کو نیکی کرے اور رات کو نہ کرے یا رات کو نیکی کرے اور دن کے وقت نہ کرے۔ ۱۲ ہزاروی

اس سے زیادہ کرم والا ہے کہ کسی دل کو اس خواہش کی وجہ سے عذاب دے جو اس کی خاطر چھوڑی گئی۔"

حضرت احمد بن ابی حواری رحمۃ اللہ علیہ سے ہی منقول ہے فرماتے ہیں: جب تم دنیا کو دل میں ٹھکانہ دو گے تو اس (دل) سے آخرت چلی جائے گی۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "بعض اوقات میرے دل میں صوفیاء کے نکاتِ معرفت میں سے کوئی نکتہ آ جاتا ہے تو میں اسے دو گواہوں یعنی کتاب و سنت کے بغیر قبول نہیں کرتا۔"

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: سب سے بہتر عمل نفسانی خواہشات کے خلاف چلنا ہے۔

اور فرمایا: (لِكُلِّ شَیْءٍ عَلَمٌ وَعَلَمُ الْخُذْلَانِ تَرْكُ الْبُكَاءِ) "ہر چیز کی علامت ہے اور ذلت کی علامت رونا ترک کرنا ہے۔"

اور فرمایا: ہر چیز کا زنگ ہوتا ہے اور دل کے نور کا زنگ پیٹ کا بھر جانا ہے۔

اور فرمایا: جو چیز تجھے اللہ عزوجل سے غافل کر دے وہ تیرے لیے نحوست ہے وہ گھر والے ہوں، مال ہو یا اولاد۔

میں دو ہاتھوں سے دعا مانگوں گا

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "میں ایک ٹھنڈی رات محراب میں تھا تو سردی نے مجھے پریشان کر دیا۔ میں نے سردی کی وجہ سے ایک ہاتھ چھپا دیا اور دوسرا پھیلا ہوا رہ گیا۔ مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا تو غیب سے پکارنے والے نے پکارا: اے ابو سلیمان! ہم نے اس ہاتھ میں رکھا جو اس کو پہنچا اگر دوسرا ہاتھ بھی ہوتا تو ہم اس میں بھی رکھ دیتے۔ پس میں نے قسم کھائی کہ میں دونوں ہاتھوں کو باہر نکال کر دعا مانگوں گا، گرمی ہو یا سردی۔"

حضرت ابو سلیمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "میں اپنا وظیفہ پڑھے بغیر سو گیا تو اچانک میں نے ایک حور کو دیکھا وہ کہہ رہی تھی تم سو گئے اور پانچ سو سال سے پردے میں مجھے تمھارے لیے پالا جا رہا ہے۔"

احمد بن ابی حواری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں ایک دن حضرت ابو سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا اور وہ رو رہے تھے۔ میں نے پوچھا آپ کیوں روتے ہیں؟

انھوں نے فرمایا: اے احمد! میں کیوں نہ روؤں جب رات چھا جاتی ہے اور آنکھیں سو جاتی ہیں اور ہر محب اپنے محبوب کے پاس ہوتا ہے، اہلِ محبت اپنے قدم بچھا دیتے ہیں، ان کے آنسوؤں کے چہروں پر گرتے ہیں اور ان کے محرابوں میں قطرے گرتے ہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ متوجہ ہو کر فرماتا ہے:

"اے جبریل! جو شخص میرے کلام سے لذت حاصل کرتا ہے، میرے ذکر سے راحت پاتا ہے وہ میرے سامنے ہے، میں ان کی خلوتوں میں بھی ان پر مطلع ہوں، میں ان کے رونے کی آواز سنتا ہوں اور ان کا رونا دیکھتا ہوں۔ تو اے

جبریل علیہ السلام! تم ان کو آواز دے کر کیوں نہیں پوچھتے کہ یہ رونا کیسا ہے؟ کیا تم نے دیکھا کہ کوئی محبوب اپنے محب کو عذاب دیتا ہے؟ کیا میرے لیے یہ مناسب ہے کہ میں ان لوگوں کی گرفت کروں جو رات ہوتے ہی میرے آگے نرم ہو جاتے ہیں (عبادت میں مصروف ہو جاتے ہیں) میں اپنی قسم کھاتا ہوں کہ جب قیامت کے دن یہ لوگ میرے پاس آئیں گے تو میں اپنے کریم چہرے سے ان کے لیے پردہ ہٹا دوں گا حتیٰ کہ وہ مجھے دیکھیں گے اور میں ان کو دیکھوں گا۔"

حضرت ابو عبدالرحمٰن حاتم بن علوان رحمۃ اللہ علیہ [1]

آپ کو حضرت حاتم بن یوسف اصم رحمۃ اللہ علیہ، بھی کہا جاتا ہے۔ آپ خراسان کے اکابر مشائخ میں سے تھے۔ آپ حضرت شقیق رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور حضرت احمد بن خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ تھے۔ آپ بہرے نہیں تھے ایک دفعہ اپنے آپ کو بہرہ ظاہر کیا تو آپ کا اصم نام رکھا گیا۔

اصم (بہرہ) نام کی وجہ

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک عورت آئی اور اس نے حضرت حاتم رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مسئلہ پوچھا۔ اتفاقاً اس حالت میں اس عورت سے ہوا خارج ہو گئی اور وہ شرمندہ ہوئی تو حضرت حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بلند آواز سے بولو، آپ نے اپنے آپ کو بہرہ دکھایا وہ عورت یہ بات سن کر چلی گئی اور اس نے کہا کہ آپ آواز نہیں سنتے پس آپ پر اصم (بہرہ) نام غالب آ گیا۔

آپ کے اقوال

حضرت حامد لفاف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے حضرت حاتم رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے ہیں: "ہر صبح شیطان مجھ سے پوچھتا ہے کہ تم کیا کھاتے ہو، کیا پہنتے ہو اور کہاں رہتے ہو؟

میں اس سے کہتا ہوں کہ: (أَكُلُ الْمَوْتَ، وَأَلْبَسُ الْكَفَنَ وَأَسْكُنُ الْقَبْرَ) "میں موت کو کھاتا ہوں، کفن پہنتا ہوں اور قبر میں رہتا ہوں۔"

انھی سے منقول ہے کہ آپ سے پوچھا گیا کیا آپ کی کوئی خواہش نہیں؟

فرمایا: میں رات تک دن بھر کی عافیت کی خواہش رکھتا ہوں۔

---

[1] وفیات الاعیان، جلد 2، صفحہ: 26 میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کا نام "حاتم بن عنوان" ذکر کیا گیا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

پوچھا گیا کیا تمام دنوں میں عافیت حاصل نہیں ہوتی؟

فرمایا: میرے دن کی عافیت یہ ہے کہ میں اس میں اللہ ﷻ کی نافرمانی نہ کروں۔

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے فرماتے ہیں: میں کسی جنگ میں تھا تو مجھے ایک شخص نے پکڑ کر ذبح کرنے کے لیے لٹایا تو میرا دل اس میں مشغول نہ ہوا بلکہ میں دیکھتا تھا کہ میرے بارے میں اللہ ﷻ کیا فیصلہ فرماتا ہے؟

اس دوران کہ وہ چھری تلاش کر رہا تھا اسے ان لوگوں کی طرف سے ایک تیر آ کر لگا اور اس نے اسے ہلاک کر کے مجھ سے دور کر دیا اور میں اٹھ کھڑا ہوا۔

حضرت ابو محمد بن محمد بن نصیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت حاتم رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے انھوں نے فرمایا: ''جو ہمارے اس مذہب (تصوف) میں داخل ہو وہ موت کی چار خصلتیں اپنے اندر پیدا کر لے:

① سفید موت یعنی بھوک، ② سیاہ موت اور وہ مخلوق کی طرف سے اذیت برداشت کرنا ہے۔ ③ سرخ موت اور وہ خواہش کی مخالفت کرتے ہوئے ایسا عمل کرنا جو ملاوٹ سے پاک ہو اور ④ سبز موت یعنی کپڑوں کے ٹکڑوں کو ایک دوسرے پر لگانا (چیتھڑوں والے کپڑے پہننا)۔''

حضرت ابوزکریا یحییٰ بن معاذ رازی واعظ رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنے وقت کے یگانہ تھے۔ ''امید'' میں خصوصی زبان کے حامل تھے اور معرفت میں کلام کرتے۔ آپ بلخ کی طرف تشریف لے گئے اور وہاں ایک مدت تک ٹھہرے۔ پھر نیشاپور میں واپس تشریف لائے اور وہیں 258ھ میں انتقال فرمایا۔

حضرت احمد بن عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے ہیں: وہ شخص جس میں تقویٰ نہیں وہ کیسے زاہد ہو گا؟ جو چیز تیری نہیں اس سے اپنے آپ کو بچا پھر اس میں زہد (بے رغبتی) اختیار کر جو تیری ہے۔

اُنھی سے منقول ہے فرماتے ہیں: ''توّابین'' (بہت توبہ کرنے والوں) کی بھوک تجربہ کے طور پر ہوتی ہے۔ ''زاھدین'' کی بھوک سیاست ہے (نفس کی تربیت ہے) اور ''صدیقین'' کی بھوک کرامت اور عزت ہے۔

حضرت یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فوت ہونا موت سے زیادہ سخت ہے کیونکہ فوت ہونے کا مطلب حق سے اِنقِطَاع ہے اور موت مخلوق سے اِنقِطَاع ہے۔

حضرت یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: زہد تین چیزیں ہیں: (اَلْقِلَّةُ وَالْخَلْوَةُ وَالْجُوْعُ) ''قلت، خلوت اور بھوک۔''

حضرت یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ (مزید) فرماتے ہیں: اگر تم اپنے نفس کو ایسے کاموں میں لگائے رکھو جو اس کے لیے بہتر ہیں تو تمھارے نفس کو اس سے بڑھ کر کوئی چیز فائدہ نہیں دیتی۔

کہا گیا ہے کہ حضرت یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ نے بلخ میں اس موضوع پر گفتگو کی کہ مال داری کو فقر پر فضیلت حاصل ہے تو آپ کو تیس ہزار (30,000) درہم دیے گئے۔ بعض مشائخ نے کہا اللہ عزوجل اس مال میں ان کو برکت نہ دے پس آپ نیشاپور کی طرف چلے گئے چنانچہ آپ پر چوروں نے حملہ کیا اور وہ مال لے گئے۔

حضرت حسین بن علویہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (مَنْ خَانَ اللّٰهَ فِي السِّرِّ هَتَكَ اللّٰهُ سِتْرَهٗ فِي الْعَلَانِيَةِ) ''جو شخص پوشیدگی میں اللہ عزوجل سے خیانت کرے اللہ عزوجل اعلانیہ اس کی پردہ دری کرتا ہے۔''

حضرت علی بن محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

برے لوگ تمھاری پاکیزگی بیان کریں تو وہ تیرے لیے معیوب ہے اور ان کا تجھ سے محبت کرنا تیرے لیے عیب ہے اور جو تمھارا محتاج ہو وہ تمھارے نزدیک حقیر ہوگا۔

حضرت ابو حامد احمد بن خضرویہ بلخی رحمۃ اللہ علیہ

آپ خراسان کے بڑے بڑے مشائخ میں سے تھے اور آپ کو حضرت ابو تراب نخشبی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کا شرف حاصل تھا۔ آپ نیشاپور تشریف لائے اور حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی پھر بسطام کی طرف چلے گئے تا کہ حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کا شرف حاصل کریں اور آپ جواں مردی [1] میں بڑے مقام کے مالک تھے۔

حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت احمد بن خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی ہمت اور زیادہ سچے حالات والا کسی کو نہیں دیکھا اور حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''حضرت احمد رحمۃ اللہ علیہ ہمارے استاذ ہیں۔''

پچانوے (95) سال موت کا انتظار

حضرت محمد بن حامد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں حضرت احمد بن خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور وہ حالتِ نزع میں تھے اور ان کی عمر پچانوے (95) سال ہو چکی تھی۔ ان سے ان کے بعض احباب نے مسئلہ پوچھا تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور فرمانے لگے: ''اے بیٹے! ایک دروازے کو میں پچانوے سال سے کھٹکھٹا رہا ہوں اور وہ اس وقت

[1] اَلْفُتُوَّۃُ یعنی جواں مردی۔ اس کے بارے میں ایک پورا باب آگے آ رہا ہے وہاں ملاحظہ کیجیے۔ ۱۲ ہزاروی

میرے لیے کھلا ہے۔ مجھے معلوم نہیں سعادت کے ساتھ کھلا ہے یا بدبختی کے ساتھ۔ میرے پاس جواب کا وقت کہاں؟''

راوی فرماتے ہیں: ان کے ذمہ سات سو (700) دینار تھے اور ان کے قرض خواہ ان کے پاس تھے آپ نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا: ''یا اللہ! تو نے مال والوں کے لیے رہن (گروی) چیز کو اعتماد اور یقین کا ذریعہ بنایا ہے اور تو ان سے ضمانت لیتا ہے پس تو میری طرف سے ادائیگی فرمادے۔''

فرماتے ہیں: اتنے میں کسی دروازہ کھٹکھٹانے والے نے دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا حضرت احمد رحمۃ اللہ علیہ کے قرض خواہ کہاں ہیں؟ پس ان کی طرف سے ادائیگی کردی۔ ان کی روح پرواز کر گئی اور ان کا انتقال 240 ھ میں ہوا۔

حضرت احمد بن خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: غفلت سے زیادہ بھاری کوئی نیند نہیں اور شہوت سے بڑھ کر کوئی غلامی انسان کو قابو نہیں رکھتی۔ اگر تم پر غفلت کا بوجھ نہ ہوتا تو شہوت تم پر غالب نہ آتی۔

حضرت ابوالحسین احمد بن ابی حواری رحمۃ اللہ علیہ

آپ اہل دمشق میں سے تھے اور آپ کو حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر حضرات کی صحبت حاصل تھی۔ 230 ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت جنید (بغدادی) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: (أَحْمَدُ بْنُ أَبِي الْحَوَارِيِّ رِيْحَانَةُ الشَّامِ) ''حضرت احمد بن ابی الحواری رحمۃ اللہ علیہ شام کی خوشبو تھے۔''

حضرت سعید بن عبدالعزیز حلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے حضرت احمد بن ابی حواری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

(مَنْ نَّظَرَ إِلَى الدُّنْيَا نَظْرَةَ إِرَادَةٍ وَّحُبٍّ لَهَا أَخْرَجَ اللّٰهُ نُوْرَ الْيَقِيْنِ وَالزُّهْدِ مِنْ قَلْبِهٖ)

''جو شخص دنیا کی طرف ارادت کی نظر کرے اور اس سے محبت کرے اللہ عزوجل اس کے دل سے یقین اور زہد کا نور نکال دیتا ہے۔''

انھی سے منقول ہے فرماتے ہیں: (مَنْ عَمِلَ عَمَلًا بِلَا اِتِّبَاعِ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَبَاطِلٌ عَمَلُهٗ) ''جو شخص سنتِ رسول ﷺ کی اِتباع کے بغیر عمل کرے اس کا عمل باطل ہے۔''

حضرت سعید حلبی رحمۃ اللہ علیہ ہی فرماتے ہیں حضرت احمد بن ابی حواری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بہترین رونا بندے کا اپنے اوقات[1] پر رونا ہے جو کسی موافقت کے بغیر گزر گئے۔[2] اور حضرت احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

[1] ''اوقات'' وقت کی جمع ہے۔ یہ صوفیاء کرام کی ایک اصطلاح ہے تفصیل وقت سے متعلق باب میں ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۲ ہزاروی

[2] یعنی زندگی بے مقصد کاموں میں گزر جائے۔ ۱۲ ہزاروی

(مَاابْتَلَى اللّٰهُ عَبْدًا بِشَىْءٍ أَشَدَّ مِنَ الْغَفْلَةِ وَالْقَسْوَةِ)

''اللہ ﷻ بندے کو غفلت اور دل کی سختی سے بڑھ کر کسی چیز کے ساتھ نہیں آزماتا۔''

حضرت ابو حفص عمر بن مَسلمہ حدّاد رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا تعلق نیشاپور کی بستی ''کورداباز'' سے تھا جو بخارا کے راستے میں واقع ہے۔ آپ آئمہ اور سادات میں سے ایک تھے۔ 260ھ سے چند سال پہلے آپ کا انتقال ہوا۔ حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: (اَلْمَعَاصِى بَرِيْدُ الْكُفْرِ كَمَا أَنَّ الْحُمّٰى بَرِيْدُ الْمَوْتِ) ''گناہ، کفر کا پیش خیمہ ہے۔ جس طرح بخار موت کا۔''

حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''جب تم مرید کو دیکھو کہ وہ سماع کو پسند کرتا ہے تو جان لو کہ اس میں بے ہودگی کا کچھ حصہ باقی ہے۔''

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ظاہری آداب کا حسن، باطنی آداب کے حسن کا عنوان (علامت) ہے۔''

اور آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ: ''فتوّہ'' (جواں مردی) انصاف کی ادائیگی کرنا اور مطالبۂ انصاف ترک کرنا ہے۔''

حضرت ابو علی ثقفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جو شخص ہر وقت اپنے احوال کے افعال کا کتاب وسنت سے موازنہ نہ کرے اور اپنے قلبی خطرات کو تہمت نہ لگائے اس کو مَردوں کے دیوان میں شمار نہ کرو۔''

حضرت ابو تراب عَسکر بن حصین نخشبی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کو حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابو حاتم عطار مصری رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کا شرف حاصل تھا۔ آپ کا انتقال 245ھ میں ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کو جنگل میں درندے نے نوچ لیا اور آپ وصال فرما گئے۔

حضرت ابن جلاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے چھ سو مشائخ رحمہم اللہ کی صحبت اختیار کی لیکن ان میں سے چار کی مثل کسی سے ملاقات نہیں ہوئی، جن میں پہلے حضرت ابو تراب نخشبی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

حضرت ابو تراب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''فقیر کی خوراک وہ ہے جو مل جائے، اس کا لباس وہ ہے جو اس کا جسم ڈھانپ دے اور اس کی رہائش وہ ہے جہاں وہ اترے۔''

حضرت ابو تراب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''جب بندہ عمل میں سچا ہو تو وہ عمل سے پہلے اس کی چاشنی پالیتا ہے اور جب وہ اس میں مخلص ہو تو عمل کرتے وقت اس کی مٹھاس اور لذت حاصل کرتا ہے۔''

حضرت اسماعیل بن نجید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوتراب نخشبی رحمۃ اللہ علیہ جب اپنے احباب میں ناپسندیدہ بات دیکھتے تو ان کی عملی کوشش بڑھ جاتی اور نئے سرے سے توبہ کرتے اور فرماتے میری شومئ قسمت سے ان لوگوں کو ادھر دھکیلا گیا جس طرف ان کو دھکیلا گیا کیونکہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ۝﴾

''آدمی کے لیے بدلی والے فرشتے ہیں اس کے آگے پیچھے کہ بحکم خدا اس کی حفاظت کرتے ہیں بیشک اللہ کسی قوم سے اپنی نعمت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں اور جب اللہ کسی قوم سے برائی چاہے تو وہ پھر نہیں سکتی اور اس کے سوا ان کا کوئی حمایتی نہیں۔''[1]

حضرت اسماعیل بن نجید رحمۃ اللہ علیہ ہی فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو یہ بات بھی فرماتے ہوئے سنا وہ اپنے ساتھیوں (اور شاگردوں) سے فرماتے تھے کہ تم میں سے جس نے پیوند لگا ہوا لباس پہنا اس نے سوال کیا[2] اور جو اپنی خانقاہ اور مسجد میں بیٹھ گیا اس نے بھی سوال کیا اور جس نے قرآن پاک سے دیکھ کر پڑھا یا یہ کہ لوگوں کو سنانے کے لیے پڑھا اس نے بھی سوال کیا۔

انھی سے منقول ہے کہ حضرت ابوتراب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''میرے اور اللہ عزوجل کے درمیان وعدہ ہے کہ میں حرام چیز کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا اور اگر بڑھاؤں تو وہ حرام تک نہ پہنچ سکے۔''

ایک دن حضرت ابوتراب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تلامذہ میں سے ایک صوفی کو دیکھا کہ اس نے اپنا ہاتھ خربوزے کے چھلکے کی طرف بڑھایا اور وہ تین دن سے بھوکا تھا تو حضرت ابوتراب رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے فرمایا: ''تم خربوزے کے چھلکے کی طرف ہاتھ بڑھا رہے ہو تمھارے لیے تصوف درست نہیں، بازار میں چلے جاؤ (اور کاروبار کرو)۔''

حضرت یوسف بن حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت ابوتراب نخشبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

''میرے نفس نے مجھ سے کسی چیز کی تمنا نہیں کی البتہ ایک مرتبہ اس نے روٹی اور انڈے کی تمنا کی اور میں سفر میں تھا۔ پس میں راستے سے بستی کی طرف ہٹ گیا۔ ایک شخص کودا اور وہ مجھ سے چمٹ گیا اور کہنے لگا یہ چوروں کے ساتھ تھا

[1] پارہ 13، الرعد 11، ترجمہ کنزالایمان

[2] یعنی یہ خاموش سوال ہے کیونکہ لوگ اس کی یہ حالت دیکھ کر اس کی حاجت کو پورا کریں گے گویا اس نے زبان حال سے لوگوں سے سوال کیا۔ اسی طرح جو شخص کام کاج نہیں کرتا اور خانقاہ یا مسجد میں بیٹھ جاتا ہے وہ بھی لوگوں کا محتاج ہو جاتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

پس انھوں نے مجھے پکڑا اور مجھے ستر (70) لاٹھیاں ماریں۔"

فرماتے ہیں: "ہمارے پاس ایک صوفی کھڑا تھا وہ چیخنے لگا اور اس نے کہا یہ تو "ابو تراب نخشبی رحمۃ اللہ علیہ" ہیں۔ انھوں نے مجھے چھوڑا اور مجھ سے معذرت کرنے لگے۔ پھر ایک شخص مجھے اپنے گھر لے گیا اور میرے سامنے روٹی اور انڈہ رکھا۔ میں نے کہا ستر (70) کوڑے کھانے کے بعد اب یہ کھاؤ۔"

حضرت ابن جلاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت ابو تراب رحمۃ اللہ علیہ مکہ مکرمہ میں خوشی خوشی داخل ہوئے تو میں نے کہا اے استاذ! آپ نے کھانا کہاں کھایا؟

فرمایا: ایک لقمہ بصرہ میں ایک نباج (مقام) میں اور ایک یہاں۔

حضرت ابو محمد عبد اللہ بن خُبیق رحمۃ اللہ علیہ

آپ زاہد صوفیاء میں سے تھے اور حضرت یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہے۔ آپ اصلاً کوفی تھے لیکن انطاکیہ میں سکونت اختیار کی۔

فتح بن شُخرف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھ سے حضرت عبد اللہ بن خبیق رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی بار ملاقات کے موقع پر فرمایا:

"اے خراسانی! چار چیزیں ہیں اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ ① آنکھ، ② زبان، ③ دل اور ④ خواہش۔

پس اپنی آنکھ کی حفاظت کر، اس کے ساتھ اسے نہ دیکھ جس کا دیکھنا جائز نہیں، اپنی زبان کی حفاظت کر اس کے ساتھ وہ بات نہ کہہ کہ اللہ عزوجل جانتا ہے تیرے دل میں اس کے خلاف ہے اور دل کی حفاظت کر اس میں مسلمانوں میں سے کسی شخص کے بارے میں کینہ نہیں ہونا چاہیے اور اپنی برائی کو دیکھ اور کسی برائی کی خواہش نہ کر۔ اگر تجھ میں ان چار چیزوں میں سے کوئی بات نہ ہو تو اپنے سر پر راکھ ڈال تو بد بخت ہو گیا۔"

حضرت ابن خبیق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایسی چیز کا غم کھا جو کل تجھے نقصان پہنچائے گی اور ایسی چیز پر خوش ہو جو کل تجھے خوش کرے گی۔

حضرت ابن خبیق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: چونکہ بندہ اللہ عزوجل سے مانوس نہیں ہوتا اس لیے لوگوں کے دل اس سے مانوس نہیں ہوتے اور اگر وہ اللہ عزوجل سے محبت کرے تو ہر شخص اس سے محبت کرتا ہے۔

انھوں نے فرمایا: زیادہ نفع بخش خوف وہ ہے جو تجھے گناہوں سے روک دے اور جو کچھ تو حاصل نہ کر سکا اس پر تو بہت زیادہ غمگین ہو اور اپنی باقی عمر کے بارے میں فکر کو لازم پکڑ لے اور بہترین امید وہ ہے جو تیرے لیے عمل کو آسان کر دے۔ انھوں نے مزید فرمایا: باطل کو زیادہ سننا دل سے اطاعت کی چاشنی کو ختم کر دیتا ہے۔

حضرت ابوعلی احمد بن عاصم انطا کی رحمۃ اللہ علیہ

آپ، حضرت بشر بن حارث، حضرت سری سقطی اور حضرت حارث محاسبی رحمہم اللہ کے ہم عصر لوگوں میں سے تھے۔
آپ کی تیز فراست کی وجہ سے حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ آپ کو "دل کا جاسوس" کہتے تھے۔

حضرت احمد ابن عاصم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: جب تم اپنے دل کی اصلاح چاہو تو اپنی زبان کی حفاظت کے ساتھ اس پر مدد طلب کرو۔

حضرت احمد ابن عاصم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ۝﴾

"تمہارے مال اور تمہارے بچے جانچ ہی ہیں اور اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے۔"[1]

(آپ فرماتے ہیں) ہم اس آزمائش کو بڑھا رہے ہیں۔[2]

حضرت ابوسری منصور بن عمار رحمۃ اللہ علیہ

آپ، مرو کے علاقہ میں واقع ایک بستی "برانقان" کے رہنے والے تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کا تعلق مقام "بوشنج" سے تھا اور بصرہ میں مقیم ہو گئے تھے۔ آپ بہت بڑے واعظین میں سے تھے۔

حضرت منصور بن عمار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (أَحْسَنُ لِبَاسِ الْعَبْدِ اَلتَّوَاضُعُ وَالْإِنْكِسَارُ وَأَحْسَنُ لِبَاسِ الْعَارِفِيْنَ اَلتَّقْوٰى) "بندے کا سب سے عمدہ لباس تواضع اور انکساری اور عارفین کا بہترین لباس تقویٰ ہے۔"

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ﴾

"اور پرہیزگاری کا لباس وہ سب سے بھلا۔"[3]

---

[1] پارہ 28، التغابن 15، ترجمہ کنز الایمان

[2] یعنی آدمی جس قدر مال کی طلب کرتا ہے اسی قدر اس کی آزمائش میں اضافہ ہوتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[3] پارہ 8، الاعراف 26، ترجمہ کنز الایمان

آپ کی توبہ کا سبب

کہا گیا ہے کہ آپ کے رجوع الی اللہ کا سبب یہ ہوا کہ آپ نے راستے میں کاغذ کا ایک ٹکڑا پایا جس پر "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم" لکھا ہوا تھا۔ آپ نے اسے اٹھایا اور اسے رکھنے کی کوئی جگہ نہ پائی تو اسے کھالیا۔ پس خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا آپ سے کہہ رہا ہے: "اللہ ﷻ نے آپ پر حکمت کا دروازہ کھول دیا ہے کیونکہ آپ نے اس کاغذ کا احترام کیا ہے۔"

اللہ ﷻ نے مغفرت فرمادی

حضرت ابوالحسن شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: میں نے حضرت منصور بن عمار رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا! "اللہ ﷻ نے آپ سے کیا سلوک کیا؟"

انھوں نے فرمایا: اللہ ﷻ نے فرمایا: "تم دنیا میں لوگوں کو بے رغبتی کی ترغیب دیتے تھے اور خود اس میں رغبت رکھتے تھے۔"

میں نے کہا: "اے رب! یہی بات ہے لیکن میں نے ہر مجلس میں تیری ثناء سے آغاز کیا پھر تیرے نبی ﷺ پر دُرُود بھیجا اور اس کے بعد تیرے بندوں کو نصیحت کی۔"

اللہ ﷻ نے فرمایا: "انھوں نے سچ کہا ہے، ان کے لیے کرسی بچھاؤ، کہ میرے آسمان میں میرے فرشتوں کے درمیان میری بزرگی بیان کریں جس طرح میری زمین میں میرے بندوں کے درمیان میری بزرگی بیان کرتے تھے۔"

حضرت ابوصالح حمدون بن احمد بن عمارہ قصّار رحمۃ اللہ علیہ

آپ نیشاپور کے رہنے والے تھے اور آپ کی وجہ سے نیشاپور میں ملامتی [1] جماعت کا مذہب پھیلا۔ آپ کو حضرت سلمان باروسی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابوتراب نخشبی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کا شرف حاصل ہے۔ 271 ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

آپ کے اقوال

حضرت حمدون رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آدمی کے لیے کب لوگوں سے گفتگو کرنا (وعظ کرنا) جائز ہے؟

[1] صوفیاء کرام کا ایک گروہ ملامتی کہلاتا ہے یعنی بعض لوگ ان کو دین پر کاربند رہنے کی وجہ سے پسند نہیں کرتے نیز وہ نفس لوامہ کے مالک ہوتے ہیں، گناہوں پر اپنے نفس کو ملامت کرتے ہیں اس طرح وہ تکبر اور غرور سے بچ جاتے ہیں۔ تفصیل کشف المحجوب میں دیکھیں۔ ۱۲ ہزاروی

فرمایا: ''جب اس کے علم کے مطابق اس پر اللہ ﷻ کے فرائض میں سے کسی فرض کی ادائیگی متعین ہو جائے یا اسے کسی انسان کے کسی بدعت میں ہلاکت کا خطرہ ہو اور وہ امید رکھتا ہو کہ اللہ ﷻ اسے اس سے نجات عطا کرے گا۔'' [1]

آپ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے نفس کو فرعون کے نفس سے اچھا سمجھے اس نے تکبر ظاہر کیا۔''

اور فرمایا: ''جب سے میں نے جانا کہ بادشاہ برے لوگوں کی پہچان رکھتا ہے اس وقت سے میرے دل سے بادشاہ کا خوف نہیں نکلا'' (کسرِ نفسی کرتے ہوئے اپنے آپ کو برا کہا)۔ اور فرمایا:

''جب تم کسی کو نشے کی حالت میں دیکھتے ہو تو تم بھی بناوٹی طور پر اِدھر اُدھر جھکنے لگتے ہو تا کہ تم اس پر کوئی زیادتی نہ کر بیٹھو اور کہیں تم بھی اس کی مثل میں مبتلا ہو جاؤ۔''

حضرت عبداللہ بن مُنازل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ مجھے نصیحت کیجیے۔

انھوں نے فرمایا: اگر تم ایسا کر سکتے ہو کہ کسی دنیوی چیز کے لیے تمھیں غصہ نہ آئے تو ایسا کرو۔

آپ کے ایک دوست کا انتقال ہو گیا اور آپ اس کے سرہانے تھے جب اس کا انتقال ہو چکا تو آپ نے چراغ بجھا دیا۔ لوگوں نے کہا ایسے وقت چراغ میں زیادہ تیل ڈالا جاتا ہے؟

انھوں نے ان لوگوں سے فرمایا: اس وقت تک تیل اس شخص کے لیے تھا اور اس وقت سے وہ اس کے وارثوں کا ہو گیا ہے۔

حضرت حمدون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص گذشتہ بزرگوں کی سیرت کو دیکھتا ہے وہ اپنی کوتاہی اور بلند مقام لوگوں کے درجات سے پیچھے رہنے کو جان لیتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں: کسی شخص کے ایسے عمل کی چھان بین نہ کرو جس کے بارے میں تم پسند کرتے ہو کہ تمھارا ایسا عمل پوشیدہ رہے۔

حضرت ابو القاسم جنید بن محمد (بغدادی) رحمۃ اللہ علیہ

آپ اس طائفہ (صوفیاء کرام) کے سردار اور امام ہیں۔ آپ بنیادی طور پر ''نہاوند'' کے رہنے والے تھے، آپ کی ولادت اور پرورش عراق میں ہوئی۔ آپ کے والد شیشہ فروخت کرتے تھے اسی لیے ان کو ''قواریری'' کہا جاتا ہے۔ آپ حضرت ابو ثور رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر فقیہ تھے اور ان کی موجودگی میں ان کے حلقے میں فتویٰ دیتے تھے۔ اس وقت آپ کی عمر بیس سال (20) تھی۔ آپ کو اپنے ماموں حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت محمد بن

[1] یعنی اس پر وعظ کرنا لازم کر دیا جائے یا وہ خود معاشرتی خرابیوں کو دیکھے تو وعظ کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

علی قصاب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کا شرف حاصل رہا۔ آپ کا انتقال 297 ھ میں ہوا۔

آپ کے اقوال

حضرت فراغانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت جنید (بغدادی) رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ ''عارف کون ہے؟''
فرمایا: (مَنْ نَّطَقَ عَنْ سِرِّكَ وَأَنْتَ سَاكِتٌ) ''جو تیرے اندر کی بات کرے اور تو خاموش رہے۔''
حضرت ابو محمد جریری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ہم نے تصوّف بحث مباحثہ سے حاصل نہیں کیا بلکہ بھوک، ترک دنیا اور محبوب اور عمدہ چیزوں سے قطع تعلق کے باعث حاصل کیا۔''
حضرت ابو علی روذباری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک شخص نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے اہل معرفت کا ذکر کیا اور کہا کہ اہل معرفت ترقی کرتے کرتے اس مقام تک پہنچ جاتے ہیں کہ وہ نیکی اور اللہ عزوجل کے تقرّب کے لیے حرکت بند کر دیتے ہیں۔

تو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''یہ قول، اعمال کو چھوڑنے کا قول ہے اور میرے نزدیک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ جو شخص چوری اور زنا کا مرتکب ہوتا ہے وہ اس قول والے سے اچھی حالت میں ہے۔ بے شک اللہ عزوجل کی معرفت رکھنے والوں نے اللہ عزوجل سے اعمال حاصل کیے اور وہ ان اعمال میں اسی کی طرف لوٹے اور اگر میں ایک ہزار سال زندہ رہوں تو میں نیک اعمال میں سے ایک ذرہ بھی کم نہ کروں البتہ یہ کہ ان اعمال تک پہنچنے میں مجھے کوئی رکاوٹ ہو جائے۔''
حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اگر تمھارے لیے ممکن ہو کہ تمھارے سامنے صرف ٹھیکری کی صورت میں سامان ہو تو ایسا کرو'' (یعنی سادگی اختیار کرو اور زہد کو اپناؤ)۔
حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''لوگوں پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے علاوہ تمام راستے بند ہیں۔''
حضرت ابو عمر انماطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا: اگر کوئی سچا آدمی دس لاکھ سال بھی اللہ عزوجل کی طرف متوجہ ہو پھر اس سے ایک لحہ کے لیے بھی منہ پھیرے تو اس نے جو کچھ پایا اس سے زیادہ اس نے ضائع کر دیا۔''

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جو شخص قرآن مجید حفظ نہ کرے اور نہ حدیث لکھے اس (تصوف کے) معاملے میں اس کی اقتداء نہ کی جائے کیونکہ ہمارا یہ علم کتاب وسنت کے ساتھ مقیّد ہے۔''
حضرت ابو علی روذباری رحمۃ اللہ علیہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: ''ہمارا یہ مذہب کتاب وسنت کے اصول سے مقیّد ہے۔''
حضرت ابو الحسین علی بن ابراہیم حداد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں حضرت قاضی ابو العباس بن شریح رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں

حاضر ہوا انھوں نے اصول اور فروع [1] کے بارے میں بہت عمدہ کلام کیا جس پر میں حیران ہوا۔ جب انھوں نے میری حیرانگی دیکھی تو پوچھا کیا تمھیں معلوم ہے کہ میں نے یہ کہاں سے حاصل کیا ہے؟

میں نے کہا یہ تو قاضی (ابوالعباس بن شریح رحمۃ اللہ علیہ) فرمارہے ہیں (یعنی آپ فرمارہے ہیں)۔

انھوں نے فرمایا: یہ حضرت ابوالقاسم جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی ہم نشینی کی برکت ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے یہ علم کہاں سے حاصل کیا؟

انھوں نے فرمایا: میں تیس سال (30) تک اس سیڑھی کے نیچے اللہ عزوجل کے سامنے بیٹھا۔ انھوں نے اپنے گھر میں ایک سیڑھی کی طرف اشارہ کیا۔

حضرت استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ان (حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ) کے ہاتھ میں تسبیح دیکھی گئی تو کہا گیا آپ نے اس قدر عزت کے باوجود اپنے ہاتھ میں تسبیح پکڑی ہوئی ہے؟

انھوں نے فرمایا: یہ ایک راستہ ہے جس کے ذریعے میں اپنے رب تک پہنچا ہوں میں اسے جدا نہیں کروں گا۔

حضرت استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ روزانہ اپنی دکان میں داخل ہوتے اور پردہ لٹکا کر چارسو (400) رکعات پڑھتے پھر اپنے گھر کی طرف تشریف لاتے۔

حضرت ابوبکر عطوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے وقت ان کے پاس تھا۔ انھوں نے پورا قرآن ختم کیا پھر سورۂ بقرہ سے ابتدا کی اور ستر (70) آیات پڑھنے کے بعد آپ کا وصال ہوگیا۔

حضرت ابوعثمان سعید بن اسماعیل حیری رحمۃ اللہ علیہ [2]

آپ کا تعلق علاقہ "رے" سے تھا اور آپ "نیشاپور" میں مقیم رہے۔ آپ کو حضرت شاہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت یحیٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت حاصل رہی پھر آپ حضرت شاہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ نیشاپور میں حضرت ابوحفص حداد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور ان کے پاس ٹھہرے اور ان سے علم حاصل کیا۔ حضرت ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صاحبزادی ان کے نکاح میں دے دی۔ آپ کا انتقال 298ھ میں ہوا اور حضرت ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ کے بعد تیس سال (30) سے کچھ زیادہ عرصہ زندہ رہے۔

---

[1] یعنی کتاب وسنت اور فقہ کے بارے میں بہت عمدہ کلام کیا۔ ۱۲ ہزاروی

[2] آپ کی نسبت حیرہ جو کہ نیشاپور کے محلہ کا نام ہے کی طرف ہے۔ حیرہ شہر عراق کے شہر کوفہ کے قریب ہے۔ (معجم البلدان، جلد 2، صفحہ: 331) ابوحنظلہ محمد اجمل عطاری

حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جب تک کسی شخص کے دل میں چار چیزیں جمع نہ ہوں اس کا ایمان مکمل نہیں ہوتا: ① منع، ② اعطاء، ③ عزت ④ ذلت۔ [1]

حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے ایک مدت تک حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اختیار کی اور میں جوان تھا۔ ایک دفعہ انھوں نے مجھے دور کر دیا اور فرمایا: (لَا تَجْلِسْ عِنْدِی) ''میرے پاس مت بیٹھو۔''

فرماتے ہیں: میں کھڑا ہو گیا اور ان کی طرف پیٹھ نہ کی بلکہ اُلٹے پاؤں چلا اور میرا چہرہ ان کی طرف تھا حتیٰ کہ میں ان کی آنکھوں سے غائب ہو گیا اور میں نے اپنے اوپر لازم کر لیا کہ ان کے دروازے پر ایک گڑھا کھودوں گا اور ان کے حکم کے بغیر اس سے نہیں نکلوں گا۔ جب انھوں نے یہ حالت دیکھی تو انھوں نے مجھے اپنا قرب عطا کیا اور مجھے اپنے خاص لوگوں میں سے کر دیا۔

راوی کہتے ہیں: کہا جاتا تھا کہ دنیا میں تین (3) عظیم شخصیتیں ہیں ان کے ساتھ چوتھا کوئی نہیں: ① نیشاپور میں حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ، ② بغداد میں حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ ③ شام میں حضرت عبد اللہ بن جلاء رحمۃ اللہ علیہ۔ [2]

حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ عزوجل نے چالیس سال (40) سے مجھے ایسی حالت میں نہیں رکھا جو مجھے ناپسند ہو اور نہ مجھے اپنے غیر کی طرف منتقل کیا کہ مجھے اس پر ناراضگی ہوئی ہو۔ یہ بات حضرت عبد اللہ بن محمد شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے سنی۔ جب حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ کی حالت میں تبدیلی آئی تو آپ کے صاحبزادے حضرت ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے جسم پر قمیص پھاڑ دی۔ حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی آنکھیں کھولیں اور فرمایا:

''اے بیٹے! ظاہر میں یہ سنت کے خلاف ہے اور باطنی طور پر یہ ریا کی علامت ہے۔''

صحبت کیسی ہو؟

حضرت ابو الحسین وراق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اللہ عزوجل کے ساتھ صحبت، ادب، دائمی ہیبت اور مراقبہ کے ساتھ ہونی چاہیے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع اور ظاہری علم کو لازم پکڑنے کے ساتھ ہونا ضروری ہے۔

اللہ عزوجل کے اولیاء کرام کے ساتھ صحبت احترام اور خدمت کے ساتھ، گھر والوں کے ساتھ صحبت حسن اخلاق کے ساتھ، (مسلمان) بھائیوں کے ساتھ صحبت چہرے کی تروتازگی کے ساتھ بشرطیکہ گناہ کی صورت نہ ہو اور جاہلوں کے ساتھ صحبت ان کے لیے دعا اور ان پر رحم کے ساتھ ہونی چاہیے۔

[1] غیر شرعی انداز میں خرچ کرنے سے رُکنا منع ہے، اعطاء اللہ کی راہ میں دینا، ذلت سے تواضع مراد ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[2] اس سے مراد اس زمانے کی عظیم شخصیات ہو سکتی ہیں۔ (ابو حنظلہ محمد اجمل عطاری)

حضرت ابوعمرو بن نجید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے جس نے اپنے نفس پر قول وفعل میں سنت کو حاکم بنایا وہ حکمت کے ساتھ گفتگو کرتا ہے اور جو قول وفعل میں اپنے نفس پر خواہشات کو امیر بناتا ہے وہ بدعت کے ساتھ گفتگو کرتا ہے۔ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿وَاِنْ تُطِیْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ط﴾

''اور اگر رسول کی فرمانبرداری کرو گے راہ پاؤ گے۔''[1]

حضرت ابوالحسین احمد بن محمد نوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ولادت اور پرورش ''بغداد'' میں ہوئی اور آپ اصل میں ''بغوی'' تھے۔ آپ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ابی حواری رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہے اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے۔ 295 ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ بہت بڑی شان کے مالک تھے اور آپ کے معاملات اور گفتگو نہایت اچھی تھی۔

آپ کے اقوال

حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: (اَلتَّصَوُّفُ تَرْكُ كُلِّ حَظٍّ لِلنَّفْسِ) ''نفس کی ہر خواہش کو ترک کرنے کا نام تصوف ہے۔''

حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ہمارے زمانے میں دو چیزیں نادر ہیں:

① (عَالِمٌ يَعْمَلُ بِعِلْمِهٖ) ''ایسا عالم جو اپنے علم پر عمل کرے۔''

② (عَارِفٌ يَنْطِقُ عَنْ حَقِيْقَةٍ) ''ایسا عارف جو حقیقت پر مبنی گفتگو کرے۔''

حضرت مرتعش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: جب تم ایسے شخص کو دیکھو جو اللہ عزوجل کے ساتھ ایسی حالت کا دعویٰ کرتا ہے جو اسے علمِ شرعی کی حد سے نکال دیتی ہے تو ہرگز اس کے قریب نہ جانا۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: جب سے حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا ہے کسی نے بھی حقیقتِ صدق کی خبر نہیں دی۔

حضرت ابواحمد مغازلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر کسی کو زیادہ عبادت گزار نہیں دیکھا۔

[1] پارہ 18، النور 54، ترجمہ کنزالایمان

پوچھا گیا: حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ بھی نہیں؟

انھوں نے فرمایا: (وَلَا الْجُنَيْدُ) "حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ بھی نہیں۔"

حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "گدڑیاں موتیوں پر پردے کا کام دیتی ہیں مگر اب تو وہ مردار پر گندگی کا کام دیتی ہیں۔"

روٹی صدقہ کر دیتے

کہا گیا ہے کہ آپ روزانہ اپنے گھر سے نکلتے اور اپنے ساتھ روٹی لے جاتے، پھر راستے میں اسے صدقہ کر دیتے۔ اس کے بعد مسجد میں داخل ہوتے تو ظہر کے قریب تک نماز پڑھتے پھر وہاں سے نکلتے اور اپنی دکان کا دروازہ کھولتے اور آپ روزہ رکھتے۔ ان کے گھر والوں کا خیال تھا کہ وہ دکان میں کھانا کھاتے ہیں اور بازار والے خیال کرتے کہ آپ اپنے گھر میں کھانا کھاتے ہیں۔ آپ اپنے ابتدائی دور میں بیس سال (20) اسی حالت میں رہے۔

حضرت ابو عبد اللہ احمد بن یحییٰ جلاء رحمۃ اللہ علیہ [1]

آپ اصل میں "بغدادی" تھے اور "رملہ" (فلسطین کا ایک شہر) اور "دمشق" میں قیام فرمایا۔ آپ شام کے اکابر میں سے تھے۔ آپ کو حضرت ابو تراب، حضرت ذوالنون، ابو عبید بُسری رحمہم اللہ اور اپنے والد حضرت یحییٰ جلاء رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کا شرف حاصل ہے۔

اللہ عزوجل کی راہ میں دے کر واپس نہیں لیتے

حضرت ابو عمر دمشقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابن جلاء (احمد بن یحییٰ جلاء) رحمۃ اللہ علیہ سے سنا انھوں نے فرمایا: میں نے اپنے والد اور والدہ کی خدمت میں گزارش کی کہ آپ مجھے اللہ عزوجل کے لیے ہبہ کر دیں تو انھوں نے فرمایا:

"ہم نے آپ کو اللہ عزوجل کے لیے ہبہ کر دیا۔"

پس میں ایک مدت تک ان سے غائب رہا جب واپس آیا تو ایک بارش والی رات تھی۔ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو میرے والد نے پوچھا کون ہے؟

---

[1] آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کے والد کو جلاء (صیقل گر) کیوں کہا جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا صیقل گری ان کا پیشہ تو نہ تھا البتہ دلوں کو صیقل کیا کرتے تھے اس لیے جلاء کہلائے۔ (ابو حنظلہ محمد اجمل عطاری)

میں نے کہا آپ کا بیٹا "احمد" ہوں۔

انھوں نے فرمایا: ہمارا ایک بیٹا تھا جو ہم نے اللہ عزوجل کے لیے ہبہ کر دیا تھا اور ہم عرب والوں میں سے ہیں جو چیز ہبہ کر دیں اسے واپس نہیں لیتے۔ پس انھوں نے میرے لیے دروازہ نہ کھولا۔

حضرت ابن جلاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جس شخص کے نزدیک تعریف اور مذمت برابر ہوں وہ "زاہد" ہے، جو شخص فرائض کی ادائیگی ان کے اوّل (مستحب) وقت میں کرے وہ "عابد" ہے اور جو تمام افعال کو اللہ عزوجل کی طرف سے خیال کرے وہ "موحد" ہے وہ صرف ایک ذات (اللہ عزوجل) کو دیکھتا ہے۔

طبیب پریشان کہ زندہ ہیں یا مردہ؟

جب حضرت ابن جلاء رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو حاضرین نے دیکھا آپ ہنس رہے تھے۔

طبیب نے کہا: "آپ زندہ ہیں" پھر اس نے آپ کی نبض دیکھی تو کہا کہ "آپ فوت ہو گئے ہیں" پھر آپ کے چہرے سے کپڑا ہٹایا تو کہا مجھے پتہ نہیں چل رہا کہ آپ فوت ہو گئے ہیں یا زندہ ہیں؟

حضرت ابن جلاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں اپنے استاذ کے ساتھ جا رہا تھا تو میں نے ایک خوبصورت نوجوان دیکھا۔

میں نے کہا اے میرے استاذ! آپ کا کیا خیال ہے اللہ عزوجل اس صورت کو عذاب دے گا؟

انھوں نے فرمایا: تم نے اس کی طرف دیکھا ہے تو اس کا انجام دیکھے گا۔

آپ فرماتے ہیں: "میں اس کے بیس سال (20) بعد قرآن مجید بھول گیا۔"

حضرت ابو محمد رُوَیم بن احمد رحمۃ اللہ علیہ

آپ "بغدادی" ہیں اور بڑے بڑے مشائخ میں سے ہیں۔ آپ کا وصال 303ھ میں ہوا۔ آپ تجوید و قراءت کے استاذ اور داؤد (ظاہری) کے مذہب پر فقیہ تھے۔

حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دانا آدمی کی حکمت و دانائی میں سے ایک بات یہ ہے کہ احکام میں اپنے بھائیوں کے لیے وسعت پیدا کرے اور اپنے نفس کو تنگی میں مبتلا کرے، کیونکہ ان کے لیے وسعت علم کی اتباع کا ذریعہ ہے اور اپنے اوپر تنگی کرنا تقویٰ کے حکم میں ہے۔ [1]

---

[1] یعنی فتویٰ میں آسانی ہو کیونکہ وہ ہر شخص کے لیے ہوتا ہے البتہ اپنی ذات کے لیے تقویٰ کی راہ اختیار کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بعض اوقات نماز کو لمبا کرنا چاہتا ہوں لیکن کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اس کی ماں کی پریشانی کی وجہ سے نماز مختصر کرتا ہوں۔ اسی طرح آپ نے آئمہ کو بھی مختصر نماز پڑھانے کا حکم دیا لیکن جب آپ تنہا نماز تہجد وغیرہ پڑھتے تو خوب لمبا کرتے۔ ۱۲ہزاروی

آپ کے اقوال

حضرت ابوعبداللہ بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت رُویم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے کوئی وصیت فرمائیں۔

انھوں نے فرمایا: ''یہ معاملہ (تصوف) روح کو خرچ کرنے کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اگر تم اس صورت میں اس میں داخل ہو سکتے ہو تو ٹھیک ہے ورنہ صوفیوں کے باطل کاموں میں مشغول نہ ہو۔''

حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''تمھارا ہر طبقہ کے ساتھ بیٹھنا، صوفیاء کے ساتھ بیٹھنے سے زیادہ محفوظ ہے کیونکہ ہر طبقہ ظاہری رسوم پر بیٹھتا ہے اور یہ گروہ حقائق پر بیٹھتا ہے۔ تمام مخلوق اپنے نفس سے شریعت کے ظاہر کا مطالبہ کرتی ہے اور یہ لوگ اپنے نفس سے حقیقت تقویٰ اور ہمیشہ سچ بولنے کا مطالبہ کرتے ہیں پس جو شخص ان کے ساتھ بیٹھتا ہے اور جو بات ان کے نزدیک ثابت ہوتی ہے اس کی مخالفت کرتا ہے اللہ عزوجل اس کے دل سے ایمان کا نور نکال دیتا ہے۔

کبھی روزہ نہ چھوڑا

حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں دوپہر کے وقت بغداد شریف کی ایک گلی میں سے گزرا اور مجھے پیاس لگی تھی۔ میں نے ایک گھر والوں سے پانی مانگا تو ایک بچی نے دروازہ کھولا۔ اس کے پاس لوٹا تھا اس نے مجھے دیکھا تو کہا: یہ صوفی ہے اور دن کے وقت پیتا ہے۔ فرماتے ہیں: اس کے بعد میں نے کبھی روزہ نہیں چھوڑا۔

حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جب تجھے اللہ عزوجل قول اور فعل کی نعمت عطا کرے پھر تجھ سے قول (کی نعمت) لے لے اور فعل تیرے پاس چھوڑ دے تو یہ ایک نعمت ہے۔ اور اگر تجھ سے فعل (عمل) لے لے اور قول چھوڑ دے تو یہ مصیبت ہے اور جب یہ دونوں چیزیں لے لے تو یہ سزا اور عذاب ہے۔

حضرت ابوعبداللہ محمد بن فضل بلخی رحمۃ اللہ علیہ

آپ اصلاً ''بلخی'' تھے وہاں سے آپ کو نکالا گیا تو آپ ''سمرقند'' چلے گئے اور وہیں رہائش پذیر رہے اور اسی مقام پر آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کو حضرت احمد بن خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر صوفیاء کرام کی صحبت کا شرف حاصل تھا۔ حضرت ابو عثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ آپ کی طرف بہت زیادہ مائل تھے، آپ کا انتقال 319ھ میں ہوا۔

بدبختی کی علامات

حضرت ابوبکر بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت ابو عثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت محمد بن فضل رحمۃ اللہ علیہ کی طرف خط لکھ کر پوچھا کہ: (مَا عَلَامَةُ الشَّقَاوَةِ) ''بدبختی کی علامت کیا ہے؟'' انھوں نے فرمایا: ''ثَلَاثَةُ اَشْيَاءَ'' تین چیزیں ہیں:

① (يُرْزَقُ الْعِلْمُ وَيُحْرَمُ الْعَمَلُ)

''علم دیا جائے اور عمل سے محرومی ہو۔''

② (يُرْزَقُ الْعَمَلُ وَيُحْرَمُ الْإِخْلَاصُ)

''عمل کی توفیق حاصل ہو اور اخلاص سے محرومی ہو۔''

③ (يُرْزَقُ صُحْبَةُ الصَّالِحِيْنَ وَلَا يَحْتَرِمُ لَهُمْ)

''صالحین کی صحبت حاصل ہو لیکن ان کا احترام نہ کرے۔''

حضرت ابو عثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: حضرت محمد بن فضل رحمۃ اللہ علیہ مردوں کے سِمْسَار تھے (خرید و فروخت کے ثالث یعنی دلال تھے تا کہ لوگوں کو سودا کرنے میں آسانی ہو)۔

آپ کے اقوال

حضرت عبداللہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت محمد بن فضل رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا: ''قید خانے میں آرام دلوں کی خواہشات سے ہے۔'' [1]

حضرت ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت محمد بن فضل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے چار وجہ سے اسلام چلا جاتا ہے:

① لوگ اپنے علم پر عمل نہیں کرتے ② جس چیز کا علم نہیں اس پر عمل کرتے ہیں ③ جو کچھ نہیں جانتے اسے سیکھتے نہیں ④ اور لوگوں کو سیکھنے سے روکتے ہیں۔

انھوں نے یہ بھی فرمایا: اس آدمی پر تعجب ہے جو اس لیے جنگل طے کرتا (یعنی سفر کرتا) ہے کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچے اور آثار نبوت دیکھے۔ وہ اپنے نفس اور خواہش کو طے کر کے کیوں نہیں آتا تا کہ اپنے دل تک پہنچ جائے اور اپنے رب کے آثار دیکھے۔

آپ نے فرمایا: جب تم اپنے مرید کو دیکھو کہ وہ زیادہ دنیا حاصل کرنے میں مشغول ہے تو تمھارے لیے یہ اس کی رسوائی کی علامت ہے۔

---

[1] یعنی قید خانے میں آرام خام خیالی ہے حقیقت میں ایسا نہیں اور چونکہ دنیا قید خانہ ہے لہٰذا یہ آرام کی جگہ نہیں ہے۔ ۱۲ ہزاروی

آپ سے زہد کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''دنیا کو کوتاہ نگاہ کے ساتھ دیکھنا اور اپنے آپ کو بلند، ظریف اور شریف سمجھتے ہوئے اس سے اعراض کرنا۔''[1]

حضرت ابوبکر احمد بن نصر زقاق کبیر رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمعصر اور اکابر مصر میں سے تھے۔ حضرت کتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب حضرت زقاق رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو فقراء کے مصر میں داخل ہونے کی دلیل ختم ہوگئی (یعنی وہ ان کے لیے آتے تھے اور اب کوئی وجہ باقی نہ رہی)۔

حضرت زقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جو شخص اپنے فقر میں تقویٰ اختیار نہیں کرتا وہ محض حرام کھاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت زقاق رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے: میں بنی اسرائیل کے میدان تیہ میں پندرہ دن کی مقدار پھرتا رہا۔ جب میں راستے میں آیا تو میرے سامنے ایک لشکری انسان (فوجی) آیا۔ اس نے مجھے پانی پلایا تو اس کی سختی میرے دل پر تیس (30) سال تک رہی۔[2]

حضرت ابوعبداللہ عمرو بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ

آپ نے حضرت ابوعبداللہ نباجی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی اور حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی صحبت اختیار کی۔ آپ اصول اور طریقت میں قوم کے شیخ اور امام الطائفہ تھے۔ 291ھ میں بغداد شریف میں آپ کا انتقال ہوا۔

حضرت ابوبکر محمد بن احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے: ''تیرے دل میں جس چیز کا وہم آئے، یا تیری فکر کی گزرگاہوں میں راسخ ہو جائے یا تیرے دل کے معارضات[3] میں وسوسے پیدا کرے وہ حسن ہو، چمک ہو، جمال ہو، روشنی، نور یا کوئی شخص یا خیال ہو تو اللہ عزوجل اس سے پاک ہے۔ کیا تم نے یہ ارشادِ خداوندی نہیں سنا:

---

1. یعنی جیسے عالی ظرف انسان گھٹیا چیز کی طرف التفات نہیں کرتا تم بھی عالی ظرفی کا مظاہرہ کرو۔ اور دنیا کے پیچھے نہ پڑو۔ (ابوحنظلہ محمد اجمل عطاری)
2. یعنی ایسے لوگوں کے مال میں شبہات ہوتے ہیں اس لیے وہ صوفیاء کرام کی روحانیت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی
3. معارضات سے مراد دل کے وہ مقامات جہاں قلبی واردات ہوتی ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

﴿لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝﴾ ”اس جیسا کوئی نہیں اور وہی سنتا دیکھتا ہے۔“[1]

اور ارشاد فرمایا:

﴿لَمْ یَلِدْ ۙ۝ وَلَمْ یُوْلَدْ ۙ۝ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ ۧ﴾

”نہ اس کی کوئی اولاد اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ اس کے جوڑ کا کوئی۔“[2]

آپ فرماتے ہیں: علم قائد ہے (آگے سے کھینچتا ہے) خوف سائق (کسی کو آگے لگانے والا) ہے نفس ان دونوں کے درمیان اکڑ جاتا ہے، سرکش ہے دھوکہ باز اور فریب کار ہے۔ پس علم کی سیاست کے ذریعے اس سے پرہیز اختیار کر اور اسے خوف کی دھمکی کے ساتھ ہانک، تُو جو چاہتا ہے اسے پورا کرے گا۔

اور آپ نے فرمایا: وجد والے کی حالت کو کوئی عبارت واضح نہیں کر سکتی کیونکہ یہ مؤمنین کے پاس اللہ عزوجل کا راز ہے۔

حضرت سمنون بن حمزہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ”ابوالحسن“ تھی اور آپ کو ”ابوالقاسم“ کہا جاتا تھا۔ آپ کو حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ، ابو احمد قلانسی رحمۃ اللہ علیہ[3]، محمد بن علی قصار رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر صوفیاء کرام رحمہم اللہ کی صحبت کا شرف حاصل رہا۔ کہا گیا ہے کہ آپ نے پڑھا:

وَلَيْسَ لِيْ فِيْ سِوَاكَ حَظٌّ
فَكَيْفَمَا شِئْتَ فَاخْتَبِرْنِيْ

* ”(اے اللہ!) میرے لیے تیرے سوا کسی میں کوئی حصہ (تعلق) نہیں پس تو جس طرح چاہے میری آزمائش فرما۔“

اسی وقت ان کا پیشاب بند ہو گیا۔ آپ مدارس میں چکر لگاتے اور فرماتے اپنے جھوٹے چچا کے لیے دعا کرو۔ کہا گیا ہے کہ آپ نے یہ شعر پڑھا تو آپ کے ایک شاگرد نے دوسرے سے کہا میں گذشتہ رات دیہات میں تھا تو میں نے اپنے استاذ حضرت سمنون رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ اللہ عزوجل سے دعا مانگ رہے تھے، گڑگڑاتے تھے اور اس سے شفاء کا سوال کر رہے تھے۔

دوسرے نے کہا: میں نے بھی گذشتہ رات سنا اور میں فلاں جگہ تھا۔ تیسرے اور چوتھے نے بھی اسی طرح کہا۔

---

[1] پارہ 25، الشورٰی 11، ترجمہ کنزالایمان

[2] پارہ 30، الاخلاص 4,3، ترجمہ کنزالایمان

[3] آپ قلانس (ٹوپیاں) بنایا کرتے تھے اس لیے قلانسی کہلائے۔ (ابو حنظلہ محمد اجمل عطاری)

حضرت سمنون رحمۃ اللہ علیہ کو خبر ہوئی اور پیشاب کی بندش میں آپ کی آزمائش ہو رہی تھی اور آپ صبر کرتے تھے، رونا پیٹنا نہیں تھا۔ جب آپ نے ان (شاگردوں) سے سنا کہ وہ اس طرح کہہ رہے ہیں حالانکہ نہ انھوں نے پکارا اور نہ ہی اس سلسلے میں کوئی بات کی تو جان لیا کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ اپنے رب کے ہاں بطور ادب فریاد ظاہر کریں کہ بندگی کا یہی تقاضا ہے، لیکن ان کے حال کو پردے میں رکھا گیا۔ پس آپ مدارس میں چکر لگاتے اور فرماتے اپنے جھوٹے چچا کے لیے دعا کرو۔

حضرت ابو احمد منازلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بغداد میں ایک شخص تھا جس نے چالیس ہزار (40000) درہم فقراء میں تقسیم کیے۔ تو حضرت سمنون رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا:

"اے ابو احمد! تم دیکھتے نہیں اس شخص نے یہ درہم خرچ کیے اور کس قدر عمل کیا اور ہمارے پاس کچھ نہیں پس ہمیں فلاں جگہ لے چلو ہم وہاں ہر اس درہم کے بدلے جو اس نے خرچ کیا ایک رکعت پڑھیں۔

پس ہم مدائن کی طرف گئے اور ہم نے چالیس ہزار رکعات (نماز) ادا کی۔

حضرت سمنون رحمۃ اللہ علیہ خوش مزاج تھے اور اکثر کلام محبت کے بارے میں کرتے تھے۔ آپ بہت بڑی شان کے مالک تھے اور جیسا کہ کہا گیا آپ کا انتقال حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے ہوا۔

حضرت ابو عبید بُسری رحمۃ اللہ علیہ [1]

آپ قدیم مشائخ میں سے تھے اور آپ حضرت ابو تراب نخشبی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے مشرف ہوئے۔ حضرت ابن جلاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے چھ سو مشائخ سے ملاقات کی لیکن میں نے چار آدمیوں کی مثل کسی کو نہیں دیکھا:

① حضرت ذوالنون مصری ② اپنے والد (حضرت یحییٰ جلاء) ③ حضرت ابو تراب ④ حضرت ابو عبید بسری رحمہم اللہ۔

حضرت ابو زُرعہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: حضرت ابو عبید بسری رحمۃ اللہ علیہ گاہنے کی مشین (تھریشر مشین جس کے ذریعے گندم وغیرہ کو گاہتے ہیں یعنی دانے نکالتے ہیں) پر تھے اور اپنی گندم گاہ رہے تھے۔ اس وقت حج میں تین دن باقی تھے کہ آپ کے پاس دو آدمی آئے اور انھوں نے کہا:

اے ابو عبید! آپ حج کے لیے چلتے ہیں؟

● بُسر حولان، دمشق کی ایک بستی کا نام ہے جس کی طرف یہ منسوب ہیں۔ اس کو بُسری بھی کہا گیا ہے لیکن وہ غلط ہے۔ (معجم البلدان، جلد 1، صفحہ: 426) ابو حنظلہ محمد اجمل عطاری

انھوں نے فرمایا نہیں۔ پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ''تمھارا شیخ (یعنی وہ خود) ان سے زیادہ طاقت رکھتا ہے۔'' [1]

حضرت ابوالفوارس شاہ بن شُجاع کرمانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ بادشاہوں کی اولاد میں سے تھے اور آپ کو حضرت ابوتراب نخشی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابوعبید بسری رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کا اعزاز حاصل تھا۔ اسی طرح اس طبقہ کے دیگر افراد کی صحبت بھی حاصل رہی۔ آپ جواں مردوں میں سے ایک تھے اور بڑی شان کے مالک تھے۔ 300 ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

حضرت شاہ بن شجاع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''تقویٰ کی علامت پرہیزگاری ہے اور پرہیزگاری کی علامت شبہات پر رُک جانا ہے۔''

اور آپ اپنے شاگردوں سے فرماتے تھے:

''جھوٹ، خیانت اور غیبت سے بچو پھر جو چاہو کرو۔'' [2]

حضرت ابن نجید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت شاہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جو شخص حرام (کو دیکھنے) سے آنکھیں جھکا دے، اپنے آپ کو شبہات سے بچائے اور اپنے باطن کو دائمی مراقبہ اور ظاہر کو اتباع سنت سے آباد کرے اور اپنے نفس کو حلال کھانے کی عادت ڈالے، اس کی فراست میں خطا نہیں ہوگی۔

حضرت یوسف بن حسین رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنے وقت میں علاقہ ''رے'' اور ''جبال'' کے شیخ تھے اور آپ بناوٹ سے دور رہنے میں لاثانی تھے۔ آپ عالم اور ادیب تھے اور آپ کو حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابوتراب نخشی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت حاصل رہی اور آپ ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ کے رفیق تھے۔ آپ کا انتقال 304 ھ میں ہوا۔

حضرت یوسف بن حسین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اگر میں اللہ عزوجل سے تمام گناہوں کے ساتھ ملاقات کروں تو یہ اس سے

---

[1] یعنی یہ لوگ اگر تین دن میں جاسکتے ہیں تو میں ان سے پہلے پہنچ سکتا ہوں۔ ۱۲ ہزاروی

[2] یعنی جب آدمی ان خرابیوں سے بچ جائے تو وہ دوسری خرابیوں سے بھی بچ جاتا ہے۔ ان کے قول کا یہ مطلب نہیں کہ وہ دوسرے گناہوں کی اجازت دے رہے ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

بہتر ہے کہ ذرہ برابر بناوٹ کے ساتھ اس سے ملاقات کروں۔"[1]

حضرت یوسف بن حسین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "اگر تم مرید کو رخصتوں[2] پر عمل کرتے ہوئے دیکھو تو جان لو کہ اس سے کچھ بھی نہیں ہوگا۔"

آپ نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف لکھا: اللہ عزوجل آپ کو آپ کے نفس کا ذائقہ نہ چکھائے۔ اگر آپ نے اسے چکھ لیا تو اس کے بعد آپ کبھی بھی بھلائی (کا ذائقہ) نہ چکھ سکیں گے۔

حضرت یوسف بن حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "میں نے صوفیاء کی مصیبتیں نوجوان لڑکوں کی صحبت، مخالف ذہن کے لوگوں سے میل جول اور عورتوں سے نرم مزاجی میں دیکھی ہیں۔"

حضرت ابو عبداللہ محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

آپ بڑے مشائخ میں سے تھے اور علمِ قوم (تصوف) میں آپ کی کئی تصانیف ہیں۔ آپ کو حضرت ابو تراب نخشبی، احمد بن خضرویہ، ابن جلاء اور دیگر صوفیاء عظام رحمہم اللہ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ سے مخلوق کی صفت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: "ظاہراً کمزوری ہے اور دعویٰ لمبا چوڑا ہے۔"

حضرت محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "میں نے کوئی تصنیف اپنی تدبیر سے نہیں کی اور نہ یہ مقصد تھا کہ کوئی تصنیف میری طرف منسوب ہو لیکن جب مجھ پر سخت وقت آتا تو میں اس کے ذریعے تسلی حاصل کرنا چاہتا تھا۔[3]

حضرت ابو بکر محمد بن عمر وراق ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

آپ نے "بلخ" میں اقامت اختیار کی، آپ کو حضرت احمد بن خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی صحبت حاصل رہی اور آپ کی ریاضتوں میں تصانیف ہیں۔

---

[1] یعنی ریاکاری گناہوں میں بہت بڑا گناہ ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[2] شرعی احکام دو طرح کے ہیں: ① عزیمت ② رخصت۔ اصل حکم عزیمت ہے مثلاً سفر میں روزہ رکھنا۔ جب کہ کسی وجہ سے آسانی دی گئی تو وہ رخصت ہے بعض جگہ رخصت پر عمل ضروری ہوتا ہے مثلاً ہلاکت کا خطرہ ہو اور حلال کھانا نہ ملے تو مردار کھانے کی اجازت ہوتی ہے۔ بعض جگہ عزیمت پر عمل کرنا بہتر ہوگا۔ اللہ والے رخصتوں کو اختیار نہیں کرتے۔ ۱۲ ہزاروی

[3] یعنی میں نے کسی خاص مقصد یا اپنی ناموری کے لیے تصنیف و تالیف کا کام نہیں کیا بلکہ فلاں وقت میں یہ مشغولیت میری تسلی کا باعث بنتی تھی۔ ۱۲ ہزاروی۔

حضرت ابوبکر بلخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابوبکر ورّاق رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے: اگر طمع سے پوچھا جائے کہ تمھارا باپ کون ہے؟ تو وہ جواب دے گا جو چیز تقدیر میں ہے اس میں شک کرنا۔ [1] اگر کہا جائے کہ تمھارا پیشہ کیا ہے؟ اس نے کہا ذلت حاصل کرنا۔ [2] اگر اس (طمع) سے پوچھا جائے کہ تمھاری انتہاء کیا ہے اس نے کہا محرومی۔ [3]

حضرت ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ اپنے ساتھیوں کو سفر اور سیاحت سے منع کرتے تھے اور آپ فرماتے تھے: ''ہر برکت کی چابی یہ ہے کہ تم اپنی اِرادت کی جگہ پر صبر کرو یہاں تک کہ تمھارے لیے ارادہ صحیح ہو اگر تمھارے لیے ارادہ صحیح ہو تو تم پر برکت کی شروعات ظاہر ہو جائیں گی۔''

حضرت ابوسعید احمد بن عیسیٰ خرّاز رحمۃ اللہ علیہ

آپ اہل بغداد میں سے ہیں اور آپ کو حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ، نباجی رحمۃ اللہ علیہ، ابو عبید بسری رحمۃ اللہ علیہ، سری (سقطی) رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت بشر (حافی) رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر صوفیاء عظام کی صحبت کا شرف حاصل رہا۔ آپ کا انتقال 277ھ میں ہوا۔

حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ہر وہ باطنی چیز کہ ظاہر اس کے خلاف ہو وہ باطل ہے۔''

حضرت ابوالعباس صیاد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ سے سنا انھوں نے فرمایا: میں نے خواب میں شیطان کو دیکھا کہ وہ مجھ سے ایک کنارے پر گزر رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا ادھر آؤ تمھیں کیا ہوا؟

اس نے کہا میں تم لوگوں کا کیا کروں میں جس کے ذریعے لوگوں کو دھوکہ دیتا ہوں اسے تم اپنے نفسوں سے پھینک دیتے ہو۔

میں نے کہا وہ کیا ہے؟

اس نے کہا: دنیا۔

جب وہ واپس جانے لگا تو میری طرف متوجہ ہوا اور کہا میرے لیے تم میں ایک باریک بات ہے۔

---

[1] یعنی جس طرح اولاد باپ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اسی طرح جب بندہ اپنے مقدور رزق میں شک کرتا ہے تو اس سے طمع پیدا ہوتا ہے۔ گویا طمع شک اور عدم یقین کی اولاد ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[2] جس طرح انسان اپنے کسب سے رزق حاصل کرتا ہے اسی طرح جس کی طمع مضبوط ہو وہ دنیاداروں سے رزق حاصل کرتا ہے یہی اس کا کسب ہے اور اس طرح وہ ذلیل ہوتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[3] کیونکہ جب وہ مقدور رزق میں شک کرتا ہے اور دنیاداروں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر ذلیل ہوتا ہے تو اسے طمع کے مطابق حاصل نہیں ہوتا اور یوں وہ محروم ہوتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

میں نے کہا وہ کیا؟

اس نے کہا نوعمر لڑکوں کی صحبت (اس سے بچو کیوں کہ یہ شیطانی ہتھکنڈا ہے)۔

حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں نے جس قدر صوفیاء کی صحبت اختیار کی ہمارے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہوا۔''

حاضرین نے پوچھا ''کیوں؟''

فرمایا: اس لیے کہ میں ان کے ساتھ اپنے نفس پر (کنٹرول کے ساتھ) رہا۔

حضرت ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل مغربی رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت ابراہیم بن شیبان رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ اور حضرت علی بن رزین رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ آپ نے ایک سو بیس (120) سال عمر گزاری اور 299ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ عجیب شان کے مالک تھے۔ جن چیزوں تک انسان کا ہاتھ پہنچا آپ نے کئی سال تک وہ چیز نہیں کھائی۔ آپ گھاس کی جڑوں میں سے کچھ کھاتے تھے اور آپ اس کے عادی ہو چکے تھے۔

حضرت ابوعبداللہ مغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''افضل عبادت اوقات کو موافق کاموں کے ساتھ آباد کرنا ہے۔''

نیز آپ نے فرمایا: ''لوگوں میں سب سے زیادہ ذلیل وہ فقیر ہے جو مال دار شخص کے ساتھ مداہنت (منافقت) کرتا ہے یا اس کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اور مخلوق میں سب سے زیادہ عزت والا وہ شخص ہے جو فقراء کے سامنے جھک جائے اور ان کی عزت کی حفاظت کرے۔''

حضرت ابوالعباس احمد بن محمد بن مسروق رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا تعلق (خراسان کے ایک شہر) ''طُوس'' سے ہے۔ آپ نے بغداد شریف میں سکونت اختیار کی اور حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ اور سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اختیار کی۔ آپ کا وصال 299ھ اور ایک قول کے مطابق 298ھ میں بغداد میں ہوا۔

حضرت ابن مسروق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے قلبی خیالات میں اللہ عزوجل کو سامنے دیکھتا ہے اللہ عزوجل اسے اعضاء کی حرکات (گناہوں) سے محفوظ رکھتا ہے۔''

آپ نے یہ بھی فرمایا: ''مؤمنوں کی عزتوں کی تعظیم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی حرمتوں کی تعظیم ہے اور اسی کے سبب سے بندہ حقیقتِ تقویٰ کے مقامات تک پہنچتا ہے۔''

آپ نے فرمایا: ''معرفت کے درخت کی آبیاری فکر کے پانی سے ہوتی ہے اور غفلت کے درخت کو جہالت کا پانی دیا جاتا ہے۔ توبہ کے درخت کو ندامت کا پانی اور محبت کے درخت کو خرچ کرنے اور موافقت کا پانی سیراب کرتا ہے۔''

آپ نے مزید ارشاد فرمایا: ''جب تم معرفت میں طمع کرو گے اور اس سے پہلے ارادت کے مدارج کو مضبوط نہیں کرو گے تو تم جہالت میں ہو اور جب مقام توبہ کو صحیح کرنے سے پہلے ارادت کی طلب کرو تو تم جس چیز کی طلب کر رہے ہو اس سے غافل ہو۔''

حضرت ابوالحسن علی بن سہل اصبہانی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ

آپ حضرت جنید بغدادی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کے ہم عصر تھے۔ حضرت عمرو بن عثمان مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ پر تیس ہزار (30,000) درہم قرض ہو گیا تو آپ نے ان کی طرف سے ادا کیا۔ آپ نے حضرت ابوتراب نخشبی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ اور اس طبقہ کے دیگر حضرات سے ملاقات کی۔

حضرت علی بن سہل رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: ''عبادت کی طرف جلدی کرنا توفیق کی علامت ہے اور مخالف امور سے بیٹھ جانا اچھی رعایت کی علامت ہے۔ اور اسرار و رموز کی رعایت بیداری کی علامت میں سے ہے۔ دعووں کا اظہار بشری حماقت سے ہے جس شخص کی ارادت کا آغاز درست نہ ہو وہ اپنے انجام کی انتہاء میں محفوظ نہیں رہتا۔

حضرت ابومحمد بن محمد بن حسین جریری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ

آپ حضرت جنید بغدادی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کے بڑے شاگردوں میں سے تھے اور آپ کو حضرت سہل بن عبداللہ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت جنید بغدادی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کے بعد آپ ان کی مسند پر بیٹھے اور آپ اس طائفہ (صوفیاء کرام) کے علوم کا علم رکھتے تھے اور آپ کا حال بہت بڑا تھا۔ 311ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

حضرت احمد بن عطاء روذباری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: حضرت جریری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کا انتقال ہبیر کے سال ہوا۔[1] اس کے ایک سال بعد میں گزرا تو وہ تکیہ لگا کر بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے گھٹنے چھاتی کے ساتھ لگے ہوئے تھے اور آپ اپنی انگلی سے

[1] مکہ مکرمہ کے راستے میں اردو نامی ریت کو ہبیر کہا جاتا ہے جہاں زمانہ جاہلیت میں جنگ ہوئی اسی مقام پر ابن ابی الجنابی القرمطی نے حاجیوں کو قتل کیا اس کی تاریخ 313 یا 311 ہجری ہے۔ (معجم البلدان، جلد 5، صفحہ: 392) ابوحنظلہ محمد اجمل عطاری

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف اشارہ [1] کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے: ''جس شخص پر اس کا نفس غالب آ گیا وہ خواہشات کے حکم کا قیدی بن گیا اور خواہش کے قید خانے میں قید ہو گیا۔ نیز اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس کے دل پر فوائد (کا فیضان) حرام کر دیا۔ پس وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے کلام سے لذت حاصل نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس سے مزین ہو سکتا ہے اگرچہ اسے اپنی زبان پر بار بار جاری کرے۔'' کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ط﴾

''اور میں اپنی آیتوں سے انھیں پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق اپنی بڑائی چاہتے ہیں۔'' [2]

حضرت جریری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے فرمایا: اصول کو فروع پر عمل کرنے سے دیکھا جا سکتا ہے اور فروع کی تصحیح ان کو اصل پر پیش کرنے سے ہوتی ہے اور مشاہدۂ اصول کے مقام تک رسائی اسی وقت ہے جب ان واسطوں اور فروع کی تعظیم ہو جن کی تعظیم کا اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حکم دیا۔

حضرت ابو العباس احمد بن محمد بن سہل بن عطاء آدمی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ

آپ بڑے صوفیاء اور علماء کرام میں سے ہیں اور حضرت خراز رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ آپ کی شان کو عظیم قرار دیتے تھے۔ آپ حضرت جنید بغدادی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کے ہم عصر ہیں اور آپ کو حضرت ابراہیم مارستانی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی صحبت کا شرف حاصل ہے۔ 309ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت ابن عطاء رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: ''جو شخص اپنے نفس پر آدابِ شریعت کو لازم کرتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کے دل کو نورِ معرفت سے منور کر دیتا ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے احکام، آپ کے افعال اور آپ کے اخلاق کی اتباع سے زیادہ عزت و شرف والا کوئی مقام نہیں۔''

حضرت ابن عطاء رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: ''سب سے بڑی غفلت بندے کا اپنے رب عَزَّوَجَلَّ سے غافل ہونا ہے نیز اس نے جن کاموں کا حکم دیا اور جن سے روکا ان سے غافل رہنا اور اس کے ساتھ معاملہ کے آداب سے غفلت ہے۔''

حضرت ابن عطاء رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: ''تم سے جس بات کا سوال کیا جائے اسے علم کے صحرا میں مانگو، اگر نہ پاؤ تو حکمت کے میدان میں اور اگر نہ پاؤ تو توحید کے ساتھ اس کا وزن کرو اور اگر ان تین جگہوں پر نہ پاؤ تو اس کو شیطان کے چہرے پر مارو۔''

[1] یہاں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لیے سمت کا تعین مقصود نہیں ہے بلکہ یہ کلام ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر کرتے ہوئے آسمان کی طرف اشارہ کر دے اور اس سے مراد اس کی عظمت و بلندی کی طرف اشارہ کرنا ہو۔ (ابو حنظلہ محمد اجمل عطاری)

[2] پارہ 9، الاعراف 146، ترجمہ کنز الایمان

حضرت ابواسحاق ابراہیم بن احمد خوّاص رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے اور توکل اور ریاضتوں میں بہت بڑے حصے کے مالک تھے۔ 291ھ میں مقام ''ڈاس'' میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کے پیٹ میں تکلیف رہتی تھی جب بھی اٹھتے وضو کر کے مسجد میں جاتے اور دو رکعتیں پڑھتے۔ ایک دفعہ پانی میں داخل ہوئے تو انتقال ہو گیا۔

حضرت خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''علم، زیادہ روایات سے حاصل نہیں ہوتا۔ عالم وہ ہے جو علم کی اتباع کرے اور اس پر عمل کرے اور سنتوں کی اقتداء کرے اگرچہ اس کے پاس علم کم ہو۔''

حضرت خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''دل کی دوا پانچ چیزیں ہیں: ① قرآن پاک غور وفکر کے ساتھ پڑھنا، ② پیٹ کو خالی رکھنا، ③ رات کا قیام، ④ سحری کے وقت (بارگاہِ خداوندی میں) گڑگڑانا ⑤ نیک لوگوں کی مجلس اختیار کرنا۔''

حضرت ابومحمد عبداللہ بن محمد خراز رحمۃ اللہ علیہ

آپ علاقہ ''رے'' کے رہنے والے تھے پھر مکہ مکرمہ میں سکونت اختیار کر لی۔ آپ کو حضرت ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ اور ابو عمران کبیر رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت حاصل تھی۔ آپ نہایت پرہیزگار لوگوں میں سے تھے۔ 310ھ میں آپ کا وصال ہو گیا۔

حضرت دقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں حضرت عبداللہ خراز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوا اور میں نے چار دن سے کھانا نہیں کھایا تھا۔ انھوں نے فرمایا: تم میں سے ایک شخص چار دن بھوکا رہتا ہے پھر صبح بھوک اس پر پکارتی ہے (یعنی بھوک بھوک کرنا شروع کر دیتا ہے)۔ پھر فرمایا: فرض کرو تمام لوگ اس ثواب کی خاطر جو اللہ عزوجل کی طرف سے ان کو ملنے والا ہے، ہلاک ہو جائیں پھر بھی کیا ہوگا؟ کیا تم اس کو بہت بڑی بات خیال کرتے ہو؟

حضرت ابومحمد عبداللہ خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(اَلْجُوْعُ طَعَامُ الزَّاهِدِيْنَ وَالذِّكْرُ طَعَامُ الْعَارِفِيْنَ)

''بھوک زاہدوں کا کھانا ہے اور ذکر عارفین کا کھانا ہے۔''

حضرت ابوالحسن بُنان بن محمد حمّال رحمۃ اللہ علیہ

آپ اصلاً ''واسط'' کے رہنے والے تھے اور ''مصر'' میں اقامت اختیار کی۔ مصر میں ہی 316ھ میں وفات پائی۔

آپ بہت بڑی شان کے مالک اور صاحبِ کرامات تھے۔ حضرت بنان رحمۃ اللہ علیہ سے صوفیاء کرام کے بڑے بڑے احوال کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

''جس چیز کی ضمانت حاصل ہے (یعنی رزق جس کا اللہ ضامن ہے) اس پر یقین، اَوَامرِ کو قائم کرنا، باطن کی حفاظت کرنا اور دونوں جہانوں سے دور رہنا۔''

حضرت ابوعلی روذباری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت بنان حمال رحمۃ اللہ علیہ کو درندے کے آگے ڈال دیا گیا تو وہ آپ کو سونگھنے لگا اور آپ کو کوئی ضرر نہ دیا۔ جب آپ کو نکالا گیا اور پوچھا گیا کہ جب درندے نے آپ کو سونگھا تو اس وقت آپ کے دل میں کیا بات تھی؟

انھوں نے فرمایا: (كُنْتُ أُفَكِّرُ فِي اخْتِلَافِ الْعُلَمَآءِ فِيْ سُؤْرِ السَّبُعِ) ''میں درندے کے جوٹھے کے بارے میں علماء کے اختلاف پر غور کر رہا تھا۔''

حضرت ابوحمزہ بغدادی بزّاز رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا انتقال حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (کے انتقال) سے پہلے ہوا اور آپ ان کے ہم عصر تھے۔ آپ کو حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت حسن مسوحی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت حاصل رہی۔ آپ قراءتوں کے عالم اور فقیہ تھے۔ آپ حضرت عیسیٰ بن ابان رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ مسائل کے بارے میں ان سے پوچھتے تھے کہ اے صوفی! آپ ان کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

کہا گیا ہے کہ آپ جمعہ کے دن اپنی مجلس میں گفتگو کر رہے تھے تو آپ کا حال بدل گیا اور آپ کرسی سے گر گئے اور آئندہ جمعہ انتقال فرما گئے۔ کہا گیا ہے کہ آپ کا وصال 289ھ میں ہوا۔

حضرت ابوحمزہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جو شخص حق تعالیٰ کے راستے کا علم حاصل کرے اس کے لیے سلوک آسان ہو جاتا ہے اور اللہ عزوجل کی طرف جانے کے راستے کا پتہ صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال، افعال اور اقوال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے سے ملتا ہے۔''

حضرت ابوحمزہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جس شخص کو تین چیزیں مل گئیں اس نے آفات سے نجات پائی۔ ① صبر کرنے والے دل کے ساتھ خالی پیٹ، ② زہد کے ساتھ دائمی فقر ③ دائمی ذکر کے ساتھ کامل صبر۔''

حضرت ابوبکر محمد بن موسیٰ واسطی رحمۃ اللہ علیہ

آپ اصلاً ''خراسانی'' ہیں اور آپ کا تعلق ''فرغانہ'' سے ہے۔ آپ کو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کا شرف حاصل رہا۔ آپ بہت بڑی شان والے عالم تھے، ''مرو'' (کے علاقہ) میں اقامت اختیار کی اور اسی مقام پر 320ھ میں آپ کا انتقال ہو گیا۔

آپ کے اقوال

حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (اَلْخَوْفُ وَالرَّجَاءُ زَمَامَانِ يَمْنَعَانِ الْعَبْدَ مِنْ سُوْءِ الْاَدْبِ)
''خوف اور امید دو لگامیں ہیں جو بندے کو بے ادبی سے روکتی ہیں۔''

اور فرمایا: ''عبادات پر عوض کا منتظر رہنا اللہ عزوجل کے فضل کو بھول جانا ہے۔''

حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جب اللہ عزوجل کسی بندے کو ذلیل کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ عزوجل اسے بدبوداروں اور مردار کی طرف ڈال دیتا ہے۔''[1]

حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''لوگوں نے بے ادبی کو اخلاص، اپنے نفسوں کی حرص کو انبساط (خوشی) اور کم ہمتی کو شجاعت قرار دیا اور (تصوف کے) راستے سے اندھے ہو گئے اور اس میں تنگ راستے پر چلتے ہیں اسی لیے ان کی موجودگی کی وجہ سے نہ کوئی زندگی نشو ونما پا سکتی ہے اور نہ ان سے گفتگو کرنے میں کوئی عبادت پاک ہو سکتی ہے۔ اگر وہ بولتے ہیں تو غصے میں اور اگر کسی کو مخاطب کرتے ہیں تو تکبر کے ساتھ، ان کے نفوس کا اچھلنا ان کے دلوں کی خباثت کی خبر دیتا ہے اور کھانے پینے کی چیزوں میں ان کی حرص ان کے دلوں کی بات کو ظاہر کرتی ہے۔''

﴿قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝﴾

''اللہ انھیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں۔''[2]

استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے مرو کے رہنے والے ایک دوا فروش سے سنا کہ حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ جمعہ کے دن جامع مسجد کی طرف جاتے ہوئے ایک دکان کے دروازے سے گزرے تو ان کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ گیا۔ میں نے کہا اے شیخ! آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں اسے ٹھیک کر دوں؟

---

[1] ان کی مراد نوعمر لڑکوں کی صحبت ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[2] پارہ 10، التوبہ 30، ترجمہ کنزالایمان

انھوں نے فرمایا: ٹھیک کر دو۔

میں نے ان کا تسمہ ٹھیک کر دیا۔ انھوں نے فرمایا: تمھیں معلوم ہے کہ میرے جوتے کا تسمہ کیوں ٹوٹا ہے؟

کہا: آپ بتائیں گے تو معلوم ہوگا۔

انھوں نے فرمایا: اس لیے کہ میں نے جمعہ کے لیے غسل نہیں کیا تھا۔

میں نے ان سے کہا اے میرے آقا! یہاں ایک حمام ہے وہاں تشریف لے جائیں۔

انھوں نے فرمایا: ہاں، پس میں ان کو حمام میں لے گیا اور انھوں نے غسل فرمایا۔[1]

حضرت ابوالحسن بن صائغ رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسم گرامی علی بن محمد بن سہل دینوری رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ آپ نے ''مصر'' میں اقامت اختیار کی اور وہیں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ بڑے مشائخ میں سے تھے۔

حضرت ابوعثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''میں نے مشائخ میں ابو یعقوب نہر جوری رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ روشن (چہرے والا) اور حضرت ابوالحسن بن صائغ رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ ہیبت والا نہیں دیکھا۔''

آپ کا انتقال 330ھ میں ہوا۔ حضرت ابن صائغ رحمۃ اللہ علیہ سے حاضر سے غائب پر استدلال کے بارے میں پوچھا گیا۔

انھوں نے فرمایا: جس کی مثل اور نظیر ہو اس کی صفات سے اس پر استدلال کیسے درست ہوگا جس کی کوئی مثال اور نظیر نہیں۔

آپ سے مرید کی صفت کے بارے میں پوچھا گیا۔

آپ نے فرمایا: وہ جو اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ﴾

''زمین اتنی وسیع ہو کر ان پر تنگ ہوگئی اور وہ اپنی جان سے تنگ آئے۔''[2]

آپ نے فرمایا: ''احوال، بجلیوں کی طرح ہوتے ہیں جب وہ دائم اور ثابت ہوں تو وہ دل کی بات اور طبیعت کے

---

[1] جمعہ کے دن غسل کرنا فرض یا واجب نہیں بلکہ سنت ہے صوفیاء کرام کا معاملہ مختلف ہے۔ ان کو سنت بلکہ مستحب کے ترک پر بھی تنبیہ ہوتی ہے۔ ہزاروی

[2] پارہ 11، التوبہ 118، ترجمہ کنزالایمان

موافق ہیں۔

حضرت ابواسحاق ابراہیم بن داؤد رُقّی رحمۃ اللہ علیہ

آپ شام کے بڑے مشائخ میں سے تھے۔ اور آپ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابن جلاء رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے۔ آپ 326ھ تک زندہ رہے۔

حضرت ابراہیم رُقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''حق جس طرح ہے اس کو اسی طرح ثابت کرنے اور ہر موہوم بات کو خارج کرنے کا نام معرفت ہے۔'' اور آپ نے فرمایا:

''قدرت ظاہر ہے اور آنکھیں کھلی ہیں لیکن آنکھوں کی روشنی کمزور ہو گئی ہے۔''

آپ نے فرمایا: ''مخلوق میں کمزور ترین شخص وہ ہے جو اپنی خواہشات کو رد کرنے میں کمزور ہو اور مخلوق میں مضبوط ترین شخص وہ ہے جو ان (خواہشات) کو رد کرنے میں مضبوط ہو۔''

آپ نے یہ بھی فرمایا: ''اللہ عزوجل کی محبت کی علامت اس کی اطاعت کو ترجیح دینا اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے۔''

حضرت ممشاد دینوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ بڑے مشائخ میں سے تھے اور 299ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ حضرت ممشاد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''مرید کے آداب میں مشائخ کی عزتوں کا خیال رکھنا، بھائیوں کی خدمت کرنا، اسباب سے نکلنا اور آداب شریعت کی حفاظت کرنا ہے۔''

حضرت ممشاد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''میں اپنے شیوخ میں سے جس کے پاس داخل ہوا اپنے تمام مال سے خالی داخل ہوا۔ میں اس بات کا منتظر رہا کہ ان کی زیارت اور کلام کی برکات مجھے حاصل ہوں کیونکہ جو شخص اپنے شیخ کے پاس اپنی ذات پر نظر کے ساتھ داخل ہوا وہ ان کی زیارت، ہم نشینی اور کلام کی برکات سے محروم رہا۔''

حضرت خیر نسّاج رحمۃ اللہ علیہ

آپ نے حضرت ابوحمزہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اختیار کی اور آپ حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے البتہ آپ کو طویل عمر عطا ہوئی اور جیسا کہ کہا گیا آپ کی عمر 120 سال تھی۔ آپ کی مجلس میں حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت

خواص ﷫ نے توبہ کی اور آپ ایک جماعت کے استاذ تھے۔

کہا گیا ہے کہ آپ کا اسم گرامی ''محمد بن اسماعیل'' تھا اور آپ (مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان واقع شہر) ''سامرہ'' کے رہنے والے تھے۔

خیر نساج کی وجہ تسمیہ

آپ کو ''خَیْرُ النَّسَّاج'' اس لیے کہا گیا کہ آپ حج کے لیے نکلے تو ایک شخص نے بابِ کوفہ پر آپ کو پکڑ لیا اور کہا ''آپ میرے غلام ہیں اور آپ کا نام خیر ہے۔'' آپ سیاہ فام تھے، آپ نے اس کی مخالفت نہ کی اس نے آپ کو ریشمی کپڑا بننے پر لگا دیا۔ وہ آپ سے کہتا، اے خیر! آپ فرماتے: ''لَبَّیْکَ'' (میں حاضر ہوں) پھر چند سالوں کے بعد اس شخص نے آپ سے کہا کہ مجھ سے غلطی ہوئی نہ تو آپ میرے غلام ہیں اور نہ ہی آپ کا نام خیر ہے۔ آپ اسے چھوڑ کر چلے گئے اور فرمایا: ''میں اس نام کو نہیں بدلوں گا جس نام سے مجھے ایک مسلمان شخص نے پکارا ہے۔''

آپ نے فرمایا: ''خوف اللہ ﷻ کا کوڑا (لاٹھی) ہے جس کے ذریعے وہ ان نفسوں کو سیدھا کرتا ہے جنھوں نے برے ادب کو عادت بنا رکھا ہے۔''

وصال سے پہلے نماز پڑھنا

حضرت ابوالحسین مالکی ﷫ فرماتے ہیں: جو شخص حضرت خیر النساج کے وصال کے وقت موجود تھا میں نے اس سے ان کے اس معاملے کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: جب مغرب کی نماز کا وقت ہوا تو ان پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ پھر انھوں نے اپنی آنکھیں کھولیں اور گھر کے ایک کونے میں (کسی کو) اشارہ کیا اور فرمایا: ''ٹھہر جاؤ، اللہ ﷻ تمھیں معاف کرے بے شک تم بھی حکم کے پابند بندے ہو اور میں بھی حکم کا پابند بندہ ہوں۔ تمھیں جس بات کا حکم دیا گیا ہے (یعنی روح قبض کرنے کا) وہ کام تم سے رہ نہیں جائے گا اور جس بات کا (نماز مغرب کا) مجھے حکم دیا گیا وہ کام فوت ہو جائے گا۔''

پھر آپ نے پانی منگوایا اور نماز کے لیے وضو کیا پھر انگڑائی لی اور آنکھوں کو بند کر کے کلمۂ شہادت پڑھا اور انتقال فرما گئے۔

کسی نے آپ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا! اللہ ﷻ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

آپ نے پوچھنے والے سے فرمایا: اس بارے میں مجھ سے نہ پوچھو البتہ میں تمھاری میلی دنیا سے آرام پا چکا ہوں۔

حضرت ابوحمزہ خراسانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا تعلق ''نیشاپور'' کے محلّہ ''ملقاباذ'' سے ہے اور آپ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خراز رحمۃ اللہ علیہ اور ابو تراب نخشبی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے اور آپ پرہیزگار و دین دار تھے۔

حضرت ابوحمزہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جس کو ذکرِ موت کا شعور حاصل ہو جائے اسے ہر باقی کی محبت حاصل ہو جاتی ہے اور ہر فانی سے عداوت ہو جاتی ہے۔''

آپ نے فرمایا: ''جس شخص کو اللہ عزوجل کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے وہ اپنے ایک دن کے گزران زندگی کے ساتھ دوسرے دن کے رزق کو دور کرتا ہے اور ایک دن کا رزق ایک دن کے لیے لیتا ہے (یعنی دوسرے دن کی فکر نہیں کرتا)۔''

ایک شخص نے آپ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی وصیت فرمائیں۔

آپ نے فرمایا: ''پیش آنے والے سفر کا زادِ راہ حاصل کرو۔''

حضرت ابوالحسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابوحمزہ خراسانی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے: ''میں ایک عباء (جُبّہ) میں حالتِ احرام میں رہا۔ ہر سال ایک ہزار (1000) فرسخ کا سفر کرتا۔ سورج مجھ پر طلوع ہوتا اور غروب ہوتا۔ جب بھی میں احرام کھولتا پھر احرام باندھ لیتا۔''

آپ کا وصال 290ھ میں ہوا۔

حضرت ابوبکر بن جُحدر شبلی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی پیدائش اور پرورش ''بغداد شریف'' میں ہوئی۔ اصل میں آپ ''اُسْرُوشَنَہ''[1] کے رہنے والے تھے (یعنی آپ کے آباء واجداد)۔ آپ کو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور اس زمانے کے دیگر صوفیاء کرام کی صحبت حاصل رہی اور آپ اپنے حال، دانائی اور علم کے اعتبار سے اپنے وقت کے شیخ تھے۔

آپ (فقہ میں) مالکی مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے 87 سال عمر پائی اور 334ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کی قبر مبارک بغداد میں ہے۔

جب حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خیر النساج رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں رجوع الی اللہ کیا تو مقام ''دماوند'' (رے کے قریب

[1] ماوراء النہر کا ایک شہر۔۱۲ ہزاروی

مقام) میں تشریف لائے اور فرمایا: ''میں تمھارے شہر کا حاکم رہا مجھے معاف کر دینا۔'' ابتدا میں آپ کے مجاہدات حد سے اوپر تھے۔

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ (حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ) ایک عرصہ تک نمک کا سرمہ لگاتے تھے تا کہ جاگنے کی عادت ہو جائے اور ان کو نیند نہ آئے۔''

اگر فرض کیا جائے کہ وہ شرع کی تعظیم اسی قدر کرتے تھے جس قدر آخر عمر میں کرتے تھے جیسے بکران دینوری نے بیان کیا تو بھی یہ بہت ہے۔

حضرت ابوالعباس بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں فرماتے تھے:

وَكَمْ مِّنْ مَّوْضِعٍ لَوْمُتُّ فِيْهِ
لَكُنْتُ بِهٖ نَكَالًا فِی الْعَشِيْرَةِ

* کتنے ہی مقامات ہیں کہ اگر میں ان میں فوت ہو جاؤں
* تو اس وجہ سے خاندان والوں کے لیے عذاب کا باعث بن جاؤں

جب رمضان شریف کا مہینہ ہوتا تو حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ہم عصر لوگوں سے بڑھ کر (عبادت میں) کوشش کرتے اور فرماتے: ''یہ وہ شَہْر (مہینہ) ہے جس کو میرے رب نے عظمت عطا کی ہے تو میں اس کی تعظیم کرنے والا سب سے پہلا شخص ہوں (یعنی اپنے دور میں)۔'' یہ بات استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہے۔

حضرت ابو محمد عبداللہ بن محمد مرتعش رحمۃ اللہ علیہ

آپ نیشاپور کے محلہ ''الحیرہ'' کے رہنے والے تھے۔ کہا گیا کہ آپ کا تعلق ''ملقاباذ''[1] سے تھا۔ آپ کو حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ اور ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت حاصل رہی اور آپ نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی۔ آپ بڑی شان کے مالک تھے۔ آپ نے مسجد شونزیہ[2] میں اقامت اختیار کی اور 328ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت مرتعش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ارادہ، نفس کو اس کی مرادوں سے روکنے، اللہ عزوجل کے اوامر کی طرف متوجہ ہونے اور اس کے فیصلوں کے مقامات پر راضی ہونے کا نام ہے۔''

[1] ملقاباذ: نیشاپور کے ایک محلہ کا نام ہے۔ (معجم البلدان جلد 5، صفحہ: 273-193) ابو حنظلہ محمد اجمل

[2] بغداد کی غربی جانب ایک قبرستان جہاں صالحین کی ایک جماعت مدفون ہے جیسے حضرت جنید بغدادی، جعفر خلدی اور حضرت ادہم رحمہم اللہ وغیرہ (معجم البلدان، جلد 3، صفحہ: 374) ابو حنظلہ محمد اجمل عطاری

ان سے کہا گیا کہ فلاں شخص پانی پر چلتا ہے تو انھوں نے فرمایا: ''میرے نزدیک جس شخص کو اللہ ﷻ نے خواہشات کی مخالفت پر قادر کیا ہے وہ ہوا میں چلنے سے زیادہ عظمت والا ہے۔''

حضرت ابوعلی احمد بن محمد روذباری رحمۃ اللہ علیہ

آپ ''بغدادی'' تھے اور ''مصر'' میں مقیم رہے اور 322ھ میں وہیں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابن جلاء رحمۃ اللہ علیہ اور (صوفیاء کرام کے) ایک طبقہ کی صحبت حاصل رہی۔ آپ مشائخ میں بہت سمجھدار اور طریقت کا زیادہ علم رکھنے والے تھے۔

حضرت ابوعلی روذباری رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو موسیقی سنتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے لیے یہ حلال ہے کیونکہ میں ایسے درجہ تک پہنچ چکا ہوں کہ یہ احوال کے اختلاف میں اثر انداز نہیں ہوتی۔

آپ نے فرمایا: ''ہاں وہ پہنچ چکا ہے لیکن جہنم [1] میں پہنچا ہے۔''

آپ سے تصوف کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: (هٰذَا مَذْهَبٌ كُلُّهٗ جِدٌّ فَلَا تَخْلِطُوْهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الْهَزَلِ) ''یہ مذہب پورے کا پورا سنجیدگی ہے، اس کے ساتھ مذاق میں سے کچھ بھی نہ ملاؤ۔''

حضرت ابوعلی روذباری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''دھوکے کی علامت سے یہ بات بھی ہے کہ تم برائی کرو اور اللہ ﷻ تم سے حسن سلوک کرے اور تم توبہ اور رجوع الی اللہ کو چھوڑ دو اور تمھیں یہ وہم ہو کہ بیہودہ کاموں میں تم سے چشم پوشی کی جاتی ہے اور تم اسے اپنے اوپر حق تعالیٰ کی طرف سے کشادگی سمجھو۔''

آپ فرماتے ہیں: ''تصوف میں میرے استاذ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، فقہ میں حضرت ابوالعباس بن شریح رحمۃ اللہ علیہ، ادب میں حضرت ثعلب رحمۃ اللہ علیہ اور حدیث میں حضرت ابراہیم حربی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

حضرت ابومحمد عبداللہ بن مُنازل رحمۃ اللہ علیہ

آپ ملامتی فرقہ [2] کے شیخ اور اپنے وقت کے یکتا تھے۔ آپ کو حضرت حمدون قصار رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کا شرف حاصل تھا۔ آپ عالم تھے اور آپ نے بے شمار احادیث لکھی ہیں۔ آپ کا وصال 329ھ یا 330ھ میں نیشاپور میں ہوا۔

[1] اصل نسخہ میں لفظ ''سقر'' (جہنم) ہے لیکن شرح گیسو دراز، صفحہ: 204 میں لفظ ''شقوہ'' (بدبختی) دیا ہے۔ ابوحنظلہ محمد اجمل

[2] صوفیاء کا ایک فرقہ جو اپنی نیکیوں کو ظاہر نہیں کرتا اور برائیوں کو چھپاتا نہیں یعنی اس کی رگ و پے میں اخلاص ہوتا ہے (عوارف المعارف، جلد ۱، صفحہ: 359)۔ ۱۲ ہزاروی

حضرت عبداللہ معلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت عبداللہ بن منازل رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے: ''جو شخص فرائض میں سے کسی فریضہ کو ضائع کرتا ہے اللہ عزوجل اسے سنتوں کو ضائع کرنے میں مبتلا کرتا ہے اور جو شخص سنتوں کو ضائع کرتا ہے قریب ہے کہ وہ بدعات میں مبتلا ہو۔''

حضرت ابو احمد بن عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں نے عبداللہ بن منازل رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے: تمہارا افضل وقت وہ ہے جس میں تو اپنے نفس کے وسوسوں سے محفوظ رہے اور جس وقت تو بدگمانی سے محفوظ رہے۔''

حضرت ابو علی محمد بن عبدالوہاب ثقفی رحمۃ اللہ علیہ

آپ امامِ وقت تھے اور آپ کو حضرت ابو حفص اور حضرت حمدون قصار رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کا شرف حاصل رہا۔ آپ کے باعث ''نیشاپور'' میں تصوف کا ظہور ہوا۔ 328ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت منصور بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابو علی ثقفی رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اگر کوئی شخص تمام علوم کو جمع کر لے اور لوگوں کے مختلف گروہوں کی صحبت اختیار کرے تو مردانِ تصوف کے مقام کو ریاضت کے بغیر حاصل نہیں کر سکتا چاہے وہ شیخ ہو یا امام یا ادب سکھانے والا ناصح۔ اور جو شخص ایسے استاذ سے ادب نہیں سیکھتا جو اسے اس کے اعمال کے عیب اور نفس کا تکبر دکھائے تو (اخلاقی) معاملات کی تصحیح میں اس کی اقتداء درست نہیں۔

حضرت ابو علی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اس امت پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ کسی مومن کی زندگی اچھی طرح نہیں گزرے گی جب تک وہ کسی منافق کا سہارا نہ لے۔'' اور آپ نے فرمایا:

''دنیا جب آتی ہے تو اس کی مشغولیت پر افسوس اور جب پیٹھ پھیرتی ہے تو اس کی حسرتوں پر افسوس، اور عقلمند آدمی وہ ہے جو کسی ایسی چیز کی طرف نہیں جھکتا جو آئے تو مشغولیت ہو اور جب چلی جائے تو حسرت ہو۔

حضرت ابو الخیر اقطع رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا تعلق ''مغرب'' سے تھا اور آپ نے مقام ''تینات'' (شامی سمندر کے کنارے مصیصہ کے قریب جگہ) میں سکونت اختیار کی۔ آپ کرامات اور بہت تیز فراست کے حامل تھے آپ کا مقام بہت بڑا تھا۔ آپ کا وصال 340ھ سے کچھ سال اوپر ہوا۔

حضرت ابو الخیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''کوئی شخص عزت و شرف والی حالت تک اسی وقت پہنچ سکتا ہے جب اسے ادب

سے موافقت حاصل ہو، فرائض کی ادائیگی کرے اور نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرے۔''

حضرت ابوبکر محمد بن علی کتانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ اصلاً ''بغدادی'' ہیں اور آپ کو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خراز رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت حاصل رہی۔ آپ نے مکہ مکرمہ میں سکونت اختیار کی اور 320ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت کتانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جس کے سر کے بال اور داڑھی سفید تھی اور وہ لوگوں سے مانگ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا:

''اس شخص نے اپنے بچپن میں اللہ عزوجل کا حق ضائع کیا تو اللہ عزوجل نے اس کو بڑھاپے میں ضائع کر دیا۔''

حضرت کتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(أَلشَّهْوَةُ زِمَامُ الشَّيْطَانِ فَمَنْ أَخَذَ بِزِمَامِهٖ كَانَ عَبْدَهٗ)

''شھوت شیطان کی لگام ہے، پس جو اس کی لگام پکڑے وہ اس کا غلام ہے۔''

حضرت ابو یعقوب اسحاق بن محمد نہر جوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کو حضرت ابو عمرو مکی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابو یعقوب سوسی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کا شرف حاصل رہا۔ آپ مکہ مکرمہ میں ٹھہرے رہے اور وہیں 300ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت ابوالحسین احمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے حضرت نہر جوری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے:

(أَلدُّنْيَا بَحْرٌ وَالْاٰخِرَةُ سَاحِلٌ وَّالْمَرْكَبُ التَّقْوٰى وَالنَّاسُ سَفْرٌ)

''دنیا سمندر ہے اور آخرت ساحل ہے، سواری تقویٰ ہے اور لوگ مسافر ہیں۔''

حضرت ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت نہر جوری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے میں نے ایک آنکھ والے شخص کو طواف کرتے ہوئے دیکھا وہ کہہ رہا تھا میں تجھ سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ میں نے پوچھا یہ دعا کیا ہے؟

اس نے کہا: میں نے ایک دن ایک شخص کو دیکھا تو حسین خیال کیا اچانک ایک تھپڑ میری آنکھ پر لگا تو میری آنکھ بہہ گئی۔ پھر میں نے غیبی آواز والے سے سنا وہ کہہ رہا تھا: (لَطْمَةٌ بِنَظْرَةٍ وَّلَوْ زِدْتَّ لَزِدْنَاكَ) ''یہ ایک نظر کے بدلے تھپڑ ہے اور تم زیادہ بار دیکھتے تو ہم زیادہ مارتے۔''

حضرت احمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت نہر جوری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے: سب سے بہتر حالت وہ ہے جو علم سے ملی ہوئی ہو۔

حضرت ابوالحسن علی بن محمد مزین رحمۃ اللہ علیہ

آپ ''اہل بغداد'' میں سے تھے اور آپ حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک طبقہ (صوفیاء) کے ساتھیوں میں سے تھے۔ آپ مکہ مکرمہ میں رہے اور وہیں 328 ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ بہت بڑے پرہیز گار تھے۔

حضرت ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے حضرت مزین رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے:

(اَلذَّنْبُ بَعْدَ الذَّنْبِ عَقُوْبَۃُ الذَّنْبِ الْاَوَّلِ وَالْحَسَنَۃُ بَعْدَ الْحَسَنَۃِ ثَوَابُ الْحَسَنَہِ الْاُوْلٰی)

''گناہ کے بعد گناہ پہلے گناہ کی سزا ہے اور نیکی کے بعد نیکی پہلی نیکی کا ثواب ہے۔''

حضرت مزین رحمۃ اللہ علیہ سے توحید کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: تم جان لو کہ اللہ عزوجل کے اوصاف مخلوق کے اوصاف سے جدا ہیں۔ اس کی صفات قدیم ہونے کے اعتبار سے ان سے جدا ہیں جس طرح وہ اپنی صفات کے حادث ہونے کے ساتھ اس سے جدا ہیں۔ [1]

آپ نے فرمایا: ''جو شخص اللہ عزوجل کے ساتھ بے نیازی اختیار نہیں کرتا اللہ عزوجل اسے لوگوں کا محتاج کر دیتا ہے اور جو شخص اللہ عزوجل کے ساتھ بے نیاز ہو جاتا ہے اللہ عزوجل لوگوں کو اس کا محتاج کر دیتا ہے۔''

حضرت ابوعلی بن کاتب رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسم گرامی ''حسن بن احمد'' ہے اور آپ کو حضرت ابوعلی روذباری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابوبکر مصری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے علاوہ صوفیاء کرام کی صحبت کا شرف حاصل ہے۔ آپ اپنے حال میں بہت بڑی شخصیت تھے۔ آپ کا انتقال 340 ھ سے کچھ سال بعد میں ہوا۔

حضرت ابن کاتب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(اِذَا سَکَنَ الْخَوْفُ فِی الْقَلْبِ لَمْ یَنْطِقِ اللِّسَانُ اِلَّا مَا یَعْنِیْہِ)

---

[1] یعنی اللہ عزوجل کی صفات قدیم اور ازلی جبکہ مخلوق کی صفات حادث ہیں لہٰذا دونوں میں فرق ہے۔ ۱۲ ہزاروی

''جب دل میں خوف ٹھہر جائے تو زبان صرف با مقصد گفتگو کرتی ہے۔''

اور آپ فرماتے ہیں: ''معتزلہ نے صرف عقل سے اللہ عزوجل کی پاکیزگی بیان کی تو ان سے خطا ہوئی اور صوفیاء نے تنزیہ باری تعالیٰ کے لیے علم کو استعمال کیا تو درست راہ پر چلے۔

حضرت مظفر قرمسینی رحمۃ اللہ علیہ [1]

آپ جبل (مقام) کے مشائخ میں سے تھے اور حضرت عبداللہ خراز رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر صوفیاء کرام کی صحبت میں رہے۔

حضرت مظفر قرمسینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''روزہ تین طریقوں پر ہوتا ہے:

(صَوْمُ الرُّوْحِ بِقَصْرِ الْأَمَلِ وَصَوْمُ الْعَقْلِ بِخِلَافِ الْهَوٰى وَصَوْمُ النَّفْسِ بِالْإِمْسَاكِ عَنِ الطَّعَامِ وَالْمَحَارِمِ) ① روح کا روزہ کم امید رکھنا، ② عقل کا روزہ خواہشات سے رُکنا ③ نفس کا روزہ کھانے اور حرام سے رُکنا ہے۔

حضرت مظفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سب سے خسیس نرمی عورتوں کے ساتھ نرمی ہے وہ جس طریقے پر بھی ہو۔[2] اور آپ فرماتے ہیں: ''بھوک کے ساتھ قناعت مددگار ہو تو وہ فکر کی کھیتی، حکمت کا منبع، سمجھداری کی زندگی ہے اور دل کا چراغ ہے۔''

آپ نے یہ بھی فرمایا: ''بندے کے افضل اعمال موجودہ اوقات کی حفاظت ہے یعنی وہ دین کے معاملے میں کوتاہی نہ کریں اور حد سے تجاوز نہ کریں۔'' اور فرمایا:

''جو شخص کسی دانا سے ادب نہیں سیکھتا اس سے اس کا مرید ادب حاصل نہیں کرتا۔''

حضرت ابوبکر عبداللہ بن طاہر ابہری رحمۃ اللہ علیہ [3]

آپ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر اور جبل کے مشائخ میں سے تھے۔ آپ متقی عالم تھے اور آپ کو حضرت یوسف بن

---

[1] قرمسینی، قرمسین کی طرف نسبت ہے۔ یہ دینور کے قریب ایک شہر ہے۔ اس کے اور ہمذان کے درمیان تیس فرسخ کا فاصلہ ہے اور یہ ہمذان اور حلوان کے درمیان حاجیوں کے راستے پر واقع ہے۔ (معجم البلدان، جلد 4، صفحہ: 330) ابو حنظلہ محمد اجمل عطاری

[2] عورتوں سے حسن سلوک کی نفی نہیں بلکہ ان کے ساتھ بے تکلف ہونا یا ان کو کنٹرول نہ کرنا مراد ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[3] یہ ابہر کی طرف نسبت ہے جو حجاز میں ایک پہاڑ کا نام ہے۔ (معجم البلدان، جلد ۱، صفحہ: 82) ابو حنظلہ محمد اجمل عطاری

حسین رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی صحبت حاصل تھی۔ آپ کا انتقال 330ھ کے قریب ہوا۔

حضرت منصور بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابوبکر بن طاہر رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے: فقیر کے آداب میں سے یہ ہے کہ اس کو کوئی رغبت نہ ہو۔ اگر ضروری ہو تو اس کی رغبت کفایت سے تجاوز نہ کرے (یعنی جس قدر ضرورت ہو اسی قدر رغبت ہو)۔

ان سے یہ بھی منقول ہے، فرماتے ہیں: ''جب تم اللہ کے لیے کسی بھائی سے محبت کرو تو دنیا میں اس سے میل جول کم رکھو۔''

حضرت ابوالحسین بن بُنان رحمۃ اللہ علیہ

آپ مصر کے بڑے مشائخ میں سے تھے اور حضرت ابوسعید خرّاز رحمۃ اللہ علیہ کی طرف آپ کی نسبت کی جاتی تھی۔

حضرت ابن بنان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ہر صوفی جس کے دل میں رزق کا خیال موجود ہو اسے کسی کام میں لگ جانا چاہیے اور اللہ عزوجل کے ساتھ سکون قلب (کے حصول) کی علامت یہ ہے کہ جو کچھ اللہ عزوجل کے پاس ہے اس پر یقین اس چیز سے زیادہ ہو جو آدمی کے اپنے ہاتھ میں ہے۔'' اور آپ نے فرمایا: (اِجْتَنِبُوْا دَنَآءَ ةَ الْأَخْلَاقِ كَمَا تَجْتَنِبُوْنَ الْحَرَامَ) ''بُرے اخلاق سے اسی طرح بچو جس طرح حرام کام سے بچتے ہو۔''

حضرت ابواسحاق ابراہیم بن شیبان قرمیسینی رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنے وقت کے شیخ تھے اور آپ کو حضرت ابوعبداللہ مغربی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خوّاص رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر صوفیاء کرام رحمہم اللہ کی صحبت کا شرف حاصل رہا۔

حضرت ابراہیم بن شیبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جو شخص معطل یا بیکار رہنا چاہتا ہے وہ رخصتوں کو اختیار کرے۔''

آپ نے یہ بھی فرمایا: ''فناء و بقاء کا علم وحدانیت کے اخلاص اور بندگی کی صحت کے گرد گھومتا ہے جو اس کے علاوہ ہے وہ مغالطہ اور بے دینی ہے۔''

حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''گھٹیا آدمی وہ ہے جو اللہ عزوجل کی نافرمانی کرتا ہے۔''

حضرت ابوبکر حسین بن علی بن یزدانیار رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا تعلق ''آرمینیا'' سے تھا اور آپ تصوف میں ایک خاص طریقہ رکھتے تھے۔ آپ متقی عالم تھے اور بعض عارفین کے آزادانہ کلمات کو ناپسند کرتے تھے۔

حضرت ابن یزدانیار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''تم اللہ عزوجل کے ساتھ اُنس کی طمع سے بچو جب کہ تم لوگوں کے ساتھ اُنس کو پسند کرتے ہو۔ اور اپنے آپ کو اللہ عزوجل کی محبت کی طمع سے دور رکھو جب کہ تم فضول چیزوں سے محبت کرتے ہو اور اللہ عزوجل کے ہاں مقام و مرتبہ کی لالچ سے بچو جب کہ تم لوگوں کے ہاں مقام و مرتبہ کو پسند کرتے ہو۔

حضرت ابوسعید بن اعرابی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسم گرامی ''احمد بن محمد بن زیاد بصری'' ہے۔ آپ نے حرم شریف میں سکونت اختیار کی اور وہیں 341 ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عمرو بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر صوفیاء کرام رحمہم اللہ کی صحبت کا شرف حاصل رہا۔

حضرب ابن اعرابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''سب سے زیادہ خسارے میں وہ شخص ہے جو لوگوں کے سامنے اچھے اعمال ظاہر کرتا ہے اور اس ذات کے سامنے برے اعمال کے ساتھ آتا ہے جو شہہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہے۔''

حضرت ابوعمرو محمد بن ابراہیم زجاجی نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کئی سال تک مکہ مکرمہ میں رہے اور وہیں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ، حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواص رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت حاصل رہی۔ 348 ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت ابوعمرو بن نجید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت ابوعمرو زجاجی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا آپ کو کیا ہوا کہ فرض نماز کی تکبیر اُولیٰ کے وقت آپ کے چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے؟

انھوں نے فرمایا: ''اس لیے کہ مجھے ڈر ہوتا ہے کہ میرا فریضہ سچائی کے خلاف شروع ہوا پس جو شخص ''اللّٰہ اکبر'' کہے اور اس کے دل میں کوئی چیز اس سے بھی بڑی ہو یا اوقات کے گزرنے کے ساتھ وہ کسی چیز کو اس سے بڑا سمجھے تو اس

نے اپنی زبان سے اپنے نفس کو جھٹلایا۔''

انھوں نے فرمایا: ''جو شخص ایسی حالت کے بارے میں کلام کرے جس تک نہ پہنچا ہو اس کا کلام سننے والوں کے لیے فتنہ ہے اور یہی دل میں پیدا ہونے والا دعویٰ ہے اور اللہ عزوجل اسے اس مقام تک پہنچنے سے محروم رکھے گا۔''

آپ کئی سال تک مکہ مکرمہ میں رہے لیکن حرم کے اندر طہارت حاصل نہیں کی بلکہ آپ حرم سے باہر جا کر طہارت حاصل کرتے۔

حضرت ابو محمد جعفر بن محمد بن نصیر رحمۃ اللہ علیہ

آپ ''بغداد'' میں پیدا ہوئے اور وہیں پروان چڑھے۔ آپ کو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت حاصل رہی اور ان کی طرف نسبت اختیار کی۔ علاوہ ازیں حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سمنون رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مشائخ کی صحبت اختیار کی۔ 348ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت جعفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''بندہ لذتِ نفس کی موجودگی میں اللہ عزوجل کے ساتھ معاملہ کی لذت نہیں پاتا کیونکہ اہل تحقیق ان تمام تعلقات کو کاٹ دیتے ہیں جن کی وجہ سے حق تعالیٰ سے کٹ جائے۔ اس سے پہلے کہ یہ تعلق اللہ عزوجل کے ساتھ ان کے تعلق کو ختم کر دیں۔

حضرت محمد بن عبداللہ بن شاذان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: میں نے حضرت جعفر رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ بندے اور وجود کے درمیان اتنی سی بات ہے کہ تقویٰ اس کے دل میں جاگزیں ہو جائے۔ جب تقویٰ اس کے دل میں مضبوط ہو جاتا ہے تو اس پر علم کی برکات نازل ہوتی ہیں اور اس سے دنیا کی رغبت زائل ہو جاتی ہے۔ (اور وہ مناجات کی لذت کا وجدان حاصل کرتا ہے)۔

حضرت ابو العباس سیاری رحمۃ اللہ علیہ [1]

آپ کا اسم گرامی ''قاسم بن قاسم'' ہے۔ آپ کا تعلق علاقہ ''مرو'' سے ہے۔ آپ کو حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کا شرف حاصل رہا اور اس طائفہ (صوفیاء کرام) کے علوم کے سلسلے میں آپ ان سے نسبت رکھتے تھے۔ آپ عالم تھے، آپ کا وصال 342ھ میں ہوا۔

---

[1] یہ اپنے نانا سیار کی طرف منسوب ہیں اس لیے سیاری کہلاتے ہیں۔ ابو حنظلہ محمد اجمل عطاری

حضرت ابو العباس سیاری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا نفس کو کس چیز کے ساتھ سُدھایا جائے؟

آپ نے فرمایا: ''احکامِ خداوندی کی بجا آوری میں اور اس کے منع کردہ کاموں سے اجتناب پر صبر، صالحین کی صحبت اور فقراء کی خدمت کی عادت ڈالی جائے۔''

آپ فرماتے ہیں: ''کوئی عقلمند صرف مشاہدۂ حق سے لذت حاصل نہیں کرتا کیونکہ مشاہدۂ حق، فنا ہے اور اس میں لذت نہیں۔

حضرت ابو بکر محمد بن داؤد دینوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ ''الدقی'' کے نام سے معروف تھے۔ آپ ''شام'' میں رہے اور ایک سو (100) سال سے زیادہ عمر پائی۔ آپ کا وصال 350 ھ کے بعد ہوا۔ آپ کو حضرت ابن جلاء اور حضرت زقاق رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت حاصل رہی۔

حضرت ابو بکر دقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''معدہ کھانوں کو جمع کرتا ہے۔ جب تم اس میں حلال ڈالو گے تو اعضاء نیک اعمال کریں گے اور اگر تم اس میں شبہ والا کھانا ڈالو گے تو اللہ عزوجل کی طرف جانے والا راستہ تم پر مشتبہ ہو جائے گا۔ اور جب تم اس میں قابل گرفت چیزیں ڈالو گے تو یہ تمھارے اور اللہ عزوجل کے درمیان حجاب ہوگا۔

حضرت ابو محمد عبداللہ بن محمد رازی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ولادت اور پرورش ''نیشاپور'' میں ہوئی۔ آپ کو حضرت ابو عثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت یوسف بن حسین رحمۃ اللہ علیہ، حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سمنون رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر حضرات کی صحبت حاصل رہی۔ 353 ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

حضرت عبداللہ رازی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا ''کیا وجہ ہے لوگ اپنے عیبوں کو پہچاننے کے باوجود درست بات کی طرف رجوع نہیں کرتے؟''

آپ نے فرمایا: ''اس کی وجہ ہے کہ وہ علم پر فخر کرنے میں مشغول ہوئے اور اس (علم) کے مطابق عمل میں مشغول نہیں ہوئے۔ ظاہر میں مشغول ہو گئے اور باطنی آداب میں مشغول نہیں ہوئے۔ پس اللہ عزوجل نے ان کے دلوں کو اندھا کر دیا اور ان کے اعضاء کو عبادات کرنے سے جکڑے رکھا۔''

حضرت ابو عمرو اسماعیل بن نجید رحمۃ اللہ علیہ

آپ کو حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت حاصل رہی اور آپ نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی۔ آپ بہت بڑی شان کے مالک تھے۔ حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سب سے آخر میں آپ فوت ہوئے۔ آپ کی وفات 366ھ میں مکہ مکرمہ میں ہوئی۔

حضرت شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے دادا حضرت ابو عمرو اسماعیل بن نجید رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے: ''ہر وہ حال جو علم کا نتیجہ نہ ہو اس حال والے کو اس کے نفع کے مقابلے میں ضرر زیادہ ہوتا ہے۔''

وہ فرماتے ہیں: میں نے ان کو یہ بات فرماتے ہوئے بھی سنا کہ: ''جو شخص اپنے اوقات میں سے کسی بھی وقت اس فرض کو ضائع کر دیتا ہے جو اللہ عزوجل نے اس پر فرض کیا ہے تو وہ اس فرض کی لذت سے محروم ہو جاتا ہے اگرچہ یہ (محرومی) کچھ وقت کے بعد ہو۔''

فرماتے ہیں: آپ سے تصوف کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: (اَلصَّبْرُ تَحْتَ الْاَمْرِ وَ النَّهْيِ) ''(اللہ عزوجل کے) امر اور نہی پر صبر کرنا۔''

آپ فرماتے ہیں: ''یہ بات بندے کے لیے آفت ہے کہ وہ اپنے نفس کے ہر عمل پر راضی ہو۔''

حضرت ابو الحسن علی بن احمد سہل بوشنجی رحمۃ اللہ علیہ [1]

آپ خراسان کے نوجوانوں میں سے تھے۔ آپ نے حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ، ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ، حضرت جریری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابو عمرو دمشقی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی اور آپ کا انتقال 348ھ میں ہوا۔

حضرت بوشنجی رحمۃ اللہ علیہ سے مروّت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''جو چیز کراماً کاتبین فرشتوں کی موجودگی میں تجھ پر حرام کی گئی ہے اسے ترک کر دینا مروّت ہے۔''

ایک شخص نے آپ سے عرض کیا کہ میرے لیے اللہ عزوجل سے دعا کریں۔

آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل تمھیں فتنے سے بچائے اور آپ نے فرمایا: ''ایمان کے آغاز کا دارومدار اس کے آخر پر

[1] یہ بوشنج کی طرف منسوب ہیں جو کہ ہراۃ کے نواح میں دس فرسنگ کے فاصلہ پر ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ (معجم البلدان، جلد 1، صفحہ: 508) ابو حنظلہ محمد اجمل عطاری

ہے (خاتمہ اچھا ہو)۔

حضرت ابوعبداللہ محمد بن خفیف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کو حضرت رُویم رحمۃ اللہ علیہ، حضرت جریری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے علاوہ حضرات رحمہم اللہ کی صحبت حاصل رہی۔ آپ کا انتقال 371 ھ میں ہوا۔ آپ شیخ الشیوخ اور وقت کے یکتا تھے۔

آپ کے اقوال

حضرت ابن خفیف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ہمیشہ فکرمند رہنا اور راحت کو ترک کر دینے کا نام ارادت (مرید ہونا) ہے۔'' آپ فرماتے ہیں: ''مرید کے لیے رخصتوں پر عمل کے سلسلے میں چشم پوشی اختیار کرنے اور تاویلات قبول کرنے سے بڑھ کر کوئی چیز نقصان دہ نہیں۔''

آپ سے قُرب کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''تیرے لیے رب کا قرب شریعت کے موافق کاموں کو اختیار کرنا ہے اور اس کا تم سے قریب ہونا اس صورت میں ہے کہ اس کی توفیق ہمیشہ تیرے شاملِ حال رہے۔''

حضرت ابوعبداللہ بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں اپنے ابتدائی دور میں بعض اوقات ایک رکعت میں دس ہزار (10,000) بار ''قل هو الله احد'' پڑھتا تھا اور بعض اوقات ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھتا اور بعض اوقات میں صبح سے عصر تک ایک ہزار (1000) رکعات پڑھتا تھا۔''

حضرت ابواحمد صغیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ایک فقیر حضرت شیخ ابوعبداللہ بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور کہا: ''میں وسوسوں کا شکار ہوتا ہوں۔''

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''میرا صوفیاء کے ساتھ ایک زمانہ گزرا ہے جس میں وہ شیطان کے ساتھ مذاق کرتے تھے اور اب شیطان ان کے ساتھ مذاق کرتا ہے۔''

حضرت ابوعبداللہ بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں نوافل پڑھتے ہوئے کھڑا ہونے سے معذور ہو گیا تو میں اپنے معمول کی ہر رکعت کے بدلے دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتا تھا کیونکہ حدیث شریف میں ہے:

((صَلَاةُ الْقَاعِدِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ صَلَاةِ الْقَائِمِ))

''بیٹھ کر (نفل) نماز پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر پڑھنے کے مقابلے میں نصف ملتا ہے۔''[1]

---

[1] جامع ترمذی، کتاب الصلوة، باب: ماجاء أن صلاة القاعد على النصف من صلاة القائم، رقم الحديث:371.

حضرت ابوالحسین بُندار بن حسین شیرازی رحمۃ اللہ علیہ

آپ اصول کے عالم تھے اور حال میں بڑے مقام والے تھے۔ آپ کو حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کا شرف حاصل ہے۔ 353ھ میں ''اَرّجان'' (مقام) پر آپ کا انتقال ہوا۔

حضرت بندار بن حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اپنے نفس کے لیے نہ لڑو وہ تمھارا نہیں ہے۔ اسے اس کے مالک کے لیے چھوڑ دو وہ اس کے ساتھ جو چاہے کرے۔''

حضرت بندار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اہلِ بدعت کی مجلس اختیار کرنا حق سے منہ موڑنے کا سبب بنتا ہے۔''[1]

آپ نے یہ بھی فرمایا: ''جس کی خواہش رکھتے ہو اسے اس (ثواب) کے لیے چھوڑ و جس کی امید رکھتے ہو۔''

حضرت ابوبکر طمستانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کو حضرت ابراہیم دباغ رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت حاصل رہی اور آپ علم اور حال کے اعتبار سے اپنے وقت کی یکتا شخصیت تھے۔ 340ھ کے بعد ''نیشاپور'' میں آپ کا انتقال ہوا۔

حضرت ابوبکر طمستانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''سب سے بڑی نعمت نفس (کی خواہشات) سے نکلنا ہے اور نفس تمھارے اور اللہ عزوجل کے درمیان سب سے بڑا حجاب ہے۔''

حضرت منصور بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں نے حضرت ابوبکر طمستانی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے: جب دل کسی ایسی بات کا خیال کرتا ہے جو اللہ عزوجل کے ہاں ناپسندیدہ ہے تو اسے اسی وقت سزا مل جاتی ہے۔''

اور آپ نے فرمایا: ''راستہ واضح ہے، کتاب وسنت ہمارے درمیان موجود ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت معلوم ہے کیونکہ ان کو ہجرت اور صحبت میں سبقت حاصل ہے۔ پس ہم سے جو شخص کتاب وسنت کی صحبت اختیار کرے، اپنے

[1] اہلِ بدعت وہ لوگ ہیں جو شریعت کے مقابلے میں اپنی خواہش کو ترجیح دیتے ہیں اور یوں وہ سنت پر عمل کو ترک کر کے اس کے مقابلے میں اپنی مرضی کا عمل جاری کرتے ہیں۔ اگر عمل سنت کے خلاف نہ ہو اور اچھا ہو تو وہ درست ہے اور ان لوگوں کو اہل بدعت نہیں کہا جائے گا۔ اسلام میں نئے نئے عقائد گھڑنے والے بھی اہل بدعت ہیں جو امت کے اجماعی عقیدے کے مقابلے میں اپنی مرضی کے عقائد گھڑتے ہیں جس طرح وہابی، دیوبندی وغیرہ۔ ۱۲ ہزاروی

نفس اور مخلوق سے اجنبی رہے اور اپنے دل کے ساتھ اللہ عزوجل کی طرف ہجرت کرے وہی سچا اور سیدھے راستے پر ہے۔"

حضرت ابوالعباس احمد بن محمد دینوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کو حضرت یوسف بن حسین رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت جریری رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کا شرف حاصل تھا اور آپ عالم فاضل تھے۔ آپ "نیشاپور" تشریف لائے اور ایک عرصہ تک وہاں قیام پذیر رہے۔ آپ لوگوں کو وعظ کرتے اور معرفت کی زبان سے کلام کرتے۔ پھر آپ "سمرقند" چلے گئے اور 340 ھ کے بعد انتقال فرما گئے۔

حضرت ابوالعباس دینوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: "کم از کم ذکر یہ ہے کہ تو اس کے علاوہ سب کچھ بھول جائے اور ذکر کی انتہا یہ ہے کہ ذاکر، ذکر میں خود ذکر کو بھول جائے۔"

حضرت ابوالعباس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ظاہر کی زبان باطنی حکم کو بدل نہیں سکتی۔

آپ نے یہ بھی فرمایا: "(لوگوں نے) تصوف کے ارکان کو توڑ دیا، اس کے راستے کو مٹا دیا اور ان ناموں کے ذریعے جو ان لوگوں نے خود پیدا کیے، اس کے معانی کو بدل دیا۔ انھوں نے طمع کا نام زیادتی، سوئے ادب کا نام اخلاص، حق سے خروج کا نام شطح، مذموم چیزوں کے ساتھ لذت حاصل کرنے کا نام "طیبہ"، خواہش کی اتباع کا نام ابتلاء، دنیا کی طرف رجوع کرنے کا نام "وصل"، بُرے اخلاق کا نام صولت (دبدبہ)، بخل کا نام جلادۃ[1] (صبر و استقلال)، مانگنے کا نام عمل، بدزبانی کا نام "ملامت" رکھ لیا ہے۔ صوفیاء کا یہ طریقہ نہیں تھا۔

حضرت ابوعثمان سعید بن سلام مغربی رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنے زمانے کے یکتا انسان تھے۔ آپ سے پہلے آپ کی طرح کسی کی تعریف و توصیف نہیں کی گئی۔ آپ کو ابن کاتب رحمۃ اللہ علیہ، حبیب مغربی رحمۃ اللہ علیہ اور ابوعمرو زجاجی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت حاصل رہی اور آپ نے حضرت نہرجوری رحمۃ اللہ علیہ، ابن صائغ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر صوفیاء کرام رحمہم اللہ سے ملاقات کی۔ 373 ھ میں "نیشاپور" میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ نے وصیت فرمائی کہ آپ کی نماز جنازہ حضرت امام ابوبکر بن فُورک رحمۃ اللہ علیہ پڑھائیں۔

حضرت استاذ ابوبکر بن فورک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: "میں حضرت ابوعثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے وقت ان کے پاس تھا اور حضرت علی قوال صغیر رحمۃ اللہ علیہ کچھ کہہ رہے تھے۔ جب ان کی حالت میں تبدیلی آئی تو ہم نے حضرت علی (قوال)

[1] یہ لفظ "جلادۃ" جلد سے بنا ہے مضبوطی صبر اور برداشت کے معنی میں آتا ہے یعنی وہ مانگنے کے سوال پر ٹس سے مس نہیں ہوتا اور اس کو استقامت سمجھتا ہے، یہ قابل مذمت ہے ایک "جلادہ" قابل تعریف ہے اور وہ اعمال کی ادائیگی پر مشقت برداشت کرنا ہے (نتائج الأفكار القدسیہ، صفحہ: 19) ۱۲ہزاروی

کو خاموشی کا اشارہ کیا۔ حضرت شیخ ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی آنکھیں کھولیں اور فرمایا: حضرت علی (قوال) کیوں نہیں کچھ کہتے؟''

(فرماتے ہیں): میں نے حاضرین میں سے کسی سے کہا کہ آپ ان سے پوچھیں، غور سے سننے والا کس بنا پر سنتا ہے؟ میں اس حالت میں ان سے ڈرتا ہوں پس ان لوگوں نے پوچھا تو انھوں نے فرمایا:

''بے شک وہ سنتا ہے جہاں سے سنتا ہے'' (یعنی جہاں سے اللہ عزوجل اسے سناتا ہے)۔

آپ ریاضت میں بڑی شان کے مالک تھے۔ حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''تقویٰ حدود کے ساتھ ٹھہرنا ہے نہ ان میں کمی کرے اور نہ ان سے تجاوز کرے۔'' اور آپ نے فرمایا:

''جو شخص مجالس فقراء پر مال دار لوگوں کی صحبت کو ترجیح دیتا ہے اللہ عزوجل اسے دل کی موت میں مبتلا کرتا ہے۔''

حضرت ابوالقاسم ابراہیم بن محمد نصر اباذی رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنے وقت میں ''خراسان'' کے شیخ تھے اور آپ کو حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابو علی روذباری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مرتعش رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت حاصل رہی۔ آپ 366 ھ میں مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور وہیں 369 ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ حدیث کے عالم تھے اور بہت زیادہ احادیث روایت کرتے تھے۔

حضرت شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: میں نے حضرت نصر اباذی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے: ''جب اللہ عزوجل کی طرف سے تم پر کسی چیز کا ظہور ہو تو اس کے ساتھ جنت یا جہنم کی طرف متوجہ نہ ہو اور جب اس حالت سے واپس لوٹو تو اس چیز کو عظیم سمجھو جس کو اللہ عزوجل نے عظمت عطا فرمائی ہے۔''

اور حضرت محمد بن حسین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت نصر اباذی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ بعض لوگ عورتوں کے ساتھ مجلس اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''میں ان کے دیکھنے سے محفوظ ہوں۔''

انھوں نے فرمایا: ''جب تک جسم باقی ہیں، امر اور نہی باقی ہے اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھنے کا خطاب بھی باقی ہے اور شبہات پر وہی جرأت کرے گا جو حرام کردہ اشیاء کی طرف جاتا ہے۔''

اور حضرت محمد بن حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت نصر اباذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: تصوف کی اصل، کتاب و سنت کو اختیار کیے رکھنا، خواہشات اور بدعات کو ترک کرنا، مشائخ کی حرمتوں کی تعظیم کرنا، مخلوق کے عذروں کو دیکھنا، وظائف کی پابندی کرنا، رخصتوں اور تاویلات کے ارتکاب کو چھوڑنا ہے۔

حضرت ابوالحسن علی بن ابراہیم حصری بقری رحمۃ اللہ علیہ

آپ ''بغداد شریف'' میں رہائش پذیر رہے اور آپ عجیب حالت اور زبان والے تھے اور اپنے وقت کے شیخ تھے۔ آپ کی نسبت حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف تھی۔ آپ کا وصال 371ھ میں بغداد میں ہوا۔

حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''لوگ کہتے ہیں کہ حصری نوافل کے قائل نہیں ہیں حالانکہ میں نے جوانی کے زمانے سے جن اَوْرَاد کو اپنے اوپر لازم کر رکھا ہے اگر میں ایک رکعت بھی چھوڑ دوں تو مجھے جھڑکا جائے۔'' اور آپ نے فرمایا: ''جو شخص حقیقت میں سے کسی چیز کا دعویٰ کرے اس کو وہ شواہد جھٹلاتے ہیں جن کو دلائل نے ظاہر کیا ہے۔''

حضرت ابوعبداللہ بن احمد بن عطاء روذباری رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت شیخ ابوعلی روذباری رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے تھے۔ آپ اپنے وقت میں ''شام'' کے شیخ تھے اور (شام کے شہر) ''صُور'' میں 369ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

محمد بن حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے علی بن سعید المصیصی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے ہیں میں نے احمد بن عطا روذباری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے: میں اونٹ پر سوار تھا کہ اُونٹ کے دونوں پاؤں ریت میں دھنس گئے۔ میں نے کہا ''جل اللّٰہ'' اونٹ نے بھی کہا ''جل اللّٰہ''۔

حضرت ابوعبداللہ روذباری رحمۃ اللہ علیہ جب اپنے ساتھیوں کو اپنے ساتھ کسی آدمی کے گھر دعوت پر لے جاتے تو اگر دعوت دینے والا عام آدمی ہوتا یا وہ اہل تصوف میں سے نہ ہوتا تو فقراء کو اس کی خبر نہ کرتے تھے اور ان کو کچھ نہ کچھ کھلا دیتے۔ جب وہ فارغ ہوتے تو ان کو بتاتے اور ان کو لے کر جاتے اور چونکہ وہ اپنے وقت پر کھا چکے ہوتے تھے اس لیے کھانے کی طرف ان کا ہاتھ بہت کم بڑھتا۔

آپ یہ کام اس لیے کرتے تھے کہ کہیں لوگ اس گروہ کے بارے میں بدگمانی کا شکار نہ ہو جائیں اس طرح وہ ان کے سبب سے گناہ گار ہوں گے۔

اچھے عمل پر تعریف اور بُرے پر مذمت

کہا گیا ہے کہ ایک دن حضرت ابوعبداللہ روذباری رحمۃ اللہ علیہ فقراء کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے اور ان کے پیچھے چلنا

آپ کی عادت تھی اور وہ سب ایک دعوت پر جا رہے تھے۔ ایک سبزی فروش نے کہا "یہ لوگ (فقراء کے مال کو) حلال سمجھنے والے ہیں" پھر ان کے بارے میں زبان درازی کی اور اپنی گفتگو کے دوران کہا کہ ان میں سے ایک نے مجھ سے ایک سو (100) درہم لیا ہے اور مجھے واپس نہیں دیا اور مجھے معلوم نہیں میں اسے کہاں تلاش کروں۔

جب وہ لوگ دعوت والے گھر پہنچے تو حضرت ابوعبداللہ روذباری رحمۃ اللہ علیہ نے صاحب مکان سے جو فقراء سے محبت کرتا تھا، فرمایا: اگر تم میرے دل کا سکون چاہتے ہو تو مجھے ایک سو (100) درہم دو۔ وہ اسی وقت لے آیا۔ آپ نے اپنے ایک ساتھی سے فرمایا: یہ ایک سو (100) درہم فلاں سبزی فروش کے پاس لے جاؤ اور اس سے کہو یہ وہ سو (100) درہم ہے جو ہمارے کسی ساتھی نے تم سے قرض لیا تھا اور کسی مجبوری کے تحت ادائیگی میں تاخیر ہو گئی اور اس نے اب یہ بھیجے ہیں پس اس کا عذر قبول کرو۔

وہ شخص گیا اور اس نے ایسا ہی کیا۔ جب وہ لوگ دعوت سے واپس آئے اور سبزی فروش کی دکان سے گزرے تو سبزی فروش ان کی تعریف کرنے لگا اور کہا: "یہ قابل اعتماد، امانت دار اور نیک لوگ ہیں۔" اسی طرح کے دیگر کلمات کہے۔ (اس پر) حضرت ابوعبداللہ روذباری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "بدترین انسان وہ صوفی ہے جو بخیل ہو۔"

بزرگوں کے حالات بیان کرنے کا مقصد

استاذ امام جمال الاسلام ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اس جماعت کے شیوخ میں بعض یہ (مندرجہ بالا) حضرات ہیں (جن کا ذکر کیا گیا) اور اس جگہ ان لوگوں کے ذکر کی غرض لوگوں کو اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ یہ لوگ تعظیم شریعت پر متفق ہیں، ریاضت کے طریقے پر چلنے کی صفت سے موصوف ہیں، سنت کی اتباع پر قائم ہیں، آداب دین داری میں سے کسی ادب میں خلل نہیں ڈالتے، اس بات پر سب متفق ہیں کہ جو شخص معاملات اور مجاہدات سے خالی ہو اور اپنے طریقے کی بنیاد پرہیزگاری اور تقویٰ پر نہ رکھے وہ اپنے دعویٰ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے، وہ فتنہ میں مبتلا ہے، وہ خود بھی ہلاک ہوا اور اس نے ان لوگوں کو بھی ہلاک کیا جو دھوکے سے اس کی باطل باتوں کی طرف مائل ہوتے ہیں۔

اور اگر ہم ان کے الفاظ اور حکایات بیان کرتے اور ان کی سیرتوں کا وصف جو ان کے احوال پر دلالت کرتا ہے، بیان کرتے تو کتاب طویل ہو جاتی اور اس سے اکتاہٹ پیدا ہو جاتی اور ہم نے جس قدر بیان کر دیا ہے حصولِ مقصود کے لیے کافی ہے اور اللہ عزوجل ہی توفیق دینے والا ہے۔

اور ہم نے جن مشائخ کو پایا اور جو ہمارے ہم عصر ہیں اگرچہ ان سے ہماری ملاقات نہیں ہوئی جیسے استاذ شہید، زبانِ وقت، یکتائے زمانہ، ابوعلی حسن بن علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ اور یکتائے روزگار شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ، ابوالحسن علی بن جہضم رحمۃ اللہ علیہ مجاورِ حرم، شیخ ابوالعباس قصار رحمۃ اللہ علیہ (طبرستان)، احمد اسود رحمۃ اللہ علیہ (دینور)، ابوالقاسم صیرفی رحمۃ اللہ علیہ (نیشاپور)،

ابو سہل خشاب کبیر رحمۃ اللہ علیہ (نیشاپور)، منصور بن خلف مغربی رحمۃ اللہ علیہ، ابو سعید مالینی رحمۃ اللہ علیہ اور ابو طاہر خوزندی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مشائخ رحمۃ اللہ علیہم اللہ عزوجل ان کی ارواح کو پاک رکھے۔

اگر ہم ان کے ذکر اور ان کے احوال کی تفصیل میں مشغول ہو جاتے تو اپنے مقصود یعنی اختصار سے نکل جاتے۔ معاملات میں ان کی سیرتوں کی خوبی، ان کے احوال (کے مطالعہ) کی وجہ سے ہم پر مشتبہ نہیں ہوتی۔ ہم اِنْ شَاءَ اللّٰہ تَعَالٰی اس رسالہ (مبارکہ) میں مختلف مقامات پر ان کی حکایات بیان کریں گے۔"

فصل سوم

ان الفاظ کی تفسیر جو صوفیاء کرام کے درمیان گردش کرتے ہیں اور ان میں سے مشکل الفاظ کا بیان

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ علماء کے ہر گروہ کے نزدیک چند خاص الفاظ ہیں جن کو وہ آپس میں استعمال کرتے ہیں وہ ان کے ساتھ خاص ہیں دوسرے لوگ استعمال نہیں کرتے۔ وہ اپنی کچھ اغراض کی بنیاد پر ان پر اتفاق کرتے ہیں۔

ایسے الفاظ مخصوص کرنے کے اغراض

ان الفاظ کے ذریعے مخاطب کو سمجھانا آسان ہوتا ہے یا اس طبقہ کے لوگوں کا ان کے معانی سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

وہ لوگ اپنے درمیان یہ مخصوص الفاظ اس لیے استعمال کرتے ہیں کہ وہ ان کے معانی کو سمجھ لیں اور ان لوگوں پر وہ غیر واضح اور پوشیدہ رہیں جو طریقت میں ان سے اختلاف رکھتے ہیں تاکہ ان کے الفاظ کے معانی اجنبی لوگوں پر مبہم رہیں۔

وہ لوگ اس بات پر غیرت کرتے ہیں کہ غیر اہل لوگوں میں ان کے اسرار و رموز پھیل جائیں کیونکہ ان الفاظ کے حقائق کسی تکلف کی وجہ سے جمع نہیں کیے گئے اور نہ ہی کسی تصرف (اپنے عمل) کی وجہ سے پیدا کیے گئے ہیں بلکہ یہ معانی اللہ ﷻ نے کچھ لوگوں کے دلوں میں "القاء" کیے ہیں اور کچھ لوگوں کے سینوں کو ان کے "حقائق" کے لیے منتخب کیا ہے۔

ان الفاظ کی تشریح

ہم ان الفاظ کی تشریح کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان لوگوں کے طریقے پر چلنے اور ان کے طریقے کی اتباع کرنے والوں میں سے جو لوگ ان کے معانی سے آگاہی حاصل کرنا چاہیں ان کے لیے ان کو سمجھنا آسان ہو جائے۔

① وقت

محققین کے نزدیک "وقت" کی حقیقت یہ ہے کہ اس کا وقوع (مستقبل میں) موہوم ہے جس کے حصول کا دارومدار موجود اور ثابت شدہ واقعہ پر ہے پس ثابت شدہ واقعہ موہوم واقعہ کے لیے "وقت" کہلاتا ہے مثلاً: تم کہتے ہو:

''میں تمھارے پاس مہینے کے آغاز میں آؤں گا''، پس آنا موہوم چیز ہے اور مہینے کا شروع ثابت چیز ہے۔ پس مہینے کا آغاز، آنے کے لیے وقت ہے۔ [1]

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمہ اللہ فرماتے تھے: ''وقت وہ ہے جس میں تم موجود ہو اگر تم دنیا میں ہو تو تمھارا وقت دنیا ہے اور اگر تم عقبیٰ (آخرت) میں ہو تو تمھارا وقت عقبیٰ ہے، اگر تم خوشی میں ہو تو تمھارا وقت خوشی ہے اور اگر تم غمگین ہو تو تمھارا وقت غم ہے۔''

ان کی مراد یہ ہے کہ انسان پر جو حالت غالب ہو وہی اس کا وقت ہوتا ہے اور بعض اوقات یہ لوگ وقت سے مراد وہ زمانہ لیتے ہیں جس میں انسان موجود ہوتا ہے۔ بے شک ایک جماعت نے کہا: وقت زمانوں یعنی ماضی اور مستقبل کے درمیان ہوتا ہے۔ (یعنی زمانۂ حال کو وقت کہتے ہیں)۔

صوفی: ابن الوقت ہوتا ہے سے کیا مراد ہے؟

اور وہ فرماتے ہیں: صوفی ابن الوقت ہوتا ہے، [2] تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ ان عبادات میں مشغول ہوتا ہے جو اس وقت اس کے لیے زیادہ مناسب ہوتی ہیں اور وہ اس کے ساتھ قائم ہوتا ہے جن کا اس وقت اس سے مطالبہ کیا جاتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ فقیر کو گزرا ہوا اور آنے والا وقت پریشان نہیں کرتا بلکہ وہ اس وقت کی فکر کرتا ہے جس میں موجود ہوتا ہے۔

اسی لیے کہا گیا کہ جو کام ماضی میں نہیں ہو سکے ان (کی فکر) میں مشغول ہونا دوسرے وقت کو ضائع کرنا ہے۔

اور بعض اوقات یہ لوگ وقت سے وہ تصرفات مراد لیتے ہیں جو اللہ عزوجل کی طرف سے ان کو پیش آتے ہیں وہ نہیں جو وہ لوگ خود اپنے نفسوں کے لیے اختیار کرتے ہیں۔

''فلاں شخص وقت کے حکم کے ماتحت ہے'' سے مراد؟

فلاں شخص وقت کے حکم کے ماتحت ہے یعنی وہ اس چیز کے سامنے گردن جھکاتا ہے جو اس کے لیے غیب سے ظاہر

[1] یعنی مہینے کا آنا یقینی ہے اور آدمی کا اس کے شروع میں آنا یقینی نہیں، گویا یہ بات بتائی جارہی ہے کہ زمانہ حال تمھیں مل چکا ہے اس سے فائدہ اٹھاؤ نہ معلوم مستقبل کو پاسکو یا نہ۔ ۱۲ ہزاروی

[2] اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ماضی اور مستقبل کو نہیں دیکھتا کیونکہ ماضی گزر چکا ہے اس میں جو ہونا تھا ہو گیا البتہ اس سے سبق حاصل کرنے کے لیے اس کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے اور مستقبل کا پتہ نہیں، ملے گا یا نہیں، لہٰذا حال کی طرف توجہ ہو اور حال ہی وقت ہے لہٰذا وہ ''ابن الوقت'' کہلاتے ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

ہوتی ہے اوراس میں اس کے اختیار کا دخل نہیں ہوتا۔[1] اور یہ ان امور میں سے ہے جس میں اللہ عزوجل کی طرف سے انھیں کوئی حکم نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی شرعی حق کا تقاضا ہوتا ہے کیونکہ حکم خداوندی کو ضائع کرنا اور اسے تقدیر کے سپرد کر دینا اور (احکام شرعیہ میں) اپنی کوتاہی کی پروانہ کرنا دین سے نکلنا ہے۔[2]

اَلْوَقْتُ سَيْفٌ سے مراد؟

صوفیاء کرام کے کلام سے یہ بات بھی ہے کہ ''اَلْوَقْتُ سَيْفٌ'' (وقت ایک تلوار ہے) یعنی جس طرح تلوار کاٹتی ہے اسی طرح وقت حق کے جاری کردہ امور کی وجہ سے غالب ہوتا ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ تلوار چھونے میں نرم محسوس ہوتی ہے لیکن اس کی دھار کاٹتی ہے لہٰذا جس شخص نے اس سے نرمی کی وہ بچ گیا اور جس نے اس سے سختی کی وہ کٹ گیا۔ اسی طرح جس شخص نے وقت کے حکم کے سامنے گردن جھکا دی (حکم خداوندی پر راضی ہوا) اس نے نجات پائی اور جس نے اس سے ٹکراؤ کی راہ اختیار کی وہ جھک گیا اور گر گیا (تباہ ہو گیا)۔

انھوں نے یہ شعر پیش کیا:

وَكَالسَّيْفِ إِنْ لَايَنْتَهُ لَانَ مَسُّهُ
وَحَدَّاهُ إِنْ خَاشَنْتَهُ خَشِنَانِ

* (وقت) تلوار کی مثل ہے اگر اس سے نرمی سے پیش آؤ گے تو اس کے چھونے میں نرمی محسوس ہوگی اور اگر سختی کرو گے تو اس کی دونوں دھاروں کو سخت محسوس کرو گے۔

پس جس شخص کی وقت نے مدد کی تو وقت اسی کا ہے اور جس شخص سے وقت نے تنگی کی وقت اس کے لیے دشمنی کا باعث ہے۔[3]

وقت کے بارے میں اقوال

استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وقت ایک ریتی ہے جو تجھے گھساتا ہے، مٹاتا نہیں۔ یعنی اگر وہ تجھے مٹا دے

[1] اس سے مراد تقدیر پر راضی رہنا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[2] جب حکم شرعی ہو مثلاً: نماز کا حکم دیا گیا تو نماز نہ پڑھنا اور اسے تقدیر کے سپرد کر دینا بے دینی ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[3] یعنی جس کا وقت دینی کاموں میں گزرتا ہے اس کا وقت محمود ہے اور اگر اس کا وقت برے کاموں میں گزرے تو وہ اللہ عزوجل کی ناراضگی کا شکار ہوتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

اور فناء کر دے تو تجھے نجات حاصل ہو جائے لیکن وہ تجھ میں کمی کرتا ہے مکمل طور پر تجھے مٹاتا نہیں"[1] وہ اس حقیقت کی تائید میں یہ شعر پڑھتے تھے:

كُلُّ يَوْمٍ يَمُرُّ يَأْخُذُ بَعْضِىْ
يُوْرِثُ الْقَلْبَ حَسْرَةً ثُمَّ يَمْضِىْ

❊ ہر دن جو گزرتا ہے وہ میرا کچھ حصہ لے جاتا ہے۔ اور دل میں حسرت پیدا کر کے چلا جاتا ہے۔

وہ یہ شعر بھی پڑھتے تھے:

كَاَهْلِ النَّارِ اِنْ نَضِجَتْ جُلُوْدٌ
أُعِيْدَتْ لِلشَّقَاءِ لَهُمْ جُلُوْدٌ

❊ جہنمیوں کی طرح کہ جب ان کی کھالیں پک جائیں گی تو ان کی بدبختی کے باعث ان کو نئی کھالیں پہنائی جائیں گی۔

اسی معنٰی میں یہ شعر ہے:

لَيْسَ مَنْ مَّاتَ فَاسْتَرَاحَ بِمَيِّتٍ
إِنَّمَا الْمَيِّتُ مَيِّتُ الْأَحْيَاءِ

❊ جو شخص غیر خدا سے فنا ہو کر (دائمی مشاہدات اور مراقبات کے ذریعے) آرام پائے (حقیقت میں) وہ مردہ نہیں بلکہ وہ (ابدی زندگی کے ساتھ) زندہ ہے۔

دانا شخص وہ ہے جو اپنے وقت کے حکم کے تحت ہو۔ اگر اس کا وقت (حالت) ہوش کی حالت ہو تو وہ شریعت کو قائم کرے اور اگر اس کا وقت (اللہ کی ذات میں) محو ہونے کا وقت ہو تو اس پر حقیقت کے احکام غالب ہوں۔

② مقام

صوفیاء کی اصطلاح میں ایک لفظ "مقام" ہے اور مقام وہ آداب ہیں جن کے ذریعے بندہ کسی منزل کو حاصل کرتا ہے وہ اس تک کسی عمل کے ذریعے پہنچتا ہے اور کچھ طلب کے ساتھ یہ مقام اس کے لیے ثابت ہوتا ہے اور وہ اسے تکلیف کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ پس ہر ایک کا مقام وہ ہے جہاں وہ اس عمل کے ذریعے قائم ہے اور اس وقت وہ

[1] مٹانے سے مراد بندے کے وجود کا ذات حق میں فنا ہو جانا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

جس ریاضت کی مشق کر رہا ہے اس کی شرط یہ ہے کہ وہ جب تک ایک مقام کے احکام پورے نہ کرے دوسرے مقام کی طرف نہ جائے [1] کیونکہ جو شخص قناعت نہیں کرتا اس کے لیے توکل درست نہیں۔ اور جس کے پاس توکل نہیں اس کے لیے تسلیم درست نہیں۔ اسی طرح جو شخص توبہ نہیں کرتا اس کا اللہ ﷻ کی طرف رجوع درست نہیں اور جس کے لیے ورع نہیں اس کے لیے زہد درست نہیں۔ [2]

مقام کا معنیٰ

اور مُقام (مصدر) اقامت کے معنیٰ میں ہے، جس طرح مُدخَلْ (میم پر ضمہ) اِدْخَالْ کے معنیٰ میں اور ''مُخْرَجْ'' اِخْرَاجْ کے معنیٰ میں ہے۔

اور کسی شخص کا کسی مقام پر اترنا اسی وقت درست ہو سکتا ہے جب اسے اس بات کا مشاہدہ ہو جائے کہ اللہ ﷻ نے اسے اس مقام پر کھڑا کیا ہے تاکہ اس کی حالت صحیح قاعدہ پر قائم ہو۔

حضرت ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: جب حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ نیشاپور میں داخل ہوئے تو انھوں نے حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین سے پوچھا: ''تمھارے شیخ تمھیں کس بات کا حکم دیتے تھے؟''

انھوں نے کہا: ''وہ ہمیں عبادت کو لازم پکڑنے اور یہ خیال کرنے کا حکم دیتے کہ ہم سے عبادت میں کوتاہی ہو رہی ہے۔''

انھوں نے فرمایا: وہ تمھیں خالص مجوسیت کا حکم دیتے ہیں۔ [3] کیا وہ تمھیں اس بات کا حکم نہیں دیتے کہ تم اپنے نفسوں کو نہ دیکھو بلکہ اس کو پیدا کرنے اور جاری کرنے والے کو دیکھو۔

اس بات سے حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ تھا کہ وہ خود پسندی سے بچیں، یہ مقصد نہیں تھا کہ وہ کوتاہی کی منازل میں ہی رہیں نہ یہ مقصد تھا کہ کسی ادب میں خلل انداز ہوں۔

③ حال

ایک قوم کے نزدیک یہ ایک کیفیت ہے ''جو کسی ارادے کے بغیر دل پر وارد ہوتی ہے اور اس میں ان کی کوشش کا

---

[1] کیونکہ زیادہ بلند مقام میں مشغولیت سے وہ موجودہ مقام سے بے خبر ہو جائے گا۔ ۱۲ ہزاروی

[2] زہد اور ورع کا فرق یہ ہے کہ شبہات سے بچنے کا نام ورع ہے۔ جب دنیا سے بے رغبتی اختیار کی جائے تو یہ زہد ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[3] مجوسی نور اور اندھیرے کی پوجا کرتے ہیں۔ وہ خیر کو نور سے اور شر کو اندھیرے سے (پیدا ہونے والا) مانتے ہیں، اس طرح وہ اللہ ﷻ کے ساتھ کئی فاعل (خالق) مانتے ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

داخل نہیں ہوتا'' مثلاً: طرب (خوشی)، غم، بسط، قبض، شوق، بے قراری، ہیبت اور احتیاج۔ احوال وہبی ہوتے ہیں اور مقامات کسبی۔ احوال، خداوندی کرم سے (کسی کوشش کے بغیر) حاصل ہوتے ہیں جب کہ مقامات میں محنت اور مشقت ہوتی ہے۔ صاحبِ مقام اپنے مقام میں ٹھہرا رہتا ہے جب کہ صاحب حال اپنی حالت سے ترقی کرتا ہے۔

حال کے بارے اقوال

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے عارف کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''یہاں تھا مگر ابھی چلا گیا۔''
بعض مشائخ فرماتے ہیں: ''احوال بجلی کی چمک کی طرح ہیں اگر باقی رہیں تو وہ نفس کی باتیں ہیں۔''
انھوں نے فرمایا: احوال اپنے نام کی طرح ہیں یعنی جس طرح وہ دل میں (اچانک) آتے ہیں اسی طرح (فوراً) زائل ہوجاتے ہیں۔ انھوں نے یہ شعر پڑھا:

لَوْلَمْ تَحُلْ مَا سُمِّيَتْ حَالًا
وَكُلُّ مَا حَالَ فَقَدْ زَالَا
أُنْظُرْ إِلَى الْفَيْءِ إِذَا مَا إِنْتَهٰى
يَأْخُذُ فِي النَّقْصِ إِذَا طَالَا

* اگر وہ نہ بدلتا (یا اچانک نہ آتا) تو اسے حال نہ کہتے پس جو چیز بدلتی ہے وہ زائل ہوجاتی ہے۔ سائے کو دیکھیں جب وہ انتہا کو پہنچتا ہے تو طویل ہونے کے بعد کم ہونا شروع ہوتا ہے۔

بعض حضرات نے احوال کے باقی رہنے اور دوام کی طرف اشارہ کیا ہے اور انھوں نے کہا کہ اگر یہ دائمی اور مسلسل نہ ہو تو اسے ''لوائح'' [1] اور ''بوادہ'' کہا جاتا ہے۔ اور ایسی حالت والا شخص ابھی تک احوال تک نہیں پہنچا جب یہ صفت دائمی (قائم رہنے والی) ہوجائے تو اسے ''حال'' کہا جاتا ہے۔ [2]

حضرت ابوعثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''چالیس (40) سال سے مجھے اللہ تعالیٰ نے جس حالت میں رکھا ہے میں اسے ناپسند نہیں کرتا۔'' ان کا اشارہ ہمیشہ راضی رہنے کی طرف ہے اور رضا بھی احوال میں سے ہے۔ اس سلسلے میں

---

[1] لوائح، طوالع اور لوامع راہ سلوک کے مسافروں کے ابتدائی احوال ہیں اور یہ درحقیقت انوار ہیں جو قوت وضعف میں مختلف ہیں۔ لوائح سے لوامع زیادہ قوی ہے اور اس سے طوالع زیادہ قوی ہے۔ بوادہ وہ کیفیت ہے جو اچانک دل پر وارد ہوتی ہے یا تو وہ خوشی کا باعث ہوتی ہے یا غم کا سبب (نتائج الافکار القدسیہ، جلد 2، صفحہ: 129)۔ ۱۲ ہزاروی

[2] حال کا معنی حلول کرنے والی چیز یعنی دل میں ان کا آجانا۔ اس طرف اشارہ کیا کہ وہ اچانک آتے ہیں اور اچانک چلے جاتے ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

واجب یہ ہے کہ کہا جائے جن لوگوں نے حال کے باقی رہنے کا قول کیا ہے تو یہ صحیح بات ہے کیونکہ بعض اوقات ایک صفت کسی شخص کا مشرب (مذہب) بن جاتی ہے اور وہ اسی صفت میں پروان چڑھتا ہے۔

مگر ایسے شخص کے دیگر احوال بھی ہوتے ہیں جو اسے وقتی طور پر پیش آتے ہیں، دائمی نہیں ہوتے اور وہ ان احوال پر فوقیت رکھتے ہیں جو اس کا مشرب بن چکے ہیں اور جب یہ عارضی احوال دائمی بن جاتے ہیں جس طرح پہلے احوال دائمی تھے تو وہ دیگر احوال کی طرف ترقی کرتا ہے جو ان سے ارفع اور زیادہ لطیف ہوتے ہیں پس وہ ہمیشہ ترقی پذیر رہتا ہے۔

حدیث ''لَيُغَانُ [1] عَلٰى قَلْبِىْ'' کا مطلب

استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کا معنیٰ یوں بیان کرتے ہیں:

((إِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِىْ حَتّٰى أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ تَعَالٰى فِى الْيَوْمِ سَبْعِيْنَ مَرَّةً))

''بے شک میرے دل پر پردہ آجاتا ہے حتیٰ کہ میں اللہ عزوجل سے ستر (70) بار مغفرت طلب کرتا ہوں۔'' [2]

وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے احوال میں ہمیشہ ترقی کی حالت میں رہتے تھے۔ جب آپ پہلی حالت سے اس دوسری حالت کی طرف ترقی کرتے جو پہلی حالت سے اعلیٰ ہوتی تو بعض اوقات آپ کی نگاہ اس حالت پر پڑتی جس سے ترقی کر رہے ہوتے۔ آپ اس کو دوسری حالت کی نسبت سے ''غین'' (پردہ) شمار کرتے۔ پس آپ کے احوال ترقی پذیر ہیں۔

اللہ عزوجل تک پہنچنا محال ہے

اور جب اللہ عزوجل کے الطاف و اکرام کی کوئی انتہا نہیں تو اللہ عزوجل کا حق یہ ہے کہ ہم اس تک نہ پہنچ سکیں اور اس تک پہنچنا یقیناً محال ہے لہٰذا بندہ ہمیشہ اپنے احوال میں ترقی پذیر رہتا ہے پس وہ جس کیفیت تک پہنچتا ہے اس سے اوپر والے مقام تک پہنچانا بھی اس کی قدرت میں ہے اور وہ اس بات پر قادر ہے۔

---

[1] یغان ڈھانپنے کا معنی دیتا ہے۔ علماء فرماتے ہیں اس بات کا احتمال ہے کہ بعض اوقات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر انوار حقیقت کا غلبہ ہوتا اور اپنی ذات سے بھی فنا کے مقام میں چلے جاتے پھر اللہ عزوجل آپ کو حالت احساس کی طرف لوٹاتا تاکہ احکام شریعت کی تبلیغ فرمائیں تو آپ استغفار کرتے کہ اللہ عزوجل آپ کو اس حالت کی بجائے احساس کی حالت میں رکھے تاکہ تبلیغ کا فریضہ انجام دیں اور احکام کی ادائیگی ہو سکے۔ واللہ اعلم بالصواب (نتائج الافکار القدسیہ، جلد 2، صفحہ: 50)۔ ۱۲ہزاروی

[2] مسند امام لحمد بن حنبل، رقم الحدیث: 17849,17850، مطبوعہ بیروت، (نوٹ اس میں لفظ ''سبعین'' کی جگہ ''مئة'' مذکور ہے)

ان صوفیاء کے اس قول کو کہ (حَسَنَاتُ الْأَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ)[1] ''نیکوکار لوگوں کی نیکیاں مقربین کے گناہ ہیں۔'' اِسی معنی پر محمول کیا جاتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے یہ شعر پڑھا:

طَوَارِقُ أَنْوَارٍ تَلُوْحُ إِذَا بَدَتْ

فَتُظْهِرُ كِتْمَانًا وَّتُخْبِرُ عَنْ جَمْعٍ

* یہ طاری ہونے والے انوار جب ظاہر ہوتے ہیں تو چمکتے ہیں۔ پھر وہ رازوں کی صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں اور جمع کی خبر دیتے ہیں۔[2]

⑤-④) قبض و بسط

یہ دو حالتیں ہیں جب بندہ خوف اور امید سے ترقی کرتا ہے تو اسے حاصل ہوتی ہیں۔ پس عارف کے لیے قبض اس طرح ہے جس طرح ابتدائی درجہ والے (سالک) کے لیے خوف ہوتا ہے اور بسط عارف کے لیے اس طرح ہے جیسے مبتدی کے لیے امید ہوتی ہے۔

قبض و خوف اور بسط و رجاء میں فرق

قبض اور خوف کے درمیان اور بسط اور رجاء (امید) کے درمیان امتیاز یہ ہے کہ ''خوف'' مستقبل میں کسی چیز سے ہوتا ہے یا تو محبوب کے ہاتھوں سے نکل جانے کی وجہ سے یا ممنوع چیز کے وقوع کا خوف ہوتا ہے۔

اسی طرح ''رجاء'' بھی مستقبل میں کسی محبوب چیز کی اُمید سے وابستہ ہے یا یہ امید ہوتی ہے کہ کوئی بری چیز زائل ہو جائے گی اور کسی ناپسندیدہ چیز سے اسے بچایا جائے گا۔

مگر ''قبض'' وہ ہے جو اس وقت موجود ہے اور ''بسط'' کا بھی یہی معاملہ ہے پس خوف و رجاء والے شخص کے دل کا تعلق دونوں حالتوں میں مستقبل سے ہوتا ہے اور قبض و بسط والا شخص اپنے وقت کو اس حالت میں پاتا ہے جو موجودہ وقت

[1] ''حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ'' سے مراد نیک لوگوں کے ابتدائی درجات ہیں اور وہ مقربین کے درجہ سے کم ہیں۔ اس سے ان کو مقربین کی ''سیئات'' قرار دیا۔ (نتائج الافکار، جلد:2، صفحہ:52)، ۱۲ ہزاروی

[2] پہلے مقام (طوارق) سے مقام ابرار کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے (یعنی جمع) سے مقربین کے مقام کی طرف اشارہ ہے۔ (ایضاً، صفحہ:52)، ۱۲ ہزاروی

میں اس پر غالب ہوتی ہے۔

پھر جس طرح ان کے احوال میں فرق ہوتا ہے اسی حساب سے قبض وبسط میں ان کے اوصاف کی درجہ بندی ہوتی ہے۔ پس بعض حالات میں قبض کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اس میں دوسری باتوں کی گنجائش باقی رہتی ہے کیونکہ وہ پوری طرح حاصل نہیں ہوتی اور بعض اوقات قبض کی حالت میں کسی اور حالت کی گنجائش باقی نہیں رہتی کیونکہ وہ اس حالت میں مکمل طور پر اس وارد ہونے والے حال میں گرفتار ہوتا ہے۔

جس طرح بعض حضرات نے کہا: ''أَنَا رَدَمٌ'' (میں حالت قبض میں مکمل طور پر لے لیا گیا ہوں) یعنی مجھ میں کوئی گنجائش نہیں اسی طرح جو حالت بسط میں ہوتا ہے تو بعض اوقات اس میں ایسا بسط ہوتا ہے جس میں مخلوق سما سکتی ہے پس وہ اشیاء کی کثرت سے وحشت زدہ نہیں ہوتا اور کبھی ایسا بسط ہوتا ہے کہ اس میں دیگر احوال میں سے کوئی حال اثر انداز نہیں ہوتا۔

بیٹے کے حال کی خبر نہیں

حضرت استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ایک شخص حضرت ابوبکر قحطبی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس داخل ہوا اور ان کا ایک بیٹا تھا جو دوسرے نوجوانوں کی طرح بے ہودگیوں میں مبتلا تھا۔ جب اس شخص کا گزران کے اس بیٹے سے ہوا تو وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بے ہودگی میں مشغول تھا۔ (یہ دیکھ کر) اس شخص کا دل پسیج گیا اور وہ حضرت قحطبی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے غم زدہ ہو گیا اور کہنے لگا یہ شیخ مسکین عاجز ہیں۔ کس طرح اس بیٹے کو برداشت کرنے کی آزمائش میں ہیں۔

جب وہ حضرت قحطبی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس داخل ہوا تو ان کو یوں پایا کہ گویا ان کو اپنے بیٹے کے لہو ولعب کا علم ہی نہیں۔ اسے ان پر تعجب ہوا اور کہنے لگا اس شخص پر قربان جاؤں جس پر پہاڑ کا اثر بھی نہیں ہوتا۔

حضرت قحطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''ہم لوگ ازل سے اشیاء کی غلامی سے آزاد ہو چکے ہیں۔''

قبض وبسط کا سبب

قبض کا ادنیٰ سبب یہ ہے کہ اس (صوفی) کے دل پر ایک کیفیت طاری ہوتی ہے جس کی وجہ سے یہ عتاب کا اشارہ یا اس بات کا رمز ہوتا ہے کہ یہ شخص سزا کا مستحق ہے پس دل میں لامحالہ صفت قبض حاصل ہوتی ہے اور بعض اوقات اس وارد ہونے والی کیفیت کا سبب یہ ہوتا ہے کہ اسے قربِ خداوندی حاصل ہو رہا ہے یا کسی بات پر لطف وکرم اور مبارک باد کا اشارہ ہوتا ہے۔ پس اس کے دل کو صفت بسط حاصل ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص کا قبض اس کو حاصل بسط کی نسبت سے اور بسط اس کو حاصل قبض کی نسبت سے ہوتا ہے۔

اسبابِ خفیہ

بعض اوقات صاحبِ قبض پر اس کے قبض کا سبب خفی ہوتا ہے۔ وہ اپنے دل میں قبض پاتا ہے لیکن وہ اس کے سبب کا علم نہیں رکھتا۔ ایسے شخص کے لیے ایک ہی راستہ ہے کہ وہ تسلیم کرے حتیٰ کہ یہ وقت گزر جائے کیونکہ اگر وہ اس کی نفی کا تکلف کرے گا یا اپنے اختیار سے وقت سے پہلے اس کا استقبال کرے گا تو اس کے قبض میں اضافہ ہوگا۔ اور ممکن ہے اس کا یہ عمل بے ادبی شمار ہو۔ اور اگر حکم وقت کے سامنے سرنگوں ہو جائے گا تو عنقریب قبض زائل ہو جائے گا۔ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۠﴾

''قبض وبسط کا خالق اللہ عزوجل ہے۔''[1]

کسی پر اچانک بسط وارد ہوتا ہے جس سے ''صاحب بسط'' جھومنے لگتا ہے لیکن اسے اس کا سبب معلوم نہیں ہوتا۔ ایسے شخص کو سکون اختیار کرنا اور ادب کا خیال رکھنا چاہئے کیونکہ اس وقت اس کے لیے سخت خطرہ ہوتا ہے لہٰذا اس شخص کو خفیہ تدبیر سے بچنا چاہئے۔[2] کسی صوفی نے اسی طرح کہا کہ مجھ پر بسط کا دروازہ کھل گیا تو میں بہت پھیل گیا اور اپنے مقام سے پردے میں ہو گیا۔ اسی لیے ان حضرات نے کہا کہ:

(قِفْ عَلَى الْبِسَاطِ وَاِيَّاكَ وَالْاِنْبِسَاطَ)

''اپنی بساط پر کھڑے رہو اور انبساط سے بچتے رہو یعنی اس سے متاثر ہو کر اپنے آپ سے باہر نہ ہو جاؤ۔''

اہل تحقیق نے ان دونوں حالتوں یعنی ''قبض وبسط'' کو ان تمام امور میں سے قرار دیا جن سے وہ پناہ مانگتے ہیں کیونکہ یہ دونوں حالتیں، اوپر والی حالت (مثلاً حریت) کے مقابلے میں بندے کی ہلاکت کا باعث ہیں اور صوفی کا اس میں پڑنا درحقیقت محتاجی اور ضرر ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: اللہ عزوجل سے ڈرنا میرے قبض کا سبب بنتا ہے اور اس سے امید میرے لیے بسط کا باعث ہے اور حقیقت مجھے جمع رکھتی ہے، حق مجھے جدا کر دیتا ہے جب وہ مجھے خوف کے ذریعے قبض سے موصوف کرتا ہے تو مجھے خود مجھ سے فنا کر دیتا ہے اور جب امید کے ذریعے مجھے بسط عطا کرتا ہے تو مجھے میری طرف لوٹا دیتا ہے۔

[1] پارہ 2، البقرہ 245.

[2] یعنی جب دل میں خوشی اور کشادگی (بسط) پیدا ہو تو اللہ عزوجل سے غافل نہ ہو جائے کیونکہ ایسی حالت میں غفلت کا خطرہ ہو جاتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

اور جب حقیقت [1] کے ذریعے مجھے جمع رکھتا ہے تو مجھے حاضر کر دیتا ہے اور جب حق کے ذریعے مجھے جدا کرتا ہے تو کسی اور کو میرے پاس حاضر کر دیتا ہے پس وہ مجھے اس سے چھپا دیتا ہے۔ پس ان تمام امور میں اللہ ﷻ میرا محرّک ہے وہ مجھے روکنے والا نہیں، وہ خوفزدہ کرنے والا ہوتا ہے، (ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل کرتا ہے) مُونس نہیں ہوتا لہٰذا جب میں حاضر ہوتا ہوں تو اپنے وجود کا مزہ چکھتا ہوں۔ کاش وہ مجھے اپنی ذات سے فنا کر کے نفع عطا کرتا اور کاش وہ مجھے مجھ سے غائب کر کے راحت عطا کرتا۔

⑥-⑦) هَيْبَتْ اور اُنْس

صوفیاء کرام کی اصطلاحات میں سے ہیبت اور اُنس بھی ہے اور یہ دونوں قبض اور بسط سے اوپر ہیں پس جس طرح قبض کا رتبہ خوف سے اوپر ہے اور بسط کی منزل رجاء (امید) سے اوپر ہے اسی طرح ہیبت، قبض سے اعلیٰ اور اُنس، بسط سے زیادہ کامل ہے۔

ہیبت واُنس کا تقاضا

ہیبت کا تقاضا یہ ہے کہ ہیبت والا ماسوا سے غائب ہوتا ہے پس ہر ہیبت والا زیادہ غائب ہوتا ہے۔ پھر ہیبت والے غَيْبَت (پوشیدگی) کے تفاوت کے حساب سے مختلف درجاتِ ہیبت کے حامل ہوتے ہیں۔ چنانچہ بعض کی غَيْبَتْ دیرپا ہوتی ہے اور بعض کی غَيْبَتْ کا عرصہ کم ہوتا ہے۔ اور اُنس کا تقاضا یہ ہے کہ صاحبِ اُنس حقیقی صحو (ہوش) کی کیفیت میں ہو لہٰذا ہر صاحبِ اُنس ہوش کی حالت میں ہوگا پھر جس مقدار سے وہ اس حالت کو نوش کرتے ہیں اس کے حساب سے ان کے درجات میں فرق ہوتا ہے (صحو کا معنیٰ ہوش ہے)۔ اسی لیے ان حضرات نے فرمایا کہ اُن کا ادنیٰ محل یہ ہے کہ اگر اس کو بھڑکتی آگ میں ڈالا جائے تو اس کی کیفیتِ اُنس میں کوئی خرابی پیدا نہ ہوگی۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: (يَبْلُغُ الْعَبْدُ إِلىٰ حَدٍّ لَوْضُرِبَ وَجْهُهٗ بِالسَّيْفِ لَمْ يَشْعُرْ) ”بندہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اگر اس کے چہرے پر تلوار ماری جائے تو اسے پتہ نہیں چلتا۔“

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی حالت

حضرت ابو مقاتل عکی رحمۃ اللہ علیہ سے حکایت کی گئی ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا اور وہ موچنے کے ساتھ اپنے ابروؤں سے بال اُکھیڑ رہے تھے۔ میں نے کہا اے میرے آقا! آپ اپنی ذات کے ساتھ یہ کام

[1] حقیقت سے مراد دل پر ذکر الٰہی کا غلبہ ہے کہ آدمی اس میں مشغول ہو کر غیر سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ (نتائج الافکار، جلد 2، صفحہ: 59)، ۱۲، ہزاروی

کر رہے ہیں اور اس کی تکلیف میرے دل پر پہنچ رہی ہے۔ اُنھوں نے فرمایا:

ارے میرے لیے حقیقت ظاہر ہو رہی ہے اور مجھے اس کی طاقت نہیں۔ بات یہی ہے بس میں اپنے آپ کو تکلیف دیتا ہوں شاید مجھے محسوس ہو جائے اور حقیقت مجھ سے چھپ جائے پس مجھے تکلیف محسوس نہیں ہوتی اور نہ حقیقت مجھ سے چھپتی ہے اور مجھ میں اس کی طاقت بھی نہیں۔

ہیبت وانس اور حالت نقص

ہیبت اور اُنس کی حالت اگرچہ بڑی ہو اہل حقیقت ان کو نقص شمار کرتے ہیں کیونکہ ان دونوں سے بندے میں تبدیلی واقع ہوتی ہے کیونکہ اہل تمکین لوگوں کی حالت تغیر وتبدل سے بالاتر ہوتی ہے کیونکہ وہ عین کے وجود میں محو ہوتے ہیں (یعنی اللہ عزوجل کی ذات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں) لہٰذا نہ تو ان کے لیے ہیبت ہوتی ہے نہ اُنس، نہ علم اور احساس۔

حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت مشہور ہے انھوں نے فرمایا: میں ایک دفعہ جنگل میں راستہ بھول گیا پس میں کہتا تھا:

أَتِيْهُ فَلَا أَدْرِىْ مِنَ التِّيْهِ مَنْ أَنَا
سِوٰى مَا يَقُوْلُ النَّاسُ فِيَّ وَفِىْ جِنْسِىْ
أَتِيْهُ عَلٰى جِنِّ الْبِلَادِ وَإِنْسِهَا
فَإِنْ لَمْ أَجِدْ شَخْصًا أَتِيْهُ عَلٰى نَفْسِىْ

* میں حیران پریشان پھر رہا ہوں اور اس حیرانگی کی وجہ سے مجھے معلوم نہیں کہ میں کون ہوں۔ صرف یہ جانتا ہوں کہ لوگ میرے اور میری جنس کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔
* میں دنیا کے جنوں اور انسانوں کی طرف متوجہ نہیں ہوں اور اگر کسی اور شخص کو نہیں پایا تو اپنے نفس کی طرف بھی متوجہ نہیں ہوتا۔

أَيَا مَنْ يَّرَى الْأَسْبَابَ اَعْلٰى وُجُوْدِهٖ
وَيَفْرَحُ بِالتِّيْهِ الدَّنِىْ وَ بِالْأُنْسِ
فَلَوْ كُنْتَ مِنْ أَهْلِ الْوُجُوْدِ حَقِيْقَةً
لَغِبْتَ عَنِ الْأَكْوَانِ وَالْعَرْشِ والْكُرْسِىْ

وَكُنْتَ بِلَا حَالٍ مَعَ اللّٰهِ وَاقِفًا
تُصَانُ عَنِ التَّذْكَارِ لِلْجِنِّ وَالْإِنْسِ

* سنو! تم اسباب کو اپنے وجود کا بلند ترین درجہ خیال کرتے ہو اور تم ادنیٰ ہیبت اور ادنیٰ اُنس پر خوش ہوتے ہو۔
* اگر تم حقیقت میں اہل وجود میں سے ہوتے تو تمام کائنات، عرش اور کرسی سے غائب ہو جاتے۔
* تم کسی حالت کے بغیر اللہ عزوجل کے ساتھ کھڑے رہتے ہو اور جن وانس کی یاد سے بچتے ہو۔

بندہ اس حالت سے وجود کے ساتھ ترقی کرتا ہے۔

⑧-⑨-⑩) تواجد، وجد اور وجود [1]

''تواجد'' اپنے اختیار سے وجد کو لانے کا نام ہے اور ایسے شخص کا وجد کامل نہیں ہوتا کیونکہ اگر یہ کامل ہوتا تو ''واجد'' کہلاتا (''مُتَوَاجِدْ'' نہ کہلاتا) ''باب تَفَاعُلْ'' (جیسے ''تَوَاجُدْ'') اکثر کسی صفت کو (بتکلف) ظاہر کرنے کے لیے آتا ہے حالانکہ وہ ایسا ہوتا نہیں۔ شاعر نے کہا:

إِذَا تَخَازَرْتُ وَمَابِىْ مِنْ خَزَرْ
ثُمَّ كَسَرْتُ الْعَيْنَ مِنْ غَيْرِ مَاعَوْرِ

* میں بناوٹ کے طور پر آنکھ کو تنگ کرتا ہوں حالانکہ میری آنکھیں چھوٹی نہیں ہیں۔ پھر آنکھ کو بند کر لیتا ہوں حالانکہ کانا بھی نہیں ہوں۔

ایک قوم نے کہا کہ ''تواجد'' اپنے صاحب کے لیے مسلّم نہیں کیونکہ اس میں تکلف ہوتا ہے اور تحقیق سے بعید ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا یہ مجرّد فقراء کے لیے مسلّم ہے وہ جوان کیفیات کو پانے کی تلاش میں رہتے ہیں ان کی دلیل رسول اکرم ﷺ کی یہ حدیث ہے۔ (آپ ﷺ نے فرمایا):

((اِبْكُوْا فَاِنْ لَّمْ تَبْكُوْا فَتَبَاكَوْا))

''روؤ پس اگر رونہ سکو تو رونے والی شکل بناؤ۔'' [2]

---

[1] وجد کو تکلف سے حاصل کرنے کی کوشش کرنا تواجد ہے اور وجد دل پر غلبہ کا نام ہے اور وجود اس کیفیت کا دل میں پایا جانا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[2] سنن ابن ماجه، كتاب الذهد، باب الحزن و البكاء، رقم الحديث: 4196.

حکایتِ ابو جریری رحمۃ اللہ علیہ

اور حضرت ابو محمد جریری رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت مشہور ہے انھوں نے فرمایا: میں، حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھا اور ان کے پاس حضرت ابن مسروق رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر حضرات رحمہم اللہ بھی تھے اور وہاں قوّال بھی تھا (جو قوالی کر رہا تھا)۔ حضرت ابن مسروق رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے حضرات کھڑے ہو گئے اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے رہے۔ میں نے پوچھا اے میرے آقا! آپ کو سماع سے کوئی لطف نہیں آیا؟

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ آیت پڑھی:

﴿وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ۝﴾

''اور تو دیکھے گا پہاڑوں کو خیال کرے گا کہ وہ جمے ہوئے ہیں اور وہ چلتے ہوں گے بادل کی چال یہ کام ہے اللہ کا جس نے حکمت سے بنائی ہر چیز بے شک اسے خبر ہے تمھارے کاموں کی۔''[1]

پھر فرمایا: اے ابو محمد! تمھیں اس سماع سے کیا لطف آیا؟

میں نے کہا اے میرے آقا! جب میں کسی ایسی جگہ جاؤں جہاں مجلس سماع قائم ہو اور کوئی قابل تعظیم شخصیت ہو تو میں اپنے نفس کو وجد سے روک لیتا ہوں اور جب میں تنہا ہوں تو اپنے وجد کو چھوڑ دیتا ہوں اور تکلفاً وجد کی حالت پیدا کر لیتا ہوں۔

اس حکایت میں انھوں نے ''تَوَاجُدْ'' کا لفظ استعمال کیا اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ان پر اعتراض نہیں کیا۔

استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: جب حضرت ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ نے سماع کی حالت میں اکابر کے ادب کو پیش نظر رکھا تو اللہ عزوجل نے ان کے ادب کی برکت سے ان کے ''وقت'' کو محفوظ رکھا حتیٰ کہ انھوں نے کہا میں اپنے نفس پر اپنے وجد کو روک لیتا ہوں اور جب خلوت میں ہوتا ہوں تو وجد کو چھوڑ دیتا ہوں اور بناوٹی وجد (تواجد) پیدا ہو جاتا ہے اس لیے کہ جب وقت اور اس کا غلبہ گزر جائے تو اپنی مرضی سے وجد کو چھوڑنا ممکن نہیں۔

لیکن جب وہ مشائخ کی عزت و احترام میں صادق تھے تو اللہ عزوجل نے ان کے وقت کی حفاظت فرمائی حتیٰ کہ انھوں نے خلوت کی رعایت کرنے کے وقت وجد کو چھوڑ دیا۔ پس ''تواجد'' اس صفت پر جس کا ذکر ہو ''وجد'' کی ابتداء ہے اور اس کے بعد وہ ''وجد'' ہو جاتا ہے اور وجد یہ ہے کہ کیفیت تمھارے دل پر کسی ارادے اور تکلف کے بغیر جاری ہو۔

[1] پارہ 20، النمل 88، ترجمہ کنزالایمان، اس آیت کریمہ کو پڑھ کر انھوں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ ان میں کمال درجہ کا وجد پایا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے حال کی حفاظت کی طاقت رکھتے ہیں۔ (نتائج الافکار، جلد 2، صفحہ: 70) ۱۲ہزاروی

اسی لیے مشائخ نے فرمایا:

وجد کیا ہے؟

''وجد وہ کیفیت ہے جو اتفاقاً طاری ہو اور یہ کیفیت اَوْرَاد و وظائف کا نتیجہ ہے۔ پس جس شخص کے وظائف زیادہ ہوں گے اس پر اللہ ﷻ کی عنایات بھی زیادہ ہوں گی۔''

استاذ حضرت ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: وارداتِ صوفیاء، اوراد کے مطابق ہوتی ہیں پس جس کا ظاہر میں کوئی ورد نہیں اس کے باطن میں کوئی اثر نہیں۔ اور جس وجد میں خود انسان کا اپنا دخل ہو وہ وجد نہیں پس جس طرح انسان کو عبادات میں ظاہری محنت و کاوش کی وجہ سے لذت حاصل ہوتی ہے اسی طرح آدمی اپنے باطنی احوال سے جو اس پر نازل ہوتے ہیں، وجد محسوس کرتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ عبادت کی مٹھاس معاملات کے پھل ہیں اور وجد ربانی عنایات کا پھل ہے۔

وجود کیا ہے؟

وجد سے ترقی کے بعد ''وجود'' کا درجہ ہے اور وجودِ حق، فنائے بشریت کے بعد ہوتا ہے کیونکہ سلطان حقیقت [1] کے ظہور کے بعد بشریت باقی نہیں رہتی۔

حضرت ابوالحسین نوری رحمۃ اللہ علیہ کے درج ذیل قول کا یہی معنٰی ہے انھوں نے فرمایا:

(أَنَا مُنْذُ عِشْرِيْنَ سَنَةً بَيْنَ الْوَجْدِ وَالْفَقْدِ)

''میں بیس (20) سال سے وجد (پانے) اور فقد (گم) ہونے کے درمیان ہوں۔''

یعنی جب اپنے رب کو پاتا ہوں تو دل کو گم پاتا ہوں اور جب اپنے دل کو پاتا ہوں تو رب کو کھو دیتا ہوں۔

اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کا بھی یہی مطلب ہے وہ فرماتے ہیں:

(عِلْمُ التَّوْحِيْدِ مُبَايِنٌ لِوُجُوْدِهٖ وَوُجُوْدُهٗ مُبَايِنٌ لِعِلْمِهٖ)

''علم توحید وجود توحید سے مختلف ہے اور وجود توحید اس کے علم سے مختلف ہے۔'' [2]

اسی سلسلے میں یہ شعر کہا گیا:

---

[1] سلطان حقیقت سے مراد حق تعالٰی کی ذات میں مشغول ہونا ہے۔ (نتائج الأفکار، جلد 2، صفحہ: 70)، ۱۲ ہزاروی

[2] یعنی بندہ استدلال اور آثار کے ذریعے توحید کا عالم ہوتا ہے لیکن اس کو پانے والا (واجد) نہیں ہوتا کیونکہ جب توحید پائی جائے تو بندے کو اپنے نفس کا احساس ہی باقی نہیں رہتا اس کا علم اور استدلال تو درکنار۔ (نتائج الأفکار، جلد 2، صفحہ: 73،74)، ۱۲ ہزاروی

وُجُوْدِی أَنْ أَغِیْبَ عَنِ الْوُجُوْدِ
بِمَا یَبْدُوْ عَلَیَّ مِنَ الشُّهُوْدِ

* میرا وجود (یعنی میرے دل پر ادراک حق کا غلبہ) اس وقت ہوگا جب میں مخلوق سے غائب ہوں گا اور مجھ پر شہود کا ظہور ہوگا۔ (یعنی وجود اور وجد پایا جائے)

پس تواجد، آغاز ہے اور وجود انتہا اور وجد، ابتدا اور انتہا کے درمیان واسطہ ہے۔

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''تواجد میں کامل بندگی کا پایا جانا لازمی ہے۔ وجد بندے کو مستغرق رکھتا ہے اور وجود میں بندے کی ہلاکت ہوتی ہے۔''

پس وہ اس شخص کی طرح ہوتا ہے جو سمندر کے کنارے آئے پھر اس میں سوار ہو اور سمندر میں غرق ہو جائے۔ اور اس کی ترتیب یوں ہے کہ پہلے ''قصود''، پھر ''ورود''، اس کے بعد ''شہود''، پھر ''جمود'' اور اس کے بعد ''خمود'' ہے اور خمود اسی قدر ہوگا جس قدر وجود ہوگا۔ وجود والے انسان کے لیے صحو اور محو دونوں ہوتے ہیں اس کے صحو کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ حق کے ساتھ باقی ہوتا ہے اور اس کے محو کی حالت یہ ہے کہ وہ حق کے ساتھ فنا ہوتا ہے۔ اور صوفی پر یہ دونوں حالتیں آگے پیچھے آتی رہتی ہیں جب اس پر حق کے ساتھ صحو (ہوش) غالب ہو تو وہ اسی (حق) کے ذریعے حملہ کرتا اور گفتگو کرتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ کی طرف سے خبر دی (یعنی اللہ عزوجل فرماتا ہے):

(فَبِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یَبْصُرُ) ''وہ (ولی) میرے ذریعے سنتا ہے اور میرے ذریعے دیکھتا ہے۔''[1]

حضرت منصور بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ایک شخص نے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ میں کھڑے ہو کر سوال کیا کہ کیا وجد والوں پر صحت وجود کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا: ہاں! یہ ایک نور ہے جو اشتیاق کی آگ کے ساتھ مل کر چمکتا ہے اور اس کے آثار جسموں پر چمکتے ہیں جس طرح (عبداللہ بن محمد) ابن المعتز رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وَأَمْطَرَ الْکَأْسَ مَاءٌ مِنْ أَبَارِقِهَا
فَأَنْبَتَ الدُّرُفِیْ أَرْضٍ مِنَ الذَّهَبِ

* شراب کے برتن سے جو پانی (شراب) پیالہ میں ڈالی گئی اس نے زمین میں سونے کے موتی اُگا دیے،[2] اور لوگوں نے تعجب سے اللہ کی تسبیح بیان کی جب انھوں نے انگور کی آگ میں پانی کا نور دیکھا۔ یہ ایسی شراب ہے جو قوم عاد کو قوم ارم سے وراثت میں ملی اور آباؤ اجداد سے یہ کسریٰ کا ذخیرہ چلی آ رہی تھی۔

[1] صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، رقم الحدیث: 6502.

[2] شراب کے برتن میں پانی ڈالنے کو بارش سے تشبیہ دی یعنی بارش کی طرح یہ بھی صاف پتلا اور لطیف ہے اور شراب کے پانی کو بلبلوں سے تشبیہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح بارش سے سبزہ اُگتا ہے شراب محبت سے فائدہ پہنچتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

پنڈلی پکڑ لی

حضرت ابوبکر دقی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ حضرت جہم دقی رحمۃ اللہ علیہ نے حالت سماعت میں جوش آنے پر اپنے ہاتھ سے درخت پکڑا اور اسے جڑ سے اُکھیڑ دیا پھر دونوں اکٹھے ہوگئے۔ اس وقت حضرت ابوبکر دقی رحمۃ اللہ علیہ بینائی سے محروم ہو چکے تھے۔ حضرت جہم دقی رحمۃ اللہ علیہ جوش میں آ کر چکر لگانے لگے۔ حضرت ابوبکر دقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب یہ میرے قریب آئیں تو مجھے بتانا۔

حضرت ابوبکر دقی رحمۃ اللہ علیہ کمزور آدمی تھے جب حضرت جہم رحمۃ اللہ علیہ ان کے پاس سے گزرتے ہوئے قریب ہوئے تو لوگوں نے ان سے کہا یہ جہم ہیں۔ حضرت ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جہم رحمۃ اللہ علیہ کی پنڈلی پکڑ کر انھیں کھڑا کر دیا تو وہ حرکت نہ کر سکے۔ حضرت جہم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ''اے شیخ! میری توبہ میری توبہ'' تو انھوں نے ان کو چھوڑ دیا۔

حضرت استاذ امام (ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ) اللہ عزوجل ان کے جمال کو دوام عطا کرے، فرماتے ہیں: حضرت جہم رحمۃ اللہ علیہ کا جوش بھی حق تھا اور حضرت دقی رحمۃ اللہ علیہ کا ان کی پنڈلی کو پکڑنا بھی حق تھا۔ جب حضرت جہم رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کا حالِ ان کے حال پر فوقیت رکھتا ہے تو انصاف کی طرف لوٹ آئے اور سر تسلیم خم کر دیا۔ اسی طرح جو شخص حق پر ہوگا کوئی چیز اس سے روگردانی نہیں کر سکے گی اگر اس پر حالتِ محویت غالب ہو تو علم، عقل، فہم اور حِس کچھ بھی نہیں ہوتا۔

شیخ عبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے تھے کہ ابو عقال مغربی رحمۃ اللہ علیہ چار (4) سال مکہ مکرمہ میں رہے اور انھوں نے کچھ کھایا نہ پیا یہاں تک کہ وہ فوت ہوگئے۔

احکام حقیقت کے غلبہ کے باوجود آداب شریعت

ایک فقیر حضرت ابو عقال رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور اس نے سلام کیا۔

ابو عقال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ''وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ''

اس شخص نے کہا میں فلاں آدمی ہوں۔

ابو عقال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا! تم فلاں ہو، تم کیسے ہو اور تمھارا کیا حال ہے؟ یہ کہہ کر اپنی حالت سے غائب ہوگئے۔

وہ شخص کہتا ہے میں نے ان سے کہا ''سَلَامٌ عَلَیْکُمْ''

انھوں نے کہا ''وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ'' گویا انھوں نے مجھے بالکل نہیں دیکھا۔ میں نے کئی بار اس طرح کیا تو میں سمجھ گیا کہ یہ شخص غائب ہے تو میں ان کو چھوڑ کر ان کے پاس سے چلا گیا۔

گندم دیکھ کر حالت بدل گئی

حضرت ابو عبداللہ نروغندی رحمۃ اللہ علیہ کی زوجہ کہتی تھیں: ''جب قحط کا سال آیا اور لوگ بھوک سے مر رہے تھے تو حضرت ابو عبداللہ نروغندی رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر میں داخل ہوئے تو اپنے گھر میں دو من گندم دیکھی۔ فرمایا: لوگ بھوک سے مر رہے ہیں اور میرے گھر میں گندم ہے پس ان کی عقل میں خلل واقع ہو گیا۔ صرف نماز کے اوقات میں ان کو افاقہ ہوتا وہ فرض پڑھتے تو پھر اپنی حالت کی طرف لوٹ جاتے۔ وہ مرتے دم تک اسی طرح رہے۔

یہ حکایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس شخص پر احکام حقیقت کا غلبہ ہوتا اس کے باوجود آداب شریعت کے لیے ان کو محفوظ رکھا جاتا تھا۔ اہل حقیقت کی یہی صفت ہے پھر ان کی عقل کا چلا جانا مسلمانوں پر ان کی شفقت کی وجہ سے تھا اور یہ ان کی حالت کی حقیقت پر قوی ترین علامت ہے۔

⑪-⑫ جمع اور فرق

صوفیاء کرام کے کلام میں لفظ ''جمع اور تفرقہ'' بہت زیادہ استعمال ہوتے ہیں۔

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''فرق'' وہ ہے جو تمہاری طرف منسوب ہو اور ''جمع'' وہ ہے جو تم سے سلب ہو جائے۔ اس کا معنٰی یہ ہے کہ جو بندے کا کسب ہوتا ہے کہ وہ بندگی کو قائم کرتا ہے اور جو باتیں احوال بشریت کے لائق ہیں یہ سب فرق ہیں (یعنی معبود اور عبد میں فرق) اور جو حق کی طرف سے ہو مثلاً معانی کا اظہار اور لطف و احسان تو وہ ''جمع'' ہے۔ (یعنی ہمت کو اپنے رب کی طرف لگائے رکھنا)

جمع اور فرق کے اعتبار سے یہ صوفی کی ادنیٰ حالت ہے کیونکہ اس میں افعال کا مشاہدہ ہے پس جس شخص کو اللہ عزوجل اس کے افعال مثلاً اطاعت اور نافرمانی کا مشاہدہ کروائے تو یہ شخص تفرقہ کی صفت کا حامل ہو گا اور جب اللہ عزوجل بندے کو ان ذاتی افعال کا مشاہدہ کرا دے جو عنایتِ خداوندی سے ہوتے ہیں تو یہ بندہ ''جمع'' کا مشاہدہ کرنے والا ہوتا ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ مخلوق (کے احوال) کا اثبات تفرقہ کے باب سے ہے اور (احوال) حق کا اثبات جمع کی صفت سے ہے۔ بندے کے لیے جمع اور تفرقہ ضروری ہے کیونکہ جس کے لیے تفرقہ نہیں اس کے لیے عبودیت نہیں اور جس کے لیے جمع نہیں اس کے لیے معرفت نہیں پس ارشادِ خداوندی: ''اِیَّاكَ نَعْبُدُ'' فرق کی طرف اشارہ ہے اور ''اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ'' جمع کی طرف اشارہ ہے۔

جب کوئی بندہ اپنے رب سے سرگوشی کی صورت میں مخاطب ہوتا ہے، چاہے اس سے مانگے یا دعا کرے یا اس کی تعریف کرے یا اس کا شکر ادا کرے یا گناہوں سے براءت کا اظہار کرے یا آہ وزاری کرے تو اس کا یہ مقام تفرقہ ہے۔ (بندگی کا اظہار ہے)۔

اور جب اپنی مناجات میں اپنے دل کے کان اپنے مولا کی طرف لگا دے اور دل کے ساتھ اس کے خطاب کو سنے یا اس کو سمجھے یا اللہ ﷻ اس کے دل پر روشنی ڈالے اور اس کا ارادہ فرمائے تو وہ جمع کی کیفیت کا مشاہدہ کر رہا ہوتا ہے۔ (اسے معرفت خداوندی حاصل ہوتی ہے)۔

دو بزرگوں کی بحث

حضرت ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ایک قوال نے حضرت استاذ ابو سہل صعلوکی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے یہ مصرعہ پڑھا: (جَعَلْتُ تَنَزُّهِیْ نَظْرِیْ اِلَیْکَ) ''میں نے تیری طرف دیکھنے کو اپنی تفریح بنالیا ہے۔''

حضرت ابوالقاسم نصرابادی رحمۃ اللہ علیہ بھی وہاں موجود تھے۔

حضرت استاذ ابوسہل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''جَعَلْت'' کی تاء پر زبر ہے۔

حضرت نصرابادی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا نہیں بلکہ ''جَعَلْت'' کی تاء پر پیش ہے۔

حضرت استاذ ابوسہل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کیا جمع کی آنکھ زیادہ کامل نہیں اس پر حضرت نصرابادی رحمۃ اللہ علیہ خاموش ہو گئے۔ (مطلب یہ کہ تاء پر زبر سے فاعل اللہ ﷻ کی ذات ہو گی اور یہ جمع ہے)۔

حضرت شیخ عبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہ حکایت اسی طرح سنی گئی ہے۔ اس کا معنٰی یہ ہے کہ جو شخص اسے ''جَعَلْتُ'' (تاء پر پیش کے ساتھ) پڑھتا ہے وہ اپنے نفس کی حکایت بیان کرتا ہے اور بندہ کہتا ہے کہ یہ اس کی طرف سے ہے۔ اور جب ''جَعَلْتَ'' (تاء پر زبر کے ساتھ) کہتا ہے تو وہ اس بات سے مبرّا ہو جاتا ہے کہ یہ کام وہ بتکلّف کر رہا ہے بلکہ وہ اپنے مولا کو مخاطب کر کے کہتا ہے، تو ہی وہ ذات ہے جس نے مجھے یہ خصوصیت عطا فرمائی، یہ میرے تکلّف کے ساتھ نہیں۔

پہلی صورت دعویٰ کی بنیاد پر ہے اور دوسری صورت اپنی طاقت سے براءت اور اللہ ﷻ کے فضل و کرم کا اظہار ہے۔ کسی شخص کے اس قول میں کہ میں اپنی مشقت سے تیری عبادت کرتا ہوں اور اس قول میں کہ تیرے لطف و فضل و کرم پر تجھے گواہ بناتا ہوں (یا تیرے پاس حاضر ہوتا ہوں) میں فرق ہے۔

⑬ جمع الجمع

جمع الجمع، اس سے بھی بلند درجہ ہے۔ صوفیاء کرام اپنے احوال کے اختلاف اور درجات کے تفاوت کی بنیاد پر اس کے مفہوم میں مختلف رائے رکھتے ہیں پس جو شخص اپنے نفس کو ثابت کرے اور مخلوق کو بھی ثابت کرے اور یہ سب کچھ حق کے ساتھ قائم دیکھے تو یہ جمع ہے اور جب مخلوق کے مشاہدہ سے الگ ہو چکا ہو اور اپنی ذات سے بھی کٹ چکا ہو اور اس

سلطانِ حقیقت کی وجہ سے جو اس پر ظاہر ہوئی اپنے احساس سے کلیتاً غافل ہو جائے تو یہ ''جمع الجمع'' ہے۔

پس ''تفرقہ''، اللہ ﷻ کے لیے غیر کا مشاہدہ کرنا۔ ''جمع''، اللہ ﷻ کے ساتھ غیر کا مشاہدہ کرنا اور ''جمع الجمع''، غلبۂ حقیقت کے وقت فنائے کلی اور ماسوی اللہ ﷻ کے احساس کے فنا ہونے کا نام ہے۔

⑭ فرق ثانی

اس کے بعد ایک اور (عمدہ) حالت ہے جس کو صوفیاء کرام ''فرق ثانی'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ صوفی فرائض کی ادائیگی کے وقت حالتِ صحو کی طرف آ جائے تا کہ اس پر فرائض کا قیام اپنے وقت پر جاری ہو سکے۔ پس صوفی کا لوٹنا اللہ ﷻ کے لیے اللہ ﷻ کے ساتھ ہوتا ہے نہ بندے کی مدد سے بندے کے لیے (صحو کا معنٰی باہوش ہونا ہے)۔

اس حالت میں بندہ اپنے نفس کو اللہ ﷻ کے تصرف میں دیکھتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ اس کی ذات کا مبدا اور اس کا عین اللہ ﷻ کی قدرت کے تحت ہے اور اس کے احوال و افعال اللہ ﷻ کے علم اور مشیت سے جاری ہوتے ہیں۔

بعض لوگ ''جمع اور فرق'' کے الفاظ سے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ تمام مخلوق میں حق کا تصرف ہوتا ہے پس تمام مخلوق کو پھیرنے اور الٹنے میں جمع اس طرح ہے کہ وہ ان کی ذاتوں کو پیدا کرنے والا اور ان پر صفات کو جاری کرنے والا ہے (اس طرح اس نے جمع کر دیا) پھر مختلف اقسام میں تقسیم کر کے الگ الگ کر دیا۔

چنانچہ اللہ ﷻ نے ایک گروہ کو نیک بخت بنایا اور دوسرے کو دور کیا اور بد بخت بنایا۔ ایک گروہ کو ہدایت دی اور دوسرے کو گمراہ کیا اور اندھا کر دیا۔ ایک گروہ کو اپنے آپ سے حجاب میں رکھا اور دوسرے گروہ کو اپنی طرف کھینچا۔ ایک گروہ کو اپنے وصل کے ساتھ مانوس رکھا اور دوسرے گروہ کو اپنی رحمت سے مایوس کر دیا۔ ایک گروہ کو اپنی توفیق سے معزز کیا اور دوسرے گروہ کو جڑ سے کاٹ دیا جب اس گروہ نے اسے پانے کی کوشش کی، بعض کو ہوش میں رکھا اور بعض کو محویت کی حالت میں رکھا۔ ایک فریق کو قریب کیا اور دوسرے کو غائب کر دیا۔ ایک جماعت کو قریب کر کے اپنے ہاں حاضر کیا پھر انھیں جامِ محبت پلا کر مخمور کیا اور دوسروں کو بدبختی کا شکار کر کے ان کو دور کر دیا اور چھوڑ دیا۔

اللہ ﷻ کے افعال کی اقسام شمار سے باہر ہیں وہ کسی شرح یا ذکر میں نہیں آ سکتیں۔ جمع اور تفرقہ کے بارے میں صوفیاء کرام نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اشعار پڑھے:

وَ تَحَقَّقْتُكَ فِيْ سِرِّيْ فَنَاجَاكَ لِسَانِيْ

فَاجْتَمَعْنَا لِمَعَانِيْ وَافْتَرَقْنَا لِمَعَانِيْ

أَنْ يَّكُنْ غَيَّبَكَ التَّعْظِيْمُ عَنْ لَحْظِ عَيَانِيْ

فَقَدْ صَيَّرَكَ الْوَجْدُ مِنَ الْأَحْشَاءِ دَانِيْ

* اے اللہ! میں نے اپنے باطن میں (حال عبادت میں) تجھے پایا (یہ جمع ہے) پس میری زبان نے تجھ سے باتیں کیں (یہ تفرقہ ہے)۔ پس بعض اوصاف میں ہم جمع ہو گئے (یعنی حال حقیقت میں) اور بعض میں ہم الگ ہو گئے۔

* اگر تیری تعظیم نے تجھے میری نگاہوں سے غائب کر دیا ہے تو تیرے وجد نے تجھے میری آنتوں کے قریب کر دیا ہے۔[1]

ان حضرات نے یہ اشعار بھی پیش کیے:

إِذَا مَا بَدَا لِيْ تَعَاظَمْتُهُ

فَأَصْدُرُ فِيْ حَالِ مَنْ لَمْ يَرِدْ

جَمَعْتُ وَفَرَقْتُ عَنِّيْ بِهٖ

فَفَرْدُ التَّوَاصُلِ مَثْنَى الْعَدَدِ

* جب وہ میرے لیے ظاہر ہوتا ہے تو میں اسے بہت عظیم سمجھتا ہوں۔ پھر میں ایسی حالت میں اس کی طرف لوٹتا ہوں گویا میں اصل گھاٹ پر آیا ہی نہیں۔

* میں اکٹھا ہوا پھر اس کی وجہ سے اپنے آپ سے جدا ہو گیا تو ہم دونوں کے وصال کا فرد عدد کی دو حالتیں ہے۔ (کہ وہ مجموعہ بھی ہے اور متفرق بھی)۔

⑮-⑯) فناء اور بقاء

صوفیاء کے الفاظ میں لفظ "فناء" اور "بقاء" بھی ہے۔ ایک جماعت نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ فناء کا مطلب برے اوصاف کا ساقط ہونا ہے اور بقاء کا مطلب اچھے اوصاف کا اس کے ساتھ باقی رہنا ہے۔ اور جب بندہ ان میں سے کسی سے خالی نہیں ہوتا تو یہ بات معلوم ہے کہ جب ان میں سے ایک قسم نہیں ہو گی تو دوسری قسم ضرور ہو گی پس جو شخص اپنی بری صفات کے اعتبار سے فناء ہوتا ہے تو اس پر اچھی صفات ظاہر ہوتی ہیں۔ اور جس شخص پر مذموم خصلتیں

[1] مطلب یہ ہے کہ تو جلال والی ذات ہے اور میں کمزور ہوں اس لیے میں دنیا میں تجھے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا لیکن چونکہ مجھ پر تیرا فضل ہوتا ہے تو میں دنیا میں تجھے بصیرت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ (نتائج الأفكار القدسیہ، جلد 2، صفحہ: 91) ۱۲ہزاروی

غالب ہوتی ہیں اس سے اچھی صفات پوشیدہ ہوتی ہیں اور یہ بات جاننا چاہئے کہ بندہ جن باتوں کے ساتھ موصوف ہوتا ہے وہ افعال، اخلاق اور احوال ہیں۔

پس افعال میں اس کا تصرف اختیاری ہوتا ہے، اخلاق فطری ہوتے ہیں لیکن کسی صفت کی مسلسل عادت کی وجہ سے فطرت بدل جاتی ہے۔[1] احوال بندے پر شروع میں وارد ہوتے ہیں لیکن ان کی صفائی تب ہوتی ہے جب اعمال پاکیزہ ہوں۔ اس اعتبار سے یہ اخلاق کی طرح (فطری) ہیں اس لیے کہ جب بندہ دل کے ساتھ اخلاق سے جنگ کرتا ہے تو اس کی کوشش سے اس کے بُرے اخلاق دور ہو جاتے ہیں۔ اللہ ﷻ اپنی مہربانی سے اس کے اخلاق کو اچھا کر دیتا ہے اسی طرح جب وہ پوری کوشش سے اپنے اعمال کو ہمیشہ پاک رکھتا ہے تو اللہ ﷻ اپنے فضل و کرم سے اس کے احوال کو پاک صاف کر دیتا ہے بلکہ اس کے احوال کی تکمیل فرماتا ہے۔

فناء کے مقامات

لہٰذا جن افعال کو شریعت نے مذموم قرار دیا ہے جب بندہ ان کو ترک کر دیتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی خواہشات سے فناء ہو چکا ہے اور جب وہ اپنی خواہشات سے فناء ہو جاتا ہے تو وہ اپنی ''نیت'' اور اخلاص کے ساتھ بندگی میں رہتا ہے۔ اور جو شخص دل کے ساتھ دنیا سے زاہد (بے رغبت) ہو جاتا ہے تو کہا جاتا ہے وہ اپنی رغبت سے فناء ہو گیا اور جب وہ دنیوی رغبت سے فناء ہو جائے تو وہ صدق دل سے اللہ ﷻ کی طرف رجوع پر قائم رہتا ہے۔

اور جو شخص اپنے اخلاق کو ٹھیک کرنے کی طرف متوجہ رہے پس وہ اپنے دل سے حسد، کینہ، بخل (کنجوسی)، غصہ، تکبر اور اس طرح کی دیگر رعونتوں (غرور وغیرہ) کو نکال دے تو کہا جائے گا یہ بُرے اخلاق سے فناء ہو گیا۔ اور جب بُرے اخلاق سے فناء ہو جائے تو جواں مردی اور سچائی کے ساتھ باقی رہے گا۔

جو شخص احکام کے تغیر و تبدل میں قدرتِ خداوندی کے جاری ہونے کو دیکھتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ شخص حوادث کو مخلوق کی طرف سے شمار کرنے سے فناء ہو گیا۔ اور جب آثار کو غیر خدا کی طرف سے سمجھنے سے فناء ہو جائے تو صفاتِ حق کے ساتھ باقی رہتا ہے اور جس پر سلطان حقیقت اس طرح غالب آ جائے کہ وہ غیر کی طرف سے آثار اور اعیان کسی چیز کو نہ دیکھے نہ اصل کو نہ نشان کو، وہ مخلوق سے فناء ہو کر حق کے ساتھ باقی ہے۔

پس بندے کا اپنے بُرے افعال اور خسیس احوال سے فناء ہونا یہ ہے کہ ان کاموں کو چھوڑ دے اور اپنے نفس اور مخلوق سے فناء ہونا یہ ہے کہ اپنے نفس اور دوسرے لوگوں کا احساس نہ رہے۔ پس جب وہ افعال، اخلاق اور احوال سے

[1] اگرچہ فطرت میں تبدیلی نہیں ہوتی لیکن یہاں مراد یہ ہے کہ جب بندہ عمل کی وجہ سے نفع و نقصان کی پہچان حاصل کر لیتا ہے تو اللہ ﷻ اس کے میلانِ طبع کو حقیقت سے اس کے خلاف کی طرف موڑ دیتا ہے گویا یہ رب کے حکم سے ہوتا اور عمل کا صلہ ہوتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

فناء ہو جائے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ ان چیزوں میں سے جو کچھ اس سے فناء ہوا ہے وہ موجود رہے۔

پس جب کہا جائے کہ وہ اپنے نفس اور مخلوق سے فناء ہو چکا ہے تو اس کا نفس اور مخلوق دونوں موجود ہوتے ہیں لیکن اسے نہ ان کا علم ہوتا ہے نہ اپنا، نہ ان کا احساس ہوتا ہے اور نہ ہی خبر۔ پس اس کا نفس موجود ہوتا ہے اور مخلوق بھی موجود ہوتی ہے لیکن وہ اپنے آپ سے اور تمام مخلوق سے بے خبر ہوتا ہے۔

بعض اوقات تم دیکھتے ہو کہ ایک شخص بادشاہ یا کسی محترم شخصیت کے پاس جاتا ہے تو ہیبت کی بنا پر اپنے آپ سے اور تمام اہل مجلس سے بے خبر ہوتا ہے اور بعض اوقات اس دبدبے والی شخصیت سے بھی غافل ہوتا ہے حتیٰ کہ جب وہ اس کے پاس سے نکلتا ہے اور اس سے اہل مجلس کی حالت اس صاحبِ سطوت کی حالت اور خود اس کی اپنی حالت کے بارے میں پوچھا جائے تو وہ بھی کچھ نہیں بتا سکتا۔

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ﴾

''جب عورتوں نے یوسف کو دیکھا اس کی بڑائی بولنے لگیں اور اپنے ہاتھ کاٹ لیے۔''[1]

تو انھوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات کے وقت ہاتھوں کے کٹنے کی تکلیف محسوس نہ کی حالانکہ وہ لوگوں میں سے کمزور ترین (صنف نازک) تھیں اور انھوں نے کہا ''مَا هٰذَا بَشَرًا'' (یہ تو جنس بشر سے نہیں) حالانکہ آپ بشر تھے۔ اور انھوں نے کہا:

﴿اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ۝﴾

''یہ تو نہیں مگر کوئی معزز فرشتہ۔''[2]

حالانکہ آپ فرشتہ نہیں تھے۔ اور یہ مخلوق کا اپنے آپ سے غافل ہونا ہے جب وہ مخلوق سے ملاقات کرے، تو تمھارا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جس کو حق سبحانہ کے مشاہدہ کا کشف ہو۔ اگر وہ شخص اپنے نفس اور اپنی جنس کے لوگوں کے احساس سے غافل ہو تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے؟

لہٰذا جو اپنے جہل سے فناء ہو گیا وہ اپنے علم کے ساتھ باقی رہا۔ جو اپنی خواہش سے فناء ہوا وہ ''رجوع الی اللہ'' کے ساتھ باقی رہا۔ جو اپنی رغبت سے فناء ہوا وہ اپنے زہد کے ساتھ باقی رہا۔ اور جو اپنی تمنا سے فناء ہوا وہ اللہ عزوجل کے ارادے کے ساتھ باقی رہا۔ اسی طرح تمام صفات کا معاملہ ہے۔ پس جب بندہ اپنے اس طریقے سے جس کا ذکر ہو چکا

[1] پارہ 12، یوسف 31، ترجمہ کنزالایمان

[2] پارہ 12، یوسف 31، ترجمہ کنزالایمان

ہے، فناء ہو جاتا ہے تو وہ اپنے فناء ہونے کی وجہ سے اس سے ترقی کرتا ہے حتیٰ کہ وہ اپنے ہونے کو بھی نہیں دیکھتا۔ شاعر نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَقَوْمٌ تَاهَ فِیْ أَرْضٍ بِفَقْرٍ
وَقَوْمٌ تَاهَ فِی مَیْدَانِ حُبِّهٖ
فَأَفْنَوْا ثُمَّ أَفْنَوْا ثُمَّ أَفْنَوْا
وَأَبْقَوْا بِالْبَقَاءِ مِنْ قُرْبِ رَبِّهٖ

* کچھ لوگ چٹیل میدان میں حیران پھرے اور کچھ لوگ اس کی محبت کے میدان میں حیران پھرے
* پس وہ فناء ہوئے پھر فناء ہوئے پھر فناء ہوئے تو ان کو اپنے رب کے قرب میں رہنے کی وجہ سے بقاء حاصل ہوئی۔

پہلا فناء اپنی ذات وصفات سے فناء ہو کر صفاتِ حق کے ساتھ باقی رہنا ہے۔ پھر مشاہدۂ حق کی وجہ سے صفاتِ حق سے فناء ہونا ہے۔ پھر وجودِ حق میں کامل فناء کی وجہ سے مشاہدۂ حق سے فناء ہو جانا ہے۔

⑱-⑰) غَیْبَتْ اور حضور

صوفیاء کرام کے الفاظ میں ''غیبت اور حضور'' کے الفاظ بھی ہیں۔

❀ غیبت: غیبت سے مراد مخلوق کے احوال میں سے جو کچھ جاری ہوتا ہے ان کے علم سے دل کا غائب ہونا ہے کیوں کہ جس وارد ہونے والے احوال میں مشغول ہوتی ہے پھر بعض اوقات وہ اپنے نفس اور اس کے غیر سے بھی غائب ہوتا ہے اور اس کی وجہ بھی وہ کیفیت ہے جو اس پر وارد ہوتی ہے مثلاً ثواب کو یاد کرنا یا عذاب کے بارے میں سوچنا۔

صبح تک ہوش نہ آیا

جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ربیع بن خثیم رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس جایا کرتے تھے۔ ایک بار آپ لوہار کی دکان سے گزرے تو انھوں نے بھٹی میں گرم لوہا دیکھا تو وہ بے ہوش ہو گئے اور صبح تک ہوش میں نہ آئے۔ جب افاقہ ہوا تو ان سے اس بارے میں پوچھا گیا، انھوں نے فرمایا: مجھے جہنمیوں کا جہنم میں ہونا یاد آ گیا۔

یہ غیبت کی ایک صورت ہے جو اپنی حد سے زائد ہے حتیٰ کہ یہ بے ہوشی کا باعث بن جاتی ہے۔

اس آگ سے بڑی آگ

حضرت علی بن حسین (حضرت زین العابدین) رضی اللہ عنہما کے بارے میں مروی ہے کہ وہ سجدہ کررہے تھے کہ ان کے گھر میں آگ لگ گئی لیکن انھوں نے نماز کو نہیں توڑا۔ ان سے اس حالت کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

مجھے بڑی آگ نے اس آگ سے بے خبر رکھا ہوا تھا (یعنی جہنم کی آگ کی فکر تھی)۔

بعض اوقات صوفی اپنے حالات سے اس لیے غائب ہوتا ہے کہ اس پر حقائق الٰہیہ منکشف ہوتے ہیں۔ پھر یہ لوگ اپنے اپنے احوال کے مطابق احساسات سے غائب ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ بات مشہور ہے کہ حضرت ابو حفص نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا لوہار کا پیشہ اس لیے ترک کیا کہ وہ اپنی دکان پر تھے کہ ایک قاری نے قرآن مجید کی ایک آیت پڑھی جس سے ان کے دل پر ایک کیفیت طاری ہوگئی جس کے باعث وہ اپنے احساس سے غافل ہوگئے۔ انھوں نے اپنا ہاتھ آگ میں ڈالا اور گرم لوہا اپنے ہاتھ کے ساتھ (پکڑ کر) نکال لیا۔ ان کے ایک شاگرد نے دیکھا تو کہا: اے استاذ! یہ کیا ہے؟"

حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ اس (شاگرد) پر معاملہ ظاہر ہوگیا تو انھوں نے یہ پیشہ چھوڑ دیا اور دکان سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

اب پردہ کرلو

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے پاس ان کی زوجہ تھیں۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ ان کے پاس آئے ان کی بیوی نے پردہ کرنا چاہا تو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے فرمایا: "حضرت شبلی کو تمھاری خبر نہیں لہٰذا بیٹھی رہو۔"

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ان سے مسلسل کلام کرتے رہے حتیٰ کہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ رو پڑے۔ جب حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے رونا شروع کیا تو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زوجہ سے فرمایا: "پردہ کرلو" حضرت شبلی کو حالت غَیبَتْ سے افاقہ ہوگیا ہے۔

تم کو ایک بار دیکھا ہے

حضرت ابو نصر مؤذن رحمۃ اللہ علیہ ایک نیک شخص تھے۔ انھوں نے فرمایا: "میں نیشاپور میں حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ سے قرآن پڑھا کرتا تھا جب وہ وہاں تھے۔ حضرت ابو علی رحمۃ اللہ علیہ حج کے بارے میں اکثر گفتگو کرتے، تو ان کے کلام کا میرے دل پر اثر ہوا میں اسی سال حج کے لیے چلا گیا اور اپنی دکان اور پیشہ چھوڑ دیا۔ حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ بھی

اسی سال حج کے لیے تشریف لے گئے۔ میں نیشاپور میں سکونت کے دوران ان کی خدمت کیا کرتا تھا اور ان کی مجلس میں ہمیشہ قرآن پڑھتا تھا۔ میں نے ان کو ایک دن جنگل میں دیکھا انھوں نے طہارت حاصل کی اور لوٹا وہیں بھول گئے جو ان کے ہاتھ میں تھا۔ میں نے اسے اٹھا لیا۔ جب وہ اپنی قیام گاہ میں واپس آئے تو میں نے ان کے پاس رکھ دیا۔ انھوں نے فرمایا: ''اللہ ﷻ آپ کو بہتر جزا دے کہ تم نے اسے اٹھایا۔''

پھر وہ مجھے دیر تک دیکھتے رہے گویا انھوں نے مجھے کبھی نہیں دیکھا تھا اور فرمایا: ''میں نے تجھے ایک بار دیکھا ہے تو کون ہے؟''

میں نے کہا: ''اللہ ﷻ کی پناہ! میں ایک مدت تک آپ کے ساتھ رہا اور آپ کی وجہ سے میں نے اپنا گھر بار چھوڑا اور جنگل میں آپ کے ہمراہ ہو گیا اور اب آپ فرما رہے ہیں کہ آپ نے مجھے ایک بار دیکھا ہے۔''

(18) حضور

کبھی صوفی حق تعالیٰ کے ''حضور'' میں ہوتا ہے کیونکہ جب وہ خلق سے غائب ہوتا ہے تو حق کے ''حضور'' میں ہوتا ہے اس طرح کہ گویا وہ حاضر ہے اور اس کی وجہ اس کے دل پر ذکر حق کا غلبہ ہے تو وہ قلبی طور پر اپنے رب کے حضور حاضر ہوتا ہے۔ تو جس قدر وہ مخلوق سے غائب ہوتا ہے اسی قدر وہ حق کے حضور میں حاضر ہوتا ہے اگر وہ (مخلوق سے) کلیتاً غائب ہو تو اسی غَیبَتْ کے مطابق وہ حاضر ہوتا ہے۔

جب کہا جاتا ہے کہ فلاں حاضر ہے تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اپنے دل کے ساتھ اپنے رب کے ہاں حاضر ہے، اس سے غافل نہیں ہے اور نہ اسے بھولنے والا ہے اور وہ مسلسل اس کا ذکر کر رہا ہے۔ پھر اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ حضورِ بارگاہِ خداوندی کی وجہ سے جو رتبہ حاصل ہوتا ہے اس کے مطابق اس پر معانی منکشف ہوتے ہیں جن کے ساتھ اللہ ﷻ اسے مخصوص کر دیتا ہے۔

بعض اوقات جب بندہ اپنے احوالِ نفس کے احساس اور مخلوق کے احوال کی طرف رجوع کرتا ہے تو اسے بھی ''حضور'' کہتے ہیں کہ وہ حاضر ہوا یعنی حالتِ غَیبَتْ سے اس نے رجوع کیا۔ تو یہ (دوسرا معنیٰ) مخلوق کے ساتھ حضور ہے اور پہلا (معنیٰ) حق کے ساتھ حاضری ہے۔ غَیبَتْ میں ان کے حالات مختلف ہوتے ہیں ان میں سے بعض حضرات وہ ہیں جن کی غیبت طویل مدت کے لیے نہیں ہوتی اور بعض کی غَیبَتْ عرصہ دراز تک ہوتی ہے۔

میں خود اپنی تلاش میں ہوں

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مریدین میں سے ایک شخص کو حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ کے

پاس بھیجا تا کہ وہ حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ کے حالات معلوم کر کے ان کو بتائیں۔ جب وہ شخص ''بسطام'' پہنچا تو حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ کے گھر کا پتہ پوچھا۔

حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''تم کیا چاہتے ہو؟''

اس نے کہا: ''ابو یزید کون ہیں؟ اور ابو یزید کہاں ہیں؟ میں حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ کی تلاش میں ہوں۔''

ایک آدمی باہر نکلا اور کہنے لگا یہ شخص (ابو یزید) دیوانہ ہے۔ وہ شخص حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ کے پاس واپس آیا اور جو کچھ دیکھا تھا، بتا دیا۔

حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ رونے لگے اور فرمایا: ''میرے بھائی حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ اللہ عزوجل کی طرف جانے والے کے ساتھ چلے گئے۔''

⑳-⑲) صَحْو اور سُکْر

صوفیاء کرام کے الفاظ میں ''صحو اور سُکر'' بھی ہیں۔ غَیْبَتْ کے بعد احساس کی طرف رجوع ''صحو'' ہے اور جب کسی مضبوط کیفیت کے وارد ہونے سے غیبت ہو تو یہ ''سُکر'' ہے۔ سکر کو ایک لحاظ سے غَیْبَتْ پر برتری حاصل ہے۔ وہ یہ کہ صاحبِ سکر جب کامل سکر میں نہ ہو تو کبھی ''بسط'' کی حالت میں ہوتا ہے اور بعض اوقات حالتِ سکر میں اس کے دل سے اشیاء کے خطرات ساقط ہو جاتے ہیں اور یہ حالت اس مصنوعی سکر والے کی ہے جس پر کیفیت کا ورود کامل نہیں ہوتا اور احساس کا دخل باقی رہتا ہے۔ اور بعض اوقات سُکر کامل ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اسے غَیْبَتْ پر برتری حاصل ہوتی ہے۔ پس بسا اوقات صاحبِ سکر کی غیبت صاحبِ غیبت سے زیادہ ہوتی ہے۔

جب سکر مضبوط ہو اور کبھی صاحبِ غیبت کی غیبت صاحبِ سکر سے زیادہ ہوتی ہے جب وہ خود ساختہ سکر میں ہو اور سکر کامل نہ ہو۔

اور غیبت کبھی عبادت کے لیے مفید ہوتی ہے کیونکہ ان کے دلوں پر رغبت اور خوف کے اسباب اور خوف اور امید کے تقاضا کرنے والے امور غالب ہوتے ہیں۔ سکر وجد والوں کے لیے ہوتا ہے۔ جب صوفی کے سامنے جمالِ الٰہی منکشف ہوتا ہے تو سکر حاصل ہوتا ہے، اس کی روح پاک ہو جاتی ہے اور دل حیران ہو جاتا ہے اسی سلسلے میں یہ اشعار کہے گئے ہیں:

فَصَحْوُكَ مِنْ لَفْظِى هُوَ الْوَصْلُ كُلُّهٗ

وَسُكْرُكَ مِنْ لَحْظِى يُبِيْحُ لَكَ الشُّرْبَا

فَمَا مَلَّ سَاقِيهَا وَمَا مَلَّ شَارِبٌ
عَقَارُ لِحَاظٍ كَأْسُهُ يُسْكِرُ اللُّبَا

* میرے کلام سے تیرا ہوش میں آنا پورے کا پورا وصل ہے اور میری نگاہوں سے تیرا مست ہونا تیرے لیے شراب (شراب محبت) پینے کو جائز کر دیتا ہے۔

* نہ اس کا پلانے والا اُکتاتا ہے اور نہ پینے والا اُکتاتا ہے کیونکہ یہ تو نگاہوں کی شراب ہے جو عقل کو مست کر دیتی ہے۔

انھوں نے یہ شعر بھی پڑھا:

فَأَسْكَرَ الْقَوْمَ دَوْرُ كَأْسٍ
وَكَانَ سُكْرِى مِنَ الْمُدِيْرِ

* لوگ تو پیالے کے دور سے مست ہو گئے اور میری مستی ساقی کی وجہ سے تھی۔

اور یہ شعر بھی پڑھا:

لِىْ سُكْرَتَانِ وَلِلنَّدْمَانِ وَاحِدَةٌ
شَىٌّ خُصِصْتُ بِهٖ مِنْ بَيْنِهِمْ وَحْدِى

* میرے لیے دو مستیاں ہیں اور میرے ہم مجلسوں کے لیے ایک مستی ہے۔ یہ ایسی بات ہے جو صرف میرے ساتھ خاص ہے۔

اور یہ شعر بھی پڑھا:

سُكْرَانِ سُكْرُ هَوًى وَسُكْرُ مُدَامَةٍ
فَمَتٰى يُفِيْقُ فَتًى بِهٖ سُكْرَانِ

* یہاں دو مستیاں ہیں۔ عشق کی مستی اور شراب کی مستی۔ تو وہ جوان جس میں دو مستیاں ہوں وہ کب ہوش میں آتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ صحو (ہوش) سکر (مستی) کی مناسبت سے ہوتا ہے۔ جس کا سکر حق کے ساتھ ہے اس کا صحو بھی حق کے ساتھ ہوگا اور جس کے سکر میں نفسانی لذات ملی ہوئی ہوں تو اس کا صحو بھی نفسانی لذت سے ملا ہوگا اور جو شخص اپنی حالت

میں حق پر ہو وہ اپنے سکر میں محفوظ ہوتا ہے۔ سکر اور صحو میں ایک طرح کے فرق کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے اور جب سلطان حقیقت کی طرف سے کوئی علامت ظاہر ہو تو بندے کی صفت فناء اور مغلوب ہونا ہے۔ اسی معنٰی میں ان لوگوں نے یہ شعر پڑھا:

إِذَا طَلَعَ الصَّبَاحُ لِنَجْمِ رَاحٍ
تُسَاوِىْ فِيْهِ سُكْرَانٌ وَصَاحٍ

* جب شراب کے ستارے کی وجہ سے صبح ہو تو اس میں مست اور ہوش والا دونوں برابر ہیں۔

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا﴾

"پھر جب اُس کے رب نے پہاڑ پر اپنا نور چمکایا اسے پاش پاش کر دیا اور موسیٰ گرا بے ہوش۔"[1]

آپ اپنی رسالت وجلالت کے باوجود بے ہوش ہو کر گر پڑے اور وہ (پہاڑ) ٹھوس اور مضبوط ہونے کے باوجود ریزہ ریزہ ہو گیا۔ بندہ حالت سکر میں اپنے حال کا مشاہدہ کرتا ہے اور اپنی حالت صحو میں علم کا۔

مگر فرق یہ ہے کہ حالتِ سکر میں وہ اپنی کوشش کے دخل کے بغیر محفوظ ہوتا ہے اور حالتِ صحو میں اپنی کوشش سے بچتا ہے اور صحو اور سکر کا مرتبہ ذوق اور شرب کے بعد آتا ہے (صحو کا مطلب ہوش اور سکر عدم ہوش ہے)۔

(21)-(22) ذُوقْ اور شُربْ

صوفیاء کرام کے الفاظ واصطلاحات میں "ذوق اور شرب" کا لفظ بھی ہے۔ اس سے ان کی مراد تجلی کے وہ ثمرات، کشف کے وہ نتائج اور وہ، واردات ہیں جنھیں یہ لوگ پاتے ہیں۔ چنانچہ پہلا درجہ ذوق، پھر شرب (پینا) اور پھر رَی کا ہے (رَی سے مراد سیرابی ہے) جب ان کے معاملات صاف ہوتے ہیں تو ان کو ذوقِ معانی (کیفیات کا ذوق) حاصل ہوتا ہے اور اپنی منزلوں کو پورا کرنے کے لیے "شُربْ" ضروری ہوتا ہے اور دائمی وصال ان کے لیے "رَی" کا تقاضا کرتا ہے۔ پس صاحبِ ذوق مست ہونے کی کوشش کرتا ہے، صاحبِ شرب مستی میں ہوتا ہے اور جب صاحبِ رَی ہوتا ہے تو چلّاتا ہے۔

جس کی محبت مضبوط ہو اس کا شرب دائمی ہوتا ہے اور جب اسے یہ صفت دائمی طور پر حاصل ہوتی ہے تو شرب سکر پیدا

[1] پارہ9، الاعراف 143، ترجمہ کنزالایمان

نہیں کرتا۔ وہ شخص حق تعالیٰ کے ساتھ باہوش ہوتا ہے اور تمام نفسانی خواہشات سے فانی ہو جاتا ہے اور وہ کسی کیفیت کے وارد ہونے سے متاثر نہیں ہوتا اور نہ ہی اپنی موجود حالت سے متغیر ہوتا ہے۔ جس کا باطن صاف ہے اس کا شرب مکدر (گدلا) نہیں ہوتا اور جس کی خوراک شرب ہو وہ اس سے صبر نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کے بغیر زندہ رہ سکتا ہے۔ ان حضرات نے یہ شعر پڑھا:

وَاِنَّمَا الْكَأْسُ رِضَاعٌ بَيْنَنَا
فَاِذَا لَمْ نَذُقْهَا لَمْ نَعِشْ

* پیالہ تو ہمارے لیے گھٹی (کی طرح) ہے جب تک ہم اسے نہ پئیں ہم زندہ نہیں رہ سکتے۔

اور یہ بھی پڑھا:

عَجِبْتُ لِمَنْ يَّقُوْلُ ذَكَرْتُ رَبِّىْ
فَهَلْ اَنْسٰى فَاَذْكُرُ مَانَسِيْتُ؟
شَرِبْتُ الْحُبَّ كَأْسًا بَعْدَ كَأْسٍ
فَمَا نَفِدَ الشَّرَابُ وَلَارَوِيْتُ

* مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو کہتا ہے کہ میں نے اپنے رب کو یاد کیا۔ کیا میں اسے بھول جاتا، کہ اس بھولے ہوئے کو پھر یاد کرتا۔[1]

* میں نے محبت کا پیالہ بار بار پیا مگر نہ تو شراب ختم ہوئی اور نہ میں سیر ہوا۔

دنیا کے سمندر پی جانے والا

کہا جاتا ہے کہ حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ "یہاں ایک شخص ہے جس نے محبت کا پیالہ پیا پھر اسے پیاس نہیں لگی" تو حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو لکھا:

مجھے آپ کی حالت کی کمزوری پر تعجب ہوا۔ یہاں تو ایسا شخص ہے جو دنیا کے سمندر پی جانے کے بعد بھی منہ کھولے ہوئے اور زیادہ طلب کر رہا ہے۔ یہ بات جان لیں کہ قربت کے پیالے غیب سے ظاہر ہو رہے ہیں اور ان کا دور صرف آزاد منش لوگوں اور ان ارواح کے درمیان چلتا ہے جو اشیاء کی غلامی سے آزاد ہو چکی ہیں۔

[1] مطلب یہ ہے کہ یاد تو اسے کیا جاتا ہے جسے بھلایا گیا ہو جب کہ اللہ عزوجل کی ذات تو ہمیشہ یاد میں رہتی ہے اور رہنی چاہیے۔ ۱۲ ہزاروی

㉓-㉔) مَحْو اور اِثْبَاتْ

صوفیاء کرام کے درمیان جاری الفاظ میں ''محو اور اثبات'' کے الفاظ بھی ہیں۔ عادت کے اوصاف کو مٹا دینا ''محو'' ہے اور احکام عبادت کو قائم کرنا ''اثبات'' ہے۔ پس جو شخص اپنے احوال سے مذموم صفات کی نفی کرتا ہے اور ان کی جگہ قابل تعریف افعال اور احوال کو اختیار کرتا ہے وہ محو اور اثبات والا ہے۔

استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: کہ کسی شیخ نے ایک شخص سے کہا تم کس چیز کو محو کرتے ہو اور کس چیز کو ثابت؟ وہ شخص خاموش رہا۔

انھوں نے فرمایا: کیا تمھیں معلوم نہیں کہ وقت محو اور اثبات ہے کیونکہ جس شخص میں محو اور اثبات نہ ہو وہ معطل اور بیکار ہے۔

محو کی تین قسمیں ہیں:

① ظاہر سے لغزش کو محو کرنا

② دل سے غفلت کو محو کرنا

③ باطن سے بیماری کو دور کرنا

لغزش کو محو کرنے سے معاملات کا اثبات ہوتا ہے، غفلت کو محو کرنے سے منزلوں کا اثبات ہوتا ہے اور بیماری کو محو کرنے سے اللہ عزوجل سے وصل ثابت ہوتا ہے۔ یہی محو اور عبودیت کی شرط کا اثبات ہے۔ جہاں تک محو اور اثبات کی حقیقت کا تعلق ہے تو ان کا ظہور قدرت الٰہیہ سے ہوتا ہے پس محو وہ ہے جس پر اللہ عزوجل پردہ ڈال دے اور اس کی نفی کر دے اور اثبات وہ ہے جسے وہ ظاہر کر دے۔ محو اور اثبات دونوں کا انحصار مشیت ایزدی پر ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ﴾

''اللہ جو چاہے مٹاتا اور ثابت کرتا ہے۔''[1]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ عزوجل عارفین کے دلوں سے غیر اللہ کے ذکر کو محو کر دیتا ہے اور مریدین کی زبانوں پر اپنے ذکر کو ثابت کر دیتا ہے۔ اللہ عزوجل کا محو اور اثبات سے نوازنا ہر شخص کے حال کے مطابق ہوتا ہے۔ جسے اللہ عزوجل اپنے مشاہدہ سے محو کر دیتا ہے اس کو اپنے حقائق کے ساتھ ثابت کرتا ہے اور جسے اللہ عزوجل نے اپنے ساتھ رہنے سے محو کر دیا اسے اغیار کے مشاہدہ کی طرف لوٹا دیا اور اسے تفرقہ کی وادیوں میں پریشان حال کر دیا۔ (تفرقہ کا معنی پہلے بیان ہو چکا ہے)۔

[1] پارہ 13 الرعد 39، ترجمہ کنزالایمان

آپ پریشان ہیں

ایک شخص نے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: ''کیا وجہ ہے کہ میں آپ کو پریشان دیکھتا ہوں، کیا وہ آپ کے ساتھ اور آپ اس کے ساتھ نہیں ہیں؟''

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اگر میں اس کے ساتھ ہوں تو بھی میں ہوں لیکن میں تو اس میں محو ہو چکا ہوں۔''

''مُحق کا درجہ'' محو سے بلند ہے کیونکہ ''محو'' میں نشان باقی رہ جاتا ہے لیکن ''محق'' میں کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔

صوفیاء کرام کی انتہائی تمنا یہ ہوتی ہے کہ اللہ عزوجل انھیں مشاہدۂ نفس سے بالکل محو کر دے پھر ان کو محو کرنے کے بعد واپس اپنی حالت پر نہ لوٹائے۔

㉕-㉖) سَتر اور تجلّی

صوفیاء کرام کے درمیان جاری الفاظ میں سے ''ستر اور تجلّی'' کے الفاظ بھی ہیں۔عوام تو ستر کے پردے میں ہیں اور خواص دائمی تجلّی میں ہیں۔حدیث شریف میں ہے:

((اِنَّ اللّٰہَ اِذَا تَجَلّٰی لِشَیْءٍ خَشِعَ لَہٗ))

''جب اللہ عزوجل کسی چیز پر تجلّی ڈالتا ہے تو وہ اس کے سامنے عاجزی اور خشوع کرتی ہے۔''[1]

لہٰذا صاحب ِسِرّ ہمیشہ اپنے مشاہدے میں ہوتا ہے اور صاحبِ تجلّی ہمیشہ اپنے خشوع کی صفت میں ہوتا ہے۔

ستر عوام کے لیے سزا ہے اور خواص کے لیے رحمت ہے کیونکہ اللہ عزوجل ان کے سامنے جن امور کو کھولتا ہے اگر اللہ عزوجل ان پر پردہ نہ ڈالے تو یہ لوگ سلطان حقیقت کے سامنے فناء ہو جائیں۔لیکن جس طرح وہ ان امور کو ان لوگوں پر ظاہر کرتا ہے اسی طرح ان پر پردہ بھی ڈالتا ہے۔

میری محبت کی تاب کیسے لائے گا؟

منصور مغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک فقیر عرب کے کسی قبیلے میں آیا تو ایک نوجوان نے اس کی مہمان نوازی کی۔ اس دوران جب وہ نوجوان اس فقیر کی خدمت میں مصروف تھا، یک دم بے ہوش ہو گیا۔فقیر نے اس کی حالت کے بارے

[1] سنن نسائی، کتاب الکسوف، باب من قال الربع رکعات، رقم الحدیث: 1846، سنن کبری، جلد 3، صفحہ: 333، سنن دار قطنی، کتاب العیدین، باب صفۃ الصلوۃ الخسوف، رقم الحدیث: 1762، (نوٹ: سنن نسائی میں لفظ خشع کی جگہ ولخشع ہے جبکہ ان نسخوں میں شیء کے بعد من خلقہ کا اضافہ بھی ہے)۔(ابو حنظلہ محمد اجمل عطاری)

میں پوچھا تو انھوں نے کہا کہ اس کی ایک چچازاد ہے جس پر یہ عاشق ہے، وہ اس وقت اپنے خیمے میں جا رہی تھی۔ نوجوان نے اس کے دامن کے غبار کو دیکھ لیا تو بے ہوش ہو گیا۔

فقیر خیمے کے دروازے پر گیا اور کہا ''میں ایک مسافر ہوں اور میرا تم پر کچھ حق ہے۔ میں اس نوجوان کی سفارش کرنے آیا ہوں۔ تم اس کی محبت کے حوالے سے اس پر رحم کرو۔''

اس لڑکی نے کہا: ''سبحان اللہ! (اے فقیر) کیا تیرا دل سلامت ہے؟ یہ میرے غبارِ دامن کے مشاہدہ کی تاب نہیں لا سکا میری محبت کی تاب کیسے لائے گا؟''

عام صوفیاء کی زندگی ''تجلّی'' میں اور ان کی آزمائش ''ستر'' میں ہوتی ہے لیکن خاص صوفیاء کرام طیش و عیش کے درمیان ہوتے ہیں کیونکہ جب ان پر ''تجلّی'' ہوتی ہے تو وہ طیش میں ہوتے ہیں اور جب ان پر ''ستر'' ہوتا ہے تو حظ (زندگی سے حصہ) کی طرف لوٹ آتے ہیں اور عیش میں ہوتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يَا مُوْسٰى ۝﴾

''اور یہ تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ۔'' [1]

یہ اس لیے فرمایا کہ اچانک کلام الٰہی سننے سے ان پر جو اثر مرتب ہو سکتا تھا اس پر بعض ایسی چیزوں سے پردہ ڈال دیا جائے جن سے وہ مانوس تھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِيْ حَتّٰى أَسْتَغْفِرَ اللّٰهَ فِي الْيَوْمِ سَبْعِيْنَ مَرَّةً))

''بے شک میرے دل پر خفیف پردہ چھا جاتا ہے حتیٰ کہ میں دن میں ستر بار طلبِ مغفرت کرتا ہوں۔'' [2]

اور یہ طلب مغفرت پردہ پوشی کی طلب ہے کیونکہ غفر، ستر کو کہتے ہیں۔

---

[1] پارہ 16، طٰہٰ 17، ترجمہ کنزالایمان

[2] مسند امام احمد بن حنبل، جلد 29، صفحہ: 391، رقم الحدیث: 17849,17850، مطبوعہ بیروت، (نوٹ: اس میں لفظ ''سبعین'' کی جگہ ''مئة'' مذکور ہے)۔ اس حدیث کی تشریح میں ڈاکٹر پیر محمد حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کی ایک تشریح بندہ حقیر کے نزدیک یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشاہدہ الٰہی میں محو ہوتے تھے لیکن منصبِ نبوت کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تشریح احکام کرنا بھی ضروری تھا جس کی وجہ سے آپ کو مشاہدہ الٰہی سے ہٹ کر بشری کیفیت کی طرف آنا پڑتا اور یہی غین (پردہ) ہے جس کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ اس حالت میں آنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشاہدۂ حق سے نیچے اترنا پڑتا اور بات ظاہر ہے کہ یہ حالت پہلی حالت کے مقابلہ میں ادنیٰ ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس ادنیٰ سے پھر اعلیٰ کو جانے کے لیے استغفار کرتے۔ (ابو حنظلہ محمد اجمل عطاری)

اسی سے ''غَفْرُ الثَّوْبِ'' (کپڑے سے ڈھانپنا) اور ''مغفر'' (لوہے کی ٹوپی)۔ گویا آپ ﷺ نے یہ بتایا کہ جب آپ ﷺ پر حقیقت کا غلبہ ہوتا ہے تو آپ ﷺ اپنے دل پر پردہ طلب کرتے ہیں کیونکہ وجود حق کے ساتھ مخلوق کا باقی رہنا ناممکن ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے:

((لَوْ كَشَفَ عَنْ وَّجْهِهٖ لَأَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ مَا أَدْرَكَ بَصَرُهٗ))

''اور اگر وہ چہرے سے پردہ ہٹا دے تو اس کے چہرے کے انوار ہر اس چیز کو جلا دیں جس پر اس کی نگاہ پڑے۔''[1]

㉗-㉘-㉙) مُحَاضَرَہْ، مُکَاشَفَہْ اور مُشَاهَدَہْ

صوفیاء کرام کی اصطلاح میں یہ الفاظ بھی شامل ہیں۔ پہلے ''محاضرہ'' ہوتا ہے اس کے بعد ''مکاشفہ'' اور پھر مشاہدہ۔

محاضرہ، دل کی حاضری کا نام ہے۔ یہ حضوری کبھی متواتر برہان کے ذریعے ہوتی ہے اور ابھی بندہ پردے کے پیچھے ہوتا ہے اگرچہ وہ سلطان ذکر کے غلبہ کی وجہ سے حاضر کیوں نہ ہو۔

اس کے بعد ''مکاشفہ'' ہوتا ہے اور یہ صوفی کا بیان کی صفت کے ساتھ حاضر ہونا ہے۔ اس حالت میں وہ دلیل میں غور وفکر اور راستے کی تلاش کا محتاج نہیں ہوتا اور نہ ہی اسے شکوک وشبہات کے اسباب سے پناہ طلب کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ وہ مغیبات کے بیان کرنے میں حجاب میں ہوتا ہے۔

اس کے بعد ''مشاہدہ'' ہے اور وہ حق تعالیٰ کے آگے اس طرح حاضر ہونا ہے کہ اس میں کوئی شک باقی نہیں رہتا جب اسرار کا آسمان پردے کے بادل سے صاف ہوتا ہے تو شہود کا سورج شرف کے برج سے چمکتا ہے۔ اصل مشاہدہ وہ ہے جسے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ وجودِ حق ہوگا تو تمہارا وجود مفقود ہو جائے گا۔

پس ''صاحب محاضرہ'' کا ربط وتعلق علامات کے ساتھ ہوتا ہے، ''صاحبِ مکاشفہ'' اپنی صفات کی وجہ سے بسط میں اور ''صاحبِ مشاہدہ'' ذاتی طور پر گرا پڑا ہوتا ہے، صاحبِ محاضرہ کی راہنمائی اس کی عقل کرتی ہے، صاحبِ مکاشفہ کا علم اسے قریب کرتا ہے اور صاحبِ مشاہدہ کی معرفت اسے مٹا دیتی ہے۔

مشاہدہ کی تحقیق کے بارے میں جو کچھ حضرت عمرو بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس پر کسی نے کوئی اضافہ نہیں کیا۔ ان کے بیان کا مفہوم اس طرح ہے کہ مشاہدہ کی صورت میں صوفی کے دل پر لگاتار تجلی ہوتی ہے اور درمیان میں کسی قسم کا اِنقطاع اور پردہ نہیں ہوتا جس طرح مسلسل بجلی چمکنے کو فرض کر لیا جائے پس جس طرح اندھیری رات میں بجلی لگاتار چمکے تو

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب ان اللہ لا ینام، رقم الحدیث: 444، مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت، المقدمہ سنن ابن ماجہ، باب فیما انکرت الجمعة، رقم الحدیث: 195,196. (نوٹ: کچھ مختلف الفاظ کے ساتھ)

اس سے دن جیسی روشنی پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح جب دل پر متواتر تجلی ہو تو اس (صوفی) کے لیے دن چڑھ آتا ہے اور رات باقی نہیں رہتی۔

ان حضرات نے یہ شعر پڑھا:

لَیْلِیْ بِوَجْهِكِ مُشْرِقٌ
وَظَلَامُهٗ فِی النَّاسِ سَارِی
وَالنَّاسُ فِی سُدَفِ الظَّلَامِ
وَنَحْنُ فِی ضَوْءِ النَّهَارِ

* تمھارے چہرے کی وجہ سے میری رات روشن ہے حالانکہ اس کی تاریکی لوگوں میں چھائی ہوئی ہے۔ چنانچہ لوگ اندھیرے میں ہیں اور ہم دن کی روشنی میں ہیں۔

حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جب تک بندے کی ایک رگ بھی قائم ہو اس کے لیے مشاہدہ درست نہیں ہوتا'' اور انھوں نے فرمایا: ''جب صبح طلوع ہو جائے تو چراغ کی ضرورت نہیں رہتی۔''

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مشاہدہ میں تفرقہ کی طرف کچھ اشارہ پایا جاتا ہے کیونکہ عربی میں ''باب مفاعلہ'' میں (عمل) دونوں طرف سے ہوتا ہے لیکن ایسا خیال کرنے والے کو وہم ہوا کیونکہ حق تعالیٰ کے ظہور میں مخلوق کو فناء ہوتی ہے اور باب مفاعلہ ہر جگہ دو کے درمیان مشارکت کو نہیں چاہتا جیسے سَافَرَ (اس نے سفر کیا) طَارَقَ النَّعْلَ (اس نے جوتا اوپر نیچے پہنا) وغیرہ۔

ان حضرات نے یہ شعر پڑھے:

فَلَمَّا اِسْتَبَانَ الصُّبْحُ أَدْرَكَ ضَوْءُهٗ
بِأَنْوَارِہٖ أَنْوَارَ ضَوْءِ الْكَوَاكِبِ
بِجُرْعِهِمْ كَأْسًا لَوْ اِبْتَلٰى بِهٖ اللَّظٰى
بِتَجْرِيْعَةٍ طَارَتْ كَأَسْرَعَ ذَاهِبِ

* جب صبح ہوئی تو اس کی روشنی نے اپنے انوار سے ستاروں کی روشنی کو پالیا۔ روشنی ان کو عشق کا پیالہ پلاتی ہے اگر یہی آگ کو پلایا جاتا تو وہ فوراً بجھ جاتی۔

* یہ پیالہ کیسا پیالہ ہے جو ان کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکتا ہے، ان کو فناء کر دیتا ہے، انھیں اُچک لیتا ہے اور باقی نہیں رکھتا۔ یہ وہ پیالہ ہے جو ان کا کچھ حصہ نہیں چھوڑتا بلکہ ان کو بالکل مٹا دیتا ہے اور بشریت کے آثار میں سے شمہ بھر بھی نہیں چھوڑتا۔ جیسے کسی نے کہا:

سَارُوْا فَلَمْ يَبْقَ لَا رَسْمٌ وَلَا أَثَرٌ

* وہ چلے گئے اور ان کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا۔

㉚-㉛-㉜) لوائح، طوالع اور لوامع

صوفیاء کرام کے الفاظ میں یہ (مندرجہ بالا) الفاظ بھی شامل ہیں۔

حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ان الفاظ کے معانی ملتے جلتے ہیں اور ان کے معانی میں کوئی بڑا فرق نہیں۔ یہ مبتدیوں کی صفات ہیں جو دل کے ساتھ ترقی کرتے ہیں اور جب ان پر معرفت کا سورج چمکتا ہے تو یہ حالت باقی نہیں رہتی۔ لیکن اللہ عزوجل بروقت ان کے دل کی خوراک پہنچاتا رہتا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا﴾

"اور انھیں اس میں ان کا رزق ہے صبح وشام۔"[1]

پس جب ان کے آسمانِ قلب پر نفسانی لذات کے بادلوں کی تاریکی چھا جاتی ہے تو اس حالت میں کشف کے آثار ظاہر ہو جاتے ہیں اور قربت کے نشانات چمک اُٹھتے ہیں۔ اسی لیے وہ پردے کے زمانے میں اللہ عزوجل کی طرف اچانک آثار کی آمد کے منتظر ہوتے ہیں پس وہ شاعر کے اس قول کی طرح ہوتے ہیں:

يَا أَيُّهَا الْبَرْقُ الَّذِي يَلْمَعُ
مِنْ أَيِّ أَكْنَافِ السَّمَآءِ تَسْطَعُ

* اے چمکنے والی بجلی! تو آسمان کے کس کنارے سے اُٹھتی ہے۔

پس پہلے "لوائح" ہوتے ہیں پھر "لوامع" اس کے بعد "طوالع"۔

لوائح کی مثال بجلیوں جیسی ہے کہ جب تک چھپ نہ جائیں ظاہر نہیں ہوتیں جس طرح کسی قائل نے کہا:

[1] پارہ 16، مریم 62، ترجمہ کنزالایمان

اِفتَرَقْنَا حَوْلًا فَلَمَّا الْتَقَيْنَا
كَانَ تَسْلِيْمُهٗ عَلَيَّ وِدَاعًا

* ایک سال تک ہم جدا رہے پس جب ملاقات ہوئی تو اس کا مجھے سلام کرنا رخصت ہونا تھا۔

نیز اسی سلسلے میں یہ اشعار ہیں:

يَا ذَا الَّذِی زَارَ وَمَا زَارَا
كَأَنَّهٗ مُقْتَبِسٌ نَارًا
مَرَّ بِبَابِ الدَّارِ مُسْتَعْجِلًا
مَاضَرَّهٗ لَوْ دَخَلَ الدَّارَا؟

* اے ملاقات کرنے والے! یہ کیا ملاقات ہوئی کہ گویا آگ لینے آئے تھے۔
* وہ گھر کے دروازے سے جلدی جلدی گزر گیا اگر گھر کے اندر آ جاتا تو کوئی حرج نہ تھا۔

لوامع، لوائح سے زیادہ ظاہر ہوتے ہیں ان کا زوال اتنی جلدی نہیں ہوتا بعض اوقات لوامع دو یا تین وقت باقی رہتے ہیں، لیکن یہ اسی طرح ہے جس طرح ان لوگوں نے کہا:

وَالْعَيْنُ بَاكِيَةٌ لَّمْ تَشْبَعِ النَّظْرَا

* آنکھ رو رہی ہے کہ جی بھر کر دیکھا بھی نہیں۔

اور جس طرح انھوں نے کہا:

لَمْ تَرِدْ مَاءَ وَجْهِهِ الْعَيْنُ إِلَّا
شَرِقَتْ قَبْلَ رِيِّهَا بِرَقِيْبِ

* ابھی نگاہ اس کے چہرے کی آب پر پڑی بھی نہ تھی کہ رقیب کی وجہ سے سیر ہونے سے پہلے ہی بدمزہ ہوگئی۔

جب چمک پیدا ہوتی ہے تو یہ تجھے تیری ذات سے منقطع کر کے اس کے ساتھ جمع کر دیتی ہے لیکن اس کے دن کی روشنی اس وقت تک روشن نہیں ہوتی جب تک رات کے لشکر حملہ آور نہ ہوں، تو ان لوگوں کی حالت راحت اور نوحہ گری کے درمیان ہوتی ہے کیوں کہ یہ کشف اور ستر کے درمیان ہوتے ہیں۔ جس طرح ان حضرات نے فرمایا:

فَاللَّيْلُ يَشْمَلُنَا بِفَاضِلِ بُرْدِهِ
وَالصُّبْحُ يُلْحِفُنَا رِدَاءَ مُذْهَبَا

✽ پس رات ہمیں اپنی چادر کے فاضل (بچے ہوئے) دامن میں لپیٹ لیتی ہے اور صبح اپنی سنہری چادر اُوڑھا دیتی ہے۔

طوالع زیادہ دیر تک قائم رہتے ہیں۔ ان کا تسلط بھی زیادہ ہوتا ہے اور یہ دیرپا ہوتے ہیں نیز یہ تاریکی کو زیادہ دور کرنے والے اور تہمت کی زیادہ نفی کرنے والے ہوتے ہیں لیکن ان میں غروب ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔ نہ تو یہ زیادہ بلند ہوتے ہیں اور نہ زیادہ ٹھہرتے ہیں۔ پھر یہ کہ ان کے حصول کے اوقات جلد منقطع ہو جاتے ہیں اور ان کے غروب ہونے کے احوال لمبے لمبے دامن پھیلائے ہوتے ہیں۔

ان کی کیفیات

یہ معانی یعنی لوائح، لوامع اور طوالع اپنی کیفیات کے اعتبار سے بھی مختلف ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض جب ختم ہوتے ہیں تو ان کا اثر بھی باقی نہیں رہتا۔ جس طرح بجلی چمک کر ختم ہوتی ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ مسلسل رات چلی آ رہی ہے اور ان میں سے بعض کا اثر باقی رہتا ہے۔ اگر ان کا نشان زائل ہو جائے تو درد باقی رہتا ہے۔ اور اگر انوار غروب ہو جائیں تو ان کے آثار باقی رہتے ہیں تو ایسا شخص اس حالت کے غلبہ کے مدھم ہو جانے کے بعد اس کی برکات کی روشنی میں زندہ رہتا ہے اور اس کے دوبارہ آنے تک اس کے وقت کی امید لگی رہتی ہے اور اس کے دوبارہ آنے کا انتظار ہوتا ہے اور وہ اس کیفیت کے ساتھ زندہ رہتا ہے جو اس کے حاصل ہونے سے پیدا ہوئی تھی۔

㉝-㉞) بَوَادَہ اور هجوم

صوفیاء کرام کے درمیان مروجہ الفاظ میں لفظ "بوادہ اور ھجوم" بھی ہے۔

❀ بوادہ: وہ کیفیت ہے جو اللہ ﷻ کی طرف سے یکا یک گھبراہٹ کی شکل میں دل پر وارد ہوتی ہے چاہے وہ خوشی کا سبب ہو یا غم کا۔

❀ ہجوم: وہ کیفیت ہے جو تمہارے تصنع کے بغیر قوتِ وقت سے دل پر وارد ہوتی ہے اور وارد کی قوت اور ضعف کے اعتبار سے اس کی انواع مختلف ہوتی ہیں۔ پس لوگوں میں "بوادہ" تغیر پیدا کرتی ہے اور "ھواجم" ان کو پھیر دیتے ہیں اور ان میں سے بعض، حال اور قوت کے اعتبار سے یکا یک آنے والی حالت سے بلند ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ساداتِ وقت ہوتے ہیں، جس طرح کہا گیا ہے:

لَا تَهْتَدِیْ نُوَبُ الزَّمَانِ اِلَیْهِمْ
وَلَهُمْ عَلَی الْخَطْبِ الْجَلِیْلِ لِجَامٌ

٭ زمانے کے مصائب ان کی طرف راہ نہیں پا سکتے (کیونکہ) ان کے ہاتھوں میں بڑے بڑے امور کی باگ ڈور ہے۔

(35)-(36) تلوین و تمکین [1]

صوفیاء کرام کے مابین جاری ہونے والے الفاظ میں لفظ ''تلوین اور تمکین'' بھی ہے۔ تلوین، اربابِ احوال کی صفت ہے اور تمکین، اہل حقائق کی صفت ہے۔ جب تک صوفی راستے میں ہوتا ہے وہ صاحبِ تلوین ہوتا ہے کیونکہ وہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف ترقی کرتا ہے اور ایک وصف سے دوسرے وصف کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ وہ مقام کوچ سے نکل کر اپنے مقام بِرّ پر آ جاتا ہے۔ جب وہاں پہنچتا ہے تو صاحبِ تمکین ہو جاتا ہے۔ اِن حضرات نے یہ شعر پڑھا:

مَا زِلْتُ أَنْزِلُ فِی وِدَادِكِ مَنْزِلًا
تَتَحَیَّرُ الْأَلْبَابُ دُوْنَ نُزُوْلِهِ

٭ میں تمھاری محبت میں ایسی منزل میں اترا کہ دوسروں کی عقلیں وہاں اترنے سے پہلے حیران ہو گئیں۔

صاحبِ تلوین ہمیشہ ترقی کرتا رہتا ہے اور صاحبِ تمکین اپنے مقام تک پہنچتا ہے تو اس کا اتصال ہو جاتا ہے اور اس کے اتصال کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنی ذات سے مکمل طور پر غافل رہتا ہے۔

بعض مشائخ نے فرمایا: طالبِ طریقت کا سفر اپنی ذات کو پانے پر ختم ہو جاتا ہے۔ جب وہ اپنی ذات کو پا لیتے ہیں تو انھیں وصال حاصل ہو جاتا ہے۔

حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس شیخ کا مقصد یہ ہے کہ طالبِ طریقت سے احکامِ بشریت دور ہو جاتے ہیں اور سلطانِ حقیقت کا غلبہ ہو جاتا ہے جب کسی بندے کی یہ حالت دائمی ہو جائے تو وہ صاحبِ تمکین ہو جاتا ہے۔

حضرت شیخ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت موسیٰ علیہ السلام ''صاحبِ تلوین'' تھے چنانچہ جب وہ کلام الٰہی کی سماعت سے واپس لوٹے تو انھیں اپنا چہرہ چھپانے کی ضرورت محسوس ہوئی اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ''صاحبِ تمکین'' تھے جس طرح

[1] تلوین، لون سے بنا ہے یعنی رنگ بدلتا رہے اور تمکین ٹھہر جانا ہے لہٰذا صوفی کا ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف جانا تلوین اور جہاں رُک جائے وہ تمکین ہے۔ ۱۲ ہزاروی

گئے اسی طرح واپس آ گئے کیونکہ آپ ﷺ نے اس رات جو مشاہدہ کیا اس کا آپ ﷺ پر کوئی اثر نہ ہوا۔

حضرت ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلے میں حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کو بطور شہادت پیش کرتے ہیں کہ جن عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا انھوں نے اپنے ہاتھوں کو کاٹ لیا کیونکہ انھوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کا چہرہ اچانک دیکھا تھا اور عزیزِ مصر کی بیوی (حضرت زلیخا) کی آزمائش ان عورتوں کے مقابلے میں زیادہ سخت تھی اس کے باوجود اس میں بال برابر بھی تغیر و تبدل نہ ہوا کیونکہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے معاملے میں صاحبِ تمکین تھی۔

حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جان لو کہ بندے پر جو کیفیت وارد ہوتی ہے اس کے باعث تبدیلی دو باتوں میں سے ایک کی وجہ سے ہوتی ہے یا تو وارد ہونے والی کیفیت کی قوت کی وجہ سے یا اس کی کمزوری کے باعث۔ اور صاحبِ سکون کا سکون بھی دو باتوں میں سے ایک بات کی وجہ سے ہوتا ہے، اس کی قوت کی وجہ سے یا اس پر وارد ہونے والی کیفیت کی وجہ سے۔

استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: تمکین کے دوام کے جواز میں قوم کے اصول کی دو وجہ ہو سکتی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ کہ اس کے بارے میں بات ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَوْ بَقِيْتُمْ عَلٰى مَا كُنْتُمْ عَلَيْهِ عِنْدِيْ لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ))

"اگر تم اسی حالت پر باقی رہو جس پر تم میرے پاس ہوتے ہو تو فرشتے تم سے مصافحہ کریں۔"[1]

نیز اس لیے بھی کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لِيْ وَقْتٌ لَا يَسَعُنِيْ فِيْهِ غَيْرُ رَبِّيْ عَزَّوَجَلَّ))

"میرے لیے اللہ عزوجل کے ہاں ایک وقت ہے جس میں میرے لیے کسی دوسرے کی گنجائش نہیں۔"[2]

آپ ﷺ نے مخصوص وقت کی خبر دی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ احوال کا دائمی ہونا جائز ہے کیونکہ اہل حقائق ان وارد ہونے والی کیفیات (طوارق) سے بالاتر ہیں۔ اور وہ جو حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "تم سے فرشتے مصافحہ کریں" تو آپ ﷺ نے اسے کسی ناممکن بات پر موقوف قرار نہیں دیا اور فرشتوں کا مصافحہ کرنا اس بات سے کم ہے جو آپ ﷺ نے مبتدیوں کے لیے ثابت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب المداومة على العمل، رقم الحديث: 4239، جامع ترمذی، كتاب القيامة، رقم الحديث: 2452,2514، صحيح مسلم، كتاب التوبه باب فضل دوام الذكر، رقم الحديث: 6901,6900، (نوٹ: کچھ مختلف الفاظ کے ساتھ)

[2] المقاصد الحسنه، ص 306 میں مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ اسرار المرفوعه، صفحہ: 299، ملا علی قاری

((إِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا لِطَالِبِ الْعِلْمِ رِضًا بِمَا يَصْنَعُ))

''بے شک فرشتے طالب علم کے عمل پر خوش ہوتے ہوئے (اس کے لیے) اپنے پر بچھاتے ہیں۔''[1]

اور جو کچھ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ((لِيْ وَقْتٌ)) ''میرے لیے ایک وقت ہے۔'' تو یہ سننے والے کی سمجھ کے مطابق فرمایا۔ آپ ﷺ تو ہر وقت حقیقت کے ساتھ قائم رہتے تھے۔ زیادہ مناسب بات یہ ہے کہ کہا جائے کہ صوفی جب تک ترقی پذیر ہوتا ہے وہ صاحبِ تلوین ہوتا ہے اس کے وصف کے بارے میں کمی زیادتی کا قول کیا جا سکتا ہے۔ اور جب احکامِ بشریت کے پیچھے ہٹ جانے کی وجہ سے وہ حق تک پہنچ جاتا ہے تو اللہ ﷻ اسے صاحبِ تمکین بنا دیتا ہے۔ اس طرح کہ اسے نفس کی معلومات کی طرف نہ لوٹائے پس وہ اپنے مقام اور استحقاق کے مطابق اپنے حال پر متمکن ہو جاتا ہے۔

پھر ہر لحہ اللہ ﷻ کی طرف سے اسے جو تحائف حاصل ہوتے ہیں ان کا کوئی شمار نہیں لہٰذا بندہ زیادتی کے وقت ''مُتَلَوِّن'' (رنگ بدلنے والا) ہوتا ہے بلکہ اس کا رنگ بدلا جاتا ہے اور اپنی اصل کے اعتبار سے وہ مُتَمَكِّنْ ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ ہمیشہ کے لیے پہلی حالت سے اعلیٰ حالت پر متمکن ہوتا ہے پھر اس سے اوپر کی طرف ترقی کرتا ہے کیونکہ ہر جنس میں قدرتِ الٰہیہ غیر محدود ہے۔ لیکن وہ شخص جو اپنے شاہد سے بالکل منقطع ہو چکا ہو اور اپنے احساسات کو ختم کر چکا ہو تو بشریت کی یقیناً ایک حد ہے پس جب وہ اپنے امور، ذات اور احساس سے مٹ چکا ہو اسی طرح تمام موجودات سے بے خبر ہو چکا ہو پھر ہمیشہ اسی حالتِ غَیْبَتْ پر رہے تو یہ شخص حالتِ محو میں ہے۔ یہ حالتِ تمکین نہیں ہے نہ تلوین ہے نہ مقام اور نہ حال۔

پس جب تک وہ اس وصف سے موصوف ہوگا اسے نہ کوئی شرف حاصل ہوگا نہ احکام کا نفاذ ہوگا البتہ یہ کہ اسے اس کے نفس اور احساس کی طرف لوٹایا جائے اور ان امور کی طرف پھیر دیا جائے جو اس کے اختیار کے بغیر محض بارگاہِ خداوندی سے اس پر جاری ہوتے ہیں۔ اس قسم کا آدمی مخلوق کے خیال میں تصرف کرنے والا ہوتا ہے اور حقیقت میں اپنے احوال کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ﴾

''اور تم انھیں جاگتا سمجھو اور وہ سوتے ہیں اور ہم ان کی داہنی بائیں کروٹیں بدلتے ہیں۔''[2]

---

[1] سنن أبی داؤد، باب الحث علیٰ طلب العلم، صفحہ: 313، رقم الحدیث: 3641، مطبوعہ بیروت، جامع ترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقه علی العبادة، رقم الحدیث: 2682، المقدمہ سنن ابن ماجہ، اب فضل العلماء، رقم الحدیث: 223.

[2] پارہ 15، الکہف 18، ترجمہ کنزالایمان

یہ اصحاب کہف کے بارے میں فرمایا۔ اور اللہ عزوجل توفیق عطا فرماتا ہے۔

(37-38) قرب اور بُعد

صوفیاء کرام کے درمیان رائج الفاظ میں یہ دو لفظ بھی ہیں۔ ''قرب'' کا پہلا رتبہ عبادت میں قرب اور ہر وقت اسی کی عبادت سے متصف ہونا ہے اور ''بُعد'' اللہ عزوجل کی مخالفت اور اس کی عبادت سے دُوری کی گندگی سے آلودہ ہونا ہے۔ پس بُعد کا پہلا درجہ توفیق سے بُعد ہے پھر تحقیق سے بُعد کا درجہ ہے۔ بلکہ توفیق سے بُعد ہی تحقیق سے بُعد ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ عزوجل سے خبر دیتے ہوئے فرمایا: (یعنی حدیث قدسی ہے) اللہ عزوجل فرماتا ہے:

((مَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ الْمُتَقَرِّبُوْنَ بِمِثْلِ أَدَاءِ مَا افْتَرَضْتُهُ عَلَيْهِمْ وَلَا يَزَالُ الْعَبْدُ يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى يُحِبَّنِيْ وَأُحِبَّهُ فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ لَهُ سَمْعًا وَّبَصَرًا فَبِيْ يُبْصِرُ وَبِيْ يَسْمَعُ))

''میرا قرب چاہنے والے کسی اور بات سے میرا قرب اس قدر حاصل نہیں کر سکتے جس قدر وہ میرے عائد کردہ فرائض کی ادائیگی سے حاصل کرتے ہیں۔ اور بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ مجھ سے محبت کرنے لگتا ہے اور میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان اور آنکھیں بن جاتا ہوں پس وہ میرے ذریعے دیکھتا اور میرے ذریعے سنتا ہے۔''[1]

لہٰذا سب سے پہلے بندہ ایمان اور تصدیق کے ذریعے قرب حاصل کرتا ہے اس کے بعد احسان اور تحقیق کے ذریعے قرب حاصل کرتا ہے۔ بندے کا اللہ عزوجل کے قریب ہونا اس طرح ہے کہ اسے اللہ عزوجل اس زندگی میں اپنا عرفان عطا کرے اور آخرت میں اسے شہود وعیان (حاضری) کا اعزاز عطا کرے اور دونوں کے درمیان والے عرصے میں اسے طرح طرح کے لطف واحسان سے نوازے۔

اور بندہ حق کے قریب تب ہی ہو سکتا ہے جب مخلوق سے دُوری اختیار کرے چنانچہ اللہ عزوجل کا قرب علم اور قدرت کے ساتھ تمام مخلوق کو شامل ہے اور مہربانی اور مدد کے ساتھ مؤمنوں کے لیے خاص ہے پھر مانوس کرنے کے خصائص کے ساتھ اولیاء کرام کے ساتھ مختص ہے۔[2]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، رقم الحدیث: 6502، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت میں کچھ الفاظ کے ساتھ۔

[2] یعنی قرب کی مختلف صورتیں ہیں۔ عام لوگ علم اور قدرت کے ذریعے، مؤمن اللہ کی مہربانی اور مدد اور اولیاء کرام اللہ عزوجل کے ساتھ مانوس ہونے کے ذریعے اس کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۝﴾ ''اور ہم دل کی رگ سے بھی اس سے زیادہ نزدیک ہیں۔'' [1]

اور ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ﴾ ''اور ہم اس کے زیادہ پاس ہیں تم سے۔'' [2]

اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ط﴾ ''اور وہ تمھارے ساتھ ہے تم کہیں ہو۔'' [3]

اور ارشاد فرمایا:

﴿مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ﴾ ''جہاں کہیں تین شخصوں کی سرگوشی ہو تو چوتھا وہ موجود ہے۔'' [4]

جس کو تحقیقی طور پر معلوم ہو جائے کہ اللہ ﷻ اس کے قریب ہے تو اس کا کمترین درجہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ ﷻ کی طرف نظر رکھے کیونکہ وہ اس کے تقویٰ کا نگہبان ہے۔ پھر اس کی حفاظت اور وفا کا پھر حیاء کا۔ اس سلسلے میں یہ اشعار پیش کیے جاتے ہیں:

كَأَنَّ رَقِيْبًا مِنْكَ يَرْعىٰ خَوَاطِرِيْ وَآخَرَ يَرْعىٰ نَاظِرِيْ وَلِسَانِيْ
فَمَا رَمَقَتْ عَيْنَايَ بَعْدَكَ مَنْظَرًا يَسُوْؤُكَ إِلَّا قُلْتُ قَدْ رَفَعَانِيْ
وَلَا بَدَرَتْ مِنْ فِيَّ دُوْنَكَ لَفْظَةٌ لِغَيْرِكَ إِلَّا قُلْتُ قَدْ سَمِعَانِي
وَلَا خَطَرَتْ فِى السِّرِّ بَعْدَكَ خَطْرَةٌ لِغَيْرِكَ إِلَّا عَرَّجَا بِعِنَانِيْ
وَإِخْوَانُ صِدْقٍ قَدْ سَمِعْتُ حَدِيْثَهُمْ وَأَمْسَكْتُ عَنْهُمْ نَاظِرِيْ وَلِسَانِيْ
وَمَا الزُّهْدُ أَسْلىٰ عَنْهُمْ غَيْرَ أَنَّنِيْ وَجَدْتُكَ مَشْهُوْدًا بِكُلِّ مَكَانِ

* اے محبوب! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تیری طرف سے رقیب میرے خیالات کو دیکھتا رہتا ہے۔
* تمھارے ساتھ تعلق کے بعد جب میری آنکھیں کسی ایسے منظر پر پڑتی ہیں جو تجھے برا لگے تو میں کہتا ہوں دونوں نے مجھے دیکھ لیا ہے۔

---

[1] پارہ 26، ق 16، ترجمہ کنزالایمان
[2] پارہ 27، الواقعہ 85، ترجمہ کنزالایمان
[3] پارہ 27، الحدید 4، ترجمہ کنزالایمان
[4] پارہ 28، المجادلہ 7، ترجمہ کنزالایمان

* اور جب تمھارے نزدیک میرے منہ سے غیر کے لیے کوئی کلمہ نکلتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ ان دونوں (رقیبوں) نے مجھ سے سن لیا ہے۔
* اور جب تمھارے بعد کسی اور کا خیال آتا ہے تو وہ دونوں میری باگ موڑ دیتے ہیں۔
* میرے بہت سے سچے دوست ہیں جن کی باتوں کو میں نے سنا اور میں نے ان سے اپنی نگاہ اور زبان کو روک رکھا ہے۔
* ان سے میری توجہ زہد کی وجہ سے نہیں ہٹی بلکہ میں ہر جگہ اپنے پاس پاتا ہوں۔

وہاں ذبح کرو جہاں کوئی نہ دیکھے

ایک شیخ نے اپنے ایک شاگرد کو اپنی توجہ کے ساتھ خاص کر لیا۔ دوسرے مریدوں نے اس سلسلے میں گفتگو کی تو شیخ نے ہر ایک کو ایک پرندہ دیا اور کہا اسے اس جگہ ذبح کرو جہاں کوئی اسے نہ دیکھتا ہو۔ چنانچہ ان میں سے ہر ایک گیا اور پرندے کو تنہائی میں ذبح کر دیا۔ جب کہ یہ شخص ذبح کیے بغیر پرندے کو واپس لے آیا۔ شیخ نے اس سے پوچھا:

تو اس نے کہا آپ نے مجھے ایسی جگہ ذبح کرنے کے لیے کہا تھا جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو۔ لیکن کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں اللہ ﷻ نہ دیکھتا ہو۔

شیخ نے کہا اسی وجہ سے میں نے اس کو تم لوگوں پر مقدم کیا ہے کیونکہ تم پر مخلوق کی باتوں کا غلبہ ہے اور یہ حق سے غافل نہیں ہے۔

قرب پر نگاہ رکھنا قرب سے حجاب کا سبب بن سکتا ہے پس جو شخص اپنے لیے مقام یا اپنے نفس کا مشاہدہ کرے تو وہ دھوکے میں ہے۔

اسی لیے صوفیاء کرام فرماتے ہیں: اللہ ﷻ تجھے اپنے قرب سے وحشت ناک کرے یعنی اس قرب کو دیکھنے سے اس پر وحشت طاری ہو کیونکہ اللہ ﷻ کے قرب سے اُنس محسوس کرنا اس بات کی علامت ہے کہ وہ اسی قرب سے دھوکہ کھائے ہوئے ہو کیونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ ہر اُنس سے بلند ہے۔

اور حقیقت کے مقامات وحشت اور محویت کا باعث ہوتے ہیں۔ اسی مفہوم کے قریب یہ اشعار کہے گئے ہیں:

مِحْنَتِیْ فِیْكَ أَنَّنِیْ مَا أُبَالِی بِمِحْنَتِیْ
قُرْبُكُمْ مِثْلُ بُعْدِكُمْ فَمَتٰی وَقْتُ رَاحَتِیْ

* تیرے لیے میرا مشقت اٹھانا یہ ہے کہ میں اپنی مشقت کی پرواہ بھی نہ کروں۔
* تمھارا قرب اور بُعد میرے لیے یکساں ہے پس میری راحت کا وقت کب آئے گا۔

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ اکثر یہ شعر پڑھتے تھے:

وِدَادُكُمْ هِجْرٌ وَحُبُّكُمْ قِلًى

وَقُرْبُكُمْ بُعْدٌ وَسِلْمُكُمْ حَرْبٌ

* تمہاری دوستی (میرے لیے) جدائی ہے اور تمہاری محبت دشمنی ہے۔ تمہارا قرب، دوری اور تم سے صلح جنگ ہے۔

حضرت ابوالحسین نوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوحمزہ رحمۃ اللہ علیہ کے کسی مرید کو دیکھ کر فرمایا: تم ابوحمزہ رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہو جو قرب کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جب ان سے ملاقات ہو تو ان سے کہنا کہ ابوالحسین نوری آپ کو سلام کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس مقام میں ہم گفتگو کرتے ہیں اس میں قُرْبُ الْقُرْبِ، بُعْدُالْبُعْدِ ہے (یعنی جتنا قریب ہوتا ہے اتنا ہی دور ہوتا ہے)۔

جہاں تک ذات کے قرب کا تعلق ہے تو اللہ عزوجل اس سے پاک ہے وہ حدود، کناروں، انتہاء اور مقدار سے پاک ہے۔ اس کے ساتھ کسی مخلوق کا اتصال نہیں ہوتا اور نہ کوئی حادث اس سے الگ ہوا کہ وہ اس سے سبقت کرے۔ اس لیے اس کی صمدیت (بے نیازی) وصل اور فصل کو قبول کرنے سے بلند ہے۔

ایک قرب وہ ہے جو اس کی صفات میں محال ہے اور وہ ذاتوں کا قرب ہے۔ ایک قرب اس کی صفت میں واجب ہے اور وہ علم اور رویت (دیکھنے) کا قرب ہے۔ اور ایک قرب سے اس کا موصوف ہونا جائز ہے (واجب نہیں) وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کے ساتھ خاص کرتا ہے اور وہ اپنے لطف و کرم کے ساتھ فضل فرمانے کا قرب ہے۔

⑳-㊵ شَرِيعَتْ وحَقِيقَتْ

صوفیاء کرام کے الفاظ میں ''شریعت اور حقیقت'' کے الفاظ بھی ہیں۔

شریعت: عبودیت (بندگی) پر قائم رہنے کا حکم دینا شریعت ہے۔

حقیقت: ربوبیت کے مشاہدہ کو حقیقت کہتے ہیں۔

پس جس شریعت کی تائید حقیقت سے نہ ہو وہ غیر مقبول ہے اور جس حقیقت میں شریعت کی قید نہ ہو وہ حقیقت بھی غیر مقبول ہے۔

پس شریعت مخلوق کو مکلف بنانے کے لیے آتی ہے اور حقیقت اس بات کی خبر دیتی ہے کہ اللہ عزوجل مخلوق میں کس طرح تصرف کرتا ہے۔

پس شریعت یہ ہے کہ تم اس کی عبادت کرو اور حقیقت یہ ہے کہ تم اس کا مشاہدہ کرو۔

شریعت اُس کے احکام کو بجالانے کا نام ہے اور حقیقت میں ان امور کا مشاہدہ ہوتا ہے جن کا فیصلہ تقدیر میں ہو چکا ہے اور وہ مخفی ہیں یا ظاہر۔

استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ'' شریعت کی حفاظت ہے اور ''اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ'' حقیقت کا اقرار ہے۔ اور جان لو کہ شریعت اس اعتبار سے حقیقت ہے کہ وہ اللہ عزوجل کے حکم سے واجب ہے اور حقیقت اس اعتبار سے شریعت ہے کہ معرفتِ خداوندی بھی اللہ عزوجل کے حکم سے واجب ہوتی ہے۔

(41) نَفَسْ

صوفیاء کرام کے درمیان جاری الفاظ میں سے ایک لفظ ''نَفَس'' (فاء پر زبر کے ساتھ) ہے اور نفس سے مراد غیبی لطائف کے ذریعے دلوں کو راحت پہنچانا ہے۔ اور صاحبِ اَنفاس، صاحبِ حال کے مقابلے میں زیادہ لطیف اور زیادہ صاف ہوتا ہے چنانچہ صاحبِ وقت مبتدی ہوتا ہے اور صاحبِ نفس منتہی، جبکہ صاحبِ حال ان دونوں کے درمیان ہوتا ہے۔ پس احوال، وسائل ہیں اور انفاس ترقی کی انتہاء ہیں۔ ''اوقات''، اصحابِ قلوب کے لیے، ''احوال''، اربابِ ارواح کے لیے اور ''انفاس'' اہل اسرار کے لیے ہیں۔

صوفیاء کرام فرماتے ہیں: بہترین عبادت اللہ عزوجل کے ساتھ اپنے انفاس کو شمار کرنا ہے۔ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے دلوں کو پیدا کر کے ان کو معرفت کی کانیں بنایا۔ ان کے بعد اسرار کو پیدا کر کے ان کو توحید کا محل بنایا پس جو نفس معرفت پر دلالت اور توحید کی طرف اشارہ کیے بغیر اس عالم اضطرار میں حاصل ہو وہ مردہ ہے اور ایسے صاحبِ نفس سے باز پرس ہوگی۔

استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: عارف کا نفس سلامت نہیں رہتا کیونکہ اس کے ساتھ کوئی چشم پوشی (آسانی) نہیں برتی جاتی اور محب کے لیے نفس کا ہونا ضروری ہے کیونکہ اگر اس کے لیے نفس نہیں ہوگا تو وہ طاقت نہ رکھنے کی وجہ سے ختم ہو جائے گا۔

(42) خَوَاطِرْ

صوفیاء کرام کے اصطلاحی الفاظ میں ایک لفظ ''خَوَاطِرْ'' ہے۔ خواطر ایسا خطاب ہے جو ضمیر پر وارد ہوتا ہے اور بعض اوقات خواطر کا القاء فرشتے کی طرف سے ہوتا ہے اور کبھی یہ شیطان کی طرف سے القاء ہوتا ہے، اور کبھی یہ حدیث نفس ہوتا ہے اور یہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ جب یہ فرشتے کی طرف سے ہو تو اسے ''اِلْہَامْ'' کہتے ہیں۔ جب نفس کی طرف سے ہو تو ''ھَوَاجِسْ'' کہلاتا ہے اور شیطان کی طرف سے ہو تو اسے ''وَسْوَسَہْ'' کہتے ہیں۔

جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ہو اور اس کا القاء دل میں ہو تو وہ ''خَاطِرِ حَقْ'' کہلاتا ہے اور یہ سب کچھ کلام کی صورت ہوتی ہے۔

جب یہ فرشتے کی طرف سے ہو تو اس کی صداقت اس طرح معلوم کی جاتی ہے کہ وہ علم کے موافق ہو۔

اسی لیے صوفیاء کرام فرماتے ہیں ''جس خاطر کی شہادت ظاہر نہ دے وہ باطل ہے۔'' اور جب یہ شیطان کی طرف سے ہو تو عام طور پر یہ نافرمانی کی دعوت دیتا ہے۔ جب یہ نفس کی طرف سے ہو تو عام طور پر نفسانی خواہشات کی اتباع یا تکبر کے احساس کی دعوت دیتا ہے یا یہ نفسانی اوصاف کے خصائص کو بڑھاتا ہے۔ مشائخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس شخص کی خوراک حرام مال سے ہو وہ الہام اور وسوسہ میں فرق نہیں کر سکتا۔

حضرت ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: جس شخص کی خوراک کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ حرام سے ہے وہ الہام اور وسوسوں میں فرق نہیں کر سکتا۔ اور جس شخص کے ھَوَاجِسِ نَفْس اس کے سچے مجاہدہ کی وجہ سے ساکت ہو گئے وہ اپنے مجاہدہ کے باعث دل کی باتیں کہتا ہے۔

شیوخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ (أَنَّ النَّفْسَ لَا تَصَدَّقُ وَأَنَّ الْقَلْبَ لَا يَكْذِبُ) ''نفس سچ نہیں کہتا اور دل جھوٹ نہیں بولتا''

بعض مشائخ نے فرمایا: تمھارا نفس سچ نہیں کہتا اور تمھارا دل جھوٹ نہیں بولتا اور اگر تم بہت زیادہ کوشش کرو کہ تمھاری روح تم سے مخاطب ہو تو وہ مخاطب نہیں ہو گی۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ہواجِسِ نفس اور شیطانی وسوسوں میں اس طرح فرق کیا ہے کہ جب نفس تم سے کسی چیز کا مطالبہ کرے تو وہ اصرار کرتا ہے لہٰذا وہ اپنا مطالبہ کرتا رہتا ہے اگرچہ کچھ وقفہ کے بعد ہو حتیٰ کہ وہ اپنی مراد تک پہنچ جائے اور اس کا مقصود حاصل ہو جائے البتہ یہ کہ سچا مجاہدہ دائمی ہو، پھر بھی وہ اپنا مطالبہ دہراتا رہتا ہے۔

جب شیطان تمھیں لغزش کی طرف بلاتا ہے اور تم اس کی مخالفت کرتے ہوئے اسے ترک کر دیتے ہو تو وہ کسی دوسری لغزش کا وسوسہ ڈالتا ہے کیونکہ اس کے نزدیک تمام مخالفتیں ایک جیسی ہیں۔ اس کا مقصد تو یہ ہے کہ وہ کسی نہ کسی لغزش کی طرف بلائے، کسی خاص لغزش کی تخصیص اس کا مقصد نہیں ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو ''خاطر'' فرشتے کی طرف سے ہو کبھی وہ شخص اس کی موافقت کرتا ہے اور کبھی مخالفت لیکن جو ''خاطر'' اللہ عزوجل کی طرف سے ہو اس میں بندے کی طرف سے مخالفت نہیں ہوتی۔

مشائخ نے دوسرے خاطر میں بحث کی ہے جب دونوں ''خاطر'' حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ہوں کہ کیا وہ پہلے سے زیادہ قوی ہوتی ہے؟

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پہلا خاطر زیادہ قوی ہوتا ہے کیونکہ جب وہ باقی ہو تو ایسا شخص غور وفکر کی طرف لوٹتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اس بات کا علم رکھتا ہو (کہ وہ اللہ عزوجل کی طرف سے ہے) پس پہلے کو چھوڑنا دوسرے کو کمزور کرتا ہے۔

حضرت ابن عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دوسرا زیادہ قوی ہوتا ہے کیونکہ پہلے کے ذریعے اس کی قوت بڑھ جاتی ہے۔

متاخرین صوفیاء میں سے حضرت ابو عبداللہ بن خفیف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دونوں برابر ہیں کیونکہ دونوں حق کی طرف سے ہیں لہٰذا ان میں سے ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں۔ جب دوسرا پایا جائے تو پہلا باقی نہیں رہتا کیونکہ آثار کے لیے بقاء نہیں ہے۔

㊸-㊹-㊺ عِلْمُ الْيَقِيْن، عَيْنُ الْيَقِيْن اور حَقُّ الْيَقِيْن

ان الفاظ میں سے یہ تین الفاظ بھی ہیں اور ان سے روشن اور واضح علوم مراد ہیں۔

پس یقین عرف عام کے مطابق وہ علم ہے جس میں صاحبِ علم کو کوئی شک نہیں ہوتا ہے اور اللہ عزوجل پر اس صفت کا اطلاق نہیں ہوتا کیونکہ یہ توقیفی نہیں (اور اللہ عزوجل کی صفات توقیفی ہیں)۔ [1]

پس علم الیقین، یقین ہے۔ اسی طرح عین الیقین بھی نفس یقین کا نام ہے اور حق الیقین بھی نفس یقین ہے۔ پس ان لوگوں کی اصطلاح کے مطابق ''علم الیقین'' وہ ہے جس میں برہان اور دلیل کی شرط ہو۔ ''عین الیقین'' وہ ہے جس میں وضاحت ہو اور ''حق الیقین'' وہ ہے جس میں معائنہ و مشاہدہ پایا جائے۔ ''علم الیقین'' اربابِ عقول کو حاصل ہوتا ہے۔ ''عین الیقین'' اصحابِ علوم کو اور ''حق الیقین'' اصحابِ معرفت کو حاصل ہوتا ہے۔

ان تمام پر گفتگو وہی ہے جو ہم نے ذکر کر دی ہے اور ہم نے تنبیہ کے طور پر اسی پر اکتفاء کیا ہے۔

㊻ وَارِدْ

ان الفاظ میں سے ایک لفظ ''وارد'' ہے اور ان حضرات کے کلام میں لفظ ''وارد'' کا استعمال بکثرت ہوتا ہے۔ وارد، وہ اچھے ''خواطر'' ہیں جن کو بندے ارادے کے بغیر دلوں میں محسوس کرتے ہیں۔ اسی طرح جو امور خواطر نہ ہوں وہ بھی ''وارد'' ہی کہلاتے ہیں۔ پھر ''وارد'' کبھی حق کی طرف سے ہوتا ہے اور کبھی علم کی طرف سے، پس واردات خواطر سے زیادہ عام ہیں کیونکہ خواطر ایک قسم کے خطاب سے مختص ہیں یا اس کے معنٰی کو شامل ہیں لیکن وارد کی کئی صورتیں ہیں۔ وارد کبھی واردِ سرور ہوتا ہے کبھی واردِ حزن کبھی واردِ قبض اور کبھی واردِ بسط اور اس کے علاوہ دیگر کئی معانی پر مشتمل

[1] توقیفی کا مطلب یہ ہے کہ اس میں اجتہاد نہیں ہو سکتا بلکہ جو کچھ اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ نے بتایا اسی پر اکتفاء کیا جائے۔ ۱۲ ہزاروی

وارد ہوتے ہیں۔

⑰ شَاھِدْ

ان الفاظ میں سے ایک لفظ ''شاہد'' ہے۔ صوفیاء کرام کے کلام میں لفظ ''شاہد'' بہت زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ فلاں ''شاہدِ علم'' ہے، فلاں ''شاہدِ وجد'' ہے اور فلاں ''شاہدِ حال'' ہے۔

اور وہ لفظ ''شاہد'' سے مراد وہ چیز لیتے ہیں جو انسانی دل میں حاضر ہو اور جس کا ذکر غالب ہو حتیٰ کہ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے اگرچہ وہ اس سے غائب ہو پس کسی شخص کے دل پر جس چیز کا ذکر غالب ہو وہ اس کا شاہد ہے۔ اگر اس پر علم غالب ہے تو وہ شاہد علم ہے یعنی (اس کے دل پر علم کا غلبہ ہے اور علم اس کے دل میں موجود ہے)، اگر اس پر وجد غالب ہے تو وہ وجد کا شاہد ہے۔ (یعنی اس کے دل پر وجد کا غلبہ ہے) شاہد کا معنیٰ حاضر ہے پس جو چیز تیرے دل میں حاضر ہے وہ تیرا شاہد ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے مشاہدہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''ہمارے لیے مشاہدۂ حق کہاں سے آئے گا حق تو ہمارا شاہد ہے۔''

انھوں نے شاہد حق سے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ ان کے دل پر حق کا غلبہ ہے اور اس کا ذکر غالب ہے اور ان کے دل میں ہمیشہ ذکرِ حق غالب رہتا ہے۔

جس شخص کا کسی مخلوق سے قلبی تعلق ہو جائے تو کہا جاتا ہے کہ وہ اس کا شاہد ہے یعنی اس کے دل میں حاضر ہے کیونکہ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ محبوب کا ذکر ہمیشہ جاری رہے اور وہ اس کے دل پر غالب رہے۔

بعض حضرات نے اس کے اشتقاق میں تکلف سے کام لیا اور کہا کہ شاہد، لفظ شہادت سے مشتق ہے گویا جب کوئی شخص کسی کا مطالعہ اس کے وصفِ جمال کے ساتھ کرتا ہے اور اس وقت اس کی بشریت ساقط ہو جاتی ہے اور اس شخص کی موجودگی اس کو اپنی حالت سے غافل نہیں کرتی اور کسی صورت میں اس کی صحبت اس میں اثر نہیں کرتی تو وہ شخص اس بات پر گواہ ہے کہ اس کا نفس فناء ہو گیا۔ اور جس میں وہ اثر کرے تو وہ اس کے نفس کے بقاء پر شاہد ہے۔ اور اس کا احکام بشریت کے ساتھ قائم ہونا یا اس کے حق میں شاہد ہے یا اس کے خلاف۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی کو اسی بات پر محمول کیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((رَأَيْتُ رَبِّیْ لَيْلَةَ الْمِعْرَاجِ فِیْ أَحْسَنِ صُوْرَةٍ)) ((أَیْ أَحْسَنُ صُوْرَةٍ رَأَيْتُهَا تِلْكَ اللَّيْلَةَ لَمْ تُشْغِلْنِیْ عَنْ رُؤْيَتِهٖ تَعَالٰى بَلْ رَأَيْتُ الْمُصَوِّرَ فِی الصُّوْرَةِ وَالْمُنْشِئَ فِی الْإِنْشَاءِ))

''میں نے معراج کی رات اپنے رب کو اچھی صورت میں دیکھا۔ [1]

یعنی جو اچھی صورت اس رات میں نے دیکھی اس نے مجھے دیدارِ الٰہی سے غافل کر کے اپنی طرف مشغول نہیں کیا بلکہ میں نے اس صورت میں مصور کا اور پیدا کرنے میں پیدا کرنے والے کو دیکھا۔'' [2]

نَفَس

صوفیاء کرام کی اصطلاح میں ایک لفظ ''نَفْس'' (فاء ساکن کے ساتھ) ہے اور ''نَفْسُ الشَّیْءِ'' کا معنیٰ کسی چیز کا وجود ہے۔ ایک جماعت کے نزدیک لفظ نفس کے اطلاق سے مراد وجود نہیں اور نہ ہی وہ ڈھانچہ مراد لیا جاتا ہے جو نفس کا موضوع ہے [3] بلکہ وہ لوگ نفس سے بندے کے وہ اوصاف لیتے ہیں جن میں کوئی خرابی ہو۔ اسی طرح اس سے برے اخلاق اور افعال مراد لیے جاتے ہیں۔

پھر بندے کے وہ اوصاف جن میں کوئی علّت یا خرابی پائی جاتی ہے ان کی دو قسمیں ہیں: ان میں سے ایک قسم، وہ افعال ہیں جو بندہ خود اختیار کرتا ہے جیسے معصیت اور احکام شرع کی مخالفت اور دوسرے اخلاق مذمومہ ہوتے ہیں جو ذاتی طور پر مذموم ہوتے ہیں۔ جب بندہ ان کی مخالفت کرے اور ان سے جنگ کرے تو مجاہدہ کی وجہ سے ان بُرے اخلاق کی عادت بنا لینے سے نجات پالیتا ہے۔

احکام نفس کی پہلی قسم وہ ہے جن سے بطور نہی تحریمی یا نہی تنزیہی منع کیا گیا ہے اور دوسری قسم میں ردی اور مذموم اخلاق شامل ہیں۔ اختصار کے ساتھ اس کی تعریف یہ (دوسری قسم) ہے۔

پھر اس کی تفصیل ہے۔ پس تکبر، غصہ، کینہ، حسد، بدخلقی، عدم برداشت وغیرہ اخلاق مذمومہ اس میں شامل ہیں۔

احکام نفس میں سے سب سے زیادہ سخت اور مشکل ترین بات یہ ہے کہ انسان ان میں سے کسی چیز کو اچھا سمجھے یا اسے قابلِ قدر خیال کرے اسی لیے اس قسم کے خیال کو شرک خفی قرار دیا گیا ہے۔

نفس کو ترک کرنے یا توڑنے کے ذریعے اخلاق کا علاج، بھوک، پیاس، بیداری وغیرہ مجاہدات جن کے ذریعے قوت کو توڑا جاتا ہے، کے مقابلے میں زیادہ کامل ہے اگرچہ یہ (بھوک وغیرہ) بھی نفس کو ترک کرنے کی ایک صورت ہے۔ ممکن ہے کہ نفس ایک لطیف چیز ہو جسے جسم کے اس ڈھانچے میں رکھا گیا ہو جو مذموم اخلاق کا محل ہے جس طرح روح ایک لطیف چیز ہے جو جسم کے ڈھانچے میں اس جگہ رکھی گئی ہے جو اچھے اخلاق کا محل ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے

[1] السنہ لابن ابی عاصم، جلد 1، صفحہ: 204، رقم الحدیث: 468,469، مطبوعہ المکتبۃ الاسلامی بیروت

[2] اس سے مراد رؤیت علم ہے، آنکھوں سے دیکھنا مراد نہیں۔ ۱۲ ہزاروی

[3] جس ڈھانچے (جسم) میں نفس رکھا گیا۔ ۱۲ ہزاروی

پر غالب آتے ہیں اور ان سب کا مجموعہ ''انسان'' کہلاتا ہے۔

ظاہر میں روح اور نفس کا اجسام لطیفہ میں سے ہونا اسی طرح ہے جس طرح فرشتے اور شیطان میں لطافت کی صفت پائی جاتی ہے اور جس طرح آنکھ دیکھنے کا محل ہے، کان سننے کا محل، ناک سونگھنے کا محل، منہ چکھنے کا محل ہے حالانکہ سننے والی، دیکھنے والی، سونگھنے والی اور چکھنے والی قوت یہ تمام کی تمام انسان میں شامل ہیں اور ان کا مجموعہ انسان ہے۔ اسی طرح اچھی صفات کا محل دل اور روح ہے اور اوصاف مذمومہ کا محل نفس ہے اور نفس اس تمام کا جزء ہے اور دل بھی اس کل کا جزء ہے البتہ حکم اور نام کا اطلاق کل پر ہوتا ہے۔ [1]

⑱ رُوح

صوفیاء کرام کے درمیان رائج الفاظ میں سے ایک لفظ ''رُوح'' ہے۔ اہلِ سنت کے محققین کے نزدیک ارواح کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ رُوح حیات کا نام ہے۔ بعض کے نزدیک یہ اعیان (اجسام) ہیں جو ان ڈھانچوں (جسموں) میں رکھے گئے ہیں۔

⑲ لَطِیْفَہ

اللہ عزوجل کی عادت کریمہ ہے کہ جب تک ارواح بدنوں میں ہوں وہ جسموں میں زندگی کو باقی رکھتا ہے کیونکہ انسان حیات کے ساتھ حیّ (زندہ) ہے لیکن ارواح اس ڈھانچے میں رکھی گئی ہیں اور یہ ارواح نیند کی حالت میں اوپر چڑھ جاتی ہیں اور جسم سے جدا ہو جاتی ہیں پھر اس کی طرف واپس آ جاتی ہیں۔ اور انسان روح اور جسم (کا مجموعہ) ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان دونوں کو ایک دوسرے پر مسلط کر رکھا ہے اور حشر دونوں کا ہوگا اور ثواب وعذاب بھی دونوں کو ہوگا۔ ارواح مخلوق ہیں اور جو شخص ان کو قدیم کہتا ہے وہ بہت بڑا خطا کار ہے۔ احادیثِ مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ اعیان لطیفہ (لطیف اجسام) ہیں۔ [2]

⑳ سِرّ

صوفیاء کرام کے درمیان جاری الفاظ میں سے ایک لفظ ''سِرّ'' ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ سِرّ ارواح کی طرح ایک

---

[1] جس طرح ایک شخص مسجد میں بیٹھا ہو تو وہ مسجد کے ایک حصے میں ہوتا ہے لیکن کہا جاتا ہے کہ وہ مسجد میں بیٹھا ہوا ہے، یعنی مسجد کے جزء کی بجائے کل کا ذکر ہوتا ہے۔ (نتائج الأفکار القدسیہ، جلد 2، صفحہ: 164)، ۱۲ ہزاروی

[2] جن احادیث میں رُوح کے اترنے، اوپر جانے اور برزخ میں اِدھر اُدھر آنے جانے کا ذکر ہے ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ارواح مخلوق اور حادث ہیں قدیم نہیں۔ (ایضاً، صفحہ: 165)، ۱۲ ہزاروی

لطیف چیز ہو جو جسم کے ڈھانچے میں رکھی گئی ہے۔ صوفیاء کرام کے اصول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مشاہدہ کا محل ہے جس طرح ارواح محبت کا محل اور دل معرفت کا محل ہے۔

صوفیاء کرام نے فرمایا: سِرّ وہ ہے جس پر تو جھانک کر نظر ڈالے اور ''سِرُّ السِّرِ'' وہ ہے جس پر حق کے سوا کسی کو اطلاع نہ ہو۔

بعض حضرات کے مقام اور ان کے اصولوں کے تقاضا کے مطابق سِرّ روح سے زیادہ لطیف ہے اور روح، دل سے زیادہ اشرف (شرف والی) ہے۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ اسرار، اغیار کی غلامی سے آزاد ہوتے ہیں چاہے وہ آثار ہوں یا اظلال۔[1]

سِرّ کا اطلاق اس راز پر بھی ہوتا ہے جو بندے اور حق کے درمیان ہر حالت میں محفوظ اور پوشیدہ ہوتا ہے۔ یہ قول اسی معنیٰ پر محمول کیا جاتا ہے۔ کہنے والے نے کہا:

''اَسْرَارُنَا بِكْرٌ لَّمْ يَفْتَضَّهَا وَهْمُ وَاهِمٍ''

''ہمارے اسرار اس کنواری کی طرح ہیں جس کے کنوارہ پن کو کسی وہم کرنے والے کا وہم بھی نہیں توڑ سکتا۔''

اور وہ کہتے ہیں ''صُدُوْرُ الْأَحْرَارِ قُبُوْرُ الْأَسْرَارِ'' آزاد لوگوں کے سینے اسرار کی قبریں ہیں اور انھوں نے کہا: ''لَوْ عَرِفَ زِرِّيْ سِرِّيْ لَطَرَحْتُهُ'' ''اگر میرا بٹن میرے راز کو جان لے تو میں اس (بٹن) کو پھینک دوں۔

یہ (مذکورہ بالا) صوفیاء کرام کے بیان کردہ معانی کی تھوڑی سی تشریح ہے اور ہم نے اختصار کے ساتھ ان کے بعض الفاظ کی تعبیر کی ہے جو وہ انفرادی طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اب ہم ان مقامات کی تشریح میں کچھ ابواب ذکر کریں گے جو ارباب سلوک کے مدارج ہیں۔ پھر اس کے بعد ان احوال کی تفصیل جو اللہ ﷻ نے اپنے فضل سے ہمارے لیے آسان فرمائی ہے، سے متعلق کچھ ابواب ہوں گے۔

[1] اظلال، ظل کی جمع ہے۔ ظل سایہ کو کہتے ہیں۔۱۲ ہزاروی

باب

توبہ کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝﴾

''اور اللہ کی طرف توبہ کرو اے مسلمانو! سب کے سب اس اُمید پر کہ تم فلاح پاؤ۔'' [1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ وَإِذَا أَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا لَّمْ يَضُرَّهٗ ذَنْبٌ))

''گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جس کے ذمہ کوئی گناہ نہیں اور جب اللہ عزوجل کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے گناہ نقصان نہیں پہنچاتا۔'' [2]

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۝﴾

''بے شک اللہ پسند کرتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو اور پسند رکھتا ہے ستھروں کو۔'' [3]

عرض کیا گیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! توبہ کی علامت کیا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلنَّدَامَةُ)) ''ندامت۔'' [4]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] پارہ 18، النور 31، ترجمہ کنزالایمان

[2] الجمع الجوامع، رقم الحدیث: 10668، تفسیر در منثور، جلد 1، صفحہ: 216، نوٹ: ان الفاظ کے ساتھ یہ پوری حدیث دیگر محدثین نے امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ کے اس ''رسالے'' کے حوالے سے ہی نقل کی ہے۔ (ابو حنظلہ محمد اجمل عطاری)

[3] پارہ 2، البقرہ 222، ترجمہ کنزالایمان

[4] ابن ماجہ زہد 35، مسند امام احمد احمد بن حنبل: 423-433.

((مَا مِنْ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ مِنْ شَابٍّ تَائِبٍ))

''اللہ ﷻ کو توبہ کرنے والے نوجوان سے زیادہ کوئی شخص پسند نہیں۔'' [1]

پس توبہ سالکین کی منازل میں سے پہلی منزل اور طالبین کے مقامات میں سے پہلا مقام ہے۔

توبہ کی تعریف

لغت عرب کے مطابق حقیقت توبہ ''رجوع'' ہے۔ کہا جاتا ہے ''تَابَ'' یعنی رجوع کیا۔

پس توبہ اس چیز سے جو شریعت میں مذموم ہے، اس چیز کی طرف رجوع کرنا ہے جو شریعت میں محمود ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ((أَلنَّدَمُ تَوْبَةٌ)) ''ندامت، توبہ ہے۔'' [2]

اہلِ سنت کے ارباب اصول فرماتے ہیں: توبہ کے صحیح ہونے کے لیے تین شرائط ہیں: ① شریعت کے خلاف کیے گئے اعمال پر ندامت، ② اس لغزش کو فی الفور ترک کرنا ③ اور اس بات کا پختہ ارادہ کرنا کہ آئندہ اس قسم کے گناہوں کی طرف نہیں لوٹے گا۔ پس (توبہ کے) یہ ارکان ضروری ہیں تا کہ اس کی توبہ صحیح ہو جائے۔

یہ حضرات فرماتے ہیں: حدیث شریف میں جو فرمایا: ((أَلنَّدَمُ تَوْبَةٌ)) ''ندامت توبہ ہے۔'' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا بڑا رکن ندامت ہے جس طرح رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ((اَلْحَجُّ عَرَفَةٌ)) ''حج عرفات میں وقوف کا نام ہے۔'' [3] یعنی عرفات میں وقوف حج کا بڑا رکن ہے یہ مطلب نہیں کہ اس کے علاوہ حج کا کوئی رکن نہیں۔ اسی طرح ''ندامت توبہ ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ ندامت توبہ کا بڑا رکن ہے (یہ مطلب نہیں کہ صرف یہی رکن ہے)۔

اہلِ تحقیق میں سے بعض نے کہا کہ توبہ کی حقیقت میں صرف ندامت کافی ہے کیونکہ دوسرے دونوں رکن اس کے تابع ہیں کیونکہ یہ بات فرض کرنا محال ہے کہ کوئی شخص جس گناہ پر نادم ہو اس کی مثل پر اصرار کرے یا اس کی مثل گناہ کرے۔

توبہ کا یہ معنیٰ اجمالی ہے۔ بطور تفصیل اور بیان یہ ہے کہ توبہ کے اسباب بھی ہیں، ترتیب بھی اور اقسام بھی۔

توبہ کے اسباب

سب سے پہلے دل کا غفلت کی نیند سے بیدار ہونا اور بندے کا اپنی موجودہ بری حالت کو دیکھنا ہے اور ان امور تک

---

[1] الجامع الصغير، رقم الحديث: 8050، مطبوعه مكتبه نزار مصطفى الباز.

[2] سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب ذكر التوبة، رقم الحديث: 4252، مسند امام احمد بن حنبل، جلد 7، صفحه: 113، رقم الحديث: 4012.

[3] سنن دارمي، كتاب المناسك، باب 54، رقم الحديث: 1929، سنن ابن ماجه، كتاب المناسك، باب 57، رقم الحديث: 3015، سنن أبو داؤد، كتاب المناسك، باب: 69، رقم الحديث: 1949.

پہنچنے کا سبب اس بات کی توفیق کا حصول ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے جو تنبیہات آتی ہیں ان کو دل کے کانوں سے سنے۔ حدیث شریف میں آیا ہے: ((وَاعِظُ اللّٰهِ فِیْ قَلْبِ كُلِّ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ)) "ہر مسلمان کے دل میں اللہ ﷻ کی طرف سے واعظ موجود ہے۔" [1]

اور حدیث شریف میں ہے:

((إِنَّ فِی الْبَدَنِ لَمُضْغَةً إِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ جَمِيْعُ الْبَدَنِ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ جَمِيْعُ الْبَدَنِ أَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ))

"بے شک بدن میں ایک لوتھڑا ہے جب وہ ٹھیک ہوتا ہے تو تمام بدن ٹھیک ہوتا ہے اور جب وہ خراب ہو جائے تو تمام بدن خراب ہو جاتا ہے۔ سنو! وہ دل ہے۔" [2]

جب وہ دل سے اپنے عمل کی برائی کے بارے میں سوچتا ہے اور اپنے قبیح افعال کو دیکھتا ہے تو اس کے دل میں توبہ کا ارادہ پیدا ہوتا ہے نیز وہ برے معاملات سے نکلنا چاہتا ہے تو اللہ ﷻ اس کی مدد کرتے ہوئے اس کے ارادے کو درست کرتا ہے، اسے اچھے رجوع کی توفیق دیتا اور توبہ کے اسباب مہیا فرماتا ہے۔

توبہ کی ترتیب

ان میں سے پہلی بات یہ ہے کہ برے لوگوں کی صحبت ترک کی جائے کیونکہ وہی لوگ اسے یہ ارادہ ترک کرنے پر ابھارتے ہیں اور اس ارادے کی صحت میں شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں۔ اور یہ بات پایۂ تکمیل کو اسی وقت پہنچتی ہے جب وہ اس مشاہدہ میں دوام اختیار کرے جو توبہ میں رغبت کے اضافہ کا باعث ہے اور جس بات کا اس نے عزم کیا ہے اسے پورا کرنے کے لیے ایسے اسباب پیدا کرتا ہے جس سے اس کا خوف اور امید مضبوط ہوتی ہے۔

اس وقت اس کے دل سے برے اعمال جن کا وہ عادی ہے پر اصرار کی گرہ کھل جاتی ہے۔ پس وہ ممنوع کاموں کے ارتکاب سے رُک جاتا ہے اور وہ خواہشات کی تابعداری سے اپنے نفس کی لگام کھینچ لیتا ہے۔ اور لغزش اسی وقت ختم ہو جاتی ہے اور مستقبل میں ایسے کام نہ کرنے سے متعلق اس کا ارادہ مضبوط ہو جاتا ہے اور اگر وہ اپنے ارادے کے مطابق چلا اور اس نے اپنے عزم کے مطابق کام کیا تو صحیح معنیٰ میں اسے توفیقِ خداوندی حاصل ہوتی ہے۔ اور اگر اس نے ایک

[1] جامع ترمذی، رقم الحدیث: 2859، مسند امام احمد بن حنبل: 17182.

[2] سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب الوقوف عن الشبھات، رقم الحدیث: 3984، صحیح بخاری، کتاب الإیمان، باب فضل مَنْ اِسْتَبْرَأَ لدینه، رقم الحدیث: 52، صحیح مسلم، کتاب المساقات، باب اخذ الحلال و ترک الشبھات، رقم الحدیث: 4070، سنن دارمی، کتاب البیوع، باب: حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے، رقم الحدیث: 2573.

یا کئی بار توبہ کو توڑا اور اپنے ارادے کو از سرنو توبہ کرنے پر مجبور کیا اور اکثر ایسا بھی ہوتا ہے۔ تو اس قسم کے لوگوں سے توبہ کی اُمید ختم نہیں کرنی چاہیے کیونکہ ہر بات کے لیے وقت مقرر ہے۔

توبہ سے متعلق واقعات

حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا: "میں ایک قصہ خواں کی مجلس میں جایا کرتا تھا تو اس کے کلام نے میرے دل پر اثر کیا۔ جب میں اُٹھا تو میرے دل میں کوئی چیز باقی نہ رہی۔ دوبارہ آیا تو اس کے کلام نے میرے دل میں اثر کیا حتیٰ کہ میں اپنے گھر کی طرف لوٹا۔ پس میں نے مخالفت کے تمام آلات توڑ دیے اور طریقت کی راہ کو اختیار کر لیا۔"

یہ واقعہ حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کو سنایا گیا تو انھوں نے فرمایا: "ایک چڑیا نے کرکی (یعنی کونج) کا شکار کیا۔ (دو مرتبہ فرمایا) انھوں نے چڑیا سے قصہ گو مراد لیا اور کونج سے حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ مراد لیے۔

حضرت ابوحفص حداد رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے انھوں نے فرمایا: "میں نے کئی بار اپنا پیشہ چھوڑا لیکن پھر وہی کام کرنے لگ گیا بالآخر اس پیشہ نے مجھے چھوڑ دیا اور میں دوبارہ اس کی طرف نہ گیا۔"

کہا گیا ہے کہ حضرت ابوعمرو نجید رحمۃ اللہ علیہ اپنے ابتدائی مراحل میں حضرت ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں جاتے تھے تو ان کے کلام نے ان پر اثر کیا چنانچہ انھوں نے توبہ کر لی۔ پھر ان سے سستی ہو گئی چنانچہ جب وہ حضرت ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھتے تو ان سے بھاگ جاتے اور ان کی مجلس سے دور رہنے لگے۔ ایک دن وہ حضرت ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے آ گئے تو وہ دوسرے راستے پر چلے گئے، حضرت ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ ان کے پیچھے چلے اور چلتے رہے حتیٰ کہ ان تک پہنچ گئے اور فرمایا:

"اے بیٹے! جو شخص تجھ سے صرف اس لیے محبت کرے کہ تو معصوم ہو تو اس شخص کی صحبت اختیار نہ کر۔ ابوعثمان تجھے اس حالت میں بھی نفع پہنچا سکتا ہے۔"

راوی فرماتے ہیں: حضرت ابوعمرو نجید رحمۃ اللہ علیہ نے توبہ کی اور دوبارہ ان کی ارادت اختیار کی اور اس پر قائم رہے۔

حضرت ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی مرید نے توبہ کی پھر اس سے سستی ہو گئی۔ ایک دن وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ دوبارہ توبہ کرے تو اس کا حکم کیا ہو گا؟

تو غیبی آواز دینے والے نے آواز دی "اے فلاں! تم نے ہماری طاعت کی تو ہم نے قبول کی پھر تم نے چھوڑ دی تو ہم نے تمھیں مہلت دی اور اگر دوبارہ ہماری طرف آؤ گے تو ہم تمھیں قبول کریں گے۔" چنانچہ وہ نوجوان اپنے ارادے کی طرف لوٹ گیا اور اس پر قائم رہا۔

اس لیے جب آدمی گناہوں کو چھوڑ دے اور اس کے دل سے اصرار کی گرہ کھل جائے اور وہ دوبارہ ایسے کاموں کی

طرف نہ جانے کا عزم کر لے تو اس وقت اس کے دل میں سچی ندامت ہوتی ہے اور اسے اپنے عمل پر افسوس ہوتا ہے اور اس نے جو برے اعمال کیے ہیں ان پر ندامت ہوتی ہے تو اس کی توبہ مکمل ہوتی ہے، اس کا مجاہدہ سچا ہوتا ہے اور وہ لوگوں سے میل جول کی جگہ سے علیحدگی اختیار کرتا ہے اور برے دوستوں میں بیٹھنے کی بجائے ان سے نفرت اختیار کرتا ہے اور ان کو چھوڑ کر خلوت اختیار کرتا ہے اور وہ دن رات افسوس کرتا ہے اور اکثر اوقات سچے دل سے ندامت اور شرمساری اختیار کرتا ہے یعنی وہ اپنے آنسوؤں کی بارش سے اپنی لغزشوں کے نشانات مٹاتا ہے، اور اپنے گناہوں کے زخموں کا اچھی توبہ کے ذریعے علاج کرتا ہے، وہ اپنے ہم جنسوں میں گناہوں کی وجہ سے مشہور ہوتا ہے اور اس کی (جسمانی) کمزوری کی وجہ سے اس کی حالت کی درستگی کا پتہ چلتا ہے اور ان امور کی تکمیل تب ہوتی ہے جب وہ پہلے اپنے مخالف کو راضی کر کے فارغ ہو اور اس کے ذمہ لوگوں کے جو حقوق ہیں ان کی ادائیگی کرے کیونکہ توبہ کی پہلی منزل بقدر امکان اپنے مخالف کو راضی کرنا ہے۔

اگر اس کے پاس اس قدر دولت ہو کہ ان کے حقوق کی ادائیگی ممکن ہو تو ادائیگی کر دے یا وہ خوشی کے ساتھ اسے معاف کر دیں تو ٹھیک ہے ورنہ دل کے ساتھ پختہ ارادہ کرے کہ وہ ان کے حقوق ادا کرے گا، جس قدر ممکن ہو اور وہ سچے دل کے ساتھ عجز وانکساری کرتے ہوئے اللہ ﷻ کی طرف رجوع کرے اور ان لوگوں کے لیے دعا کرے۔

توبہ کرنے والوں کے کچھ احوال اور صفات ہیں جو ان کے خصائل شمار ہوتے ہیں اور ان کو بھی توبہ میں شمار کیا جاتا ہے کیونکہ وہ ان کی صفات میں سے ہیں اس لیے نہیں کہ وہ صحت توبہ کے لیے شرط ہیں، مشائخ کے توبہ سے متعلق اقوال اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

توبہ کی اقسام

حضرت استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

توبہ کی تین قسمیں ہیں: ① توبہ ② انابہ ③ اوبہ۔

''توبہ'' ابتدائی مقام ہے، ''اوبہ'' انتہائی مقام اور ''انابہ'' دونوں کے درمیان ہے۔ جو شخص عقاب کے ڈر سے توبہ کرے وہ ''صاحبِ توبہ'' (تائب) ہے۔ جو شخص ثواب کی طمع کرتے ہوئے توبہ کرے وہ ''صاحبِ انابہ'' (منیب) ہے اور جو شخص حکم خداوندی کی بجا آوری کرتے ہوئے توبہ کرے، ثواب کی رغبت یا عذاب کا خوف پیش نظر نہ ہو وہ ''صاحبِ اوبہ'' (آئب) ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ توبہ مومنین کی صفت ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾

''اور اللہ کی طرف توبہ کرواے مسلمانو سب کے سب!۔''[1]

انابت اولیاء کرام اور مقرب لوگوں کی صفت ہے، ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ۝﴾

''اور رجوع کرتا ہوا دل لایا۔''[2]

اور ''اوبہ'' انبیاء کرام اور مرسلین عظام علیہم السلام کی صفت ہے، اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

﴿نِعْمَ الْعَبْدُ ط اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ۝﴾

''کیا اچھا بندہ بے شک وہ بہت رجوع لانے والا۔''[3]

توبہ کے بارے اقوال

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''توبہ کے تین معانی ہیں: ① ندامت ② جس کام سے اللہ عزوجل نے منع فرمایا اس کی عادت ترک کرنا ③ دوسروں کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرنا۔

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''توبہ لیت ولعل کو ترک کرنے کا نام ہے۔''

حضرت حارث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے میں نے یہ الفاظ: (اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْأَلُكَ التَّوْبَةَ) ''یااللہ! میں تجھ سے توبہ کا سوال کرتا ہوں'' کبھی نہیں کہے۔

میں کہتا ہوں: (اَللّٰهُمَّ اَسْئَلُكَ شَهْوَةَ التَّوْبَةِ) ''میں تجھ سے توبہ کی خواہش کا سوال کرتا ہوں۔''

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں ایک دفعہ حضرت سری (سقطی) رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا تو ان کی حالت بدلی ہوئی دیکھی۔ میں نے پوچھا آپ کو کیا ہوا؟

انھوں نے فرمایا: میرے پاس ایک نوجوان آیا اور اس نے مجھ سے توبہ کے بارے میں سوال کیا۔ میں نے کہا (توبہ یہ ہے کہ) تو اپنے گناہوں کو نہ بھولے۔ اس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا بلکہ توبہ اپنے گناہوں کو بھولنے کا نام ہے۔''

میں نے عرض کیا: ''درحقیقت میرے نزدیک وہی بات ہے جو اس نوجوان نے کہی۔''

---

[1] پارہ 18، النور 31، ترجمہ کنزالایمان

[2] پارہ 26، ق 33، ترجمہ کنزالایمان

[3] پارہ 23، ص 30، ترجمہ کنزالایمان

انھوں نے پوچھا: ''کیوں؟''

میں نے کہا: ''اس لیے کہ جب میں حالت جفا میں ہوں اور وہ مجھے حالت وفا کی طرف منتقل کر دے تو صفائی کی حالت میں جفا کا ذکر کرنا جفا ہے۔'' پس وہ خاموش ہو گئے۔

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے توبہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''توبہ یہ ہے کہ تم اپنے گناہ کو نہ بھولو۔''

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے توبہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے بھی فرمایا: کہ اپنے گناہ کو بھولنا توبہ ہے (یعنی ترک کرنا)۔ ❶

حضرت ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ نے مریدین اور معترضین کی حالت کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ یہ حالات کبھی ان کے حق میں ہوتے ہیں اور کبھی ان کے خلاف۔ لیکن حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا اشارہ محققین کی توبہ کی طرف ہے کیونکہ ان کے دلوں پر اللہ عزوجل کی عظمت اور اس کے دائمی ذکر کا غلبہ ہوتا ہے اس لیے وہ اپنے گناہوں کو یاد نہیں کرتے۔ انھوں نے فرمایا:

حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ سے توبہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے بھی اسی قسم کا جواب دیا تھا۔ انھوں نے فرمایا: توبہ سے توبہ کرنے کا نام توبہ ہے۔

حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ سے توبہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''عوام کی توبہ گناہوں سے ہوتی ہے اور خواص کی توبہ غفلت سے ہوتی ہے۔''

حضرت ابوالحسین نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (أَلتَّوْبَةُ أَنْ تَتُوْبَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سِوَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ) ''توبہ یہ ہے کہ تم اللہ عزوجل کے سوا ہر چیز سے توبہ کر لو (اللہ عزوجل کی طرف رجوع کر لو)۔''

حضرت عبداللہ بن علی بن محمد تمیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص گناہوں سے توبہ کرتا ہے اس میں اور جو شخص غفلت سے توبہ کرتا ہے اس میں اور جو شخص نیکیوں کو دیکھنے سے توبہ کرتا ہے، ان میں بہت بڑا فرق ہے۔

حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''تَوْبَةُ النَّصُوْح'' توبہ کرنے والے پر گناہ کا ظاہری اور باطنی اثر نہیں چھوڑتی اور جس شخص کی توبہ ''تَوْبَةُ النَّصُوْح'' ہو اسے اس بات کی پرواہ نہیں کہ وہ شام کیسے کرتا ہے اور صبح کیسے کرتا ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا:

''الٰہی! میں یہ نہیں کہتا کہ میں نے توبہ کی اور یہ کہ میں ایسا نہیں کروں گا کیونکہ میں اپنے اخلاق کو جانتا ہوں اور میں

❶ دونوں میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ نہ بھولنا یہ ہے کہ ان کو یاد کرتے ہوئے توبہ کرے اور بھولنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو ترک کر دے۔ ۱۲ ہزاروی

گناہوں کو چھوڑنے کی ضمانت بھی نہیں دیتا کیونکہ مجھے اپنی کمزوری کا پتہ ہے۔ پھر بھی میں کہتا ہوں کہ آئندہ ایسا نہیں کروں گا کیونکہ ہوسکتا ہے میں دوبارہ یہ کام کرنے سے پہلے مرجاؤں۔''

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: (أَلْإِسْتِغْفَارُ مِنْ غَيْرِ إِقْلَاعٍ تَوْبَةُ الْكَاذِبِيْنَ) ''گناہ سے باز آئے بغیر توبہ کرنا جھوٹے لوگوں کی توبہ ہے۔''

حضرت ابن یزدانیار رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ کوئی شخص اللہ عزوجل کی طرف نکل آئے تو کن اصولوں کی بنیاد پر نکلے گا؟
انھوں نے فرمایا: اس طرح نکلے کہ وہ جس گناہ سے نکلا ہے اس کی طرف دوبارہ نہیں جائے گا۔ اور جس کی طرف نکل گیا ہے اس کے غیر کا خیال نہیں کرے گا اور جس چیز سے وہ بیزار ہوا اس کی طرف نظر کرنے سے اپنے دل کو محفوظ رکھے گا۔

ان سے کہا گیا کہ یہ تو اس کا حکم ہے جو کسی وجودی چیز سے نکلے اگر وہ عدم سے نکلے تو اس کا کیا حکم ہے؟
انھوں نے فرمایا: ماضی میں جو اس نے گناہ کی کڑواہٹ پائی ہے اس کے بدلے نئی چیز (توبہ) میں حلاوت و مٹھاس پائے۔

حضرت بوشنجی رحمۃ اللہ علیہ سے توبہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''جب تم گناہ کا ذکر کرو پھر اس وقت اس گناہ کی چاشنی نہ پاؤ تو یہی حقیقتاً توبہ ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ زمین کشادہ ہونے کے باوجود تم پر تنگ ہو حتیٰ کہ قرار باقی نہ رہے پھر تم پر تمھارا نفس تنگی محسوس کرے۔ جس طرح اللہ عزوجل نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں خبر دی ہے:
ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ﴾

''اور وہ اپنی جان سے تنگ آئے اور انھیں یقین ہوا کہ اللہ سے پناہ نہیں مگر اسی کے پاس پھر ان کی توبہ قبول کی کہ تائب رہیں۔''[1]

ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: توبہ کی دو قسمیں ہیں: ① توبۂ اِنابت ② توبۂ استجابت
پس توبۂ اِنابت یہ ہے کہ بندہ عذابِ خداوندی کے خوف سے توبہ کرے۔ اور توبۂ استجابت یہ ہے کہ اس کے کرم سے حیاء کرتے ہوئے توبہ کرے۔

[1] پارہ 11، التوبہ 118، ترجمہ کنزالایمان

حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ توبہ کرنے والا دنیا سے نفرت کیوں کرتا ہے؟

انھوں نے فرمایا: اس لیے کہ دنیا وہ گھر ہے جس میں اس نے گناہ کیا ہے۔

ان سے کہا گیا کہ اسی گھر میں اسے اللہ عزوجل نے توبہ کا اعزاز بھی بخشا ہے؟

آپ نے فرمایا: اسے گناہ کا یقین ہے لیکن توبہ کی قبولیت کا شک ہے۔

حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت داؤد علیہ السلام کو عبادت کی حلاوت سے سرور حاصل ہوا تو اس سے وہ لمبے لمبے سانس بھرتے تھے اور دوسری حالت (یعنی غم کی حالت) جس میں انھوں نے اپنے آپ کو چھپا رکھا تھا، وہ زیادہ مکمل تھے۔

بعض صوفیا کرام رحمہم اللہ نے فرمایا: (تَوْبَةُ الْكَذَّابِيْنَ عَلٰى أَطْرَافِ أَلْسِنَتِهِمْ يَعْنِيْ قَوْلُ "أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ ") "جھوٹے لوگوں کی توبہ ان کی زبانوں کے کناروں پر ہوتی ہے یعنی وہ "أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ" کہتے ہیں" (دل سے توبہ نہیں ہوتی)۔

حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ سے توبہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

"توبہ میں بندے کا کوئی عمل دخل نہیں کیونکہ توبہ اللہ عزوجل کی طرف رجوع کا نام ہے، بندے کی طرف (رجوع) نہیں۔

کہا گیا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے آدم! تمھاری اولاد تھکاوٹ اور مشقت کی وارث ہوئی اور تو نے ان کو توبہ کا وارث بنایا پس ان میں سے جو شخص بھی مجھے اس طرح پکارے گا جس طرح تو نے پکارا تو میں اسے اسی طرح جواب دوں گا جس طرح تجھے جواب دیا۔

اے آدم (علیہ السلام)! میں توبہ کرنے والوں کو قبروں میں سے اس طرح اٹھاؤں گا کہ وہ خوش ہوں گے اور ہنس رہے ہوں گے اور ان کی دعا قبول کی گئی۔

ایک شخص نے حضرت رابعہ (بصریہ) رحمۃ اللہ علیہا سے کہا کہ مجھ سے بہت سے گناہ اور نافرمانی ہوئی اگر میں توبہ کروں تو میری توبہ قبول ہوگی؟

انھوں نے فرمایا: "نہیں بلکہ اگر وہ تیری طرف رجوع کرے گا (معاف کرے گا) تب ہی تو توبہ کرے گا۔"

اور جان لو کہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۝﴾

"بے شک اللہ پسند کرتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو اور پسند رکھتا ہے ستھروں کو۔" ●

● پارہ 2، البقرہ 222، ترجمہ کنزالایمان

جو شخص لغزش کرتا ہے تو یقیناً یہ خطا سے ہے پس جب توبہ کرے تو قبولیت کا شک ہوتا ہے خصوصاً جب کہ توبہ کی قبولیت اور حق میں سے یہ بات ہے کہ توبہ کرنے والا اللہ ﷻ کی محبت کا مستحق ہو اور یہ بات بہت بعید ہے کہ گناہ گار ایسے محل میں پہنچ جائے کہ وہ اپنے اوصاف میں ایسی علامات پائے جن سے معلوم ہو کہ اللہ ﷻ اس سے محبت کرتا ہے لہٰذا بندے پر واجب ہے کہ جب اسے اس بات کا علم ہو کہ اس نے ایسا کام کیا ہے جس کی وجہ سے توبہ واجب ہے تو اس پر لازم ہے ہمیشہ انکساری کرے، گناہ سے بیزاری اور استغفار کو لازم پکڑے۔

چنانچہ صوفیاء کرام فرماتے ہیں:

(إِسْتِشْعَارُ الْوَجَلِ إِلَى الْأَجَلِ) ''خوف کا احساس موت تک رہنا چاہئے۔''

ارشاد خداوندی ہے:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾

''اے محبوب تم فرما دو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔''[1]

اور رسول اکرم ﷺ کی سنت سے یہ ہے کہ آپ ﷺ ہمیشہ استغفار کرتے تھے اور آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّهُ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ فَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِی الْیَوْمِ سَبْعِیْنَ مَرَّةً))

''بے شک میرے دل پر پردہ چھا جاتا ہے تو میں دن میں ستر (70) بار استغفار کرتا ہوں۔''[2]

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

(زَلَّةٌ وَاحِدَةٌ بَعْدَ التَّوْبَةِ أَقْبَحُ مِنْ سَبْعِیْنَ قَبْلَهَا)

''توبہ کے بعد کی ایک لغزش توبہ سے پہلے کی ستر (70) لغزشوں سے زیادہ بری ہے۔''

حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ اللہ ﷻ کے اس ارشادِ گرامی:

﴿اِنَّ اِلَیْنَاۤ اِیَابَهُمْ ۙ﴾

''بے شک ہماری ہی طرف ان کا پھرنا ہے۔''[3]

کے بارے فرماتے ہیں: یہ لوگ شریعت کی مخالفت میں کس قدر دور چلے جائیں پھر بھی ہماری طرف ہی لوٹنا ہے۔

---

[1] پارہ 3، آل عمران 31، ترجمہ کنز الایمان

[2] مسند امام احمد بن حنبل، جلد نمبر 29، صفحہ نمبر 391، رقم الحدیث: 17849۔

[3] پارہ 30، الغاشیہ 25، ترجمہ کنز الایمان

حضرت علی بن عیسیٰ وزیر رحمۃ اللہ علیہ کا وزارت سے استعفیٰ

حضرت ابو عمرو انماطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت علی بن عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ وزیر کی سواری بڑی شان و شوکت سے نکلی تو اجنبی لوگ پوچھنے لگے: مَنْ هٰذَا مَنْ هٰذَا ''یہ کون ہے؟ یہ کون ہے؟''

ایک عورت جو راستے میں کھڑی تھی کہنے لگی تم کب تک کہتے رہو گے کہ مَنْ هٰذا ''یہ کون ہے؟'' مَنْ هٰذا ''یہ کون ہے؟'' یہ وہ بندہ ہے جو اللہ عزوجل کی نظروں سے گر چکا ہے پس اللہ عزوجل نے اسے اس گناہ میں مبتلا کر رکھا ہے جس میں تم اسے دیکھ رہے ہو۔

حضرت علی بن عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات سنی تو گھر کی طرف واپس آئے اور وزارت سے استعفیٰ دے کر مکہ مکرمہ چلے گئے اور وہیں رہنے لگے۔ [1]

[1] یعنی اگر وزارت شان و شوکت کا ذریعہ ہو تو گناہ ہے قوم کی خدمت ہو تو نیکی ہے۔ ۱۲ ہزاروی

باب

مجاہدہ کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ۧ﴾

"اور جنھوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انھیں اپنے راستے دکھا دیں گے اور بے شک اللہ نیکوں کے ساتھ ہے۔"[1]

حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل جہاد کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ)) "ظالم بادشاہ کے سامنے انصاف کی بات کرنا۔"[2]

(یہ سن کر) حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

حضرت استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: جس شخص نے اپنے ظاہر کو مجاہدہ کے ساتھ مزین کیا اللہ عزوجل اس کے باطن کو مشاہدہ کے ساتھ حسین بنا دیتا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾

"اور جنھوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انھیں اپنے راستے دکھا دیں گے اور بے شک اللہ نیکوں کے ساتھ ہے۔"[3]

یہ بات جان لو کہ جو شخص (سلوک کی) ابتداء میں مجاہدہ نہیں کرتا وہ اس طریقہ (تصوف) سے تھوڑا سا حصہ بھی حاصل نہیں کر سکتا۔

ابوعثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ مجاہدہ اختیار کیے بغیر اس کے لیے اس طریقت سے کوئی چیز کھلے گی یا اس سے کوئی کشف ہوگا، وہ غلطی پر ہے۔

---

[1] پارہ 21، العنکبوت 69، ترجمہ کنز الایمان

[2] سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب الامر بالمعروف والنھی عن المنکر، رقم الحدیث: 4011۔

[3] پارہ 21، العنکبوت 69، ترجمہ کنز الایمان

استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''جس شخص کو ابتداء میں قومہ حاصل نہ ہو اس کے لیے انتہاء میں جلسہ نہیں ہوتا۔''[1]

وہ یہ بھی فرماتے ہیں: یہ جو کہا جاتا ہے کہ (اَلْحَرْکَۃُ بَرَکَۃٌ) ''حرکت میں برکت ہے'' تو اس کا مطلب یہ ہے ظاہر کی حرکت اندر کی برکات کا ذریعہ ہے۔

حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا مجاہدہ

حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''میں بارہ (12) سال اپنے نفس کا لوہار رہا۔ پانچ سال میں اپنے دل کا آئینہ رہا۔ ایک سال میں ان دونوں کے درمیان دیکھتا رہا۔ میں نے دیکھا کہ ظاہر میں میری کمر پر زنار ہے تو میں نے بارہ سال اس زنار کو کاٹنے میں لگائے۔[2]

پھر میں نے دیکھا تو میرے باطن میں زنار تھا تو میں نے اسے کاٹنے کے لیے پانچ سال عمل کیا۔ میں سوچتا کہ اسے کس طرح کاٹوں تو مجھے کشف ہوا۔ پس میں نے مخلوق کی طرف دیکھا تو میں نے ان کو مردہ پایا تو میں نے ان پر چار تکبیریں کہیں۔

حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اے نوجوانوں کے گروہ! میری عمر کو پہنچنے سے پہلے کوشش کرو پس تم کمزور ہو جاؤ گے اور کوتاہی کرنے لگو گے جس طرح میں کمزور ہو گیا اور مجھ سے کوتاہی ہو جاتی ہے حالانکہ اس وقت بھی کوئی جوان ان کی عبادت تک پہنچ نہ سکتا تھا (یعنی جوانی میں عبادت کرو)۔

تصوف کی بنیاد کن چیزوں پر ہے؟

حضرت حسن قزاز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس (تصوف) کی بنیاد تین چیزیں ہیں!

① (أَنْ لَا تَأْكُلَ إِلَّا عِنْدَ الْفَاقَةِ) ''صرف فاقہ (بھوک) کے وقت کھانا۔''

② (وَلَا تَنَامَ إِلَّا عِنْدَ الْغَلَبَةِ) ''غلبۂ نیند کے وقت سونا۔''

③ (وَلَا تَكَلَّمَ إِلَّا عِنْدَ الضَّرُوْرَةِ) ''ضرورت کے وقت گفتگو کرنا۔''

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کوئی شخص صالحین کا درجہ اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتا جب تک چھ

---

[1] رکوع کے بعد کھڑا ہونا قومہ ہے اور دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا جلسہ کہلاتا ہے۔ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آرام سے پہلے مشقت ہوتی ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[2] زنار جنیؤ جو غیر مسلم اپنی کمر سے باندھتے ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

گھاٹیاں عبور نہ کر لے:

① أَنْ يَّغْلُقَ بَابَ النِّعْمَةِ وَيَفْتَحَ بَابَ الشِّدَّةِ

نعمت کا دروازہ بند کر کے شدت کا دروازہ کھول دے۔

② أَنْ يَّغْلُقَ بَابَ الْعِزِّ وَيَفْتَحَ بَابَ الذِّلِّ

عزت کا دروازہ بند کر کے ذلت کا دروازہ کھول دے۔

③ أَنْ يَّغْلُقَ بَابَ الرَّاحَةِ وَيَفْتَحَ بَابَ الْجُهْدِ

آرام کا دروازہ بند کر کے مشقت کا دروازہ کھول دے۔

④ أَنْ يَّغْلُقَ بَابَ النَّوْمِ وَيَفْتَحَ بَابَ السَّهْرِ

نیند کا دروازہ بند کر کے شب بیداری کا دروازہ کھول دے۔

⑤ أَنْ يَّغْلُقَ بَابَ الْغِنٰى وَيَفْتَحَ بَابَ الْفَقْرِ

مالداری کا دروازہ بند کر کے فقر کا دروازہ کھول دے۔

⑥ أَنْ يَّغْلُقَ بَابَ الْأَمَلِ وَيَفْتَحَ بَابَ الْإِسْتِعْدَادِ لِلْمَوْتِ

اُمید کا دروازہ بند کر کے موت کی تیاری کا دروازہ کھول دے۔

حضرت ابوعمرو بن نجید ﷫ نے فرمایا: (مَنْ كَرُمَتْ عَلَيْهِ نَفْسُهٗ هَانَ عَلَيْهِ دِيْنُهٗ) ''جس شخص پر اپنا نفس معزز ہو جائے اس پر اس کا دین ہلکا ہو جاتا ہے۔''

حضرت ابوعلی روذباری ﷫ نے فرمایا: ''جب صوفی پانچ دن کے بعد کہے میں بھوکا ہوں تو اسے بازار میں بھیج دو اور کہو کہ مال کماؤ (یعنی صبر نہ کرے تو وہ صوفی نہیں)۔''

مجاہدہ کی اصل

جان لو کہ مجاہدہ کا اصل اور بنیاد یہ ہے کہ نفس کو ان باتوں سے چھڑائے جن کا وہ عادی ہو چکا ہے اور عام طور پر اسے خواہشات کے خلاف کاموں کی ترغیب دے۔ نفس کی دو صفتیں ایسی ہیں جو اسے نیکی سے روکتی ہیں:

①(إِنْهِمَاكٌ فِى الشَّهَوَاتِ) ''خواہشات میں ڈوب جانا۔'' ②(إِمْتِنَاعٌ عَنِ الطَّاعَاتِ) ''عبادات سے رُک جانا۔''

جب نفس خواہش کی سواری پر سوار ہو کر اپنی مرضی کا کام کرنا چاہے تو اسے تقویٰ کی لگام دینا ضروری ہے اور جب دین پر عمل سے اکڑ جائے تو اسے اس کی خواہش کے خلاف چلانا چاہیے۔ جب غصہ سے مشتعل ہو جائے تو اس وقت اس کی حالت کی رعایت رکھنا ضروری ہے، کیونکہ غصہ کی حالت میں نفس کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے اچھا نتیجہ حاصل کرنے کی خاطر اس سے ایسے حسن خلق سے پیش آنا چاہئے جو اس کے غلبہ کو توڑ دے اور نرمی کے ساتھ اس کی آگ کو بجھا دے اور جب نفس رعونت (تکبر) کی شراب کو حلال سمجھے اور اس کی خوبیاں بیان کرنے سے نہ رُکے اور دیکھنے والوں کے سامنے مزیّن ہو کر پیش ہو تو اسے بھی توڑنا ضروری ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اس کے لیے رعونت کو اس طرح حلال قرار دیا جائے جس میں ذلت پائی جائے مثلاً یہ کہا جائے کہ یہ ایک حقیر اور ناپسندیدہ چیز ہے۔

عوام کی کوشش اپنے اعمال کو پورا کرنے میں ہوتی ہے اور خواص کا ارادہ احوال کو صاف ستھرا کرنے کا ہوتا ہے اس لیے بھوک اور بیداری کو برداشت کرنا آسان ہوتا ہے اور اخلاق کے ساتھ جنگ کرنا اور خسیس اور حقیر اخلاق سے پاک ہونا مشکل کام ہے۔

نفس کی آفت

نفس کی مشکل آفات میں سے ایک آفت یہ ہے کہ وہ اپنی تعریف کو پسند کرتا ہے۔ بے شک جو شخص اس کا ایک گھونٹ پی لیتا ہے یوں سمجھئے کہ اس نے زمین و آسمان کو ایک پلک پر اٹھا لیا۔ اس کی علامت یہ ہے کہ جب اسے (اپنی تعریف کی) شراب نہیں ملتی تو وہ نیک اعمال کرنے میں سست پڑ جاتا ہے۔

پہلی صف کے نمازی بزرگ

ایک بزرگ کئی سال تک مسجد کی پہلی صف میں نماز پڑھتے رہے۔ ایک دن ان کو پہلی صف میں پہنچنے میں رکاوٹ ہو گئی تو انھوں نے آخری صف میں نماز پڑھی۔ اس کے بعد ایک مدت تک وہ دکھائی نہ دیے۔ اس کی وجہ پوچھی گئی تو انھوں نے فرمایا: ''میں نے اتنے سال نماز پڑھی اور میرا خیال تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں مخلص ہوں اور جس دن میں آخری صف میں تھا تو لوگوں کے مجھے دیکھنے کی وجہ سے مجھے شرمندگی ہوئی تو میں نے جان لیا کہ میں اتنا عرصہ لوگوں کو دکھانے کے لیے چستی کا مظاہرہ کرتا تھا پس میں نے اپنی (وہ) نمازیں قضا کیں۔''

ایک بزرگ کا واقعہ

حضرت ابو محمد مرتعش رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں: میں نے اتنے حج بطور تجرید کیے (یعنی بھوک وغیرہ

برداشت کی) بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ ان میں میرے نفس کا حصہ تھا وہ اس طرح کہ ایک دن میری والدہ نے مجھ سے کہا کہ میں ان کے لیے ایک گھڑا پانی لاؤں تو یہ کام مجھے بھاری معلوم ہوا تو میں نے جان لیا کہ حج کرتے ہوئے میرے نفس نے جو میری اطاعت کی ہے اس میں میرے نفس کا حصہ اور آمیزش تھی اس لیے کہ اگر میرا نفس فناء ہو چکا ہوتا تو شریعت کا حق اس پر دشوار نہ ہوتا۔

ایک بڑھیا کا واقعہ

ایک عورت بوڑھی ہو چکی تھی۔ اس سے اس کے حال کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے کہا میں جوانی میں اپنے نفس میں خوشی اور کچھ حالات پاتی تھی جس کو قوتِ حال خیال کرتی تھی۔ جب میں بڑی عمر کو پہنچ گئی تو یہ حالت مجھ سے زائل ہو گئی تو میں نے جان لیا کہ یہ جوانی کی قوت تھی جب کہ میں نے اسے "حالت" سمجھ رکھا تھا۔

حضرت شیخ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "جس بزرگ نے بھی یہ حکایت سنی ہے اس کو اس بڑھیا پر رحم آیا اور کہا کہ وہ منصف تھی (اس نے انصاف کی بات کہی ہے)۔"

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: اللہ عزوجل نے کسی بندے کو اس قدر عزت عطا نہیں فرمائی جس قدر اس بندے کو عزت عطا کی جس کو اس کے نفس کی ذلت کا علم ہو گیا اور اللہ عزوجل نے اس بندے کی طرح کسی کو ذلیل نہیں کیا جس قدر اس کو ذلیل کیا جس کو اللہ عزوجل نے اس کے نفس کی ذلت سے بے خبر رکھا۔

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھے جس چیز کا ڈر ہوا میں نے اس پر سواری کی (عمل کیا)۔

حضرت محمد بن فضل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: (أَلرَّاحَةُ هُوَ الْخَلَاصُ مِنْ أَمَانِيِّ النَّفْسِ) "راحت و آرام، نفس کی خواہشات سے نجات کا نام ہے۔"

مخلوق پر آفت پڑنے کے اسباب

حضرت ابو علی روذباری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: مخلوق پر آفت تین چیزوں کی وجہ سے آتی ہے: ① طبیعت کی بیماری سے ② عادت پر قائم رہنے سے ③ بری صحبت سے۔

میں نے پوچھا طبیعت کی بیماری کیا ہے؟

انھوں نے فرمایا: حرام کھانا۔

پوچھا عادت پر قائم رہنا کیا ہے؟

انھوں نے فرمایا: حرام کی طرف دیکھنا، حرام سے نفع اختیار کرنا اور غیبت۔

پوچھا صحبت کی خرابی کیا ہے؟
فرمایا: جب نفس میں کوئی خواہش جوش مارے تو وہ اس کے پیچھے ہو جائے۔
حضرت نصرابادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تمھارا نفس تمھارا قید خانہ ہے، جب تم اس سے نکل جاؤ گے تو ابدی آرام پاؤ گے۔

اپنے متعلقین کی تربیت

اور حضرت ابوالحسین وراق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت ابوعثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں شروع شروع میں ہمارے لیے سب سے بڑا حکم یہ تھا کہ جو کچھ اللہ عزوجل ہم پر کھولتا ہے ان کے حوالے سے دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیں، کسی معلوم چیز پر رات نہ گزاریں، جو شخص ہم سے برا سلوک کرے اپنی ذات کے لیے اس سے بدلہ نہ لیں بلکہ ہم معذرت چاہیں اور اس کے لیے تواضع کریں اور جب ہمارے دلوں میں کسی کے بارے میں حقارت پیدا ہو جائے تو ہم اس کی خدمت کے لیے کھڑے ہو جائیں اور اس سے احسان کریں حتیٰ کہ یہ تصورِ حقارت زائل ہو جائے۔

نفس کے بارے بزرگوں کے اقوال

حضرت ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: نفس پورے کا پورا تاریکی ہے، اس کا چراغ اس کا سِرّ (باطن) ہے اور اس کے چراغ کا نور توفیق خداوندی ہے اور جس شخص کے باطن میں اپنے رب عزوجل کی طرف سے سِرّ نہ ہو وہ ہمہ تن اندھیرا ہے۔
حضرت استاذ امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ان کا یہ کہنا کہ "اس کا چراغ اس کا سِرّ ہے" اس سے ان کی مراد وہ سِرّ (راز) ہے جو اس بندے اور اللہ عزوجل کے درمیان ہے اور وہ اخلاص کی جگہ ہے۔ اسی کی وجہ سے بندہ جان لیتا ہے کہ حادثات اللہ عزوجل کی طرف سے ہیں نہ اس کے نفس کے ساتھ ہیں اور نہ اس کے نفس کی طرف سے ہیں تاکہ وہ ہر وقت اپنی طاقت اور قوت سے بیزار رہے۔ پھر توفیق الٰہی کے ذریعے اپنے نفس کے شر سے بچے گا کیونکہ جس شخص کو توفیق حاصل نہیں ہوتی اسے اپنی ذات اور اپنے رب عزوجل کے بارے میں علم نفع نہیں دیتا اسی لیے مشائخ کرام فرماتے ہیں: (مَنْ لَّمْ یَكُنْ لَّهٗ سِرٌّ فَهُوَ مُصِرٌّ) "جس کے پاس سِرّ نہیں وہ مصر (گناہوں پر اصرار کرنے والا) ہے۔"
حضرت ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جو شخص اپنے نفس کی کسی چیز کو اچھا جانتا ہو وہ اپنے نفس کے عیب نہیں دیکھ سکتا۔ اپنے نفس کے عیبوں کو وہی دیکھتا ہے جو تمام حالات میں اپنے نفس پر تہمت لگاتا ہے۔
حضرت ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "جو شخص اپنے عیب کی پہچان نہیں رکھتا وہ کتنی جلدی ہلاک ہوتا ہے کیونکہ گناہ کفر کے ڈاکیے ہیں۔"

حضرت ابوسلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''میں اپنے نفس کے کسی کام کو اچھا نہیں سمجھتا کہ اس پر ثواب کی طلب کروں۔''

حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''مالدار لوگوں کے پڑوسیوں، بازاروں میں قرآن پڑھنے والوں اور حکام کے علماء (ارباب اقتدار کے کاسہ لیس علماء) سے بچو۔''

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''مخلوق میں فساد چھ (6) چیزوں کی وجہ سے آتا ہے:

① (ضُعْفُ النِّيَةِ بِعَمَلِ الْآخِرَةِ) ''آخرت کے عمل میں نیت کی کمزوری۔''

② (صَارَتْ أَبْدَانُهُمْ رَهِيْنَةً لِشَهَوَاتِهِمْ) ''انسانوں کے بدن خواہشات کے پاس رہن رکھے ہوتے ہیں (خواہشات کے تابع ہیں)۔''

③ (غَلَبَهُمْ طُوْلُ الْأَمَلِ مَعَ قُرْبِ الْأَجَلِ) ''موت کے قریب ہونے کے باوجود بڑی امیدیں لگائے رکھنا۔''

④ (آثَرُوا رِضَا الْمَخْلُوْقِيْنَ عَلٰى رِضَا الْخَالِقِ) ''انھوں نے مخلوق کی رضا کو خالق کی رضا پر ترجیح دے دی۔''

⑤ (إِتَّبَعُوْا أَهْوَاءَ هُمْ وَنَبَذُوْا سُنَّةَ نَبِيِّهِمْ وَرَاءَ ظُهُوْرِهِمْ) ''انھوں نے اپنی خواہشات کی اتباع کی اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے چھوڑ دیا۔''

⑥ (جَعَلُوْا قَلِيْلَ زَلَّاتِ السَّلْفِ حُجَّةً لِّأَنْفُسِهِمْ وَدَفَنُوْا كَثِيْرَ مَنَاقِبِهِمْ) ''اپنے اسلاف کی معمولی لغزش کو اپنے لیے دلیل بنا دیا اور ان کے بے شمار اچھے کاموں کو چھپا دیا۔''

باب

خلوت اور گوشہ نشینی کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ مِنْ خَيْرِ مَعَايِشَ النَّاسِ كُلِّهِمْ رَجُلًا آخِذًا بِعِنَانِ فَرَسِهِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ إِنْ سَمِعَ فَزْعَةً لَّهُ أَوْ هَيْعَةً كَانَ عَلٰى مَتْنِ فَرَسِهِ يَبْتَغِي الْمَوْتَ أَوِ الْقَتْلَ فِيْ مَظَانِّهِ أَوْ رَجُلًا فِيْ غُنَيْمَةٍ لَّهُ فِيْ رَأْسِ شَعَفَةٍ مِّنْ هٰذِهِ الشِّعَافِ أَوْفِيْ بَطْنِ وَادٍ مِّنْ هٰذِهِ الْأَوْدِيَةِ يُقِيْمُ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتِي الزَّكَاةَ وَيَعْبُدُ رَبَّهُ حَتّٰى يَأْتِيَهُ الْيَقِيْنُ لَيْسَ مِنَ النَّاسِ إِلَّا فِيْ خَيْرٍ))

''تمام لوگوں میں سے بہترین زندگی اس شخص کی ہے جس نے اللہ عزوجل کی راہ میں اپنے گھوڑے کی لگام پکڑی ہوئی ہو۔ اگر اسے کوئی کھٹکا یا آہٹ سنائی دے تو وہ اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو کر ان جگہوں میں جائے جہاں موت یا قتل کا خدشہ ہو (جہاد کرے) یا وہ شخص جو پہاڑوں کی چوٹیوں میں سے کسی چوٹی پر یا وادیوں میں سے کسی وادی میں اپنی بکریوں کے ساتھ رہتا ہو، وہ نماز قائم کرے، زکوٰۃ دے اور مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت کرے اور دوسرے لوگوں کے مقابلے میں بھلائی میں ہی رہے۔'' [1]

استاذ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: خلوت، اہل صفا کی صفت ہے اور عزلت (گوشہ نشینی) وصل کی علامات میں سے ہے۔ مرید کے لیے ابتدائے حال میں اپنے ہم جنس لوگوں سے علیحدہ رہنا ضروری ہے پھر انتہاء میں خلوت اس لیے ضروری ہے کہ اللہ عزوجل کے ساتھ اُنس حاصل ہو۔

گوشہ نشینی کی نیت کیا ہو؟

جب کوئی بندہ گوشہ نشینی اختیار کرے تو اس کے حق میں سے یہ بات ہے کہ لوگوں سے علیحدگی اختیار کرنے کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے کہ لوگ اس کے شر سے محفوظ ہوں یہ قصد نہ ہو کہ وہ لوگوں کے شر سے محفوظ رہے۔ ان دو قسموں میں سے پہلی قسم کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے نفس کو حقیر جانتا ہے اور دوسری صورت میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسے مخلوق

[1] صحيح مسلم، كتاب الأماره، باب فضل الجهاد والرباط، رقم الحديث: 4866 ، سنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب العزله، رقم الحديث: 3977 .

پر فضیلت حاصل ہے اور جو شخص اپنے نفس کو حقیر جانتا ہے وہ تواضع کرنے والا ہوتا ہے اور جو شخص اپنے آپ کو دوسروں سے افضل سمجھتا ہے وہ متکبر ہے۔

کسی نے ایک راہب کو دیکھا تو پوچھا ''آپ راہب ہیں؟'' اس نے کہا نہیں بلکہ میں تو کتے کا پاسبان ہوں۔ بے شک میرا نفس کتا ہے جو مخلوق کو کاٹتا ہے لہٰذا میں نے اسے لوگوں میں سے نکال لیا ہے تا کہ وہ اس سے محفوظ رہیں۔

میرے کپڑے ناپاک ہیں

ایک شخص کسی نیک آدمی کے پاس سے گزرا تو اس بزرگ نے اپنے کپڑوں کو اس سے لپیٹ لیا۔ اس شخص نے اس سے پوچھا ''تو مجھ سے اپنے کپڑوں کو کیوں لپیٹتا ہے، میرے کپڑے ناپاک نہیں ہیں۔''

شیخ نے کہا ''تم کو وہم ہوا، میرے اپنے کپڑے ناپاک ہیں میں نے تم سے ان کو اس لیے لپیٹا ہے کہ تمھارے کپڑے ناپاک نہ ہو جائیں، اس لیے نہیں کہ میرے کپڑے ناپاک نہ ہو جائیں۔''

گوشہ نشینی کے آداب

گوشہ نشینی کے آداب سے یہ ہے کہ وہ اس قدر علم حاصل کرے جس سے اس کا عقیدۂ توحید درست ہو جائے تا کہ شیطان اپنے وسوسوں کے ذریعے اسے بہکا نہ سکے۔ پھر وہ علوم شریعت سے اس قدر حاصل کرے کہ اس کے ذریعے فرض کی ادائیگی کر سکے تا کہ اس کا معاملہ مضبوط بنیادوں پر استوار ہو سکے۔

گوشہ نشینی (عزلت) درحقیقت بری خصلتوں سے دور رہنے کا نام ہے پس اس کی غرض صفات میں تبدیلی لانا ہے، اپنے باطن سے دوری نہیں۔ اسی لیے جب پوچھا گیا کہ عارف کون ہے؟

تو صوفیاء کرام نے جواب دیا ''کَائِنٌ بَائِنٌ'' یعنی جو ظاہر میں مخلوق کے ساتھ ہوتا ہے اور باطنی اعتبار سے ان سے جدا ہوتا ہے۔

استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''لوگوں کے ساتھ لباس پہنو جو وہ پہنتے ہیں اور جو کچھ وہ کھاتے ہیں تم بھی وہی کھاؤ لیکن باطنی طور پر تم ان سے جدا رہو۔'' اور یہی فرماتے ہیں: ''میرے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا میں دور کی مسافت سے آیا ہوں۔'' میں نے کہا ''اس (تصوف) کا دارومدار مسافت طے کرنے اور تکلیف برداشت کرنے پر نہیں اپنے نفس سے جدا ہو جاؤ چاہے ایک قدم ہو، تیرا مقصود تجھے مل جائے گا۔''

حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے فرماتے ہیں: میں نے اپنے رب عزوجل کو خواب میں دیکھا تو میں نے عرض کیا (یا اللہ!) میں تجھے کیسے پاؤں؟

فرمایا: اپنے نفس سے جدا ہو کر چلے آؤ۔

حضرت ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: "جو شخص صحبت پر خلوت کو ترجیح دیتا ہے اسے چاہئے کہ اللہ عزوجل کے ذکر کے علاوہ تمام اذکار کو چھوڑ دے اور اپنے رب کی رضا کے علاوہ تمام ارادوں سے خالی ہو جائے اور اگر نفس تمام اسباب کا مطالبہ کرے تو اس سے بھی الگ ہو جائے۔ اگر یہ صورت پیدا نہیں ہوتی تو اس کی خلوت اسے فتنے یا آزمائش میں ڈال دے گی۔"

کہا گیا ہے کہ خلوت میں تنہائی سکون کے تمام اسباب کی جامع ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دیکھو! تمھیں خلوت کے ساتھ اُنس ہے یا خلوت میں تمھارا اُنس اللہ عزوجل کے ساتھ ہے۔ اگر تمھارا اُنس خلوت کے ساتھ ہے تو جب تم خلوت سے نکلو گے تو تمھارا اُنس ختم ہو جائے گا اور اگر تمھیں خلوت میں اپنے رب کے ساتھ اُنس ہوگا تو تمھارے لیے صحرا اور جنگل تمام جگہیں برابر ہوں گی۔

گوشہ نشینی کے بارے بزرگوں کے اقوال

حضرت محمد بن حامد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک شخص حضرت ابوبکر ورّاق رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لیے آیا۔ جب واپس جانے لگا تو عرض کیا مجھے کوئی وصیت کیجیے۔

انھوں نے فرمایا: (وَجَدْتُّ خَيْرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فِي الْخَلْوَةِ وَالْقِلَّةِ وَشَرَّهُمَا فِي الْكَثْرَةِ وَالْاِخْتِلَاطِ) "میں نے دنیا اور آخرت کی بھلائی خلوت اور قلت میں پائی ہے جب کہ ان دونوں کا شر کثرت اور میل جول میں پایا ہے۔"

حضرت جریری رحمۃ اللہ علیہ سے عزلت (گوشہ نشینی) کے بارے میں پوچھا گیا انھوں نے فرمایا:

گوشہ نشینی یہ ہے کہ تم لوگوں کے ہجوم میں داخل ہو جاؤ اور اپنے باطن کو ان کی مزاحمت سے محفوظ رکھو۔ اپنے نفس کو گناہوں سے الگ رکھو اور تمھارا باطن حق کے ساتھ مربوط ہو۔

کہا گیا ہے کہ جس نے گوشہ نشینی کو ترجیح دی اس نے حق کو پا لیا۔

حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: خلوت، حلال کھانے کے ساتھ درست ہوتی ہے اور حلال کھانا اس وقت درست ہوتا ہے جب اللہ عزوجل کا حق ادا کیا جائے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے خلوت سے بڑھ کر کوئی چیز اخلاص کی ترغیب دینے والی نہیں دیکھی۔

حضرت ابوعبداللہ رملی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: چاہئے کہ تمھارا مخلص دوست خلوت ہو، تمھارا کھانا بھوک، تمھاری گفتگو

اللہ ﷻ سے مناجات ہو، اس کے نتیجے میں یا تو مر جائے گا یا اللہ سبحانہ تک پہنچ جائے گا۔

حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص خلوت میں مخلوق سے چھپا رہا وہ اس شخص کی طرح نہیں ہو سکتا جو اللہ ﷻ کے ساتھ ہو کر مخلوق سے چھپا رہا (مخلوق میں رہ کر اللہ ﷻ کے ساتھ ہونا بڑی بات ہے)۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''گوشہ نشینی کی مشقت برداشت کرنا لوگوں کے میل جول اور مدارات سے زیادہ آسان ہے۔''

حضرت مکحول رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (إِنْ كَانَ فِي مُخَالَطَةِ النَّاسِ خَيْرٌ فَإِنَّ فِي الْعُزْلَةِ السَّلَامَةَ) ''اگر مخلوق سے میل جول میں بھلائی ہے تو گوشہ نشینی میں سلامتی ہے۔''

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (اَلْوَحْدَةُ جَلِيْسُ الصِّدِّيْقِيْنَ) ''تنہائی صدیقین کی ہم نشین ہے۔''

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اے لوگو! افلاس سے بچو۔''

ان سے پوچھا گیا ''اے ابوبکر! افلاس کی علامت کیا ہے؟''

انھوں نے فرمایا: ''افلاس کی علامت لوگوں سے مانوس ہونا ہے۔''

حضرت یحییٰ بن ابی کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص لوگوں سے میل جول رکھے گا وہ ان سے مدارات کرے گا اور جو ان سے مدارات کرے گا وہ ریا کاری کرے گا۔

حضرت شعیب بن حرب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں کوفہ میں حضرت مالک بن مسعود رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا اور وہ اپنے گھر میں تنہا تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کیا آپ تنہائی میں وحشت محسوس نہیں کرتے؟

انھوں نے کہا میرا خیال نہیں کہ کوئی شخص اللہ ﷻ کے ساتھ ہو اور وحشت محسوس کرے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جو شخص چاہتا ہے کہ اس کا دین محفوظ ہو نیز اس کے بدن اور دل کو راحت حاصل ہو تو وہ لوگوں سے دور رہے کیونکہ یہ وحشت کا زمانہ ہے اور عقلمند وہی ہے جو اس زمانے میں تنہائی اختیار کرتا ہے۔''

حضرت ابو یعقوب سوسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''تنہائی کی طاقت صرف طاقت ور لوگوں کو ہے اور ہم جیسے لوگوں کے لیے تو مل جل کر رہنا زیادہ نفع بخش ہے کیونکہ ہم ایک دوسرے کو دیکھ کر عمل کرتے ہیں۔''

حضرت ابوالعباس دامغانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے وصیت کرتے ہوئے فرمایا: تنہائی کو اختیار کرو، قوم سے اپنا نام مٹا دو اور دیوار کی طرف رُخ کرو حتیٰ کہ تمھیں موت آ جائے۔

ایک شخص حضرت شعیب بن حرب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا تو انھوں نے پوچھا ''تم کیسے آئے ہو؟''

اس نے کہا اس لیے کہ آپ کے ساتھ رہوں۔

فرمایا: ''اے بھائی! عبادت میں شرکت نہیں ہوتی اور جو شخص اللہ ﷻ کے ساتھ مانوس نہیں ہوتا وہ کسی چیز کے ساتھ مانوس نہیں ہوتا۔''

منقول ہے کہ کسی صوفی سے پوچھا گیا کہ آپ کو اپنی سیاحت کے دوران کون سی عجیب ترین چیز ملی؟

انھوں نے کہا! میری ملاقات حضرت خضر علیہ السلام سے ہوئی تو انھوں نے میری صحبت میں رہنے کا مطالبہ کیا۔ پس مجھے ڈر ہوا کہ کہیں مجھ پر میرا توکل خراب نہ ہو جائے۔

اور کسی صوفی سے پوچھا گیا کہ آپ کو یہاں کسی سے اُنس ہے؟

انھوں نے کہا ہاں اور اپنا ہاتھ قرآن مجید کی طرف بڑھایا اور اسے اپنی گود میں رکھ کر فرمایا: ''اس سے مجھے اُنس ہے۔'' اسی سلسلے میں یہ شعر ہے:

كُتُبُكَ حَوْلِيْ لَا تُفَارِقُ مَضْجَعِيْ

وَفِيْهَا شِفَاءٌ لِلَّذِيْ أَنَا كَاتِمٌ

* اے محبوب! تیرے خطوط ہمیشہ میرے اردگرد ہوتے ہیں وہ میرے بستر سے جدا نہیں ہوتے۔ اور ان خطوط میں میرے لیے اس بیماری (عشق) سے شفاء ہے جس کو میں چھپائے ہوئے ہوں۔

ایک شخص نے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ اس کے لیے گوشہ نشینی کب صحیح ہوگی؟

انھوں نے فرمایا: ''جب تم اپنے نفس سے علیحدگی پر قوت حاصل کرلو۔''

دل کی دوا

حضرت ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا: (مَا دَوَاءُ الْقَلْبِ) ''دل کی دوا کیا ہے؟''

فرمایا: (قِلَّةُ الْمُلَاقَاةِ لِلنَّاسِ) ''لوگوں سے کم ملاقات کرنا۔''

کہا گیا ہے کہ جب اللہ ﷻ بندے کو گناہ کی ذِلت سے اطاعت کی عزت کی طرف منتقل کرنا چاہتا ہے تو اسے تنہائی سے مانوس کر دیتا ہے، اسے قناعت کے ساتھ مال داری عطا کرتا ہے اور اسے اس کی ذات کے عیب دکھا دیتا ہے پس جس کو یہ چیز عطا کی گئی اسے دنیا اور آخرت کی بھلائی عطا کی گئی۔

باب
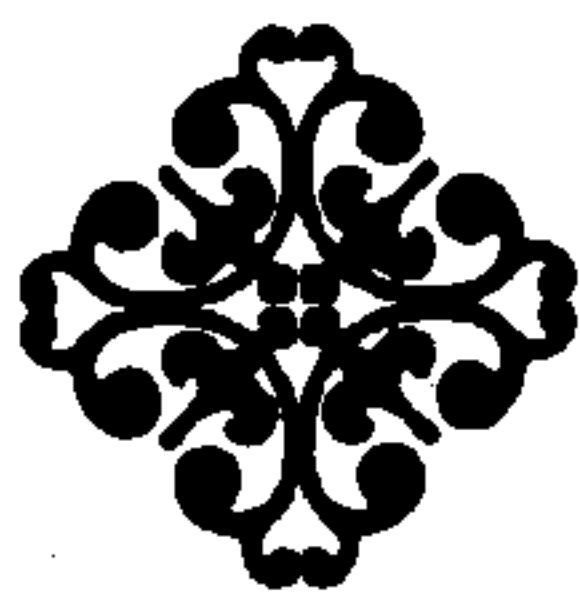
تقویٰ کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقَاکُمْ ط﴾

"بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔"[1]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: ایک شخص رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا "اے اللہ عزوجل کے نبی ﷺ! مجھے کچھ وصیت کیجیے۔" آپ ﷺ نے فرمایا:

((عَلَیْکَ بِتَقْوَی اللّٰہِ فَاِنَّہٗ جِمَاعُ کُلِّ خَیْرٍ وَعَلَیْکَ بِالْجِھَادِ فَاِنَّہٗ رَھْبَانِیَّۃُ الْمُسْلِمِ وَعَلَیْکَ بِذِکْرِ اللّٰہِ فَاِنَّہٗ نُوْرٌلَّکَ))

"تم پر تقویٰ لازم ہے بے شک یہ تمام بھلائیوں کا جامع ہے، تم پر جہاد لازم ہے یہ مسلمان کی رہبانیت ہے اور تم پر اللہ عزوجل کا ذکر لازم ہے بے شک وہ تمھارے لیے روشنی ہے۔"[2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ پوچھا گیا اے اللہ عزوجل کے نبی (ﷺ) آل محمد ﷺ کون ہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

((کُلُّ تَقِیٍّ))

"ہر متقی شخص (آل محمد ہے)۔"

پس تقویٰ تمام نیکیوں کا مجموعہ ہے۔ تقویٰ کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی اللہ عزوجل کی اطاعت کے ساتھ اس کے عذاب سے بچے۔ کہا جاتا ہے: (اَتْقٰی فُلَانٌ بِتِرْسِہٖ) "فلاں شخص نے اپنی ڈھال کے ساتھ اپنا بچاؤ کیا۔" تقویٰ کی اصل شرک سے بچنا، پھر گناہوں اور برائیوں سے بچنا، اس کے بعد شبہات سے بچنا ہے اور اس کے بعد فضول باتوں کو ترک کرنا ہے۔

---

[1] پارہ 26، الحجرات 13، ترجمہ کنزالایمان

[2] مسند امام احمد بن حنبل، رقم الحدیث: 11774، مختلف الفاظ کے ساتھ

استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات بتائی اور یہ بھی فرمایا کہ تقویٰ کی ہر قسم کا الگ باب ہے۔ اور ارشادِ خداوندی:

﴿اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ﴾ ''اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔''[1]

کی تفسیر میں آیا ہے کہ اس کا معنٰی یہ ہے کہ: (أَنْ يُّطَاعَ فَلَا يُعْصٰى وَيُذْكَرَ فَلَا يُنْسٰى وَيُشْكَرَ فَلَا يُكْفَرَ) ''اس کی اطاعت کی جائے، اس کی نافرمانی نہ کی جائے، اسے یاد رکھا جائے بھلایا نہ جائے، اس کا شکر ادا کیا جائے، اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔''

تقویٰ کے بارے بزرگوں کے اقوال

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: (لَا مُعِيْنَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَا دَلِيْلَ إِلَّا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَلَا زَادَ إِلَّا التَّقْوٰى وَلَا عَمَلَ إِلَّا الصَّبْرُ عَلَيْهِ) ''اللہ عزوجل کے سوا کوئی مددگار نہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی رہنما نہیں، تقویٰ کے علاوہ کوئی زادِ راہ نہیں اور صبر کے علاوہ کوئی عمل نہیں'' (حقیقی مددگار اللہ عزوجل ہے)۔

حضرت کتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''دنیا کی تقسیم آزمائش کے مطابق کی گئی اور آخرت کی تقسیم تقویٰ کے مطابق کی گئی۔''

حضرت جریری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جس شخص اور اللہ عزوجل کے درمیان تقویٰ اور مراقبہ مضبوط نہیں وہ کشف اور مشاہدہ تک نہیں پہنچ سکتا۔''

حضرت نصرابادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''تقویٰ یہ ہے کہ انسان اللہ عزوجل کے سوا ہر چیز سے بچے'' (یہ تقویٰ کا اعلیٰ درجہ ہے)۔

حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جو شخص چاہتا ہے کہ اس کا تقویٰ درست ہو وہ تمام گناہوں کو چھوڑ دے۔''

حضرت نصرابادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جو شخص تقویٰ کو اختیار کرتا ہے وہ دنیا کو چھوڑنے کا مشتاق ہوتا ہے'' کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝﴾

''اور بے شک پچھلا گھر بھلا ان کے لیے جو ڈرتے ہیں تو کیا تمھیں سمجھ نہیں۔''[2]

بعض صوفیاء کرام نے فرمایا: جو شخص تقویٰ کی حقیقت تک پہنچ گیا اللہ عزوجل اس کے دل پر دنیا سے بچنا آسان کر دیتا ہے۔

---

[1] پارہ 4، آل عمران 102، ترجمہ کنزالایمان

[2] پارہ 7، الانعام 32، ترجمہ کنزالایمان

حضرت ابوعبداللہ روذباری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”تقویٰ یہ ہے کہ تم اس چیز سے اجتناب کرو جو تمھیں اللہ عزوجل سے دور کرتی ہے۔“

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”متقی وہ شخص ہے جو اپنے ظاہر کو خلافِ شریعت کاموں کے ساتھ اور باطن کو قلبی بیماریوں کے ساتھ میلا نہ کرے اور اللہ عزوجل کی رضا کی موافقت کے ساتھ قائم رہے۔“

حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”تقویٰ کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ اس کا ظاہر حدود کی حفاظت ہے اور باطن نیت اور اخلاص ہے۔

حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

لَا عَيْشَ إِلَّا مَعَ رِجَالِ قُلُوْبِهِمْ
تَحِنُّ إِلَى التَّقْوٰى وَتَرْتَاحُ لِلذِّكْرِ
سُكُوْنٌ إِلٰى رُوْحِ الْيَقِيْنِ وَطِيْبِهٖ
كَمَا سَكَنَ الطِّفْلُ الرَّضِيْعُ إِلَى الْحِجْرِ

* اصل زندگی وہ ہے جو ایسے لوگوں کے ساتھ ہو جن کے دل تقویٰ کے مشتاق ہیں اور ذکرِ الٰہی سے خوش ہوتے ہیں۔
* یہ دل روحِ یقین کے پاس اس طرح مطمئن رہتے ہیں جس طرح دودھ پیتے بچے کو گود میں سکون ملتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ انسان کے تقویٰ کا علم تین (3) چیزوں سے ہوتا ہے:

① جو چیز اسے حاصل نہ ہو اس میں اچھی طرح توکل کرے
② جو چیز حاصل ہو جائے اس پر اچھی طرح راضی ہو جائے
③ جو کچھ چلا جائے اس پر خوشی کے ساتھ صبر کرے

حضرت ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، فرماتے ہیں: ”تقویٰ صرف حلال (مال) سے حاصل ہوتا ہے اس کے غیر سے نہیں۔“

حضرت ابوالحسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”جس شخص کا سرمایہ تقویٰ ہو اس کے نفع کے بیان سے زبانیں عاجز ہیں۔“

تقویٰ کیسا ہو؟

حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”تقویٰ یہ ہے کہ اپنے تقویٰ سے بھی بچے یعنی تقویٰ کی ریاکاری سے بچے اور متقی

وہ ہے جو حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ہو۔ انھوں نے گھی کے چالیس مٹکے خریدے۔ ان کے غلام نے ایک مٹکے سے چوہا نکالا۔ انھوں نے پوچھا کہ تم نے کس مٹکے سے نکالا ہے؟ اس نے کہا مجھے یاد نہیں۔ تو انھوں نے تمام مٹکے زمین پر گرا دیے۔"

اور متقی ہو تو حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ جیسا کہ انھوں نے "ھمذان" میں قرطم (کڑک) کا بیج خریدا تو اس میں سے کچھ بچ گیا۔ جب وہ "بسطام" کی طرف واپس ہوئے تو اس میں دو چیونٹیاں دیکھیں پس آپ "ھمذان" کی طرف واپس لوٹے اور چیونٹیاں وہاں چھوڑ کر آئے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ اپنے مقروض کے درخت کے سائے میں نہیں بیٹھتے تھے اور فرماتے تھے: حدیث شریف میں آیا ہے:

((كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ نَفْعًا فَهُوَ رِبًا))

"ہر وہ قرض جو نفع کھینچے وہ سود ہے۔"[1]

حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ

کہا گیا ہے کہ حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ نے ساتھی کے ہمراہ جنگل میں اپنا کپڑا دھویا تو ان کے ساتھی نے کہا کپڑے کو انگور کی دیوار پر لٹکا دیں۔ انھوں نے فرمایا: نہیں لوگوں کی دیواروں میں کیل نہ گاڑو۔ اس نے کہا تو ہم درخت پر ڈال دیتے ہیں۔ فرمایا: نہیں اس سے ٹہنیاں ٹوٹ جائیں گی۔

اس نے کہا ہم اسے اِذخر (گھاس) پر بچھا دیتے ہیں۔

فرمایا: نہیں یہ جانوروں کی خوراک ہے ہم اسے ان جانوروں سے نہیں چھپائیں گے۔

پس انھوں نے اپنی پیٹھ کو سورج کی طرف کر دیا اور قمیص ان کی پیٹھ پر تھی حتیٰ کہ اس کی جانب خشک ہو گئی پھر انھوں نے اسے الٹا دیا حتیٰ کہ دوسری جانب بھی خشک ہو گئی۔

کہا گیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ جامع مسجد میں داخل ہوئے اور اپنے عصا کو زمین میں گاڑ دیا تو وہ ایک بوڑھے شخص کی لاٹھی پر گر گیا جو اس کے پہلو میں زمین پر گاڑی گئی تھی۔ چنانچہ دونوں گر گئیں۔ شیخ نے جھک کے اسے اٹھا لیا۔ حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ اس کے گھر گئے اور اس سے معافی چاہی اور فرمایا: آپ کے جھکنے کا سبب یہ ہوا کہ میں نے اپنی لاٹھی اچھی طرح گاڑی نہیں تھی اس لیے وہ گر گئی اور آپ کو جھکنا پڑا۔

---

[1] كشف الخفاء، رقم الحديث: 1989، مطبوعه كنز العمال، رقم الحديث: 15516.

حضرت عتبہ غلام رحمۃ اللہ علیہ [1] کو ایک جگہ دیکھا گیا کہ سردیوں میں ان کا پسینہ گر رہا تھا۔ ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: یہ وہ جگہ ہے جہاں مجھ سے گناہ سرزد ہوا تھا۔ ان سے اس گناہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''میں نے اس دیوار سے مٹی کا ٹکڑا الگ کیا تھا جس کے ساتھ میرے مہمان نے اپنے ہاتھ دھوئے تھے اور میں نے اس کے مالک سے اجازت نہیں لی تھی۔''

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''میں نے ایک رات بیت المقدس میں صخرہ کے نیچے گزاری۔ جب رات کا کچھ حصہ گزرا تو دو فرشتے اُترے۔ ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے پوچھا ''یہاں کون ہے؟''

دوسرے نے کہا ''حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔''

اس نے کہا ''یہ وہی ہیں جن کے درجات میں اللہ عزوجل نے ایک درجہ کم کر دیا ہے'' پہلے فرشتے نے پوچھا ''کیوں؟''

دوسرے نے جواب دیا ''اس لیے کہ انھوں نے ''بصرہ'' میں کھجوریں خریدیں تو پھل فروش کی ایک کھجور ان کی کھجوروں میں چلی گئی اور انھوں نے وہ کھجور اس کے مالک کی طرف نہیں لوٹائی۔''

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں ''بصرہ'' کی طرف چلا اور اس شخص سے کھجوریں خرید کر ایک کھجور اس (دکاندار) کی کھجوروں میں گرا کر واپس بیت المقدس پہنچا اور صخرہ میں رات گزاری۔'' فرماتے ہیں: جب رات کا کچھ حصہ گزرا تو دو فرشتے آسمان سے اترے اور ان میں سے ایک نے دوسرے سے پوچھا ''یہاں کون ہے؟''

دوسرے نے کہا ''حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ ہیں'' اس فرشتے نے کہا ''یہ وہی ہیں جن کو اللہ عزوجل نے پہلا مرتبہ عطا کیا اور ان کا ایک درجہ بلند کر دیا گیا۔''

تقویٰ کی اقسام

کہا گیا ہے کہ تقویٰ کی کئی اقسام ہیں:

''لِلْعَامَّةِ تَقْوَى الشِّرْكِ وَلِلْخَاصَّةِ تَقْوَى الْمَعَاصِىْ وَلِلْأَوْلِيَاءِ تَقْوَى التَّوَسُّلِ بِالْأَفْعَالِ وَلِلْأَنْبِيَاءِ نِسْبَةِ الْأَفْعَالِ إِذْ تَقْوَاهُمْ مِنْهُ إِلَيْهِ''

---

[1] آپ کو کم سنی کی وجہ سے غلام یعنی ''لڑکا'' نہیں کہا جاتا تھا بلکہ چستی اور تیزی کے سبب آپ کا یہ نام پڑ گیا۔ (صفوۃ الصفوۃ، جلد 3، صفحہ: 281-285) ابو حنظلہ محمد اجمل عطاری

''عوام کا تقویٰ: شرک سے بچنا۔ خواص کا تقویٰ: گناہوں سے بچنا۔ اولیاء کا تقویٰ: اپنے افعال کو وسیلہ بنانے سے بچنا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کا تقویٰ: افعال کو اپنی طرف منسوب کرنے سے بچنا کیونکہ ان کا تقویٰ اللہ عزوجل کی طرف سے اسی کی طرف ہوتا ہے۔''

امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

''سَادَةُ النَّاسِ فِي الدُّنْيَا أَلْأَسْخِيَاءُ وَسَادَةُ النَّاسِ فِي الْآخِرَةِ أَلْأَتْقِيَاءُ''

''دنیا میں لوگوں کے سردار سخی لوگ ہیں اور آخرت میں لوگوں کے سردار متقی لوگ ہوں گے۔''

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ نَظَرَ إِلٰى مَحَاسِنِ إِمْرَأَةٍ فَغَضَّ بَصَرَهٗ فِيْ أَوَّلِ مَرَّةٍ أَحْدَثَ اللّٰهُ لَهٗ عِبَادَةً يَجِدُ حَلَاوَتَهَا فِيْ قَلْبِهٖ))

''جس شخص کی نظر کسی خوبصورت عورت پر پڑ جائے پس وہ پہلی بار نگاہیں جھکا لے۔ اللہ عزوجل اسے ایسی عبادت کی توفیق دے گا جس کی مٹھاس وہ اپنے دل میں پائے گا۔''[1]

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''جس نے بھی نجات پائی اللہ عزوجل کے ہاں سچی پناہ حاصل کر کے پائی۔'' ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ﴾

''اور ان تین پر جو موقوف رکھے گئے تھے یہاں تک کہ جب زمین اتنی وسیع ہو کر ان پر تنگ ہوگئی۔''[2]

حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جس نے نجات پائی صدق تقویٰ کے ذریعے پائی۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۡ﴾

''اور اللہ بچائے گا پرہیز گاروں کو ان کی نجات کی جگہ۔''[3]

حضرت جریری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''جس نے بھی نجات پائی وفا کی رعایت کر کے پائی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل، رقم الحدیث: 22278.

[2] پارہ 11، التوبہ 118، ترجمہ کنزالایمان. یہ تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا واقعہ ہے جو سستی کی وجہ سے غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے انھوں نے سچ بتایا تو ان کا فیصلہ اللہ عزوجل پر چھوڑ دیا گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے بائیکاٹ کا حکم دیا اس کے بعد ان کی توبہ قبول ہوگئی۔ علمیہ اردو

[3] پارہ 24، الزمر 61، ترجمہ کنزالایمان

﴿اَلَّذِیۡنَ یُوۡفُوۡنَ بِعَہۡدِ اللّٰہِ وَلَا یَنۡقُضُوۡنَ الۡمِیۡثَاقَ ۙ﴾
"وہ جو اللہ کا عہد کرتے ہیں اور قول باندھ کر پھرتے نہیں۔"[1]
حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "جس نے نجات پائی اللہ عزوجل سے حقیقی حیاء کے ذریعے پائی۔" ارشادِ خداوندی ہے:
﴿اَلَمۡ یَعۡلَمۡ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی ؕ﴾
"تو کیا حال ہوگا کیا نہ جانا کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔"[2]
حضرت استاذ الامام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "جس نے بھی نجات پائی اللہ عزوجل کے حکم اور قضا سے پائی۔" ارشادِ خداوندی ہے:
﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ سَبَقَتۡ لَہُمۡ مِّنَّا الۡحُسۡنٰۤی ۙ﴾
"بے شک وہ جن کے لیے ہمارا وعدہ بھلائی کا ہو چکا۔"[3]
انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ جس نے نجات پائی تو اس لیے پائی کہ اللہ عزوجل نے اسے پہلے سے منتخب کر رکھا تھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
﴿وَاجۡتَبَیۡنٰہُمۡ وَہَدَیۡنٰہُمۡ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴾
"اور ہم نے انھیں چن لیا اور سیدھی راہ دکھائی۔"[4]

---

[1] پارہ 13، الرعد 20، ترجمہ کنزالایمان
[2] پارہ 30، العلق 14، ترجمہ کنزالایمان
[3] پارہ 17، الانبیاء 101، ترجمہ کنزالایمان
[4] پارہ 7، الانعام 87، ترجمہ کنزالایمان

باب
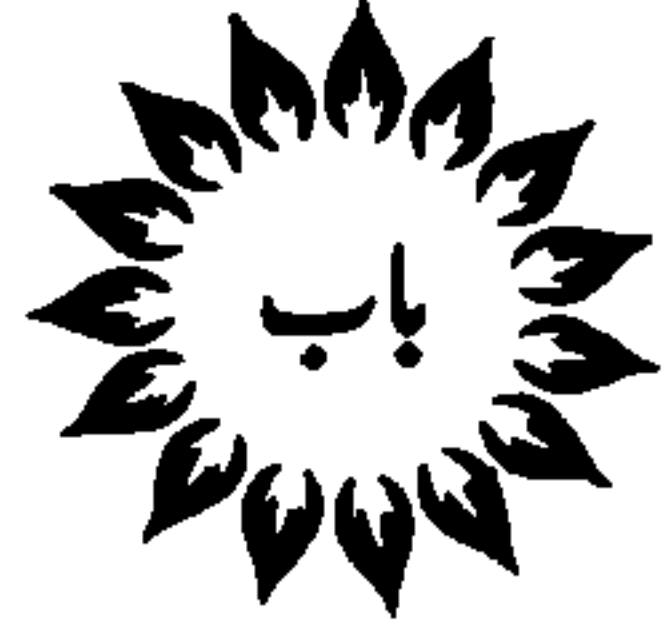
وَرَع کا بیان

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ))

''انسان کے حسن اسلام میں سے یہ بات بھی ہے کہ بے مقصد کام کو چھوڑ دے۔'' [1]

حضرت استاذ امام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (اَلْوَرَعُ فَإِنَّهُ تَرْكُ الشُّبْهَاتِ) ''ورع،شبہات کو چھوڑنے کا نام ہے۔''

اسی طرح حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ نے فرمایا: ورع، ہر شبہ والی چیز کو چھوڑنا ہے اور ''تَرْكُ مَا لَا يَعْنِيهِ'' کا مطلب فضول کاموں کو چھوڑنا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

(كُنَّا نَدَعُ سَبْعِينَ بَابًا مِّنَ الْحَلَالِ مَخَافَةَ أَنْ نَّقَعَ فِي بَابٍ مِّنَ الْحَرَامِ)

''ہم حرام کے ایک کام میں پھنس جانے کے خوف سے ستر (70) قسم کے حلال کاموں کو چھوڑتے تھے۔''

رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((كُنْ وَرِعًا تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ))

''پرہیزگار ہو جاؤ سب سے زیادہ عبادت گزار ہو گے۔'' [2]

حضرت سری سقطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اپنے زمانے میں چار آدمی پرہیزگار گزرے ہیں: ① حضرت حذیفہ مرتعش ② حضرت یوسف بن اسباط ③ حضرت ابراہیم بن ادھم اور ④ حضرت سلیمان خواص (رحمہم اللہ)۔ ان لوگوں نے پرہیزگاری میں غور کیا جب ان کو معاملات مشکل نظر آئے تو کم استعمال کرنے لگے۔''

---

[1] سنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب كف اللسّان فى الفتنة، رقم الحديث: 3976 ، جامع ترمذى، كتاب الزهد، باب فى من تكلم بالكلمة، رقم الحديث: 2318.

[2] سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب الورع والتقوى، رقم الحديث: 4217.

ورع کے بارے بزرگوں کے اقوال

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''ورع (پرہیزگاری) یہ ہے کہ تم اللہ عزوجل کے سوا ہر چیز سے پرہیزگاری اختیار کرو۔''

حضرت اسحاق بن خلف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''گفتگو میں پرہیزگاری سونے اور چاندی میں پرہیزگاری سے زیادہ سخت ہے اور ریاست سے پرہیزگاری اختیار کرنا سونے اور چاندی کی پرہیزگاری سے سخت ہے کیونکہ تم سونے اور چاندی کو ریاست (حکومت) کی طلب میں خرچ کرتے ہو۔''

حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ورع، زہد کا آغاز ہے جس طرح قناعت، رضا کا ایک کنارہ ہے۔''

حضرت ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (ثَوَابُ الْوَرَعِ خِفَّةُ الْحِسَابِ) ''ورع کا ثواب، حساب کا آسان ہونا ہے۔''

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ورع یہ ہے کہ کسی تاویل کے بغیر علم کی حد پر ٹھہر جائے۔''

حضرت عبداللہ بن جلاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں ایک شخص کو جانتا ہوں جو مکہ مکرمہ میں تیس سال ٹھہرا۔ اس نے زمزم کے پانی سے صرف وہی پیا جو اس نے خود اپنے چھاگل (چمڑے کا برتن) اور اپنی رسی سے نکالا۔ اور اس نے وہ کھانا نہ کھایا جو مصر سے لایا تھا۔''

حضرت علی بن موسیٰ تاہرتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''عبداللہ بن مروان رحمۃ اللہ علیہ سے ایک پیسہ گندے کنویں میں گر گیا تو انھوں نے تیرہ دینار مزدوری دے کر وہ پیسہ نکلوایا۔ ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا اس پر اللہ عزوجل کا نام لکھا ہوا تھا۔''

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''ورع کی دو صورتیں ہیں۔

① ظاہر کا ورع: ظاہر کا ورع یہ ہے کہ اس کی ہر حرکت اللہ عزوجل کے لیے ہو

② باطن کا ورع: باطن کا ورع یہ ہے کہ تمھارے دل میں اللہ عزوجل کے سوا کچھ بھی داخل نہ ہو۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جو شخص ورع کی باریکیوں میں غور نہیں کرتا وہ بڑی عطاء تک نہیں پہنچ سکتا۔''

کہا گیا ہے کہ: (مَنْ دَقَّ فِي الدِّيْنِ نَظْرُهٗ جَلَّ فِي الْقِيَامَةِ خَطْرُهٗ) ''جو شخص دین میں باریک بین ہوگا قیامت کے دن اس کا مرتبہ بڑا ہوگا۔''

حضرت ابن جلاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''جو شخص محتاجی کی حالت میں تقویٰ اختیار نہیں کرتا وہ قطعی حرام کا مال کھائے گا۔''

حضرت یونس بن عبید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(اَلْوَرَعُ الْخُرُوْجُ عَنْ كُلِّ شُبْهَةٍ وَمُحَاسَبَةُ النَّفْسِ فِیْ كُلِّ طَرْفَةٍ)

''ورع، ہر شبہ سے نکلنے اور ہر وقت محاسبہ کا نام ہے۔''

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں نے ورع سے زیادہ آسان کوئی چیز نہیں دیکھی جو چیز تمھارے دل میں کھٹکے اسے چھوڑ دو۔''

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (إِحْفَظْ لِسَانَكَ مِنَ الْمَدْحِ كَمَا تَحْفَظُهٗ مِنَ الذَّمِّ) ''اپنی زبان کو تعریف کرنے سے روکو جس طرح اسے مذمت کرنے سے روکتے ہو۔''

حضرت بشر بن حارث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''تین اعمال بہت سخت ہیں: ① (اَلْجُوْدُ فِی الْقِلَّةِ) ''قلت کی حالت میں سخاوت'' ② (اَلْوَرَعُ فِی الْخَلْوَةِ) ''خلوت میں ورع'' ③ (كَلِمَةُ الْحَقِّ عِنْدَ مَنْ یُخَافُ مِنْهُ وَیُرْجٰی) ''اور جس شخص سے خوف یا امید ہو اس کے سامنے کلمۂ حق کہنا۔''

کہا گیا ہے کہ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی ہمشیرہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئیں اور کہنے لگیں ہم اپنے مکان کی چھت پر سوت کاتتی ہیں اور ظاہریہ (طاہریہ)[1] کی مشعلیں گزرتی ہیں جن کی شعاعیں ہم پر پڑتی ہیں۔ کیا ان کی شعاعوں میں ہمارے لیے سوت کاتنا جائز ہے؟

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: تم کون ہو؟ اللہ عزوجل تمھیں معاف فرمائے۔

انھوں نے جواب دیا ''میں حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی بہن ہوں۔''

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ رو پڑے اور فرمایا ''سچا ورع تو تمھارے گھر سے نکلتا ہے تم ان کی شعاعوں میں سوت نہ کاتنا۔''

خوف ختم ہو گیا

حضرت علی عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں بصرہ کی کسی سڑک سے گزر رہا تھا تو وہاں بوڑھے لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور بچے کھیل رہے تھے۔ میں نے کہا کیا تمھیں ان بزرگ حضرات سے حیاء نہیں آتی؟

ان میں سے ایک بچے نے جواب دیا: ''ان عمر رسیدہ لوگوں کا ورع کم ہونے کی وجہ سے ان کی ہیبت کم ہو گئی ہے۔''

[1] ظاہریہ یا بنو طاہر، ابن طاہر عبداللہ بن طاہر بن حسین کی طرف منسوب لوگ ہیں۔ عبداللہ بن طاہر خراسان کا گورنر رہا۔ 230ھ میں وفات پائی۔ ۱۲ ہزاروی

چالیس سال کھجور نہ کھائی

کہا گیا ہے کہ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ بصرہ میں چالیس سال رہے تو انھوں نے بصرہ کی ایک کھجور کھانا بھی درست نہ سمجھا یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی اور انھوں نے وہاں کی ایک کھجور نہ چکھی۔ ان کا طریقہ تھا کہ جب تر کھجوروں کا وقت ختم ہو جاتا تو فرماتے: ''اے اہلِ بصرہ! یہ میرا پیٹ ہے اس میں سے کچھ کم نہیں ہوا اور نہ تم میں کچھ زیادتی ہوئی ہے۔''

زم زم کا پانی نہ پیا

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ زمزم کا پانی نہیں پیتے؟ فرمایا: ''اگر میرا اپنا ڈول ہوتا تو میں ضرور پیتا۔''

حرام کھانے کا پتہ چل جاتا

استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ جب ایسے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتے جس میں شبہ ہوتا تو ان کی انگلی کے سرے کی ایک رگ پھڑکنے لگتی جس سے ان کو معلوم ہو جاتا کہ یہ کھانا حلال کا نہیں ہے۔''

شبہ کے کھانے سے ہاتھ روکنا

حضرت استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک دعوت میں بلایا گیا اور ان کے سامنے کھانا رکھا گیا۔ انھوں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھانے کی کوشش کی لیکن ہاتھ نہ بڑھا۔ تین بار اسی طرح کیا۔

تو ایک شخص جو اس بات کو جانتا تھا کہنے لگا کہ ان کا ہاتھ اس کھانے کی طرف نہیں بڑھتا جس میں شبہ ہو۔ اس دعوت دینے والے کو ان کو دعوت دینے کی کیا ضرورت تھی؟

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے حلال پاک مال کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''حلال مال وہ ہے جس میں اللہ عزوجل کی نافرمانی نہ کی گئی ہو۔''

حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ ہی فرماتے ہیں: ''حلال مال وہ ہے جس میں اللہ عزوجل کو نہ بھلایا گیا ہو۔''

ورع اور طمع کا مقام

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ایک بچے کو

دیکھا۔ اس نے کعبہ شریف سے ٹیک لگا رکھی تھی اور لوگوں کو وعظ کر رہا تھا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس کی طرف جلدی سے کھڑے ہوئے اور فرمایا: (مَا مِلَاكُ الدِّيْنِ) ''دین کا دارومدار کس چیز پر ہے؟''

اس بچے نے جواب دیا: (اَلْوَرَعُ) ''ورع پر۔''

پوچھا: (فَمَا اٰفَةُ الدِّيْنِ) ''دین کی آفت کیا ہے؟''

فرمایا: (اَلطَّمْعُ) ''طمع۔''

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کو اس پر تعجب ہوا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''صحیح سلامت پرہیزگاری ایک ذرہ کے برابر ہو تو بھی وہ نماز روزے کی ایک ہزار مثقال سے بہتر ہے۔''[1]

اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی (اور فرمایا) میرا تقرب حاصل کرنے والے ورع اور زہد کی مثل کسی چیز سے قرب حاصل نہیں کر سکتے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: (جُلَسَاءُ اللّٰهِ تَعَالٰى غَدًا: اَهْلُ الْوَرَعِ وَالزُّهْدِ) ''کل (قیامت کے دن) اللہ عزوجل کے ہم نشین وہ لوگ ہوں گے جو ورع اور زہد والے ہیں۔''

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جس شخص کا ساتھ پرہیزگاری نہ دے وہ ہاتھی کا سر کھا کر بھی سیر نہیں ہو سکتا۔''

مالِ غنیمت کی خوشبو نہ سونگھی

کہا گیا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مالِ غنیمت میں سے خوشبو پیش کی گئی تو انھوں نے اپنی ناک پر ہاتھ رکھ لیا اور فرمایا: ''اس کی خوشبو سے ہی تو فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ میں دوسرے مسلمانوں کے بغیر تنہا اس کی خوشبو سونگھوں۔''

چراغ بجھا دیا

حضرت ابو عثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ سے ورع کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: حضرت ابو صالح حمدون رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک دوست کے پاس موجود تھے اور وہ حالتِ نزع میں تھا۔ وہ شخص فوت ہو گیا تو حضرت ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ نے پھونک مار کر چراغ بجھا دیا۔ ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انھوں نے جواب دیا: ''اب تک چراغ کے تیل کا مالک وہ خود تھا اور

[1] مثقال وزن یا ترازو کو کہتے ہیں۔ عرف میں ایک مثقال ڈیڑھ درہم کے برابر سونا ہوتا ہے (المنجد لفظ ثقل کے تحت دیکھیں)۔ ۱۲ ہزاروی

اب سے وہ وارثوں کا ہو گیا لہٰذا اس کے لیے کوئی اور تیل لاؤ۔"

چالیس سال روتے رہے

حضرت کہمس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "میں نے ایک گناہ کیا تو چالیس سال سے اب تک اس پر رو رہا ہوں وہ (گناہ) یہ تھا کہ میرے ایک بھائی سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے ایک دانگ (سکہ) سے اس کے لیے تلی ہوئی مچھلی خریدی۔ جب وہ مچھلی کھا چکے تو میں نے اپنے پڑوسی کی دیوار سے مٹی کا ٹکڑا لیا تا کہ وہ اس کے ساتھ اپنے ہاتھ دھوئیں اور میں نے اس (پڑوسی) سے اجازت نہیں لی تھی۔ [1]

ایک کرایہ دار کا واقعہ

کہا گیا ہے کہ ایک شخص ایک رقعہ لکھا کرتا تھا اور وہ کرائے کے گھر میں رہتا تھا۔ اس نے ارادہ کیا کہ اس گھر کی دیوار سے مٹی لے کر لکھے ہوئے کو خشک کرے۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ یہ تو کرائے کا گھر ہے پھر اسے خیال آیا کہ اس عمل سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پس اس نے کتابت کو خشک کیا تو ایک غیبی آواز دینے والے کو سنا وہ کہہ رہا تھا: (سَيَعْلَمُ الْمُسْتَخَفُّ بِالتُّرَابِ مَا يَلْقَاهُ غَدًا مِّنْ طُوْلِ الْحِسَابِ) "عنقریب مٹی کے ساتھ خشک کرنے والے کو کل (قیامت کے دن) اپنے حساب کے طویل ہونے کا علم ہو جائے گا۔"

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ورع

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے مکہ مکرمہ (اللہ ﷻ اس کی حفاظت فرمائے) میں ایک سبزی فروش کے پاس تانبے کا برتن رہن رکھا۔ جب انھوں نے چھڑانا چاہا تو سبزی فروش دو برتن لے آیا اور کہا:

"ان میں سے ایک آپ کا ہے جو چاہیں لے لیں۔"

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "میرے لیے اپنا برتن پہچاننا مشکل ہے یہ برتن بھی تمھارا اور درہم بھی تمھارے۔"

سبزی فروش نے کہا "آپ کا برتن یہ ہے میں تو آپ کا تجربہ کرنا چاہتا تھا۔"

انھوں نے فرمایا: "میں اسے نہیں لیتا" اور وہ برتن اس کے پاس چھوڑ کر چلے گئے۔

کہا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قیمتی جانور کھلا چھوڑ دیا اور خود نمازِ ظہر پڑھنے لگے۔ جانور شاہی بستی کی کھیتی میں چرنے لگا تو حضرت ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو چھوڑ دیا اور اس پر سوار نہ ہوئے۔

---

[1] اس زمانے میں صابن کی جگہ مٹی استعمال کی جاتی تھی۔ ۱۲ ہزاروی

قلم واپس کرنے کے لیے ملک شام کا سفر

اور کہا گیا کہ حضرت ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ (علاقہ) ''مرو'' سے شام کی طرف اس مقصد کے لیے تشریف لے گئے کہ آپ نے ایک قلم ادھار لیا تھا اور اسے اس کے مالک کو واپس نہیں دیا تھا۔

حضرت امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جانور کرائے پر لیا۔ آپ کی لاٹھی آپ کے ہاتھ سے گر گئی۔ آپ نیچے اترے اور جانور کو باندھ دیا۔ عرض کیا گیا اگر آپ جانور کو واپس اس جگہ لے جاتے جہاں لاٹھی گری تھی اور لاٹھی اُٹھا لیتے تو اس میں آپ کے لیے آسانی تھی۔

انھوں نے فرمایا: ''میں نے جانور اس شرط پر کرایہ پر لیا تھا کہ اس طرف جاؤں گا دوسری طرف نہیں۔''

حضرت ابوبکر دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں پندرہ (15) دن تک بنی اسرائیل کے بیابان میں حیران و پریشان رہا۔ جب میں راستے پر آیا تو ایک سپاہی میرے سامنے آیا اور اس نے مجھے پانی پلایا تو اس کی سختی میرے دل پر اثر انداز ہوئی اور میں تیس (30) سال تک تکلیف میں مبتلا رہا۔''

قمیص کو پھاڑ دیا

کہا گیا ہے کہ حضرت رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہا نے بادشاہ کی مشعل کی روشنی میں اپنی قمیص کا ایک حصہ سیا تھا تو ایک عرصہ تک ان کا دل پرسکون نہ رہا۔ حتیٰ کہ ان کو یاد آیا تو انھوں نے قمیص کا وہ ٹکڑا پھاڑ دیا تو اپنے دل کو پرسکون پایا۔

ورع کا اجر

کسی نے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا کہ ان کے دو پَر ہیں اور وہ ان کے ساتھ جنت میں ایک درخت سے دوسرے درخت پر جاتے ہیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ کو یہ مقام کس عمل کی وجہ سے حاصل ہوا؟

انھوں نے فرمایا: (بِالْوَرَعِ) ''ورع کی وجہ سے۔''

ایک سوئی کے سبب گرفت

حضرت حسان بن ابی سنان رحمۃ اللہ علیہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کے پاس کھڑے ہوئے اور پوچھا: (أَيُّ شَيْءٍ أَشَدُّ عَلَيْكُمْ؟) ''تم لوگوں پر کیا چیز زیادہ سخت ہے؟'' انھوں نے جواب دیا: (اَلْوَرَعُ) ''ورع۔''

انھوں نے فرمایا: ''مجھ پر اس سے زیادہ آسان کوئی کام نہیں۔''

انھوں نے پوچھا: ''وہ کیسے؟''

فرمایا: ''میں نے چالیس (40) سال تک تمھاری نہر کے پانی سے سیراب ہو کر نہیں پیا۔''

حضرت حسان بن ابی سنان رحمۃ اللہ علیہ ساٹھ (60) سال تک چت نہیں لیٹے، نہ مُرغّن غذا کھائی اور نہ ٹھنڈا پانی پیا۔ وصال کے بعد ان کو خواب میں دیکھا گیا تو پوچھا گیا ''آپ کے ساتھ اللہ عزوجل نے کیا سلوک کیا؟''

فرمایا: ''اچھا سلوک کیا لیکن ایک سوئی کی وجہ سے جو میں نے ادھار لے کر واپس نہیں کی تھی مجھے جنت سے روکا گیا۔''[1]

ترازو کی غبار کے سبب گرفت

حضرت عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ کا ایک غلام تھا جس نے کئی سال تک آپ کی خدمت کی اور چالیس (40) سال تک عبادت کی۔ ابتدائی دور میں وہ تولنے کا کام کرتا تھا۔ جب فوت ہوا تو اسے خواب میں دیکھا گیا، پوچھا گیا ''اللہ عزوجل نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا؟'' اس نے جواب دیا ''اچھا سلوک کیا البتہ مجھے جنت سے روک دیا گیا اور میرے ذمہ اس قفیز (پیمانہ) کی غبار سے جس کے ساتھ میں ماپ کرتا تھا، چالیس (40) قفیز نکالے گئے۔''

خلال کے سبب گرفت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک قبرستان سے گزرے تو ان میں سے ایک کو پکارا۔ اللہ عزوجل نے اسے زندہ کر دیا۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا ''تو کون ہے؟''

اس نے کہا ''میں لوگوں کا سامان اِدھر اُدھر لے جاتا تھا۔ میں ایک دن ایک شخص کے لیے لکڑیاں اٹھا کر لے گیا جس سے میں نے ایک خلال توڑ کر اس کے ساتھ خلال کیا تو جب سے میں فوت ہوا ہوں مجھ سے اس کا مطالبہ ہو رہا ہے۔''

حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ نے ورع کے بارے میں گفتگو کی۔ حضرت عباس بن مہتدی رحمۃ اللہ علیہ وہاں سے گزرے تو فرمایا: ''اے ابوسعید! تجھے شرم نہیں آتی تو ابو دوانیق کی چھت کے نیچے بیٹھا ہے اور زبیدہ کے حوض سے پانی پیتا ہے اور کھوٹے درہموں کے ساتھ لین دین کرتا ہے اور ورع کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔''

[1] جبکہ آج کل شاید ادھار لیا ہی اس لیے جاتا ہے کہ واپس نہیں دینا۔ (ابو حنظلہ محمد اجمل عطاری)

باب
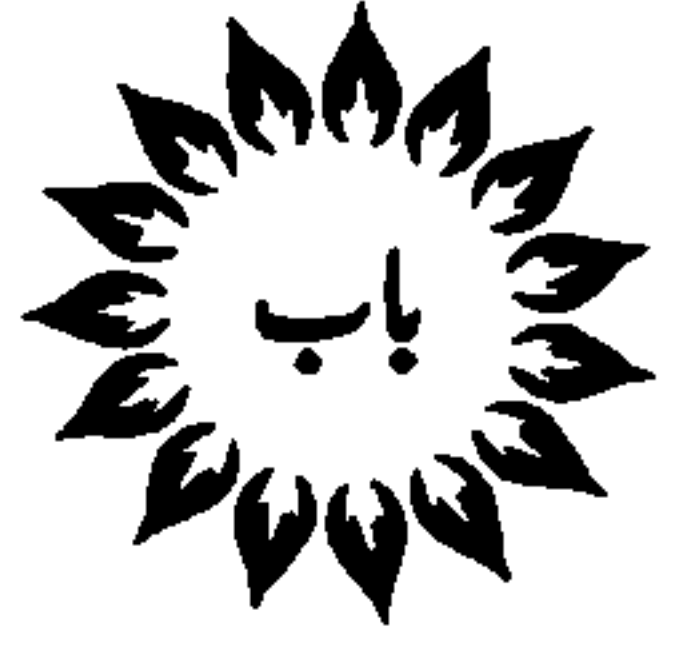
زُہد کا بیان

حضرت ابو خلاد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اوران کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ قَدْ أُوْتِىَ زُهْدًا فِى الدُّنْيَا وَقِلَّةَ مَنْطِقٍ فَاقْتَرِبُوْا مِنْهُ فَإِنَّهُ يُلَقَّنُ الْحِكْمَةَ))

''جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ اسے دنیا سے اعراض کرنے اور اس سلسلہ میں گفتگو کی (یعنی دوسروں کو نصیحت کرنے کی) توفیق دی گئی ہے تو تم اس کا قرب اختیار کرو کیونکہ اسے حکمت عطا کی گئی۔''[1]

زہد کے بارے صوفیاء کا اختلاف

حضرت استاذ امام ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''صوفیاء کرام کا زہد کے بارے میں اختلاف ہے۔ ان میں سے بعض نے کہا زہد حرام ہے کیونکہ حلال چیز اللہ عزوجل کی طرف سے مباح ہے پس جب اللہ عزوجل اپنے بندے پر حلال مال کے ذریعے انعام کرتا ہے اور بندہ اس کا شکر ادا کرتے ہوئے اس کی عبادت کرتا ہے تو اس صورت میں اپنے اختیار سے اسے چھوڑنا اور خرچ نہ کرنا دونوں برابر ہیں، اسے روکنے پر فضیلت نہ ہوگی۔

بعض کہتے ہیں حرام میں زہد واجب ہے اور حلال میں فضیلت کا باعث ہے کیونکہ بندے کو کم مال دیا جائے اور پھر وہ اس پر صبر کرے، اللہ عزوجل کی تقسیم پر راضی ہو، جو اسے عطا کیا گیا ہے اس پر قناعت کرے تو یہ اس حالت سے بہتر ہے کہ اللہ عزوجل اسے دنیا میں کشادہ مال عطا کرے نیز اللہ عزوجل نے مخلوق کو دنیا میں زہد اختیار کرنے کا حکم دیا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ج وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى قف﴾

''تم فرمادو کہ دنیا کا برتنا تھوڑا ہے اور ڈر والوں کے لیے آخرت اچھی۔''[2]

اس کے علاوہ دیگر آیات جو دنیا کی مذمت اور اس سے بے رغبتی کے بارے میں آئی ہیں۔

---

[1] سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب الزهد فى الدنيا، رقم الحديث:4101.

[2] پارہ 5، النساء 77، ترجمہ کنزالایمان

ان صوفیاء کرام رحمہم اللہ میں سے بعض نے فرمایا: "جب بندہ اپنا مال اللہ عزوجل کی اطاعت میں خرچ کرے اور اس کے حال سے صبر معلوم ہو اور وہ تنگ دستی کی حالت میں بھی اس چیز سے تعلق نہ رکھے جس سے شریعت نے منع کیا ہے تو اس وقت حلال مال سے اس کی بے رغبتی (زہد) مکمل ہوتا ہے۔"

ان میں سے بعض صوفیاء کرام نے فرمایا: "بندے کے لیے مناسب ہے کہ وہ تکلف کے ساتھ حلال مال کو ترک کرنا اختیار نہ کرے اور اس فضول (زائد) چیز کو طلب نہ کرے جس کی اسے حاجت نہیں اور قسمت کا خیال رکھے۔ اگر اللہ عزوجل اسے حلال سے مال عطا کرے تو اس کا شکر ادا کرے اور اگر اللہ عزوجل اس کو ضرورت کی حد میں رکھے تو زائد کی طلب میں تکلف نہ کرے۔ پس صاحبِ فقر کے لیے صبر اچھا ہے اور حلال مال والے کے لیے شکر زیادہ مناسب ہے۔"

زُہد کیا ہے؟

ان حضرات نے زہد کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ چنانچہ ہر ایک نے اپنے حال کے مطابق بات کی اور زہد کی تعریف بیان کی ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "دنیا میں زہد، اُمید کم کرنا ہے۔ غیر لطیف چیز کھانا اور جبہ نہ پہننا زہد نہیں ہے۔"

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "بے شک اللہ عزوجل نے اپنے دوستوں سے دنیا کو سلب کر لیا اور اصفیاء سے اس کو محفوظ رکھا اور اپنے اہل محبت کے دلوں سے اس کو نکال دیا کیونکہ اللہ عزوجل انھیں دنیا دینے پر راضی نہیں۔"

یہ بھی کہا گیا کہ زہد اس ارشادِ خداوندی سے مأخوذ ہے:

﴿لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰكُمْ ط﴾

"اس لیے کہ غم نہ کھاؤ اس پر جو ہاتھ سے جائے اور خوش نہ ہو اس پر جو تم کو دیا۔" [1]

پس زاہد اس چیز پر خوش نہیں ہوتا جو دنیا میں موجود ہے اور نہ اس پر اظہارِ افسوس کرتا ہے جو اس سے گم ہو گئی۔

زہد کے بارے صوفیاء کے اقوال

حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (اَلزُّهْدُ: أَنْ تَتْرُكَ الدُّنْيَا ثُمَّ لَاتُبَالِيْ بِمَنْ أَخَذَهَا) "زہد یہ ہے کہ تم دنیا کو ترک کرو پھر اس بات کی پرواہ نہ کرو کہ اسے کس نے حاصل کیا۔"

[1] پارہ 27، الحدید 23، ترجمہ کنزالایمان

استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''دنیا کو اس کی حالت پر چھوڑ دو یہ نہ کہو کہ میں اس کے ذریعے کوئی سرائے بناؤں گا یا مسجد تعمیر کروں گا۔''

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''زہد اپنی ملکیت میں سخاوت پیدا کرتا ہے اور دنیا سے محبت رُوح کی سخاوت پیدا کرتی ہے۔''

حضرت ابن جلاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''زہد دنیا کو زوال کی آنکھ سے دیکھنا ہے تاکہ وہ تیری نگاہ میں ذلیل ہو اور تمھارے لیے اسے چھوڑنا آسان ہو جائے۔''

حضرت ابن خفیف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''زہد کی علامت یہ ہے کہ دنیا کو اپنی ملکیت سے نکالنے کے بعد راحت محسوس ہو۔''

انھوں نے یہ بھی فرمایا: ''دل کے اسباب کی طرف خیال نہ کرنا اور ملکیتوں سے ہاتھوں کو جھاڑنے کا نام زہد ہے۔''

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''زہد کسی تکلف کے بغیر نفس کا دنیا سے اعراض کرنا ہے۔''

حضرت نصرابادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (اَلزَّاھِدُ غَرِیْبٌ فِی الدُّنْیَا وَالْعَارِفُ غَرِیْبٌ فِی الْاٰخِرَۃِ) ''زاہد دنیا میں اجنبی ہوتا ہے اور عارف آخرت میں نادر ہوں گے۔''

یہ بھی کہا گیا کہ جو شخص اپنے زہد میں سچا ہو دنیا اس کی طرف رغبت کے ساتھ آتی ہے۔ اسی لیے کہا گیا کہ اگر آسمان سے ٹوپی گرے تو وہ اس شخص کے سر پر آتی ہے جو اسے نہیں چاہتا۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''دل کا اس چیز سے خالی ہونا زہد ہے جس سے ہاتھ خالی ہے۔''

حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''صوف (اونی لباس) زہد کی علامات میں سے ایک علامت ہے لہٰذا زاہد کے لیے تین درہموں کا اونی لباس پہننا مناسب نہیں جب کہ اس کے دل میں پانچ درہموں کی خواہش ہو۔''

زہد کے بارے میں اسلاف کا اختلاف ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عیسیٰ بن یونس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''دنیا میں زہد یہ ہے کہ امیدوں کو کم کیا جائے۔''

انھوں نے جو یہ بات فرمائی ہے تو اسے اس معنٰی پر محمول کیا جائے گا کہ اس سے زہد کی علامات اور اس کی ترغیب دینے والے اسباب اور اس کو ثابت کرنے والی چیزیں مراد ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''زہد یہ ہے کہ فقر کو پسند کرتے ہوئے اللہ ﷻ کی ذات پر اعتماد کیا جائے۔''

حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی بات فرمائی اور یہ بھی زہد کی علامات میں سے

ہے کیونکہ بندہ زہد پر قوت اسی وقت حاصل کر سکتا ہے جب اس کا اللہ ﷻ پر اعتماد اور توکل ہو۔

حضرت عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''زہد دینار اور درہم کے ساتھ ترک تعلق کا نام ہے (یعنی ان کی محبت ترک کرنا)۔

حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اس چیز کو چھوڑنا زہد ہے جو اللہ ﷻ سے غافل کر دے۔''

حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے زہد کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: ''زہد، دنیا کو حقیر جاننے اور دل سے اس کے نشانات کو مٹانے کا نام ہے۔''

حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''زاہد کی زندگی پاکیزہ نہیں ہوسکتی جب وہ اپنے نفس (کی اصلاح) سے غافل ہو جائے اور عارف کی زندگی پاکیزہ نہیں ہوسکتی جب وہ اپنے نفس میں مشغول رہے۔''

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے زہد کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''اپنی مملوکہ چیز سے ہاتھ کے خالی ہونے اور دل کے اس کی طرف متوجہ نہ ہونے کا نام زہد ہے۔''

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے زہد کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ تم اللہ ﷻ کے علاوہ ہر چیز سے بے رغبت ہو جاؤ۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''کوئی شخص زہد کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک اس میں تین خصلتیں نہ ہوں۔

① (عَمَلٌ بِلَا عِلَاقَةٍ) ''عمل میں اللہ ﷻ کے سوا کسی سے کوئی تعلق نہ ہو۔''

② (قَوْلٌ بِلَا طَمَعٍ) ''اس کی گفتگو میں کوئی لالچ نہ ہو۔''

③ (عِزٌّ بِلَا رِيَاسَةٍ) ''اور حکومت (اور عہدے) کے بغیر اپنے آپ کو باعزت بنائے۔''

حضرت ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''زہد صرف حلال مال میں ہوتا ہے اور دنیا میں حلال نہیں ہے لہٰذا زہد بھی نہیں۔''

حضرت ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُعْطِي الزَّاهِدَ فَوْقَ مَا يُرِيْدُ وَيُعْطِي الرَّاغِبَ دُوْنَ مَا يُرِيْدُ وَيُعْطِي الْمُسْتَقِيْمَ مُوَافِقَةَ مَا يُرِيْدُ) ''بے شک اللہ ﷻ زاہد کو اس کی خواہش سے زیادہ عطا کرتا ہے اور (دنیا میں) رغبت کرنے والے کو اس کی خواہش سے کم دیتا ہے اور قناعت کرنے والے کو اس کی خواہش کے مطابق دیتا ہے۔''

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''زاہد تجھے سرکہ اور رائی کی نسوار دیتا ہے اور عارف تجھے کستوری اور عنبر

سونگھاتا ہے۔''

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''دنیا میں زہد یہ ہے کہ تم دنیا والوں اور جو کچھ دنیا میں ہے، سے بغض رکھو (یعنی اللہ عزوجل سے محبت کرو)۔ [1]

کسی صوفی سے پوچھا گیا کہ ''دنیا میں زہد کیا ہے؟'' انھوں نے فرمایا: ''جو دنیا میں ہے اس کو دنیا والوں کے لیے چھوڑ دے۔''

ایک شخص نے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ ''مجھے زہد کا مقام کب حاصل ہو سکتا ہے؟''

انھوں نے فرمایا: ''جب تم نفس (کی لذتوں) سے منہ موڑ لو۔''

حضرت محمد بن فضل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''زاہدوں کا ایثار استغناء کے وقت ہوتا ہے اور جواں مردی کا ایثار محتاجی کے وقت ہوتا ہے۔''

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۛ﴾

''اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انھیں شدید محتاجی ہو۔'' [2]

حضرت کتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ایسی چیز جس میں کسی کوفی، کسی مدنی، کسی عراقی اور کسی شامی کا اختلاف نہیں وہ دنیا میں زہد، سخاوتِ نفس اور مخلوق کی خیر خواہی ہے۔ یعنی یہ ایسے کام ہیں جن کو کوئی بھی ناپسندیدہ نہیں کہتا۔''

زہد کامل کب ہوتا ہے؟

ایک شخص نے حضرت یحیٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ میں توکل کی دکان میں کب داخل ہو سکتا ہوں اور کب زاہدوں کی چادر پہن سکتا ہوں؟

انھوں نے فرمایا: ''جب پوشیدہ طور پر تمھاری ریاضت اس حد تک پہنچ جائے کہ اگر اللہ عزوجل تم سے تین دن رزق منقطع رکھے تو تمھارے نفس میں کمزوری محسوس نہ ہو۔ اور جو شخص اس درجہ تک نہ پہنچے اس کا زاہدوں کے بچھونے پر بیٹھنا جہالت ہے۔ پھر مجھے خطرہ ہے کہ کہیں تم ان (صوفیاء کرام) کے درمیان رسوا نہ ہو جاؤ۔''

[1] بغض سے مراد دشمنی نہیں بلکہ ان سے محبت کی بجائے اللہ عزوجل سے محبت کرنا مراد ہے لہٰذا اس صورت میں اللہ والوں سے بھی محبت ہو گی۔ ۱۲ ہزاروی

[2] پارہ 28، الحشر:9، ترجمہ کنزالایمان

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''زہد ایک فرشتہ ہے جو صرف ان لوگوں کے دلوں میں سکونت اختیار کرتا ہے جن کے دل (دنیا کی محبت سے) خالی ہوں۔''

حضرت محمد بن اشعث بیکندی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے فرماتے ہیں:

(مَنْ تَكَلَّمَ فِي الزُّهْدِ وَوَعَظَ النَّاسَ ثُمَّ رَغِبَ فِي مَالِهِمْ رَفَعَ اللّٰهُ تَعَالٰى حُبَّ الْاٰخِرَةِ مِنْ قَلْبِهٖ)

''جو شخص زہد کے بارے میں گفتگو کرے اور لوگوں کو نصیحت کرے پھر ان کے مال میں رغبت رکھے اللہ عزوجل اس کے دل سے آخرت کی محبت نکال دیتا ہے۔''

کہا گیا ہے کہ جب بندہ دنیا میں زہد اختیار کرتا ہے تو اللہ عزوجل اس کے لیے ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے جو اس کے دل میں حکمت کا پودا لگا دیتا ہے۔

ایک صوفی سے پوچھا گیا کہ آپ دنیا سے بے رغبتی کیوں اختیار کرتے ہیں؟

انھوں نے فرمایا: ''اس لیے کہ وہ مجھ سے روگردانی کرتی ہے۔''

زہد کی اقسام

زہد تین صورتوں میں ہے:

① (تَرْكُ الْحَرَامِ وَهُوَ زُهْدُ الْعَوَامِ) ''حرام کو چھوڑنا یہ عوام کا زہد ہے۔''

② (تَرْكُ الْفُضُوْلِ مِنَ الْحَلَالِ وَهُوَ: زُهْدُ الْخَوَاصِّ) ''حلال میں سے زائد چیزوں کو چھوڑنا یہ خواص کا زہد ہے۔''

③ (تَرْكُ مَا يُشْغِلُ الْعَبْدَ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَهُوَ زُهْدُ الْعَارِفِيْنَ) ''اس چیز کو چھوڑنا جو اللہ عزوجل سے غافل کر دے یہ عارفین کا زہد ہے۔''

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ کسی صوفی سے پوچھا گیا آپ نے دنیا میں زہد کو کیوں اختیار کیا؟

انھوں نے فرمایا: ''جب میں نے دنیا کی اکثر چیزوں سے اعراض کیا تو میں نے دنیا کی قلیل چیزوں میں رغبت کو بھی ناپسند کیا۔''

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''دنیا ایک دلھن کی مثال ہے۔ اس کا طالب اس کا بناؤ سنگھار کرنے والا اور اس سے اعراض کرنے والا، اس کا منہ کالا کرنے والا ہے۔ یہ لوگ اس کے بال نوچتے اور اس کے کپڑوں کو جلاتے

ہیں۔اور عارف اللہ ﷻ کی ذات میں مشغول ہوتا ہے وہ اس کی طرف توجہ نہیں کرتا۔"

حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"میں نے زہد کے بارے میں ہر چیز کی مشق کی تو میں نے جس چیز کا ارادہ کیا اسے پالیا البتہ لوگوں سے ملاقات سے اعراض نہ ہوسکا اور نہ مجھے اس کی طاقت حاصل ہے۔"

کہا گیا ہے کہ زاہد لوگ (ادنیٰ چیز ترک کر کے) اعلیٰ چیز کی طرف جاتے ہیں کیونکہ وہ فانی نعمتوں کو چھوڑ کر باقی رہنے والی نعمتوں کی طرف جاتے ہیں۔

حضرت نصرابازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:"زہد میں زاہدین کے خون کی حفاظت ہوتی ہے اور عارفین کا خون بہایا جاتا ہے۔"

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:"زاہد اپنے نفس سے پہلے اپنی تھیلی کو پگھلاتا ہے اور خودساختہ زاہد اپنی تھیلی سے پہلے اپنے نفس کو پگھلاتا ہے۔"

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:"اللہ ﷻ نے تمام شر کو ایک مکان میں رکھ کر دنیا کی محبت کو اس کی چابی بنادیا اور تمام خیر کو ایک گھر میں رکھ کر زہد کو اس کی چابی بنادیا۔

باب

خاموشی کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهٗ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ))

''جو شخص اللہ عزوجل اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔ جو شخص اللہ عزوجل اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے اپنے مہمان کی عزت کرنی چاہئے اور جو شخص اللہ عزوجل اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔''[1]

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا! ''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! نجات کس میں ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِحْفَظْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ))

''اپنی زبان کی حفاظت کرو اپنے گھر میں رہو اور اپنے گناہوں پر روؤ۔''[2]

حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''خاموشی سلامتی ہے اور یہی اصل ہے اور جب خاموشی پر شریعت نے تنبیہ کی تو ایسی صورت میں خاموشی ندامت ہے۔ پس واجب یہ ہے کہ شریعت اور امر و نہی کا اعتبار کرے۔ اپنے وقت میں خاموشی مردوں کی صفت ہے جس طرح اپنے مقامات پر بولنا عمدہ خصلتوں میں سے ہے۔''

استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: (مَنْ سَكَتَ عَنِ الْحَقِّ فَهُوَ شَيْطَانٌ أَخْرَسُ) ''جو شخص حق بات کہنے سے خاموش رہے وہ گونگا شیطان ہے۔''

خاموشی (بارگاہِ خداوندی میں) حاضری کے آداب میں سے ہے۔

[1] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب اثم من یأ من جارہ بوائقہ، رقم الحدیث: 6018، صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب الحث علی اکرام الجار، رقم الحدیث: 173-172-171.

[2] جامع ترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی حفظ اللسان، رقم الحدیث: 2406.

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝﴾

''اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔''[1]

اور اللہ عزوجل نے جنوں کی بارگاہِ رسالت میں حاضری کی خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ﴾

''پھر جب وہاں حاضر ہوئے آپس میں بولے خاموش رہو۔''[2]

اور ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا۝﴾

''اور سب آوازیں رحمٰن کے حضور پست ہو کر رہ جائیں گی تو تو نہ سنے گا مگر بہت آہستہ آواز۔''[3]

وہ شخص جو جھوٹ اور غیبت سے بچنے کی خاطر خاموش رہتا ہے اور وہ جو دبدبے والے بادشاہ کی ہیبت سے خاموش رہتا ہے دونوں میں کس قدر فرق ہے؟ اس معنٰی میں یہ اشعار کہے گئے ہیں:

أُفَكِّرُ مَا اَقُوْلُ إِذَا إِفْتَرَقْنَا

وَأُحْكِمُ دَائِبًا حُجَجَ الْمَقَالِ

فَأَنْسَاهَا إِذَا نَحْنُ إِلْتَقَيْنَا

فَأَنْطِقُ حِيْنَ أَنْطِقُ بِالْمُحَالِ

* جب ہم جدا ہو جاتے ہیں تو مجھے جو کچھ کہنا ہوتا ہے اس کے بارے میں سوچتا ہوں۔ اور بڑی کوشش سے گفتگو کے دلائل کو مضبوط بناتا ہوں۔

* اور جب ملاقات ہوتی ہے تو میں ان دلائل کو بھول جاتا ہوں اور جو کچھ کہتا ہوں وہ غیر ممکن باتیں ہوتی ہیں۔

اور انھوں نے یہ شعر بھی پڑھا:

---

[1] پارہ 9، الاعراف 204، ترجمہ کنزالایمان

[2] پارہ 26، الاحقاف 29، ترجمہ کنزالایمان

[3] پارہ 16، طٰہٰ 108، ترجمہ کنزالایمان

فَيَالَيْلُ كَمْ مِنْ حَاجَةٍ لِىْ مُهِمَّةٌ
إِذَا جِئْتُكُمْ لَمْ أَدْرِ يَا لَيْلُ مَاهِيَا

* اے لیلیٰ! میری بہت سی اہم حاجات ہیں لیکن جب میں تم لوگوں کے پاس آتا ہوں تو اے لیلیٰ! مجھے معلوم نہیں ہو کہ وہ حاجات کیا تھیں۔

اور یہ شعر بھی پڑھا:

وَكَمْ حَدِيْثٍ لك حَتّٰى إِذَا
مَكَّنْتُ مَنْ لَقِيَاكَ أَنْسَيْتُهُ

* اے محبوب! تجھ سے کہنے کی کتنی ہی باتیں ہیں لیکن جب تمھاری ملاقات پر قادر ہوتا ہوں تو بھول جاتا ہوں۔

اورانھوں نے یہ اشعار بھی پڑھے:

رَأَيْتُ الْكَلَامَ يُزَيِّنُ الْفَتٰى
وَالصَّمْتُ خَيْرٌ لِّمَنْ قَدْصَمَتَ
حِكَمٍ مِنْ حُرُوْفٍ تَجُرُّ الْحَتُوْفَ
وَنَاطِقٍ وَدَّ أَنْ لَوْسَكَتَ

* میں دیکھتا ہوں کہ جوانمرد کو کلام اچھا معلوم ہوتا ہے لیکن خاموش رہنے والے کے لیے خاموشی بہتر ہے۔

* کتنی ہی باتیں موت کا سبب بنتی ہیں اور بہت سے بولنے والے (بولنے کے بعد) چاہتے ہیں کہ کاش وہ خاموش رہتے۔

خاموشی کی دو قسمیں ہیں:

① ظاہر کی خاموشی ② باطنی اور قلبی خاموشی۔

پس توکل کرنے والا رزق کا تقاضا کرنے سے خاموش رہتا ہے اور عارف کا دل اللہ ﷻ کے کلام کی موافقت کی خاطر خاموش رہتا ہے۔

پس یہ (متوکل) اللہ ﷻ کی عنایات پر مکمل اعتماد رکھتا ہے اور وہ اس کے تمام احکام پر قناعت کرتا ہے۔ اسی معنیٰ میں یہ شعر کہا گیا ہے:

تَجْرِیْ عَلَیْكَ صُرُوْفُهٗ
وَهُمُوْمُ سِرِّكَ مُطْرِقُهٗ

* محبوب کی گردشیں تجھ پر چلتی رہتی ہیں مگر اس کے باوجود تمھارے اسرار کے غم سر جھکائے ہوتے ہیں۔

بعض اوقات فی البدیہہ کہنے کی حیرانی خاموشی کا باعث ہوتی ہے کیونکہ جب اچانک کشف ہو تو اس وقت تمام زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں۔ اس وقت کوئی بیان اور گفتگو نہیں ہوتی اور تمام شواہد مٹ جاتے ہیں پس علم ہوتا ہے نہ حِس۔

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ﴾

''جس دن اللہ جمع فرمائے گا رسولوں کو پھر فرمائے گا: تمھیں کیا جواب ملا؟ عرض کریں گے، ہمیں کچھ علم نہیں۔''[1]

اربابِ مجاہدہ خاموشی کو اس لیے ترجیح دیتے ہیں کہ ان کو کلام کی آفات کا علم ہے پھر اس (کلام) میں نفس کو خوشی حاصل ہوتی ہے اور نفس مدح کا اظہار چاہتا ہے اور وہ اپنے ہم مرتبہ لوگوں میں خوش کلامی کے ذریعے امتیازی مقام حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر آفات ہیں جو مخلوق کی آفات میں شمار ہوتی ہیں۔

خاموشی ریاضت کرنے والے صوفیاء کی صفات میں سے ہے نیز مقام و مرتبہ حاصل کرنے اور تہذیب اخلاق کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔

گوشہ نشینی سے پہلے ایک سال خاموش رہے

کہا گیا ہے کہ جب حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے خلوت نشینی کا ارادہ کیا تو انھوں نے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجالس میں بیٹھنے کا عزم کیا کیونکہ آپ حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ آپ اپنے ہمعصر علماء میں بیٹھے رہتے اور کسی مسئلہ میں گفتگو نہ کرتے۔ جب ایک سال تک اپنی اس عادت کو پختہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تو اس وقت گھر میں بیٹھ گئے اور گوشہ نشینی اختیار فرمائی۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ جب کوئی تحریر لکھتے اور اس کے الفاظ آپ کو اچھے معلوم ہوتے تو اسے پھاڑ دیتے (تاکہ تکبر پیدا نہ ہو)۔

---

[1] پارہ 7، المائدہ 109، ترجمہ کنز الایمان

خاموشی کے بارے صوفیاء کے ارشادات

حضرت بشر بن حارث رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، فرماتے ہیں: ''جب تمھیں اپنا کلام پسند آئے تو خاموش رہو اور جب خاموشی پسند آئے تو کلام کرو۔''

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''کسی شخص کے لیے خاموشی درست نہیں حتیٰ کہ وہ خلوت کو پسند کرے اور توبہ اس وقت تک صحیح نہیں ہوتی جب تک خاموشی اختیار نہ کرے۔''

حضرت ابوبکر فارسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جو شخص خاموشی کو اپنا وطن (یعنی عادت) نہ بنائے وہ خاموشی کے باوجود بیکار کام کر رہا ہے اور خاموشی زبان کے ساتھ خاص نہیں بلکہ دل اور اعضاء کی خاموشی بھی ضروری ہے۔''

بعض حضرات نے فرمایا: جو شخص خاموشی کو غنیمت نہیں جانتا جب وہ گفتگو کرتا ہے تو لغو گفتگو کرتا ہے۔

حضرت ممشاد دینوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: (اَلْحُكَمَاءُ وَرِثُوا الْحِكْمَةَ بِالصَّمْتِ وَالتَّفَكُّرِ) ''دانا لوگ خاموشی اور غور و فکر کے ذریعے دانائی (حکمت) کے وارث ہوئے ہیں۔''

کسی نے حضرت ابوبکر فارسی رحمۃ اللہ علیہ سے راز کی خاموشی کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا:

''ماضی اور مستقبل (کی باتوں) میں مشغولیت کو ترک کرنا۔''

حضرت ابوبکر فارسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جب بندہ (صرف) بامقصد اور ضروری باتیں کرتا ہے تو وہ خاموشی کی تعریف میں ہے۔''

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: (كَلِّمِ النَّاسَ قَلِيْلًا وكَلِّمْ رَبَّكَ كَثِيْرًا لَعَلَّ قَلْبَكَ يَرَى اللّٰهَ تَعَالٰى) ''لوگوں سے کلام کم کرو اور اللہ عزوجل سے کلام زیادہ کرو شاید تمھارا دل اللہ عزوجل کو دیکھ لے۔''

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ اپنے نفس کی سب سے زیادہ حفاظت کرنے والا کون ہے؟ انھوں نے فرمایا: ''جو اپنی زبان پر زیادہ قابو رکھتا ہے۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''زبان سے بڑھ کر کوئی چیز زیادہ دیر تک قید میں رکھنے کی مستحق نہیں۔''

حضرت علی بن بکار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اللہ عزوجل نے ہر چیز کے دو دروازے بنائے ہیں اور زبان کے چار دروازے بنائے ہیں۔ دونوں ہونٹ اس کے دو چوکھٹ ہیں اور دانت بھی دو چوکھٹ ہیں (یعنی زبان پر قابو پانا مشکل کام ہے)۔''

کہا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے منہ مبارک میں کئی کئی سال تک پتھر رکھتے تھے تاکہ آپ رضی اللہ عنہ کا کلام کم ہو جائے۔

مرتے دم تک کلام نہ کیا

کہا گیا ہے کہ حضرت حمزہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ بہت خوبصورت کلام فرماتے تھے۔ایک مرتبہ انھیں غیب سے آواز آئی جس میں کہا گیا کہ آپ نے بہت عمدہ کلام کیا ہے، اب خاموش رہنا باقی رہ گیا۔ پس اچھی طرح خاموش رہیں۔ چنانچہ انھوں نے اس کے بعد مرتے دم تک گفتگو نہ کی اور اسی حالت میں تقریباً ایک ہفتہ بعد ان کا انتقال ہوگیا۔

خاموشی کے اسباب

① بعض اوقات گفتگو کرنے والے کو بطور سزا خاموشی کا حکم دیا جاتا ہے کیونکہ اس نے کسی بات میں بے ادبی کی ہوتی ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ جب اپنے حلقہ میں بیٹھتے اور شاگرد سوال نہ کرتے تو آپ یہ آیت پڑھتے:

﴿وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ○﴾

''اور بات پڑ چکی ان پر ان کے ظلم کے سبب تو وہ اب کچھ نہیں بولتے۔''[1]

② اور بعض اوقات متکلم پر خاموشی واجب ہو جاتی ہے کیونکہ قوم میں اس سے بہتر کلام کرنے والا موجود ہوتا ہے۔

بزرگ کی موجودگی میں کلام نہ کرنا

حضرت ابن سماک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت شاہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان دوستی تھی۔ دونوں ایک شہر میں اکٹھے ہوئے تو حضرت شاہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حاضر نہ ہوئے۔ ان سے پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''یہی صحیح ہے'' لوگ ان سے اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ ایک دن ان کی مجلس میں حاضر ہوئے اور ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے آنے کی خبر نہ ہوئی۔ جب حضرت یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ نے گفتگو شروع کی تو خاموش ہو گئے اور فرمایا: ''یہاں کوئی شخص موجود ہے جو مجھ سے زیادہ کلام کرنے کا حق دار ہے'' اور وہ بول نہ سکے۔

حضرت شاہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''میں نے تم لوگوں سے کہا تھا کہ میرا ان کی مجلس میں حاضر نہ ہونا زیادہ مناسب ہے۔''

③ بعض اوقات کلام کرنے والا حاضرین میں سے کسی میں پائی جانے والی خرابی کی وجہ سے خاموش رہتا ہے یعنی وہاں

[1] پارہ 20، النمل 85، ترجمہ کنزالایمان

کوئی ایسا شخص ہوتا ہے جو اس گفتگو کو سننے کا اہل نہیں ہوتا۔ پس اللہ عزوجل غیرت کے طور پر اور اس کے کلام کو نا اہل لوگوں سے بچانے کے لیے اس کی زبان کو محفوظ رکھتا ہے۔

④ بعض اوقات متکلم کے خاموش رہنے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اللہ عزوجل کے علم میں بعض حاضرین کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ اگر وہ یہ کلام سن لیں تو وہ ان کے لیے فتنے کا باعث ہوتا ہے یا وہ شخص یہ سمجھتا ہے کہ یہ اس کا وقت ہے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا یا وہ اپنے نفس کے ذمہ ایسی بات لگاتا ہے جس کی طاقت نہیں رکھتا تو اللہ عزوجل اس پر رحمت فرماتا ہے کہ اس کی سماعت کو اس کلام سے محفوظ رکھتا ہے یا اس کو بچانے کے لیے یا غلطی سے محفوظ رکھنے کے لیے ایسا ہوتا ہے۔

⑤ اس طریقے کے مشائخ فرماتے ہیں: بعض اوقات متکلم کی خاموشی اس لیے ہوتی ہے کہ وہاں کچھ جن حاضر ہوتے ہیں جو اس کی سماعت کے اہل نہیں ہوتے کیونکہ صوفیاء کرام کی مجالس جنوں کی جماعت کی حاضری سے خالی نہیں ہوتیں۔

صوفیاء کی مجالس میں جنوں کا آنا

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''میں ایک مرتبہ (مقام) ''مرو'' میں بیمار پڑ گیا تو مجھے ''نیشاپور'' کی طرف واپسی کی خواہش ہوئی۔ میں نے خواب میں دیکھا کوئی کہنے والا مجھ سے کہتا ہے تمھارے لیے اس شہر سے نکلنا ممکن نہیں کیونکہ جنّوں کی ایک جماعت کو تمھارا کلام پسند آ گیا ہے اور وہ تمھاری مجلس میں حاضر ہوتے ہیں لہٰذا ان کے لیے تمھیں یہاں ٹھہرنا ہوگا۔

کسی دانا نے کہا کہ: (إِنَّمَا خُلِقَ لِلْإِنْسَانِ لِسَانٌ وَّاحِدٌ وَّعَيْنَانِ وَاُذُنَانِ لِيَسْمَعَ وَيَبْصُرَ أَكْثَرَ مِمَّا يَقُوْلُ) ''انسان کے لیے ایک زبان، دو آنکھیں اور دو کان پیدا کیے گئے ہیں تا کہ وہ کلام کے مقابلے میں زیادہ سنے اور دیکھے۔''

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کو ایک دعوت میں بلایا گیا۔ جب وہ تشریف فرما ہوئے تو لوگ غیبت میں مشغول ہو گئے۔ انھوں نے فرمایا: ''ہمارے ہاں گوشت روٹی کے بعد کھایا جاتا ہے اور تم نے گوشت کھانے کے ساتھ آغاز کیا ہے۔'' انھوں نے اللہ عزوجل کے اس قول کی طرف اشارہ فرمایا:

﴿اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ط﴾

''کیا تم میں کوئی پسند رکھے گا کہ اپنے مرے بھائی کا گوشت کھائے تو یہ تمھیں گوارہ نہ ہوگا۔''[1]

[1] پارہ 26، الحجرات 12، ترجمہ کنز الایمان

ان میں سے بعض حضرات نے فرمایا: ''خاموشی، بردباری کی زبان ہے۔'' اور ان میں سے بعض نے فرمایا: ''تم خاموشی سیکھو جس طرح کلام سیکھتے ہو اگر کلام تمھاری راہ نمائی کرتا ہے تو خاموشی تمھیں (ہلاکت سے) بچاتی ہے۔'' کہا گیا ہے کہ زبان کی پاکیزگی اس کی خاموشی ہے۔ کہا گیا ہے کہ زبان کی مثال درندے کی ہے اگر تم اس کو باندھ کر نہ رکھو تو وہ تم پر حملہ آور ہوگا۔

خاموشی افضل یا کلام کرنا؟

حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ ولی کے لیے دو حالتوں میں سے کون سی حالت افضل ہے۔ خاموشی یا گفتگو؟ انھوں نے فرمایا: ''اگر بولنے والے کو علم ہو کہ بولنے کی آفت کیا ہے تو اگر وہ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر کے برابر خاموشی اختیار کر سکے تو وہ خاموش رہے۔ اور اگر خاموش رہنے والے کو علم ہو کہ خاموشی کی آفت کیا ہے تو وہ اللہ عزوجل سے حضرت نوح علیہ السلام کی عمر سے دوگنی عمر کا سوال کرے حتیٰ کہ وہ کلام کرے۔''

عوام اور خواص کی خاموشی

کہا گیا ہے کہ (صَمْتُ الْعَوَامِ بِأَلْسِنَتِهِمْ وَصَمْتُ الْعَارِفِيْنَ بِقُلُوْبِهِمْ وَصَمْتُ الْمُحِبِّيْنَ بِالتَّحَفُّظِ مِنْ خَوَاطِرِ أَسْرَارِهِمْ) ''عوام کی خاموشی ان کی زبانوں کے ساتھ ہوتی ہے، عارفین کی خاموشی ان کے دلوں کے ساتھ ہوتی ہے اور محبین کی خاموشی باطنی خیالات کی حفاظت کی صورت میں ہوتی ہے۔''

کسی صوفی سے کہا گیا کہ بولو۔ اس نے کہا میری زبان ہی نہیں کہ میں بولوں۔ ان سے کہا گیا سنئے۔ انھوں نے کہا مجھ میں سننے کی جگہ ہی نہیں کہ میں سنوں (یعنی میرے اعضاء اللہ عزوجل کی طرف متوجہ ہیں)۔

ایک صوفی نے کہا میں تیس (30) سال اس طرح رہا کہ میری زبان جو کچھ سنتی دل کی طرف سے سنتی۔ پھر میں تیس (30) سال اس طرح رہا کہ میرا دل جو کچھ سنتا زبان کی طرف سے سنتا۔ ایک اور صوفی نے کہا اگر تم اپنی زبان کو بھی بند کر دو تو دل کے کلام سے چھٹکارا نہیں پاؤ گے۔ اور اگر تمھاری ہڈیاں بوسیدہ بھی ہو جائیں پھر بھی تم دل کی گفتگو سے چھٹکارا نہیں پاؤ گے اور تم کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرو تمھاری روح تم سے کلام نہیں کرے گی کیونکہ وہ اسرار کو چھپانے والی ہے۔ کہا گیا ہے کہ جاہل کی زبان اس کی موت کی چابی ہے۔ کسی نے کہا محبّ جب خاموش رہتا ہے تو ہلاک ہوتا ہے اور عارف جب خاموش رہتا ہے تو اپنے اوپر قابو پا لیتا ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جو شخص اپنی گفتگو کو اپنے اعمال میں سے شمار کرتا ہے اس کا کلام کم ہوتا ہے البتہ وہ ضرورت کے مطابق کلام کرتا ہے۔''

باب

خوف کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا﴾

''اور اپنے رب کو پکارتے ہیں ڈرتے اور امید کرتے۔''[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَدْخُلُ النَّارَ مَنْ بَكٰى مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى حَتّٰى يَلِجَ اللَّبَنُ فِى الضَّرْعِ وَلَا يَجْتَمِعُ غُبَارٌ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ دُخَانُ جَهَنَّمَ فِىْ مَنْخَرَىْ عَبْدٍ اَبَدًا))

''جو شخص اللہ عزوجل کے خوف سے روتا ہے وہ ہرگز جہنم میں نہیں جائے گا حتیٰ کہ دودھ تھنوں میں چلا جائے (اور ایسا ناممکن ہے) اور اللہ عزوجل کے راستے میں (پہنچنے والی) غبار اور جہنم کا دھواں کسی بندے کے نتھنوں میں اکٹھے نہیں ہوتے (یعنی مجاہد جہنم میں نہیں جائے گا)۔''[2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَّلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا))

''اگر تم وہ بات جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنستے اور زیادہ روتے (یعنی قیامت کا ہولناک منظر)۔''[3]

خوف کب ہوتا ہے؟

میں کہتا ہوں کہ خوف ایک ایسی کیفیت ہے جس کا تعلق مستقبل سے ہے کیونکہ اس بات کا ڈر ہوتا ہے کہ کوئی

[1] پارہ 21، السجدہ 16، ترجمہ کنزالایمان

[2] سنن ترمذی، کتاب فضائل الجهاد، باب ماجاء فی فضل الغبار فی سبیل الله، رقم الحدیث: 1633، سنن نسائی، کتاب الجهاد، باب فضل من عمل فی سبیل الله علی قدمه، رقم الحدیث: 3108-3107، سنن ابن ماجه، کتاب الجهاد، باب خروج فی النفیر، رقم الحدیث: 2774، نوٹ: کچھ مختلف الفاظ کے ساتھ

[3] صحیح بخاری، کتاب الکسوف، باب الصدقه فی الکسوف، رقم الحدیث: 1044.

ناپسندیدہ بات نہ ہو جائے یا کوئی محبوب چیز چلی نہ جائے اور یہ بات اسی چیز کی وجہ سے ہوتی ہے جو مستقبل میں حاصل ہوگی۔ اور جو چیز فی الحال موجود ہو اس کے ساتھ خوف کا تعلق نہیں ہوتا۔

اللہ عزوجل کی طرف سے خوف یہ ہے کہ اسے اللہ عزوجل کی طرف سے دنیا یا آخرت میں عذاب کا ڈر ہو۔ اور اللہ عزوجل نے بندوں پر لازم کیا کہ وہ اس سے ڈریں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ٥﴾

''اور مجھ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو۔''[1]

خشیت علم کی شرط سے ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُاط﴾

''اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔''[2]

اور ہیبت معرفت کی شرط سے ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗط﴾

''اور اللہ تمھیں اپنے غضب سے ڈراتا ہے۔''[3]

خوف کے بارے اقوال صوفیاء

حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''خوف اللہ عزوجل کا کوڑا ہے جس کے ذریعے اللہ عزوجل اپنے دروازے سے ہٹ کے ہوئے لوگوں کو سیدھا کرتا ہے۔''

حضرت ابوالقاسم حکیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''خوف کی دو قسمیں ہیں ① رہبت ② خشیت۔

رہبت والا جب ڈرتا ہے تو بھاگنے کے ذریعے پناہ اختیار کرتا ہے اور صاحبِ خشیت اپنے رب کے ہاں پناہ اختیار کرتا ہے۔''

آپ مزید فرماتے ہیں: ''رَهَبَ اور هَرَبَ کو ایک قرار دینا بھی صحیح ہے۔ جس طرح جَذَبَ اور جَبَذَ ایک ہی ہیں لہٰذا جب آدمی بھاگ جاتا ہے تو وہ اپنی خواہشات کے تقاضوں میں کھو جاتا ہے جس طرح رہبانیت اختیار کرنے

[1] پارہ 4، آل عمران 175، ترجمہ کنزالایمان

[2] پارہ 22، فاطر 28، ترجمہ کنزالایمان

[3] پارہ 3، آل عمران 28، ترجمہ کنزالایمان

والے اپنی خواہشات کے پیچھے چلتے ہیں۔ جب علم کی لگام انھیں قابو میں رکھے اور وہ شریعت کا حق ادا کریں تو یہ خشیت ہے۔"

حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (اَلْخَوْفُ سِرَاجُ الْقَلْبِ بِهٖ يُبْصَرُ مَا فِيْهِ مِنَ الْخَيْرِ وَالشَّرِّ) "خوف، دل کا چراغ ہے اس کے ذریعے دل کے خیر و شر کو دیکھا جا سکتا ہے۔"

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "خوف یہ ہے کہ تم اپنے دل کو "عَسٰی اور سَوْفَ" کے الفاظ کے ساتھ نہ بہلاؤ۔ [1]

حضرت ابو عمر دمشقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "خائف وہ ہے جو شیطان کے مقابلے میں اپنے نفس سے زیادہ ڈرے۔"

ابن جلاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "خائف وہ ہے جو ہر اس چیز سے بے خوف ہو جو دنیا کو ڈراتی ہے۔"

کہا گیا ہے کہ: (لَيْسَ الْخَائِفُ الَّذِيْ يَبْكِيْ وَيَمْسَحُ عَيْنَيْهِ، اِنَّمَا الْخَائِفُ مَنْ يَتْرُكُ مَايَخَافُ اَنْ يُعَذَّبَ عَلَيْهِ) "خائف وہ نہیں جو روتا ہے اور اپنی آنکھیں پونچھتا ہے۔ خائف وہ ہے جو اس چیز کو چھوڑتا ہے جس کی وجہ سے عذاب کا ڈر ہوتا ہے۔"

حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ کیا وجہ ہے ہمیں خوف والے لوگ نظر نہیں آتے۔ انھوں نے فرمایا:
"اگر تم خوف رکھتے تو تمھیں خوف والے لوگ نظر آتے کیونکہ خوف والوں کو وہی دیکھتے ہیں جو خود خوف رکھتے ہیں۔ جس عورت کا بچہ مر گیا ہو وہی اس عورت کو دیکھنا پسند کرتی ہے جس کا بچہ فوت ہوا ہے۔"

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(مِسْكِيْنُ اِبْنِ اٰدَمَ لَوْ خَافَ مِنَ النَّارِ كَمَا يَخَافُ مِنَ الْفَقْرِ لَدَخَلَ الْجَنَّةَ)

"بے چارہ انسان اگر جہنم سے اس طرح ڈرتا جس طرح فقر سے ڈرتا ہے تو وہ جنت میں داخل ہو جاتا۔"

حضرت شاہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (عَلَامَةُ الْخَوْفِ: اَلْحُزْنُ الدَّائِمُ) "خوف کی علامت ہمیشہ پریشان اور غمگین رہنا ہے۔"

حضرت ابو القاسم حکیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (مَنْ خَافَ مِنْ شَيْءٍ هَرَبَ مِنْهُ وَمَنْ خَافَ مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ هَرَبَ اِلَيْهِ) "جو شخص کسی چیز سے ڈرتا ہے تو اس سے بھاگتا ہے اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے وہ اس کی طرف بھاگتا ہے۔"

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ بندے پر خوف کا راستہ کب آسان ہوتا ہے؟ انھوں نے فرمایا:

---

[1] "عَسٰی" اور "سَوْف" سے مراد یہ ہے کہ آدمی کہے عنقریب ایسا ہوگا یعنی شک و شبہ نہ ہو بلکہ حقیقتاً خوف ہو۔ ۱۲ ہزاروی

''جب وہ اپنے آپ کو بیمار کی جگہ رکھتا ہے اور اس خوف سے کہ بیماری لمبی نہ ہو جائے، ہر چیز سے پرہیز کرتا ہے۔''

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ''مومن کا دل مطمئن نہیں ہوتا اور نہ اسے خوف سے سکون حاصل ہوتا ہے جب تک وہ جہنم کے پل کو اپنے پیچھے نہ چھوڑے۔''

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''خوف ایک فرشتہ ہے جو صرف متقی آدمی کے دل میں رہتا ہے۔''

حضرت ابوعثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ڈرنے والے کے لیے خوف میں سکون محسوس کرنا عیب ہے کیونکہ یہ پوشیدہ بات ہے۔''

حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''خوف اللہ عزوجل اور بندے کے درمیان حجاب ہے۔''

اس جملہ میں اشکال ہے اور اس کا معنیٰ یہ ہے کہ خوف والا شخص کسی دوسرے وقت پر نظر رکھتا ہے اور اہل وقت (صوفیاء) کی نگاہ مستقبل پر نہیں پڑتی اور نیکوکار لوگوں کی نیکیاں، مقربین کے گناہ شمار ہوتے ہیں۔

حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''خوف والا شخص اپنے رب (کے عذاب) سے اپنے رب (کی رحمت) کی طرف بھاگتا ہے۔''

بعض حضرات نے فرمایا: ''خوف کی علامت حیرانگی اور غَیْبَتْ کے دروازے پر ٹھہرنا ہے۔''

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے خوف کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''ہر سانس کے جاری ہونے کے ساتھ سزا کا خطرہ۔'' (خوف ہے)۔

حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جس دل سے خوف نکل گیا وہ (دل) ویران ہو گیا۔''

حضرت ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''سچا خوف ظاہری اور باطنی گناہوں سے پرہیز کرنا ہے۔''

حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جب تک لوگوں (کے دلوں) سے خوف زائل نہیں ہوتا وہ سیدھے راستے پر رہتے ہیں۔ پس جب ان سے خوف زائل ہوتا ہے تو وہ سیدھے راستے سے بھٹک جاتے ہیں۔''

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ہر چیز کی زینت ہے اور عبادت کی زینت خوف ہے اور خوف کی علامت اُمید کو کم کرنا ہے۔''

ایک شخص نے حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا میں آپ کو دیکھتا ہوں کہ آپ موت سے ڈرتے ہیں۔

انھوں نے فرمایا:

''اَلْقُدُوْمُ عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ شَدِيْدٌ''

''اللہ عزوجل کے سامنے جانا بہت سخت ہے۔''

موت کے بعد کے حالات سے ڈرنا

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: میں حضرت امام ابوبکر بن فورک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ان کی عیادت کے لیے گیا۔ جب انھوں نے مجھے دیکھا تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ میں نے ان سے کہا: (یُعَافِیْكَ وَیَشْفِیْكَ) "اِنْ شَاءَ اللّٰہُ عزوجل، اللہ عزوجل آپ کو عافیت و شفاء عطا کرے گا۔"

انھوں نے فرمایا: "تمھارا کیا خیال ہے میں موت سے ڈرتا ہوں؟ میں موت کے بعد پیش آنے والے واقعات سے ڈرتا ہوں۔"

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْكَ وَسَلَّمْ!

﴿وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ﴾

"اور وہ جو دیتے ہیں جو کچھ دیں اور ان کے دل ڈر رہے ہیں۔"[1]

کیا اس سے چوری کرنے والے، زنا کار اور شرابی مراد ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَاوَلٰكِنَّ الرَّجُلَ یَصُوْمُ وَیُصَلِّیْ وَ یَتَصَدَّقُ وَ یَخَافُ أَنْ لَّا یُقْبَلُ مِنْهُ))

"نہیں بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو روزہ رکھتے، نماز پڑھتے اور صدقہ دیتے ہیں اور انھیں قبول نہ ہونے کا ڈر ہوتا ہے۔"[2]

حضرت ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "جو چیز خوف کو اس قدر بھڑکاتی ہے کہ وہ دل میں جاگزیں ہو جاتا ہے وہ باطن اور ظاہر کی دائمی حفاظت و نگرانی ہے۔"

حضرت شیبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "جب خوف دل میں جاگزیں ہو جاتا ہے تو دل میں خواہشات کی جگہوں کو جلا دیتا ہے اور اس سے دنیا کی رغبت کو پھینک دیتا ہے۔"

کہا گیا ہے کہ احکام کے جاری ہونے کے متعلق علم کا نام "خوف" ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ اللہ عزوجل کے جلال سے دل کے حرکت کرنے کا نام "خوف" ہے۔

حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "دل کے لیے مناسب یہ ہے کہ اس پر خوف کے علاوہ کوئی چیز غالب نہ ہو۔ جب دل پر امید غالب ہوتی ہے تو وہ دل کو خراب کر دیتی ہے۔" پھر انھوں نے (اپنے ایک شاگرد کی طرف متوجہ

[1] پارہ 18، المومنون 60.

[2] تفسیر طبری، سورۃ المومنون، رقم الحدیث: 25562 ، مستدرك للحاكم، كتاب التفسير، رقم الحدیث: 3486.

ہو کر) فرمایا: اے احمد! ان لوگوں نے خوف کے ذریعے بلندی حاصل کی اگر وہ اسے ضائع کر دیتے تو پستی میں چلے جاتے۔"

حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "خوف اور امید نفسوں کے لیے دو لگاموں کی طرح ہیں تاکہ وہ (نفوس) تکبر اختیار نہ کریں۔"

حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "جب اللہ عزوجل (حق) کسی کے باطن پر غالب آ جاتا ہے تو اس کے باطن میں امید اور خوف کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔"

حضرت استاذ ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اس قول میں اشکال ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب شواہد حق، اسرار کو فنا کر دیتے ہیں تو وہ ان کے مالک ہو جاتے ہیں اور ان میں کسی قسم کے حادثہ کے ذکر کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور خوف اور امید احکام بشریت کے احساس کے بقاء کی علامات ہیں۔"

حضرت حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "جو شخص اللہ عزوجل کے سوا کسی چیز سے ڈرتا ہے یا اس کے غیر سے امید رکھتا ہے، اللہ عزوجل اس پر ہر چیز کے دروازے بند کر دیتا ہے، اس پر خوف کو مسلط کر دیتا ہے اور اسے ستر (70) پردوں کے پیچھے چھپا دیتا ہے جن میں سے سب سے زیادہ آسان پردہ شک ہے اور جس چیز سے انھیں زیادہ خوف لاحق ہوتا ہے وہ انجام کی فکر اور احوال میں تبدیلی کا خوف ہے۔"

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ۝﴾

"اور انھیں اللہ کی طرف سے وہ بات ظاہر ہوئی جو ان کے خیال میں نہ تھی۔"[1]

اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا۝﴾

"تم فرماؤ کیا ہم تمھیں بتا دیں کہ سب سے بڑھ کر ناقص عمل کن کے ہیں۔ ان کے جن کی ساری کوشش دنیا کی زندگی میں گم گئی اور وہ اس خیال میں ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں۔"[2]

حالانکہ کتنے ہی قابلِ رشک لوگوں کی حالت تبدیل ہو گئی اور وہ برے اعمال میں بدل گئی۔ پس اُنس، وحشت میں

---

[1] پارہ 24، الزمر 47، ترجمہ کنزالایمان

[2] پارہ 16، الکہف 103-104، ترجمہ کنزالایمان

اور حضور، غَیبَتْ میں بدل گیا۔

استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ اکثر یہ اشعار پڑھتے تھے:

أَحْسَنْتَ ظَنَّكَ بِالْأَيَّامِ إِذْحَسُنَتْ
وَلَمْ تَخَفْ سُوْءَ مَا يَأْتِي بِهِ الْقَدْرُ
سَالَمَتْكَ اللَّيَالِيْ فَاغْتَرَرْتَ بِهَا
وعِنْدَ صَفْوِ اللَّيَالِيْ يَحْدُثُ الْكَدَرُ

* تو نے زمانے کے بارے میں اچھا گمان رکھا جب وہ اچھا تھا اور تجھے اس بری حالت کا خوف نہ رہا جسے تقدیر لاتی ہے۔

* زمانے نے تجھ سے دوستی کی اور تو اس سے دھوکہ کھا گیا زمانے کی صلح کے وقت ہی تو کدورت پیدا ہوتی ہے۔

مسلمان اور عیسائی مُرِیدَین کا واقعہ

منصور بن خلف مغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''دو آدمی ایک زمانے تک ایک مرشد کی خدمت میں اکٹھے رہے پھر ان میں سے ایک نے سفر کیا اور اپنے ساتھی سے جدا ہو گیا۔ ایک زمانہ گزر گیا لیکن اس کے بارے میں کوئی خبر سنائی نہ دی۔ ایک مرتبہ اس کا دوسرا پیر بھائی رومیوں کے خلاف جہاد کے لیے گیا ہوا تھا کہ رومیوں کی طرف سے ایک مسلح شخص نے مسلمانوں کو لڑنے کی دعوت دی۔

مسلمانوں میں سے ایک بہادر اس کے مقابلے کے لیے نکلا تو رومی نے اسے شہید کر دیا۔ پھر دوسرا نکلا، اسے بھی شہید کر دیا، پھر تیسرا نکلا تو اسے بھی شہید کر دیا۔ پھر اس کی طرف یہ صوفی نکلا اور دونوں نے تلواروں سے جنگ کی۔ رومی نے چہرے سے پردہ ہٹایا تو دیکھا کہ وہ اس کا وہی ساتھی تھا جو کئی سال تک ارادت اور عبادت میں اس کا ساتھی رہا۔''

صوفی نے اس سے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ اس نے اپنا دین چھوڑ دیا اور ان لوگوں کے ساتھ مل گیا۔ اس کے ہاں اولاد پیدا ہوئی اور بہت مال جمع ہوا۔

اِس نے کہا تو تو کئی قراءتوں کے ساتھ قرآن پڑھتا تھا؟

اُس نے کہا مجھے اس میں سے کچھ بھی یاد نہیں:

اِس سے صوفی نے کہا ایسا نہ کرو اور واپس اپنے دین میں لوٹ جاؤ:

اس نے کہا میں ایسا نہیں کروں گا۔ ان لوگوں میں میرا مقام اور مال ہے، تو مجھ سے واپس چلا جا ورنہ میں تیرے ساتھ بھی وہی سلوک کروں گا جو ان لوگوں کے ساتھ کیا ہے۔

صوفی نے اُس سے کہا یاد رکھ تو نے تین مسلمانوں کو شہید کیا ہے اب تجھے واپس جانے میں کوئی عار نہیں ہے، پس تو واپس چلا جا میں تجھے مہلت دیتا ہوں۔ پس وہ شخص پیٹھ پھیرتے ہوئے واپس ہوا اور صوفی نے اس کا پیچھا کرتے ہوئے اسے نیزہ مار کر ہلاک کر دیا۔ یہ شخص بے شمار مجاہدات اور ریاضات کی مشقت برداشت کرنے کے بعد عیسائیت پر مرا۔

اللہ عزوجل کی خفیہ تدبیر کا خوف

کہا گیا ہے کہ جب ابلیس راندۂ درگاہ ہوا! تو حضرت جبریل اور میکائیل علیہما السلام ایک عرصہ تک روتے رہے۔ اللہ عزوجل نے ان کی طرف وحی بھیجی اور پوچھا کہ تم دونوں کے رونے کا سبب کیا ہے؟

انھوں نے عرض کیا اے ہمارے رب! ہم تیری خفیہ تدبیر سے بے خوف نہیں ہیں۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: تمھیں اسی طرح ہونا چاہئے، تمھیں میری خفیہ تدبیر سے بے خوف نہیں ہونا چاہئے۔

دھوکہ نہ کھانا

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے انھوں نے فرمایا: ''میں دن میں اپنی ناک کو کئی مرتبہ دیکھتا ہوں، اس ڈر سے کہ کہیں سیاہ نہ ہوگئی ہو کیونکہ مجھے عذابِ الٰہی کا ڈر ہے۔''

حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''چالیس (40) سال سے میں اپنے دل میں یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ اللہ عزوجل میری طرف ناراضگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور میرے اعمال اس بات پر دلالت کرتے ہیں۔''

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''تو کسی نیک جگہ پر دھوکہ نہ کھا۔ جنت سے زیادہ اچھی جگہ کوئی نہیں وہاں حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ گزری جو گزری، اور کثرت عبادت سے دھوکہ نہ کھا ابلیس کے ساتھ جو کچھ ہوا طویل عبادت کے بعد ہوا۔ کثرت علم سے دھوکہ نہ کھا بلعام (بن باعوراء) اسم اعظم اچھی طرح جانتا تھا، تو دیکھو اس کے ساتھ کیا ہوا اور صالحین کے دیدار سے بھی دھوکہ نہ کھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان سے بڑھ کر کسی کی شان نہیں لیکن آپ کے رشتہ دار اور دشمن آپ کے دیدار سے فائدہ حاصل نہ کر سکے۔

حضرت ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ایک دن اپنے شاگردوں کے پاس آئے اور فرمایا: ''میں نے گذشتہ رات اللہ عزوجل پر جرأت کرتے ہوئے جنت کا سوال کیا۔''

نیک اور گناہ گار کا واقعہ

کہا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام باہر نکلے اور آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کے نیک لوگوں میں سے ایک نیک شخص تھا۔ ایک گناہ گار جو فسق و فجور میں مشہور تھا، ان دونوں کے پیچھے چلا اور پھر ان سے الگ ہو کر نہایت عاجزی سے بیٹھ گیا اور اللہ عزوجل سے دعا مانگی کہ یا اللہ! مجھے بخش دے۔ اور اس نیک شخص نے بھی دعا مانگی اور کہا اے اللہ! کل (بروزِ قیامت) مجھے اور اس گناہ گار کو اکٹھا نہ کرنا، تو اللہ عزوجل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی ''بے شک میں نے ان دونوں کی دعا کو قبول کر لیا، اس نیک شخص کو میں نے رد کر دیا اور اس مجرم کو بخش دیا۔''

خوف رکھنے والے بزرگوں کے احوال

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے کسی عاشق سے پوچھا کہ تمھیں مجنون کیوں کہا جاتا ہے؟ جواب دیا: ''جب ایک عرصہ تک مجھے اللہ عزوجل کا دیدار نہ ہوا تو میں آخرت میں اس کے فراق کے خوف سے مجنون ہو گیا۔''

اسی سلسلے میں ان حضرات نے یہ شعر پڑھا:

لَوْأَنَّ مَابِیْ عَلٰی صَخْرٍ لَأَنحَلَهٗ
فَكَيْفَ يَحْمِلُهٗ خُلِقَ مِنَ الطِّيْنِ؟

* اگر میرے والی کیفیت پتھر کی ہو جائے تو وہ کمزور ہو جائے تو مٹی سے بنی ہوئی مخلوق اسے کیسے برداشت کرے؟

کسی صوفی نے کہا میں نے حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر کسی شخص کو امید کرنے والا اور اپنے نفس پر سب سے زیادہ خوف کرنے والا اس امت میں نہیں دیکھا۔ کہا گیا ہے کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہو گئے تو ان کا قَارُوْرَہ طبیب کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے کہا خوف نے اس شخص کا جگر کاٹ دیا ہے۔ پھر اس نے آ کر ان کی نبض دیکھی تو کہا: میں نہیں جانتا تھا کہ مسلمانوں میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا سورج غروب ہوتے وقت زرد رنگ کا کیوں ہو جاتا ہے؟ انھوں نے فرمایا: اس لیے کہ اسے مقام کمال سے معزول کر دیا جاتا ہے۔ پس وہ اپنے مقام کے ڈر سے زرد پڑ جاتا ہے۔ اسی طرح جب مومن کا دنیا سے جانے کا وقت قریب آتا ہے تو اس کا رنگ پیلا پڑ جاتا ہے کیونکہ اسے بھی اپنے مقام کا خوف ہوتا ہے۔ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو چمک دار ہوتا ہے۔ اسی طرح جب مومن اپنی قبر سے اُٹھے گا تو اس کا چہرہ چمکتا ہو گا۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے فرماتے ہیں: ''میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ مجھ پر خوف کا دروازہ کھول دے تو اس نے کھول دیا۔ تو مجھے اپنی عقل کے جانے کا خوف ہوا۔ پس میں نے عرض کیا: اے میرے رب! مجھے اس قدر خوف دے جس کی میں طاقت رکھ سکوں، اس پر خوف رک گیا۔

باب

اُمید کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ﴾

''جسے اللہ سے ملنے کی اُمید ہو تو بے شک اللہ کی میعاد ضرور آنے والی ہے۔''[1]

حضرت علاء بن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوا تو میں نے ان کے پاس حضرت شہر بن حوشب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا۔ جب ہم ان کے پاس سے نکلے تو میں نے حضرت شہر بن حوشب رحمۃ اللہ علیہ سے کہا اللہ عزوجل آپ پر رحم فرمائے مجھے زادِ راہ دیجیے اللہ عزوجل آپ کو زادِ راہ عطا فرمائے۔[2]

انھوں نے فرمایا: ہاں! حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں انھوں نے فرمایا:

((قَالَ رَبُّكُمْ عَزَّوَجَلَّ عَبْدِیْ مَا عَبَدْتَّنِیْ وَ رَجَوْتَنِیْ وَلَمْ تُشْرِكْ بِیْ شَیْئًا غَفَرْتُ لَكَ عَلٰی مَا كَانَ مِنْكَ وَلَوِ اسْتَقْبَلْتَنِیْ بِمِلْءِ الْاَرْضِ خَطَایَا وَذُنُوْبًا إِسْتَقْبَلْتُكَ بِمِثْلِهَا مَغْفِرَةً فَأَغْفِرُلَكَ وَلَا أُبَالِیْ))

''تمھارے رب عزوجل نے فرمایا: اے میرے بندے جب تک تو میری عبادت کرتا رہے گا اور مجھ سے اُمید رکھے گا اور میرے ساتھ شریک نہیں ٹھہرائے گا تو میں تیرے گناہ بخش دوں گا اور اگر تو زمین پر خطاؤں اور گناہوں کے ساتھ میرے سامنے آئے تو میں اس کی مثل بخشش کے ساتھ تیرے سامنے ہوں گا پس میں تجھے بخش دوں گا اور مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔''[3]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((یَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی یَوْمَ الْقِیَامَةِ أَخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ مَنْ كَانَ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةِ شَعِیْرٍ

[1] پارہ 20، العنکبوت 5، ترجمہ کنزالایمان

[2] زادِ راہ سے مراد علمی خزانہ ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[3] مسند امام ابن حنبل، رقم الحدیث: 21368,21472، مختلف الفاظ کے ساتھ (ابو حنظلہ محمد اجمل عطاری)

مِنْ اِیْمَانٍ ثُمَّ یَقُوْلُ اَخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ حَبَّۃِ خَرْدَلٍ مِنْ اِیْمَانٍ ثُمَّ یَقُوْلُ وَ عِزَّتِیْ وَ جَلَالِیْ لَا اَجْعَلُ مَنْ اٰمَنَ بِیْ سَاعَۃً مِنْ لَیْلٍ اَوْ نَھَارٍ کَمَنْ لَمْ یُؤْمِنْ بِیْ))

"اللہ عَزَّوَجَلَّ قیامت کے دن فرمائے گا اس شخص کو جہنم سے نکالو جس کے دل میں جَو کے دانے کے برابر ایمان ہے۔ پھر فرمائے گا جہنم سے اس کو بھی نکالو جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے۔ پھر فرمائے گا مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! جو شخص مجھ پر رات یا دن کی ایک گھڑی بھی ایمان لایا میں اسے اس کے برابر نہیں کروں گا جو مجھ پر ایمان نہیں لایا۔"[1]

تمنا اور رجاء میں فرق

دل کا محبوب چیز سے متعلق ہونا جو اسے مستقبل میں حاصل ہونے والی ہے رجاء (اُمید) ہے۔ جس طرح خوف کا تعلق زمانۂ مستقبل سے ہوتا ہے اسی طرح رجاء اس چیز کے حصول کا نام ہے جس کی مستقبل میں اُمید ہوتی ہے اور رجاء کے ساتھ دل کی زندگی اور استقلال ہے۔

رجاء اور تمنا میں فرق یہ ہے کہ تمنا، تمنا کرنے والے میں سستی پیدا کرتی ہے اور وہ جدوجہد کے راستے پر نہیں چلتا لیکن صاحبِ رجاء کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ پس رجاء محمود اور تمنا مذموم ہے۔ صوفیاء کرام نے رجاء کے بارے میں گفتگو کی ہے پس حضرت شاہ کرمانی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ نے فرمایا: رجاء کی علامت اچھی طرح عبادت کرنا ہے۔

اُمید کی اقسام

حضرت ابن خُبیق رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں رجاء تین قسم کی ہے: ① کوئی شخص اچھا کام کر کے اس کی قبولیت کی اُمید رکھے۔ ② کوئی شخص برا کام کرے پھر توبہ کرے اور وہ مغفرت کی اُمید رکھتا ہو۔ ③ جھوٹا شخص جو گناہ کرتا چلا جائے اور کہے میں مغفرت کی اُمید رکھتا ہوں۔

جس شخص کو معلوم ہوا کہ اس نے برے کام کیے ہیں اس کا خوف اس کی اُمید پر غالب رہنا چاہئے۔

[1] صحیح بخاری، کتاب التوحید، رقم الحدیث 19، 36 کتاب الایمان، رقم الحدیث 33۔ صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند امام احمد بن حنبل اور سنن دارمی میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ (نوٹ: اس متن میں کچھ الفاظ حدیث کے اور کچھ راوی کے ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھئے یہی مقام نتائج الافکار) ابوحنظلہ محمد اجمل عطاری

اُمید کے بارے اقوال

کہا گیا ہے کہ بہت محبت کرنے والے کریم (اللہ عزوجل) سے سخاوت کا یقین ''رجاء'' ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ عزوجل کے جلال کو جمال کی آنکھوں سے دیکھنا ''رجاء'' ہے۔

کسی نے کہا، دل کے اللہ عزوجل کی مہربانی کے قریب ہونے کو ''رجاء'' کہتے ہیں۔

کسی نے کہا اللہ عزوجل کی وسعتِ رحمت کی طرف نظر کرنا ''رجاء'' ہے۔

حضرت ابوعلی روذباری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: خوف اور رجاء ایک پرندے کے پروں کی طرح ہیں۔ جب دونوں برابر ہوتے ہیں تو پرندہ بھی سیدھا رہتا ہے اور اس کی اڑان مکمل ہوتی ہے۔ اور جب ان میں سے کسی ایک میں کمی آ جائے تو اس کے اڑنے میں کمی واقع ہوتی ہے۔ اور جب دونوں چلے جائیں تو پرندہ مردوں کی طرح ہو جاتا ہے۔

حضرت احمد بن عاصم انطاکی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ بندے میں ''رجاء'' کی علامت کیا ہے؟

انھوں نے فرمایا کہ جب بندے کو اللہ عزوجل کے احسانات نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہو تو اللہ عزوجل اس کے دل میں شکر کا خیال ڈال دے جس کی وجہ سے وہ دنیا میں نعمت کی تکمیل اور آخرت میں عفو و درگزر کے پورا ہونے کی اُمید رکھے۔

حضرت ابوعبداللہ بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ عزوجل کی نعمت پر خوشی کا نام ''رجاء'' ہے۔

اور انھوں نے ہی فرمایا: اللہ عزوجل سے جس محبوب کرم کی اُمید رکھی جاتی ہے، اسے دیکھ کر دلوں کا خوش ہونا ''رجاء'' ہے۔

حضرت ابوعثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جس شخص نے اپنے نفس کو (صرف) ''رجاء'' (اُمید) پر رکھا اس نے عمل ترک کر دیا اور جس نے اپنے نفس کو صرف خوف پر رکھا وہ مایوس ہو گیا اسے کچھ پر (رجاء) اور کچھ پر (خوف) رکھنا چاہئے۔

اُمید رکھنے والوں کے احوال

حضرت بکر بن سلیم بن صوّاف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: جس شام حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا اس رات ہم ان کے پاس گئے اور کہا: اے ابوعبداللہ رضی اللہ عنہ! آپ اپنے آپ کو کیسا پاتے ہیں؟

انھوں نے فرمایا: مجھے معلوم نہیں میں آپ لوگوں کو کیا جواب دوں البتہ تم اللہ عزوجل کے اس قدر عفو و درگزر کا معائنہ کر لو گے جس کا تمھیں اندازہ بھی نہیں پھر ہم وہاں سے واپس نہیں ہوئے کہ ہم نے ان کی آنکھیں بند کر دیں۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: یا اللہ! قریب ہے کہ گناہوں کے ساتھ میری تجھ سے اُمید، میری اس اُمید پر غالب آ جائے جو مجھے اعمال کی صورت میں ہو کیونکہ میں اپنے آپ کو یوں پاتا ہوں کہ میں اعمال میں اخلاص پر اُمید رکھتا ہوں لیکن میں ان کو آفات سے کیسے بچا سکتا ہوں جب کہ میں آفات کے ساتھ مشہور ہوں اور گناہوں کی موجودگی میں مجھے تیرے معاف کرنے پر بھروسہ ہے اور تو میرے گناہوں کو کیسے نہیں بخشے گا جب کہ تو جود و سخا کے ساتھ موصوف ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ حالتِ نزع میں تھے کہ لوگوں نے ان سے گفتگو کرنا چاہی۔ انھوں نے فرمایا: میری توجہ اللہ عزوجل سے نہ ہٹاؤ اللہ عزوجل کی مجھ پر جو بے شمار مہربانیاں ہیں ان پر مجھے تعجب ہو رہا ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا: یا الٰہی! تیری اُمید میرے دل کا شیریں ترین عطیہ ہے اور میری زبان پر سب سے میٹھا کلام تیری ثناء ہے اور سب گھڑیوں سے میرے نزدیک پسندیدہ ترین گھڑی وہ ہے جس میں تجھ سے ملاقات ہوگی۔

بعض تفاسیر میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس باب بنی شیبہ سے داخل ہوئے تو ان کو ہنستے ہوئے دیکھا، فرمایا:

((أَتَضْحَكُوْنَ؟ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَاأَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا))

"تم ہنس رہے ہو اگر تمھیں وہ بات معلوم ہوتی جو مجھے معلوم ہے تو تم ہنستے کم اور روتے زیادہ۔"[1]

پھر آپ چلے گئے، جلدی واپس لوٹے اور فرمایا: مجھ پر حضرت جبریل علیہ السلام اُترے اور اللہ عزوجل کا یہ قول لے کر آئے:

﴿نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾

"خبر دو میرے بندوں کو کہ بے شک میں ہی ہوں بخشنے والا مہربان۔"[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ:

((إِنَّ اللَّهَ تَعَالٰى لَيَضْحَكُ مِنْ يَأْسِ الْعِبَادِ وَقُنُوْطِهِمْ وَقُرْبِ الرَّحْمَةِ مِنْهُمْ))

---

[1] سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب الحزن والبكاء، رقم الحديث: 4191، صحيح بخاری، كتاب الرقاق رقم الحديث: 6486.

[2] پاره 14، الحجر 49، ترجمه كنزالايمان

''اللہ ﷻ بندوں کی مایوسی اور جو رحمت ان کے قریب ہے اس کی وجہ سے خوش ہوتا ہے۔''[1]

میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیك وسلم! کیا ہمارا رب ﷻ خوش ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِنَّہٗ لَیَضْحَكُ))

''اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے بے شک وہ خوش ہوتا ہے۔''[2]

ام المؤمنین نے فرمایا: جب وہ خوش ہوتا ہے اسی لیے تو وہ ہمیں کسی نیکی سے محروم نہیں کرتا۔

جان لو کہ اللہ ﷻ کا ہنسنا (خوش ہونا) اس کی صفات فعلیہ میں سے ہے اور وہ اس کے فضل کا اظہار ہے جس طرح کہا جاتا ہے (ضَحِکَتِ الْاَرْضُ بِالنَّبَاتِ) ''زمین سبزے کے ساتھ ہنسی (یعنی سبزہ اُگنے لگا)۔''[3]

اور لوگوں کی مایوسی پر اس کا ہنسنا اس کے فضل کی تحقیق کا اظہار ہے جو ان کے انتظار کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہیں۔

مجوسی کو مہمان کیوں نہ بنایا؟

کہا گیا ہے کہ ایک مجوسی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مہمان نوازی کا سوال کیا تو آپ نے فرمایا: اگر تم اسلام قبول کرو گے تو تمھیں مہمان بناؤں گا۔

مجوسی نے کہا اگر میں مسلمان ہو گیا تو آپ علیہ السلام کا مجھ پر کیا احسان ہوا؟ مجوسی چلا گیا تو اللہ ﷻ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی:

''اے ابراہیم! تم نے اس کے دین کی تبدیلی کے بغیر اسے کھانا نہ دیا اور ہم ستر (70) سال سے اس کے کفر کے باوجود اسے کھانا کھلا رہے ہیں۔ اگر آپ اسے ایک رات مہمان بنا لیتے تو آپ کا کیا نقصان تھا؟''

حضرت ابراہیم علیہ السلام مجوسی کے پیچھے چلے اور اسے مہمان بنایا۔

مجوسی نے آپ سے پوچھا: ''اس تبدیلی کا سبب کیا ہے؟''

آپ نے اسے تمام بات بتا دی۔

---

[1] کنز العمال، رقم الحدیث: 1184.

[2] کنز العمال، رقم الحدیث: 1184.

[3] اللہ ﷻ ہنسنے سے پاک ہے، اس سے مراد اس کا نتیجہ ہے۔ یعنی جس طرح کوئی خوش ہو کر انعام دیتا ہے، تو یہاں فضل و انعام مراد ہے۔ ۱۲ ہزاروی

مجوسی نے کہا کیا میرا رب عزوجل مجھ سے اس طرح کا معاملہ کرتا ہے؟ پھر کہا مجھ پر اسلام پیش کیجیے۔ چنانچہ اس نے اسلام قبول کر لیا۔

رب سے اچھے گمان پر انعام

حضرت شیخ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ استاذ ابو سہل صعلو کی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو سہل زجاج رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا اور زجاج کا عقیدہ تھا کہ جس کو اللہ عزوجل نے عذاب کی دھمکی دی اسے عذاب ضرور ہوگا۔ صعلو کی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا:

''آپ کا کیا حال ہے؟''

انھوں نے فرمایا: ''ہم نے معاملہ اپنے وہم سے زیادہ آسان پایا۔''

حضرت ابوبکر بن اشکیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: میں نے استاذ ابو سہل صعلو کی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں ایسی اچھی حالت میں دیکھا جو بیان سے باہر ہے۔ میں نے کہا: ''اے استاذ! آپ کو یہ مقام کیسے ملا؟''

فرمایا: (بِحُسْنِ ظَنِّیْ بِرَبِّیْ) ''اپنے رب کے بارے میں اچھے گمان کی وجہ سے۔''

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا گیا تو آپ سے پوچھا گیا آپ کے رب نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ فرمایا: ''میں اپنے رب عزوجل کی بارگاہ میں بے شمار گناہوں کے ساتھ آیا لیکن میرے حسن ظن کی وجہ سے اس نے ان کو مٹا دیا۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

((يَقُوْلُ اللّٰهُ عزوجل أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ وَأَنَا مَعَهٗ إِذَا ذَكَرَ نِيْ إِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِيْ نَفْسِيْ وَإِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ مَلَأٍ ذَكَرْتُهٗ فِيْ مَلَأٍ هُوَ خَيْرٌ مِّنْهُ وَإِنِ اقْتَرَبَ إِلَيَّ شِبْرًا إِقْتَرَبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا وَّإِنِ اقْتَرَبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا إِقْتَرَبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا وَّإِنْ أَتَانِيْ يَمْشِيْ أَتَيْتُهٗ هَرْوَلَةً))

''اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: بندہ مجھے اپنے گمان کے مطابق پاتا ہے اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے اگر وہ مجھے دل میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اپنے طور پر یاد کرتا ہوں۔ اور اگر وہ کسی مجلس میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس سے بہتر مجلس میں اسے یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے تو میں ایک گز اس کے قریب ہوتا ہوں۔ اگر وہ ایک گز میرے قریب ہوتا ہے تو میں ایک باع (یعنی دو ہاتھ) اس کے قریب ہوتا ہوں۔ اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر جاتا

ہوں۔ (اللہ کی رحمت مراد ہے)۔"[1]

یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

حضرت ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اور ایک مجوسی کا قبولِ اسلام

کہا گیا ہے کہ حضرت ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ ایک عجمی کافر سے لڑ رہے تھے کہ اس کافر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ اس نے مہلت مانگی تو آپ نے اس کو مہلت دے دی۔ جب اس نے سورج کو سجدہ کیا تو حضرت ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے اسے تلوار سے مارنے کا ارادہ کیا۔ اتنے میں فضا سے آواز سنی، کہنے والا کہہ رہا تھا۔

﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا۝﴾

"اور عہد پورا کرو بے شک عہد سے سوال ہوتا ہے۔"[2]

پس آپ ٹھہر گئے۔ مجوسی نے سلام پھیرا تو آپ سے پوچھا آپ اپنے ارادے (پر عمل) سے کیوں رک گئے؟

انھوں نے جو کچھ سنا تھا، بیان کر دیا۔

مجوسی نے آپ سے کہا! وہ رب کتنا اچھا ہے جو اپنے دشمن کے بارے میں اپنے دوست کو جھڑکتا ہے۔ پس اس نے اسلام قبول کر لیا اور نہایت اچھا مسلمان بنا۔

کہا گیا ہے کہ لوگ گناہوں میں اس لیے مبتلا ہوئے کہ اللہ عزوجل نے اپنا نام "غَفُوْرٌ" رکھا ہے۔

کہا گیا ہے کہ اگر اللہ عزوجل فرماتا میں گناہوں کو نہیں بخشتا تو کوئی مسلمان کبھی بھی گناہ نہ کرتا جس طرح جب اس نے فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ﴾

"بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے۔"[3]

تو کوئی مسلمان شرک نہیں کرتا لیکن جب اس نے فرمایا:

﴿وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ﴾

"اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے۔"[4]

[1] صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب 15، رقم الحدیث: 7405.

[2] پارہ 15، الاسراء 34، ترجمہ کنزالایمان

[3] پارہ 5، النساء 48، ترجمہ کنزالایمان

[4] پارہ 5، النساء 48، ترجمہ کنزالایمان

تو لوگوں نے اس کی مغفرت میں لالچ کی۔

اللہ عزوجل کی رحمت

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، انھوں نے فرمایا: ''میں ایک مدت تک انتظار کرتا رہا کہ مطاف (طواف کی جگہ) کو خالی پاؤں۔ پس ایک تاریک رات جس میں بہت تیز بارش ہو رہی تھی مطاف خالی ہو گیا تو میں نے طواف شروع کر دیا اور میں کہتا تھا: (أَللّٰهُمَّ اعْصِمْنِیْ أَللّٰهُمَّ أَعْصِمْنِیْ) ''اے اللہ مجھے بچالے! اے اللہ مجھے بچا لے۔'' اچانک میں نے غیبی آواز والے سے سنا وہ کہہ رہا تھا:

''اے ابن ادھم! تو مجھ سے بچنے کا سوال کرتا ہے اور تمام لوگ اسی بچنے کا سوال کرتے ہیں اگر میں تجھے بچادوں تو رحم کس پر کروں؟''[1]

علماء پر انعام الٰہی عزوجل

کہا گیا ہے کہ حضرت ابوالعباس بن شریح رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مرض الموت کے دوران خواب میں دیکھا کہ گویا قیامت قائم ہے اور اللہ عزوجل جو جبار اور پاک ہے، فرما رہا ہے: (أَیْنَ الْعُلَمَاءُ؟) ''علماء کہاں ہیں؟'' فرماتے ہیں: پس علماء آئے۔ پھر فرمایا: (مَاذَا عَمِلْتُمْ فِیْمَا عَلِمْتُمْ؟) ''تم نے اپنے علم کے مطابق کیا عمل کیا؟''

فرماتے ہیں: ہم سب نے کہا: ''اے رب! ہم سے کوتاہی ہوئی اور ہم سے برے اعمال سرزد ہوئے۔''

فرماتے ہیں: اس نے دوبارہ پوچھا گویا وہ اس جواب پر راضی نہ ہوا اور کوئی دوسرا جواب چاہا۔ میں نے کہا میرے نامۂ اعمال میں شرک نہیں ہے اور تو نے وعدہ کیا ہے کہ تو شرک کے علاوہ گناہوں کو بخش دے گا۔

اللہ عزوجل نے فرمایا: ''إِذْهَبُوْا فَقَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ'' (جاؤ میں نے تم سب کو بخش دیا)۔ اس کے تین دن بعد آپ کا انتقال ہو گیا۔

چار درہم کے بدلے چار دعائیں

کہتے ہیں ایک شخص جو بہت زیادہ شراب پیتا تھا اس نے اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت جمع کی اور غلام کو چار درہم دیے اور اسے حکم دیا کہ مجلس کے لیے کچھ پھل خرید لائے۔ غلام کا منصور بن عمار رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس کے دروازے سے گزر ہوا،

---

[1] اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ عزوجل گناہوں سے بچاتا نہیں بلکہ اصل میں اس کی رحمت کا ذکر ہے کہ لوگ گناہ کرتے ہیں تو وہ اپنی رحمت سے معاف کر دیتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

وہ ایک فقیر کے لیے کچھ مانگ رہے تھے اور کہہ رہے تھے:

''جو شخص مجھے چار درہم دے گا میں اس کے لیے چار دعائیں مانگوں گا۔''

فرماتے ہیں غلام نے درہم ان کو دے دیے۔

حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ''تم کیا چاہتے ہو میں تمھارے لیے کیا دعا مانگوں؟''

اس نے کہا میں اپنے آقا سے نجات حاصل کرلوں۔

حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے لیے دعا کی۔ پوچھا ''دوسری کونسی دعا ہے؟''

اس نے کہا اللہ عزوجل میرے درہموں کے بدلے اور درہم دے۔

انھوں نے دعا مانگی اور پوچھا ''تیسری دعا کونسی ہے؟''

کہا اللہ عزوجل میرے آقا کی توبہ قبول کرے۔ انھوں نے دعا مانگی اور پوچھا ''اور (یعنی چوتھی) دعا کون سی ہے؟''

اس نے کہا اللہ عزوجل مجھے اور میرے آقا کو بخش دے نیز آپ کو اور یہاں موجود سب کو بخش دے۔

حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دعا مانگی:

غلام اپنے آقا کے پاس واپس آیا تو اس نے اس سے پوچھا کہ تم نے تاخیر کیوں کی؟ اس نے پورا واقعہ بیان کر دیا۔ آقا نے پوچھا: ''انھوں نے کیا دعا کی؟''

اس نے کہا میں نے اپنے لیے آزادی کا سوال کیا۔ اس نے کہا جا تو آزاد ہے، اور دوسری؟

کہا یہ کہ اللہ عزوجل مجھے ان درہموں کی جگہ درہم دے دے۔ اس نے کہا تیرے لیے چار ہزار (4000) درہم ہیں۔

پوچھا تیسری دعا کیا تھی؟

کہا یہ کہ اللہ عزوجل تمھاری توبہ قبول کرے۔ اس نے کہا میں نے اللہ عزوجل کے ہاں توبہ کی۔ پوچھا چوتھی دعا کون سی تھی؟

اس نے کہا یہ کہ اللہ عزوجل تجھے، مجھے، قوم اور نصیحت کرنے والے کو معاف کر دے۔ اس نے کہا یہ بات میرے بس میں نہیں۔

جب رات ہوئی تو اس نے خواب میں دیکھا گویا کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے ''تم نے وہ کام کیا جو تیرے بس میں تھا تو تیرا کیا خیال ہے جو میرے اختیار میں ہے میں وہ کام نہیں کروں گا۔'' میں نے تجھے، غلام کو، منصور بن عمار اور ان کے پاس موجود سب لوگوں کو بخش دیا۔

ایصالِ ثواب کرنے والے کی بخشش

کہا گیا ہے کہ حضرت رباح قیسی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے حج کیے تو ایک دن جب وہ میزاب کے نیچے کھڑے تھے، کہنے لگے:

"الٰہی! میں نے اتنے اتنے حج رسول اکرم ﷺ کو ہبہ کر دیئے۔ دس (10) حج آپ ﷺ کے دس (10) صحابہ (عَشرَہ مُبَشَّرَہ)، دو اپنے والدین کو اور باقی مسلمانوں کو ہبہ کر دیئے اور اپنے لیے کچھ بھی نہ رکھا۔ تو انھوں نے غیب سے آواز دینے والے کو سنا جو کہہ رہا تھا "یہ شخص ہم پر اپنی سخاوت جتا رہا ہے، میں اسے، اس کے والدین اور جن کی یہ شہادت دے گا سب کو بخش دوں گا۔"

ہیجڑے پر انعامِ الٰہی عزوجل

حضرت عبدالوہاب بن عبدالمجید ثقفی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے انھوں نے فرمایا کہ میں نے ایک جنازہ دیکھا جس کو تین مردوں اور ایک عورت نے اٹھا رکھا تھا۔ عورت کی جگہ میں نے اسے اُٹھایا اور ہم قبرستان کی طرف چلے۔ ہم نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھی اور اسے دفن کر دیا۔

میں نے اس عورت سے کہا "تمھارا اس سے کیا رشتہ ہے؟"

اس نے کہا: "یہ میرا بیٹا ہے۔"

میں نے کہا: "تمھارے پڑوسی نہیں ہیں؟"

اس نے کہا: "ہاں ہیں لیکن انھوں نے اس کے معاملہ کو معمولی سمجھا۔"

میں نے کہا: "یہ کیا تھا؟"

اس نے کہا: "ہیجڑا تھا۔"

فرماتے ہیں: مجھے اس پر رحم آیا اور میں اس کو اپنے گھر لے گیا اور میں نے اسے کچھ درہم، گندم اور کپڑے دیئے۔

اس رات میں سو گیا تو میں نے دیکھا گویا کوئی میرے پاس آیا اور گویا وہ چودھویں رات کا چاند ہے۔ اس نے سفید لباس پہنا ہوا تھا اور وہ میرا شکریہ ادا کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا: "تو کون ہے؟"

اس نے کہا: میں وہ ہیجڑا ہوں جس کو تم لوگوں نے آج دفن کیا تھا۔ اللہ عزوجل نے لوگوں کے مجھے حقیر جاننے کی وجہ سے مجھ پر رحم فرمایا۔"

میری موت کا پڑوسیوں کو نہ بتانا

استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: "حضرت ابو عمرو بیکندی رحمۃ اللہ علیہ ایک دن ایک گلی سے گزرے تو انھوں نے دیکھا کہ ایک جماعت نے ایک نوجوان کو محلے سے نکالنے کا ارادہ کر رکھا ہے کیوں کہ وہ فتنہ و فساد کرتا تھا اور ایک عورت رو رہی تھی۔ کہا گیا کہ یہ اس کی ماں ہے۔

حضرت ابوعمرو رحمۃ اللہ علیہ کو اس پر رحم آیا تو انھوں نے ان لوگوں سے اس کی سفارش کی اور فرمایا: ''اس بار اسے میری وجہ سے چھوڑ دو مگر دوبارہ فساد کرے تو تم جانو اور یہ'' پس لوگوں نے ان کی وجہ سے اسے چھوڑ دیا اور حضرت ابوعمرو رحمۃ اللہ علیہ چلے گئے۔

کچھ دن گزرے تو آپ کا گزر اسی گلی سے ہوا۔ آپ نے دروازے کے پیچھے سے بڑھیا کے رونے کی آواز سنی تو دل میں کہا شاید نوجوان اپنے فتنہ وفساد کی طرف لوٹ گیا ہے اور اسے محلے سے نکال دیا گیا ہے۔ انھوں نے دروازہ کھٹکھٹایا اور بڑھیا سے نوجوان کی حالت کے بارے میں پوچھا۔

بڑھیا باہر آئی اور کہنے لگی کہ وہ مر گیا ہے۔ انھوں نے اس کی حالت کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا:

''جب اس کی موت کا وقت آیا تو اس نے کہا میرے پڑوسیوں کو میری موت کی خبر نہ دینا کیونکہ میں نے ان کو تکلیف پہنچائی ہے اس لیے وہ مجھے برا بھلا کہیں گے اور میرے جنازے کے ساتھ نہیں جائیں گے۔ جب تم مجھے دفن کر دو تو یہ میری انگوٹھی ہے جس پر ''بسم اللہ'' لکھا ہوا ہے اسے بھی میرے ساتھ دفن کر دینا۔ جب مجھے دفن کر دو تو میرے رب سے میری سفارش کرنا۔''

اس خاتون نے کہا کہ میں نے اس کی وصیت پر عمل کیا۔ جب میں اس کی قبر سے اُٹھ کر جانے لگی تو میں نے اس کی آواز سنی وہ کہہ رہا تھا:

''اے ماں! تم واپس جاؤ میں اپنے رب کریم کے پاس پہنچ چکا ہوں۔''

کہا گیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف اللہ عزوجل نے وحی فرمائی کہ ان لوگوں سے فرمائیں میں نے ان کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ ان سے کوئی فائدہ حاصل کروں، میں نے ان کو اس لیے پیدا کیا کہ یہ مجھ سے فائدہ حاصل کریں۔

ایک بزرگ کی دعا کا انداز

حضرت ابراہیم اطروش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہم لوگ بغداد میں حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دجلہ کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک کشتی میں نوجوانوں کی ایک جماعت دف بجاتی، شراب پیتی اور کھیل کود کرتی گزری۔

ہم نے حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا، کیا آپ نہیں دیکھتے یہ لوگ کس طرح کھلم کھلا اللہ عزوجل کی نافرمانی کر رہے ہیں۔ آپ اللہ عزوجل سے ان کے خلاف دعا کریں۔

انھوں نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور کہا: ''یا اللہ! جس طرح تو نے ان کو دنیا میں خوش رکھا ہے ان کو آخرت میں بھی خوش رکھنا۔''

سب نے کہا: ''ہم نے آپ سے سوال کیا تھا کہ ان کے لیے بددعا کریں۔''

انھوں نے فرمایا: ''جب وہ ان کو آخرت میں خوش کرے گا تو گویا اس نے ان کی توبہ قبول کر لی۔''

بوڑھے کو دوزخ کا عذاب دینے سے حیاء

حضرت ابو عبداللہ حسین بن عبداللہ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت یحییٰ بن اکثم قاضی رحمۃ اللہ علیہ میرے دوست تھے۔ وہ مجھ سے محبت کرتے تھے اور میں ان سے محبت رکھتا تھا۔ حضرت یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا تو میری خواہش تھی کہ میں ان کو خواب میں دیکھوں اور ان سے پوچھوں کہ اللہ عزوجل نے آپ سے کیا سلوک کیا؟ پس میں نے انھیں خواب میں دیکھا تو پوچھا: (مَافَعَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی بِكَ؟) ''اللہ عزوجل نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟''

انھوں نے فرمایا: ''اللہ عزوجل نے مجھے بخش دیا البتہ کچھ سرزنش بھی کی۔'' پھر مجھ سے فرمایا:

''اے یحییٰ! تم نے دنیا میں (نیک اور برے) مخلوط کام کیے۔''

میں نے عرض کیا: ''اے میرے رب! میں نے ایک حدیث پر بھروسہ کیا جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے اللہ! تو نے فرمایا کہ:

((اِنِّیْ لَأَسْتَحْیِیْ اَنْ اُعَذِّبَ ذَاشَیْبَةٍ بِالنَّارِ))

''مجھے اس بات سے حیا آتی ہے کہ میں بوڑھے آدمی کو دوزخ میں عذاب دوں۔''[1]

(یہ سن کر) اللہ عزوجل نے فرمایا: ''اے یحییٰ! میں نے تجھے معاف کر دیا اور میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔ البتہ تم نے دونوں قسم کے اعمال کو خلط ملط کر دیا۔

[1] اس کا پہلا مأخذ تو رسالہ قشیریہ ہی ہے البتہ اسے تفسیر در منثور، جلد 6، صفحہ: 287 میں بھی نقل کیا گیا ہے۔ (ابو حنظلہ محمد اجمل عطاری)

باب

حُزن کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ط﴾

''اور کہیں گے سب خوبیاں اللہ کو جس نے ہمارا غم دور کیا۔''[1]

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا:

((مَامِنْ شَیْءٍ یُصِیْبُ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ مِنْ وَصَبٍ أَوْ نَصَبٍ أَوْ حُزْنٍ أَوْ أَلَمٍ یُهِمُّهٗ إِلَّا کَفَّرَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ مِنْ سَیِّئَاتِهٖ))

''کسی مؤمن بندے کو کوئی بیماری یا مشقت یا غم یا تکلیف پہنچتی ہے جو اسے پریشان کرتی ہے تو اللہ عزوجل اسے اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔''[2]

حزن کے بارے اقوالِ بزرگانِ دین

حزن ایک ایسی حالت ہے جو دل کو قابو کر کے اسے غفلت کی وادیوں میں بھٹکنے سے روکتی ہے اور حزن اہلِ سلوک کی صفات میں سے ہے۔

استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''حزن والا شخص اللہ عزوجل کے راستے کو ایک مہینے میں اس قدر طے کرتا ہے جتنا وہ شخص کئی سالوں میں طے نہیں کرتا جو حزن سے خالی ہے۔''

اور حدیث شریف میں ہے:

((إِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ کُلَّ قَلْبٍ حَزِیْنٍ))

''بے شک اللہ عزوجل ہر غمگین دل کو پسند کرتا ہے۔''

---

[1] پارہ22، فاطر34، ترجمہ کنزالایمان

[2] صحیح بخاری، کتاب المرضی، باب 49، رقم الحدیث:5642۔

اور تورات میں ہے:

''إِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا جَعَلَ فِیْ قَلْبِهٖ نَائِحَةً وَّ إِذَا أَبْغَضَ عَبْدًا جَعَلَ فِیْ قَلْبِهٖ مِزْمَارًا''

''اللہ عَزَّوَجَلَّ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک نائحہ (رونے والی) پیدا کر دیتا ہے اور جب کسی بندے سے ناراض ہوتا ہے تو اس کے دل میں گانے بجانے کا آلہ پیدا کر دیتا ہے۔''

روایات میں آیا ہے کہ رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہمیشہ غمگین اور متفکر رہتے تھے۔

حضرت بشر بن حارث رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: ''حزن ایک فرشتہ ہے جب وہ کسی جگہ سکونت اختیار کرتا ہے تو وہ اس بات پر راضی نہیں ہوتا کہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا بھی رہے۔''

کہا گیا ہے کہ جب دل میں حزن (غم) نہ ہو تو دل برباد ہو جاتا ہے جس طرح کسی گھر میں کوئی رہائشی نہ ہو تو وہ خراب ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو سعید قرشی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: ''غم سے رونا اندھا کر دیتا ہے اور شوق سے رونا آنکھ کو کمزور کر دیتا ہے، اندھا نہیں کرتا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَابْیَضَّتْ عَیْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِیْمٌ۝﴾

''اور اس کی آنکھیں غم سے سفید ہو گئیں وہ غصہ کھاتا رہا۔''[1]

حضرت ابن خفیف رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: ''نفس کو خوشی کے لیے اُٹھنے سے روکنے کا نام حزن ہے۔''

حضرت رابعہ عدویہ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہَا نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''ہائے غم!''

انھوں نے فرمایا: ''یوں کہو ہائے قلت غم! اگر تم غمگین ہوتے تو سانس تک نہ لے سکتے۔''

حضرت سفیان بن عیینہ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے تھے: ''اگر کوئی غمگین کسی امت میں روئے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کے رونے کی وجہ سے اس امت پر رحم فرماتا ہے۔''

حضرت داؤد طائی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ پر حزن غالب تھا اور وہ رات کے وقت کہتے تھے: ''الٰہی! تیرے غم نے تمام غموں کو معطل کر دیا اور وہ میرے اور میری نیند کے درمیان حائل ہو گیا۔'' اور وہ فرماتے تھے:

''وہ شخص غم سے کب بچ سکتا ہے جس پر ہر وقت مصیبت آتی رہتی ہے۔''

کہا گیا ہے کہ (اَلْحُزْنُ یَمْنَعُ مِنَ الطَّعَامِ وَ الْخَوْفُ یَمْنَعُ مِنَ الذُّنُوْبِ) ''حزن کھانے سے روک دیتا ہے اور خوف گناہوں سے روکتا ہے۔''

[1] پارہ 13 یوسف 84، ترجمہ کنزالایمان

بعض صوفیاء سے پوچھا گیا کہ کسی شخص کے حزن کی دلیل کیا ہے؟
انھوں نے فرمایا: اس کا کثرت سے آہ وزاری کرنا۔
حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: میں چاہتا ہوں کہ تمام لوگوں کا غم مجھ پر ڈال دیا جائے۔
صوفیاء کرام نے حزن کے بارے میں گفتگو کی تو سب نے کہا ''آخرت کا غم قابل تعریف ہے، دنیا کا غم تعریف کے قابل نہیں۔'' البتہ حضرت ابو عثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''حزن کوئی بھی ہو، فضیلت ہے اور مومن کے لیے (مراتب کی) زیادتی کا باعث ہے جب تک اس کا سبب گناہ نہ ہو۔ اس لیے کہ اگر چہ یہ درجات کو بلند نہیں کرتا لیکن گناہوں کو تو مٹاتا ہے۔
کسی بزرگ سے منقول ہے جب ان کے مریدین میں سے کوئی سفر پر جاتا تو وہ اس سے فرماتے: (إِنْ رَأَيْتَ مَحْزُوْنًا فَاقْرِئْهُ مِنِّي السَّلَامَ) ''اگر تم کسی کو غمگین دیکھو تو اسے میری طرف سے سلام کہنا۔''
استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بعض صوفیاء کرام غروبِ آفتاب کے وقت اس سے فرماتے کیا آج تو کسی غمگین پر طلوع ہوا ہے؟
حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو جو شخص بھی دیکھتا یہ خیال کرتا کہ وہ تازہ تازہ مصیبت کا شکار ہوئے ہیں۔
جب حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو حضرت وکیع رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''آج زمین سے غم چلا گیا۔''
بعض بزرگوں نے فرمایا: (أَكْثَرُ مَايَجِدُهُ الْمُؤْمِنُ فِيْ صَحِيْفَتِهِ مِنَ الْحَسَنَاتِ أَلْهَمُّ وَالْحُزْنُ) ''مومن اپنے نامۂ اعمال میں زیادہ نیکیاں غم اور پریشانی کی شکل میں پائے گا۔''
حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہمارے اسلاف (بزرگ) کہا کرتے تھے: (إِنَّ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ زَكوٰةً وَّزَكوٰةُ الْعَقْلِ طُوْلُ الْحُزْنِ) ''ہر چیز کی زکوٰۃ ہے اور عقل کی زکوٰۃ طویل غم ہے۔''
حضرت ابوالحسین وراق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک دن میں نے حضرت ابو عثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ سے حزن (غم) کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا:
''غمگین شخص غم کے بارے میں سوال کرنے کی فرصت نہیں رکھتا تم غم کی طلب میں کوشش کرو پھر سوال کرو۔

باب
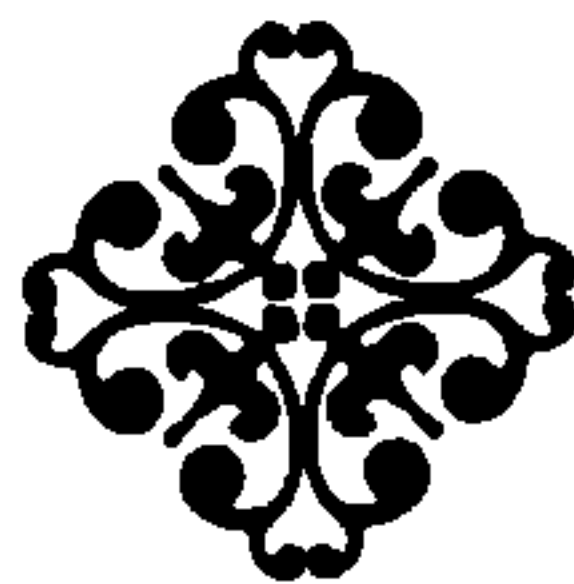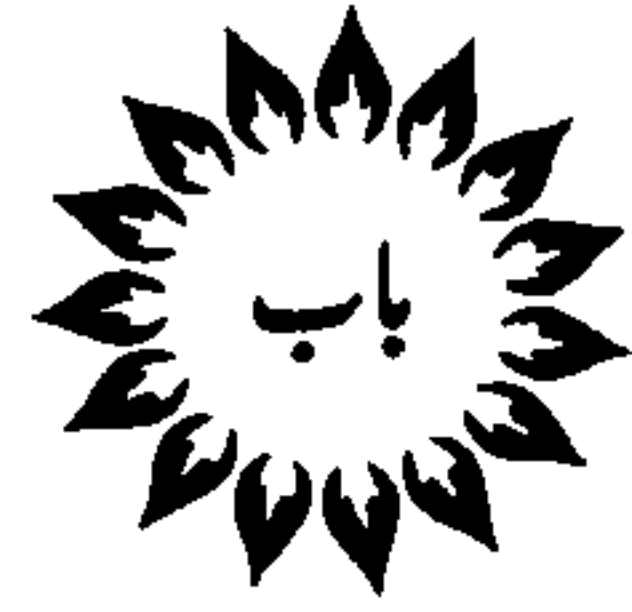
بھوکا رہنا اور خواہش کو ترک کرنا

اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ﴾

''اور ضرور ہم تمھیں آزمائیں گے کچھ ڈر اور بھوک سے۔''[1]

پھر ارشاد فرمایا:

﴿وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ﴾

''اور خوشخبری سنا ان صبر والوں کو۔''[2]

یعنی انھوں نے بھوک برداشت کرتے ہوئے جو صبر کیا ہے اس پر اچھے ثواب کی خوشخبری دیجیے۔

اور ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾

''اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگر چہ انہیں شدید محتاجی ہو۔''[3]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روٹی کا ایک ٹکڑا لے کر حاضر ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

((مَاهٰذِهِ الْكَسْرَةُ يَا فَاطِمَةُ))

''اے فاطمہ! یہ ٹکڑا کیسا ہے؟''

انھوں نے عرض کیا: ''میں نے ایک روٹی پکائی تھی اور میرے دل نے اچھا نہ سمجھا کہ میں اکیلی کھاؤں حتیٰ کہ میں آپ کے پاس لے آئی۔''

---

[1] پارہ 2، البقرہ 155، ترجمہ کنزالایمان

[2] پارہ 2، البقرہ 155، ترجمہ کنزالایمان

[3] پارہ 28، الحشر 9، ترجمہ کنزالایمان

آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَمَا إِنَّهُ أَوَّلُ طَعَامٍ دَخَلَ فَمَ أَبِيْكِ مُنْذُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ))

''یہ پہلا کھانا ہے جو تین دن کے بعد تیرے باپ کے دہن مبارک میں آیا ہے۔''[1]

بعض روایات میں ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جو کی روٹی لائی تھیں۔

اِسی لیے بھوک صوفیاء کی صفت میں ہے اور یہ مجاہدہ کے ارکان میں سے ہے۔ بے شک اربابِ سلوک (صوفیاء کرام) آہستہ آہستہ بھوک اور کھانے سے رُکنے کی عادت ڈالتے ہیں اور حکمت کے چشمے ان لوگوں کو بھوک سے حاصل ہوئے۔ اس سلسلے میں بے شمار واقعات ہیں۔

حضرت ابن سالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''بھوک کے ادب میں سے یہ ہے کہ روزانہ خوراک میں سے بلی کے کان کے برابر کم کیا جائے۔''

بھوک کے بارے صوفیاء کے اقوال

کہا گیا ہے کہ حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ پندرہ دنوں میں سے صرف ایک دن کھانا کھاتے تھے، جب رمضان المبارک کا مہینہ آتا تو جب تک (عید کا) چاند نہ دیکھتے کھانا نہ کھاتے اور ہر رات خالص پانی سے روزہ افطار کرتے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اگر بھوک بازار میں فروخت ہوتی تو آخرت کے متلاشی لوگوں کے لیے مناسب نہ ہوتا کہ بازار میں داخل ہونے کے بعد کسی اور چیز کو خریدتے۔''

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالیٰ الدُّنْيَا جَعَلَ فِيْ الشِّبَعِ: اَلْمَعْصِيَةَ وَالْجَهْلَ وَجَعَلَ فِي الْجُوْعِ الْعِلْمَ الْحِكْمَةَ''

''اللہ عزوجل نے جب دنیا کو پیدا کیا تو سیر ہو کر کھانے میں گناہ اور جہالت کو رکھا اور بھوک میں علم اور حکمت کو رکھا۔''

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اَلْجُوْعُ لِلْمُرِيْدِيْنَ رِيَاضَةٌ وَلِلتَّائِبِيْنَ تَجْرِبَةٌ وَلِلزُّهَّادِ سِيَاسَةٌ وَلِلْعَارِفِيْنَ مَكْرُمَةٌ''

''بھوک مریدوں کے لیے ریاضت، توبہ کرنے والوں کے لیے تجربہ، زاہدوں کے لیے سیاست اور عارفین

[1] طبقات ابن سعد، جلد 1، صفحہ: 306.

کے لیے کرامت اور بزرگی ہے۔“

بھوک سے رونا اللہ عزوجل کو پسند ہے

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ ایک شخص کے پاس آئے تو ان کو روتے ہوئے دیکھا۔
پوچھا ”کیوں رو رہے ہو؟“
کہا ”میں بھوک سے ہوں۔“
انھوں نے فرمایا: ”آپ جیسا آدمی بھوک کی وجہ سے رو رہا ہے۔“
جواب دیا: ”خاموش رہیں کیا آپ کو معلوم نہیں کہ مجھے بھوکا رکھنے میں اللہ عزوجل کی مرضی یہ ہے کہ میں روؤں۔“

بھوکے رہنے والوں کے احوال

حضرت مخلد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”حجاج بن فرافصہ رحمۃ اللہ علیہ ہمارے ساتھ شام میں تھے تو انھوں نے پچاس (50) راتیں اس طرح گزاریں کہ نہ پانی پیا اور نہ سیر ہو کر کچھ کھایا۔“
حضرت ابو عبداللہ احمد بن یحیٰ جلاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”حضرت ابو تراب نخشبی رحمۃ اللہ علیہ بصرہ کے جنگلوں کے راستے سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ اللہ عزوجل حرم مکہ کی حفاظت فرمائے۔ ہم نے ان سے ان کے کھانے کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: میں بصرہ سے نکلا تو میں نے مقام نباج اور پھر ذات عرق [1] میں کھانا کھایا۔
تو انھوں نے صرف دو کھانوں سے جنگل کو طے کر لیا۔“
حضرت عبدالعزیز بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ایک قسم کے پرندے چالیس (40) دن تک بھوکے رہے، پھر فضا میں اڑے۔ چند دنوں کے بعد واپس آئے تو ان سے کستوری کی خوشبو مہک رہی تھی۔“
حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ جب بھوکے ہوتے تو طاقت ور ہو جاتے اور جب کوئی چیز کھاتے تو کمزور ہو جاتے۔
حضرت ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ربّانی لوگ (اللہ والے) چالیس (40) دنوں میں اور صمدانی لوگ اسّی (80) دنوں میں کھانا نہیں کھاتے۔“
حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: (مِفْتَاحُ الدُّنْيَا الشِّبْعُ وَ مِفْتَاحُ الْاٰخِرَةِ الْجُوْعُ) ”دنیا کی چابی سیر ہو کر کھانا اور آخرت کی چابی بھوک ہے۔“

---

[1] نباج مکہ اور بصرہ کے درمیان حاجیوں کی ایک منزل جبکہ ذاتِ عرق نجد اور تہامہ کی حد ہے اور اہلِ عراق کے لیے احرام باندھنے کی جگہ (معجم البلدان، جلد 4، صفحہ: 107) ابو حنظلہ محمد اجمل عطاری

حضرت ابومحمد اصطخری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص دن میں ایک لقمہ کھاتا ہے؟''

فرمایا: ''یہ صدیقین کا کھانا ہے۔''

پوچھا: ''دو لقمے؟'' فرمایا: ''یہ مؤمنین کا کھانا ہے۔''

پوچھا: ''تین لقمے؟''

فرمایا: ''گھر والوں سے کہہ دو کہ تمھارے لیے تھان تیار کر دیں'' (جس میں جانور چارہ کھاتے ہیں)۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''بھوک نور ہے اور سیر ہو کر کھانا آگ ہے۔ شہوت ایندھن کی طرح ہے جس سے جلنے کی حالت پیدا ہوتی ہے اور اس کی آگ اس وقت تک نہیں بجھتی جب تک شہوت والے کو جلا نہ دے۔''

حضرت ابونصر سراج طوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صوفیاء میں سے ایک شخص ایک دن کسی شیخ کے پاس آیا تو شیخ نے کھانا پیش کیا۔ پھر پوچھا: ''آپ نے کتنے دنوں سے کھانا نہیں کھایا؟''

انھوں نے جواب دیا: ''پانچ دن سے نہیں کھایا۔'' انھوں نے فرمایا: ''تمھاری بھوک بخیل کی بھوک ہے، تمھارے پاس کپڑے ہیں اور تم بھوکے رہے یہ فقیر کی بھوک نہیں ہے۔''[1]

حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''میرا رات کے کھانے سے ایک لقمہ چھوڑ دینا مجھے رات بھر قیام کرنے سے زیادہ پسند ہے۔''

حضرت ابوالقاسم جعفر بن احمد رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''حضرت ابوالخیر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کو کئی سال سے مچھلی کی خواہش رہی۔ پھر ان کو حلال طریقے سے حاصل ہو گئی۔ جب انھوں نے کھانے کے لیے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس کی ہڈیوں کا ایک کانٹا ان کی انگلی میں چبھ گیا جس کی وجہ سے ان کا ہاتھ ضائع ہو گیا۔ انھوں نے عرض کیا اے میرے رب!

''هٰذَا لِمَنْ مَدَّ يَدَهٗ بِشَهْوَةٍ إِلٰى حَلَالٍ فَكَيْفَ بِمَنْ مَدَّ يَدَهٗ إِلٰى حَرَامٍ''

''یہ اس شخص کی سزا ہے جس نے خواہش کے تحت حلال چیز کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس کا کیا حال ہوگا جو خواہش کے ساتھ حرام کی طرف ہاتھ بڑھائے؟''

حضرت استاذ ابوبکر بن فورک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''حلال چیز کی خواہش کا نتیجہ اہل و عیال میں مشغولیت ہے تو حرام

---

[1] یعنی تم نے محض کنجوسی کی وجہ سے بھوک برداشت کی کہ کپڑے فروخت نہ کرنا پڑیں۔ ۱۲ ہزاروی

کی خواہش پورا کرنے کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟''[1]

نفس کو سزا پندرہ دن کھانا نہ کھایا

رستم شیرازی صوفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوعبداللہ بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ ایک دعوت میں تھے تو ان کے ایک مرید نے ان سے پہلے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا کیونکہ وہ فاقہ زدہ تھا۔ شیخ کے کسی دوسرے مرید نے اس کی بے ادبی پر اسے برا بھلا کہنا چاہا کہ اس نے شیخ سے پہلے ہاتھ بڑھایا اور اس مرید نے اس فقیر کے سامنے کوئی چیز رکھ دی۔
فقیر سمجھ گیا کہ اس نے اس کی بے ادبی کی وجہ سے برا منایا ہے تو اس نے نیت کر لی کہ پندرہ دن نہیں کھائے گا تا کہ اپنے نفس کو سزا دے، اس کو ادب سکھائے اور اس طرح اس کی بے ادبی سے توبہ ہو جائے گی حالانکہ اسے پہلے سے فاقہ کا سامنا ہو چکا تھا۔
حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (مَنْ غَلَبَ شَهَوَاتِ الدُّنْيَا فَذَالِكَ الَّذِيْ فُرِقَ الشَّيْطَانُ مِنْ ظِلِّهٖ) ''جو شخص دنیوی خواہشات پر غالب آ گیا یہی وہ شخص ہے جس کے سائے سے بھی شیطان کو دور کر دیا گیا۔''
حضرت ابوعلی روذباری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''جب صوفی پانچ دن کے بعد کہے کہ میں بھوکا ہوں تو اسے بازار میں بھیجو اور کمانے کا مشورہ دو (وہ صوفی نہیں ہے)۔''
حضرت استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کسی شیخ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: دوزخیوں کی خواہش ان کی پرہیزگاری پر غالب آ گئی وہ اسی لیے ذلیل ہوئے۔
یہی فرماتے ہیں: کسی سے پوچھا گیا کیا تمھاری کوئی خواہش نہیں؟ اس نے کہا خواہش ہوتی ہے لیکن میں پرہیز کرتا ہوں۔
فرماتے ہیں: کسی اور سے پوچھا گیا آپ کی خواہش کوئی نہیں؟ انھوں نے فرمایا: (أَشْتَهِيْ أَنْ لَّا أَشْتَهِيْ) ''میں یہ خواہش رکھتا ہوں کہ کوئی خواہش پیدا نہ ہو۔'' اور یہ زیادہ کامل بات ہے۔

اگر کھانا کھاتا تو تمھارے ساتھ کھاتا

حضرت ابونصر تمار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت بشر رحمۃ اللہ علیہ ایک رات میرے پاس آئے تو میں نے کہا اللہ عزوجل کے لیے تعریف ہے جو آپ کو لایا۔ ہمارے پاس خراسان سے روئی آئی، بچی نے اسے کاتا اور بیچ کر ہمارے لیے گوشت

[1] یعنی حلال کی وجہ سے اس کا وقت اہل وعیال کی مشغولیت میں خرچ ہو جاتا ہے اور وہ اللہ عزوجل کی عبادت سے دور رہتا ہے گویا یہ حلال کی خواہش کی سزا ہے تو حرام کی خواہش کی سزا کس قدر ہو گی۔ ۱۲ ہزاروی

خریدا ہے پس آپ ہمارے پاس افطار کریں۔

انھوں نے فرمایا: ''اگر میں کسی کے ہاں کھانا کھاتا تو تمھارے پاس کھاتا۔'' پھر فرمایا: ''مجھے کئی سالوں سے بینگن کھانے کی خواہش ہے لیکن ابھی تک کھانے کا اتفاق نہیں ہوا۔''

میں نے کہا: ''اس گوشت میں حلال کمائی کے بینگن بھی ہیں۔''

انھوں نے فرمایا: ''تب کھاؤں گا جب میری بینگن کی محبت پاک صاف ہو جائے۔''

حضرت ابو احمد صغیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے مجھے ابو عبداللہ بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ نے حکم دیا کہ میں ہر رات ان کی افطاری کے لیے منقہ (میوہ) کے دس (10) دانے پیش کروں۔ ایک رات مجھے ان پر ترس آیا تو میں نے پندرہ (15) دانے پیش کر دیے۔

انھوں نے میری طرف دیکھا اور فرمایا: ''تمھیں اس بات کا کس نے حکم دیا ہے؟'' پھر انھوں نے دس (10) دانے کھائے اور باقی چھوڑ دیے۔

حضرت ابو تراب نخشبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میرے نفس نے صرف ایک روٹی اور انڈے کی خواہش کی اور میں سفر میں تھا۔ پس میں ایک بستی کی طرف چلا گیا۔ ایک آدمی کھڑا ہوا اور مجھ سے چمٹ گیا اور کہا ''یہ شخص چوروں کے ساتھ تھا۔'' انھوں نے مجھے ستر (70) دُرّے مارے پھر ان میں سے ایک شخص نے مجھے پہچان لیا اور کہا یہ تو حضرت ابو تراب نخشبی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

انھوں نے مجھ سے معذرت کی اور ایک شخص میری تعظیم اور شفقت کے تحت مجھے اپنے گھر لے گیا اور میرے سامنے روٹی اور انڈا رکھا تو میں نے اپنے نفس سے کہا: (كُلِي بَعْدَ سَبْعِيْنَ دُرَّةً) ''ستر (70) دُرّوں کے بعد (اسے) کھاؤ۔''

باب

خشوع اور تواضع کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۝﴾

''بے شک مراد کو پہنچے ایمان والے جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں۔''[1]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ وَلَا يَدْخُلُ النَّارَ مَنْ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ اِيْمَانٍ))

''جس شخص کے دل میں ذرہ بھر بھی تکبر ہو وہ جنت میں نہیں جائے گا اور جس شخص کے دل میں ذرہ بھر ایمان ہو وہ جہنم میں نہیں جائے گا۔''[2]

ایک شخص نے عرض کیا کہ کوئی شخص پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى جَمِيْلٌ يُّحِبُّ الْجَمَالَ اَلْكِبْرُ مِنْ بَطَرِ الْحَقِّ وَ غَمْصِ النَّاسِ)) ''اللہ عزوجل جمال والا ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ تکبر حق کے مقابلے میں اکڑنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے۔''[3]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار کی بیمار پرسی کرتے دراز گوش پر سوار ہوتے اور غلام کی دعوت قبول فرماتے اور قریظہ اور نضیر والے دن[4] آپ صلی اللہ علیہ وسلم لگام والے دراز گوش پر سوار تھے جو (لگام) کھجور کی چھال سے بنائی گئی تھی اور اس کی جھول بھی کھجور کی چھال سے تھی۔

---

[1] پارہ 18، المومنون 1-2، ترجمہ کنزالایمان

[2] سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب البراءة من الكبر والتواضع، رقم الحديث: 4173، صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب تحريم الكبر وبيانه، رقم الحديث: 167.

[3] ابن ماجه، كتاب السنة، باب في الإيمان، رقم الحديث: 59، سنن ابى داؤد، كتاب اللباس، باب في قدر موضع الازار، رقم الحديث: 4091، سنن ترمذى، كتاب البر والصلة، باب ماجاء في الكبر، رقم الحديث: 1998، صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب تحريم الكبر وبيانه، رقم الحديث: 169,167.

[4] قریظہ اور نضیر یہودیوں کے دو قبیلے تھے ان سے لڑائی کا دن مراد ہے۔ ۱۲ ہزاروی

خشوع وخضوع کی تعریف

خشوع، حق کے سامنے جھکنے کو کہتے ہیں اور تواضع اپنے آپ کو حق کے سپرد کرنے اور اس کے حکم پر اعتراض نہ کرنے کا نام ہے۔

خشوع کے بارے صوفیاء کے اقوال

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تم اپنے دین سے جو پہلی چیز گم پاؤ گے وہ خشوع ہے۔''

بعض حضرات سے خشوع کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: اللہ عزوجل کے سامنے دل کا پورے ارادے کے ساتھ کھڑا ہونا خشوع ہے۔ اور فرمایا: بندے کے خشوع کی علامات میں سے یہ بات ہے کہ جب اس کو غصہ دلایا جائے یا اس کی مخالفت کی جائے یا اس کا رد کیا جائے تو قبولیت کے ساتھ استقبال کرے۔

بعض صوفیاء نے فرمایا: دل کا خشوع یہ ہے (قَيْدُ الْعُيُوْنِ عَنِ النَّظْرِ) ''کہ آنکھوں کو دیکھنے سے مقید کردے۔''

حضرت محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''خشوع کرنے والا وہ شخص ہے جس کی خواہش کی آگ بجھ جائے، اس کے سینے کا دھواں ٹھہر جائے اور اس کے دل میں تعظیم کا نور چمک اٹھے۔ پس اس کی خواہش مر چکی ہے اور دل زندہ ہو چکا ہے اور اعضاء جھک گئے ہیں۔''

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

(اَلْخُشُوْعُ الْخَوْفُ الدَّائِمُ اللَّازِمُ لِلْقَلْبِ)

''خشوع یہ ہے کہ دائمی خوف دل کو لازم ہو جائے۔''

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے خشوع کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''غیبوں کو جاننے والے کے سامنے دلوں کا جھک جانا خشوع ہے۔''

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا﴾

''اور رحمٰن کے وہ بندے کہ زمین پر آہستہ چلتے ہیں۔''[1]

[1] پارہ 19، الفرقان 63، ترجمہ کنزالایمان

استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تواضع کرنے والے اور خشوع کرنے والے ہیں۔

یہی فرماتے تھے: یہ وہ لوگ ہیں جب چلتے ہیں تو اپنے جوتوں کے تسمے بھی درست نہیں کر سکتے۔

اس بات پر اتفاق ہے کہ خشوع کا مقام دل ہے۔ کسی صوفی نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ بظاہر غمگین اور پریشان ہے اور اس کے دونوں کندھے سکڑے ہوئے ہیں تو انھوں نے فرمایا: ''اے فلاں! خشوع تو یہاں ہوتا ہے'' (سینے کی طرف اشارہ کیا)۔ کاندھوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ''اس جگہ نہیں۔''

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو نماز میں اپنی داڑھی سے کھیل رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَوْخَشَعَ قَلْبُ هٰذَا لَخَشَعَتْ جَوَارِحُهٗ))

''اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی خشوع ہوتا۔''[1]

یہ کہا گیا ہے کہ نماز میں خشوع کی شرط یہ ہے کہ اپنے دائیں بائیں والوں کو نہ پہچان سکے۔

حضرت استاذ امام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ خشوع اللہ عزوجل کے سامنے اپنے دل کو ادب کے ساتھ جھکانا ہے۔''

کہا گیا ہے کہ خشوع یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی اطلاع سے دل مرجھا جائے۔ یہ بھی کہا گیا کہ خشوع حقیقت کے غلبہ کے وقت دل کا پگھلنا اور پیچھے ہٹنا ہے۔

کسی نے کہا ''خشوع ہیبت خداوندی کے مقدمات کا پیش خیمہ ہے۔''

یہ بھی کہا گیا کہ خشوع رونگٹوں کا کھڑا ہونا ہے جو دل پر وارد ہوتے ہیں جب اچانک حقیقت منکشف ہوتی ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''یہ بات ناپسند کی جاتی تھی کہ کسی شخص پر خشوع کے اثرات اس خشوع سے زیادہ دکھائی دیں جو اس کے دل میں ہے (یعنی اصل خشوع دل کا ہے)۔''

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اگر لوگ اس بات پر اکٹھے ہو جاتے کہ وہ میری قدر اس طرح گھٹا دیں جس طرح میں نے خود اپنی گھٹا رکھی ہے تو وہ اس پر قادر نہ ہو سکیں گے۔''

کہا گیا ہے کہ جو شخص اپنی قدر نہیں گھٹاتا دوسروں کے نزدیک اس کی قدر بلند نہیں ہوتی (قدر گھٹانے سے مراد تواضع ہے)۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ مٹی پر ہی سجدہ کرتے تھے۔

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوٰۃ باب فی مس اللحیۃ فی الصلوٰۃ رقم الحدیث: 6854، اتحاف السادۃ المتقین، جلد 3، صفحہ: 23.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ كِبْرٍ))

''وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہو۔''[1]

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو غرق کیا تو دوسرے پہاڑوں نے اپنا سر اونچا رکھا جب کہ جودی پہاڑ نے سر جھکا دیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کا ٹھکانہ بنا دیا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تیز تیز چلتے تھے اور فرماتے: اس طرح کام جلد سرانجام پاتے ہیں اور یہ بات تکبر سے بھی دور رکھتی ہے۔[2]

خود جا کر چراغ درست فرمایا

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ رات کے وقت کچھ لکھ رہے تھے اور آپ کے پاس مہمان تھا۔ قریب تھا کہ چراغ بجھ جاتا، مہمان نے کہا میں اُٹھ کر چراغ کو درست کرتا ہوں۔

آپ نے فرمایا: ''نہیں، مہمان سے خدمت لینا شرافت نہیں۔''

اس نے کہا خادم کو بیدار کریں۔

آپ نے فرمایا: ''نہیں، یہ ابھی ابھی سویا ہے۔'' چنانچہ آپ تیل کی صراحی کی طرف اٹھے اور چراغ میں تیل ڈالا۔

مہمان نے کہا: ''اے امیر المؤمنین! آپ بذات خود اُٹھے؟''

آپ نے فرمایا: (ذَهَبْتُ وَأَنَا عُمَرُ وَرَجَعْتُ وَأَنَا عُمَرُ) ''میں اُٹھا تو بھی عمر تھا اور واپس آیا ہوں تو بھی عمر ہوں۔''

اوصاف رسولِ اکرم ﷺ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ اونٹ کے آگے چارہ ڈالتے، گھر میں جھاڑو دیتے، جوتا سیتے، کپڑے کو پیوند لگاتے، بکری کا دودھ دوہتے، خادم کے ساتھ کھانا کھاتے اور جب وہ تھک جاتا تو اس کے ساتھ مل کر چکی پیستے اور بازار سے گھر کے لیے سودا لانے سے آپ کو حیاء منع نہ کرتا۔ آپ ﷺ مالدار اور فقیر سب سے مصافحہ

[1] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم الکبر و بیانه، رقم الحدیث: 167.

[2] راقم نے یہ بات اپنے استاذ گرامی اور مربی مخدوم اہلِ سنت حضرت علامہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ میں دیکھی کہ آپ تیز تیز چلتے تھے اور زندگی میں اس قدر امور دینیہ انجام دیے کہ ان کی شخصیت قابل رشک بن گئی۔ ۱۲ہزاروی

کرتے، سلام کرنے میں ابتداء کرتے، کسی دعوت میں بلائے جاتے تو اسے حقیر نہ جانتے، اگرچہ وہ ادنیٰ قسم کی کھجوروں کی دعوت ہوتی۔ آپ نرم خو اور نرم اخلاق والے تھے، کریم الطبع تھے، اچھا میل جول رکھنے والے تھے، خندہ پیشانی اور تبسم سے پیش آتے، ہنسی نہ فرماتے، غمگین ہوتے لیکن ترش روئی نہ ہوتی، تواضع فرماتے لیکن اس میں ذلت کا پہلو نہ ہوتا، سخاوت فرماتے لیکن اس سے اسراف نہ ہوتا، نرم دل تھے ہر مسلمان پر رحم فرمانے والے، آپ نے کبھی سیر ہو کر نہیں کھایا جس سے ڈکار آئے اور آپ نے لالچ کے طور پر کسی چیز کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ عزوجل کے لیے قرآن پڑھنے والے خشوع اور تواضع کرنے والے ہوتے ہیں اور حکام کے لیے قرآن پڑھنے والے خود پسندی اور تکبر کرنے والے ہوتے ہیں۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص اپنے نفس کے لیے کوئی قیمت خیال کرتا ہے اس کے لیے تواضع میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ سے تواضع کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''تواضع یہ ہے کہ حق کے سامنے جھک جائے، اس کی اطاعت کرے اور حق بات کہنے والے کی بات کو قبول کرے۔''

حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اللہ عزوجل نے پہاڑوں کی طرف وحی بھیجی کہ میں تم میں سے کسی ایک پر اپنے نبی علیہ السلام سے بات کرنے والا ہوں۔ پس اس پر پہاڑ اکڑ گئے اور ''طور سینا'' نے تواضع کی، پس اللہ عزوجل نے اس کی تواضع کی وجہ سے اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے تواضع کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''مخلوق کے لیے اپنے پہلو کو جھکا لینا اور ان کے لیے نرمی اختیار کرنا۔ (تواضع ہے)''

حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اللہ عزوجل کی نازل کردہ کتابوں میں سے کسی کتاب میں لکھا ہے کہ میں نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا تو میں نے موسیٰ علیہ السلام کے دل سے بڑھ کر کسی کے دل کو تواضع کرنے والا نہیں پایا اسی لیے میں نے ان کو چن لیا اور ان سے کلام کیا۔''

حضرت ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(اَلتَّکَبُّرُ عَلَى الْأَغْنِيَاءِ وَالتَّوَاضُعُ لِلْفُقَرَاءِ مِنَ التَّوَاضُعِ)

''مال داروں سے تکبر کرنا اور فقیروں سے انکساری کرنا تواضع ہے۔''

حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آدمی کب متواضع ہوتا ہے؟

انھوں نے فرمایا: جب وہ اپنے نفس کے لیے کوئی مقام اور حال نہ دیکھے۔ اور نہ یہ بات دیکھے کہ مخلوق میں کوئی اس

سے زیادہ بُرا ہے۔ کہا گیا ہے کہ:

(اَلتَّوَاضُعُ نِعْمَةٌ لَا يُحْسَدُ عَلَيْهَا وَالْكِبْرُ مِحْنَةٌ لَا يُرْحَمُ عَلَيْهَا وَالْعِزُّ فِيْ التَّوَاضُعِ فَمَنْ طَلَبَهٗ فِي الْكِبْرِ لَمْ يَجِدْهُ)

"تواضع ایک نعمت ہے اس پر حسد نہیں کیا جاتا اور تکبر ایک مصیبت ہے اس پر کوئی رحم نہیں کھاتا اور عزت تواضع میں ہے جو شخص اسے تکبر میں تلاش کرتا ہے وہ اسے نہیں پا سکتا۔"

حضرت ابراہیم بن شیبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

(اَلشَّرْفُ فِيْ التَّوَاضُعِ وَالْعِزُّ فِي التَّقْوٰى وَالْحُرِّيَّةُ فِي الْقَنَاعَةِ)

"شرف تواضع میں، عزت تقویٰ میں اور حریت قناعت میں پائی جاتی ہے۔"[1]

حضرت ابن اعرابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مخلوق میں سب سے زیادہ عزت والے لوگ پانچ (قسم کے) ہیں:

(عَالِمٌ زَاهِدٌ وَ فَقِيْهٌ صُوْفِيٌّ وَغَنِيٌّ مُتَوَاضِعٌ وَ فَقِيْرٌ شَاكِرٌ وَ شَرِيْفٌ سُنِّيٌّ)

"① زاہد عالم، ② فقیہ صوفی ③ مال دار جو تواضع کرے، ④ شکر کرنے والا فقیر اور ⑤ سُنی سید زادہ۔"

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "تواضع ہر شخص میں اچھی ہے لیکن مال داروں میں زیادہ اچھی ہے اور تکبر ہر شخص میں برا ہے لیکن فقراء میں بہت برا ہے۔"

حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "تواضع قبولیتِ حق کا نام ہے جس سے بھی سنے۔

علماء اور اہلِ بیت کے ساتھ ادب کا حکم

کہا گیا ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سوار ہوئے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رکاب پکڑنے کے لیے آگے بڑھے۔ انھوں نے فرمایا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد! رُک جایئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

"ہمیں علماء کے ساتھ اسی طرح کے برتاؤ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔" تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہاتھ پکڑ کر بوسہ دیا اور فرمایا:

"ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت کے ساتھ اسی قسم کے سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔"

[1] جو شخص قناعت کرتا ہے وہ دوسروں کی غلامی سے محفوظ رہتا ہے اس کا ذہن، فکر اور جسم سب آزاد ہوتے ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

مشکیزہ بھر کے اٹھالیا

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا آپ کے کاندھے پر پانی کا مشکیزہ تھا۔ میں نے عرض کیا: ''اے امیر المؤمنین! یہ کام آپ کے لیے مناسب نہیں۔''

انھوں نے فرمایا: ''جب میرے پاس لوگ اطاعت کرتے ہوئے آنے لگے تو میرے دل میں تکبر پیدا ہونے لگا تو میں نے چاہا کہ اسے توڑ دوں پس پانی کا مشکیزہ لے کر انصار کی ایک عورت کے گھر تشریف لے گئے اور اس کے برتن میں ڈال دیا۔''

حضرت ابونصر سراج طوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو جب وہ امیر مدینہ تھے، اس طرح دیکھا گیا کہ آپ کی پیٹھ پر لکڑیوں کا گٹھا تھا اور آپ فرمارہے تھے ''اپنے حاکم کو راستہ دو۔''

حضرت عبداللہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''کسی امتیاز کے بغیر خدمت کرنا تواضع ہے۔''

حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جو شخص اپنے نفس کے لیے کوئی قیمت خیال کرتا ہے اسے خدمت کا ذائقہ حاصل نہیں ہوتا۔''

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جو شخص اپنے مال کے ذریعے تم پر تکبر کرے اس کے خلاف تکبر کرنا تواضع ہے۔''

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میری ذلت نے یہودیوں کی ذلت کو بھی معطل کر دیا۔''

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آیا تو انھوں نے اس سے پوچھا ''تو کیا ہے؟''

اس نے کہا اے میرے آقا! میں با کے نیچے نقطہ ہوں۔ آپ نے اس سے فرمایا: تو میرا گواہ ہے بشرطیکہ تو اپنے نفس کے لیے کوئی مقام مقرر نہ کرے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''اپنے بھائی کے جوٹھے سے پینا بھی تواضع میں سے ہے۔''

حضرت بشر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''دنیاداروں کو سلام نہ کر کے اپنے لیے سلامتی طلب کرو۔''

طواف کرتے وقت عاجزی

حضرت شعیب بن حرب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں طواف کر رہا تھا کہ اچانک کسی شخص نے مجھے کہنی ماری۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا وہ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

انھوں نے فرمایا: ''اے ابوصالح! اگر تمھارا یہ خیال ہے کہ حج کے موقع پر ہم دونوں سے برا انسان آیا ہوگا تو تمھارا

یہ خیال بہت بُرا ہے۔"

متکبر شخص کی حکایت

ایک بزرگ کہتے ہیں میں نے طواف کے دوران ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے نوکر اس کے آگے آگے اس کے لیے لوگوں کو طواف سے روک رہے تھے۔ پھر میں نے ایک مدت کے بعد اسے بغداد کے پل پر لوگوں سے سوال کرتے ہوئے دیکھا۔ مجھے اس بات پر تعجب ہوا تو اس نے مجھ سے کہا:

"میں نے اس جگہ تکبر کیا جہاں لوگ تواضع کرتے ہیں پس اللہ عزوجل نے مجھے اس جگہ ذلت میں مبتلا کیا جہاں لوگ اپنے آپ کو بلند کرتے ہیں۔"

دو (2) درھم کی انگوٹھی خریدو

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو یہ بات پہنچی کہ ان کے صاحبزادے نے ایک ہزار (1000) درہم سے ایک نگینہ خریدا ہے تو آپ نے اسے لکھا: "مجھے خبر ملی ہے کہ تم نے ایک ہزار (1000) درہم سے نگینہ خریدا ہے جب تمھیں میرا خط ملے تو اسی وقت اسے فروخت کر دو اور ایک ہزار (1000) انسانوں کو کھانا کھلاؤ اور دو (2) درہم کی انگوٹھی خریدو جس کا نگینہ چینی لوہے کا ہو اور اس پر یہ کلمات کندہ کراؤ: (رَحِمَ اللّٰهُ إِمْرَءً عَرَفَ قَدْرَ نَفْسِهٖ) "اللہ عزوجل اس شخص پر رحم کرے جس نے اپنے نفس کی قدر کو پہچانا۔"

ایک ہزار (1000) درھم کا غلام

کہتے ہیں ایک بادشاہ کے سامنے ایک غلام پیش کیا گیا جس کی قیمت ایک ہزار (1000) درہم تھی۔ جب وہ قیمت لے کر آیا تو خیال کیا کہ قیمت زیادہ ہے اسے پھر خریدنے کا خیال آیا لیکن اس نے قیمت خزانے میں لوٹا دی۔

غلام نے کہا: "اے آقا! مجھے خرید لیں میرے اندر ہر درہم کے بدلے ایک ایسی خصلت ہے جو ایک ہزار (1000) درہموں سے زیادہ قیمتی ہے۔"

اس نے پوچھا "وہ کیا ہے؟"

اس غلام نے کہا ان خصلتوں میں سے کم از کم اور ادنیٰ خصلت یہ ہے کہ اگر آپ مجھے خرید کر تمام غلاموں سے مقدم رکھیں گے پھر بھی میں اپنے آپ کو بڑا نہیں سمجھوں گا اور یہی خیال کروں گا کہ میں آپ کا غلام ہوں۔

پس بادشاہ نے اس غلام کو خرید لیا۔

حضرت رجاء بن حیوہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے انھوں نے فرمایا: ''حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ خطبہ دے رہے تھے تو ان کے لباس کی قیمت بارہ (12) درہم لگائی گئی اور وہ لباس قباء (کوٹ)، عمامہ، قمیص، شلوار، موزوں اور ٹوپی پر مشتمل تھا۔

کہا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ اس طریقے پر چلے کہ اس کو پسند نہ کیا گیا تو ان کے والد نے ان سے کہا: ''تمھیں معلوم ہے کہ میں نے تمھاری ماں کو کتنی رقم سے خریدا ہے؟' تین درہم کے بدلے خریدا ہے اور تمھارا باپ ایسا ہے کہ اللہ عزوجل مسلمانوں میں اس کی مثل باپ پیدا نہ کرے اور تم اس انداز سے چلتے ہو۔''

حضرت حمدون قصار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''تواضع یہ ہے کہ تم کسی کو اپنا محتاج نہ سمجھو نہ دین میں اور نہ دنیا میں۔''

حضرت ابراھیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ تین بار خوش ہوئے

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں اسلام کی حالت میں صرف تین بار خوش ہوا۔

ایک مرتبہ میں کشتی میں تھا اور اس میں ایک شخص لوگوں کو ہنساتا تھا وہ کہتا تھا کہ ہم ترکوں کے علاقہ میں کفار کو یوں پکڑتے تھے اور وہ میرے سر کے بالوں کو پکڑ کر حرکت دیتا۔ مجھے اس سے خوشی ہوئی کہ اس کی نظر میں کشتی میں مجھ سے زیادہ حقیر کوئی نہ تھا۔

دوسری بار اس وقت جب میں مسجد میں بیمار تھا، موذن داخل ہوا تو اس نے کہا باہر نکلو، مجھے اس کی طاقت نہ تھی۔ وہ میرا پاؤں پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے مجھے مسجد سے باہر لے گیا۔

تیسری بار اس وقت جب میں شام میں تھا اور میں نے پوستین پہن رکھی تھی۔ میں نے اسے دیکھا تو میں بالوں اور جوؤں میں امتیاز نہ کر سکا کیونکہ جوئیں زیادہ تھیں تو اس سے مجھے خوشی ہوئی (تواضع کی طرف اشارہ ہے)۔''

ایک اور واقعہ میں ہے آپ فرماتے ہیں: مجھے اس سے زیادہ خوشی کبھی نہ ہوئی کہ ایک دن میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک انسان آیا اور اس نے مجھ پر پیشاب کر دیا۔

حضرت ابوذر اور بلال رضی اللہ عنہما کا واقعہ

کہا گیا ہے کہ حضرت ابوذر اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو سیاہ رنگ کی عار دلائی انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((یَا اَبَا ذَرٍّ اِنَّهٗ بَقِیَ فِیْ قَلْبِكَ مِنْ كِبْرِ الْجَاهِلِیَّةِ شَیْءٌ)) ''اے ابوذر! تمھارے دل میں ابھی تک جاہلیت کے تکبر میں سے کچھ باقی ہے۔''[1]

[1] کنز العمال میں اس مفہوم کی ایک روایت مذکور ہے۔ ملاحظہ کریں، رقم الحدیث: 25665۔ (ابو حنظلہ محمد اجمل عطاری)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو گرا دیا اور قسم کھائی کہ جب تک حضرتِ بلال رضی اللہ عنہ ان کے رخسار کو اپنے قدموں سے نہیں روندیں گے وہ اپنا سر نہیں اٹھائیں گے۔ چنانچہ انھوں نے سر نہ اٹھایا حتیٰ کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اس طرح کا عمل کیا۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کچھ بچوں کے پاس سے گزرے جن کے پاس روٹی کا ٹکڑا تھا تو انھوں نے آپ کو کھانے کی دعوت دی۔ آپ اترے اور اُن کے ساتھ تناول فرمایا پھر آپ ان کو اپنے خانۂ اقدس میں لے گئے اور اُن کو کھانا کھلایا اور لباس بھی دیا اور فرمایا: ''اُن کا مجھ پر احسان ہے کیونکہ اُن کے پاس صرف وہی تھا جو انھوں نے مجھے کھلایا اور ہمارے پاس اس سے زیادہ ہے۔''

مجھے قیمتی جوڑا دو

کہا گیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان مالِ غنیمت سے کپڑوں کے نئے جوڑے تقسیم فرمائے تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف ایک یمنی قیمتی جوڑا بھیجا۔ انھوں نے اسے فروخت کر کے اس کے بدلے چھ غلام خرید کر آزاد کیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات پہنچی تو انھوں نے اس کے بعد پھر جوڑے تقسیم کیے تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف پہلے سے کم قیمت کا جوڑا بھیجا۔ اس پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ناراضگی کا اظہار کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اُن سے فرمایا: ''اس پر ناراضگی کی کوئی بات نہیں کیونکہ آپ نے پہلا جوڑا بیچ دیا تھا۔''

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اس میں آپ کا کیا نقصان ہے؟ آپ میرا حصہ مجھے دیجیے۔ میں نے قسم کھائی ہے کہ یہ کپڑا آپ کے سر پر دے ماروں گا۔'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

(هٰذَا رَأْسِيْ بَيْنَ يَدَيْكَ وَقَدْ يَرْفُقُ الشَّيْخُ بِالشَّيْخِ)

''میرا سر آپ کے سامنے ہے اور بوڑھا بوڑھے کے ساتھ نرمی کرتا ہے۔''

باب

نفس کی مخالفت اور اس کے عیوب کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝﴾

''اور وہ جو اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک جنت ہی ٹھکانہ ہے۔''[1]

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَخْوَفُ مَا أَخَافُ عَلٰى أُمَّتِیْ اِتِّبَاعُ الْهَوٰى وَطُوْلُ الْأَمَلِ فَأَمَّا اِتِّبَاعُ الْهَوٰى فَيَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ وَأَمَّا طُوْلُ الْأَمَلِ فَيُنْسِى الْاٰخِرَةَ))

''مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ خوف خواہش کی اتباع اور لمبی اُمید کا ہے۔ خواہش کی اتباع حق بات سے روک دیتی ہے اور لمبی اُمید آخرت کو بھولنے کا باعث ہے۔''[2]

نفس کے بارے اقوال

پھر تم جان لو کہ نفس کی مخالفت عبادت کی اصل ہے۔ مشائخ سے اسلام کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''مخالفت کی تلواروں کے ساتھ نفس کو ذبح کرنا (اسلام ہے)۔

اور جان لو کہ جس شخص کے نفس کی خواہشات ظاہر ہوتی ہیں اس شخص کے اُنس الٰہی کے ستارے ڈوب جاتے ہیں۔''

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''عبادت کی چابی غور وفکر کرنا ہے۔ درست کام کی علامت نفس اور خواہش کی مخالفت ہے اور ان دونوں کی مخالفت ان کی خواہشات کو ترک کرنا ہے۔''

حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''برے آداب کی طرف جانا نفس کی سرشت میں ہے اور بندے کو ادب اختیار کرنے کا حکم ہے پس نفس فطری طور پر مخالفت کے میدان میں چلتا ہے اور بندہ اپنی کوشش سے اس کو بُرے مطالبہ سے

---

[1] پارہ 30، النازعات 40-41، ترجمہ کنزالایمان

[2] الکامل فی الضعفاء، جلد 6، صفحہ: 316.

دُور کرتا ہے پس جس نے اس کی لگام کو کھلی چھٹی دے دی وہ اس کے فساد میں اس کے ساتھ شریک ہے۔"

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "برائی کا حکم دینے والا نفس (نفس امارہ) وہ ہے جو ان ہلاکتوں کی طرف بلاتا ہے جو دشمنوں کی مددگار اور ایسی خواہشوں کی اتباع کرنے والی ہیں جو طرح طرح کی برائیوں کے ساتھ تہمت زدہ ہیں۔"

حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "جو شخص ہر وقت اپنے نفس کو برا بھلا نہیں کہتا اور تمام حالات میں اس کی مخالفت نہیں کرتا اور تمام دنوں میں اس کو اس کی ناپسندیدہ باتوں پر تہمت نہیں لگاتا تو وہ شخص دھوکہ کھا جاتا ہے اور جو شخص نفس کی کسی ایک چیز کو بھی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے وہ اسے ہلاک کر دیتا ہے۔"

اور کسی عقلمند شخص کے لیے اپنے نفس سے راضی ہونا کیسے درست ہو سکتا ہے جب کہ کریم ابن کریم ابن کریم ابن کریم حضرت یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام فرماتے تھے:

﴿وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ﴾

"اور میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں بتاتا بے شک نفس تو برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے۔"[1]

نفس نے کہا جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے سنوں گا

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "میں ایک رات بیدار ہوا اور اپنے وظیفہ کے لیے اٹھا تو مجھے وہ مٹھاس اور لذت محسوس نہ ہوئی جو میں اپنے رب سے مناجات میں حاصل کرتا تھا۔ تو میں حیران ہو گیا۔ میں نے سونے کا ارادہ کیا لیکن سو نہ سکا پس میں بیٹھ گیا لیکن بیٹھ نہ سکا۔ میں نے دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا تو اچانک میں نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنے چوغے میں لپٹا ہوا راستے میں پڑا ہے۔ جب اس نے میرا آنا محسوس کیا تو سر اُٹھایا اور کہا:

اے ابوالقاسم! اتنی دیر لگا دی۔ میں نے کہا میرے آقا! ہمارے درمیان کوئی وعدہ نہ تھا۔

فرمایا: کیوں نہیں؟ میں نے دلوں کو حرکت دینے والے اللہ عزوجل سے دعا کی تھی کہ وہ آپ کے دل کو حرکت دے۔

میں نے کہا: اللہ عزوجل نے ایسا کر دیا، آپ کیا چاہتے ہیں؟

انھوں نے کہا نفس کی بیماری کب اس کی دوا بن جاتی ہے؟

میں نے کہا: جب نفس اپنی خواہشات کی مخالفت کرے تو اس کی بیماری اس کی دوا بن جاتی ہے۔

[1] پارہ 13، یوسف 53، ترجمہ کنزالایمان

یہ سن کراس شخص نے اپنے نفس کی طرف توجہ کی اور کہا تم نے سنا میں نے تمھیں یہی جواب سات (7) مرتبہ دیا لیکن تو نے جنید (بغدادی) کے علاوہ کسی سے سننے سے انکار کر دیا۔ اب تم نے سن لیا۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وہ شخص واپس چلا گیا اور میں اس کو پہچانتا نہیں تھا اور نہ اس کے بعد اس شخص کے بارے میں کوئی آگاہی ہوئی۔

حضرت ابوبکر طمستانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: (اَلنِّعْمَةُ الْعُظْمٰی) ''سب سے بڑی نعمت اپنے نفس کے چنگل سے نکلنا ہے کیونکہ تمھارے اور اللہ عزوجل کے درمیان یہی سب سے بڑا حجاب ہے۔''

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''نفس اور خواہش کی مخالفت جیسی عبادت کوئی بندہ نہیں کرتا۔''

حضرت ابو عمر انماطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں سن رہا تھا۔ حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ اللہ عزوجل کے غضب کو کونسی چیز زیادہ قریب کرتی ہے؟''

انھوں نے فرمایا: ''اپنے نفس اور اس کے احوال کو اچھی نگاہ سے دیکھنا اور اس سے زیادہ سخت اپنے افعال پر معاوضہ کی اُمید رکھنا ہے۔''

انار کھانے کی خواہش

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: میں جبل لکام [1] کے اوپر تھا۔ میں نے وہاں انار دیکھا تو مجھے اس کی خواہش ہوئی۔ میں اس کے قریب ہوا اور وہاں سے ایک انار لیا۔ میں نے اس کو توڑا تو وہ تُرش نکلا۔ میں انار چھوڑ کر چلا گیا۔ پس میں نے ایک شخص کو زمین پر پڑا ہوا پایا جس پر بھڑیں اکٹھی ہوگئی تھیں۔ میں نے ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ'' کہا۔

اس نے کہا: وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا إِبْرَاهِيْمُ!''

میں نے پوچھا: ''تم نے مجھے کیسے پہچانا؟''

اس نے کہا جس شخص کو اللہ عزوجل کی پہچان حاصل ہو جائے اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہوتی۔

میں نے کہا: ''میں دیکھتا ہوں کہ اللہ عزوجل کے ہاں آپ کا ایک مقام ہے، اگر آپ اس سے سوال کریں کہ وہ آپ کو بھڑوں سے بچائے۔''

اس نے کہا: ''میرے خیال میں آپ کا بھی اللہ عزوجل کے ہاں ایک مرتبہ ہے اگر آپ اس سے درخواست کریں کہ وہ آپ کو انار کی خواہش سے بچائے (تو ایسا ممکن ہے) بے شک انار کے کاٹنے کا درد انسان آخرت میں پائے گا اور

[1] ''جبل الکام'' یہ انطاکیہ میں ایک عظیم پہاڑ ہے۔ (ابو حنظلہ محمد اجمل عطاری)

بھڑوں کے کاٹنے کا درد صرف دنیا میں ہوتا ہے۔"
فرماتے ہیں: "میں اس شخص کو چھوڑ کر آگے چلا گیا۔"

مسور کی دال کھانے کی سزا

حضرت ابراہیم بن شیبان رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے انھوں نے فرمایا: میں چالیس (40) سال تک چھت کے نیچے اور کسی ایسی جگہ نہیں سویا جس کو تالا لگا ہو اور بعض اوقات میں چاہتا کہ مجھے پیٹ بھر کر مسور کی دال مل جائے لیکن مجھے نہ ملتی۔ ایک دفعہ میں شام میں تھا تو مسور سے بھرا ہوا بڑا پیالہ میرے پاس لایا گیا۔ میں نے اس سے کھایا اور باہر نکلا۔ میں نے کچھ شیشیاں لٹکی ہوئی دیکھیں جن میں کچھ نمونے کی چیزیں تھیں۔ میں نے اسے سرکہ خیال کیا تو کسی شخص نے مجھ سے کہا تم کیا دیکھ رہے ہو یہ شراب کے نمونے ہیں اور ان مٹکوں میں بھی شراب ہے۔

میں نے اپنے دل میں کہا کہ مجھ پر ایک فرض عائد ہو گیا ہے لہٰذا میں شراب فروش کی دکان میں داخل ہو گیا اور تمام مٹکوں کو انڈیلتا گیا۔ وہ سمجھا کہ میں بادشاہ کے حکم سے انڈیل رہا ہوں۔ جب اسے اس بات کا علم ہوا تو وہ مجھے ابن طولون [1] کے پاس لے گیا۔ اس نے مجھے دوسو (200) کوڑے مارنے کا حکم دیا اور قید خانہ میں ڈال دیا۔ میں ایک عرصہ تک قید میں رہا حتیٰ کہ میرے استاذ ابوعبداللہ مغربی رحمۃ اللہ علیہ اس شہر میں تشریف لائے اور میری سفارش کی۔ جب ان کی نظر مجھ پر پڑی تو کہنے لگے تم نے کیا جرم کیا تھا؟

میں نے کہا میں نے پیٹ بھر کر مسور کی دال اور دوسو (200) کوڑے کھائے۔ انھوں نے فرمایا تم سستے چھوٹ گئے۔

چالیس (40) سال گاجر نہ کھائی

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میرا نفس تیس یا چالیس سال سے مجھ سے مطالبہ کر رہا ہے کہ میں ایک گاجر شہد میں ڈبو کر کھاؤں لیکن میں نے اس کی بات نہیں مانی۔

مخالفت نفس کے متعلق چند اقوال

حضرت سلمی رحمۃ اللہ علیہ کے دادا فرماتے تھے: بندے کی آفت اپنے نفس کے کاموں پر راضی ہونا ہے۔
حضرت حسین بن علی قرمسینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت عصام بن یوسف بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی چیز حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ

[1] ابن طولون مصر اور شام کے حاکم رہے۔ شجاع اور عادل تھے۔ 240ھ میں وفات پائی۔ قاہرہ میں ابن طولون کی مسجد بہت مشہور ہے۔ راقم کو جامعہ ازہر میں قیام کے دوران دو تین مرتبہ اس مسجد کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ ۱۲ ہزاروی

کے پاس بھیجی تو انھوں نے ان سے قبول کر لی۔ ان سے پوچھا گیا: (لِمَ قَبِلْتَهٗ) ”آپ نے کیوں قبول کی؟“

انھوں نے فرمایا: میں نے اس میں اپنے لیے ذلت اور ان کے لیے عزت پائی۔ جب کہ واپس لوٹانے میں میری عزت اور ان کی ذلت تھی پس میں نے ان کی عزت کو اپنی عزت پر اور اپنی ذلت کو ان کی ذلت پر ترجیح دی۔

کسی صوفی سے کسی نے پوچھا کہ میں سب لوگوں سے الگ ہو کر حج کرنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے فرمایا پہلے اپنے دل کو سہو (بھولنے) سے، نفس کو کھیل کود سے اور زبان کو لغو باتوں سے خالی کرو پھر جہاں چاہو جاؤ۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جس شخص نے رات کے وقت کوئی اچھا کام کیا اسے اس کے دن میں کفایت کی جاتی ہے (برائی سے بچ جاتا ہے) اور جس نے دن کے وقت کوئی اچھا کام کیا اسے رات کے وقت کفایت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور جو شخص اپنی خواہش کو چھوڑنے میں سچا ہو اللہ عزوجل اسے کفایت کرتا ہے۔ اللہ عزوجل اس بات سے بہت زیادہ کریم ہے کہ وہ ایسے دل کو سزا میں مبتلا کرے جس نے اس کی خاطر اپنی خواہش کو ترک کیا ہو۔

اللہ عزوجل نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی (ارشاد فرمایا): اے داؤد! اپنے اصحاب کو خواہشات کے مطابق کھانے سے ڈراؤ بے شک وہ دل جو دنیوی خواہشات میں لگے رہتے ہیں ان کی عقلیں مجھ سے پردے میں ہوتی ہیں۔

ایک شخص کو ہوا میں بیٹھا ہوا دیکھا گیا تو اس سے پوچھا گیا کہ تمھیں یہ مقام کیسے ملا؟

اس نے کہا: (تَرَكْتُ الْهَوٰى فَسُخِّرَلِىَ الْهَوَاءُ) ”میں نے خواہش کو چھوڑ دیا تو ہوا میرے لیے مسخر ہو گئی۔“

کہا گیا ہے کہ اگر مومن کے سامنے ایک ہزار (1000) خواہشیں بھی آئیں تو وہ خوف کی وجہ سے ان کو چھوڑ دیتا ہے اور اگر فاجر کے سامنے ایک خواہش بھی آئے تو وہ اس کے دل سے خوف کو نکال دیتی ہے۔

کہا گیا ہے کہ اپنی باگ خواہش کے ہاتھ میں نہ دے وہ تمھیں تاریکی کی طرف لے جائے گی۔

حضرت یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: دل سے خواہش کو صرف بے قرار کرنے والا خوف اور بے چین کرنے والا شوق ہی نکال سکتا ہے۔

حضرت خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جس شخص نے خواہش کو چھوڑ دیا پھر اس کے بدلے میں اسے کوئی چیز نہ ملی تو وہ خواہش کو ترک کرنے میں جھوٹا ہے۔

کھجور منگوا کر نہ کھائی

حضرت جعفر بن نُصیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے ایک درہم دیا اور فرمایا کہ اس سے میرے لیے وزیری انجیر خرید لاؤ۔ میں نے ان کے لیے انجیر خریدا۔ جب افطاری کا وقت ہوا تو انھوں نے اسے منہ میں رکھا پھر پھینک دیا اور رونے لگے اور فرمایا: اسے اُٹھا لو۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمانے لگے: میرے دل سے آواز آئی کہ

تجھے شرم نہیں آتی کہ ایک خواہش کو تو نے میرے لیے چھوڑا پھر تو اس کی طرف لوٹ آیا۔

اس سلسلے میں ان لوگوں نے یہ شعر پڑھا:

نُوْنُ الْهَوَانِ مِنَ الْهَوٰى مَسْرُوْقَةٌ
وَصَرِيْعُ كُلِّ هَوًى صَرِيْعُ هَوَانِ

* لفظ ہوان (ذلت) لفظ ہویٰ (خواہش) سے چرایا گیا جس کو خواہش نے پچھاڑا اسے ذلت گرا لیتی ہے۔

باب
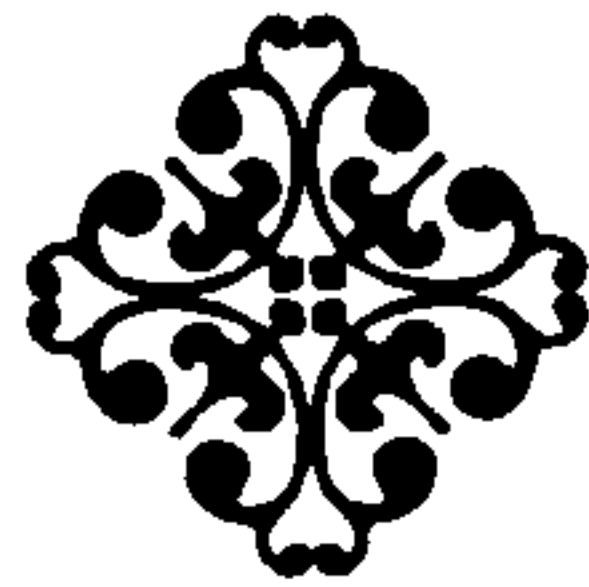
اخلاقِ مذمومہ

یاد رکھو! نفس کے کئی برے اخلاق ہیں جن میں سے ایک حسد ہے۔

حسد کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۙ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ﴾

''تم فرماؤ میں اس کی پناہ لیتا ہوں جو صبح کا پیدا کرنے والا ہے اس کی سب مخلوق کی شر سے۔''[1]

پھر فرمایا:

﴿وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝﴾

''اور حسد والے کے شر سے جب وہ مجھ سے جلے۔''[2]

چنانچہ اس تعویذ (اور دم) والی سورت کو حسد کے ذکر کے ساتھ ختم کیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((ثَلَاثٌ هُنَّ اَصْلُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ فَاتَّقُوْهُنَّ وَاحْذَرُوْهُنَّ)) ''تین باتیں ہر گناہ کی اصل ہیں ان سے ڈرو اور بچو۔''

① ((اِيَّاكُمْ وَالْكِبْرَ فَاِنَّ اِبْلِيْسَ حَمَلَهُ الْكِبْرُ عَلٰى اَنْ لَّا يَسْجُدَ لِاٰدَمَ))

''تکبر سے بچو کیونکہ ابلیس کو تکبر نے ہی حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ نہ کرنے پر ابھارا۔''

② ((اِيَّاكُمْ وَالْحِرْصَ فَاِنَّ اٰدَمَ حَمَلَهُ الْحِرْصُ عَلٰى اَنْ اَكَلَ مِنَ الشَّجَرَةِ))

''حرص سے بچو حضرت آدم علیہ السلام کو حرص نے ہی درخت سے کھانے پر آمادہ کیا۔''

---

[1] پارہ 30، الفلق 2-1، ترجمہ کنزالایمان

[2] پارہ 30، الفلق 5، ترجمہ کنزالایمان

③ ((إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَإِنَّ إِبْنَىْ اٰدَمَ إِنَّمَا قَتَلَ أَحَدُ هُمَا صَاحِبَهُ حَسَدًا))

''حسد سے بچو حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں (ہابیل اور قابیل) میں سے ایک نے دوسرے کو اسی حسد کی وجہ سے قتل کیا۔''[1]

بعض حضرات نے فرمایا: حسد کرنے والا انکار کرنے والا ہے کیونکہ وہ واحد ذات (اللہ عزوجل) کے فیصلے پر راضی نہیں ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ: (اَلْحَسُوْدُ لَا يَسُوْدُ) ''حاسد سردار نہیں بن سکتا۔''

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾

''تم فرماؤ میرے رب نے تو بے حیائیاں حرام فرمائی ہیں جو ان میں کھلی ہیں اور جو چھپی ہیں۔''[2]

کہا گیا کہ یہاں ''مَا بَطَنَ'' سے حسد مراد ہے۔

بعض کتب میں ہے کہ: (اَلْحَاسِدُ عَدُوٌّ نِعْمَتِیْ) ''حاسد میری نعمت کا دشمن ہے۔''

کہا گیا کہ حسد کا اثر تمھارے دشمن میں ظاہر ہونے سے پہلے خود تم میں ظاہر ہوگا۔

حسد اور حاسد کے بارے اقوال

حضرت اصمعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے ایک اعرابی کو دیکھا جس کی عمر ایک سو بیس (120) سال ہو چکی تھی۔ میں نے کہا ''تمھاری عمر کس قدر لمبی ہے؟''

اس نے جواب دیا کہ: (تَرَكْتُ الْحَسَدَ فَبَقِيْتُ) ''میں نے حسد ترک کر دیا لہٰذا باقی رہا۔''

حضرت ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ عزوجل کا شکر ہے کہ اس نے میرے امیر کے دل میں وہ بات نہیں ڈالی جو اس نے میرے حاسد کے دل میں ڈالی ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ پانچویں آسمان میں ایک فرشتہ ہے۔ جب کسی بندے کا عمل اس کے پاس سے گزرتا ہے جس کی روشنی سورج کی روشنی کی طرح ہوتی ہے تو فرشتہ کہتا ہے ''ذرا ٹھہر جا میں حسد کا فرشتہ ہوں میں اس عمل کو عمل کرنے والے کے منہ پر دے ماروں کیوں کہ وہ حاسد ہے۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: میں ہر شخص کو راضی کر سکتا ہوں سوائے حاسد کے۔ وہ تب راضی ہوگا جب

---

[1] اس کا حوالہ رسالہ قشیریہ ہی سے ملا ہے۔ (ابو حنظلہ محمد اجمل عطاری)

[2] پارہ8، الاعراف 33، ترجمہ کنزالایمان

میرے پاس موجود نعمت زائل ہو جائے۔

کہا جاتا ہے کہ حاسد ایسا ظالم ہوتا ہے کہ نہ وہ کسی چیز کو باقی رکھتا ہے اور نہ چھوڑتا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''میں نے حاسد سے بڑھ کر کسی ظالم کو مظلوم کے مشابہ نہیں دیکھا۔ اس کا غم دائمی اور نفس دوسروں کے پیچھے لگا رہتا ہے۔''

کہا گیا ہے کہ حاسد کی علامت یہ ہے کہ جب وہ تمھارے سامنے آئے تو چاپلوسی کرتا ہے اور جب چلا جائے تو غیبت کرتا ہے اور جب تم پر مصیبت نازل ہو تو خوش ہوتا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''برائی کی خصلتوں میں سے کوئی خصلت حسد سے بڑھ کر انصاف کرنے والی نہیں۔ وہ محسود (جس سے حسد کیا گیا) سے پہلے حاسد کو ہلاک کرتی ہے۔''

کہا گیا ہے کہ اللہ عزوجل نے حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میں آپ کو سات باتوں کا حکم دیتا ہوں: ''میرے نیک بندوں کی غیبت نہ کرنا اور ہرگز میرے بندوں میں سے کسی سے حسد نہ کرنا۔''

حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا ''اے میرے رب! مجھے کافی ہے۔''

کہا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو عرش کے قریب دیکھا تو اس پر رشک آیا۔ پوچھا اس شخص کی تعریف کیا ہے؟

کہا گیا: (كَانَ لَا يَحْسُدُ النَّاسَ عَلٰى مَا أَتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ) ''کہ اللہ عزوجل نے لوگوں کو جو اپنا فضل عطا کیا اس پر وہ ان سے حسد نہیں کرتا تھا۔''

کہا گیا ہے کہ حاسد جب (کسی کے پاس) نعمت دیکھتا ہے تو حیران ہو جاتا ہے اور جب کسی سے لغزش دیکھتا ہے تو اس پر خوش ہوتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ اگر تم حاسد سے بچنا چاہتے ہو تو اپنے امور کو اس پر مشتبہ بنا کر رکھو۔

کہتے ہیں حاسد اس شخص پر غضب ناک ہوتا ہے جس کا کوئی گناہ نہیں اور جو چیزیں اس کی ملکیت میں نہیں ان پر بخل کرتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ حاسد کو دوست بنانے کے لیے اپنے آپ کو تکلیف دو، وہ تمھارا احسان قبول نہیں کرے گا۔

اور کہا گیا ہے کہ جب اللہ عزوجل کسی بندے پر ایسا دشمن مسلط کرنا چاہتا ہے جو اس پر رحم نہ کرے تو اس پر حسد کرنے والے کو مسلط کر دیتا ہے۔ اس سلسلے میں یہ اشعار پڑھے جاتے ہیں:

وَحَسْبُكَ مِنْ حَادِثٍ بِامْرِئٍ
تَرٰى حَاسِدِيْهِ لَهٗ رَاحِمِيْنَا

* کسی انسان کے ساتھ یہ حادثہ کافی ہے کہ اس کے حاسد بھی اس پر رحم کھا رہے ہیں۔

كُلُّ الْعَدَاوَةِ قَدْ تُرْجٰى إِمَاتَتُهَا
إِلَّا عَدَاوَةُ مَنْ عَادَاكَ مِنْ حَسَدِ

* ہر قسم کی دشمنی کے مٹ جانے کی اُمید کی جا سکتی ہے مگر اس شخص کی دشمنی نہیں مٹ سکتی جو حسد کی وجہ سے تم سے دشمنی کرتا ہے۔

ابن المعتز رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

قُلْ لِلْحَسُوْدِ إِذَا تَنَفَّسَ طَعْنَةً
يَا ظَالِمًا وَّ كَأَنَّهٗ مَظْلُوْمٌ

* حاسد جب آہ بھرے تو کہو اے ظالم! تجھے نیزہ لگے حالانکہ وہ مظلوم دکھائی دیتا ہے۔

وَإِذَا أَرَادَ اللّٰهُ نَشْرَ فَضِيْلَةٍ
طُوِيَتْ أَتَاحَ لَهَا لِسَانَ حَسُوْدِ

یہ شعر بھی پڑھے گئے ہیں:

* جب اللہ تعالیٰ کوئی چھپی ہوئی فضیلت ظاہر کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے حاسد کی زبان کو ظاہر کر دیتا ہے۔

نفس کے مذموم اخلاق میں سے غیبت کو عادت بنالینا بھی ہے۔

باب
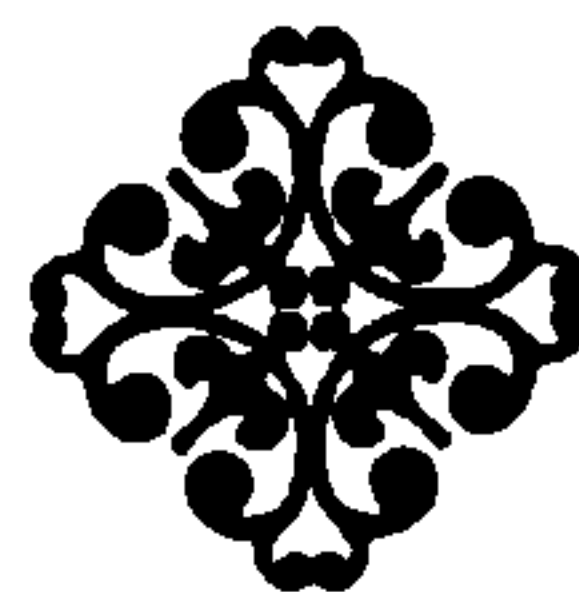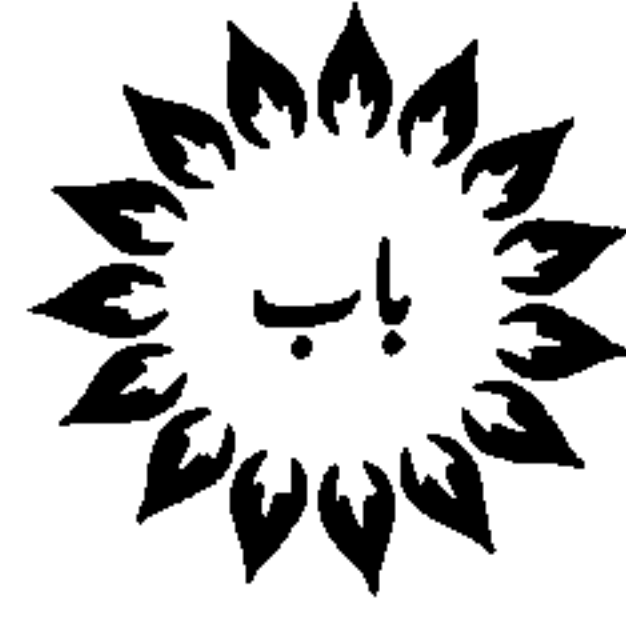
غیبت کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًاؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا﴾

''اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی پسند رکھے گا کہ اپنے مرے بھائی کا گوشت کھائے۔''[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور وہ پہلے حضور ﷺ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا فلاں کس قدر عاجز ہے اس پر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ((أَكَلْتُمْ أَخَاكُمْ وَاغْتَبْتُمُوْهُ)) ''تم نے اپنے بھائی کو کھایا اور اس کی غیبت کی ہے۔''[2]

اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ: (مَنْ مَّاتَ تَائِبًامِنَ الْغِيْبَةِفَهُوَ اٰخِرُ مَنْ يَّدْخُلُ الْجَنَّةَ وَمَنْ مَّاتَ مُصِرًّا عَلَيْهَا فَهُوَأَوَّلُ مَنْ يَّدْخُلُ النَّارَ) ''جو شخص غیبت سے توبہ کر کے فوت ہوا وہ سب سے آخر میں جنت میں جائے گا اور جو غیبت پر ڈٹا رہا اور مر گیا وہ جہنم میں سب سے پہلے داخل ہوگا۔''

حضرت عوف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا اور میں نے حجاج (ابن یوسف) کو بُرا بھلا کہا تو حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اللہ عزوجل عدل کرنے والا حاکم ہے وہ جس طرح (لوگوں کے حقوق) حجاج سے لے گا اسی طرح (لوگوں سے) حجاج کے حقوق بھی لے گا۔ اور کل (قیامت کے دن) جب تم اللہ عزوجل سے ملاقات کرو گے تو تمھارا چھوٹے سے چھوٹا گناہ حجاج کے بڑے سے بڑے گناہ سے بھی تمھارے لیے زیادہ سخت ہوگا۔

میں چلتا ہوں یہاں لوگ غیبت کرتے ہیں

کہا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کو ایک دعوت میں بلایا گیا تو آپ تشریف لے گئے۔ لوگوں نے وہاں ایک شخص کا ذکر کیا جو وہاں نہیں آیا تھا۔ لوگوں نے کہا وہ بھاری ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مجھ سے جو کچھ کیا ہے میرے نفس نے کیا ہے کیونکہ میں ایسی جگہ آ گیا ہوں جہاں لوگوں کی غیبت کی جا رہی ہے۔ پس آپ چلے

[1] پارہ 26 الحجرات 12، ترجمہ کنزالایمان

[2] الکامل فی الضعفاء، جلد 7، صفحہ: 416.

گئے اور تین دن تک کھانا نہیں کھایا۔

غیبت کرنے والے کی مثال

کہا گیا ہے کہ جو شخص لوگوں کی غیبت کرتا ہے اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو منجنیق نصب کرتا ہے، جس کے ساتھ وہ مشرق و مغرب میں اپنی نیکیوں کو نشانہ بنا رہا ہے۔ وہ کبھی خراسانی کی غیبت کرتا ہے اور کبھی کسی ترکی کی غیبت کرتا ہے۔ اس طرح وہ اپنی نیکیوں کو بکھیرتا ہے اور یوں کھڑا ہوتا ہے کہ اس کے پاس کچھ نہیں ہے۔

میرے اعمال کہاں گئے؟

کہا گیا ہے کہ جب قیامت کے دن بندے کا اعمال نامہ اسے دیا جائے گا اور وہ اس میں کوئی نیکی نہیں دیکھے گا تو کہے گا: (أَيْنَ صَلَاتِيْ وَصِيَامِيْ وَطَاعَتِيْ؟) ''میری نماز، میرے روزے اور میری اطاعت کہاں ہے؟''

کہا جائے گا: (ذَهَبَ عَمَلُكَ كُلُّهُ) ''تمھارا تمام عمل ختم ہو گیا (یعنی غیبت کی وجہ سے عمل ضائع ہو گیا)۔''

کہا گیا ہے کہ جب کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کی غیبت کرتا ہے تو جس کی غیبت کی گئی اللہ عزوجل اس کے نصف گناہ معاف فرما دیتا ہے۔

حضرت سفیان بن حسین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں حضرت ایاس بن معاویہ رحمہ اللہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور میں نے ایک شخص کے بارے میں باتیں کیں۔ انھوں نے پوچھا کیا تم نے اس سال ترکوں اور رومیوں کے خلاف جہاد کیا ہے؟

میں نے کہا نہیں۔

فرمایا: تم سے ترکی اور رومی تو بچ گئے لیکن تمھارا مسلمان بھائی تم سے نہ بچ سکا۔

جس کی غیبت کی گئی وہ فائدے میں ہے

کہا گیا ہے ایک شخص کو اس کا نامۂ اعمال دیا جائے گا۔ وہ اس میں ایسی نیکیاں دیکھے گا جو اس نے نہیں کی تھیں۔ کہا جائے گا یہ اس کے بدلے میں ہیں جو لوگوں نے تمھاری غیبت کی اور تمھیں پتہ نہ چل سکا۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ سے رسول اکرم ﷺ کے اس ارشادِ گرامی کے بارے میں پوچھا گیا: ((إِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ أَهْلَ الْبَيْتِ اللَّحِمِيْنَ)) ''اللہ عزوجل اس گھر والوں کو جو موٹے تازے ہیں پسند نہیں کرتا۔''

انھوں نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی غیبت کرتے ہیں، ان کے گوشت کھاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے پاس غیبت کا ذکر کیا گیا تو انھوں نے فرمایا: اگر میں کسی کی غیبت کرتا تو اپنے

والدین کی غیبت کرتا کیونکہ وہی میری نیکیوں کے زیادہ حق دار ہیں۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: چاہیے کہ مومن کو تجھ سے تین خصلتوں کی صورت میں حصہ ملے:
① اگر تم اس کو نفع نہیں دے سکتے تو نقصان بھی نہ پہنچاؤ۔ ② اگر اسے خوش نہیں کر سکتے تو غمگین بھی نہ کرو۔ ③ اگر اس کی تعریف نہیں کر سکتے تو مذمت بھی نہ کرو۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ فلاں شخص نے آپ کی غیبت کی ہے تو انھوں نے اس کے پاس حلوے کا تھال بھیجا اور فرمایا: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تم نے میرے پاس اپنی نیکیوں کا تحفہ بھیجا ہے پس میں نے اس کا بدلہ دیا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ أَلْقَى جِلْبَابَ الْحَيَاءِ عَنْ وَّجْهِهٖ فَلَا غِيْبَةَ لَهٗ))

"جو شخص اپنے چہرے سے حیاء کی چادر اتار دے اس کے بارے میں کچھ کہنا غیبت نہیں ہے۔"[1]

دل سے غیبت کرنے پر گرفت

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں شونزیہ مسجد میں ایک جنازے کے انتظار میں بیٹھا تھا اور بغداد والے درجہ بدرجہ بیٹھے ہوئے جنازہ کے منتظر تھے۔ میں نے ایک فقیر کو دیکھا جس پر عبادت کے آثار تھے اور وہ لوگوں سے مانگ رہا تھا۔ میں نے دل میں کہا اگر یہ کوئی ایسا عمل کرتا جس کی وجہ سے اپنے نفس کو محفوظ رکھتا تو اس کے لیے یہ زیادہ اچھی بات تھی۔

جب میں اپنے گھر واپس آیا اور رات کے "اوراد و وظائف" یعنی رونے، نماز پڑھنے وغیرہ میں مشغول ہوا تو میرے تمام وظائف مجھے بھاری معلوم ہوئے۔ میں نے بیٹھے بیٹھے صبح کر دی پس میری آنکھوں پر نیند کا غلبہ ہوا تو میں نے اس فقیر کو دیکھا لوگ اس فقیر کو ایک بچھے ہوئے دسترخوان پر میرے پاس لائے اور مجھ سے کہا! اس کا گوشت کھاؤ، تم نے اس کی غیبت کی ہے۔

مجھ پر حال منکشف ہوا تو میں نے کہا "میں نے اس کی غیبت نہیں کی، میں نے دل میں ایک بات کہی تھی"
مجھ سے کہا گیا تو ان لوگوں میں سے نہیں جن سے یہ بات پسند کی جائے۔ جا کر اس سے معافی مانگو۔

(فرماتے ہیں) صبح ہوئی تو میں نے چکر لگانا شروع کیا حتیٰ کہ میں نے اسے ایک جگہ دیکھا وہ پانی سے سبزی کے وہ پتے چن رہا ہے جو سبزی دھوتے وقت پانی میں گر جاتے ہیں۔ میں نے اسے سلام کیا۔ اس نے کہا:

[1] العلل المتناهية لابن الجوزي، جلد 2، صفحه :781.

''اے ابوالقاسم! کیا پھر ایسا کرو گے؟''
میں نے کہا: ''نہیں۔'' اس نے کہا:
''اللہ ﷻ ہمیں بخش دے۔''

غیبت کرنے والے کو کیسی سزا ملی؟

حضرت ابو جعفر بلخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہمارے پاس بلخ والوں میں سے ایک نوجوان تھا۔ وہ مجاہدہ اور عبادت کیا کرتا تھا لیکن وہ ہمیشہ لوگوں کی غیبت کرتا اور کہتا فلاں ایسا ہے، فلاں ایسا ہے، فلاں ایسا ہے۔ ایک دن میں نے اسے لوگوں کے کپڑے دھونے والے ہیجڑوں کے پاس سے نکلتے دیکھا۔ میں نے کہا ''اے فلاں تمھارا کیا حال ہے؟''

اس نے جواب دیا ''لوگوں کو برا کہنے کی یہ سزا ہے کہ مجھے اس حال میں ڈال دیا۔'' میں ان میں سے ایک ہیجڑے کی محبت میں مبتلا ہو گیا اور اس وجہ سے میں ان کی خدمت کرتا ہوں۔ اور وہ تمام احوال (جو مجھے بارگاہِ خداوندی سے ملے تھے) جاتے رہے۔ اللہ ﷻ سے دعا کرو کہ وہ مجھ پر رحم فرمائے۔

باب

قناعت کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ﴾

''جو اچھا کام کرے مرد ہو یا عورت اور ہو مسلمان تو ضرور ہم اسے اچھی زندگی جلائیں گے۔'' [1]

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلْقَنَاعَةُ كَنْزٌ لَّا يَفْنٰى))

''قناعت ایسا خزانہ ہے جو فنا نہیں ہوتا۔'' [2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كُن وَرِعًا تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ وَكُنْ قَنِعًا تَكُنْ أَشْكَرَ النَّاسِ وَأَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا وَّأَحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَكَ تَكُنْ مُسْلِمًا وَأَقِلَّ الضِّحْكَ فَإِنَّ كَثْرَةَ الضِّحْكِ تُمِيتُ الْقَلْبَ))

''پرہیزگار بن جاؤ لوگوں میں سے سب سے زیادہ عبادت گزار بن جاؤ گے، قناعت کرنے والے بنو سب لوگوں سے زیادہ شکرگزار ہو جاؤ گے، لوگوں کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے نفس کے لیے پسند کرتے ہو مومن ہو جاؤ گے، اپنے پڑوسیوں سے اچھی طرح پیش آؤ مسلمان کہلاؤ گے اور کم ہنسو بے شک زیادہ ہنسا دل کو مردہ کر دیتا ہے۔'' [3]

قناعت کے بارے اقوال

کہا گیا ہے کہ محتاج لوگ مردہ ہیں مگر جس شخص کو اللہ عزوجل قناعت کی عزت سے زندہ رکھے۔

---

[1] پارہ 14، النحل 97، ترجمہ کنزالایمان

[2] الترغیب والترھیب، کتاب الصدقات، باب القناعة، رقم الحدیث: 1223.

[3] سنن ابن ماجه، کتاب الزھد، باب الورع التقوی، رقم الحدیث: 4217.

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قناعت ایک فرشتہ ہے جو صرف مومن کے دل میں رہتا ہے۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''قناعت اور رضا کا آپس میں اسی طرح تعلق ہے جس طرح ورع کا زہد سے تعلق ہے۔ قناعت، رضا کا آغاز اور ورع زہد کا شروع ہے۔''

کہا گیا ہے کہ انسان جن چیزوں سے اُلفت رکھتا ہے ان کے نہ ہونے پر سکون کا پایا جانا قناعت ہے۔

حضرت ابو بکر مراغی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''عقل مند وہ ہے جو دنیوی امور کی تدبیر قناعت اور لیت ولعل سے کرے اور آخرت کی تدبیر حرص اور جلدی سے کرے اور دینی معاملات کی تدبیر علم اور کوشش سے کرے۔''

حضرت ابو عبد اللہ بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''مفقود چیز کی اُمید کو ترک کرنا اور موجود چیز کے ساتھ مال داری اختیار کرنا قناعت ہے۔''

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ﴾

''تو اللہ ضرور انھیں اچھی روزی دے گا۔''[1]

کی تفسیر میں بعض لوگوں نے کہا: ''اس سے قناعت مراد ہے۔''

حضرت محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (اَلْقَنْعَةُ: رِضَا النَّفْسِ بِمَا قُسِمَ لَهَا مِنَ الرِّزْقِ) ''قناعت یہ ہے کہ انسان کی قسمت میں جو رزق لکھا ہے اس پر اس کا نفس راضی رہے۔''

یہ بھی کہا گیا ہے کہ قناعت، موجود پر اکتفاء کرنا اور جو حاصل نہیں اس کی طمع نہ کرنا ہے۔

حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''عزت اور مال داری دونوں دوست کی تلاش میں نکلیں دونوں کی قناعت سے ملاقات ہو گئی تو وہ ٹھہر گئیں۔''

کہا گیا ہے کہ جس کسی میں قناعت زیادہ پائی جائے اسے ہر قسم کا شوربہ اچھا لگتا ہے اور جو شخص ہر حال میں اللہ عزوجل کی طرف رجوع کرتا ہے اللہ عزوجل اسے قناعت کی دولت سے مالا مال کرتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ ابو حازم رحمۃ اللہ علیہ ایک قصاب کے پاس سے گزرے جس کے پاس موٹا گوشت تھا۔

اُس نے کہا: ''اے ابو حازم لے لیجیے یہ موٹا گوشت ہے۔''

انھوں نے فرمایا ''میرے پاس درہم نہیں۔'' اس نے کہا میں ''آپ کو مہلت دیتا ہوں'' انھوں نے فرمایا: ''میرا نفس مجھے تم سے اچھی مہلت دے گا۔''

---

[1] پارہ 17، الحج 58، ترجمہ کنز الایمان

کسی صوفی سے پوچھا گیا لوگوں میں سے سب سے زیادہ قناعت والا کون ہے؟ انھوں نے جواب دیا ''جو لوگوں کی مدد زیادہ کرتا ہے اور ان کو تکلیف کم دیتا ہے۔''

زبور میں ہے: (اَلْقَانِعُ غَنِیٌّ وَاِنْ کَانَ جَائِعًا) ''کہ قناعت کرنے والا مالدار ہے اگر چہ وہ بھوکا ہو۔''

کہا گیا ہے کہ اللہ ﷻ نے پانچ اشیاء کو پانچ جگہوں میں رکھا ہے:

(① اَلْعِزُّ فِی الطَّاعَةِ ② اَلذِّلُّ فِی الْمَعْصِیَةِ ③ اَلْهَیْبَةُ فِیْ قِیَامِ الَّیْلِ ④ اَلْحِکْمَةُ فِی الْبَطْنِ الْخَالِیْ ⑤ وَالْغِنٰی فِی الْقَنَاعَةِ)

''① عزت کو عبادت میں، ② ذلت کو نافرمانی میں، ③ ہیبت کو رات کے قیام میں، ④ حکمت کو خالی پیٹ (کم کھانے) میں ⑤ مالداری کو قناعت میں۔''

حضرت ابراہیم مارستانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''اپنی حرص سے قناعت کے ذریعے انتقام لو جس طرح تم اپنے دشمن سے قصاص کے ذریعے بدلہ لیتے ہو۔''

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''جو شخص قناعت اختیار کرتا ہے وہ اہل زمانہ سے آرام پاتا ہے اور اپنے ساتھیوں سے سبقت لے جاتا ہے۔''

اور کہا گیا ہے کہ جو شخص قناعت اختیار کرتا ہے وہ زمانے کی مشغولیت سے آرام پاتا ہے اور تمام لوگوں سے سبقت لے جاتا ہے۔

حضرت کتانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''جو شخص حرص کو قناعت کے بدلے میں فروخت کر دے وہ عزت اور مروّت کے ساتھ کامیابی حاصل کرتا ہے۔''

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو شخص لوگوں کے مال پر نظر رکھتا ہے اس کا غم بڑھ جاتا ہے۔

اس سلسلے میں انھوں نے یہ شعر پڑھا:

وَأَحْسَنُ بِالْفَتٰی مِنْ یَوْمِ عَارٍ
یَنَالُ بِهٖ الْغِنٰی کَرَمٌ وَجُوْعٌ

* انسان کے لیے اس عار والے دن سے جس میں وہ مال داری حاصل کرے، کرم اور بھوک زیادہ بہتر ہے۔

کہا گیا ہے کہ ایک شخص نے ایک دانا کو دیکھا کہ جو سبزی پانی کے اوپر گری پڑی تھی وہ اسے کھا رہا تھا۔ اس نے کہا ''اگر تو بادشاہ کی خدمت کرتا تو یہ چیز کھانے کا محتاج نہ ہوتا۔''

دانا آدمی نے کہا ''اگر تو اس پر قناعت کرتا تو تجھے بادشاہ کی خدمت کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔''

کہا گیا ہے کہ عقاب اپنے اڑنے کے مقام پر عزت والا ہوتا ہے، کسی شکاری کی نگاہ اور طمع اس کی طرف نہیں اٹھتی اور جب وہ کسی ایسے مردار کی طمع کرتا ہے جو کسی جال میں پھنسا ہوا ہے اور اپنے اڑنے کے مقام سے نیچے اُتر آتا ہے تو وہ خود اس جال میں پھنس جاتا ہے۔

کہا گیا ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طمع کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ۝﴾ ''تم چاہتے تو اس پر کچھ مزدوری لے لیتے۔''[1]

تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا:

﴿هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ﴾ ''یہ میری اور آپ کی جدائی ہے۔''[2]

کہا گیا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ کلمات کہے تو حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہ السلام کے درمیان ایک ہرن کھڑا ہو گیا اور وہ دونوں بھوک سے تھے۔ اس ہرن کا جو پہلو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف تھا وہ بھنا ہوا نہیں تھا اور جو پہلو خضر علیہ السلام کی طرف تھا وہ بھنا ہوا تھا۔[3]

ارشادِ خداوندی: ﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝﴾ ''بے شک نیکوکار ضرور چین میں ہیں۔''[4]

تو اس سے مراد دنیا میں قناعت ہے۔

اور ارشادِ خداوندی ہے: ﴿وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ۝﴾ ''اور بے شک بدکار ضرور دوزخ میں ہیں۔''[5]

اور کہا گیا:

﴿فَكُّ رَقَبَةٍ ۝﴾ ''کسی بندے کی گردن چھڑانا۔''[6]

یعنی طمع کی ذلت سے گردن چھڑانا۔

ارشادِ خداوندی ہے:

---

[1] پارہ 16، الکہف 77، ترجمہ کنزالایمان

[2] پارہ 16، الکہف 77، ترجمہ کنزالایمان

[3] اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے مظاہر دکھاتا ہے۔ شرح نتائج الافکار القدسیہ، حصہ 3، صفحہ: 79 میں ہے کہ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُجرت کا ذکر کیا تھا لہٰذا طمع کی وجہ سے ان کی جانب بھنی ہوئی نہ تھی۔ جب کہ دوسری طرف طمع نہ تھی۔ لہٰذا وہ جانب بھنی ہوئی تھی۔ اگر یہ واقعہ درست ہے تو اُمت کی تعلیم کے لیے ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[4] پارہ 30، الانفطار 13، ترجمہ کنزالایمان

[5] پارہ 30، الانفطار 14، ترجمہ کنزالایمان

[6] پارہ 30، البلد 13، کنز الایمان

﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ﴾

''اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے۔''[1]

اس (ناپاکی) سے مراد بخل اور طمع ہے۔ اور (وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا) ''تمھیں خوب پاک کر دے، سے مراد سخاوت اور ایثار ہے۔''

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَھَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ ج﴾

''عرض کی اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر کہ میرے بعد کسی کو لائق نہ ہو۔''[2]

یعنی قناعت میں وہ مقامات عطا فرما جن میں میں دوسروں سے ممتاز ہوں اور تیری قضاء پر راضی رہوں۔

کہا گیا ہے کہ ارشادِ خداوندی:

﴿لَاُعَذِّبَنَّہٗ عَذَابًا شَدِیْدًا﴾

''ضرور میں اسے سخت عذاب دوں گا۔''[3]

یعنی اس سے قناعت کو سلب کر لوں گا اور اسے طمع میں مبتلا کر دوں گا یعنی اللہ عزوجل سے سوال کروں گا کہ وہ اس کے ساتھ یہ سلوک کرے۔

حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ کو مقام کیسے ملا؟

حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ جس مقام تک پہنچے ہیں وہاں تک کیسے پہنچے؟

انھوں نے فرمایا: ''میں نے دنیا کے سامان کو جمع کر کے قناعت کی رسی کے ساتھ باندھ دیا اور اس کو سچ کی منجنیق میں رکھ کر نا اُمیدی کے سمندر میں پھینک دیا پس مجھے سکون مل گیا۔''

ایک حریص شخص کی سخاوت کا واقعہ

حضرت عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں حج کے دنوں میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور ان

[1] پارہ 22، الاحزاب 33، ترجمہ کنزالایمان
[2] پارہ 23، ص 35، ترجمہ کنزالایمان
[3] پارہ 19، النمل 21، ترجمہ کنزالایمان

کے گرد عجمیوں اور مولّدین [1] کا ایک بہت بڑا گروہ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص پانچ سو(500) دینار لے کر آیا اور آپ کے سامنے رکھ دیے اور کہا ان فقراء پر تقسیم کر دیجیے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: ''تمھارے پاس اس کے علاوہ کچھ ہے؟''

اس نے کہا: ''ہاں بہت دینار ہیں۔''

آپ نے پوچھا: ''کیا تو ان کے علاوہ بھی لینا چاہتا ہے۔''

اس نے کہا: ''جی ہاں!''

آپ نے فرمایا: ''یہ اُٹھا لو ہمارے مقابلے میں تم ان کے زیادہ محتاج ہو (یعنی تم حریص ہو)'' اور آپ نے (وہ دینار) قبول نہ فرمائے۔

[1] جس بچے کا باپ عربی اور ماں عجمی ہو اسے ''مولّد'' کہتے ہیں۔ یہاں یہی مراد ہے ورنہ نو پید بچے کو بھی ''مولد'' کہتے ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

باب

توکّل کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ط﴾

''اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے۔''[1]

اور ارشاد فرمایا:

﴿قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ط وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ط وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ○﴾

''ان کے رسولوں نے ان سے کہا ہم ہیں تو تمھاری طرح انسان مگر اللہ اپنے بندوں میں جس پر چاہے احسان فرماتا ہے اور ہمارا کام نہیں کہ ہم تمھارے پاس کچھ سند لے آئیں مگر اللہ کے حکم سے اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ چاہیے۔''[2]

اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ج فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غَالِبُوْنَ ۵ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾

''دو مرد کہ اللہ سے ڈرنے والوں میں سے تھے اللہ نے انھیں نوازا بولے کہ زبردستی دروازے میں ان پر داخل ہو اگر تم دروازے میں داخل ہو گئے تو تمھارا ہی غلبہ ہے اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو اگر تمھیں ایمان ہے۔''[3]

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] پارہ 28، الطلاق 3، ترجمہ کنزالایمان

[2] پارہ 13، ابراھیم 11، ترجمہ کنزالایمان

[3] پارہ 6، المائدہ 23، ترجمہ کنزالایمان

((أُرِيتُ الْأُمَمَ بِالْمَوْسِمِ فَرَأَيْتُ أُمَّتِيْ قَدْ مَلَأُوْا السَّهْلَ وَالْجَبَلَ فَأَعْجَبَنِيْ كَثْرَتُهُمْ وَهَيْئَتُهُمْ فَقِيْلَ لِيْ أَرَضِيْتَ؟ فَقُلْتُ نَعَمْ قَالَ وَمَعَ هٰؤُلَاءِ سَبْعُوْنَ أَلْفًا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ وَلَا يَكْتَوُوْنَ وَلَا يَتَطَيَّرُوْنَ وَلَا يَسْتَرْقُوْنَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ))

”فَقَامَ عُكَاشَةُ بْنُ مِحْصَنِ الْأَسَدِيُّ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، أُدْعُ أَنْ يَّجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَللّٰهُمَّ اجْعَلْ مِنْهُمْ فَقَامَ اٰخَرُ فَقَالَ أُدْعُ اللّٰهَ أَنْ يَّجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ فَقَالَ سَبَقَكَ بِهَا عُكَاشَةُ۔“

”مجھے حج کے موسم میں تمام امتیں دکھائی گئیں تو میں نے اپنی امت کو دیکھا کہ انھوں نے میدانوں اور پہاڑوں کو بھر لیا ہے مجھے ان کی کثرت اور ان کی ہیئت بہت پسند آئی۔ مجھ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ راضی ہیں؟ میں نے کہا جی ہاں۔ فرمایا: ان کے ساتھ ستر ہزار (70,000) اور ہیں جو کسی حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ لوگ داغ نہیں لگاتے، بدفالی نہیں لیتے، نہ جھاڑ پھونک کرتے ہیں اور وہ اپنے رب پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔ [1]

حضرت عکاشہ بن محصن اسدی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! اللہ عزوجل سے دعا کیجیے کہ وہ مجھے بھی ان میں سے کر دے۔“ رسول اکرم ﷺ نے دعا کی ”یا اللہ! ان کو بھی ان میں سے کر دے۔“ ایک اور صحابی کھڑے ہوئے اور عرض کیا ”دعا کیجیے کہ اللہ عزوجل مجھے بھی ان میں سے کر دے۔“ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ”عکاشہ رضی اللہ عنہ تم سے سبقت لے گئے ہیں۔“ [2]

توکل کے بارے اقوال

حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: متوکل کی تین علامات ہیں۔ ① (لَا يَسْئَلُ) ”سوال نہیں کرتا“ ② (وَلَا يَرُدُّ)

---

[1] جھاڑ پھونک یعنی دم کرانا اور تعویذ باندھنا منع نہیں یہاں اعلیٰ درجہ کے لوگوں کا ذکر ہے۔ ۱۲ہزاروی

[2] صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب یدخل الجنة سبعون الفا بغیر حساب، رقم الحدیث: 6541، کتاب الطب، باب من لم یرق، رقم الحدیث: 5752، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی دخول طوائف من المسلمین الجنة بغیر حساب ولا عذاب، رقم الحدیث: 218، جامع ترمذی، کتاب القیامة، باب نمبر 16، رقم الحدیث: 2446، سنن دارمی، کتاب الرقاق، باب یدخل الجنة سبعون الفا، رقم الحدیث: 2849. یعنی اس بات میں حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ تم سے سبقت لے گئے گویا آپ کو اس مجلس میں صرف ایک کے لیے دعا کی اجازت دی گئی تھی اور کوئی دوسرا شخص اس منصب کا مستحق نہ تھا لیکن اس کے باوجود آپ نے اس کو یہ کہنا مناسب نہ سمجھا کہ تم اس کے مستحق نہیں ہو۔ یہ بھی کہا گیا کہ وہ منافق تھا تو آپ نے اپنے اخلاق حسنہ کے مطابق جواب دیا۔ بہتر جواب یہ ہے کہ وحی کے ذریعے حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی سبقت معلوم ہوئی اور یہ بات کسی دوسرے کے لیے نہ تھی۔ یہ قول اس بنیاد پر ہے کہ دوسرے شخص حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تھے (لمعات)۔ ۱۲ہزاروی

کسی چیز کو رد بھی نہیں کرتا (یعنی جب کوئی اسے دے) اور ③ (وَلَا يَحْبِسُ) اپنے پاس روکتا بھی نہیں۔ [1]

حضرت ابو موسیٰ دیبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ ''توکل کیا ہے؟'' انھوں نے فرمایا: ''تمھاری رائے کیا ہے؟'' میں نے کہا ہمارے اصحاب کہتے ہیں اگر درندے اور سانپ تمھارے دائیں اور بائیں ہوں تب بھی تمھارے باطن میں کوئی حرکت پیدا نہ ہو۔

حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''ہاں تقریباً یہی بات ہے، لیکن اگر اہل جنت، جنت میں لطف اندوز ہو رہے ہوں اور جہنمیوں کو جہنم میں عذاب دیا جا رہا ہو پھر تم ان دونوں میں امتیاز کرنے لگو تو تم توکل سے نکل جاؤ گے۔''

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''توکل کا پہلا مقام یہ ہے کہ بندہ اللہ عزوجل کے سامنے اس طرح ہو جس طرح مردہ غسل دینے والے کے سامنے ہوتا ہے۔ وہ اسے جس طرح چاہے اُلٹ پلٹ کرتا ہے اس (میت) کے لیے کوئی حرکت اور کوئی تدبیر نہیں ہوتی۔''

حضرت حمدون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (أَلتَّوَكُّلُ: هُوَ الْإِعْتِصَامُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى) ''توکل اللہ عزوجل کے ساتھ مضبوط تعلق کا نام ہے۔''

حضرت احمد خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ایک شخص نے حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا آپ کہاں سے کھاتے ہیں؟ انھوں نے یہ آیت پڑھی:

﴿هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْاؕ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ۝﴾

''وہی ہیں جو کہتے ہیں کہ ان پر خرچ نہ کرو جو رسول اللہ کے پاس ہیں یہاں تک کہ پریشان ہو جائیں اور اللہ ہی کے لیے ہیں آسمانوں اور زمین کے خزانے مگر منافقوں کو سمجھ نہیں۔'' [2]

جان لو! توکل کا محل دل ہے اور جب یہ بات (دل میں) جاگزیں ہو جائے کہ تقدیر اللہ عزوجل کی طرف سے ہے پس اگر کوئی چیز مشکل ہو تو وہ اس کی تقدیر سے ہوتی ہے اور اگر کوئی چیز حاصل ہو تو وہ اس کے آسان کرنے سے حاصل ہوتی ہے تو اس صورت میں ظاہری حرکت قلبی توکل کے خلاف نہیں ہوتی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ایک شخص اپنی اونٹنی پر (سوار) آیا اور عرض کیا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس کو کھلا چھوڑ کر توکل کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] اس کو آسان لفظوں میں حضرت فضیلۃ الشیخ خلیفۂ اعلیٰ حضرت قطب مدینہ ضیاء الدین مدنی رحمۃ اللہ علیہ یوں فرماتے تھے: طمع نہیں، منع نہیں اور جمع نہیں۔ (ابو حنظلہ محمد اجمل عطاری) [2] پارہ 28، المنافقون 7، ترجمہ کنز الایمان

((اِعْقِلْهَا وَ تَوَكَّلْ)) ''اس کو باندھ کر توکل کرو۔''[1]

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جس کا توکل اپنی ذات پر صحیح ہے اس کا توکل اس کے غیر پر بھی صحیح ہے (یعنی اسباب اختیار کر کے توکل کرو)۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی ایک کہتا ہے میں نے اللہ عزوجل پر توکل کیا حالانکہ وہ اللہ عزوجل پر جھوٹ باندھتا ہے۔ اگر وہ اللہ عزوجل پر توکل کرتا تو اس بات پر راضی ہوتا جو اللہ عزوجل اس کے ساتھ کرتا ہے۔''

حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ: (مَتٰى يَكُوْنُ الرَّجُلُ مُتَوَكِّلًا؟) ''آدمی متوکل کب ہوتا ہے؟'' انھوں نے فرمایا: (إِذَا رَضِىَ بِاللّٰهِ تَعَالٰى وَكِيْلًا) ''جب وہ اللہ عزوجل کو اپنا وکیل (کارساز) بنانے پر راضی ہو۔''

شہروں سے تعلق ختم کرلو

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں جنگل میں چل رہا تھا کہ اچانک آواز سنائی دی۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوا تو ایک دیہاتی جا رہا تھا اس نے مجھ سے کہا اے ابراہیم! توکل ہمارے پاس ہے، ہمارے پاس ٹھہریئے تاکہ آپ کا توکل صحیح ہو جائے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کا کسی ایسے شہر میں داخل ہونے کی اُمید کرنا جہاں طرح طرح کے کھانے ہیں آپ کو اس شہر میں داخل ہونے کی ترغیب دیتی ہے۔ شہروں سے اُمید کو منقطع کرلو اور توکل کرو۔''

توکل کی حقیقت

حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے توکل کی حقیقت کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''سخت فاقہ کی صورت میں بھی تم اسباب کی طرف بے چینی کا اظہار نہ کرو اور اسباب کو اختیار کرنے کے باوجود حق کے ساتھ حاصل ہونے والا سکون تم سے زائل نہ ہو (یہ توکل کی حقیقت ہے)۔

حضرت ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: توکل کی شرط وہ بات ہے جو حضرت ابوتراب نخشبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی۔ وہ یہ کہ بدن کو بندگی میں لگانا، دل کا تعلق ربوبیت سے قائم کرنا، اللہ عزوجل کے کافی بدلنے پر مطمئن ہونا، اگر وہ عطا کرے تو شکر کرے اور اگر وہ روک دے تو صبر کرے۔

اور جس طرح حضرت ذوالنون (مصری) رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''نفس کی تدبیر کو چھوڑنا اور اپنی قوت و طاقت سے نکل جانا

---

[1] جامع ترمذی، کتاب القیامۃ، باب 60، رقم الحدیث: 2511.

توکل ہے۔ بندے کو توکل پر قوت اُس وقت حاصل ہوتی ہے جب اسے اس بات کا یقین ہو جائے کہ اللہ ﷻ اس کی ہر بات کو جانتا اور دیکھتا ہے۔"

حضرت ابو جعفر بن اُبی فرج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے ایک شخص کو دیکھا جو "جمل عائشہ" اور شاطر کے نام سے مشہور تھا۔ اسے کوڑے لگائے جاتے تھے۔ میں نے اس سے پوچھا "تمھیں اس مار کی تکلیف کب آسان معلوم ہوتی ہے؟"

اس نے کہا "وہ شخص جس کی خاطر ہمیں مارا جاتا ہے، ہمیں دیکھ رہا ہو۔"

حضرت حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ نے ان سفروں اور جنگلوں کو طے کرنے کے دوران کیا کام کیا؟

انھوں نے فرمایا: "میں توکل میں رہا تا کہ میں اپنے نفس کو توکل پر صحیح رکھوں۔"

حضرت حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: "آپ نے اپنی عمر اپنے باطن کو آباد کرنے میں گزار دی، توحید میں اپنے آپ کو فنا کرنا کہاں گیا؟"

حضرت ابو نصر سراج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے توکل وہ ہے جو حضرت ابو بکر دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا وہ یہ کہ زندگی کی فکر ایک دن تک چھوڑنا اور کل کی فکر نہ کرنا۔ پھر فرمایا: یہ ایسا ہے جیسے حضرت سہل بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "توکل یہ ہے کہ جو کچھ اللہ ﷻ چاہے تم اس پر خوشی اور اُنس محسوس کرو۔"

حضرت ابو یعقوب نہر جوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: "کمالِ حقیقت کے ساتھ اللہ ﷻ پر توکل وہی تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے اس وقت واقع ہوا جب حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ سے کوئی حاجت نہیں کیونکہ اس وقت ان کا نفس اللہ ﷻ کے ساتھ غائب تھا پس انھوں نے اللہ ﷻ کے ساتھ اس کے غیر کو نہ دیکھا۔ [1]

توکل کیا ہے؟

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی شخص نے پوچھا کہ توکل کیا ہے؟

انھوں نے فرمایا: "(اللہ ﷻ کے سوا) تمام خداؤں سے قطع تعلق کرنا اور اسباب سے بھی تعلق ختم کر دینا" سوال کرنے والے نے کہا کچھ اور بتائیے۔ انھوں نے فرمایا: "نفس کو بندگی میں ڈال دینا اور رب بننے سے باز رہنا۔"

حضرت حمدون قصار رحمۃ اللہ علیہ سے توکل کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: "اگر تمھارے پاس ایک ہزار

---

[1] یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ کو آگ میں ڈالا گیا تھا۔ ۱۲ ہزاروی

(1000) درہم ہوں اور تم پر ایک دانق قرض ہو تو تم اس بات کا خوف رکھو کہ تم اس حال میں دنیا سے رخصت ہو کہ وہ قرض تمھارے ذمہ ہو۔[1] اور اگر تم پر ایک ہزار (1000) درہم قرض ہو اور اس کی ادائیگی کے لیے کچھ نہ چھوڑو تو تم اس بات سے مایوس نہ ہو کہ اللہ عزوجل اس کی ادائیگی کا انتظام فرما دے گا۔

حضرت ابوعبداللہ قرشی رحمۃ اللہ علیہ سے توکل کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''ہر وقت اللہ عزوجل سے تعلق قائم رہنا توکل ہے۔'' سائل نے کہا کچھ اور بتایئے۔ انھوں نے فرمایا: ''تم ہر اس سبب کو ترک کر دو جو کسی دوسرے سبب تک پہنچائے حتیٰ کہ خود حق تعالیٰ اس سبب کا والی بن جائے۔''

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''توکل، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال تھا اور کسب کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ پس جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حال پر رہے اُسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔''

حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''توکل کا مطلب یہ ہے کہ سکون کے بغیر اضطراب اور اضطراب کے بغیر سکون ہو۔''

یہ بھی کہا گیا ہے کہ: (اَلتَّوَكُّلُ اَنْ يَسْتَوِيَ عِنْدَكَ الْإِكْثَارُ وَالتَّقَلُّلُ) ''جب تمھارے نزدیک قلیل و کثیر برابر ہوں تو یہ توکل ہے۔''

حضرت ابن مسروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اللہ عزوجل کے فیصلے اور احکام کے سامنے سر جھکانا توکل ہے۔''

حضرت ابوعثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اللہ عزوجل پر اعتماد کرتے ہوئے اسی پر اکتفا کرنا توکل ہے۔''

حضرت حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''سچا متوکل وہ ہے جب شہر میں اس سے زیادہ حق دار ہو تو وہ نہیں کھاتا۔''

میں خضر علیہ السلام کے ساتھ نہیں رہوں گا

حضرت عمر بن سنان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ ہمارے پاس سے گزرے تو ہم نے کہا آپ نے اپنے سفروں کے دوران جو سب سے عجیب بات دیکھی ہے وہ ہمیں بتائیں۔ انھوں نے فرمایا: حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے مجھ سے میرے ساتھ رہنے کا مطالبہ کیا۔ مجھے ڈر ہوا کہ کہیں ان کے پاس اطمینان کے ساتھ رہنے سے میرا توکل نہ خراب ہو جائے تو میں نے ان سے جدائی اختیار کر لی۔

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے توکل کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''متوکل وہ شخص ہے جس کا دل

[1] اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرض کی ادائیگی نہ کی جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ عزوجل پر توکل کرو۔ ۱۲ ہزاروی

کسی دوسرے تعلق کے بغیر اللہ عزوجل کے ساتھ زندہ رہے۔"

توکل کے درجات

حضرت استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: متوکل کے تین درجات ہیں: ① توکل، ② پھر تسلیم، ③ اس کے بعد تفویض۔

متوکل کو اللہ عزوجل کے وعدے پر اطمینان ہوتا ہے اور صاحبِ تسلیم اللہ عزوجل کے اس کے بارے میں علم پر اکتفاء کرتا ہے اور صاحبِ تفویض اس کے فیصلے پر راضی ہو جاتا ہے۔

انھوں نے ہی فرمایا: توکل ابتداء ہے، تسلیم واسطہ ہے اور تفویض انتہاء ہے۔

توکل والوں کے اقوال

حضرت دقاق رحمۃ اللہ علیہ سے توکل کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: "کسی طمع کے بغیر کھانا (توکل ہے)۔"

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "اونی لباس پہننا دکان کی مثل ہے اور زہد کے بارے میں کلام کرنا پیشہ وری اور قافلوں کے ساتھ چلنا اسباب کو اختیار کرنا ہے۔ اور یہ تمام باتیں اسباب اور غیر اللہ سے متعلق ہیں۔"

ایک شخص حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور اولاد کے زیادہ ہونے کی شکایت کی۔ انھوں نے فرمایا: "اپنے گھر واپس جاؤ اور جن کا رزق اللہ عزوجل کے ذمہ کرم پر نہیں ان سب کو نکال دو۔"

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "جس نے محنت پر طعن کیا اس نے سنت پر طعن کیا اور جس نے توکل پر طعن کیا اس نے ایمان پر طعن کیا۔"[1]

توکل کیا ہے؟

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ کے راستے میں تھا کہ میں نے ایک وحشی کو دیکھا۔ میں نے پوچھا: "تم جن ہو یا انسان؟" اس نے کہا: "جن ہوں۔" میں نے پوچھا: "کہاں جا رہے ہو؟" اس نے کہا: "مکہ مکرمہ کی طرف جا رہا ہوں۔" میں نے کہا: "زادِ راہ کے بغیر؟"

اس نے کہا: "ہم میں سے بعض ایسے لوگ ہیں جو توکل کی بنیاد پر سفر کرتے ہیں۔"

میں نے پوچھا: "توکل کیا ہے؟" اس نے کہا: "اللہ عزوجل سے کوئی چیز لینا۔"

---

[1] یعنی محنت کرنا اور پھر اللہ عزوجل پر توکل کرنا چاہئے، محنت کو چھوڑنا سنت کو ترک کرنا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

سوئی، دھاگہ، قینچی اور توکل

حضرت فرغانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ توکل میں یکتا تھے اور اس سلسلے میں وہ بہت باریک باتیں کرتے تھے۔ اس کے باوجود وہ ہمیشہ اپنے ساتھ سوئی دھاگہ، لوٹا اور قینچی رکھتے تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ اے ابو اسحاق! آپ یہ چیزیں کیوں اٹھائے پھرتے ہیں حالانکہ آپ ہر چیز سے اپنے آپ کو روکتے ہیں؟

انھوں نے فرمایا: ''اس قسم کے کاموں سے توکل نہیں ٹوٹتا کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ہمارے ذمہ فرائض ہیں اور فقیر کے پاس صرف ایک کپڑا ہوتا ہے پس بعض اوقات کپڑا پھٹ جاتا ہے۔ اگر اس کے پاس سوئی اور دھاگہ نہیں ہوگا تو ستر کھل جائے گا اور اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر اس کے پاس لوٹا نہیں ہوگا تو طہارت فاسد ہوگی پس جب تم کسی فقیر کو لوٹے، سوئی اور دھاگے کے بغیر دیکھو تو جان لو کہ اس کی نماز کی کیا صورت ہوگی۔

توکل کے بارے اقوال

حضرت استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''توکل مؤمنوں کی صفت ہے، تسلیم اولیاء کرام کی صفت ہے اور تفویض موحدین کی صفت ہے۔ لہٰذا توکل عوام کی صفت، تسلیم خاص لوگوں کی صفت اور تفویض خاص الخاص لوگوں کی صفت ہے۔'' اور یہی فرماتے تھے: ''توکل انبیاء کرام علیہم السلام کی صفت ہے، تسلیم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفت اور تفویض ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے۔''

حضرت ابوجعفر حدّاد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے وہ فرماتے تھے: ''میں دس (10) سال سے زائد عرصہ اس طرح رہا کہ میں توکل کا اعتقاد رکھنے کے باوجود بازار میں کام کرتا اور ہر دن مزدوری لیتا مگر اس میں سے پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پیتا اور حمام کی اجرت بھی نہ لیتا۔ لیکن میں اپنی مزدوری (کی رقم) شونزیہ کے فقراء کے پاس لے جاتا اور خود اسی طرح رہتا۔''

سِنان کے بھائی حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''میں نے چودہ (14) حج اللہ عزوجل پر توکل کرتے ہوئے ننگے پاؤں کیے۔ میرے پاؤں میں کانٹا چبھتا تو میں یاد کرتا کہ میں نے اپنے نفس پر توکل کا عہد کیا ہوا ہے، چنانچہ میں زمین پر پاؤں رگڑتا اور چل پڑتا۔''

حضرت ابوحمزہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''میں اللہ عزوجل سے حیا کرتا ہوں کہ میں جنگل میں سیر ہو کر جاؤں جب کہ میں نے توکل کا عہد کیا ہوا ہے۔ کہیں سیر ہو کر عبادت کی کوشش میرا توشہ نہ بن جائے۔''

حضرت حمدون رحمۃ اللہ علیہ سے توکل کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''میں ابھی تک اس درجہ تک نہیں پہنچا تو توکل کے بارے وہ شخص کیسے گفتگو کرے جس کے لیے ایمان کا حال درست نہیں ہوا۔''

کہا گیا ہے کہ متوکل آدمی بچے کی طرح ہے۔ وہ اپنی ماں کے پستان کے علاوہ کسی اور چیز کو نہیں جانتا جسے ٹھکانہ

بنائے۔اسی طرح توکل کرنے والا صرف اپنے بلند و بالا رب کی طرف راہنمائی پاتا ہے۔

میں نے دینار غیب سے لیے ہیں

کسی صوفی سے منقول ہے، فرماتے ہیں: ''میں جنگل میں تھا کہ قافلہ سے آگے نکلا تو میں نے اپنے آگے ایک شخص کو دیکھا۔ میں تیزی سے چلا حتیٰ کہ اس کے پاس پہنچ گیا۔ اچانک دیکھا تو وہ ایک عورت تھی جس کے ہاتھ میں لاٹھی تھی اور وہ ٹھہر ٹھہر کر چل رہی تھی۔ میں نے خیال کیا کہ وہ تھک گئی ہے۔ میں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور بیس (20) درہم نکالے اور کہا یہ لے لو اور ٹھہر جاؤ حتیٰ کہ قافلہ تم تک پہنچ جائے اور ان درہموں سے جانور کرایہ پر لے لینا۔ اس کے بعد رات کو میرے پاس آنا تا کہ میں تمھاری حالت کو سنوار سکوں۔''

اس عورت نے ہاتھ کے ساتھ ہوا میں اشارہ کیا تو اس کی ہتھیلی میں دینار تھے۔ اس نے کہا ''تم نے درہم جیب سے نکالے ہیں اور میں نے دینار غیب سے لیے ہیں۔''

آبِ زم زم پر بھروسہ کر لینا

حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکہ مکرمہ میں ایک شخص کو دیکھا وہ زم زم کے پانی سے ایک گھونٹ لینے کے علاوہ کچھ نہیں لیتا تھا۔ کئی دن اسی طرح گزرے تو حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن اس سے فرمایا: ''بتاؤ اگر زم زم کا پانی خشک ہو جائے تو تم کیا پیو گے؟'' اس پر وہ شخص کھڑا ہوا اور آپ کے سر کو بوسہ دینے کے بعد کہا ''اللہ عزوجل آپ کو جزائے خیر عطا کرے کہ آپ نے میری راہنمائی کر دی۔ میں تو کئی دنوں سے آبِ زم زم کی پوجا کر رہا تھا'' (یعنی اسی پر بھروسہ کر لیا تھا) یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

ایک نوجوان کا توکل

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے شام کے راستے میں ایک نوجوان کو دیکھا جو خوش اخلاق تھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا ''کیا آپ میری صحبت میں رہ سکتے ہیں؟'' میں نے کہا میں تو بھوکا رہوں گا۔

اس نے کہا اگر آپ بھوکے رہیں گے تو میں بھی آپ کے ساتھ بھوکا رہوں گا۔

ہم نے اسی حالت میں چار (4) دن گزارے اس کے بعد ہمارے پاس کوئی چیز آئی۔ میں نے کہا: آؤ!

اس نے کہا میں تو عہد کر چکا ہوں کہ میں کسی واسطہ سے ملنے والی چیز نہیں لوں گا۔

میں نے کہا: اے غلام! تم نے بہت باریک بات کہی۔

اس نے کہا اے ابراہیم! میری جھوٹی تعریف نہ کریں کیونکہ پرکھنے والا آپ کے مال اور توکل کو خوب جانتا ہے۔

پھر کہا توکل کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ اگر آپ پر فاقہ آئے پھر بھی آپ کا دل اسی ذات کی طرف توجہ کرے جو کفالتوں کا مالک ہے (یعنی اللہ ﷻ)۔

حیلہ ترک کردو

کہا گیا ہے کہ توکل، شکوک کی نفی اور اپنے آپ کو بادشاہوں کے بادشاہ کے سپرد کرنا ہے۔

کہا گیا ہے کہ ایک جماعت حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئی اور کہنے لگے: ''ہم رزق کہاں ڈھونڈیں؟''
انھوں نے فرمایا: ''اگر تمھیں معلوم ہے کہ وہ کس جگہ پر ہے تو وہاں ڈھونڈ لو۔''

انھوں نے کہا ''پس ہم اللہ ﷻ سے مانگیں گے۔''

فرمایا: اگر تمھارا خیال ہے کہ وہ تمھیں بھول گیا ہے تو اسے یاد کراؤ۔

انھوں نے کہا ہم گھروں کے اندر پڑے رہتے ہیں اور توکل کرتے ہیں۔

انھوں نے فرمایا: ''یہ تجربہ کرنا (کہ اللہ ﷻ ہمیں گھر میں دے گا یا نہیں) شک کی علامت ہے۔''

انھوں نے پوچھا: ''کیا حیلہ اختیار کیا جائے؟''

فرمایا: ''حیلہ ترک کردو۔''

حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت احمد بن حواری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: ''اے احمد! آخرت کے راستے بہت ہیں اور تمھارے شیخ (مرشد) کو ان میں سے بہت سے راستوں کی پہچان ہے سوائے اس مبارک توکل کے کہ میں نے اس کی بُو بھی نہیں سونگھی۔''

کہا گیا ہے کہ جو کچھ اللہ ﷻ کے پاس ہے اس پر یقین اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے نا اُمیدی کا نام توکل ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ توکل یہ ہے کہ رزق کی تلاش کا تقاضا کرنے میں غور وفکر سے اپنے باطن کو فارغ رکھا جائے۔

حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ سے متوکل کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا اسے طمع لاحق ہو سکتی ہے؟ انھوں نے فرمایا: طبیعت کے تقاضے کے مطابق اسے کچھ خطرات لاحق ہو سکتے ہیں لیکن اسے کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے اور طمع کو ساقط کرنے کے لیے اس بات سے قوت حاصل کرے کہ جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے نا اُمید ہو جائے۔

کہا گیا ہے کہ حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ کو ایک جنگل میں بھوک لگی تو غیبی ندا آئی، تمھیں دو باتوں میں سے کون سی بات پسند ہے سبب یا کفایت؟ انھوں نے کہا ایسی کفایت جس کے اوپر کوئی انتہا نہیں چنانچہ وہ سترہ (17) دن اس طرح رہے کہ انھوں نے کچھ نہ کھایا۔

حضرت ابوعلی روذباری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جب فقیر پانچ دن (کچھ نہ کھانے) کے بعد کہے کہ میں بھوکا ہوں تو

اسے بازار میں بھیجو اور کہو کہ وہ وہاں کام کاج کرے۔

کہا گیا ہے کہ حضرت ابو تراب نخشی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک صوفی کو دیکھا کہ اس نے تین دن (بھوکا رہنے) کے بعد خربوزے کے چھلکے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس پر انھوں نے فرمایا ''جاؤ بازار میں کام کرو تمھارے اندر تصوف کی صلاحیت نہیں۔

دس (10) دن سے رزق تمھاری طرف آ رہا تھا

حضرت ابو یعقوب اقطع بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں ایک مرتبہ حرم میں دس (10) دن بھوکا رہا اور میں نے کمزوری محسوس کی تو میرے دل میں کچھ خیال آیا۔ چنانچہ میں جنگل کی طرف نکل گیا کہ شاید کوئی چیز مل جائے جس سے میری کمزوری ختم ہو جائے۔ مجھے گرا پڑا شلغم دکھائی دیا، میں نے اسے اٹھا لیا تو اس سے میرے دل میں کچھ وحشت محسوس ہوئی۔ میں نے کسی کہنے والے کو سنا اس نے مجھ سے کہا تم دس (10) دن بھوکے رہے بالآخر تمھاری قسمت میں ایک خراب شلغم لکھا تھا۔ فرماتے ہیں میں نے اسے پھینک دیا اور مسجد میں جا کر بیٹھ گیا۔ میں نے دیکھا وہاں ایک عجمی شخص تھا جو میرے سامنے بیٹھا اور اس نے اپنا صندوقچہ رکھ دیا اور کہا ''یہ تمھارے لیے ہے۔''

میں نے کہا تم نے کس طرح اسے میرے لیے مخصوص کر دیا؟

اس نے کہا ہم دس (10) دن سے سمندر میں سفر کر رہے تھے اور کشتی ڈوبنے لگی تھی۔ ہم میں سے ہر ایک نے نذر مانی کہ اگر اللہ عزوجل نے اسے بچا لیا تو وہ صدقہ کرے گا اور میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ عزوجل نے مجھے بچا لیا تو میں یہ صندوقچہ اس شخص پر صدقہ کروں گا جو حرم کے مجاورین میں سے مجھے سب سے پہلے نظر آئے گا اور آپ سب سے پہلے آدمی ہیں جس سے میری ملاقات ہوئی۔

میں نے کہا اسے کھولیے:

اس نے کھولا تو میں نے دیکھا اس میں مصری میدے کا کیک چھلے ہوئے بادام اور سفید مصری کی ڈلیاں تھیں۔ میں نے ان میں سے تھوڑا تھوڑا لے لیا اور کہا باقی اپنے بچوں کے لیے لے جائیں، میں نے اسے قبول کیا اور یہ میری طرف سے تمھارے لیے ہدیہ ہے۔ پھر میں نے اپنے دل میں کہا کہ تمھارا رزق دس (10) دن سے تمھاری طرف آ رہا تھا اور تم اسے وادی میں تلاش کر رہے تھے۔

ہمارے نام پر اسی قدر لیا

حضرت ممشاد دینوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مجھ پر قرض تھا تو میرا دل اس میں مشغول ہو گیا۔ میں نے خواب میں دیکھا

کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے: ''اے بخیل! تم نے ہم پر اعتماد کرتے ہوئے اسی قدر رقم لی تم لو، تمھارا کام لینا اور ہمارا کام عطا کرنا ہے۔'' اس کے بعد میں نے نہ کسی سبزی والے سے حساب کیا نہ قصاب سے اور نہ کسی اور سے۔

تم تاجر ہو

حضرت بُنان حمال رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں: میں ''مکہ مکرمہ'' (اللہ عزوجل اس کی حفاظت فرمائے) میں تھا۔ اس وقت میں ''مصر'' سے آیا تھا اور میرے پاس زادِ راہ تھا۔ ایک عورت میرے پاس آئی اور مجھ سے کہنے لگی:

''اے بُنان! تم حمال (بوجھ اٹھانے والے) ہو اپنی پیٹھ پر بوجھ اٹھاتے ہو۔ تمھارا خیال ہے کہ وہ تمھیں رزق نہیں دے گا؟''

فرماتے ہیں: میں نے اپنا زادِ راہ پھینک دیا پھر میں نے تین دن تک کچھ نہ کھایا۔ اس کے بعد مجھے راستے سے ایک پازیب ملی تو میں نے دل میں کہا میں اسے اٹھا لیتا ہوں ہو سکتا ہے اس کا مالک آئے اور وہ مجھے کچھ دے دے تو میں یہ پازیب اس کے حوالے کر دوں گا۔ تو مجھے وہی عورت ملی اس نے مجھ سے کہا تم تاجر ہو، تم کہتے ہو کہ اس (پازیب) کا مالک آئے اور میں اس سے کچھ لے لوں۔ پھر اس عورت نے کچھ درہم میری طرف پھینک کر کہا ان کو خرچ کرو۔ وہ درہم مکہ مکرمہ پہنچنے تک میرے لیے کافی تھے۔

لونڈی خریدنے سے پہلے مل گئی

حضرت بُنان رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ ان کو خدمت کے لیے ایک لونڈی کی ضرورت پڑی۔ انھوں نے بے تکلفی کے ساتھ اپنے بھائیوں سے ذکر کیا تو انھوں نے ان کے لیے لونڈی کی قیمت کے مطابق رقم جمع کر دی اور کہا یہ لو اور گروہ آ رہا ہے جو لونڈی تمھارے موافق ہو، خرید لینا۔ جب قافلہ آیا تو ان سب نے ایک لونڈی کے خریدنے پر اتفاق کر لیا اور کہا کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے۔ انھوں نے لونڈی کے مالک سے اس کی قیمت پوچھی تو اس نے کہا یہ فروخت کرنے کے لیے نہیں ہے۔

انھوں نے جب اصرار کیا تو اس نے کہا یہ تو بُنان حمال کے لیے ہے۔ سمرقند سے ایک خاتون نے ان کے لیے بطور تحفہ بھیجی ہے۔ اس لونڈی کو حضرت بُنان رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لے جایا گیا اور آپ سے واقعہ بیان کیا گیا۔

دوسروں کے زادِ راہ پر حج

حضرت حسن خیاط رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا فرماتے ہیں: میں حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھا کہ کچھ لوگ آئے اور انھوں

نے ان کو سلام کیا۔ انھوں نے پوچھا تم لوگ کہاں سے آئے ہو؟

انھوں نے کہا ہم شام سے تعلق رکھتے ہیں اور آپ کی خدمت میں سلام پیش کرنے آئے ہیں۔ نیز ہم حج کا ارادہ رکھتے ہیں۔

انھوں نے فرمایا: اللہ ﷻ تمھاری سعی قبول فرمائے۔

ان لوگوں نے عرض کیا کہ آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں۔

انھوں نے فرمایا: تین شرائط ہیں: ① ایک یہ کہ ہم اپنے ساتھ کوئی چیز نہیں لے جائیں گے ② دوسری بات یہ کہ کسی سے کچھ نہیں مانگیں گے ③ اور تیسری شرط یہ کہ اگر کوئی شخص ہمیں کوئی چیز دے گا تو ہم قبول نہیں کریں گے۔

انھوں نے کہا جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ہم اپنے ساتھ کوئی چیز نہ لے جائیں تو یہ بات ٹھیک ہے اور یہ بات کہ ہم کسی سے کچھ نہیں مانگیں گے یہ بھی ٹھیک ہے اور یہ بات کہ اگر کوئی شخص ہمیں کچھ دے اور ہم قبول نہ کریں، ہمیں اس کی طاقت نہیں۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''پھر تم دوسرے حاجیوں کے زادِ راہ پر توکل کر کے نکلے ہو۔'' پھر فرمایا: ''اے حسن! فقراء تین قسم کے ہیں:

① وہ فقیر جو سوال نہیں کرتا اور اگر اسے کچھ دیا جائے تو لیتا نہیں یہ روحانیین میں سے ہیں۔

② وہ فقیر جو سوال نہیں کرتا اگر اسے دیا جائے تو قبول کرتا ہے یہ وہ (فقیر) ہے جس کے لیے بارگاہِ رب العزت میں دستر خوان لگائے جائیں گے۔

③ وہ فقیر جو سوال کرتا ہے اگر اس کو دیا جائے تو ضرورت کے مطابق قبول کرتا ہے تو اس کا کفارہ صدقہ ہے۔

حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا: (لِمَ تَرَكْتَ التِّجَارَةَ؟) ''کہ آپ نے تجارت کیوں چھوڑی؟''
فرمایا: (وَجَدْتُ الْكَفِيْلَ ثِقَةً) ''میں نے بہت قابل اعتماد کفیل پایا ہے'' (یعنی اللہ ﷻ)۔

روٹی کھاؤں گا تو مر جاؤں گا

کہا گیا ہے کہ پہلے زمانے میں ایک شخص سفر پر تھا اور اس کے پاس ایک روٹی تھی۔ اس نے کہا اگر میں اسے کھاؤں گا تو مر جاؤں گا۔ تو اللہ ﷻ نے اس کے لیے ایک فرشتہ مقرر کر دیا اور فرمایا: (اِنْ أَكَلَهُ فَارْزُقْهُ وَاِنْ لَمْ يَأْكُلْهُ فَلَا تُعْطِهٖ غَيْرَهٗ) اگر یہ شخص یہ روٹی کھالے تو اسے اور رزق دینا اور اگر نہ کھائے تو اسے اور روٹی نہ دینا۔ تو وہ روٹی ہمیشہ اس کے پاس رہی حتیٰ کہ وہ مر گیا اور اس نے اسے نہ کھایا اور وہ روٹی اس کے پاس باقی رہ گئی۔

کہا گیا ہے کہ جو شخص تفویض (سب کچھ اللہ ﷻ کے سپرد کر دینا) کے میدان میں قدم رکھتا ہے تو مراد اس کے پاس

اس طرح پہنچائی جاتی ہے جس طرح دلھن کو اس کے مالک (دولھا) کے پاس پہنچایا جاتا ہے۔

تَضْيِيع (ضائع کرنا) اور تَفْوِيض میں فرق یہ ہے کہ تَضْيِيعُ الله ﷻ کے حقوق میں ہوتی ہے (یعنی اس کے حقوق کو ضائع کرنا) اور یہ مذموم ہے اور تَفْوِيض تمھارے اپنے حق میں ہے اور یہ محمود ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''جو شخص ایک پیسہ حرام کا لیتا ہے وہ متوکل نہیں ہے۔''

میرے ولی کو ریت سے نکالو

حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں ایک مرتبہ زادِ راہ کے بغیر جنگل کی طرف نکل گیا تو میں فاقہ کا شکار ہو گیا۔ مجھے دور سے منزل نظر آئی تو میں خوش ہوا کہ میں پہنچ گیا۔ پھر میں نے دل میں خیال کیا کہ میں نے غیر پر سکون اور توکل کا اظہار کیا تو میں نے قسم کھائی کہ میں اس منزل میں داخل نہیں ہوں گا۔ ہاں کوئی مجھے اٹھا کر لے جائے (تو علیحدہ بات ہے)۔ میں نے ریت میں اپنے لیے ایک گڑھا کھودا اور اس میں اپنے جسم کو سینے تک چھپا لیا۔ لوگوں نے آدھی رات کے وقت ایک بلند آواز سنی کوئی کہہ رہا تھا:

''اے شہر والو! بے شک اللہ ﷻ کے ایک ولی نے اپنے آپ کو اس ریت میں روک رکھا ہے اس کے پاس پہنچو۔'' پس ایک جماعت آئی اور وہ مجھے نکال کر بستی کی طرف اٹھا کر لے گئے۔

ہلاک کرنے والے کے ذریعے ہلاکت سے بچا لیا

حضرت ابوحمزہ خراسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں نے ایک سال حج کیا۔ میں راستے میں چل رہا تھا کہ میں کنویں میں گر گیا۔ میرے نفس نے مجھ سے جھگڑا کیا کہ میں مدد طلب کروں۔ میں نے کہا اللہ ﷻ کی قسم! میں مدد طلب نہیں کروں گا۔ یہ خیال ابھی مکمل نہ ہوا تھا کہ کنویں کے پاس سے دو آدمی گزرے۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا آؤ اس کنویں کا منہ بند کر دیں تاکہ کوئی شخص اس میں نہ گرے چنانچہ وہ کچھ سرکنڈے اور ایک چٹائی لائے اور انھوں نے کنویں کا منہ بند کر دیا۔

میں نے چیخنے کا ارادہ کیا پھر میں نے دل میں کہا میں اس کو پکارتا ہوں جو ان دونوں کے مقابلے میں مجھ سے زیادہ قریب ہے لہٰذا میں خاموش رہا۔ کچھ دیر گزری کہ کوئی چیز آئی اور اس نے کنویں کا منہ کھول دیا اور اپنا پاؤں لٹکایا گویا وہ آہستہ آواز میں جسے میں پہچانتا تھا، کہہ رہا ہے ''میرے ساتھ لٹک جاؤ'' میں اس کے ساتھ لٹک گیا تو اس نے مجھے نکال دیا۔ دیکھا تو وہ ایک درندہ ہے اور مجھے غیب سے آواز آئی: ''اے ابوحمزہ! کیا یہ بات زیادہ اچھی نہیں ہم نے تجھے ہلاک کرنے والی چیز کے ذریعے ہلاکت سے بچایا اور میں یہ شعر پڑھ رہا تھا:

أَهَابُكَ أَنْ أُبْدِيَ إِلَيْكَ الَّذِيْ أُخْفِي
وَسِرِّيْ يُبْدِيْ مَا يَقُوْلُ لَهٗ طَرْفِيْ
نَهَانِيْ حَيَائِيْ مِنْكَ أَنْ أَكْتُمَ الْهَوٰى
وَأَغْنَيْتَنِيْ بِالْفَهْمِ مِنْكَ عَنِ الْكَشْفِ
تَلَطَّفْتُ فِيْ أَمْرِيْ فَأَبْدَيْتَ شَاهِدِيْ
إِلٰى غَائِبِيْ وَاللُّطْفُ يُدْرَكُ بِاللُّطْفِ
تَرَأَيتَ لِيْ بِالْغَيْبِ، حَتّٰى كَأَنَّمَا
تُبَشِّرُنِيْ فِيْ الْغَيْبِ أَنَّكَ فِيْ الْكَفِّ
أَرَاكَ وَ بِيْ مِنْ هَيْبَتِيْ لَكَ وَحْشَةٌ
فَتُؤْنِسُنِيْ بِاللُّطْفِ مِنْكَ وَ بِالْعَطْفِ
وَ تُحْيِيْ مُحِبًّا أَنْتَ فِيْ الْحِبِّ حَتْفُهٗ
وَذَا عَجَبٍ كَوْنُ الْحَيَاةِ مَعَ الْحَتْفِ

* جس راز کو میں چھپاتا ہوں اسے تیرے سامنے ظاہر کرنے سے مجھے ڈر لگتا ہے لیکن جو کچھ میری نگاہ میرے باطن کو کہتی ہے میرا باطن اسے ظاہر کر دیتا ہے۔
* میرا حیا مجھے اس بات سے روکتا ہے کہ میں تم سے عشق کو چھپاؤں مگر تو نے اپنے فہم سے ہی سمجھ کر مجھے راز کھولنے سے بچا لیا۔
* تو نے مجھ پر مہربانی کی اور میرے ظاہر حال کو میرے غائب حال پر ظاہر کر دیا اور تمھاری مہربانی کو لطیف طریقہ پر ہی سمجھا جا سکتا ہے۔
* تم باوجود غیب میں ہونے کے مجھے دکھائی دیتے ہو حتیٰ کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ تم مجھے اس بات کی خوشخبری دے رہے ہو کہ گویا تم میرے ہاتھ میں ہو۔
* میں تمھاری ہیبت کی وجہ سے وحشت میں ہونے کے باوجود تمھیں دیکھتا ہوں تو تم مجھے اپنے لطف اور مہربانی سے مانوس کرتے ہو۔

* اور تم اس کے باوجود کہ اپنے عاشق کے لیے موت ہو، اسے زندہ رکھتے ہو اور یہ عجیب بات ہے کہ موت کے ساتھ زندگی ہے۔

عیسائی نے اسلام قبول کرلیا

حضرت حذیفہ مرعشی رحمۃ اللہ علیہ جنھوں نے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کی اور ان کی صحبت کا شرف حاصل کیا، ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ میں کون سی عجیب بات دیکھی؟

انھوں نے فرمایا: ''ہم لوگ مکہ مکرمہ کے راستے کئی دن کھانے کے بغیر رہے پھر کوفہ میں داخل ہوئے اور ایک ویران مسجد میں قیام کیا۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا: اے حذیفہ! مجھے تم پر بھوک کا اثر دکھائی دیتا ہے۔

میں نے کہا اے شیخ! اسی طرح ہے۔

فرمایا: دوات اور کاغذ لاؤ۔

میں لے کر آیا تو انھوں نے لکھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ! اے اللہ عزوجل! ہر حال میں تو ہی ہمارا مقصود ہے اور ہر بات میں تیری طرف ہی اشارہ ہے:

أَنَا حَامِدٌ أَنَا شَاكِرٌ أَنَا ذَاكِرٌ
أَنَا جَائِعٌ أَنَا نَائِعٌ أَنَا عَارِیْ
هِیَ سِتَّةٌ وَأَنَا الضَّمِيْنُ لِنِصْفِهَا
فَكُنِ الضَّمِيْنَ لِنِصْفِهَا يَا بَارِیُ
مَدْحِیْ لِغَيْرِكَ لَهَبُ نَارٍ خضتها
فَأَجِرْ عُبَيْدَكَ مِنْ دَخُوْلِ النَّارِ
وَالنَّارُ عِنْدِیْ كَالسُّؤَالِ فَهَلْ تَرَى
أَنْ لَاتُكَلِّفَنِیْ دَخُوْلَ النَّارِ

* میں تیری تعریف کرنے والا تیرا شکر ادا کرنے والا اور تجھے یاد کرنے والا ہوں۔ میں بھوکا ہوں، پیاسا ہوں اور ننگا ہوں۔

* یہ چھ صفات ہیں جن میں نصف (پہلی تین) کا میں ضامن ہوں۔ پس اے باری تعالیٰ نصف (دوسری تین) کا تو ضامن ہو جا۔

* اے اللہ ﷻ! تیرے سوا کسی کی تعریف کرنا ایسا ہے جیسے دوزخ کی آگ میں داخل ہونا لہٰذا تو اپنے بندے کو اس آگ میں پڑنے سے بچالے۔

* میرے نزدیک دوزخ کی آگ اور سوال کرنا ایک ہی بات ہے۔ تو کیا تو مجھے دوزخ کی آگ میں پڑنے سے نہیں بچائے گا۔

فرماتے ہیں: پھر یہ رقعہ مجھے دیا اور فرمایا جاؤ اور غیر اللہ سے دل نہ لگاؤ۔ اور جو شخص سب سے پہلے تمھیں ملے یہ رقعہ اسے دے دو۔

حضرت حذیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں باہر نکلا تو جو شخص مجھے سب سے پہلے ملا وہ خچر پر سوار تھا۔ میں نے وہ رقعہ اسے دے دیا۔ اس نے وہ رقعہ لیا اور رونے لگا اور کہا یہ رقعہ لکھنے والا کہاں ہے؟

میں نے کہا فلاں مسجد میں ہے۔

اس نے مجھے ایک تھیلی دی جس میں چھ سو (600) دینار تھے۔ پھر میری ملاقات ایک اور شخص سے ہوئی۔ میں نے اس سے پوچھا یہ خچر والا کون ہے؟

اس نے کہا یہ عیسائی ہے۔ میں حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور سارا واقعہ سنایا۔

انھوں نے فرمایا: ''اس تھیلی کو ہاتھ نہ لگانا، وہ ابھی آئے گا۔'' کچھ دیر گزری کہ وہ عیسائی آ گیا اور اس نے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے سر کو بوسہ دے کر اسلام قبول کر لیا۔

باب

شکر کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾

''اگر احسان مانو گے تو میں تمھیں اور دوں گا۔''[1]

حضرت عطاء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے ساتھ حضرت عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ میں نے عرض کیا: ''آپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو سب سے زیادہ تعجب خیز بات دیکھی ہے اس کے بارے میں فرمائیے۔''

(یہ سن کر) وہ رو پڑیں اور فرمایا: ''حضور علیہ السلام کا کون سا معاملہ عجیب نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات میرے ہاں تشریف لائے اور میرے ساتھ بستر میں داخل ہو گئے یا فرمایا لحاف میں داخل ہو گئے حتیٰ کہ ہمارے جسم مل گئے۔ پھر فرمایا: اے ابوبکر کی بیٹی! مجھے اجازت دو کہ میں اپنے رب کی عبادت کروں۔''

ام المؤمنین فرماتی ہیں: ''میں نے عرض کیا کہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب پسند ہے۔ پھر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دے دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پانی کے ایک مشکیزے کی طرف کھڑے ہوئے اور وضو فرمایا اور بہت سا پانی بہایا۔ پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے اور رونا شروع کر دیا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے پر بہنے لگے۔ پھر رکوع کیا تو اس میں بھی روتے رہے۔ رکوع سے روتے روتے سر مبارک اٹھایا پھر سجدہ کیا اور روتے رہے۔ پھر سر مبارک اُٹھایا تو رو رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل اسی حالت میں رہے حتیٰ کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حاضر ہو کر نماز کی اطلاع کی۔''

ام المؤمنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کیوں رو رہے تھے؟ حالانکہ اللہ عزوجل نے آپ کے سبب سے آپ کے اگلوں پچھلوں کے گناہ بھی بخش دیے (یعنی ان سے دور رکھا)۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((أَفَلَا أَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا وَلِمَ لَا أَفْعَلُ)) ''کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں اور میں ایسا کیوں نہ کروں[2] جب

---

[1] پارہ 13، ابراہیم 7، ترجمہ کنزالایمان

[2] صحیح بخاری، کتاب التہجد، باب قیام النبی ﷺ حتّٰی تَرِمَ قَدَمَاهُ، رقم الحدیث: 1130، صحیح مسلم، کتاب صفة القیامة والجنة والنار، باب إکثار الأعمال والاجتهاد فی العبادة، رقم الحدیث: 2819، جامع ترمذی، کتاب الصلاة، باب 41

کہ اللہ ﷻ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ص وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ۝﴾

''بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات دن کا بدلتے آنا اور کشتی کہ دریا میں لوگوں کے فائدے لے کر چلتی ہے اور وہ جو اللہ نے آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو اس سے جلا دیا اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلائے اور ہواؤں کی گردش اور وہ بادل کہ آسمان و زمین کے بیچ میں حکم کا باندھا ہے ان سب میں عقلمندوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں۔''[1]

شکر کی حقیقت

استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اہل تحقیق کے نزدیک شکر کی حقیقت یہ ہے کہ انعام کرنے والی ذات کی نعمتوں کا خضوع کے ساتھ اعتراف کیا جائے اور اسی بنیاد پر اللہ ﷻ بھی اس صفت سے مجازاً موصوف ہوتا ہے کہ اسے ''شکور'' کہا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بندوں کو شکر کا بدلہ عطا فرماتا ہے پس شکر کے بدلے کو شکر کہا گیا ہے۔

جیسے ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا ج﴾

''اور برائی کا بدلہ اسی کی برابر برائی ہے۔''[2]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ ﷻ کی طرف سے شکر یہ ہے کہ وہ تھوڑے سے عمل پر بہت زیادہ ثواب عطا کرتا ہے جیسے اہلِ عرب کہتے ہیں ''دَابَّةٌ شَكُوْرٌ'' یعنی وہ جانور جو اس چارے کے مقابلے میں زیادہ موٹا ہو جو (چارہ) اسے دیا جاتا ہے۔

◄◄ ماجاء فی الأجتهاد فی الصلاة، رقم الحديث: 412، سنن نسائی، كتاب قيام الليل، باب الأختلاف على عائشة في إحياء الليل، رقم الحديث: 1643، سنن ابن ماجه، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ماجاء فی طول القيام فی الصلوات، رقم الحديث: 1419.

[1] پارہ 2، البقرہ 164، ترجمہ کنزالأیمان

[2] پارہ 25، الشوریٰ 40، ترجمہ کنزالأیمان

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ حقیقت شکر یہ ہے کہ محسن کے احسان کا ذکر کر کے اس کی تعریف کی جائے۔
پس بندے کی طرف سے اللہ ﷻ کا شکر یہ ہے کہ اس کے احسان پر اچھے کلمات کے ساتھ اس کی تعریف کرے اور اللہ ﷻ کی طرف سے شکر یہ ہے کہ وہ بھی اس کے احسان کا ذکر کر کے اس کی تعریف کرے۔ پھر بندے کا احسان اللہ ﷻ کی اطاعت کرنا ہے اور حق تعالیٰ کا احسان بندے کو شکر کی توفیق دینے کی صورت میں اس پر انعام کرنا ہے اور بندے کا شکر حقیقتاً یہ ہے کہ زبان سے بیان کرے اور دل سے رب کے انعام کا اقرار کرے۔

شکر کی اقسام

① زبان کے ساتھ شکر! عجز و انکساری کے ساتھ اللہ ﷻ کی نعمتوں کا اعتراف کرنا۔
② بدن اور اعضاء کے ساتھ شکر! اپنے منعم کا وفادار رہنا اور اطاعت کرنا۔
③ دل کے ساتھ شکر! اپنے مُنْعِمْ کے احترام کی رعایت رکھتے ہوئے اس کے احسان کو ہمیشہ سامنے رکھے۔

یہ بھی کہا گیا کہ ایک شکر عام لوگوں کا ہوتا ہے اور وہ ان کے زبانی اقوال کے ذریعے ہوتا ہے۔ عابدین کا شکر ان کے افعال و احوال کی ایک قسم ہوتی ہے اور وہ شکر جو عارفین کی صفت ہے وہ عام احوال میں استقامت کے ذریعے ہوتا ہے۔

حضرت ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''نعمت کا شکر یہ ہے کہ احسان کو سامنے رکھا جائے اور حرمت کی حفاظت کی جائے۔''

حضرت حمدون قصار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''نعمت کا شکر یہ ہے کہ تم اپنے نفس کو طفیلی سمجھو۔''

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''شکر کے اندر شکر کا سبب پایا جاتا ہے کیونکہ شکر گزار شخص اپنے نفس کے لیے مزید (نعمت) کا طالب ہوتا ہے اور وہ درحقیقت اللہ ﷻ کے ساتھ ہو کر اپنے نفس کے لیے حصہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔''

حضرت ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''شکر یہ ہے کہ اپنے نفس کو شکر ادا کرنے سے عاجز سمجھے۔''

یہ بھی کہا گیا ہے کہ شکر ادا کرنے پر شکر کرنا شکر سے بھی زیادہ کامل ہے کیونکہ تم اپنی شکر گزاری کو بھی اس کی توفیق میں سے شمار کرتے ہو۔ اور یہ توفیق بھی تم پر انعام عطا کرنے کی خاطر ہوگی پس تم شکر کی ادائیگی پر شکر کرو گے پھر شکر کے شکر پر شکر کرو گے تو یہ سلسلہ لامتناہی ہو گیا۔

کہا گیا کہ شکر یہ ہے کہ اپنی عاجزی کو جانتے ہوئے نعمت کو اس کے عطا کرنے والے کی طرف منسوب کرنا۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(اَلشُّکْرُ اَنْ لَّا تَرٰی نَفْسَکَ اَھْلًا لِلنِّعْمَۃِ)

''شکر یہ ہے کہ تم اپنے نفس کو نعمت کا اہل نہ سمجھو۔''

حضرت رویم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''شکر یہ ہے کہ انسان اپنی پوری طاقت احسان کرنے والے کی فرماں برداری میں صرف کردے۔''

شَاکِرْ اور شُکُوْرْ میں فرق

کہا گیا ہے کہ ''شَاکِرْ'' وہ ہے جو موجود پر شکر کرتا ہے اور ''شُکُوْرْ'' وہ ہے جو مفقود (جو چیز نہیں پائی) پر شکر ادا کرتا ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ''شَاکِرْ'' وہ ہے جو عطا پر شکر کرے اور ''شُکُوْرْ'' وہ ہے جو نہ دینے پر بھی شکر کرے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''شَاکِرْ'' نفع پر شکر کرنے والا ہے اور ''شُکُوْرْ'' جو انکار پر شکر کرے۔

کہا گیا ہے کہ ''شَاکِرْ'' وہ ہے جو عطاء پر شکر کرے اور ''شُکُوْرْ'' وہ ہے جو مصیبت (اور آزمائش) پر شکر کرے۔

کہا گیا ہے کہ ''شَاکِرْ'' وہ ہے جو ملنے پر شکر ادا کرے اور ''شُکُوْرْ'' وہ ہے جو ڈھیل پر شکر ادا کرے۔

اے غلام شکر کیا ہے؟

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''میں حضرت سری سقطی رحمہ اللہ کے سامنے کھیل رہا تھا اور اس وقت میں سات (7) سال کا تھا اور آپ کے سامنے کچھ لوگ شکر کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ آپ نے مجھ سے فرمایا: (یَاغُلَامُ مَاالشُّکْرُ) ''اے لڑکے! شکر کیا ہے؟''

میں نے کہا: (اَلَّا تَعْصِیَ اللّٰہَ بِنِعْمَۃٍ) شکر یہ ہے کہ آپ اللہ عزوجل کے احسان کے بدلے میں اس کی نافرمانی نہ کریں۔ آپ نے فرمایا: عنقریب اللہ عزوجل کی طرف سے تمہیں زبان کا حصہ ملے گا۔''

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''میں مسلسل اس بات پر روتا رہا جو حضرت سری رحمہ اللہ نے فرمائی۔

حضرت شبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(اَلشُّکْرُ رُؤْیَۃُ الْمُنْعِمِ لَارُؤْیَۃُ النِّعْمَۃِ)

''شکر یہ ہے کہ منعم پر نظر ہو نعمت پر نہ ہو۔''

یہ بھی کہا گیا ہے کہ شکر موجود کی حفاظت اور مفقود کی طلب کا نام ہے۔

حضرت ابو عثمان رحمہ اللہ نے فرمایا: ''عوام کا اللہ عزوجل کا شکر ادا کرنا کھانے اور لباس پر ہوتا ہے اور خاص لوگ اپنے

دلوں پر وارد ہونے والی واردات پر شکر ادا کرتے ہیں۔''

کہا گیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے (بارگاہِ خداوندی میں) عرض کیا: ''الٰہی! میں کس طرح شکر کروں میرا شکر کرنا بھی تیری طرف سے نعمت ہے۔'' پس اللہ عزوجل نے آپ کی طرف وحی فرمائی اب آپ نے میرا شکر ادا کیا ہے۔

کہا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی دعا میں کہا: ''اے میرے معبود! تو نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا اور فلاں کام کیا، فلاں کام کیا۔ پس تیرے شکر کی کیا صورت ہے؟''

اللہ عزوجل نے فرمایا: ''موسیٰ علیہ السلام، آدم علیہ السلام کو معلوم تھا کہ یہ کام میری طرف سے ہے پس ان کا اس بات کی پہچان رکھنا ہی میرا شکر ادا کرنا ہے۔''

کب تک شکر ادا کروں؟

کہتے ہیں کسی صوفی کا ایک دوست تھا اور بادشاہ نے اسے قید کر دیا۔ اس نے اپنے دوست کو پیغام بھیجا تو اس نے کہا: ''اللہ عزوجل کا شکر ادا کرو۔'' پھر اس شخص کو مار پڑی تو اس نے اس کی طرف لکھا، اس نے جواب میں کہا: ''اللہ عزوجل کا شکر ادا کرو۔''

اس کے بعد ایک مجوسی کو لایا گیا جو پیٹ کی بیماری میں مبتلا تھا۔ اسے قید کر دیا گیا اور اس کی بیڑی کا ایک حلقہ اس کی بیڑی میں ڈال دیا گیا اور دوسرا مجوسی کے پاؤں میں تھا۔ مجوسی رات کو کئی بار اٹھتا تھا اور اس شخص کو مجوسی کے فارغ ہونے تک اس کے سر پر کھڑا ہونا پڑتا۔ اب اس نے اپنے دوست کو لکھا تو اس نے جواب دیا: ''اللہ عزوجل کا شکر ادا کرو' اس نے کہا: ''کب تک یہ بات کہتے رہو گے اور اس سے بڑھ کر کیا مصیبت ہو سکتی ہے؟''

اس کے ساتھی نے کہا: اگر یہ زنار جو اس کی کمر میں ہے تمھاری کمر میں ڈال دیا جاتا جس طرح اس کے پاؤں کی بیڑیاں تیرے پاؤں میں ڈالی گئی ہیں تو تم کیا کر لیتے؟ (یعنی وہ زیادہ تکلیف دہ تھا)

کہا گیا ہے کہ ایک شخص حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ چور میرے گھر میں داخل ہوا اور میرا سامان لے گیا۔ انھوں نے فرمایا ''اللہ عزوجل کا شکر ادا کرو اگر چور یعنی شیطان تمھارے دل میں داخل ہو کر تمھارے عقیدۂ توحید کو خراب کر دیتا تو تم کیا کر سکتے تھے؟''

شکر کے بارے اقوال

یہ بھی کہا گیا ہے کہ آنکھوں کا شکر، یہ ہے کہ تم اپنے ساتھی میں کوئی عیب دیکھو تو آنکھیں بند کر دو اور کانوں کا شکر، یہ ہے کہ جو عیب سنو اس پر پردہ ڈالو۔

کسی نے کہا شکر، یہ ہے کہ اللہ ﷻ کے عطیات جن کا عطاء کرنا اس پر واجب نہیں ہے ان کے ملنے پر اس کی تعریف کر کے لذت حاصل کی جائے۔

حضرت جنید بغدادی ﷫ نے فرمایا: ''حضرت سری سقطی ﷫ جب مجھے کوئی نفع پہنچانا چاہتے تو مجھ سے پوچھتے۔ ایک دن انھوں نے مجھ سے فرمایا: اے ابوالقاسم! شکر کیا ہے؟''

میں نے عرض کیا کہ اللہ ﷻ کی نعمت کو اس کی نافرمانی کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔''

انھوں نے پوچھا: ''آپ کو کیسے معلوم ہوا؟''

میں نے کہا: ''آپ کی ہم نشینی سے۔''

کہتے ہیں حضرت حسن بن علی (﷠) نے خانہ کعبہ کے رکن (دیوار) سے چمٹ کر کہا الٰہی! تو نے مجھ پر انعام کیا لیکن مجھے شکر گزار نہ پایا۔ مجھے آزمائش میں ڈالا لیکن صابر نہ پایا لیکن اس کے باوجود کہ میں نے شکر ادا نہ کیا تو نے اپنی نعمت کو مجھ سے واپس نہ لیا اور میرے صبر نہ کرنے کے باوجود تو نے مصیبت کو دائمی نہ رکھا۔ الٰہی! کریم تو کرم ہی کرتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ جب تم بدلہ دینے سے قاصر ہو تو شکر کے ساتھ تمھاری زبان لمبی ہونی چاہیے۔

کہا گیا ہے چار قسم کے اعمال بے فائدہ ہوتے ہیں: ① بہرے سے راز میں بات کرنا ② ناشکر گزار پر احسان کرنا ③ شور (کلر) والی زمین میں بیج ڈالنا ④ اور سورج کی روشنی میں چراغ جلانا۔

کہا گیا ہے کہ جب حضرت ادریس علیہ السلام کو مغفرت کی خوشخبری دی گئی تو انھوں نے زندگی کا سوال کیا۔ ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا ''تاکہ میں شکر ادا کروں۔ اس سے پہلے میں مغفرت کے لیے عمل کرتا تھا'' اس پر فرشتے نے اپنا پر بچھایا اور ان کو اٹھا کر آسمان پر لے گیا۔

پتھر رو رہا تھا

کہا گیا ہے کہ کسی نبی علیہ السلام کا گزر ایک چھوٹے سے پتھر کے پاس سے ہوا جس سے زیادہ پانی نکل رہا تھا۔ ان کو اس پر تعجب ہوا تو اللہ ﷻ نے پتھر سے ان کی گفتگو کرائی۔ اس نے کہا جب سے میں نے اللہ ﷻ کا یہ فرمان سنا ہے:

﴿نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾

''آگ جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔''[1]

[1] پارہ 28، التحریم 6، ترجمہ کنزالایمان

میں اس کے خوف سے رو رہا ہوں چنانچہ اس نبی علیہ السلام نے اللہ عزوجل سے دعا کی کہ وہ اس پتھر کو جہنم سے پناہ دے۔ اللہ عزوجل نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ میں نے اسے جہنم سے پناہ دی پس وہ نبی علیہ السلام وہاں سے گزر گئے۔ جب واپس آئے تو دیکھا کہ اس پتھر سے اسی طرح پانی نکل رہا ہے۔ ان کو اس پر تعجب ہوا تو اللہ عزوجل نے اس پتھر کو ان کے ساتھ گفتگو کی قوت عطا فرمائی۔

انھوں نے پوچھا: ''تم کیوں رو رہے ہو حالانکہ اللہ عزوجل نے تمھیں بخش دیا ہے۔''

اس پتھر نے کہا: (كَانَ بُكَاءُ الْحُزْنِ وَالْخَوْفِ وَ هٰذَا بُكَاءُ الشُّكْرِ وَالسُّرُوْرِ) ''وہ رونا غم اور خوف کا تھا اور یہ رونا شکر اور خوشی کا ہے۔''

کہا گیا ہے کہ شکر گزار بندے کو ہر وقت مزید ملتا رہتا ہے کیونکہ اللہ عزوجل کی نعمت اس کے سامنے ہوتی ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾

''اگر احسان مانو گے تو میں تمھیں اور دوں گا۔''[1]

اور صابر ہمیشہ اللہ عزوجل کے ساتھ ہوتا ہے کیونکہ وہ مبتلا کرنے والے کے حضور میں رہتا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ﴾

''بے شک اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔''[2]

ہم شکر کا وفد ہیں

کہتے ہیں ایک وفد جس میں ایک نوجوان بھی تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نوجوان نے گفتگو شروع کی تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''بڑی عمر والے کو بات کرنے دو۔''

اس نوجوان نے ان سے کہا: ''اے امیر المؤمنین! اگر بات عمر کی ہوتی ہے تو مسلمانوں میں بہت سے لوگ آپ سے بڑے ہیں۔''

انھوں نے فرمایا: ''گفتگو کرو۔''

اس نے کہا: ''ہم نہ تو کسی لالچ کے تحت آئے ہیں نہ کسی خوف سے، رغبت کی ہر چیز آپ کی مہربانی سے ہم تک پہنچ

[1] پارہ 13، ابراھیم 7، ترجمہ کنزالایمان

[2] پارہ 2، البقرۃ 153، ترجمہ کنزالایمان

رہی ہے۔اور جہاں تک خوف کا تعلق ہے تو آپ کے عدل نے ہمیں اس سے محفوظ رکھا ہوا ہے۔"

انھوں نے پوچھا: "تو پھر تم کون لوگ ہو (یعنی کیوں آئے ہو)۔"

اس نے کہا: "ہم شکر کا وفد ہیں ہم آپ کا شکر ادا کر کے واپس چلے جائیں گے۔" ان لوگوں نے یہ شعر پڑھا:

مِنَ الرَّزِيَّةِ أَنَّ شُكْرِيْ صَامِتٌ

عَمَّا فَعَلْتَ وَأَنَّ بِرَّكَ نَاطِقٌ

أَرَى الصَّنِيْعَةَ مِنْكَ ثُمَّ أُسِرُّهَا

إِنِّيْ إِذَنْ لِيَدِ الْكَرِيْمِ لَسَارِقٌ

* مصیبت تو یہ ہے کہ تم نے مجھ پر جو احسانات کیے ہیں میرا شکر ان کا حق ادا کرنے سے خاموش ہے مگر تمھارے احسانات بول رہے ہیں۔

* میں تمھارے احسانات کو دیکھوں پھر اسے چھپائے رکھوں تو اس وقت میں کریم کے احسانات کا چور ٹھہرا۔

کہتے ہیں اللہ ﷻ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ میرے بندوں پر رحم کرو وہ مصیبت میں گرفتار ہوں یا اس سے بچے ہوئے ہوں۔

انھوں نے عرض کیا: "جو مبتلا نہیں ان پر رحم کیسے کھاؤں؟"

فرمایا: "اس لیے کہ میں نے ان کو جو عافیت عطا کی ہے اس پر وہ میرے شکر گزار نہیں ہیں۔"

کہا گیا ہے کہ سانسوں پر حمد اور حواس کی نعمتوں پر شکر ادا کیا جاتا ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ حمد کی ابتداء اللہ ﷻ کی طرف سے ہوتی ہے اور شکر تمھاری طرف سے فدیہ ہے۔صحیح حدیث میں ہے:

((أَوَّلُ مَنْ يُدْعٰى إِلَى الْجَنَّةِ الْحَامِدُوْنَ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ))

"جنت کی طرف سب سے پہلے ان لوگوں کو بلایا جائے گا جو ہر حال میں اللہ ﷻ کی حمد بیان کرتے (اور شکر ادا کرتے ہیں)۔"[1]

[1] شرح السنه، کتاب الدعوات، باب ثواب التحميد، رقم الحديث: 1263، مستدرك، رقم الحديث: 1851، (روایت بالمعنی)

میاں بیوی کا 80 سال تک شکر ادا کرنا

کسی صوفی کے بارے میں منقول ہے وہ فرماتے ہیں: میں نے کسی سفر میں ایک بہت بوڑھے آدمی کو دیکھا تو اس سے اس کی حالت کے بارے میں پوچھا۔

اس نے کہا میں اپنی ابتدائی عمر میں اپنی چچازاد پر عاشق تھا اسی طرح اسے بھی مجھ سے عشق تھا۔ اتفاق سے وہ میرے نکاح میں آ گئی۔ شب زفاف ہم دونوں نے (ایک دوسرے سے) کہا آؤ آج اللہ ﷻ کا شکر ادا کرنے کے لیے اس کی عبادت کریں کہ اس نے ہمیں (نکاح کے ذریعے) اکٹھا کر دیا۔ پس ہم نے اس رات نماز پڑھی اور ہم ایک دوسرے کے لیے فارغ نہ ہوئے۔ دوسرے دن بھی ہم نے یہی بات کہی۔ پس ستر (70) یا اسی (80) سال سے ہم ہر رات اسی حالت میں رہتے ہیں۔ پھر بڑھیا کی طرف متوجہ ہو کر کہا: ''اے فلاں! کیا ایسا نہیں ہے؟'' بڑھیا نے کہا جس طرح شیخ نے بیان کیا معاملہ اسی طرح ہے۔

باب
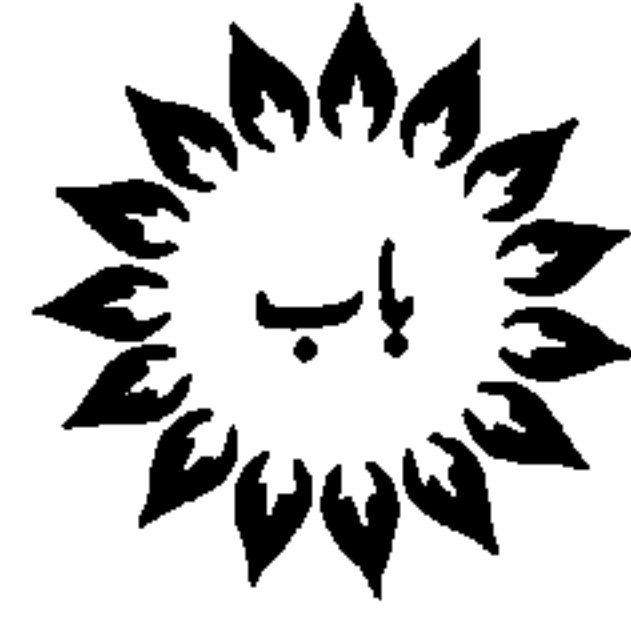
یقین کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ؕ﴾

''اور وہ کہ ایمان لائیں اس پر جو اے محبوب تمھاری طرف اُترا اور جو تم سے پہلے اُترا اور آخرت پر یقین رکھیں۔''[1]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَرْضَیَنَّ أَحَدًا بِسَخَطِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَلَا تَحْمَدَنَّ أَحَدًا عَلٰی فَضْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَلَا تَذُمَّنَّ أَحَدًا عَلٰی مَالَمْ یُؤْتِكَ اللّٰهُ تَعَالٰی فَإِنَّ رِزْقَ اللّٰهِ لَا یَسُوْقُهٗ إِلَیْكَ حِرْصُ حَرِیْصٍ وَلَا یَرُدُّهٗ عَنْكَ كَرَاهَةُ كَارِهٍ ، وَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی بِعَدْلِهٖ وَقِسْطِهٖ جَعَلَ الرَّوْحَ وَالْفَرَحَ فِی الرِّضَا وَالْیَقِیْنِ وَجَعَلَ الْهَمَّ وَالْحُزْنَ فِی الشَّكِّ وَالسَّخَطِ))

''اللہ عزوجل کو ناراض کر کے کسی کو راضی نہ کرو، اللہ عزوجل کے فضل و احسان پر کسی دوسرے کی تعریف نہ کرو اور جو کچھ اللہ عزوجل نے تمھیں نہیں دیا اس (نہ دینے) پر کسی اور کی مذمت نہ کرو کیونکہ اللہ عزوجل کے رزق کو کسی حریص کی حرص تمھارے پاس نہیں لاسکتی اور کسی ناپسند کرنے والے کے ناپسند کرنے سے وہ رزق تم سے روکا نہیں جاتا۔ اور بے شک اللہ عزوجل نے اپنے عدل و انصاف کے ساتھ راحت اور خوشی کو رضا اور یقین میں رکھا ہے جب کہ غم اور پریشانی کو شک اور ناراضگی میں رکھا ہے۔''[2]

یقین کے بارے اقوال

حضرت ابوعبداللہ انطاکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''یقین کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ جب یہ دل تک پہنچتا ہے تو دل کو نور سے بھر دیتا ہے اور اس سے ہر شک کو دور کر دیتا ہے نیز اس کے ذریعے دل شکر اور اللہ عزوجل کے خوف سے بھر جاتا ہے۔''

[1] پارہ 1، البقرہ 4، ترجمہ کنزالایمان

[2] حلیة الأولیاء، صفحہ: 121.

حضرت ابو جعفر حدّاد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ''میں جنگل میں پانی کے ایک حوض پر بیٹھا ہوا تھا اور میں نے دس (10) دن سے کچھ کھایا پیا نہیں تھا کہ حضرت ابوتراب نخشبی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے دیکھا اور مجھ سے پوچھا کہ کیوں بیٹھے ہو؟

میں نے عرض کیا کہ میں علم اور یقین کے درمیان ہوں اور انتظار کر رہا ہوں کہ ان میں سے کون سی چیز غالب ہے تاکہ میں اس کے ساتھ ہو جاؤں۔ یعنی اگر مجھ پر علم غالب ہو تو میں (پانی) پیوں اور اگر یقین غالب ہو تو میں گزر جاؤں۔

انھوں نے فرمایا: عنقریب تمھیں ایک مقام حاصل ہوگا۔''

حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (اَلْيَقِيْنُ قِلَّةُ الْاِهْتِمَامِ لِغَدٍ) ''کل کے لیے کم اہتمام کرنا یقین ہے۔''

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یقین، ایمان کی زیادتی اور اس کی تحقیق کا نام ہے۔

حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یقین، ایمان کا ایک شعبہ ہے اور یہ تصدیق سے کم درجہ ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں: یقین وہ علم ہے جو دلوں میں بطور امانت رکھا گیا ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ یہ کسبی چیز نہیں ہے۔

حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یقین کی ابتداء ''مکاشفہ'' ہے، اسی لیے بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اگر پردہ ہٹ جائے تو میرے یقین میں اضافہ نہ ہوگا۔ اس کے بعد ''معائنہ'' اور پھر ''مشاہدہ'' ہے۔

حضرت ابوعبداللہ بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یقین اس بات کا نام ہے۔ کہ جن غیبی باتوں کی انبیاء کرام علیہم السلام نے خبر دی ہے وہ سچ ہیں۔

حضرت ابوبکر بن طاہر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(اَلْعِلْمُ بِمُعَارَضَةِ الشُّكُوْكِ وَالْيَقِيْنُ لَاشَكَّ فِيْهِ)

''علم میں شکوک واقع ہوتے ہیں اور یقین میں کوئی شک نہیں ہوتا۔''

ان کا اشارہ علم کسبی اور جو بدیہی علم کے قائم مقام ہے، اس کی طرف ہے۔ اسی طرح صوفیاء کا علم ابتداء میں کسبی اور انتہاء میں بدیہی ہے۔

ایمان کن چیزوں کا مجموعہ ہے؟

حضرت محمد بن حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کسی صوفی نے کہا کہ مقامات کی ابتداء معرفت سے ہوتی ہے اس کے بعد یقین پھر تصدیق پھر شہادت اور پھر اطاعت ہے اور ایمان ان تمام کے ''مجموعہ'' کا نام ہے۔

اس قائل نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ سب سے پہلا واجب اللہ سبحانہ کی معرفت ہے اور معرفت کے حصول کے لیے اس کی شرائط کا پہلے پایا جانا ضروری ہے اور وہ درست نظر ہے۔ پھر جب دلائل متواتر پائے جائیں اور وضاحت حاصل ہو جائے تو انسان انوار کے تواتر کے ساتھ آنے اور کمالِ بصیرت کی وجہ سے اس حالت میں ہو جاتا ہے کہ وہ دلیل میں غور کرنے سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور یہ حالت یقین ہے۔

اس کے بعد حق سبحانہ کی ان امور میں تصدیق ہے جن کی رسولوں نے خبر دی اور یہ تب ہوگا جب خبر دینے والا اللہ ﷻ کے افعال کی خبر دے تو یہ اس بلانے والے کی بات قبول کرنے کی طرف متوجہ ہو کیونکہ تصدیق خبروں میں ہوتی ہے۔ پھر احکام خداوندی کی بجا آوری کے لیے اخلاص ہے پھر اچھی شہادت کے ساتھ قبولیت کو ظاہر کرنا ہے اس کے بعد جن باتوں کا حکم دیا ان میں توحید خداوندی کے ساتھ اطاعت کرنا اور جن سے منع کیا ان سے رُک جانا ہے۔

حضرت استاذ امام ابوبکر محمد بن فورک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس قول میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں زبان سے ذکر ایسی فضیلت ہے جو قلبی فیضان کا نتیجہ ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دل پر حرام ہے کہ وہ ''یقین'' کی خوشبو سونگھے اور اس میں غیر اللہ کے ساتھ سکون ہو۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یقین اُمیدوں کو کم کرنے کی دعوت دیتا ہے اور اُمیدوں کو کم کرنا زہد کی دعوت دینا ہے۔ اور زہد حکمت پیدا کرتا ہے اور حکمت نتائج پر غور و فکر کی عادت ڈالتی ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ ہی فرماتے ہیں: تین باتیں یقین کی علامت ہیں:

① لوگوں سے میل جول کم رکھنا ② عطیہ ملنے پر ان کی تعریف نہ کرنا ③ جب وہ نہ دیں تو ان کی مذمت نہ کرنا۔

اور تین باتیں یقین الیقین کی علامات سے ہیں:

① ہر کام میں اللہ ﷻ کی طرف نظر رکھنا ② ہر کام میں اسی کی طرف رجوع کرنا ③ اور ہر حال میں اسی سے مدد مانگنا۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یقین دل کے اندر ایک ایسا پختہ علم ہے جو نہ تو پھرتا ہے اور نہ ہی اس میں کوئی تغیر و تبدل ہوتا ہے۔

حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جس قدر کسی کے دل میں تقویٰ ہوگا اسی قدر اس میں یقین ہوگا۔ اور تقویٰ کی اصل یہ ہے کہ اللہ ﷻ کی منع کردہ چیزوں سے دور رہے اور ممنوع چیزوں سے دور رہنا نفس کی خواہشات سے الگ رہنا ہے اور جس قدر نفس سے جدائی ہوگی اسی قدر یقین تک رسائی ہوگی۔

یقین مکاشفہ کا نام ہے

کسی بزرگ نے فرمایا کہ یقین ''مکاشفہ'' کا نام ہے اور مکاشفہ کی تین صورتیں ہیں:
① خبر کے ساتھ مکاشفہ ② اظہار قدرت کے ساتھ مکاشفہ ③ حقائق ایمان کے ساتھ مکاشفہ۔

جان لیں کہ صوفیاء کے کلام میں مکاشفہ کی تعریف اس طرح کی گئی۔ کسی چیز کا ذکر دل پر اس طرح غالب آ جائے کہ وہ چیز دل پر واضح اور ظاہر ہو جائے اور کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ رہے۔

بعض اوقات وہ لوگ ''مکاشفہ'' سے مراد وہ کیفیت لیتے ہیں جسے کوئی دیکھنے والا بیداری اور نیند کے درمیان والی حالت میں دیکھتا ہے۔ اس حالت کو عموماً ثبات [1] سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حضرت امام ابوبکر بن فورک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابوعثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ جو یہ بات کہتے ہیں کہ میں لوگوں کو اس طرح اس طرح دیکھتا ہوں تو اس سے آپ کی کیا مراد ہے۔ معائنہ یا مکاشفہ؟

انھوں نے فرمایا: مکاشفہ (مراد ہے)۔

یقین کے متعلق چند مزید اقوال

حضرت عامر بن عبد قیس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر پردہ اُٹھ بھی جائے تو میرے ''یقین'' میں اضافہ نہ ہوگا۔

کہا گیا ہے کہ یقین کا معنٰی یہ ہے کہ ایمانی قوت کے ساتھ کسی چیز کو دیکھنا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ معارضات کے زوال کا نام ''یقین'' ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: امور غیبیہ کے ''مشاہدہ'' میں شک کا اٹھ جانا یقین ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

((لَوِ ازْدَادَ يَقِيْنًا لَمَشٰى فِي الْهَوَاءِ كَمَا مَشَيْتُ فِيْهِ))

''کہ اگر ان کے یقین میں اضافہ ہوتا تو وہ ہوا میں چلتے جس طرح میں اس میں چلا ہوں۔''

حضرت استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنے نفس کی اس حالت کی طرف اشارہ کیا جو شبِ معراج حاصل ہوئی کیونکہ معراج کے لطائف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((رَأَيْتُ الْبُرَاقَ قَدْ بَقِيَ وَمَشَيْتُ)) ''میں نے دیکھا کہ براق پیچھے رہ گیا اور میں آگے چلا گیا۔'' [2]

● ثبات سے مراد سبات ہے اور سبات نیند کو کہتے ہیں اور یہ نیند ہلکی ہوتی ہے یا گہری ہوتی ہے۔ (ابوحنظلہ محمد اجمل عطاری)

● اس حدیث کو امام قشیری نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ (ابوحنظلہ محمد اجمل عطاری)

حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ سے یقین کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: یقین یہ ہے کہ جب تمھارے سینے میں واردات موجزن ہوں تو پھر بھی تم سکون میں رہو۔ یہی یقین ہے کہ اس میں تمھاری حرکت تمھیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتی اور نہ ہی تم سے قضائے الٰہی کو رد کرسکتی ہے۔

حضرت علی بن سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضور، یقین سے افضل ہے کیونکہ حضور انسان میں جاگزیں ہوتا ہے اور یقین میں حرکت ہوتی ہے۔ گویا انھوں نے یقین کو ظہور کا آغاز قرار دیا اور حضور اس (یقین) کا دوام ہے گویا انھوں نے یقین کا حضور سے خالی ہونا جائز قرار دیا اور یقین کے بغیر حضور کو محال قرار دیا۔

اسی لیے حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یقین، مشاہدہ کا نام ہے یعنی مشاہدہ میں ایسا یقین ہوتا ہے جس میں کوئی شک نہیں ہوتا۔ کیونکہ جس شخص کو اپنے اوپر اعتماد نہیں ہوتا وہ اللہ عزوجل کا مشاہدہ نہیں کرسکتا۔

حضرت ابوبکر وڑاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دل کا دارومدار یقین پر ہے اور اسی (یقین) کے ساتھ ایمان کامل ہوتا ہے یقین کے ساتھ ہی اللہ عزوجل کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور عقل کے ذریعے انسان اللہ عزوجل کے احکام کو سمجھتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کچھ لوگ یقین کی وجہ سے ہی پانی پر چلے اور جو لوگ یقین میں ان سے اعلیٰ مرتبہ پر تھے وہ پیاس سے مرگئے۔

بغیر سواری اور زادِراہ کے مکہ پہنچ گئے

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صحرا میں میری ملاقات ایک نوجوان سے ہوئی گویا وہ چاندی کا ٹکڑا ہے (یعنی خوبصورت تھا)۔ میں نے پوچھا: اے لڑکے کہاں جارہے ہو؟

اس نے کہا! مکہ مکرمہ کی طرف جارہا ہوں۔

میں نے کہا! زادِراہ اور سواری کے بغیر جارہے ہو۔

اس نے کہا! اے کمزور یقین والے! وہ ذات جو آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت پر قادر ہے وہ اس بات پر قادر نہیں کہ مجھے کسی وسیلہ کے بغیر مکہ مکرمہ پہنچادے؟

فرماتے ہیں: جب میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوا تو میں نے اسے وہاں طواف کرتے ہوئے پایا اور وہ کہہ رہا تھا:

يَاعَيْنُ سُحِّيْ أَبَدًا يَانَفْسُ مُوْتِيْ كَمَدًا

وَلَا تُحِبِّيْ أَحَدًا إِلَّا الْجَلِيْلَ الصَّمَدَا

❊ اے آنکھ! ہمیشہ روتی رہ۔ اے نفس! غم سے مرجا

❊ لیکن اس ذات کے علاوہ کسی سے محبت نہ کرنا جو جلیل اور بے نیاز ہے۔

فرماتے ہیں: جب اس نے مجھے دیکھا تو مجھ سے کہا اے شیخ! کیا تم ابھی تک کمزور یقین پر ہو؟

حضرت نہر جوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بندہ جب حقائق یقین کی تکمیل کر لے تو اس کے نزدیک مصیبت نعمت اور آسائش مصیبت ہوتی ہے۔

حضرت ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یقین تین طرح کا ہوتا ہے:

① یقین خبر ② یقین دلالت (راہنمائی) ③ یقین مشاہدہ۔

جنگل میں بغیر زادِراہ کے

حضرت ابوتراب نخشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے ایک لڑکے کو دیکھا وہ جنگل میں نفقہ کے بغیر جا رہا تھا۔ میں نے کہا اگر اس کے ساتھ یقین نہیں ہے تو یہ ہلاک ہو جائے گا۔ پس میں نے کہا اے لڑکے! اس قسم کی جگہ میں زادِراہ کے بغیر چل رہے ہو؟

اس نے کہا اے شیخ! سر اٹھایئے۔ کیا آپ کو اللہ عزوجل کے سوا کوئی نظر آتا ہے؟ میں نے کہا اب جہاں چاہو جاؤ۔

حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''علم'' وہ ہے جو تجھے عمل کی طرف لے جائے اور ''یقین'' وہ ہے جو تجھے عمل پر اکسائے۔

شکار کرنا چھوڑ دیا

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے ''میں نے حلال رزق کھانے کے لیے ذریعہ معاش تلاش کیا پس میں نے مچھلی کا شکار شروع کیا۔ ایک دن مچھلی جال میں آئی تو میں نے اس کو نکال کر جال پانی میں ڈال دیا۔ اس کے بعد ایک اور آئی تو میں نے اسے بھی پھینک دیا اور جال پانی میں ڈال دیا۔ اس پر غیب سے آواز آئی کہ کیا تمہارے پاس اس کے علاوہ طلب معاش کا کوئی اور ذریعہ نہیں کہ تم ان کے پاس آ کر ان کو ہلاک کرتے ہو جو ہمارا ذکر کرتی ہیں؟''

فرماتے ہیں: میں نے بانس کو توڑ دیا اور شکار کرنا چھوڑ دیا۔

باب

صبر کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾

''اور اے محبوب تم صبر کرو اور تمہارا صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔''[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع حدیث مروی ہے (یعنی) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ الصَّبْرَ عِنْدَالصَّدْمَةِ الْأُوْلٰی))

''صبر پہلے صدمہ کے وقت ہوتا ہے۔''[2]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلصَّبْرُ عِنْدَالصَّدْمَةِ الْأُوْلٰی))

''صبر پہلے صدمہ کے وقت ہوتا ہے۔''[3]

صبر کی قسمیں

صبر کی کئی قسمیں ہیں:

① بندے کا ان کاموں پر صبر جو اس کے اختیار میں ہیں

② ان کاموں پر صبر جو اس کے اختیار میں نہیں

اور اختیار والے کاموں پر صبر کی دو قسمیں ہیں: ① اس کام پر صبر جس کے کرنے کا اللہ عزوجل نے حکم دیا ② اس کام پر صبر جس سے رُکنے کا اللہ عزوجل نے حکم دیا ہے۔

ان امور پر صبر جن میں بندے کا اختیار نہیں، اس کی مثال یہ ہے کہ انسان پر جو مصیبت اللہ عزوجل کی طرف سے

[1] پارہ 14 النحل 127، ترجمہ کنزالایمان

[2] صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب الصبر عند الصّدمة أولیٰ، رقم الحدیث: 1303.

[3] صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب الصبر عند الصّدمة أولیٰ، رقم الحدیث: 1303.

آ جائے اسے برداشت کرنے میں صبر کرے۔

صبر کے بارے اقوال

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مؤمن کے لیے دنیا سے آخرت کی طرف جانا بہت آسان ہے مگر اللہ عزوجل کی خاطر مخلوق سے جدائی بہت مشکل ہے اور نفس سے اللہ عزوجل کی طرف جانا بہت مشکل ہے لیکن اللہ عزوجل کے ساتھ رہنا یہ اور بھی مشکل ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے صبر کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''منہ چڑھائے بغیر کڑوی چیز کا گھونٹ بھرنا (صبر ہے)۔''

حضرت علی بن اَبی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اَلصَّبْرُ مِنَ الْاِیْمَانِ بِمَنْزِ لَةِ الرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ''

''ایمان کے لیے صبر اس طرح ہے جس طرح جسم کے لیے سر (ضروری) ہے۔''

اللہ عزوجل کے ارشادِ گرامی ﴿وَاصْبِرْ﴾ (صبر کیجیے) کے بارے میں حضرت ابوالقاسم حکیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عبادت کا حکم ہے۔

اور ارشادِ خداوندی: ﴿وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ ''اور تمھارا صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔''[1]

فرمایا: عبودیت (بندگی) ہے اور جو شخص ''لَكَ'' (تیرے لیے) سے ''بِكَ'' (تیرے ساتھ) کی طرف ترقی کرے وہ عبادت سے عبودیت کے درجہ کی طرف ترقی کرتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا: ((بِكَ أَحْيَا وَبِكَ أَمُوْتُ)) ''میں تیری ذات کے ذریعے زندہ ہوں اور تیری ذات کے لیے ہی مروں گا۔''

حضرت ابوسلیمان رحمۃ اللہ علیہ سے صبر کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

(وَاللّٰهِ مَا نَصْبِرُ عَلٰى مَا نُحِبُّ فَكَيْفَ عَلٰى مَا نَكْرِهُ؟)

''اللہ عزوجل کی قسم! ہم تو اپنی پسندیدہ چیزوں پر صبر نہیں کر سکتے ناپسندیدہ پر کیسے صبر کریں گے؟''

حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: شرعی احکام کی مخالفت سے دور رہنا، مصیبتوں کے گھونٹ بھرتے وقت پرسکون رہنا، زندگی کے میدان میں محتاجی کے وقت مال داری کا اظہار کرنا صبر ہے۔

---

[1] پارہ 14، النحل: 127.

حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''صبر یہ ہے کہ مصیبت کے وقت حسن ادب کے ساتھ قائم رہے۔''

کہا گیا ہے کہ کسی شکوہ کے بغیر مصیبت میں فنا ہو جانا صبر ہے۔

حضرت ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بہت زیادہ صبر کرنے والا شخص وہ ہے جو مصیبت میں داخل ہونے کا عادی بن جائے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ انسان جس طرح عافیت کے وقت ثابت قدم رہتا ہے اسی طرح اچھے آداب کے ساتھ مصیبت پر ثابت قدم رہنا صبر ہے۔

حضرت ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عبادت پر سب سے اچھا بدلہ صبر کا بدلہ ہے اس سے اوپر کوئی جزا نہیں۔

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝﴾

''اور ضرور ہم صبر کرنے والوں کو ان کا وہ صلہ دیں گے جو ان کے سب سے اچھے کام کرنے کے قابل ہو۔''[1]

حضرت عمرو بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ عزوجل کے احکام پر ثابت رہنا اور اس کی آزمائش کو خندہ پیشانی اور سکون کے ساتھ قبول کرنا صبر ہے۔

حضرت خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کتاب وسنت کے احکام پر ثابت قدمی کا نام صبر ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: محبین کا صبر زاہدین کے صبر سے زیادہ سخت ہے۔ تعجب ہے کہ وہ کس طرح صبر کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ شعر پڑھتے ہیں:

أَلصَّبْرُ يُحْمَدُ فِيْ الْمَوَاطِنِ كُلِّهَا
إِلَّا عَلَيْكَ فَإِنَّهٗ لَا يُحْمَدُ

* اے محبوب! صبر ہر جگہ قابل تعریف ہے مگر تیرے بارے میں صبر پر تعریف نہیں کی جاتی۔

حضرت رُویم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (أَلصَّبْرُ تَرْكُ الشِّكْوٰى) ''صبر، شکوہ ترک کرنے کا نام ہے۔''

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (أَلصَّبْرُ هُوَ الْإِسْتِعَانَةُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى) ''اللہ عزوجل کی مدد طلب کرنا صبر ہے۔''

[1] پارہ 14 النحل 96، ترجمہ کنزالایمان

حضرت استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (اَلصَّبْرُ كَاِسْمِهٖ) ''صبر اپنے نام کی طرح کڑوا ہے۔''[1]

حضرت ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے اپنا یہ شعر سنایا:

سَأَصْبِرُ، كَيْ تَرْضٰى، وَأُتْلِفُ حَسْرَةً

وَحَسْبِي أَنْ تَرْضٰى وَيُتْلِفُنِيْ صَبْرِيْ

※ میں تمھیں راضی کرنے کے لیے صبر کروں گا خواہ میں حسرت میں اپنے آپ کو ہلاک کر دوں۔ میرے لیے یہی کافی ہے کہ تو راضی ہو جائے اور مجھے میرا صبر ہلاک کر دے۔

حضرت ابوعبداللہ بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صبر (کرنے والوں) کی تین قسمیں ہیں: ① مُتَصَبِّرٌ[2] ② صَابِرٌ ③ صَبَّارٌ۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''صبر ایسی سواری ہے جو کبھی ٹھوکر نہیں کھاتی۔''

حضرت علی بن عبداللہ بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک شخص حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کھڑا ہوا اور پوچھا کہ صبر کرنے والوں پر کون سا صبر زیادہ سخت ہے؟ کیا اللہ عزوجل کی اطاعت میں صبر کرنا سب سے زیادہ مشکل ہے؟

فرمایا: نہیں۔

پوچھا: اللہ کے لیے صبر کرنا مشکل ہے؟ فرمایا: نہیں۔

پوچھا: اللہ کے ساتھ صبر کرنا مشکل ہے؟ فرمایا: نہیں۔

پوچھا: پھر کونسا صبر مشکل ہے؟

فرمایا: اللہ عزوجل اسے قرب عطا کرنے کے باوجود دور کر دے لیکن وہ پھر بھی صبر کرے۔ فرماتے ہیں: اس کے بعد حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے چیخ ماری۔ قریب تھا کہ ان کی رُوح پرواز کر جاتی۔

حضرت محمد جریری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صبر یہ ہے کہ نعمت اور مصیبت دونوں حالتیں برابر ہوں اور ان دونوں حالتوں میں اسے سکون حاصل ہو، تَصَبُّرٌ (خودساختہ صبر) یہ ہے کہ آزمائش کی حالت میں سکون ہو لیکن بندے کو تکلیف کا بھی احساس ہو۔ بعض حضرات نے یہ شعر پڑھے ہیں:

---

[1] صبر ایک کڑوا پھل ہوتا ہے جس کو ایلوا کہا جاتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[2] ''مُتَصَبِّرٌ'' بناوٹی صبر کرنے والا اور ''صَبَّارٌ'' بہت صبر کرنے والا۔ ۱۲ ہزاروی

صَبَرْتُ وَلَمْ أُطَّلِعْ هَوَاكَ عَلٰى صَبْرِىْ
وَأَخْفَيْتُ مَابِىْ مِنْكَ عَنْ مَّوْضِعِ الصَّبْرِ
مَخَافَةَ أَنْ يَّشْكُوَ ضَمِيْرِىْ صَبَابَتِىْ
إِلٰى دَمْعَتِىْ سِرًّا فَتَجْرِىْ وَلَا أَدْرِىْ

* میں نے اس قدر صبر کیا کہ تیرے عشق کو بھی میرے صبر کی اطلاع نہ ہوئی اور میں نے تیرے ساتھ اپنے عشق کو صبر کی جگہ (دل) سے بھی چھپا رکھا۔
* اس خوف سے کہ کہیں میرا دل (گھبرا کر) چپکے سے میرے عشق کی شکایت میرے آنسوؤں سے نہ کر دے اور میرے علم کے بغیر وہ جاری ہو جائیں۔

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صبر کرنے والوں کو دونوں جہانوں کی عزت کے ساتھ کامیابی حاصل ہوئی کیونکہ ان کو اللہ عزوجل کی معیت حاصل ہوئی۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۚ﴾

"بے شک اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔"[1]

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿اِصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا قف﴾

"صبر کرو اور صبر میں دشمنوں سے آگے رہو اور سرحد پر اسلامی ملک کی نگہبانی کرو۔"[2]

اس آیت کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ صبر "مُصَابِرَہ" سے نچلے درجے میں ہے اور "مُصَابِرَہ، مُرَابِطَہ"[3] سے کم درجہ میں ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ "اِصْبِرُوْا" کا معنٰی یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی عبادت پر اپنے آپ کو روکے رکھو، "صَابِرُوْا" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی ذات کی خاطر آزمائشوں پر اپنے دلوں کو روکے رکھو اور اپنے باطن کو اللہ عزوجل کے شوق کی طرف لگائے رکھو۔

---

[1] پارہ 10، الانفال 46، ترجمہ کنزالایمان
[2] پارہ 4، آل عمران 200، ترجمہ کنزالایمان
[3] عبادت پر تکلیف برداشت کرنا صبر، دشمن سے جہاد کرتے ہوئے صبر اختیار کرنا، مصابرت اور جہاد کے لیے گھوڑے رکھنا یعنی جہاد کا سامان رکھنا مرابطہ ہے۔ (نتائج الافکار القدسیہ، جلد 2، حصہ 3، صفحہ: 157) ۱۲ ہزاروی

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ عزوجل کی اطاعت میں صبر کرو اللہ عزوجل کی مدد کے ساتھ اپنے آپ کو روکے رکھو اور اللہ عزوجل کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط رکھو۔

کہتے ہیں اللہ عزوجل نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ میرے اخلاق کو اپناؤ اور میرے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ میں بہت صبر کرنے والا ہوں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ صبر کا کڑوا گھونٹ بھرو اگر اس نے تمھیں ہلاک بھی کیا تو تمھاری ہلاکت بطور شہید ہوگی اور اگر زندہ رکھا تو تم عزت کے ساتھ زندہ رہو گے۔

کہا گیا ہے کہ اللہ عزوجل کے لیے صبر تکلیف کا باعث ہے، اللہ عزوجل کی اطاعت میں صبر کرنا آزمائش ہے۔ اللہ عزوجل کے ساتھ صبر کرنا وفا ہے جب کہ اللہ عزوجل سے روگردانی کرتے ہوئے صبر کرنا جفا (ظلم) ہے۔

اور ان حضرات نے یہ شعر پڑھا:

وَالصَّبْرُ عَنْكَ فَمَذْمُوْمٌ عَوَاقِبُهٗ
وَالصَّبْرُ فِیْ سَائِرِ الْأَشْیَاءِ مَحْمُوْدٌ

* اے محبوب! تجھ سے صبر کر کے بیٹھ جانے کا انجام برا ہے جبکہ دیگر اشیاء میں صبر قابلِ تعریف ہے۔

اور انھوں نے یہ شعر بھی پڑھے:

وَكَیْفَ الصَّبْرُ عَمَّنْ حَلَّ مِنِّیْ
بِمَنْزِلَةِ الْیَمِیْنِ مِنَ الشِّمَالِ
إِذَا لَعِبَ الرِّجَالُ بِكُلِّ شَیْءٍ
رَأَیْتُ الْحُبَّ یَلْعَبُ بِالرِّجَالِ

* اس محبوب سے کیسے صبر ہو سکتا ہے جس کا مجھ سے تعلق اس طرح ہے جس طرح دائیں ہاتھ کا بائیں ہاتھ سے ہے۔
* جب لوگ ہر چیز سے کھیلتے ہیں تو میں دیکھتا ہوں محبت لوگوں کے ساتھ کھیلتی ہے۔

کہا گیا ہے کہ کسی طلب سے صبر کرنا کامیابی کی علامت ہے اور مصیبت پر صبر کرنا کشادگی کی علامت ہے۔

ایک عاشق کا محبوب کے سامنے خاموش رہنا

حضرت منصور بن خلف مغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک شخص کو کوڑے لگانے کے لیے ننگا کیا گیا۔ جب اُسے دوبارہ

قید خانے میں لے جایا گیا تو اس نے ایک ساتھی کو بلا کر اس کے ہاتھ پر تھوک دیا اور اپنے منہ سے چاندی کے ٹکڑے اس کے ہاتھ میں ڈال دیے۔ جب اس سے اس بارے میں پوچھا گیا تو اس نے کہا میرے منہ میں دو درہم تھے اور اس حلقہ میں میرا محبوب تھا (جس کی وجہ سے مجھے مار پڑ رہی تھی) تو میں اس لیے نہ چیخ سکا کہ وہ مجھے دیکھ رہا تھا پس میں ان درہموں کو کاٹتا رہا اور وہ میرے منہ میں ٹوٹ گئے۔

کہا گیا ہے کہ (اے انسان) جس حالت میں تو ہے یہ تیری حفاظت گاہ ہے اور اللہ ﷻ کے سوا سب تیرے دشمن ہیں پس تمھیں اپنی حالت کی حفاظت گاہ میں خوب تیار رہنا چاہیے۔

کہا گیا ہے کہ ''مُصَابَرَتْ'' کا معنیٰ صبر پر صبر کرنا ہے حتیٰ کہ صبر، صبر کے اندر غرق ہو جائے اور خود صبر، صبر کرنے سے عاجز ہو جائے۔ جس طرح کہا گیا ہے:

صَابَرَ الصَّبْرَ فَاسْتَغَاثَ بِهِ الصَّبْرُ   فَصَاحَ الْمُحِبُّ بِالصَّبْرِ صَبْرًا

※ ''اس نے صبر پر صبر کیا حتیٰ کہ صبر نے فریاد کرنا شروع کر دی پس محبّ نے صبر کو آواز دی کہ صبر کرو۔''

اگر محبت کرتے تو صبر کرتے

کہتے ہیں ایک وقت حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو پاگل خانے میں قید کر دیا گیا۔ ان کے پاس کچھ لوگ گئے تو انھوں نے پوچھا: ''تم کون ہو؟''

انھوں نے جواب دیا: ''ہم آپ سے محبت کرنے والے لوگ ہیں جو آپ کی ملاقات کے لیے آئے ہیں۔''

انھوں نے ان کو پتھر مارنا شروع کر دیے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

انھوں نے فرمایا: ''اے جھوٹو! اگر تم میرے دوست ہوتے تو میری مصیبت پر صبر کرتے۔''

بعض روایات میں ہے: (اللہ ﷻ فرماتا ہے) جو لوگ میرے لیے مصائب برداشت کرتے ہیں وہ میری نگاہوں میں (حفاظت میں) ہیں۔

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا﴾

''اور اے محبوب تم اپنے رب کے حکم پر ٹھہرے رہو کہ بے شک تم ہماری نگہداشت میں ہو۔''[1]

[1] پارہ 27، الطور 48، ترجمہ کنزالایمان

ایک بزرگ کا واقعہ

ایک بزرگ فرماتے ہیں: میں مکہ مکرمہ میں تھا کہ میں نے ایک فقیر کو دیکھا۔ وہ خانہ کعبہ کا طواف کررہا تھا۔ اس نے اپنی جیب سے ایک رقعہ نکال کر اسے دیکھا اور چل پڑا۔ دوسرا دن ہوا تو اس نے پھر اسی طرح کیا۔ فرماتے ہیں: میں اسے کئی دن تک دیکھتا رہا وہ اسی طرح کرتا تھا۔ ایک دن اس نے طواف کیا اور اس رقعہ میں نظر کی اور کچھ دور گیا اور مر کر گر گیا۔ میں نے اس کی جیب سے رقعہ نکالا تو اس میں لکھا تھا:

﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا﴾

''اور اے محبوب تم اپنے رب کے حکم پر ٹھہرے رہو کہ بے شک تم ہماری نگہداشت میں ہو۔''[1]

تین دن مجھے دیکھا نہیں

کہا گیا ہے کہ ایک نوجوان کو دیکھا گیا کہ وہ ایک بوڑھے آدمی کو جوتے مار رہا ہے۔ اس سے کہا گیا کہ تمھیں حیا نہیں آتی تو اس قسم کے بزرگ کے چہرے پر مار رہا ہے۔ اس نے کہا اس کا جرم بہت بڑا ہے۔ پوچھا گیا وہ کیا ہے؟ اس نے کہا یہ شیخ مجھ سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے لیکن تین دن سے مجھے دیکھنے نہیں آیا۔

ساٹھ (60) سال ایک آنکھ نہ کھولی

ایک صوفی بتاتے ہیں کہ میں ہندوستان کے ملک میں داخل ہوا تو وہاں ایک شخص کو دیکھا جس کی ایک آنکھ ہے اور اسے فلاں صبور (بہت صبر کرنے والا) کہا جاتا ہے۔ میں نے اس کی حالت کے بارے میں پوچھا تو کہا گیا کہ اس کی جوانی کے زمانے میں اس کا ایک دوست سفر پر نکلا۔ یہ اس کو رخصت کرنے کے لیے نکلا تو اس کی ایک آنکھ سے آنسو جاری ہوئے۔ دوسری آنکھ سے یہ نہ رو سکا۔ جس آنکھ سے آنسو نہ نکلے اس نے اس سے کہا تو میرے دوست کی جدائی پر کیوں نہ روئی اب میں تجھے دنیا میں دیکھنے سے محروم کردوں گا۔ پس اس نے آنکھ بند کردی اور ساٹھ (60) سال سے آنکھ نہیں کھولی۔

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا۝﴾

[1] پارہ 27، الطور 48، ترجمہ کنزالایمان

''تو تم اچھی طرح صبر کرو۔''[1]

اس آیت کی تشریح میں کہا گیا ہے کہ صبر جمیل یہ ہے کہ مصیبت زدہ لوگوں کے درمیان موجود ہو اور لوگوں کو پتہ نہ چلے کہ کون شخص مصیبت میں مبتلا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اگر صبر اور شکر دو اونٹ ہوتے تو میں اس بات کی پرواہ نہ کرتا کہ میں ان میں سے کس پر سوار ہوں۔''

حضرت ابن شبرمہ رحمۃ اللہ علیہ پر جب کوئی مصیبت نازل ہوتی تو فرماتے: یہ بادل عنقریب چھٹ جائیں گے۔

اور حدیث شریف میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: ''ایمان کیا ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَلصَّبْرُ وَالسَّمَاحَةُ)) ''صبر اور تحمل۔''[2]

حضرت عمیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے باپ سے اور انھوں نے اپنے دادا سے روایت کی وہ فرماتے ہیں: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

((أَلصَّبْرُ وَالسَّمَاحَةُ)) ''صبر اور تحمل۔''[3]

صبر کے بارے بیان کروں اور خود صبر نہ کروں

حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ سے صبر کے بارے میں پوچھا گیا تو وہ اس کے بارے میں گفتگو کرنے لگے۔ اس دوران ایک بچھوان کی ٹانگ پر چڑھ گیا۔ اس نے آپ کو کئی ڈنک مارے لیکن آپ پرسکون رہے۔ آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی کہ آپ نے اسے دور کیوں نہ کیا؟

آپ نے فرمایا: مجھے اللہ عزوجل سے حیا آتی تھی کہ میں صبر کے بارے میں گفتگو کروں اور خود صبر نہ کروں۔

بعض روایات میں ہے کہ صبر کرنے والے فقیر قیامت کے دن اللہ عزوجل کے ہم نشین ہوں گے۔ اللہ عزوجل نے اپنے ایک نبی علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میں نے اپنے بندے کو آزمائش میں ڈالا تو اس نے مجھے پکارا، میں نے اس کی دعا قبول کرنے میں دیر کی تو اس نے مجھ سے شکایت کی۔

میں نے کہا: اے میرے بندے میں ایسی چیز سے تجھ پر کیسے رحم کروں جس کی وجہ سے تجھ پر رحم کرتا ہوں۔

---

[1] پارہ 29، المعارج 5، ترجمہ کنزالایمان

[2] مسند امام احمد بن حنبل، رقم الحدیث: 19435.

[3] مسند امام احمد بن حنبل، رقم الحدیث: 19435.

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ؕ قف﴾

''اور ہم نے ان میں سے کچھ امام بنائے کہ ہمارے حکم سے بتاتے جبکہ انھوں نے صبر کیا۔''[1]

اس آیت کی تشریح میں حضرت ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب انھوں نے امرِ دین کی اصل (صبر) کو پکڑ لیا تو ہم نے ان کو سردار بنایا۔

استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صبر کی حد یہ ہے کہ تم تقدیر پر اعتراض نہ کرو البتہ مصیبت کا اس طرح اظہار کہ شکوہ نہ ہو، صبر کے خلاف نہیں ہے۔ اللہ عزوجل نے حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعہ میں فرمایا:

﴿اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝﴾

''بے شک ہم نے اسے صابر پایا کیا اچھا بندہ بے شک وہ بہت رجوع لانے والا ہے۔''[2]

اس کے ساتھ ہی ان کے بارے میں یہ بھی فرمایا:

﴿مَسَّنِیَ الضُّرُّ﴾

''مجھے تکلیف پہنچی۔''[3]

یعنی انھوں نے تکلیف کا اظہار کیا لیکن شکوہ نہیں۔

یہی (ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے تھے: اللہ عزوجل نے حضرت ایوب علیہ السلام کی زبان سے "مَسَّنِیَ الضُّرُّ" کا جملہ اس لیے نکلوایا تا کہ اُمت کے کمزور آدمیوں کے لیے سانس لینے کی گنجائش نکل آئے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے ''اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا'' فرمایا لفظ ''صَبُوْرٌ'' نہیں فرمایا کیونکہ آپ ہر حال میں صابر نہ تھے (''صَبُوْرٌ'' وہ ہوتا ہے جو ہر حال میں ''صَابِرٌ'' ہو) بلکہ بعض اوقات آزمائش سے لذت حاصل کرتے تھے اور اسے شیریں خیال کرتے۔ پس وہ لذت حاصل کرنے کی حالت میں صابر نہ ہوتے اس لیے ''صَبُوْرٌ'' (بہت صبر کرنے والا) نہیں فرمایا۔

حضرت ابو علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: صبر کی حقیقت یہ ہے کہ مصیبت سے اسی طرح نکلے جس طرح اس میں داخل ہوا تھا۔ جس طرح حضرت ایوب علیہ السلام کی حالت تھی۔ انھوں نے اپنی آزمائش کے آخر میں فرمایا:

---

[1] پارہ 21، السجدہ 24، ترجمہ کنزالایمان
[2] پارہ 23، ص 44، ترجمہ کنزالایمان
[3] پارہ 17، الأنبیاء 83، ترجمہ کنزالایمان

﴿مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ﴾

''کہ مجھے تکلیف پہنچی اور تو سب مہر والوں سے بڑھ کر مہر والا ہے۔''[1]

صبر کی اقسام

صبر کی دو قسمیں ہیں: ① عابدین کا صبر ② محبین کا صبر۔

عابدین کا صبر یہ ہے کہ وہ ''محفوظ'' (دائمی) ہو اور محبین کا اچھا صبر یہ ہے کہ وہ ''ترک'' کر دیا جائے۔ اسی معنیٰ میں یہ شعر پڑھا ہے:

تَبَیَّنَ یَوْمَ الْبَیْنِ أَنَّ إِعْتِزَامَهٗ
عَلَی الصَّبْرِ مِنْ إِحْدَی الظُّنُوْنِ الْکَوَاذِبِ

* جدائی کے دن واضح ہو گیا کہ اس (عاشق) کے صبر کا دعویٰ جھوٹے خیالات میں سے ایک تھا (کیونکہ وہ جدائی برداشت نہ کر سکا اور بے صبر ہو گیا)۔

قابل توجہ واقعہ

حضرت ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے اسی سلسلے میں فرمایا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے صبح کے وقت وعدہ فرمایا کہ میں صبر کروں گا پس آپ علیہ السلام نے فرمایا: (فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ) ''یعنی میرا معاملہ اچھا صبر کرنا ہے۔'' پھر شام سے پہلے پہلے فرمایا:

﴿یٰاَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ﴾

''ہائے افسوس یوسف کی جدائی پر۔''[2]

---

① پارہ17، الانبیاء 83، ترجمہ کنزالایمان

② پارہ13، یوسف 84، ترجمہ کنزالایمان

باب

مراقبہ کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ رَّقِيْبًا ۝﴾

''اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔'' [1]

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

((جَاءَ جِبْرِيْلُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فِيْ صُوْرَةِ رَجُلٍ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، مَا الْإِيْمَانُ؟ قَالَ: أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَآئِكَتِهٖ، وَكُتُبِهٖ، وَرُسُلِهٖ، وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ، وَحُلْوِهٖ وَمُرِّهٖ. قَالَ: صَدَقْتَ. قَالَ: فَتَعَجَّبْنَا مِنْ تَصْدِيْقِهِ النَّبِيُّ ﷺ وَهُوَ يَسْأَلُهٗ وَيُصَدِّقُهٗ، قَالَ: فَأَخْبِرْنِيْ مَا الْإِسْلَامُ؟ قَالَ: اَلْإِسْلَامُ أَنْ تُقِيْمَ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ، وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ، وَتَحُجَّ الْبَيْتَ. قَالَ: صَدَقْتَ. قَالَ: فَأَخْبِرْنِيْ مَا الْإِحْسَانُ؟ اَلْإِحْسَانُ: أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهٗ يَرَاكَ قَالَ: صَدَقْتَ......))

''حضرت جبریل علیہ السلام انسانی صورت میں آئے اور پوچھا اے محمد ﷺ! ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ عزوجل، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور تقدیر کے خیر وشر اور میٹھے اور کڑوے پر ایمان لانا۔'' انھوں نے کہا: آپ ﷺ نے سچ فرمایا۔ حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہمیں ان کی تصدیق پر تعجب ہوا کہ وہ رسول اکرم ﷺ سے سوال بھی کرتے ہیں اور تصدیق بھی کرتے ہیں۔ انھوں نے کہا مجھے اسلام کے بارے میں خبر دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسلام یہ ہے کہ تم نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، (ماہ) رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ شریف کا حج کرو۔'' حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: آپ ﷺ نے سچ فرمایا۔ پھر کہا مجھے احسان کے بارے میں خبر دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ عزوجل کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ پس اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔'' حضرت جبریل علیہ السلام

---

[1] پارہ22، الاحزاب 52، ترجمہ کنزالایمان

نے کہا: آپ نے سچ فرمایا۔"[1]

مراقبہ کا ثبوت حدیث سے

حضرت شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ "اگر تم اسے نہیں دیکھتے تو وہ تمھیں دیکھ رہا ہے" یہ حالتِ مراقبہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ "مراقبہ" بندہ کے اس بات کو جاننے کا نام ہے کہ رب سبحانہ وتعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے۔ اس علم کا دوام اپنے رب کے لیے مراقبہ ہے اور یہ ہر نیکی کی اصل ہے اور اس مرتبہ تک اسی وقت پہنچ سکتا ہے جب محاسبہ سے فارغ ہو جائے۔ جب محاسبہ کر چکے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے تو موجودہ وقت میں اپنی اصلاح کرے، حق کے راستے کو لازم پکڑے اور اپنے اور اللہ عزوجل کے درمیان دل کے معاملے کو اچھا کرے اور اللہ عزوجل کے (احکام کے) ساتھ "اپنی" سانسوں کو محفوظ رکھے اور اپنے عام حالات میں اللہ عزوجل کو دیکھتا رہے۔ اور یہ بات جان لے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے اور وہ اس کے دل کے قریب ہے، اس کے احوال کو جانتا، اس کے افعال کو دیکھتا اور اس کے اقوال کو سنتا ہے۔ جو شخص ان باتوں سے غافل ہوا وہ وصلِ الٰہی کی ابتداء سے ہی کنارہ کش ہے۔ وہ قربت کے حقائق کو کیسے پا سکتا ہے۔

حضرت جریری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو شخص اپنے اور اللہ عزوجل کے درمیان تقویٰ اور مراقبہ کو مضبوط نہیں کرتا وہ کشف اور مشاہدہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

مخلوق کا مراقبہ

حضرت استاذ ابوعلی دقاق رحمہ اللہ فرماتے تھے: کسی امیر کا ایک وزیر تھا اور وہ ایک دن اس کے سامنے کھڑا تھا تو اس نے وہاں کھڑے ایک لڑکے کی طرف نظر کی لیکن یہ بری نظر نہ تھی بلکہ صرف اس لیے دیکھا کہ اس نے اس کی کوئی حرکت یا آواز محسوس کی۔ اتفاق سے اس امیر نے وزیر کو اس حالت میں دیکھ لیا تو وزیر کو ڈر محسوس ہوا کہ امیر یہ خیال کرے گا کہ یہ لڑکوں کو دیکھتا ہے پس اس نے امیر کو بھی اسی طرح دیکھنا شروع کر دیا۔

اس کے بعد وزیر اس امیر کے پاس جاتا تو ایک طرف دیکھتا رہتا حتیٰ کہ امیر نے خیال کیا کہ یہ اس کی عادت ہے اور یوں امیر کے دل سے وہ خیال چلا گیا۔ یہ مخلوق کا مخلوق کے لیے مراقبہ ہے تو بندے کا اپنے آقا کے لیے مراقبہ کس قدر اچھا ہوگا؟

---

[1] مسند إمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث: 374 (چند لفظوں کے فرق کے ساتھ) صحيح بخاري، كتاب الأيمان، باب سؤال جبريل النبي ﷺ، رقم الحديث: 50-4777 (روایت بالمعنی)

خادم پہاڑ سے برف لے آیا

بعض فقراء کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایک بادشاہ کا غلام تھا۔ وہ دوسرے غلاموں کی نسبت اس کی طرف زیادہ متوجہ ہوتا حالانکہ ان کے مقابلے میں نہ تو اس کی حیثیت زیادہ تھی اور نہ وہ ان کے مقابلے میں زیادہ خوبصورت تھا۔ لوگوں نے اس سے اس بارے میں پوچھا تو امیر نے ارادہ کیا کہ وہ ان کو بتائے کہ یہ لڑکا خدمت کے اعتبار سے ان دوسروں پر فضیلت رکھتا ہے۔

ایک دن وہ اپنے نوکروں سمیت سواری پر نکلا اور دور ایک پہاڑ پر برف تھی۔ امیر نے اس برف کی طرف نگاہ کی اور سر جھکا دیا۔ غلام نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور لوگوں کو پتہ نہ چل سکا کہ کیوں ایڑ لگائی ہے۔ تھوڑی دیر گزری کہ وہ کچھ برف لے کر آ گیا۔

امیر نے اس سے پوچھا تمھیں کس طرح پتہ چلا کہ میں نے برف کا ارادہ کیا ہے؟

لڑکے نے کہا! اس طرح کہ آپ نے برف کی طرف دیکھا تھا اور بادشاہ کی کسی چیز کی طرف نظر صحیح مقصد کے بغیر نہیں ہوتی۔

امیر نے کہا! اس کی طرف میری نظر اور توجہ خصوصی طور پر اس لیے ہے کہ ہر کوئی اپنے کام میں مشغول رہتا ہے اور اس کی مشغولیت میری نگاہ کو دیکھنا اور میرے احوال کا خیال رکھنا ہے۔

بعض بزرگوں نے فرمایا: (مَنْ رَّاقَبَ اللّٰهَ فِيْ خَوَاطِرِهٖ عَصَمَهُ اللّٰهُ فِيْ جَوَارِحِهٖ) ''جو شخص اپنے قلبی خیالات میں اللہ عزوجل کو دیکھتا ہے اللہ عزوجل اس کے اعضاء کو گناہ سے بچاتا ہے۔''

حضرت ابوالحسین بن ہند رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ چرواہا اپنی بکریوں کو ہلاکت کی چراگاہ سے کب ہانک کر لے جاتا ہے؟ اُنھوں نے فرمایا: جب وہ جانتا ہو کہ اسے کوئی دیکھنے والا ہے۔

ایک غلام کا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو جواب

کہا گیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ایک سفر میں تھے۔ آپ نے ایک غلام کو دیکھا کہ وہ بکریاں چرا رہا ہے۔ آپ نے اس سے فرمایا: ''ان میں سے ایک بکری بیچتے ہو؟'' اس نے عرض کیا یہ میری نہیں ہیں۔

آپ نے فرمایا: ''ان کے مالک سے کہو کہ بھیڑیا ان میں سے ایک کو لے گیا ہے۔'' (آپ نے بطور آزمائش یہ بات فرمائی)۔ غلام نے کہا: ''تو اللہ عزوجل کہاں ہے؟''

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اس کے بعد ایک مدت تک فرماتے رہے: ''اس غلام نے کہا! اللہ عزوجل کہاں ہے؟ (یعنی وہ دیکھ

رہا ہے)۔"

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "جو شخص مراقبہ میں ثابت قدم رہا اسے صرف اللہ عزوجل کے ہاں اپنے حصے کے فوت ہونے کا ڈر ہوگا کسی اور کے ہاں نہیں۔"

پرندہ وہاں ذبح کرو جہاں کوئی نہ دیکھے

ایک بزرگ کے کچھ شاگرد تھے۔ وہ اُن میں سے ایک کی طرف دوسروں کے مقابلے میں زیادہ توجہ دیتے تھے۔ ان سے اس بارے میں پوچھا گیا انھوں نے فرمایا: "میں تم سے بیان کرتا ہوں۔" انھوں نے اپنے شاگردوں میں سے ہر ایک کو پرندہ دیا اور ہر ایک سے کہا کہ اس کو ایسی جگہ ذبح کرو جہاں اسے کوئی دیکھنے والا نہ ہو اور اس (خاص) شخص شاگرد کو بھی (پرندہ) دیا۔ وہ سب چلے گئے اور ہر ایک اس صورت میں واپس آیا کہ اس نے پرندے کو ذبح کر دیا تھا اور یہ (شاگرد) زندہ پرندے کو لے آیا۔

بزرگ نے پوچھا: "تم نے ذبح کیوں نہ کیا؟"

اس نے کہا: "آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں اسے وہاں ذبح کروں جہاں اسے کوئی نہ دیکھے۔"

انھوں نے فرمایا: "میں نے اسی لیے اس کو اپنی توجہ کے لیے خاص کیا ہے۔"

مراقبہ کے بارے چند اقوال

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مراقبہ کی علامت یہ ہے کہ انسان ان چیزوں کو ترجیح دے جن کو اللہ عزوجل نے ترجیح دی ہے اور ان چیزوں کی تعظیم کرے جن کو اللہ عزوجل نے قابل تعظیم قرار دیا اور ان کو حقیر جانے جو اللہ عزوجل کے ہاں حقیر ہیں۔

حضرت نصر اباذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اُمید تجھے اطاعت کی ترغیب دیتی ہے اور خوف تمھیں گناہوں سے دور رکھتا ہے اور "مراقبہ" تمھیں حقائق کی راہ تک پہنچاتا ہے۔

حضرت ابوالعباس بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت جعفر بن نصیر رحمۃ اللہ علیہ سے مراقبہ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: جو خیال دل میں پیدا ہوتا ہے اس کے بارے میں بندہ یہ خیال کرے کہ اللہ عزوجل اسے دیکھ رہا ہے اور اس طرح وہ دل کی حفاظت کرے تو یہ مراقبہ ہے۔

حضرت جریری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہمارا یہ معاملہ (تصوف) دو باتوں پر مبنی ہے۔ ایک یہ کہ تم اپنے نفس پر یہ بات لازم کر دو کہ وہ ہمیشہ اللہ عزوجل کو پیش نظر رکھے (دوسری بات کہ) اس علم کا اثر تمھارے ظاہر پر بھی موجود ہو۔

حضرت مرتعش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مراقبہ یہ ہے کہ ہر لحظہ اور ہر لفظ کے ساتھ غیب کو دیکھتے ہوئے اپنے باطن کا خیال رکھا جائے۔

حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ افضل عبادت کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا:

(مُرَاقَبَةُ الْحَقِّ عَلٰى دَوَامِ الْاَوْقَاتِ)

''ہر وقت اللہ عزوجل کو نگاہ میں رکھنا۔''

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (احکام خداوندی کا) خیال رکھنے سے مراقبہ پیدا ہوتا ہے اور ''مراقبہ'' سے ظاہر و باطن میں خلوص پیدا ہوتا ہے۔

حضرت ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: طریقت میں افضل ترین چیز جسے انسان اپنے اوپر لازم کرے وہ محاسبہ، مراقبہ اور اپنے علم کے مطابق عمل کرنا ہے۔

اپنے باطن کو وعظ و نصیحت کرو

حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا: جب تم لوگوں کے سامنے (وعظ و تبلیغ کے لیے) بیٹھو تو اپنے دل اور نفس کو وعظ کرو اور تمھارے پاس ان کا اجتماع تمھیں دھوکے میں نہ ڈالے کیونکہ وہ تمھارے ظاہر کو دیکھتے ہیں اور اللہ عزوجل تمھارے باطن کو دیکھتا ہے۔

جنگل میں درندے کی طرف متوجہ نہ ہوئے

حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھ سے میرے کسی بزرگ نے فرمایا: اپنے باطن اور مراقبہ کا ہر وقت خیال رکھو۔ وہ فرماتے ہیں ایک دن میں جنگل میں جا رہا تھا کہ میں نے اپنے پیچھے سرسراہٹ سنی جس سے میں ڈر گیا۔ میں نے اس کی طرف متوجہ ہونے کا ارادہ کیا لیکن متوجہ نہ ہو سکا۔ میں نے دیکھا ایک چیز میرے کاندھے پر کھڑی ہے پھر وہ ہٹ گئی اور میں اپنے باطن کی رعایت میں لگا رہا۔ پھر میں نے دیکھا تو وہ بہت بڑا درندہ تھا۔

حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: افضل عبادت اوقات کی حفاظت ہے۔ وہ یہ کہ بندہ اپنی حدود کے سوا کسی طرف نہ جھانکے اور اپنے رب عزوجل کے علاوہ کسی کو نگاہ میں نہ رکھے اور اپنے وقت کے سوا کسی کا ساتھ نہ دے۔

باب
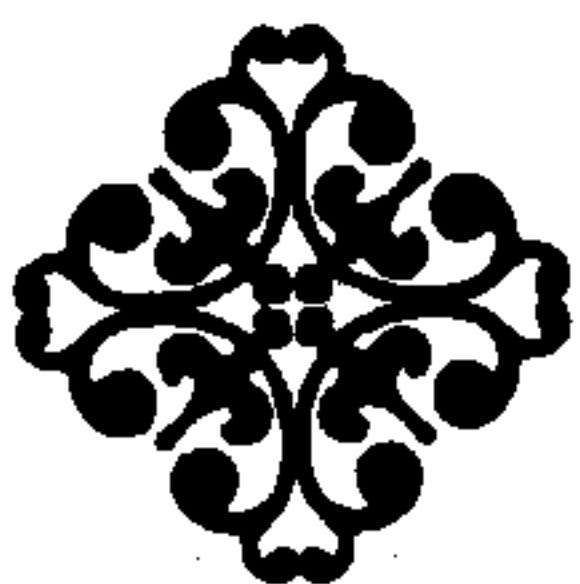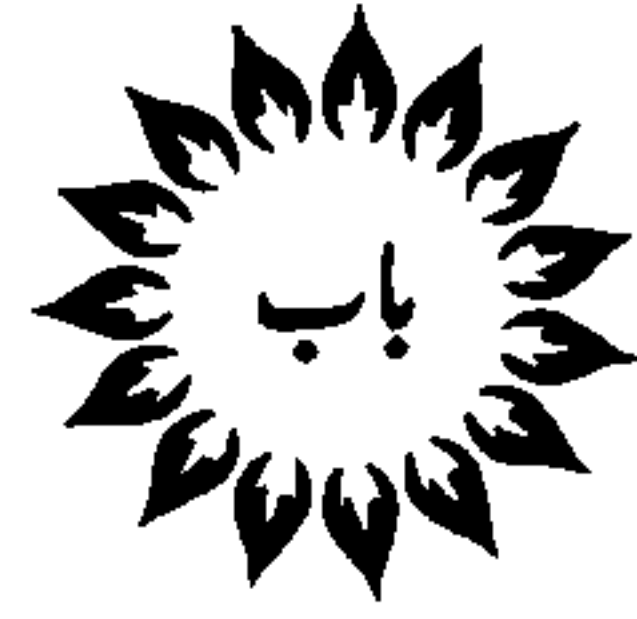
رضا کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے: ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ط﴾ ''اللہ ان سے راضی اور وہ اُس سے راضی۔''[1]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((بَيْنَنَا أَهْلُ الْجَنَّةِ فِيْ مَجْلِسٍ لَهُمْ، إِذْ سَطَعَ لَهُمْ نُوْرٌ عَلٰى بَابِ الْجَنَّةِ، فَرَفَعُوْا رُؤُوْسَهُمْ، فَإِذَا الرَّبُّ تَعَالٰى قَدْ أَشْرَفَ عَلَيْهِمْ، فَقَالَ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ سَلُوْنِيْ: فَقَالُوْا: نَسْأَلُكَ الرِّضَا عَنَّا، قَالَ تَعَالٰى: رِضَايْ قَدْ أَحَلَّكُمْ دَارِيْ وَأَنَالَكُمْ كَرَامَتِيْ هٰذَا أَوَانُهَا، فَاسْأَلُوْنِيْ: قَالُوْا: نَسْأَلُكَ الزِّيَادَةَ: قَالَ فَيُؤْتُوْنَ بِنَجَائِبَ مِنْ يَاقُوْتٍ أَحْمَرَ: أَزِمَّتُهَا زُمُرُّدٌ أَخْضَرُ وَيَاقُوْتٌ أَحْمَرُ فَجَاؤُوْا عَلَيْهَا تَضَعُ حَوَافِرَهَا عِنْدَ مُنْتَهٰى طَرْفِهَا فَيَأْمُرُ اللّٰهُ بِأَشْجَارٍ عَلَيْهَا الثِّمَارُ وَتَجِيْءُ جَوَارٍ مِّنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ وَهُنَّ يَقُلْنَ نَحْنُ النَّاعِمَاتُ فَلَا نَبْؤُسُ وَنَحْنُ الْخَالِدَاتُ فَلَا نَمُوْتُ أَزْوَاجُ قَوْمٍ مُؤْمِنِيْنَ كِرَامٍ وَّيَأْمُرُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ بِكُثَابٍ مِّنْ مِسْكٍ أَبْيَضَ أَذْفَرَ فَتَثِيْرُ عَلَيْهِمْ رِيْحًا يُقَالُ لَهَا الْمُثِيْرَةُ حَتّٰى تَنْهَى بِهِمْ إِلَى جَنَّةِ عَدْنٍ وَهِيَ قَصَبَةُ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ: مَرْحَبًا بِالصَّادِقِيْنَ. مَرْحَبًا بِالطَّائِعِيْنَ. قَالَ: فَيُكْشَفُ لَهُمُ الْحِجَابُ: فَيَنْظُرُوْنَ إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ: فَيَتَمَتَّعُوْنَ بِنُوْرِ الرَّحْمٰنِ، حَتّٰى لَا يُبْصِرَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا، ثُمَّ يَقُوْلُ: إِرْجِعُوْهُمْ إِلَى الْقُصُوْرِ بِالتُّحَفِ قَالَ فَيَرْجِعُوْنَ وَقَدْ أَبْصَرَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ﴿نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ۝ ﴾))

''اس دوران کہ اہلِ جنت اپنی اپنی جگہوں میں ہوں گے کہ اچانک جنت کے دروازے پر نور ظاہر ہوگا۔ وہ اپنے سروں کو اُٹھائیں گے تو دیکھیں گے کہ ان کا رب ان کی طرف متوجہ ہے۔ وہ فرمائے گا: ''اہل جنت! مجھ سے مانگو'' وہ کہیں گے ''ہم تجھ سے تیری رضا کا سوال کرتے ہیں۔'' اللہ عزوجل فرمائے گا: ''میری رضا کی وجہ سے ہی تم میرے گھر میں اترے ہو اور تمھیں میری طرف سے عزت حاصل ہوئی ہے، یہی وقت ہے مانگ لو'' وہ کہیں گے: ''ہم تجھ سے مزید رضا چاہتے ہیں۔'' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''پس ان کے پاس

[1] پارہ7، المائدہ 119 - پارہ 30، البینہ: 8، ترجمہ کنزالایمان

سرخ یاقوت کی اونٹنیاں لائی جائیں گی جن کی لگامیں زرد رنگ کے زمرد اور سرخ رنگ کے یاقوت سے ہوں گی۔ وہ ان پر سوار ہوں گے اور وہ اس جگہ قدم رکھیں گی جہاں تک نگاہ پہنچتی ہے۔ پھر اللہ عزوجل پھل دار درختوں کو حکم دے گا اور پھر موٹی آنکھوں والی لڑکیاں آئیں گی اور وہ کہیں گی: ''ہم نازک اندام ہیں اور ہمیں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں پس ہمیں موت نہیں آئے گی ہم مؤمنوں کی عزت والی بیویاں ہیں۔'' اللہ عزوجل حکم دے گا تو سفید خوشبودار کستوری کے ٹیلے ان پر ایک ہوا اڑائیں گے جس کو مثیرہ کہا جائے گا حتیٰ کہ وہ ان کو جنت عدن میں لے جائے گی اور یہ جنت کا بہترین حصہ ہے۔ پس فرشتے کہیں گے اے ہمارے رب! یہ لوگ آئے ہیں تو اللہ عزوجل فرمائے گا سچ بولنے والوں کو مرحبا، اطاعت کرنے والوں کو مرحبا۔'' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پس ان کے لیے پردہ اُٹھایا جائے گا تو وہ اللہ عزوجل کی زیارت کریں گے اور رحمٰن کے نور سے نفع اٹھائیں گے۔ حتیٰ کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکیں گے۔ اس کے بعد اللہ عزوجل فرمائے گا تحفوں کے ساتھ اپنے محلات میں واپس جاؤ۔'' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''پس اس حال میں واپس جائیں گے کہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے۔'' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((فَذٰلِكَ قَوْلُهٗ تَعَالٰی)) ''اللہ عزوجل کے ارشادِ گرامی: ﴿نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ﴾ ''مہمانی بخشنے والے مہربان کی طرف سے۔''[1] سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔''[2]

رضا کے بارے اختلاف

رضا کے بارے میں عراقیوں اور خراسانیوں کے درمیان اختلاف ہے کہ آیا یہ احوال سے ہے یا مقامات سے۔ خراسان والے کہتے ہیں: رضا، مقامات میں سے ایک (مقام) ہے اور یہ توکل کی انتہاء ہے اور اس کا معنٰی یہ ہے کہ ''رضا'' ایک ایسی چیز ہے جسے انسان اپنی محنت سے حاصل کر سکتا ہے۔

عراقیوں کے نزدیک رضا احوال میں سے ایک حال ہے اور بندے کے کسب سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ ایک کیفیت ہے جو دوسرے احوال کی طرح بندے کے دل پر نازل ہوتی ہے۔

لیکن ان دونوں قولوں کو جمع بھی کیا جا سکتا ہے۔ پس کہا جائے گا کہ رضا کی ابتداء کا تعلق بندے کے کسب سے ہے اور یہ مقامات سے ہے اور اس کی انتہاء جملہ احوال سے ہے اور وہ کسبی چیز نہیں ہے۔

---

[1] پارہ 24، سورۃ حٰم السجدۃ: 32 ترجمہ کنزالایمان

[2] سنن ابن ماجہ، مقدمہ 13.

رضا کے بارے اقوال

رضا کے بارے میں لوگوں نے کلام کیا ہے پس ہر ایک نے اپنی حالت اور اپنے مشرب کا اظہار کیا ہے پس ان کی عبارت میں اختلاف ہے۔ جس طرح اس سے حصہ لینے میں ان کے درمیان فرق ہے (کسی کو کم اور کسی کو زیادہ ملا)۔ جہاں تک علم کی شرط کا تعلق ہے تو وہ ضروری ہے۔ پس جو شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رضا پر راضی رہتا ہے وہ اس کی تقدیر پر اعتراض نہیں کرتا۔

حضرت استاذ ابوعلی دقاق رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه فرماتے ہیں: رضا یہ نہیں کہ تمھیں ابتلاء و آزمائش کا احساس نہ ہو۔ رضا یہ ہے کہ تم اس کے حکم اور فیصلے پر اعتراض نہ کرو۔ اور جان لو کہ بندے پر واجب ہے کہ بندہ اس قضا پر راضی رہے جس پر راضی رہنے کا اسے حکم دیا گیا ہے کیونکہ بندے کے لیے ہر اس بات پر جو اس کی تقدیر میں ہے، راضی رہنا جائز یا واجب نہیں ہے۔ جس طرح گناہ یا مسلمانوں کو ایذاء پہنچانا وغیرہ۔ [1]

مشائخ کرام رَحِمَهُمُ اللهُ نے فرمایا کہ "رضا" اللہ عَزَّوَجَلَّ کا بہت بڑا دروازہ ہے۔ ان کی مراد یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنی رضا سے نوازا اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بہت بڑی عنایت ہے اور اسے قرب اعلیٰ کے ساتھ مکرم و معظم فرمایا۔

حضرت عبدالواحد بن زید رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه فرماتے ہیں: (اَلرِّضَا بَابُ اللّٰهِ الْاَعْظَمُ وَجَنَّةُ الدُّنْيَا) "رضا اللہ عَزَّوَجَلَّ کا بہت بڑا دروازہ اور دنیا کی جنت ہے۔"

یہ بھی جاننا چاہئے کہ بندہ اس وقت تک حق تعالیٰ سے راضی نہیں ہوسکتا جب تک حق سبحانہ وتعالیٰ اس سے راضی نہ ہو کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾

"اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔" [2]

اللہ عَزَّوَجَلَّ راضی ہو تو پتہ چل جاتا ہے

حضرت استاذ ابوعلی دقاق رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه فرماتے ہیں: ایک شاگرد نے اپنے استاذ سے پوچھا "کیا بندے کو پتہ چل جاتا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس سے راضی ہے؟"

استاذ نے کہا: "نہیں، وہ اس بات کو کس طرح جان سکتا ہے حالانکہ اس کی رضا پوشیدہ بات ہے۔"

---

[1] یہ امور تقدیر اور قضاء کے مطابق ہیں لیکن ان سے راضی رہنا درست نہیں۔ ۱۲ ہزاروی

[2] پارہ 7، المائدہ 119، پارہ 30، سورۃ البینہ 8، ترجمہ کنزالایمان

شاگرد نے کہا: ''بلکہ اس کو علم ہو جاتا ہے۔''

استاذ نے پوچھا: ''وہ کیسے؟''

کہا: ''جب میں اپنے دل کو اللہ عزوجل سے راضی پاتا ہوں تو مجھے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ مجھ سے راضی ہے۔''

استاذ نے کہا:

''اے بیٹے! تو نے بہت اچھا کہا ہے۔''

رضا والوں کے احوال و اقوال

کہا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے (بارگاہِ خداوندی میں) عرض کیا: ''الٰہی! مجھے کوئی ایسا عمل بتا دے کہ جب میں اس پر عمل کروں تو تُو اس کے ذریعے مُجھ سے راضی ہو جائے۔''

اللہ عزوجل نے فرمایا: ''آپ کو اس کی طاقت نہیں۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام سجدے میں گر گئے اور گڑگڑانے لگے تو اللہ عزوجل نے آپ کی طرف وحی بھیجی

''اے عمران کے بیٹے! جب تم میرے فیصلے کے مطابق عمل کرو گے تو تمھیں میری رضا حاصل ہو جائے گی۔''

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(إِذَا سَلَا الْعَبْدُ عَنِ الشَّهْوَاتِ فَهُوَ رَاضٍ)

''جب بندہ اپنی خواہشات کو ترک کر دے تو وہ اللہ عزوجل سے راضی ہے۔''

حضرت نصراباذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(مَن أَرَادَ أَنْ يَّبْلُغَ مَحَلَّ الرِّضَا فَلْيَلْزَمْ مَا جَعَلَ اللّٰهُ رِضَاهُ فِيْهِ)

''جو شخص محلِ رضا تک پہنچنے کا ارادہ کرے تو وہ ان باتوں کو اختیار کرے جن میں اللہ عزوجل کی رضا ہے۔''

حضرت محمد بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: رضا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ''رِضَا بِاللّٰه'' دوسری ''رِضَا عَنِ اللّٰهِ'' ''رِضَا بِاللّٰه'' یہ ہے کہ بندہ اس کے مدبّر (تدبیر کرنے والا) ہونے پر راضی ہو اور ''رِضَا عَنِ اللّٰهِ'' اس کے فیصلوں پر راضی ہونا ہے۔

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سالکین کا راستہ بہت لمبا ہے اور یہ طریقت کا راستہ ہے اور خاص لوگوں کا راستہ زیادہ قریب ہے لیکن وہ زیادہ بامشقت ہے۔ وہ یہ کہ تمھارا عمل رضا کے ساتھ ہو اور تم اللہ عزوجل کی قضا پر راضی ہو۔

حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: رضا یہ ہے کہ اللہ عزوجل جہنم کو کسی شخص کی دائیں جانب رکھ دے تو وہ اس سے اس کو اپنی بائیں جانب پھیرنے کا سوال نہ کرے۔

حضرت ابوبکر بن طاہر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دل سے کراہیت (ناپسندیدگی) کو نکالنے کا نام رضا ہے حتیٰ کہ اس میں صرف خوشی اور سرور باقی رہے۔

حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جہاں تک ممکن ہو رضائے الٰہی کے مطابق عمل کرو۔ ایسا نہ ہو کہ رضا تمھیں استعمال کرے۔ پس تم اس کی لذت اور اس کو دیکھنے سے حقیقت الٰہیہ سے پردے میں ہو جاؤ گے۔

جان لو کہ حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلام بہت بڑی عظمت والا ہے اور اس میں اس بات کی تنبیہ کی گئی کہ اللہ عزوجل سے تعلق منقطع نہ ہو جائے کیونکہ ایک حالت میں پرسکون رہنا احوال کو بدلنے والے (اللہ عزوجل) سے حجاب میں رہنا ہے۔ لہٰذا جب بندہ اللہ عزوجل کی رضا سے لذت پاتا ہے اور دل میں رضا کی لذت محسوس کرتا ہے تو اسی وقت مشاہدۂ حق سے محجوب (پردہ میں) ہو جاتا ہے۔

حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا کہ اپنے آپ کو عبادات سے لطف اندوز ہونے سے بچاؤ، یہ زہر قاتل ہے۔[1]

حضرت ابن خفیف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ عزوجل کے احکام سے سکونِ قلب حاصل کرنا اور جس بات کو اس نے بندے کے لیے پسند کیا اس سے موافقت اختیار کرنا رضا ہے۔ حضرت رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہا سے پوچھا گیا کہ بندہ راضی کب ہوتا ہے؟ انھوں نے فرمایا: جب وہ مصیبت میں بھی اسی طرح خوش رہے جس طرح نعمت میں خوش رہتا ہے۔

کہا گیا کہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ" پڑھا تو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے فرمایا: "آپ کے یہ الفاظ دل کی تنگی کی وجہ سے ہیں اور دل کی تنگی قضائے الٰہی پر راضی نہ ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے۔" (یہ سن کر) حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ خاموش رہے۔[2]

حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (أَلرِّضَا أَنْ لَّا تَسْأَلَ اللّٰهَ تَعَالٰى الْجَنَّةَ وَلَا تَسْتَعِيْذَ بِهٖ مِنَ النَّارِ) "رضا یہ ہے کہ تم اللہ عزوجل سے جنت کا سوال نہ کرو اور نہ ہی جہنم سے اس کی پناہ مانگو۔"

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تین باتیں رضا کی علامات میں سے ہیں: ① قضاء سے پہلے اختیار کو چھوڑ دینا ② قضاء کے بعد اس کی تلخی کو محسوس

---

[1] یعنی جب آدمی عبادت کی لذت میں گم ہو جاتا ہے تو وہ منزل یعنی اللہ عزوجل تک رسائی سے محروم ہو جاتا ہے اس سے عبادت کی لذت زہر قاتل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عبادت کی بجائے معبود کو دیکھے۔ ۱۲ ہزاروی

[2] حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے خیال فرمایا کہ اُنھوں نے اپنے اُوپر وارد ہونے والی تکلیف کو بوجھ سمجھ کر (لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ) کے ذریعے مدد طلب کی۔ نتائج الأفکار القدسیہ، حصہ 3، صفحہ: 186۔ ۱۲ ہزاروی

نہ کرنا③ اور مصیبت کے وقت محبت کا بھڑکنا۔

حضرت محمد بن یزید مبرّد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت امام حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ مجھے مال داری کے مقابلے میں فقر زیادہ پسند ہے۔ نیز صحت کے مقابلے میں بیماری زیادہ پسند ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ عزوجل حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے لیکن میں کہتا ہوں جو شخص اللہ عزوجل کے حسن اختیار پر بھروسہ کرتا ہے وہ صرف اسی چیز کی تمنا کرتا ہے جو اللہ عزوجل اس کے لیے اختیار کرتا ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ دنیا میں رضا، زہد سے افضل ہے کیونکہ جو آدمی راضی ہوتا ہے وہ اپنے مقام سے بڑھ کر کسی مقام کی تمنا نہیں کرتا۔

حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی: ((أَسْأَلُكَ الرِّضَا بَعْدَ الْقَضَاءِ)) "میں تجھ سے قضا کے بعد اس پر راضی ہونے کا سوال کرتا ہوں۔"[1]

کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: اس لیے کہ قضاء سے پہلے رضا، رضا کا عزم ہے اور قضاء کے بعد رضا ہی (حقیقی) رضا ہے۔

حضرت ابو سلیمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ عزوجل مجھے جہنم میں داخل کر دے اور میں اس پر راضی رہوں تو میں سمجھوں گا کہ میں رضا میں سے تھوڑا سا سمجھ سکا ہوں۔

حضرت ابو عمر دمشقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: رضا بے چینی کا نہ ہونا ہے، وہ کسی بھی حکم (خداوندی) میں ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اختیار کا اُٹھ جانا رضا ہے۔

حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ عزوجل نے ازل میں بندے کے لیے جو کچھ اختیار کیا اس پر دل کی نگاہ کا نام "رضا" ہے، اور وہ ناراض نہ ہونا ہے۔

حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: احکام کا خوشی کے ساتھ استقبال کرنا رضا ہے۔

حضرت محاسبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: احکام کے جاری ہونے پر دل کے سکون کا نام رضا ہے۔

حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قضاء کی تلخی پر دل کے سرور کا نام رضا ہے۔

حضرت جریری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے مرتبے سے کم چیز پر راضی ہوا، اللہ عزوجل اسے اس کے مرتبہ سے بھی بلند کر دیتا ہے۔

حضرت ابو تراب نخشبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جس شخص کے دل میں دنیا کی قدر و منزلت ہو وہ مقامِ رضا کو نہیں پا سکتا۔

---

[1] سنن نسائی، کتاب السهو، باب نوع آخر 62، رقم الحديث: 1304، مسند إمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث: 21666.

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((ذَاقَ طَعْمَ الْإِيْمَانِ مَنْ رَّضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا))

''جو شخص اللہ عزوجل کے رب ہونے پر راضی ہوا اس نے ایمان کا ذائقہ حاصل کر لیا۔''[1]

کہا گیا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا: ''حمد وصلوٰۃ کے بعد! تمہاری بھلائی رضا میں ہے اگر تم راضی رہنے کی طاقت رکھتے ہو (تو ٹھیک ہے) ورنہ صبر کرو۔''

کہا گیا ہے کہ حضرت عتبہ غلام رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رات اس طرح گزاری کہ وہ صبح تک کہتے رہے: (إِنْ تُعَذِّبْنِيْ فَأَنَالَكَ مُحِبٌّ وَإِنْ تَرْحَمْنِيْ فَأَنَا لَكَ مُحِبٌّ) ''اگر تو مجھے عذاب دے تو بھی میں تجھ سے محبت کرتا ہوں اور اگر تو مجھ پر رحم فرمائے تو بھی میں تیرا محب ہوں۔''

حضرت استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: انسان تو ٹھیکری ہے (مٹی سے پیدا ہوا) اور ٹھیکری اللہ عزوجل کے حکم کا مقابلہ کس طرح کر سکتی ہے۔

حضرت ابوعثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: چالیس (40) سال ہو گئے ہیں اللہ عزوجل نے مجھے جس مقام پر رکھا میں نے اسے ناپسند نہیں کیا اور مجھے جس مقام کی طرف پھیر دیا میں نے اسے بھی ناپسند نہیں کیا۔

حضرت استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ایک شخص کو اپنے غلام پر غصہ آیا تو غلام نے اپنے آقا کے ہاں ایک شخص سے سفارش کروائی تو اس نے معاف کر دیا۔ غلام رونے لگا۔ سفارش کرنے والے نے پوچھا تو کیوں رو رہا ہے حالانکہ تیرا آقا تجھے معاف کر چکا ہے۔ آقا نے کہا یہ میری رضا چاہتا ہے اور میں راضی نہیں ہو سکتا پس یہ اس وجہ سے رو رہا ہے (یعنی رضا کا حصول بہت اہم ہے)۔

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الأيمان، باب 12، رقم الحديث: 34، مسند إمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث: 1779.

باب

عبودیت (بندگی) کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ۠﴾

''اور مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت میں رہو۔''[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهٗ: إِمَامٌ عَادِلٌ، وَشَابٌّ نَشَأَ فِيْ عِبَادَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى، وَرَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ إِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتّٰى يَعُوْدَ إِلَيْهِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ إِجْتَمَعَا عَلٰى ذٰلِكَ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ تَعَالٰى خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ، وَرَجُلٌ دَعَتْهُ إِمْرَأَةٌ ذَاتُ حُسْنٍ وَّجَمَالٍ فَقَالَ: إِنِّيْ أَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعَالَمِيْنَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهٗ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهٗ))

''سات (قسم کے) آدمیوں کو اللہ عزوجل سایہ رحمت عطا فرمائے گا جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا: ① انصاف کرنے والا حکمران ② وہ نوجوان جو اللہ عزوجل کی عبادت میں پروان چڑھا ③ وہ شخص جس کا دل مسجد سے جڑا رہے جب وہ وہاں سے نکلے حتیٰ کہ اس کی طرف لوٹ آئے ④ وہ دو شخص جو اللہ عزوجل کے لیے ایک دوسرے سے محبت کریں اسی پر اکٹھے ہوں اور اسی پر ایک دوسرے سے جدا ہوں ⑤ وہ آدمی جو خلوت میں اللہ عزوجل کا ذکر کرے اور اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلیں ⑥ وہ شخص جسے کوئی حسن و جمال والی عورت (گناہ کے لیے) بلائے اور وہ کہے میں اللہ عزوجل سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ⑦ وہ شخص جو پوشیدہ طور پر صدقہ کرے حتیٰ کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہ چلے کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے؟''[2]

[1] پارہ 14، الحجر 99، ترجمہ کنزالایمان

[2] صحیح بخاری، کتاب الأذان، باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلوة وفضل المساجد، رقم الحدیث: 660. کچھ الفاظ کے فرق کیساتھ

عبادت، عُبُوْدِیَتْ اور عُبُوْدَتْ میں فرق

استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: عبودیت، عبادت سے زیادہ مکمل ہوتی ہے۔ پہلے ''عبادت'' ہوتی ہے پھر ''عبودیت'' اوراس کے بعد ''عُبُوْدَتْ'' ہوتی ہے۔

(فَالْعِبَادَةُ لِلْعَوَامِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ، وَالْعُبُوْدِيَّةُ لِلْخَوَاصِ وَالْعُبُوْدَةُ لِخَاصِّ الْخَاصِّ)

''عبادت، عام مؤمنوں کے لیے، عبودیت خاص لوگوں کے لیے اور عبودت خاص الخاص لوگوں کے لیے ہے۔''

اور انھوں نے ہی فرمایا کہ ''عبادت'' اس کے لیے ہے جس کو ''علم الیقین'' حاصل ہو۔ ''عبودیت'' اس کے لیے جس کو ''عین الیقین'' حاصل ہو اور ''عبودت'' اس کے لیے ہے جس کو ''حق الیقین'' حاصل ہو۔ وہی فرماتے ہیں: ''عبادات'' مجاہدات والوں کے لیے ''عبودیت'' تکلیف برداشت کرنے والوں کے لیے ہے اور ''عبودت'' مشاہدہ کرنے والوں کی صفت ہے۔ پس جو شخص اپنے نفس کو اللہ ﷻ سے دور نہ رکھے وہ ''عبادت والا'' ہے جو اس پر اپنے دل سے بخل نہ کرے وہ ''صاحب عبودیت'' ہے اور جو اپنی روح کے ساتھ اس سے بخل نہ کرے وہ ''صاحب عبودت'' ہے۔

اور کہا جاتا ہے کہ عبودیت یہ ہے کہ تم عبادت پر کامل طور پر کاربند رہو اور جو عبادت تم سے صادر ہوتی ہے اسے ناقص خیال کرو اور جو نیک اعمال کرو ان کو تقدیر جانو۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ تقدیر سے جو چیز ظاہر ہو اس میں اختیار کو ترک کر دینا عبودیت ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ اپنی طاقت اور قوت سے دست بردار ہو کر اللہ ﷻ کے عطا کردہ مال اور انعامات کا اقرار کرنا عبودیت ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ عبودیت ان کاموں کو اختیار کرنا جن کا تمھیں حکم دیا گیا اور ان کاموں کو چھوڑ دینا ہے جن سے تمھیں روکا گیا ہے۔

حضرت محمد بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ عبودیت کب درست ہوتی ہے؟ انھوں نے فرمایا: جب تم سب کچھ اپنے مولا کے سپرد کر دو اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی طرف سے آنے والی آزمائش پر صبر کرو۔

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کسی شخص کی عبودیت اس وقت صحیح ہوتی ہے جب وہ چار باتوں میں گھبراہٹ محسوس نہ کرے: ① بھوک، ② ننگا رہنا، ③ فقر ④ ذلت۔

کہا گیا ہے عبودیت اس چیز کا نام ہے کہ تو اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے اور اپنا سب کچھ اس کے حوالے کر دے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ عبودیت کی علامات میں تدبیر کو چھوڑنا اور تقدیر کو سامنے رکھنا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عبودیت یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو ہر حال میں اللہ عزوجل کا بندہ سمجھ جس طرح وہ ہر حالت میں تیرا رب عزوجل ہے۔

حضرت جریری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: نعمتوں کے بندوں کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن انعام کرنے والے کے بندے بہت کم ہیں۔

حضرت استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تو اس کا بندہ ہے جس کی غلامی اور قید میں پھنسا ہوا ہے۔ اگر تو اپنے نفس کی قید میں ہے تو تو اپنے نفس کا بندہ ہے اور اگر تو اپنی دنیا کی قید میں ہے تو تو اپنی دنیا کا بندہ ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((تَعِسَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ تَعِسَ عَبْدُ الْخَمِيْصَةِ))

''درہموں کا بندہ ہلاک ہوا، دینار کا بندہ ہلاک ہوا، چادر کا بندہ ہلاک ہوا۔''[1]

حضرت ابورزین رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو دیکھا تو اس سے پوچھا ''تمھارا پیشہ کیا ہے؟''

اس نے کہا ''میں خربندہ (گدھوں والا) ہوں۔'' انھوں نے فرمایا: (أَمَاتَ اللّٰهُ تَعَالٰى حِمَارَكَ لِتَكُوْنَ عَبْدَ اللّٰهِ لَا عَبْدَ الْحِمَارِ) ''خدا کرے تیرا گدھا مر جائے تاکہ تو اللہ عزوجل کا بندہ ہو جائے، گدھے کا بندہ نہ ہو۔''

حضرت ابوعمرو بن نجید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی شخص کا قدم عبودیت میں اس وقت تک خالص نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے اعمال کو اپنے نزدیک دکھاوا اور اپنے احوال کو محض دعویٰ نہ سمجھے۔

حضرت عبداللہ بن منازل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بندہ اس وقت تک بندہ ہے جب تک اپنے نفس کے لیے خادم طلب نہ کرے اور جب وہ اپنے نفس کے لیے خادم تلاش کرے تو وہ عبودیت کی حد سے گر گیا اور اس نے اس کے آداب کو ترک کر دیا۔

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کسی بندے کے لیے اس کی عبادت اس وقت درست ہوسکتی ہے جب وہ اس حالت میں ہو کہ مفلسی کی حالت میں اس پر ذلت کے آثار اور مالداری کی حالت میں دولت کے آثار دکھائی نہ دیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''عبودیت'' مشاہدۂ ربوبیت کا نام ہے۔

حضرت نصراباذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عابد کو قدر و منزلت، معبود کی بدولت حاصل ہوتی ہے جس طرح عارف کا شرف اس چیز کی وجہ سے ہے جس کا اسے عرفان حاصل ہے۔

حضرت ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عبودیت، بندے کی زینت ہے پس جو اس کو ترک کر دے وہ زینت سے خالی

[1] صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب الحراسة فی الغزو فی سبیل الله، رقم الحدیث: 2886.

ہو گیا۔

حضرت نباجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبادت کی اصل تین چیزوں میں ہے: ① اللہ عزوجل کے کسی حکم کو رد نہ کرے، ② اس سے کسی چیز کو بچا کر نہ رکھے، ③ اللہ عزوجل تجھ سے یہ بات نہ سنے کہ تو اس کے غیر سے حاجت کا سوال کرتا ہے۔

حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبودیت چار خصلتوں میں ہوتی ہے: ① وعدوں کو پورا کرنا، ② حدود کی حفاظت کرنا، ③ جو کچھ حاصل ہے اس پر راضی رہنا، ④ جو کچھ حاصل نہیں اس سے صبر کرنا۔

حضرت عمرو بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے مکہ مکرمہ میں بے شمار لوگوں سے ملاقات کی اور حج کے موسم میں بے شمار لوگ میرے پاس آئے لیکن میں نے ان میں سے کسی کو حضرت مزنی رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلے میں عبادت کی زیادہ کوشش کرنے والا اور اس پر دوام اختیار کرنے والا نہیں دیکھا۔ نہ ان سے بڑھ کر کسی کو احکام الٰہیہ کی تعظیم کرنے والا دیکھا ہے۔ اسی طرح میں نے ان سے بڑھ کر کسی شخص کو اپنے نفس پر تنگی اور لوگوں کو کشادگی دینے والا نہیں دیکھا۔

استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: عبودیت سے بڑھ کر کسی چیز میں شرف نہیں اور نہ ہی مؤمن کے لیے عبودیت سے بڑھ کر کوئی مکمل نام ہے اسی لیے اللہ عزوجل نے معراج کی رات جو دنیا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے زیادہ شرف والا وقت تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف کا ذکر ان الفاظ میں بیان فرمایا:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَى﴾

"پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔"[1]

اور ارشادِ خداوندی ہے:

﴿فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ؕ﴾ "اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔"[2]

اگر کوئی اور نام عبودیت سے بڑھ کر بزرگی والا ہوتا تو اللہ عزوجل اسی نام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتا۔

اسی سلسلے میں یہ شعر پڑھے جاتے ہیں:

یَا عَمْرُو ثَأْرِیْ عِنْدَ زَهْرَائِیْ
یَعْرِفُهٗ السَّامِعُ والرَّائِیْ
لَا تَدْعُنِیْ اِلَّا بِیَا عَبْدَهَا
فَاِنَّهٗ أَشْرَفُ أَسْمَائِیْ

[1] پارہ 15، الاسرا 1، ترجمہ کنزالایمان
[2] پارہ 27، النجم 10، ترجمہ کنزالایمان

* اے عمرو! میرے خون کا بدلہ تو میری زہراء کے پاس ہے اور اس بات کو سننے اور دیکھنے والے جانتے ہیں۔
* مجھے (یَا عَبْدَ زَهْرَا) "اے زہرا کے غلام" کہہ کر پکارو میرا یہ نام بہت شرف والا ہے۔

بعض حضرات نے کہا کہ یہ دو چیزیں ہیں۔ تیرا لذت سے سکون حاصل کرنا اور حرکت پر اعتماد کرنا۔ جب تم نے ان دونوں کو اپنے آپ سے گرا دیا تو تو نے عبودیت کا حق ادا کر دیا۔

جس طرح حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: عطاء کی لذت سے بچو کیونکہ یہ اہل صفاء کے لیے ایک پردہ ہے۔

حضرت ابو علی جوزجانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: رضا، عبودیت کی حویلی ہے۔ صبر اس کا دروازہ ہے۔ اپنے آپ کو اللہ عزوجل کے سپرد کر دینا اس کا گھر ہے۔ آواز دروازہ پر ہوتی ہے، فراغت حویلی میں اور راحت گھر میں ہوتی ہے۔

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: جس طرح ربوبیت حق سبحانہ وتعالیٰ کا وہ وصف ہے جو اس سے جدا نہیں ہوتا اسی طرح عبودیت بندے کی صفت ہے وہ اس سے کبھی بھی جدا نہیں ہوتی۔

بعض حضرات نے یہ شعر کہا:

فَإِنْ تَسْأَلُوْنِیْ قُلْتُ هَا أَنَا عَبْدُهٗ

وَإِنْ سَأَلُوْهُ قَالَ هَا ذَاكَ مَوْلَايَا

* اگر تم مجھ سے پوچھو تو میں کہوں گا ہاں میں اس (اللہ عزوجل) کا بندہ ہوں اور اگر لوگ اس سے پوچھیں تو وہ کہے گا ہاں یہ میرا غلام ہے۔

حضرت نصرابادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اپنے گناہوں کی معافی اور کوتاہیوں سے درگزر کی طلب کے لیے عبادت کرنا کسی بدلے اور جزاء کی طلب کے مقابلے میں زیادہ بہتر ہے۔ حضرت نصرابادی رحمۃ اللہ علیہ ہی فرماتے تھے: عبودیت یہ ہے کہ معبود کے مشاہدہ میں عبادت کو نہ دیکھا جائے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہر قسم کے شغل کو چھوڑ کر ایسے کام میں مشغول ہونا جو فراغت کی اصل ہے، عبودیت ہے۔

باب
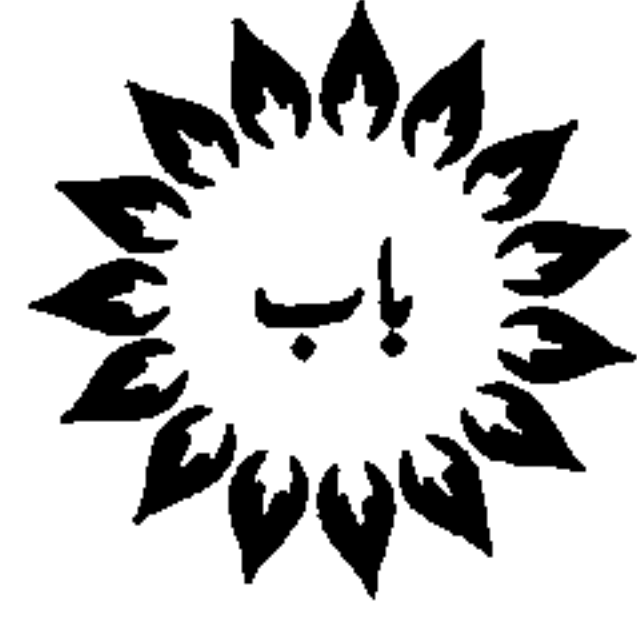
اِرادہ کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ﴾

''اور دور نہ کرو اُنھیں جو اپنے رب کو پکارتے ہیں صبح اور شام اس کی رضا چاہتے ہیں۔''[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِذَا أَرَادَاللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا إِسْتَعْمَلَهٗ فَقِيْلَ لَهٗ: كَيْفَ يَسْتَعْمِلُهٗ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: يُوَفِّقُهٗ لِعَمَلٍ صَالِحٍ قَبْلَ الْمَوْتِ))

''اللہ عزوجل جب کسی بندے کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے تو اسے عمل میں لگاتا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! وہ اسے کس طرح عمل میں لگاتا ہے؟ فرمایا: اسے موت سے پہلے اچھے اعمال کی توفیق دیتا ہے۔''[2]

ارادہ کیا ہے؟

ارادہ سالکین کی طریقت کی ''ابتداء'' اور اللہ عزوجل کا قصد کرنے والوں کی پہلی منزل کا نام ہے۔

اس صفت کو ''ارادہ'' اس لیے کہتے ہیں کیونکہ ارادہ ہر کام میں مقدم ہوتا ہے۔ بندہ جس چیز کا ارادہ نہیں کرتا اس کو عمل میں نہیں لاتا جب اللہ عزوجل کے راستے میں چلنے والوں کے لیے یہ سب سے پہلا کام ہے تو اسے تمام کاموں میں سب سے پہلے پائے جانے والے قصد کے مشابہ ہونے کی وجہ سے ارادہ کہا گیا۔

اشتقاق کے اعتبار سے مرید وہ ہوتا ہے جس کے لیے ارادہ ہو۔ جس طرح عالم وہ ہے جس کے پاس علم ہو (اور صوفیاء کی اصطلاح میں) جب تک کوئی شخص اپنے ارادے سے خالی نہ ہو وہ مرید نہیں ہوسکتا جس طرح اشتقاق کے اعتبار سے جس کا ارادہ نہ ہو وہ مرید نہیں ہوسکتا۔

صوفیائے کرام نے ارادہ کے بارے میں کلام کیا ہے پس ہر ایک نے اس کی تعبیر اس طرح کی ہے جس طرح اس

[1] پارہ 7، الانعام 52، ترجمہ کنزالایمان

[2] جامع ترمذی، کتاب القدر، باب ماجاء أن الله كتب كتابا لأهل الجنة وأهل النار، رقم الحديث: 2142.

کے دل میں چمک پیدا ہوئی۔ پس اکثر مشائخ کہتے ہیں اپنی عادت اور عام لوگوں کی عادت پر چلنا چھوڑ دے تو یہ ''ارادت'' ہے اور وہ عادت عام طور پر یہ ہوتی ہے کہ لوگ غفلت میں پڑے ہوتے ہیں، خواہشات کی طرف مائل ہوتے ہیں اور جس طرف اُن کو آرزوئیں لے جائیں ان کے پیچھے ہو جاتے ہیں۔

مرید ان تمام امور سے اپنے آپ کو نکال لیتا ہے پس اس کا ان باتوں سے نکلنا اس کی ارادت کے صحیح ہونے پر دلالت ہوتی ہے لہٰذا اس حالت کو ''ارادت'' کہا گیا اور یہ عادت سے نکلنا ہے پس عادت کو ترک کرنا ''ارادت'' کی علامت ہے۔

جہاں تک ارادت کی حقیقت کا تعلق ہے تو وہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی طلب میں دل کا اُٹھ کھڑا ہونا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ یہ ایک ایسی جلن ہے جو ہر قسم کی گھبراہٹ کو آسان کر دیتی ہے۔

صوفی بھی اور حلوہ بھی

حضرت ممشاد دینوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب سے مجھے معلوم ہوا کہ فقراء کے تمام حالات سنجیدگی کے حالات ہوتے ہیں میں نے کسی فقیر سے مذاق نہیں کیا۔ واقعہ یوں ہے کہ ایک فقیر میرے پاس آیا اور اس نے کہا: اے شیخ! میرے لیے عصیدہ (حلوہ) تیار کرو۔ اس وقت میری زبان سے نکلا ارادت بھی اور حلوہ بھی؟

(یہ سن کر) فقیر پیچھے ہٹ گیا اور میں سمجھ نہ سکا۔ میں نے حلوہ بنانے کا حکم دیا اور فقیر کو تلاش کیا لیکن اسے پا نہ سکا۔ دریافت کیا تو پتہ چلا کہ وہ فوری طور پر واپس چلا گیا اور وہ اپنے آپ سے کہہ رہا تھا ''صوفی بھی اور حلوہ بھی'' ''ارادت بھی اور حلوہ بھی'' وہ دیوانہ وار چلتے ہوئے جنگل میں داخل ہو گیا اور مرتے دم تک یہی کلمات کہتا رہا۔

اللہ عزوجل کو چاہنے والے کا حال

ایک صوفی فرماتے ہیں: میں جنگل میں اکیلا تھا۔ جب میرا دل تنگ ہوا تو میں نے کہا اے انسانو! مجھ سے بات کرو۔ اے جنو! مجھ سے بات کرو۔ اتنے میں غیب سے ندا آئی ''تم کیا چاہتے ہو؟''

میں نے کہا میں اللہ عزوجل کو چاہتا ہوں۔ اس (غیبی آواز والے) نے کہا ''تو کب اللہ عزوجل کو چاہ سکتا ہے، یعنی جو شخص جنوں اور انسانوں سے کہتا ہے مجھ سے بات کرو وہ اللہ عزوجل کا ارادہ کرنے والا کب ہو سکتا ہے؟

ارادت والا رات اور دن کی گھڑیوں میں کبھی بھی (اس کی تلاش میں) سستی نہیں کرتا۔ پس وہ ظاہر میں مجاہدات کی صفت سے موصوف ہوتا ہے اور باطن میں مشکلات برداشت کرتا ہے۔ وہ بستر سے جدا ہو جاتا ہے، ہر وقت مستعد رہتا ہے، مشکلات برداشت کرتا ہے، تھکاوٹوں کی سواری پر سوار ہوتا ہے، اخلاق سے کشتی لڑتا ہے، مشقتیں جھیلتا ہے، خطروں

سے بغل گیر ہوتا ہے اور ہم جنسوں سے جدا ہوتا ہے۔ جس طرح کہا گیا ہے:

ثُمَّ قَطَعْتُ اللَّيْلَ فِيْ مَهْمَةٍ
لَا أَسَدَ أَخْشٰى وَلَا ذِيْبَا
يَغْلِبُنِيْ شَوْقِيْ فَأَطْوِيْ السَّرَى
وَلَمْ يَزِلْ ذُوالشَّوْقِ مَغْلُوْبَا

* میں نے رات ایک بیابان میں گزاری نہ مجھے شیر سے ڈر لگا اور نہ بھیڑیے سے۔
* میرا شوق مجھ پر غالب آ گیا اور میں سفر طے کرتا گیا اور شوق والا ہمیشہ مغلوب رہتا ہے۔

حضرت استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ارادت دل میں ایک جلن ہے، دل میں ڈسنا ہے، ضمیر میں عشق ہے، باطن میں بے چینی ہے اور دلوں میں بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔

تنور میں جلنے سے محفوظ

حضرت یوسف بن حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت ابوسلیمان رحمۃ اللہ علیہ اور احمد بن ابی حواری رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان ایک معاہدہ تھا کہ حضرت احمد رحمۃ اللہ علیہ ان کے کسی حکم کی مخالفت نہیں کریں گے۔ ایک دن وہ آئے تو وہ اپنی مجلس میں وعظ فرما رہے تھے۔ انھوں نے فرمایا: تنور گرم کیا گیا۔ آپ کیا فرماتے ہیں؟

انھوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ دو یا تین بار عرض کیا تو حضرت ابوسلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جاؤ اور اس میں بیٹھ جاؤ۔ گویا ان کا دل تنگ ہو گیا تھا۔ پھر ایک گھڑی حضرت ابوسلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے غفلت اختیار کی پھر یاد آیا تو فرمایا: جاؤ اور "احمد" کو تنور سے نکالو کیونکہ اس نے قسم کھائی ہے کہ وہ میری مخالفت نہیں کرے گا۔ انھوں نے دیکھا تو وہ تنور میں تھے اور ان کا ایک بال بھی نہ جلا تھا۔

حضرت استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: میں بچپن سے ارادت کی تلاش میں چل رہا تھا اور میں دل میں کہتا تھا کاش مجھے ارادت کا معنیٰ معلوم ہو جائے۔

مرید کی صفات

کہا گیا ہے کہ مریدین کی صفات میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ نوافل کے ذریعے اللہ عزوجل کی طرف توجہ کرے،

اُمت کی خیرخواہی میں مخلص ہو، خلوت پسند ہو، احکام کی بجاآوری میں تکلیف برداشت کرے، اللہ عزوجل کے حکم کو ترجیح دے، اس سے حیا کرے، اللہ عزوجل کے پسندیدہ کاموں کے لیے پوری کوشش کرے، ہر اس سبب کو اختیار کرے جو اس تک پہنچاتا ہے، گم نامی پر قناعت اختیار کرے، اپنے رب تک رسائی حاصل کرنے تک دل کو قرار نہ آئے۔

حضرت ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(آفَةُ الْمُرِيْدِ ثَلَاثَةُ أَشْيَاءَ: اَلتَّزْوِيْجُ وَكِتْبَةُ الْحَدِيْثِ وَالْأَسْفَارُ)

''مرید کی آفت تین چیزوں میں ہے: ① نکاح کرنا ② حدیث لکھنا ③ سفر کرنا۔''

ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے حدیث لکھنا کیوں چھوڑ دی؟ فرمایا: مجھے اس سے ''ارادت'' نے روکا ہے۔

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب تم مرید کو دیکھو کہ وہ اپنے مراد کے علاوہ کسی کا ارادہ کرتا ہے تو جان لو کہ اس نے اپنا کمینہ پن ظاہر کر دیا ہے۔

حضرت کتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مرید کے حکم سے یہ بات ہے کہ اس میں تین باتیں ہوں:

(نَوْمُهُ غَلَبَةٌ وَأَكْلُهُ فَاقَةٌ وَكَلَامُهُ ضَرُوْرَةٌ) ① اس وقت سوئے جب نیند کا غلبہ ہو ② اس وقت کھائے جب فاقہ (بھوک) کی حالت ہو ③ ضرورت کے وقت گفتگو کرے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ عزوجل جب کسی مرید سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ اسے صوفیاء کرام کے حوالے کر دیتا ہے اور اسے قاریوں کی صحبت سے روک دیتا ہے۔

حضرت دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ارادت کی انتہاء یہ ہے کہ تم اللہ عزوجل کی طرف اشارہ کرو تو اس اشارے کے ساتھ ہی اسے پالو۔

میں نے پوچھا کونسی چیز ارادت کو گھیر لیتی ہے؟

فرمایا: (أَنْ تَجِدَ اللّٰهَ تَعَالٰى بِلَا إِشَارَةٍ) ''یہ کہ تم اشارے کے بغیر اللہ عزوجل کو پاؤ۔''

حضرت ابوبکر دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مرید اس وقت تک مرید نہیں لکھا جاتا جب تک بائیں جانب والا فرشتہ بیس (20) سال تک اس کا کوئی عمل نہ لکھے۔

حضرت ابوعثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جس شخص کی ''ارادت'' کی ابتداء ہی درست نہ ہو تو زمانے کا گزرنا اس کی کم بختی ہی کو بڑھاتا ہے۔

حضرت ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب ارادت مند، صوفیاء کے علوم میں سے کوئی بات سنتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے تو زندگی کے آخر تک اس کے دل میں حکمت بھر جاتی ہے جس سے وہ نفع حاصل کرتا ہے اور اگر وہ گفتگو کرے تو سننے والے کو اس سے نفع حاصل ہوتا ہے اور جو شخص اس کی گفتگو سن کر اس پر عمل نہ کرے تو وہ ایک قصہ ہے جسے وہ چند دن یاد

رکھنے کے بعد بھلا دے گا۔

حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مرید کا پہلا مقام یہ ہے کہ اپنے ارادہ کو ساقط کر کے حق تعالیٰ کا ارادہ اختیار کرے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مرید پر سب سے سخت چیز مخالفین کے ساتھ میل جول ہے۔

حضرت یوسف بن حسین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب تم کسی ارادت مند کو دیکھو کہ وہ شریعت میں دی گئی رخصت والے کاموں اور دنیا داری میں مشغول ہوتا ہے تو اس سے کچھ نہیں بن سکے گا۔

حکایات بیان کرنے کے فوائد

حضرت جعفر خلدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ (صالحین کی) حکایات کے بیان میں مریدین کے لیے کیا فائدہ ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: حکایات اللہ عزوجل کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے اس کے ذریعے مریدین کے دلوں کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔

ان سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کے پاس اس کی کوئی شہادت ہے؟ فرمایا: ہاں! اللہ عزوجل کا یہ ارشادِ گرامی ہے:

﴿وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ج﴾

''اور سب کچھ ہم تمھیں رسولوں کی خبریں سناتے ہیں جس سے تمھارا دل ٹھہرائیں۔''[1]

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا ہی قول ہے: سچا مرید علماء کے علم سے بے نیاز ہے۔

''مُرِیْدْ'' اور ''مُرَادْ'' میں فرق

مرید اور مراد میں فرق کیا ہے؟ تو ہر ''مرید'' مراد ہوتا ہے کیونکہ اگر وہ اللہ عزوجل کی مراد نہ ہوتا یعنی اللہ عزوجل اس کا ارادہ نہ فرماتا تو وہ مرید نہ ہوسکتا کیونکہ جو کچھ بھی ہوتا ہے اللہ عزوجل کے ارادے سے ہوتا ہے اور ہر ''مراد''، مرید ہے کیونکہ جب اللہ عزوجل خصوصیت کے ساتھ اسے چاہتا ہے تو اسے ارادہ کی توفیق دیتا ہے۔

لیکن صوفیاء کرام نے مرید اور مراد میں فرق کیا ہے۔ ان کے نزدیک مبتدی (ابتدائی مراحل والے) کو ''مرید'' کہتے ہیں اور ''مراد'' وہ ہوتا ہے جو انتہاء کو پہنچ گیا ہو۔ ''مرید'' وہ ہے جو تھکاوٹ اور مشقت میں پڑتا ہے اور ''مراد'' وہ ہوتا ہے جس کو مشقتوں سے بچالیا گیا، مرید مشقت میں ہوتا ہے اور مراد آرام میں ہوتا ہے۔

جن لوگوں کو اللہ عزوجل کے ساتھ ارادت ہوتی ہے ان کے ساتھ اللہ عزوجل کا طریقہ مختلف ہوتا ہے پس ان میں سے

---

[1] پارہ 12، ھود 120، ترجمہ کنزالایمان

اکثر کو مجاہدات کی توفیق دی جاتی ہے پھر وہ تکالیف برداشت کرنے کے بعد بلند مقام تک پہنچ جاتے ہیں اور ان میں اکثر کو ابتداء ہی میں بڑے بڑے معانی کا انکشاف ہوتا ہے اور وہ اس مقام تک پہنچ جاتے ہیں جہاں تک اکثر اصحابِ ریاضت نہیں پہنچ سکے۔ لیکن ان میں سے اکثر کو اس نرمی کے بعد مجاہدات کی طرف لوٹایا جاتا ہے تاکہ وہ اہلِ ریاضت کے ان مقامات کو حاصل کریں جو ان سے چھوٹ گئے ہیں۔

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''مرید'' (مشقتیں) برداشت کرتا ہے اور ''مراد'' وہ ہے جس سے مشقتیں اٹھالی گئیں۔ اور یہی فرماتے تھے: حضرت موسیٰ علیہ السلام مرید تھے اس لیے انھوں نے دعا کی:

﴿رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ۙ﴾

''اے میرے رب! میرے لیے میرا سینہ کھول دے۔''[1]

اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مراد تھے تو اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ ۙ وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ ۙ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَکَ ۙ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ ؕ﴾

''کیا ہم نے تمھارا راستہ کشادہ نہ کیا اور تم پر سے تمھارا وہ بوجھ اتار لیا جس نے تمھاری پیٹھ توڑی تھی اور ہم نے تمھارے لیے تمھارا ذکر بلند کر دیا۔''[2]

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

﴿رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ﴾

''اے میرے رب مجھے اپنا دیدار دکھا کہ میں تجھے دیکھوں فرمایا تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکے گا۔''[3]

اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ﴾

''اے محبوب کیا تم نے اپنے رب کو نہ دیکھا کہ کیسا پھیلایا سایہ۔''[4]

حضرت ابو علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: آیت کریمہ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ﴾ ''اے محبوب کیا تم نے اپنے رب عزوجل کو نہ

---

[1] پارہ 16، طه 25، ترجمہ کنزالایمان

[2] پارہ 30، الم نشرح 1 تا 4، ترجمہ کنزالایمان

[3] پارہ 9، الاعراف 143، ترجمہ کنزالایمان

[4] پارہ 19، الفرقان 45، ترجمہ کنزالایمان

دیکھا۔"[1] میں اصل مقصود یہی الفاظ ہیں۔ اور ﴿كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ﴾ بات کو چھپانے اور رسول اکرم ﷺ کی حالت کو محفوظ رکھنے کے لیے ہے۔[2]

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے مرید اور مراد کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: مرید کو اس کا علم چلاتا ہے اور مراد کو حق تعالیٰ کی نگہبانی چلاتی ہے، کیونکہ "مرید" چلتا ہے اور "مراد" اڑتا ہے اور پیدل چلنے والا کب اڑنے والے کو پہنچ سکتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص کو بھیجا اور اس سے فرمایا کہ ان سے کہو نیند اور آرام کب تک؟ حالانکہ قافلہ گزر چکا ہے۔

حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا: میرے بھائی حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ سے کہنا کہ "کامل مرد" وہ ہے جو ساری رات سونے کے بعد صبح قافلے سے پہلے پہنچ جائے۔

حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ان کو مبارک ہو اس کلام تک ہماری حالت نہیں پہنچ سکتی۔

---

[1] پارہ 19، سورۃ الفرقان 45.
[2] پارہ 19، سورۃ الفرقان 45.

باب
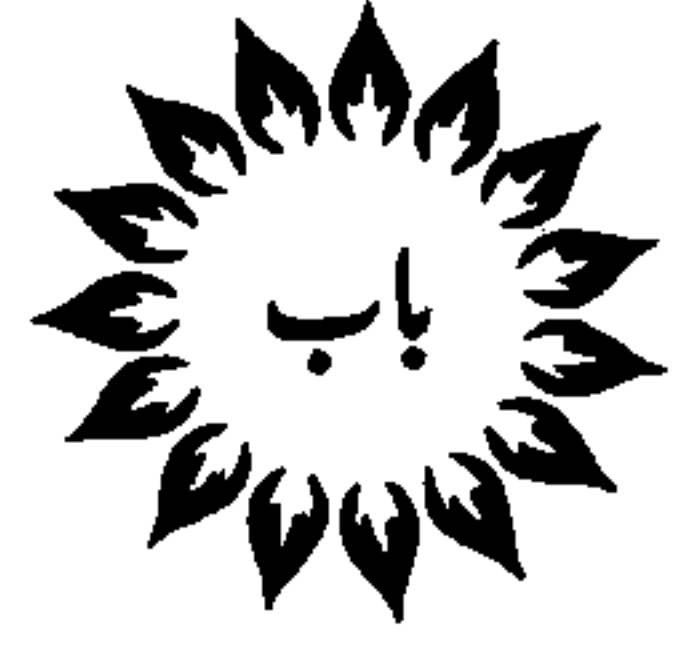
استقامت کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا﴾

''بے شک وہ جنھوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے۔''[1]

نبی اکرم ﷺ کے غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ، نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِسْتَقِیْمُوْا وَلَنْ تُحْصُوْا وَاعْلَمُوْا اَنَّ خَیْرَ دِیْنِکُمْ الصَّلٰوۃُ وَلَنْ یُّحَافِظَ عَلَی الْوُضُوْءِ اِلَّا مُؤْمِنٌ))

''دین پر استقامت اختیار کرو لیکن تم ایسے نہ کر سکو گے اور جان لو کہ تمھارے دین کی بہترین عبادت نماز ہے اور وضو کی حفاظت مؤمن ہی کرتا ہے۔''[2]

استقامت ایک ایسا درجہ ہے جس کے ذریعے امور میں تکمیل حاصل ہوتی ہے اور اس کے پائے جانے سے نیکیوں اور ان کے نظام کا حصول ہوتا ہے اور جو شخص اپنی حالت میں استقامت اختیار نہیں کرتا اس کی کوشش ضائع اور اس کی محنت برباد ہو جاتی ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْکَاثًا﴾

''اور اس عورت کی طرح نہ ہو جس نے اپنا سوت مضبوطی کے بعد ریزہ ریزہ کر کے توڑ دیا۔''[3]

اور جو شخص اپنی صفت میں ''استقامت'' سے موصوف نہیں ہوتا تو وہ اپنے موجودہ مقام سے اگلے مقام کی طرف نہیں جا سکتا اور نہ ہی وہ سلوک کی بنیاد صحیح چیز پر رکھ سکتا ہے۔ اس لیے آغاز کرنے والے کے لیے شرط ہے کہ وہ ابتدائی احکام

---

[1] پارہ 24، حٰمٓ السجدۃ 30، ترجمہ کنزالایمان

[2] سنن ابن ماجہ، کتاب الطھارۃ، باب المحافظةُ عَلَى الوضوء، رقم الحدیث: 277. میں ''دِیْنِکُمْ'' کی جگہ ''أَعْمَالِکُمْ'' ہے۔

[3] پارہ 14، النحل 92، ترجمہ کنزالایمان

میں استقامت اختیار کرے جس طرح عارف کے حق میں سے یہ ہے کہ وہ انتہائی آداب میں استقامت کو اپنائے۔

استقامت کی علامات

مبتدی کی ''استقامت'' کی علامات میں سے یہ ہے کہ اس کے معاملات میں سستی پیدا نہ ہو، متوسط درجہ کے لوگوں کی استقامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ ان کی منزل میں ٹھہرنا نہ ہو اور انتہائی درجہ والوں کی استقامت کی علامات میں سے یہ بات ہے کہ اللہ عزوجل کے ساتھ ان کے وصول میں کوئی پردہ حائل نہ ہو۔

استقامت کے درجے

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: استقامت کے تین درجے ہیں: (أَوَّلُهَا اَلتَّقْوِيمُ، ثَمَّ الْإِقَامَةُ ثُمَّ الْإِسْتِقَامَةُ) پہلا درجہ تقویم، دوسرا اقامت اور تیسرا استقامت۔

① تقویم: نفس کو ادب سکھانے کے لیے ہے۔

② اقامت: دلوں کو مہذب کرنے کے اعتبار سے ہے۔

③ استقامت: اسرار کو قریب لانے کے لیے ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ﴿ثُمَّ اسْتَقَامُوْا﴾ کی تشریح ﴿لَمْ يُشْرِكُوْا﴾ سے کرتے ہیں (یعنی وہ لوگ اللہ کو اپنا رب تسلیم کرنے کے بعد اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے)۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: وہ لومڑی کی طرح دائیں بائیں نہیں ہوتے (یعنی دھوکہ نہیں دیتے)۔

تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قول توحید میں اصول کی رعایت پر محمول کیا جاتا ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول تاویل کو ترک کر کے شرائط کی پابندی کرنے پر محمول ہے۔

حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دل کو صرف اللہ عزوجل کے ساتھ لگانے پر استقامت اختیار کرو۔

حضرت ابو علی جوزجانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: استقامت والے ہو جاؤ، کرامت کے طالب نہ بنو۔ بے شک تمہارا نفس کرامت کی طلب میں متحرک ہے اور تمہارا رب عزوجل تم سے استقامت کا مطالبہ کرتا ہے۔

حضرت ابو علی شبوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((شَيَّبَتْنِيْ هُوْدٌ)) ''مجھے سورۃ ھود نے بوڑھا کر دیا ہے۔''[1] تو اس میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس بات نے بوڑھا کر دیا؟ انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات اور اُمتوں

[1] جامع ترمذی، تفسیر سورہ 56-6.

کی ہلاکت نے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں بلکہ اس ارشادِ خداوندی نے (بوڑھا کردیا) ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ﴾ ''تم قائم رہو جیسا تمھیں حکم ہے۔''[1]

کہا گیا ہے کہ استقامت کی طاقت صرف بڑے بڑے لوگوں کو ہے کیونکہ ''استقامت'' معروف چیزوں سے نکلنا، رسموں اور عادتوں کو چھوڑنا اور حقیقتِ صدق کے ساتھ اللہ ﷻ کے حضور کھڑا ہونا ہے۔ اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ((اِسْتَقِيْمُوْا وَلَنْ تُحْصُوْا)) ''استقامت اختیار کرو مگر پوری طرح نہ کرسکو گے۔''[2]

حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وہ خصلت جس کے ساتھ خوبیاں مکمل ہوتی ہیں اور جس کے نہ پائے جانے سے خوبیاں قبیح معلوم ہوتی ہیں وہ ''استقامت'' ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے انھوں نے فرمایا ''استقامت'' یہ ہے کہ تو موجودہ وقت کو قیامت سمجھے۔

اور کہا گیا ہے کہ اقوال میں غیبت کو چھوڑنا، افعال میں بدعت کی نفی کرنا، اعمال میں سستی کا نہ ہونا اور احوال میں حجاب کا نہ ہونا استقامت ہے۔

حضرت استاذ امام ابوبکر محمد بن حسین فورک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: استقامت میں طلب کی سین ہے یعنی وہ لوگ حق تعالیٰ سے اس بات کی درخواست کرتے ہیں کہ وہ ان کو توحید پر قائم رکھے پھر وہ اپنے وعدوں پر قائم رہیں اور حدود کی حفاظت کریں۔ حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: استقامت سے دائمی عزتیں ثابت ہوتی ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا﴾

''اور فرماؤ کہ مجھے یہ وحی ہوئی ہے کہ اگر وہ راہ پر سیدھے رہتے تو ضرور ہم انھیں وافر پانی دیتے۔''[3]

اللہ ﷻ نے ﴿سَقَيْنَاهُمْ﴾ ذکر نہیں فرمایا بلکہ فرمایا: ﴿اَسْقَيْنَاهُمْ﴾۔ کہا جاتا ہے ﴿اَسْقَيْتُهٗ﴾ جب تم اس کے لیے پانی مقرر کردو پس یہ دوام کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے مریدین میں سے ایک نوجوان کو جنگل میں ببول کے درخت کے نیچے (بیٹھا ہوا) پایا تو میں نے پوچھا ''تم یہاں کیوں بیٹھے ہو؟''

اس نے کہا میرا حال گم ہوگیا ہے۔

---

[1] پارہ 12، ھود 112، ترجمہ کنزالایمان

[2] جامع ترمذی، تفسیر سورہ 56، آیت: 5۔

[3] پارہ 29، الجن 16، ترجمہ کنزالایمان

میں اسے چھوڑ کر آگے چلا گیا جب میں حج سے واپس آیا تو میں نے دیکھا کہ وہ نوجوان اس جگہ سے درخت کے قریب منتقل ہو چکا ہے۔

میں نے پوچھا یہاں کیوں بیٹھے ہو؟

اس نے کہا میں نے اپنی گمشدہ چیز کو اس جگہ پایا ہے اس لیے میں نے اس جگہ کو لازم پکڑ لیا۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھے معلوم نہیں اس کی کون سی حالت زیادہ بلند تھی۔ کیا حالت کے گم ہونے کی وجہ سے اس جگہ کو اختیار کرنا یا اس جگہ کو اختیار کرنا جہاں اس نے اپنی مراد کو پایا۔

باب

اخلاص کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ط﴾

''ہاں خالص اللہ ہی کی بندگی ہے۔''[1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ثَلَاثٌ لَّا یَغُلُّ عَلَیْهِنَّ قَلْبُ مُسْلِمٍ: إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ وَمُنَاصَحَةُ وُلَاةِ الْأُمُوْرِ وَلُزُوْمُ جَمَاعَةِ الْمُسْلِمِیْنَ))

تین باتوں پر مسلمانوں کے دل میں خیانت پیدا نہیں ہوتی: ① اللہ عزوجل کے لیے خالص عمل کرنا۔ ② اپنے حکام کی خیر خواہی کرنا۔ ③ مسلمانوں کی جماعت کا ساتھ دینا۔[2]

اخلاص کی تعریف

اخلاص یہ ہے کہ ارادے کے ساتھ صرف اللہ عزوجل کے لیے عبادت کی جائے یعنی وہ عبادت کے ذریعے اللہ عزوجل کا قرب حاصل کرے کوئی اور مقصد نہ ہو، نہ تو مخلوق کے لیے بناوٹ ہو نہ لوگوں سے تعریف کی خواہش ہو اور نہ ہی لوگوں سے تعریف کروانے کی محبت ہو بلکہ اللہ عزوجل کے قرب کے علاوہ کوئی دوسری بات پیش نظر نہ ہو۔

یہ کہنا بھی درست ہے کہ مخلوق کی نگاہوں سے اپنے فعل کو پاک رکھنے کا نام ''اخلاص'' ہے۔

اور یہ کہنا بھی ٹھیک ہے کہ لوگوں کی نگاہوں سے بچنے کا نام ''اخلاص'' ہے۔

ایک مستند حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے خبر دی اور وہ اللہ عزوجل سے کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

---

[1] پارہ 23، الزمر 3، ترجمہ کنزالایمان

[2] سنن ترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء فی الحث علی تبلیغ السماع، رقم الحدیث: 2658، مسند امام احمد بن حنبل، رقم الحدیث: 16738.

((أَلْإِخْلَاصُ سِرٌّ مِّنْ سِرِّیْ إِسْتَوْدَعْتُهٗ قَلْبَ مَنْ أَحْبَبْتُهٗ مِنْ عِبَادِیْ))

''اخلاص میرے رازوں میں سے ایک راز ہے میں جس بندے سے محبت کرتا ہوں اسے اس کے دل میں رکھ دیتا ہوں۔''[1]

اخلاص اللہ عزوجل کے رازوں سے راز ہے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اخلاص کے بارے میں پوچھا گیا کہ یہ کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے رب عزوجل سے اخلاص کے بارے میں پوچھا کہ یہ کیا ہے تو اللہ عزوجل نے فرمایا: ((سِرٌّ مِّنْ سِرِّیْ إِسْتَوْدَعْتُهٗ قَلْبَ مَنْ أَحْبَبْتُهٗ مِنْ عِبَادِیْ)) ''یہ میرے رازوں میں سے ایک راز ہے جس کو میں نے اس بندے کے دل میں رکھا ہے جس سے میں محبت کرتا ہوں۔''[2]

اخلاص کے بارے اقوال

حضرت استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اخلاص: مخلوق کی نگاہوں سے بچنے کا نام ہے اور صدق نفس کو اعمال دکھانے سے بچنے کو کہتے ہیں۔ پس ''مخلص'' ریاکار نہیں ہوتا اور ''صادق'' خود پسند نہیں ہوتا۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اخلاص صرف صداقت اور اس پر صبر کے ذریعے مکمل ہوتا ہے اور صدق اس صورت میں پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے کہ اس میں اخلاص ہو اور اس پر مداومت اختیار کی جائے۔

حضرت ابو یعقوب سوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب لوگ اپنے اخلاص میں اخلاص کا مشاہدہ کریں تو ان کا ''اخلاص'' بھی اخلاص کا محتاج ہوتا ہے۔

حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تین باتیں اخلاص کی علامات میں سے ہیں:

① (إِسْتِوَاءُ الْمَدْحِ وَالذَّمِّ مِنَ الْعَامَّةِ) ''بندے کے نزدیک عوام کی طرف سے مدح اور مذمت ایک جیسی ہے۔''

② (نِسْيَانُ رُؤْيَةِ الْأَعْمَالِ فِي الْأَعْمَالِ) ''اعمال میں اپنے اعمال کو دیکھنا بھول جائے۔''

③ (نِسْيَانُ اقْتِضَاءِ ثَوَابِ الْعَمَلِ فِي الْآخِرَةِ) ''آخرت میں اعمال کا ثواب چاہنے کو بھی بھول جائے۔''

حضرت ابوعثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اخلاص یہ ہے کہ کسی حالت میں نفس کا حصہ نہ پایا جائے۔ یہ عوام کا

[1] الفردوس بماثور الخطاب للدیلمی، باب القاف، رقم الحدیث: 4513.

[2] الفردوس بماثور الخطاب للدیلمی، باب القاف، رقم الحدیث: 4513.

''اخلاص'' ہے۔ خاص لوگوں کا ''اخلاص'' وہ ہے جو اللہ عزوجل کی طرف سے ان پر جاری ہو ان کے اپنے ذریعے سے نہ ہو۔ ان سے عبادات ظاہر ہوتی ہیں لیکن ان کا ان میں ذاتی تعلق نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کی طرف سے ریاکاری ہوتی ہے اور نہ وہ ان کو کسی شمار میں لاتے ہیں۔ یہ خاص لوگوں کا ''اخلاص'' ہے۔

حضرت ابوبکر دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہر مخلص کے اخلاص کا نقصان اپنے اخلاص کو مدنظر رکھنا ہے جب اللہ عزوجل اس کے اخلاص کو خالص کرنا چاہتا ہے تو وہ اس سے اخلاص کے دیکھنے کو بھی ساقط کر دیتا ہے لہٰذا وہ ''مُخْلَصْ'' (جس کو اخلاص عطا کیا گیا) ہوتا ہے مُخْلِصْ نہیں۔

حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (لَا یَعْرِفُ الرِّیَاءَ اِلَّا مُخْلِصٌ) ''ریا کی پہچان صرف مُخلص کو ہوتی ہے۔''

حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (رِیَاءُ الْعَارِفِیْنَ أَفْضَلُ مِنْ إِخْلَاصِ الْمُرِیْدِیْنَ) ''عارف لوگوں کا ریا مریدین کے اخلاص سے افضل ہوتا ہے۔''

حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اخلاص وہ چیز ہے جو انسان کو دشمن کے خراب کرنے سے بچاتا ہے۔

حضرت ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اخلاص یہ ہے کہ مخلوق کو دکھانا بھول جائے اور ہمیشہ خالق کے فضل کو دیکھے۔

حضرت حذیفہ مرعشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اخلاص یہ ہے کہ بندے کے افعال ظاہر و باطن میں برابر ہوں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اخلاص وہ ہے جس سے حق سبحانہ کا ارادہ کیا جائے اور اس کے ساتھ حق کا قصد کیا جائے۔

کہا گیا ہے کہ اعمال کو دیکھنے سے آنکھوں کو بند کرنے کا نام اخلاص ہے۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (مَنْ تَزَیَّنَ لِلنَّاسِ بِمَا لَیْسَ فِیْهِ سُقِطَ مِنْ عَیْنِ اللّٰهِ تَعَالٰی) ''جو شخص لوگوں کے لیے اس چیز کے ساتھ زینت ظاہر کرے جو اس میں نہیں وہ اللہ عزوجل کی نظروں سے گر جاتا ہے۔''

حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لوگوں کے لیے عمل کو چھوڑ دینا ''ریا'' ہے۔ لوگوں کے لیے عمل کرنا ''شرک'' (شرک خفی) ہے اور ''اخلاص'' یہ ہے کہ اللہ عزوجل تمہیں ان دونوں باتوں سے بچائے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اخلاص اللہ عزوجل اور بندے کے درمیان ایک راز ہے اسے فرشتہ بھی نہیں جانتا کہ لکھ دے اور نہ شیطان جانتا ہے کہ خرابی پیدا کرے اور نہ خواہش نفس کو اس کا علم ہوتا ہے کہ وہ اسے اپنی طرف مائل کرے۔

حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اعمال میں ''اخلاص'' یہ ہے کہ عمل کرنے والا دونوں جہانوں میں اس کا بدلہ نہ چاہے اور نہ ہی دونوں فرشتوں (کراماً کاتبین) سے کوئی حصہ چاہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا: (أَیُّ شَیْءٍ أَشَدُّ عَلَی النَّفْسِ؟) ''کہ نفس پر کون سی چیز زیادہ سخت ہے؟''

انھوں نے فرمایا: (أَلِاخْلَاصُ لِأَنَّهٗ لَيْسَ لَهَا فِيْهَا نَصِيْبٌ) ''اخلاص'' کیوں کہ اس میں نفس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

کسی اور بزرگ سے اخلاص کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: اخلاص یہ ہے کہ تم اپنے عمل پر اللہ ﷻ کے سوا کسی کو گواہ نہ بناؤ۔

مُخْلِص قلیل ہیں

کسی بزرگ نے فرمایا: میں جمعہ کے دن نماز سے پہلے حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ان کے گھر گیا تو میں نے گھر میں سانپ دیکھا۔ میں ایک پاؤں بڑھاتا اور ایک پاؤں پیچھے کرتا۔

انھوں نے فرمایا: داخل ہو جاؤ انسان اس وقت تک حقیقت ایمان کو نہیں پہنچتا جب تک وہ دنیا کی کسی بھی چیز سے ڈرتا ہو۔ پھر پوچھا: کیا تو نماز جمعہ پڑھنا چاہتا ہے؟

فرماتے ہیں: میں نے کہا ہمارے اور مسجد کے درمیان ایک دن رات کی مسافت ہے۔ پس انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا، تھوڑی دیر کے بعد میں نے مسجد کو دیکھا پس ہم اس میں داخل ہوئے اور نماز جمعہ ادا کی۔ پھر باہر نکلے تو آپ کھڑے ہو کر لوگوں کو دیکھتے رہے وہ نکل رہے تھے۔ فرمایا: (أَهْلُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ كَثِيْرٌ وَّالْمُخْلِصُوْنَ مِنْهُمْ قَلِيْلٌ) ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ والے بہت لوگ ہیں لیکن ان میں مخلص تھوڑے ہیں۔''

حضرت مکحول رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: جو بندہ چالیس (40) دن تک ''اخلاص'' سے عبادت کرتا ہے اس کے دل سے حکمت کے چشمے اس کی زبان پر پھوٹنے لگتے ہیں۔

حضرت یوسف بن حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دنیا میں سب سے کم یاب چیز ''اخلاص'' ہے۔ میں نے کئی بار اپنے دل سے ''ریا'' کو نکالنے کی کوشش کی مگر وہ کسی نہ کسی رنگ میں ظاہر ہو جاتی۔

حضرت ابوسلیمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب بندہ ''مخلص'' ہو جائے تو اس سے وسوسوں کی کثرت اور ''ریا'' ختم ہو جاتی ہے۔

باب
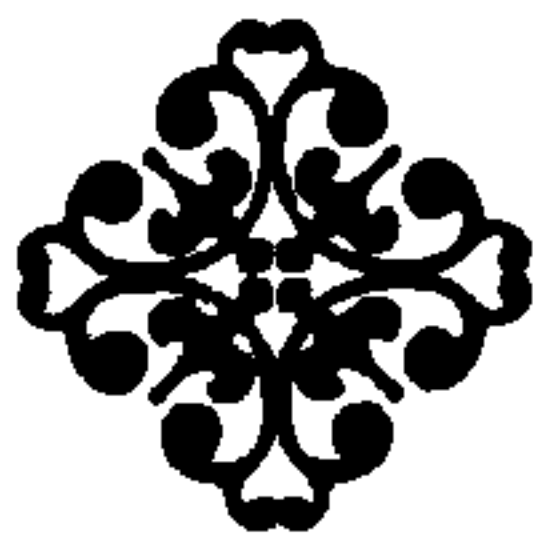
صدق کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۝﴾

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو۔''[1]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا یَزَالُ الْعَبْدُ یَصْدُقُ وَ یَتَحَرَّی الصِّدْقَ حَتّٰی یُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّیْقًا وَلَا یَزَالُ الْعَبْدُ یَكْذِبُ وَیَتَحَرَّی الْكِذْبَ حَتّٰی یُكْتَبَ عِنْدَاللّٰهِ كَذَّابًا)) ''بندہ مسلسل سچ بولتا ہے اور سچ کی کوشش کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اللہ عزوجل کے ہاں صدیق (بہت سچ بولنے والا) لکھ دیا جاتا ہے اور وہ مسلسل جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ کی کوشش کرتا ہے حتیٰ کہ اللہ عزوجل کے ہاں کذّاب (بہت جھوٹ بولنے والا) لکھ دیا جاتا ہے۔''[2]

حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دین کا ستون سچ ہے اسی کے ساتھ اسے تکمیل حاصل ہوتی ہے اور اسی میں اس کا نظام ہے اور یہ نبوت کے بعد دوسرا درجہ ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ﴾

''تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق۔''[3]

صادق اور صدیق میں فرق

صادق ایک ایسا نام ہے جو ''صدق'' سے لازم آتا ہے اور ''صدیق'' اس میں مبالغہ ہے اور وہ بہت سچ بولنے والا ہے۔ وہ شخص جس میں صدق غالب ہو جس طرح اَلسِّكِّیْرُ (بہت نشے والا) اَلْخِمِّیْرُ (بہت خمر والا یعنی شراب نوش)۔

کم از کم صدق یہ ہے کہ پوشیدہ اور ظاہر برابر ہو، ''صادق'' وہ ہے جو اپنے اقوال میں سچا ہو اور ''صدیق'' وہ ہے جو

[1] پارہ 11، التوبہ 119، ترجمہ کنزالایمان

[2] صحیح مسلم، کتاب البر، باب قبح الکذب وحسن الصدق وفضلہ، رقم الحدیث: 6534.

[3] پارہ 5، النسا 69، ترجمہ کنزالایمان

اپنے تمام اقوال، افعال اور احوال میں سچا ہو۔

حضرت احمد بن خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص چاہتا ہے کہ اللہ عزوجل کی معیت اسے حاصل ہو تو وہ سچ کو اختیار کرے۔ بے شک اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾

''بے شک اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔''[1]

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (أَلصَّادِقُ يَتَقَلَّبُ فِى الْيَوْمِ أَرْبَعِيْنَ مَرَّةً وَّالْمُرَائِىْ يَثْبُتُ عَلٰى حَالِهٖ وَاحِدَةٍ وَّأَرْبَعِيْنَ سَنَةً) ''صادق وہ ہوتا ہے جو ایک دن میں چالیس (40) مرتبہ بدلتا ہے (یعنی ترقی کرتا ہے) اور دکھاوا کرنے والا چالیس (40) سال تک ایک ہی حالت پر رہتا ہے۔''

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر ''صادق'' دل کی بات ظاہر کرنا چاہے تو بھی اسے زبان پر نہیں لا سکتا۔

کہا گیا ہے کہ ہلاکت کے مقامات میں سچی بات کہنا ''صدق'' ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''صدق''، دل اور زبان کی موافقت کا نام ہے۔

حضرت قناد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حرام کو منہ تک لے جانے سے روکنا ''صدق'' ہے۔

حضرت عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عمل میں اللہ عزوجل کے لیے وفاداری کا نام ''صدق'' ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص اپنے نفس یا کسی اور کے ساتھ دھوکہ بازی کرتا ہے وہ ''صدق'' کی بو بھی سونگھ نہیں سکتا۔

حضرت ابو سعید قرشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صادق وہ ہے جس کے لیے موت تیار ہو پھر بھی اسے اپنے راز کھل جانے کی شرم محسوس نہ ہو۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ٥﴾

''تو بھلا موت کی آرزو تو کرو اگر سچے ہو۔''[2]

لو میں مر گیا

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک دن حضرت ابو علی ثقفی رحمۃ اللہ علیہ تقریر فرما رہے تھے تو حضرت عبداللہ

[1] پارہ 1، البقرہ 153، ترجمہ کنزالایمان

[2] پارہ 1، البقرہ 94، ترجمہ کنزالایمان

بن منازل رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے فرمایا: اے ابوعلی! موت کی تیاری کرو اس سے چھٹکارا نہیں۔

حضرت ابوعلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اے عبداللہ! آپ بھی موت کی تیاری کریں اس سے چھٹکارا نہیں۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بازو کو تکیہ بنایا اور اپنا سر اس پر رکھ کر فرمایا "لو میں مرگیا" (اور وہ فوت ہو گئے)۔

یہ دیکھ کر حضرت ابوعلی ٹوٹ گئے کیونکہ ان کے لیے حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقابلہ کرنا ممکن نہ تھا کیونکہ ابوعلی رحمۃ اللہ علیہ کا دنیوی اسباب کے ساتھ تعلق تھا اور حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ "حالت تجرید" میں تھے ان کی کوئی مشغولیت نہ تھی۔

بڑھیا چلی گئی

حضرت ابوالعباس دینوری رحمۃ اللہ علیہ گفتگو فرما رہے تھے تو مجلس میں ایک بوڑھی خاتون نے چیخ ماری۔ حضرت ابوالعباس دینوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "مرحبا" پس وہ اُٹھی اور چند قدم چلی پھر ان کی طرف متوجہ ہوئی اور کہنے لگی "میں مرگئی" اور اس کی میت گر پڑی۔

اگر میں سچا ہوں تو مجھے لے لے

حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "صدق" یہ ہے کہ قصد وارادہ کے ساتھ (عقیدہ) توحید درست ہو۔

کہا گیا ہے کہ حضرت عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگردوں میں سے ایک لڑکے کی طرف دیکھا جس کا بدن کمزور ہو گیا تھا اور فرمایا: اے لڑکے! تو مسلسل روزہ رکھتا ہے؟

اس نے کہا میں ہمیشہ روزہ نہیں چھوڑتا۔

پوچھا ہمیشہ رات کو قیام کرتا ہے۔

اس نے کہا میں مسلسل نیند نہیں کرتا۔

پوچھا تجھے کس چیز نے کمزور کر دیا؟

اس نے کہا دائمی عشق نے اور اسے ہمیشہ چھپانے نے۔

حضرت عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "چپ ہو جا تجھے کس نے جرأت دی۔"

لڑکا کھڑا ہوا اور دو قدم چلا اور کہا یا اللہ! اگر میں سچا ہوں تو مجھے لے لے۔ پس وہ فوت ہو کر گر پڑا۔

مرتے دم تک ساتھ رہا

حضرت ابوعمرو زجاجی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے انھوں نے فرمایا: میری ماں کا انتقال ہو گیا تو مجھے ان سے

وراثت میں ایک حویلی ملی۔ میں نے اسے پچاس (50) درہم میں فروخت کیا اور حج کے لیے چلا گیا۔ جب میں بابل (مقام) میں پہنچا تو میرے سامنے ایک راستہ دکھانے والا آیا۔ اس نے پوچھا تمھارے پاس کیا ہے؟

میں نے دل میں کہا سچ بولنا بہتر ہے۔ پھر میں نے کہا ''پچاس (50) درہم ہیں۔''

اس نے کہا مجھے پکڑاؤ۔ میں نے تھیلی اس کو پکڑا دی۔ اس نے ان کو گنا تو وہ پچاس (50) درہم ہی تھے۔

اس نے کہا ان کو لے لو! میں تمھارے سچ میں گرفتار ہو چکا ہوں۔ پھر وہ جانور (سواری) سے اترا اور کہا اس پر سوار ہو جاؤ۔

میں نے کہا میں نہیں چاہتا۔

اس نے کہا یہ ضروری ہے اور مجھ سے اصرار کیا۔ پس میں اس پر سوار ہوا۔ اس نے کہا میں تمھارے پیچھے پیچھے آتا ہوں۔ دوسرے سال وہ میرے پاس آیا اور پھر مرتے دم تک میرے ساتھ رہا۔

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صادق شخص کو تو جب بھی دیکھے گا تو وہ یا تو فرض ادا کر رہا ہوگا یا کسی مستحب کام میں ہوگا۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حقیقت صدق یہ ہے کہ تو اس جگہ بھی سچ بولے جہاں جھوٹ کے بغیر نجات نہیں ہو سکتی۔

کہا گیا ہے کہ صادق شخص میں یہ تین باتیں ضرور پائی جاتی ہیں: (أَلْحَلَاوَةُ وَالْهَيْبَةُ وَالْمَلَاحَةُ) ''حلاوت (مٹھاس)، ہیبت اور رونق۔''

کہا گیا ہے کہ اللہ عزوجل نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اے داؤد! جو شخص دل سے میری تصدیق کرے گا میں ظاہری طور پر مخلوق کے سامنے اس کی سچائی کو ظاہر کروں گا۔

جو کچھ ہے پھینک دو

کہا گیا کہ حضرت ابراہیم بن دوحہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابراہیم بن ستبہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جنگل کی طرف نکلے تو حضرت ابراہیم بن ستبہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: آپ کے پاس جو ساز و سامان ہے اسے پھینک دیں۔

انھوں نے کہا میں نے ایک دینار کے علاوہ تمام چیزیں پھینک دیں۔

انھوں نے فرمایا: اے ابراہیم! اپنے دل کو مشغول نہ رکھو، جو ساز و سامان تمھارے پاس ہے پھینک دو۔

انھوں نے کہا میں نے دینار بھی پھینک دیا۔

پھر فرمایا: اے ابراہیم! جو کچھ تمھارے پاس مشغولیت کا سامان ہے اسے پھینک دو۔ مجھے خیال آیا کہ میرے پاس

جوتے کے تسمے ہیں میں نے ان کو بھی پھینک دیا۔ راستے میں مجھے جب بھی تسمے کی ضرورت پڑتی میں اسے اپنے سامنے پاتا۔

حضرت ابراہیم بن ستنبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص اللہ عزوجل کے ساتھ صدق کا معاملہ کرتا ہے اس کا یہی حال ہوتا ہے۔

اہلِ صدق کے چند ارشادات

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صدق اللہ عزوجل کی تلوار ہے وہ جس پر پڑتی ہے اس کو کاٹ کر رکھ دیتی ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صدیقین کی پہلی خیانت اپنے نفس سے باتیں کرنا ہے۔

حضرت فتح موصلی رحمۃ اللہ علیہ سے صدق کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے اپنا ہاتھ لوہار کی بھٹی میں ڈالا اور گرم لوہا نکال لیا پھر اسے اپنی ہتھیلی پر رکھ کر فرمایا: ''یہ صدق ہے۔''

حضرت یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر میں ایک رات اس طرح گزاروں کہ میں اللہ عزوجل سے صدق کا معاملہ کروں تو مجھے یہ بات اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں اللہ عزوجل کے راستے میں اپنی تلوار چلاؤں (جہاد کروں)۔

حضرت استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: صدق یہ ہے کہ تو لوگوں کے سامنے بھی اُس طرح ہو جس طرح تو اپنے نفس کو دیکھتا ہے یا تو اپنے نفس کو اس طرح دیکھے جس طرح حقیقت ہے۔

حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ سے صدق کی علامت کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: صادق وہ شخص ہے جو اپنے دل کی اصلاح کی خاطر اس بات کی پروا نہ کرے کہ اس کی جو قدر و منزلت لوگوں کے دلوں میں ہے وہ نکل جائے گی۔ اور وہ اس بات کو پسند نہ کرے کہ لوگ اس کی ذرہ بھر نیکی پر بھی مطلع ہوں اور اس بات کو ناپسند نہ کرے کہ لوگ اس کے برے عمل پر مطلع ہوں۔ اس کا اس بات کو ناپسند کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ان لوگوں سے زیادہ قدر و منزلت کا خواہاں ہے اور یہ بات صدیقین کے اخلاق میں سے نہیں ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں: جو شخص دائمی فرض ادا نہیں کرتا اس کا وقتی فرض قبول نہ ہوگا۔ ان سے پوچھا گیا کہ دائمی فرض کیا ہے؟ فرمایا: ''صدق''۔

کہا گیا ہے کہ جب تم اللہ عزوجل سے صدق دل سے مانگو گے تو وہ تمھیں ایسا آئینہ عطا کرے گا جس میں تم دنیا اور آخرت کی ہر عجیب چیز کو دیکھو گے۔

کہا گیا ہے کہ جہاں تمھیں ڈر ہے کہ سچ بولنا تمھیں نقصان دے گا تو وہاں بھی سچائی نہ چھوڑو کیونکہ سچائی سے تمھیں

نفع حاصل ہوگا اور جہاں تمھیں خیال ہو کہ جھوٹ نفع دے گا وہاں بھی جھوٹ کو چھوڑ و کیونکہ جھوٹ تمھیں نقصان دے گا۔

کہا گیا ہے کہ ہر چیز ایک چیز ہے مگر "کذاب" کی دوستی کوئی چیز نہیں۔

یہ بھی کہا گیا کہ "کذاب" کی علامت یہ ہے کہ اس سے قسم نہ لی جائے تب بھی وہ قسم کھاتا ہے۔

حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کلام اس قدر وسیع ہے کہ کسی ظریف کے لیے جھوٹ بولنے کا موقع ہی نہیں۔اور یہ بھی کہا گیا کہ (مَا أَمْلَقَ تَاجِرٌ صَدُوْقٌ) "سچ بولنے والا تاجر کبھی مفلس نہیں ہوتا۔"

باب

حیاء کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ یَرٰى﴾ ''کیا نہ جانا کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔''[1]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ)) ''حیاء ایمان سے ہے۔''[2]

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

((اِسْتَحْیُوْا مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَیَاءِ)) ''اللہ عزوجل سے اس طرح حیاء کرو جس طرح حیاء کا حق ہے۔''[3]

انھوں نے عرض کیا: اے اللہ عزوجل کے نبی! (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ!) ''ہم حیاء کرتے ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَیْسَ ذٰلِكَ وَلٰكِنْ مَنِ اسْتَحْیَا مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَیَاءِ فَلْیَحْفَظِ الرَّأْسَ وَمَا وَعٰى وَلْیَحْفَظِ الْبَطْنَ وَمَا حَوٰى وَلْیَذْكُرِ الْمَوْتَ وَالْبِلٰى وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ تَرَكَ زِیْنَةَ الْحَیَاةِ الدُّنْیَا فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدِ اسْتَحْیَا مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَیَاءِ))

''اس طرح نہیں بلکہ جو شخص اللہ عزوجل سے اس طرح حیاء کرے جس طرح حیاء کا حق ہے اسے سر اور اس کے اندر کی چیزوں کی حفاظت کرنی چاہئے یعنی (زبان، کان وغیرہ) اور اسے پیٹ اور جو اس کے اندر ہے اس کی حفاظت کرنی چاہئے، وہ موت اور بوسیدہ ہونے کو یاد رکھے، اور جو آخرت کا ارادہ رکھتا ہے وہ دنیوی زندگی کی زینت کو چھوڑ دے پس جس نے اس طرح کیا اس نے اللہ عزوجل سے اس طرح حیاء کیا جس طرح اس (حیاء) کا حق ہے۔''[4]

---

[1] پارہ 30، العلق 14، ترجمہ کنزالایمان

[2] صحیح البخاری، کتاب الأیمان، باب الحیاء من الأیمان، رقم الحدیث: 24.

[3] جامع ترمذی، کتاب القیامة، باب 24، رقم الحدیث: 2458. مختلف الفاظ کے ساتھ

[4] جامع ترمذی، کتاب القیامة، باب 24، رقم الحدیث: 2458. مختلف الفاظ کے ساتھ

حیاء کے بارے اقوال

حضرت مخلد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کسی دانا نے کہا تم ان لوگوں کی مجلس میں بیٹھ کر حیاء کو زندہ رکھو جن سے آدمی کو حیاء آئے۔

حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(اَلْعِلْمُ الْأَكْبَرُ الْهَيْبَةُ وَالْحَيَاءُ فَإِذَا ذَهَبَتِ الْهَيْبَةُ وَالْحَيَاءُ لَمْ يَبْقَ فِيْهِ خَيْرٌ)

''علمِ اکبر، ہیبت اور حیاء ہے جب ہیبت اور حیاء چلا جائے تو اس (علم) میں خیر باقی نہیں۔''

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دل میں ہیبت کا پایا جانا اور اس کے ساتھ اس سے پہلے سرزد ہونے والی اللہ عزوجل کی نافرمانیوں سے خوف کھانا ''حیاء'' ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: محبت بولنے والا بناتی ہے، ''حیاء'' خاموش کرتا اور خوف بے چین کرتا ہے۔

حضرت ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص حیاء کے بارے میں گفتگو کرتا ہے اور اس گفتگو کے حوالے سے اللہ عزوجل سے ''حیاء'' نہیں کرتا وہ استدراج کی حالت میں ہے (شعبدہ باز ہے)۔

حضرت ابوبکر بن اشکیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت حسن بن حدّاد رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن منازل رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے تو انھوں نے پوچھا: ''کہاں سے آ رہے ہیں؟''

انھوں نے کہا: ''میں ابوالقاسم واعظ کی مجلس سے آ رہا ہوں۔''

فرمایا: ''وہ کس موضوع پر گفتگو کر رہے تھے؟'' کہا: حیاء کے بارے میں۔''

حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''تعجب ہے جو شخص اللہ عزوجل سے ''حیاء'' نہیں کرتا وہ کیسے حیاء کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔''

حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حیاء اور اُنس، دل کے دروازے پر دستک دیتے ہیں اگر اس میں زہد و تقویٰ کو پائیں تو وہاں ڈیرہ ڈال دیتے ہیں ورنہ واپس چلے جاتے ہیں۔

حضرت جریری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: پہلی صدی کے لوگوں کا باہمی معاملہ ''دین'' کے ساتھ تھا حتیٰ کہ دین کا معاملہ کمزور ہو گیا۔ پھر دوسری صدی میں ''وفاء'' کا معاملہ ہوا حتیٰ کہ وفاء بھی چلی گئی۔ پھر تیسری صدی میں ''مروّت'' کے ساتھ معاملہ ہونے لگا حتیٰ کہ مروّت بھی چلی گئی۔ پھر چوتھی صدی میں ''حیاء'' کے ساتھ معاملہ ہونے لگا پھر حیاء بھی چلی گئی۔ پھر لوگ ایک دوسرے کے ساتھ ''لالچ'' اور ''ڈر'' کے ساتھ معاملہ کرنے لگے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْ لَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۝﴾

''اور بے شک عورت نے اس کا ارادہ کیا اور وہ بھی عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا ہم نے یوں ہی کیا کہ اس سے برائی اور بے حیائی کو پھیر دیں بے شک وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے ہے۔''[1]

اس ارشادِ خداوندی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ برہان یہ تھی کہ حضرت زُلیخا رضی اللہ عنہا نے گھر کے کونے میں موجود بت کے چہرے پر کپڑا ڈال دیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: ''کیا کر رہی ہیں؟''

انھوں نے کہا: ''مجھے اس سے حیاء آتی ہے۔''

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: ''میں تم سے بڑھ کر اللہ عزوجل سے حیاء کرتا ہوں۔''

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ؗ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ۫ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾

''تو ان دونوں میں سے ایک اس کے پاس آئی شرم سے چلتی ہوئی بولی میرا باپ تمھیں بلاتا ہے کہ تمھیں مزدوری دے اس کی جو تم نے ہمارے جانوروں کو پانی پلایا ہے۔ جب موسیٰ اس کے پاس آیا اور اسے باتیں کہہ سنائیں اس نے کہا ڈریئے نہیں آپ بچ گئے ظالموں سے۔''[2]

کہا گیا کہ اسے ان سے حیاء آ رہی تھی کہ وہ ان کو ضیافت کے لیے بلا رہی تھیں تو ان کو حیاء آئی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام قبول نہ کریں پس مہمان نواز کی صفت حیاء ہے اور یہ کرم کا حیاء ہے۔

حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ عزوجل فرماتا ہے اے بندے جب تو مجھ سے ''حیاء'' کرتا رہے گا تو میں تیرے عیب لوگوں کے دلوں سے بھلا دوں گا اور زمین کے حصوں سے تمھارے گناہ بھلا دوں گا اور لوح محفوظ سے تیری لغزشیں مٹا دوں گا اور قیامت کے دن حساب کرنے میں تم سے سختی نہیں کروں گا۔

[1] پارہ 13، یوسف 24، ترجمہ کنزالایمان

[2] پارہ 20، القصص 25، ترجمہ کنزالایمان

کہا گیا ہے کہ ایک شخص مسجد سے باہر نماز پڑھتا دیکھا گیا تو اس سے پوچھا گیا تم مسجد میں داخل ہو کر نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ اس نے کہا مجھے اللہ ﷻ سے ''حیاء'' آتی ہے کہ میں اس کے گھر میں داخل ہوں جب کہ میں نے اس کی ''نافرمانی'' کی ہے۔

کہا گیا ہے کہ حیاء کرنے والے کی علامت یہ ہے کہ اسے اس جگہ نہ دیکھا جائے جس سے حیاء آئے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں: ہم رات کے وقت نکلے تو ایک جنگل سے گزرے۔ وہاں ایک شخص سویا ہوا تھا اور اس کے سرہانے ایک گھوڑا چر رہا تھا۔ ہم نے اس کو حرکت دی اور اس سے کہا کیا تمھیں اس خطرناک جگہ جہاں درندے ہیں، سوتے ہوئے ڈر نہیں لگتا؟

اس نے اپنا سر اُٹھایا اور کہا: مجھے اللہ ﷻ سے ''حیاء'' آتی ہے اگر میں اس کے غیر سے ڈروں اور اس نے سر رکھا اور سو گیا۔

اللہ ﷻ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اپنے نفس کو وعظ کیجیے۔ جب وہ نصیحت قبول کرے تو لوگوں کو وعظ کرو ورنہ مجھ سے ''حیاء'' کرو کہ تم لوگوں کو نصیحت کرو۔ [1]

حیاء کی اقسام

کہا گیا ہے کہ حیاء کی کئی قسمیں ہیں:

① حَیَاءُ جِنَایَتْ: جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کہ جب ان سے کہا گیا کیا ہم سے بھاگ رہے ہیں تو انھوں نے کہا نہیں بلکہ تجھ سے حیاء کرتا ہوں۔

② حَیَاءُ تَقْصِیْر: (کوتاہی) جس طرح فرشتے کہتے ہیں تو پاک ہے ہم نے اس طرح عبادت نہیں کی جس طرح تیری عبادت کا حق ہے۔

③ حَیَاءُ الْاِجْلَالِ: (بزرگی کا حیاء) جس طرح حضرت اسرافیل علیہ السلام نے اللہ ﷻ سے حیاء کرتے ہوئے اپنے پر کو اپنے اوپر اوڑھ لیا۔

④ حَیَاءُ کَرَمْ: جس طرح حضور ﷺ شرم کے مارے اپنی امت سے یہ نہ کہہ سکتے تھے کہ چلے جاؤ۔

ارشادِ خداوندی ہے: ﴿وَلَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ﴾ ''نہ یہ کہ بیٹھے باتوں میں دل بہلاؤ۔'' [2]

---

[1] اور خود عمل نہ کرو۔ لوگوں کو تعلیم دینے کے لیے فرمایا ورنہ اللہ ﷻ کے نبی ﷺ خود عمل کرتے ہیں پھر لوگوں کو وعظ فرماتے ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

[2] پارہ 22، الاحزاب 53، ترجمہ کنزالایمان

⑤ حَیَاءُ حَشْمَتٍ: (احترام کا حیاء) جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مذی نکلنے کا حکم پوچھیں (آپ رضی اللہ عنہ نے خود نہ پوچھا) کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ [1]

⑥ حَیَاءُ اِسْتِحْقَارْ: (حقیر جاننا) جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: مجھے دنیا میں کوئی حاجت پیش آتی ہے تو اے میرے رب عزوجل! مجھے تجھ سے سوال کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: ''مجھ سے مانگو چاہے آٹے کا نمک یا تمھاری بکری کا چارہ ہی کیوں نہ ہو۔''

⑦ حَیَاءُ اِنْعَامْ: یہ اللہ عزوجل کا حیاء ہے۔ جب بندہ پل صراط کو عبور کر لے گا تو وہ اسے سربمہر خط دے گا اور اس میں لکھا ہوگا: ''تم نے کیا جو کیا لیکن مجھے ''حیاء'' آتی ہے کہ میں تجھ پر ظاہر کروں۔ جاؤ میں نے تمھیں بخش دیا۔''

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے حوالے سے فرماتے تھے: ''وہ ذات پاک ہے کہ ''گناہ'' بندہ کرتا ہے اور ''حیاء'' وہ فرماتا ہے۔''

کچھ مزید اقوال

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بدبختی کی پانچ علامات ہیں:

(اَلْقَسْوَةُ فِی الْقَلْبِ، وَجُمُوْدُ الْعَیْنِ، وَقِلَّةُ الْحَیَاءِ، وَالرَّغْبَةُ فِی الدُّنْیَا، وَطُوْلُ الْأَمَلِ)

''① دل کی سختی ② آنکھوں کا آنسو نہ بہانا ③ حیاء کی قلت ④ دنیا میں رغبت ⑤ لمبی امید۔''

بعض کتابوں میں ہے کہ (اللہ عزوجل فرماتا ہے): میرے بندے نے مجھ سے انصاف نہیں کیا وہ مجھے پکارتا ہے تو مجھے اس کی بات کو رد کرنے سے ''حیاء'' آتی ہے۔ جب وہ گناہ کرتا ہے اور اسے مجھ سے ''حیاء'' نہیں آتی۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص اللہ عزوجل کی اطاعت کرتے ہوئے اس سے حیاء کرے اللہ عزوجل اس سے حیاء کرتا ہے جب وہ گناہ کرتا ہے۔

اور جان لو کہ حیاء پگھلانے کا سبب ہے پس کہا جاتا ہے کہ حیاء یہ ہے کہ آقا کو اطلاع ہونے پر آنتیں پگھل جائیں۔

کہا جاتا ہے کہ رب عزوجل کی تعظیم کے لیے دل کا سکڑنا ''حیاء'' ہے۔

کہا گیا ہے کہ جب کوئی شخص لوگوں کو وعظ کرنے بیٹھتا ہے تو فرشتہ اسے آواز دیتا ہے جس چیز کی تو اپنے بھائی کو

[1] صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب المذی، رقم الحدیث: 603۔ (بالمعنیٰ)

نصیحت اور وعظ کر رہا ہے اس کی نصیحت اپنے نفس کو بھی کر ورنہ اپنے آقا سے ''حیاء'' کر بے شک وہ تجھے دیکھتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے حیاء کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: ایک طرف نعمتوں کو دیکھنا اور دوسری طرف اپنی کوتاہی کو دیکھنا ان دونوں کے درمیان سے ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے جسے ''حیاء'' کہا جاتا ہے۔

حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص اللہ عزوجل کی حدود کو توڑنے یا اس کے عہد کو توڑنے کا لباس پہنتا ہے وہ ''حیاء'' کا مزہ نہیں چکھ سکتا۔

حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ کا ہی قول ہے: حیاء کرنے والے سے ایک قسم کا پسینہ بہتا ہے اور یہ وہ بے کار چیزیں ہیں جو اس کے اندر پائی جاتی ہیں اور جب تک نفس کے اندر کوئی چیز باقی رہتی ہے وہ ''حیاء'' سے دور رہتا ہے۔

استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ عزوجل کے ہاں دعویٰ کو ترک کرنے کا نام ''حیاء'' ہے۔

حضرت ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بعض اوقات میں دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیرتا ہوں تو ''حیاء'' کی وجہ سے میری کیفیت اس طرح ہوتی ہے جیسے کوئی شخص چوری کر کے لوٹا ہو (نماز نہ پڑھی ہو)۔

باب

حرّیت کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾

''اور اپنی جانوں پر انھیں ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انھیں شدید محتاجی ہو۔''[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّمَا يَكْفِيْ أَحَدَكُمْ مَا قَنَعَتْ بِهِ نَفْسُهُ وَإِنَّمَا يَصِيْرُ إِلٰى أَرْبَعَةِ أَذْرُعٍ وَشِبْرٍ وَّ إِنَّمَا يَرْجِعُ الْأَمْرُ إِلٰى اٰخِرٍ))

''تمھارے لیے اس قدر کافی ہے جس سے تمھارا نفس قناعت کرے کیونکہ تم صرف چار ہاتھ اور ایک بالشت زمین میں جاؤ گے کیونکہ فیصلہ تو انجام پر ہوتا ہے۔''[2]

حرّیت کے بارے اقوال

استاذ فرماتے ہیں: حریت یہ ہے کہ بندہ مخلوقات کی غلامی میں نہ ہو اور نہ ہی دنیا کی چیزوں کا اس پر تسلط ہو اور اس کی درستگی کی علامت یہ ہے کہ اس کے دل میں چیزوں کا امتیاز نہ رہے۔ پس دنیوی چیزوں کی قدر و منزلت اس کے نزدیک ایک جیسی ہو۔

حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میرا نفس دنیا سے کنارہ کش ہو چکا ہے پس میرے نزدیک دنیا کا پتھر اور سونا برابر ہیں۔

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو شخص دنیا سے آزاد ہو کر اس میں داخل ہو تو جب وہ دنیا سے کوچ کر کے آخرت کی طرف جائے گا تو وہ اس سے بھی آزاد ہوگا۔

حضرت دقاق رحمہ اللہ فرماتے تھے: (مَنْ كَانَ فِي الدُّنْيَا حُرًّا مِّنْهَا كَانَ فِي الْاٰخِرَةِ حُرًّا مِّنْهَا) ''کہ جو

[1] پارہ 28، الحشر 9، ترجمہ کنزالایمان

[2] جمع الجوامع، رقم الحدیث: 8189.

شخص دنیا میں دنیا سے آزاد ہو وہ آخرت میں آخرت سے آزاد ہوگا۔" جان لو کہ حقیقتاً حریت بندگی کے کامل ہونے میں ہے پس جب کوئی شخص اللہ عزوجل کی بندگی میں سچا ہوگا، اس کی "حریت" غیر کی غلامی سے آزاد ہوگی۔

اور جو شخص یہ خیال کرے کہ بندے کے لیے بعض اوقات بندگی کا پٹہ اتارنے کی اجازت ہے نیز یہ کہ وہ تھوڑے عرصہ کے لیے اَوَامِر و نَوَاهِی سے بے تعلق ہوسکتا ہے اور یہ کہ وہ اس "دَارُ التَّكْلِيف" (دنیا) میں ممتاز رہتی ہے تو یہ دین سے نکلنا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے: ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝﴾ "اور مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت میں رہو۔" [1]

یقین سے موت مراد ہے اور اس پر مفسرین کا اجماع ہے۔

صوفیاء کرام جس حریت کی طرف اشارہ کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ بندہ مخلوقات میں سے کسی چیز کی غلامی میں نہ پڑے چاہے وہ دنیوی سامان ہو یا اُخروی متاع، تاکہ وہ خدائے واحد کے لیے یکتا ہو جائے (یعنی صرف اسی کا ہو کر رہ جائے) نہ موجودہ دنیا اسے غلام بنا سکے نہ آئندہ کی خواہش نہ کوئی آرزو، نہ سوال نہ حاجت اور نہ کوئی حظِ نفس (نفس کا حصہ اور خواہش)۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ عزوجل رحمٰن ہے؟

فرمایا: ہاں کیوں نہیں لیکن جب سے مجھے اس کی رحمت کی پہچان حاصل ہوئی ہے میں نے اس سے یہ سوال نہیں کیا کہ وہ مجھ پر رحم فرمائے اور "حریت" کا مقام بہت کم پایا جاتا ہے۔

حضرت ابو العباس سیاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر نماز قرآن (کی تلاوت) کے بغیر درست ہوتی تو اس شعر کے ساتھ درست ہوتی:

أَتَمَنّٰى عَلَى الزَّمَانِ مُحَالًا
أَنْ أَرٰى مُقْلَتَايَ طَلْعَةَ حُرِّ

* میں زمانہ سے محال بات کی تمنا کرتا ہوں وہ یہ کہ ایسے شخص کو دیکھوں جو غیر اللہ کی غلامی سے آزاد ہو۔

حضرت حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص حریت کا ارادہ کرتا ہے وہ عبودیت سے اتصال اختیار کرے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس کا دنیا سے تعلق صرف گٹھلی چوسنے کی مقدار

[1] پارہ 14، الحجر 99، ترجمہ کنزالایمان

رہ گیا ہو۔ انھوں نے فرمایا: مکاتب غلام کے ذمہ ایک درہم بھی باقی ہو تو وہ غلام ہے۔

حضرت جنید بغدادی ﷫ ہی فرماتے ہیں: جب تک تم میں حقیقتِ عبودیت سے کچھ بھی باقی ہو اس وقت تک تم خالص آزاد نہیں ہو سکتے۔

حضرت بشر حافی ﷫ فرماتے ہیں: جو شخص ''حریت'' کا ذائقہ چکھنا چاہتا ہے اور (غیر اللہ کی) غلامی سے آرام پانا چاہتا ہے وہ اپنے باطن کو اپنے اور اللہ ﷯ کے درمیان پاک رکھے۔

حضرت حسن بن منصور ﷫ فرماتے ہیں: جب بندہ عبودیت (بندگی) کے تمام مقامات کو حاصل کر لیتا ہے وہ بندگی کی تھکاوٹ سے آزاد ہو جاتا ہے اور وہ بغیر تکلیف کے عبودیت کی صفت سے موسوم ہو جاتا ہے اور یہ انبیاء کرام ﷩ اور صدیقین کا مقام ہے یعنی وہ محمول (اُٹھایا ہوا) ہو جاتا ہے۔ اس کے دل پر کوئی بوجھ نہیں ہوتا اگرچہ شرعی طور پر اس (تکلیف) کے ساتھ موصوف ہوتا ہے۔

منصور فقیہ ﷫ نے یہ شعر کہے:

مَا بَقِيَ مِنَ الْاِنْسِ حُرٌّ   لَا وَلَا فِيْ الْجِنِّ حُرٌّ

قَدْ مَضٰى حُرُّ الْفَرِيْقَيْنِ   فَحُلْوُ الْعَيْشِ مُرٌّ

* انسانوں میں کوئی آزاد باقی ہے نہ جنوں میں۔
* دونوں گروہوں کے آزاد لوگ چلے گئے لہٰذا اب میٹھی زندگی کڑوی معلوم ہوتی ہے۔

اور جان لو کہ حریت کے اکثر اوصاف فقراء کی خدمت سے حاصل ہوتے ہیں۔

حضرت شیخ ابو علی دقاق ﷫ فرماتے ہیں: اللہ ﷯ نے حضرت داوٗد ﷤ کی طرف وحی فرمائی کہ: (إِذَا رَأَيْتَ لِيْ طَالِبًا فَكُنْ لَهٗ خَادِمًا) ''جب تم کسی کو میرا طلب گار دیکھو تو اس کے خادم بن جاؤ۔''

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ((سَيِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ)) ''قوم کا سرداران کا خادم ہوتا ہے۔''[1]

حضرت یحییٰ بن معاذ ﷫ فرماتے تھے: دنیاداروں کی خدمت ان کی لونڈیاں اور غلام کرتے ہیں اور آخرت والوں کی خدمت آزاد اور نیکوکار کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم بن ادھم ﷫ فرماتے ہیں: آزاد کریم انسان دنیا سے نکالے جانے سے پہلے نکل چکا ہوتا ہے۔

اور حضرت ابراہیم بن ادھم ﷫ نے ہی فرمایا: آزاد شریف آدمی کی صحبت اختیار کرو جو بات سنے اور کلام نہ کرے۔

[1] كشف الخفاء، رقم الحديث: 1515.

باب

ذکر کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝﴾

''اے ایمان والو! اللہ کو بہت یاد کرو۔''[1]

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرِ أَعْمَالِكُمْ، وَأَزْكَاهَا عِنْدَ مَلِيْكِكُمْ وَأَرْفَعِهَا دَرَجَاتِكُمْ وَخَيْرٍ مِّنْ إِعْطَاءِ الذَّهَبِ وَالْوَرِقِ وَأَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّكُمْ فَتَضْرِبُوْا أَعْنَاقَهُمْ، وَيَضْرِبُوْا أَعْنَاقَكُمْ؟))

''کیا میں تمھارے بہترین عمل کی خبر نہ دوں جو تمھارے مالک کے ہاں زیادہ پاکیزہ، تمھارے درجات کو خوب بلند کرنے والا اور سونا اور چاندی خرچ کرنے سے بھی افضل ہے اور اس سے بھی افضل ہے کہ تم اپنے دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے ان کی گردنیں مارو اور وہ تمھاری گردنیں اُڑائیں (یعنی جہاد)۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((ذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى)) ''اللہ عزوجل کا ذکر۔''[2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ عَلٰى أَحَدٍ يَقُوْلُ اَللّٰهَ اَللّٰهَ)) ''جو شخص اللہ اللہ کہتا ہے اس پر قیامت قائم نہیں ہوگی۔''[3]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى لَا يُقَالَ فِي الْأَرْضِ اَللّٰهُ اَللّٰهُ))

''قیامت اس وقت قائم ہوگی جب زمین میں اللہ اللہ کہنے والا کوئی نہ رہے گا۔''[4]

---

[1] پارہ 22، الاحزاب 41، ترجمہ کنزالایمان

[2] سنن ابن ماجہ، کتاب الأدب، باب فضل الذکر، رقم الحدیث: 3790.

[3] صحیح مسلم، کتاب الأیمان، باب ذهاب الأیمان، آخر الزمان، رقم الحدیث: 148.

[4] جامع ترمذی، کتاب مسند امام احمد بن حنبل، رقم الحدیث: 12043.

حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ عزوجل کی راہ میں ذکر ایک قوی رُکن ہے بلکہ اس راستے میں تمام دارومدار اسی پر ہے اور اللہ عزوجل تک کوئی اس کے دائمی ذکر کے بغیر نہیں پہنچ سکتا۔

ذکر کی اقسام

ذکر کی دو قسمیں ہیں: ① ذِکْرُ اللِّسَانِ ② ذِکْرُ الْقَلْبِ. زبان کا ذکر اور دل کا ذکر۔

زبان کے ذکر سے انسان دل کے دائمی ذکر تک پہنچتا ہے لیکن (اصل) تاثیر دل کے ذکر کی ہے۔ جب بندہ اپنی زبان اور دل سے اللہ عزوجل کا ذکر کرتا ہے تو وہ سلوک کی حالت میں اپنے وصف میں کامل ہے۔

حضرت استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ذکر، ولایت کا منشور ہے۔ پس جس کو ذکر کی توفیق دی گئی اسے منشور دیا گیا اور جس سے ذکر لے لیا گیا اس کو معزول کر دیا گیا۔

مار مار کر چھڑیاں توڑ دیتے

کہا گیا ہے کہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ابتدائے سلوک میں روزانہ ایک تہہ خانہ میں چلے جاتے اور اپنے ساتھ چھڑیوں کا گٹھا لے جاتے۔ جب آپ کے دل میں غفلت پیدا ہوتی تو اپنے آپ کو ایک چھڑی سے مارتے حتیٰ کہ اسے اپنے اوپر توڑ دیتے۔ بعض اوقات شام ہونے سے پہلے گٹھا ختم ہو جاتا پھر آپ ہاتھ اور پاؤں دیوار پر مارتے۔

کہا گیا ہے کہ دل میں ذکر مُرِیدِین کی تلوار ہے اسی کے ذریعے وہ اپنے دشمنوں سے لڑتے ہیں اور اسی کے ذریعے وہ اُن آفات کو دور کرتے ہیں جو ان پر آتی ہیں۔ بے شک جب کوئی مصیبت بندے پر آتی ہے اور وہ اپنے دل کے ساتھ اللہ عزوجل سے پناہ لیتا ہے تو ہر ناپسندیدہ بات اسی وقت اس سے دور ہو جاتی ہے۔

حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: غلبۂ خوف اور شدتِ محبت کے ساتھ غفلت کے میدان سے مشاہدہ کی فضاء کی طرف جانا "ذکر" ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص اللہ عزوجل کو حقیقی طور پر یاد کرتا ہے وہ اس کے ذکر کے پہلو میں ہر چیز کو بھول جاتا ہے اور اللہ عزوجل اس کی ہر چیز کو حفاظت عطا فرماتا ہے۔ اور یہ ذکر اس کے لیے ہر چیز کا نعم البدل ہوتا ہے۔

حضرت ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ ہم اللہ عزوجل کا ذکر کرتے ہیں اور اپنے دلوں میں حلاوت (مٹھاس) نہیں پاتے (اس کی کیا وجہ ہے؟)۔ انھوں نے فرمایا: اللہ عزوجل کی تعریف (اور شکر ادا) کرو کہ اس نے تمھارے عضو کو اپنی عبادت کے حکم سے مزین کر رکھا ہے۔

ایک مشہور حدیث میں رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا فِيهَا))

''جب جنت کے باغ سے گزرو تو اس سے کھاؤ (چرو)۔''[1]

(فَقِيْلَ لَهٗ: وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ؟) ''پوچھا گیا جنت کا باغ کیا ہے؟''

آپ ﷺ نے فرمایا: ((حَلَقُ الذِّكْرِ)) ''ذکر کے حلقے (رِيَاضُ الْجَنَّةِ) ہیں۔''

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو فرمایا:

((يَآ أَيُّهَا النَّاسُ، إِرْتَعُوْا فِيْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ، قُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، مَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ؟ قَالَ: مَجَالِسُ الذِّكْرِ أُغْدُوْا، وَرُوْحُوْا وَاذْكُرُوْا مَنْ كَانَ يُحِبُّ أَنْ يَّعْلَمَ مَنْزِلَتَهٗ عِنْدَ اللّٰهِ فَلْيَنْظُرْ كَيْفَ مَنْزِلَةُ اللّٰهِ عِنْدَهٗ؟ فَإِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ يُنْزِلُ الْعَبْدَ مِنْهُ حَيْثُ أَنْزَلَهٗ مِنْ نَّفْسِهٖ))

''اے لوگو! ریاض الجنۃ میں چرا کرو (فائدہ حاصل کرو)۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ریاض الجنۃ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مجالسِ ذکر۔ صبح و شام ذکر کرتے رہو جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اللہ ﷻ کے ہاں اپنے مقام و مرتبہ کو معلوم کرے کہ وہ کیسا ہے؟ تو اسے دیکھنا چاہئے کہ اس کے ہاں اللہ ﷻ کی منزلت کیا ہے؟ بے شک اللہ سبحانہ بندے کو اس مقام پر رکھتا ہے جہاں بندہ خود اپنے آپ کو رکھتا ہے۔''[2]

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کیا اللہ ﷻ نہیں فرماتا کہ میں اس کا ہم نشین ہوں جو مجھے یاد کرتا ہے۔ تو تم نے اللہ ﷻ کی ہم نشینی سے کیا فائدہ حاصل کیا؟

اور حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مجلس میں یہ اشعار پڑھتے تھے:

ذَكَرْتُكَ لَا أَنِّيْ نَسِيْتُكَ لَمْحَةً

أَيْسَرُ مَا فِيْ الذِّكْرِ ذِكْرُ لِسَانِيْ

وَكِدْتُ بِلَا وَجْدٍ أَمُوْتُ مِنَ الْهَوٰى

وَهَامَ عَلَيَّ الْقَلْبُ بِالْخَفَقَانِ

[1] جامع الترمذی، کتاب الدعوات، باب 83، رقم الحدیث: 3510، مسند امام احمد بن حنبل، رقم الحدیث: 12523.

[2] جامع الترمذی، کتاب الدعوات، باب 83، رقم الحدیث: 3510، مسند امام احمد بن حنبل، رقم الحدیث: 12523.

فَلَمَّا رَآنِیْ الْوَجْدُ أَنَّکَ حَاضِرِیْ
شَهِدْتُکَ مَوْجُوْدًا بِکُلِّ مَکَانٍ
فَخَاطَبْتُ مَوْجُوْدًا بِغَیْرِ تَکَلُّمٍ
وَلَاحَظْتُ مَعْلُوْمًا بِغَیْرِ عَیَانٍ

* میں نے تجھے یاد کیا اس لیے نہیں کہ میں تمھیں ایک لحہ کے لیے بھی بھول گیا تھا اور میری یاد میں سب سے معمولی بات زبان کی یاد ہے۔
* قریب تھا کہ میں عشق کی وجہ سے وجد کے بغیر مر جاتا اور میرا دل دھڑکنے کی وجہ سے پریشان رہا۔
* جب میرے وجد نے مجھے دکھا دیا کہ تو میرے پاس ہے تو میں نے تجھے ہر جگہ موجود پایا۔
* لہٰذا میں نے کلام کے بغیر موجود کو خطاب کیا اور آنکھوں سے دیکھے بغیر معلوم کو دیکھ لیا۔

ذکر کی خصوصیات میں سے یہ بات ہے کہ اس کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں بلکہ بندے کو ہر وقت اللہ عزوجل کا ذکر کرنے کا حکم ہے چاہے وہ فرض ہو یا مستحب، اگرچہ نماز، تمام عبادات سے اشرف ہے لیکن بعض اوقات وہ بھی جائز نہیں لیکن قلبی ذکر عام حالات میں ہمیشہ جاری رکھا جا سکتا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ﴾

''جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے۔''[1]

حضرت امام ابو بکر بن فورک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''قِیَامْ'' کا مطلب یہ ہے کہ ذکر کا حق ادا کرتے ہیں اور ''قُعُوْدْ'' کا مطلب یہ ہے کہ اس کا دعویٰ نہیں کرتے۔

ذکر افضل یا فکر؟

شیخ ابو عبد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ ذکر میں کمال زیادہ پایا جاتا ہے یا فکر میں؟ تو حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: آپ کیا فرماتے ہیں؟

حضرت شیخ ابو عبد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میرے نزدیک ''فکر'' کے مقابلے میں ''ذکر'' زیادہ کامل ہے کیونکہ اللہ عزوجل کی صفت ذکر ہے فکر نہیں۔ اور جس صفت سے حق تعالیٰ موصوف ہو وہ اس سے زیادہ کامل ہے جو صرف مخلوق کے ساتھ

[1] پارہ 4، آل عمران 191، ترجمہ کنز الایمان

خاص ہے۔

تو حضرت استاذ ابو علی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کی تحسین فرمائی۔

حضرت کتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر اللہ عزوجل کا ذکر مجھ پر فرض نہ ہوتا تو میں اس کی تعظیم کی وجہ سے اس کا ذکر نہ کرتا۔ میرے جیسا آدمی اس کا ذکر کر سکتا ہے جس نے اپنے منہ کو ایک ہزار (1000) مقبول توبہ کے ساتھ نہ دھویا ہو۔

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کسی کے یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

مَا إِنْ ذَكَرْتُكَ إِلَاهَمَّ يُزَجِّرُنِیْ

قَلْبِیْ وَ سِرِّیْ وَرُوْحِیْ عِنْدَ ذِكْرَاكَا

حَتّٰى كَأَنَّ رَقِيْبًا مِّنْكَ يَهْتِفُ بِیْ

إِيَّاكَ وَيْحَكَ وَالتَّذْكَارَ إِيَّاكَا

* میں جب بھی تجھے یاد کرتا ہوں اس وقت میرا دل، میرا باطن اور میری روح مجھے ڈانٹنے کا ارادہ کرتے ہیں۔

* حتیٰ کہ مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ تمھارا محافظ مجھے پکارتا ہے خبردار اس کا ذکر نہ کرنا۔

ذکر کے خصائص میں سے یہ بات بھی ہے کہ اس کے مقابلے میں ذکر ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے۔

﴿فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ﴾ ''تم میری یاد کرو میں تمھارا چرچا کروں گا۔''[1]

اس اُمت کو وہ دیا جو کسی کو نہ دیا

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

((أَعْطَيْتُ أُمَّتَكَ مَالَمْ أَعْطِ أُمَّةً مِّنَ الْأُمَمِ))

''میں نے آپ کی اُمت کو وہ کچھ عطا کیا جو کسی دوسری اُمت کو نہیں دیا۔''[2]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

((مَاذَاكَ يَا جِبْرِيْلُ)) ''اے جبریل وہ کیا ہے؟''

[1] پارہ 1، البقرہ 152، ترجمہ کنزالایمان

[2] اس کا حوالہ ''رسالہ قشیریہ'' کے علاوہ نہیں مل سکا۔ (ابو حنظلہ محمد اجمل عطاری)

انھوں نے عرض کیا اللہ ﷻ کا یہ قول ہے: ﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ﴾ [1] یہ بات اس امت کے علاوہ کسی سے نہیں فرمائی۔

اللہ ﷻ کہاں رہتا ہے؟

یہ بھی کہا گیا ہے کہ (موت کا) فرشتہ ذکر کرنے والے سے اس کی روح قبض کرنے کے سلسلے میں اس سے مشورہ طلب کرتا ہے۔ بعض کتب میں یوں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: (يَا رَبِّ أَيْنَ تَسْكُنُ؟) ''اے میرے رب ﷻ تو کہاں رہتا ہے؟''

اللہ ﷻ نے آپ کی طرف وحی بھیجی (فِيْ قَلْبِ عَبْدِيِ الْمُؤْمِنِ) ''میں اپنے مومن بندے کے دل میں رہتا ہوں۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ ذکر دل میں ہوتا ہے کیونکہ اللہ ﷻ کسی چیز میں ٹھہرنے اور داخل ہونے سے پاک ہے یہ تو ذکر کا اثبات اور اس کا حصول ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: ذاکر (اس قدر ذکر کرے کہ وہ) ''ذکر'' سے غائب ہو جائے۔ پھر یہ شعر پڑھا:

لَا لِأَنِّيْ أَنْسَاكَ أُكْثِرُ ذِكْرَاكَ

وَلٰكِنَّ بِذَاكَ يَجْرِيْ لِسَانِيْ

* میں تمھارا کثرت سے ذکر اس لیے نہیں کرتا کہ تجھے بھول جاتا ہوں بلکہ یہ ذکر تو (ہر وقت) میری زبان پر جاری رہتا ہے۔

اللہ ﷻ کا ابنِ آدم سے خطاب

حضرت سہل بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہر دن جلیل سبحانہ (اللہ ﷻ) آواز دیتا ہے اے میرے بندے! تم نے مجھ سے انصاف نہیں کیا۔ (أَذْكُرُكَ وَتَنْسَانِي) ''میں تمھیں یاد کرتا ہوں اور تو نے مجھے بھلا دیا۔'' (وَأَدْعُوكَ إِلَيَّ وَتَذْهَبُ إِلٰى غَيْرِيْ) ''میں تجھے اپنی طرف بلاتا ہوں اور تم میرے غیر کی طرف جا رہے ہو۔'' (أَذْهَبُ عَنْكَ الْبَلَايَا وَأَنْتَ مُعْتَكِفٌ عَلَى الْخَطَايَا) ''میں تجھ سے مصیبتوں کو دور کرتا ہوں اور تم خطاؤں پر جھکے ہوئے ہو۔'' (يَا ابْنَ اٰدَمَ، مَا تَقُوْلُ غَدًا إِذَا جِئْتَنِيْ) ''اے انسان! کل جب تم میرے پاس آؤ گے تو کیا جواب دو گے؟''

[1] پارہ 1، البقرہ 152، ترجمہ کنز الایمان

جنت میں درخت لگنا بند ہو گئے

حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جنت میں ایک ہموار جگہ ہے جب ذکر کرنے والا ذکر شروع کرتا ہے تو فرشتے اس میں درخت لگانا شروع کرتے ہیں۔ بعض اوقات فرشتے رُک جاتے ہیں تو پوچھا جاتا ہے کیوں رک گئے ہو؟ تو فرشتہ جواب دیتا ہے میرے ساتھی (ذکر کرنے والے انسان) نے کوتاہی کی ہے۔

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حلاوت و مٹھاس تین چیزوں سے حاصل کرو: ① نماز سے ② ذکر سے ③ قرآن مجید کی تلاوت سے۔ اگر تم مٹھاس پاؤ، تو ٹھیک ہے ورنہ جان لو کہ دروازہ بند ہے۔

ایسی نیند کبھی نہ سویا جیسی آج سویا

حضرت حامد اسود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں ایک سفر میں حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تھا۔ ہم ایک ایسی جگہ آئے جہاں سانپ بہت زیادہ تھے۔ آپ نے اپنا چھوٹا مشکیزہ رکھا اور تشریف فرما ہو گئے۔ میں بھی بیٹھ گیا۔ جب رات ٹھنڈی ہو گئی اور ٹھنڈی ہوا چلنے لگی تو سانپ باہر نکلے، تو میں نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو چلّاتے ہوئے آواز دی۔

انھوں نے فرمایا: (اُذْکُرِ اللّٰهَ) ''اللہ عزوجل کا ذکر کرو۔''

میں نے اللہ عزوجل کا ذکر کیا تو سانپ واپس ہو گئے۔ پھر دوبارہ آئے تو میں چلّایا۔ انھوں نے پھر وہی بات کہی۔ پس صبح تک یہی حالت رہی۔ جب صبح ہوئی تو آپ اُٹھ کر چل پڑے اور میں بھی آپ کے ساتھ چل پڑا۔ جب وہ نیچے اترے تو ایک سانپ گرا جوان سے لپٹا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا: آپ کو اس کا احساس نہیں ہوا؟

فرمایا: نہیں۔ مدت سے میں ایسی شاندار نیند نہیں سویا جیسی نیند آج رات سویا ہوں۔

ذکر کے بارے اقوال

حضرت ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو شخص (اللہ عزوجل کے ذکر سے) غفلت کی وحشت کا مزہ نہیں چکھتا وہ ذکر کے اُنس کا ذائقہ نہیں پا سکتا۔

حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: اللہ عزوجل کی نازل کردہ ایک کتاب میں لکھا ہے: جب میرے بندے پر میرا ''ذکر'' غالب آ جائے تو وہ میرا محب اور میں اس کا محبّ بن جاتا ہوں۔ انھوں نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ تم میرے ساتھ خوش رہو اور میرے ذکر کا مزہ حاصل کرو۔

حضرت ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہر چیز کی سزا ہے اور عارف باللہ کی سزا اس کا ذکر سے قطع تعلق ہے۔

انجیل میں ہے: جب تمہیں غصہ آئے تو مجھے یاد کرو جب مجھے غصہ آئے گا تو میں تمہیں یاد کروں گا۔ میں جو تمھاری مدد کروں اس پر راضی رہو بے شک میرا تمھاری مدد کرنا تمھارے لیے خود اپنی مدد کرنے سے بہتر ہے۔

ایک راہب (عبادت گزار) سے پوچھا گیا کیا تمھارا روزہ ہے؟

اس نے کہا ہاں اللہ ﷻ کے ذکر کا روزہ ہے۔ جب دوسرے کا ذکر کرتا ہوں تو یہ میرا افطار ہوتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ جب ذکر دل میں جاگزیں ہو جاتا ہے تو اگر شیطان اس کے قریب آئے تو وہ پچھاڑ دیا جاتا ہے جس طرح شیطان انسان کے قریب آ کر اسے پچھاڑ لیتا ہے پس دوسرے شیطان اس کے پاس جمع ہو کر پوچھتے ہیں اسے کیا ہوا ہے؟ تو کہا جاتا ہے اس کو انسان نے چھوا ہے۔

حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں اللہ ﷻ کو بھولنے سے بڑھ کر کسی کام کو گناہ نہیں سمجھتا۔

کہا گیا ہے کہ ذکر خفی کو فرشتہ اوپر نہیں لے جاتا کیونکہ اسے اس پر اطلاع نہیں ہوتی۔ وہ بندے اور اللہ ﷻ کے ہاں راز ہوتا ہے۔

درندہ کاٹنے لگتا ہے

ایک صوفی فرماتے ہیں: مجھے بتایا گیا کہ جنگل میں ایک ذکر کرنے والا ہے۔ میں اس کے پاس آیا وہ بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ایک بہت بڑے درندے نے اس پر ایک ضرب لگائی اور اس سے ایک ٹکڑا نوچ لیا۔ پس اس پر اور مجھ پر بھی بے ہوشی طاری ہو گئی۔ جب افاقہ ہوا تو میں نے پوچھا یہ کیا تھا؟

اس نے کہا اللہ ﷻ نے اس درندے کو مجھ پر مسلط کر رکھا ہے جب میں ذکر میں سستی کرتا ہوں تو یہ مجھے کاٹتا ہے جیسا کہ تم نے دیکھا۔

حضرت جریری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہمارے احباب کے درمیان ایک شخص تھا جو بکثرت ''اَللّٰهُ اَللّٰهُ'' کہتا تھا۔ ایک دن اس کے سر پر ایک شہتیر آ کر گرا جس سے اس کا سر زخمی ہو گیا اور خون نکلنے لگا جس سے زمین پر ''اَللّٰهُ اَللّٰهُ'' لکھا گیا۔

باب

جواں مردی کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى﴾

''وہ کچھ جوان تھے کہ اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کو ہدایت بڑھائی۔''[1]

حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اصل ''جواں مردی'' یہ ہے کہ بندہ ہمیشہ دوسروں کے کاموں میں کوشش کرتا رہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا يَزَالُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ حَاجَةِ الْعَبْدِ مَا دَامَ الْعَبْدُ فِيْ حَاجَةِ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ))

''اللہ عزوجل مسلسل بندے کی حاجت کو پورا کرتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے مسلمان بھائی کی حاجت پوری کرتا رہے۔''[2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے:

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: (هٰذَا الْخُلُقُ لَايَكُوْنُ كَمَالُهُ إِلَّا لِرَسُوْلَ اللّٰهِ فَإِنَّ كُلَّ أَحَدٍ فِي الْقِيَامَةِ يَقُوْلُ: نَفْسِيْ، نَفْسِيْ وَهُوَ يَقُوْلُ أُمَّتِيْ أُمَّتِيْ) ''یہ خلق کامل طور پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کیونکہ قیامت کے دن ہر شخص ''نَفْسِيْ نَفْسِيْ'' پکارے گا اور آپ ''أُمَّتِيْ أُمَّتِيْ'' پکاریں گے۔''

جواں مردی کیا ہے؟

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جواں مردی'' شام میں، ''زبان'' عراق میں اور ''صدق'' خراسان میں ہے۔

حضرت فضیل (بن عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (فتوة) ''جواں مردی'' یہ ہے کہ اپنے (مسلمان) بھائیوں کی لغزش سے درگزر کرے۔ یہ بھی کہا گیا کہ جواں مردی یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو دوسروں سے افضل نہ سمجھو۔

[1] پارہ 15، الکھف 13، ترجمہ کنزالایمان

[2] المعجم الکبیر، رقم الحدیث: 480.

حضرت ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جواں مرد'' وہ ہے جس کا کسی سے جھگڑا نہ ہو۔

حضرت محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جواں مردی'' یہ ہے کہ تم اپنے رب عزوجل کی طرف سے اپنے نفس کے ساتھ جھگڑو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''جواں مرد'' وہ ہے جو کسی سے جھگڑنے والا نہ ہو۔

حضرت نصرابازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے، اصحاب کہف کو ''فِتْيَةٌ'' اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ کسی واسطہ کے بغیر اپنے رب عزوجل پر ایمان لائے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''فتی'' (جواں مرد) وہ ہے جو بتوں کو توڑ دے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿سَمِعْنَا فَتًى يَذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِيْمُ ۝ؕ﴾

''ہم نے ایک جوان کو انھیں برا کہتے ہوئے سنا جسے ابراہیم کہتے ہیں۔''[1]

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا﴾ ''تو ان سب کو چورا کر دیا۔''[2]

اور ہر شخص کا بت اس کا اپنا نفس ہے پس جو شخص اپنی خواہش کی مخالفت کرے حقیقت میں وہی ''جواں مرد'' ہے۔

حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جواں مردی یہ ہے کہ (أَنْ تُنْصِفَ وَلَا تَنْتَصِفُ) ''تو انصاف کرے اور انصاف طلب نہ کرے۔''

حضرت عمر بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جواں مردی'' (فتوۃ) اچھے ''اخلاق'' کو کہتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے فتوۃ (جواں مردی) کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: (أَنْ لَّا تُنَافِرَ فَقِيْرًا وَّلَا تُعَارِضَ غَنِيًّا) ''تم کسی فقیر سے نفرت نہ کرو اور کسی مال دار کی مخالفت نہ کرو۔''

حضرت نصرابازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مروت، ''فتوۃ'' کا ایک شعبہ ہے اور وہ دونوں جہانوں سے اعراض اور نفرت کا نام ہے۔

حضرت محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''فتوۃ'' (جواں مردی) یہ ہے کہ تمھارے نزدیک موجود اور آنے والی چیز برابر ہو۔

حضرت عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میرے والد سے ''فتوۃ'' کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ کیا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ تم اپنی خواہش کو اس چیز کی وجہ سے چھوڑ دو جس کا ڈر ہے (یعنی جہنم کے ڈر سے)۔

بعض حضرات سے پوچھا گیا کہ جواں مردی کیا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ وہ شخص اس میں تمیز نہ کرے کہ اس کے

---

[1] پارہ 17، الانبیاء 60، ترجمہ کنز الایمان

[2] پارہ 17، الانبیاء 58، ترجمہ کنز الایمان

ہاں کوئی ولی کھاتا ہے یا کوئی کافر۔

پچاس (50) سال حالت کفر میں کھلایا

کسی عالم نے فرمایا کہ ایک مجوسی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں مہمان نوازی چاہی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: اس شرط پر (مہمان بناؤں گا) کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ پس مجوسی چلا گیا تو اللہ عزوجل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ میں پچاس (50) سال سے اس کے کفر کے باوجود اسے کھلا رہا ہوں اگر آپ اسے دین کی تبدیلی کا مطالبہ کیے بغیر ایک لقمہ کھلاتے تو کیا حرج تھا؟

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کے پیچھے گئے اور اس سے جا ملے اور معذرت چاہی۔ اس نے اس (معذرت) کا سبب پوچھا تو آپ علیہ السلام نے اس سے واقعہ بیان کر دیا۔ پس وہ مجوسی مسلمان ہو گیا۔

جواں مردی کے بارے چند اقوال

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جواں مردی'' اذیت پہنچانے سے رُکنا اور مال خرچ کرنے کا نام ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جواں مردی'' سنت کی اتباع کا نام ہے۔

کہا گیا ہے کہ ''جواں مردی'' وفا اور حفاظت کو کہتے ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ ''جواں مردی'' ایسی فضیلت ہے جس کو تو کرتا ہے اور اس میں اپنے نفس کا حصہ نہیں دیکھتا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''جواں مردی'' اس چیز کا نام ہے کہ جب سائل آئے تو نہ بھاگے۔

ایک قول یہ ہے کہ تو اپنے قصد کرنے والوں سے نہ بھاگے۔

کہا گیا ہے کہ تم ''ذخیرہ اندوزی'' نہ کرو اور نہ عذر پیش کرو۔

ایک قول کے مطابق نعمت کا اظہار اور مشقت و تکلیف کو چھپانا ''جواں مردی'' ہے۔

کسی نے کہا کہ تو 10 آدمیوں کو دعوت دے اور اگر 9 یا 11 آئیں تو تمھارے رویہ میں تبدیلی نہ آئے۔

کہا گیا ہے کہ امتیاز نہ کرنا ''جواں مردی'' ہے۔

عیار شخص کی دعوت

حضرت احمد بن خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بیوی ام علی رحمۃ اللہ علیہا سے فرمایا: میں ایسی دعوت کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں جس میں اپنے شہر کے ایک عیار اور شاطر کو جو نوجوانوں کا سردار ہے، بلاؤں گا۔

بیوی نے کہا تم ایسا نہیں کر سکو گے۔ انھوں نے کہا میں ضرور ایسا کروں گا۔

بیوی نے کہا اگر تم نے یہ کام کرنا ہے تو بکریاں، گائے اور گدھے ذبح کرو اور اس آدمی کے گھر کے دروازے سے اپنے گھر کے دروازے تک ڈال دو۔

انھوں نے کہا: بکریوں اور گایوں کے بارے میں، میں جانتا ہوں گدھوں کی کیا وجہ ہے؟

اس (بیوی) نے کہا تو ایک (عیار) نوجوان کو گھر میں بلا رہا ہے تو کم از کم محلے کے کتوں کو بھی کچھ نہ کچھ خیر ملنی چاہئے۔

چور کو انعام دے دیا

کہا گیا ہے کہ کسی شخص نے دعوت کی اور ان لوگوں میں شیخ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ جب ان لوگوں نے کھانا کھایا تو سماع کی حالت میں ان لوگوں پر نیند طاری ہوگئی۔ حضرت شیخ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے دعوت والے سے پوچھا ہماری نیند کی کیا وجہ ہے؟

اس نے کہا مجھے معلوم نہیں میں نے جو کچھ تم لوگوں کو کھلایا ہے اس کی اچھی طرح چھان بین کی ہے سوائے بینگن کے، اس (بینگن) کے بارے میں نہیں پوچھا۔ صبح ہوئی تو انھوں نے بینگن بیچنے والے سے پوچھا اس نے کہا میرے پاس کچھ نہ تھا تو میں نے فلاں جگہ سے بینگن چوری کیا اور اسے فروخت کر دیا۔

یہ لوگ اس بینگن فروش کو زمین کے مالک کے پاس لے آئے تا کہ وہ اسے معاف کر دے۔ زمین کے مالک نے کہا تم مجھ سے ایک بینگن معاف کرانے آئے ہو میں نے یہ زمین، دو بیل، گدھا، کھیتی باڑی کے آلات سب کچھ ہبہ کر دیا تا کہ وہ آئندہ ایسا کام نہ کرے۔

بیس (20) سال کے لیے اندھا ہونا

کہتے ہیں ایک شخص نے ایک عورت سے شادی کی لیکن زفاف سے پہلے اس عورت کو چیچک نکل آئی۔ مرد نے کہا مجھے آنکھ میں تکلیف ہے۔ پھر کہا میری آنکھ اندھی ہوگئی ہے۔ پس عورت کو اس کے پاس بھیجا گیا پھر وہ عورت بیس (20) سال بعد مرگئی تو مرد نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ اس سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا میں اندھا نہیں ہوا تھا بلکہ میں اس کے غمگین ہونے کے خوف سے جان بوجھ کر اندھا بنا رہا۔ اس سے کہا گیا کہ تو ''جواں مردوں'' سے سبقت لے گیا ہے۔

قیدی سے کوئی چیز نہیں لوں گا

حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص کمال برداشت دیکھنا چاہے تو وہ بغداد کے پانی پلانے والوں کے دامن

سے وابستہ ہو جائے۔ پوچھا گیا ان کا کیا حال ہے؟

فرمایا: جب مجھے بے دین ہونے کا الزام دیا گیا اور اس وجہ سے مجھے خلیفہ کے پاس لے جایا گیا تو میں نے ایک پانی والے کو دیکھا جس کے سر پر عمامہ تھا اور اس نے ایک مصری رومال اوڑھ رکھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں مٹی کے باریک کوزے تھے۔ میں نے پوچھا یہ بادشاہ کا ساقی ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں، یہ عام لوگوں کو پانی پلانے والا ہے۔

میں نے کوزہ لیا اور پانی پیا اور اپنے ساتھی سے کہا اس کو ایک دینار دے دو لیکن اس نے نہ لیا اور کہا تم قیدی ہو اور یہ ''جواں مردی'' نہیں کہ میں تجھ سے کوئی چیز لوں۔

دوست سے نفع نہیں لوں گا

کہا گیا ہے کہ ''جواں مردی'' یہ نہیں کہ تم اپنے دوست سے نفع لو یہ بات ہمارے ایک دوست نے فرمائی ہے۔

ایک جوان احمد بن سہل تاجر تھا میں نے اس سے ایک سفید کپڑا خریدا تو اس نے اس کی اصل قیمت (جس پر خریدا تھا) لی۔

میں نے کہا آپ نفع نہیں لیتے؟

اس نے کہا میں نے قیمت لے لی ہے اور تم پر کوئی احسان نہیں کر رہا کیونکہ جو کچھ میں تمہارے ساتھ کر رہا ہوں یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے لیکن میں نفع نہیں لوں گا کیونکہ دوست سے نفع لینا ''جواں مردی'' نہیں ہے۔

عورت سے ہاتھ نہیں دھلاؤں گا

کہا گیا ہے کہ ایک شخص جو ''جواں مرد'' مشہور تھا ''نیشاپور'' سے (خراسان کے شہر) نساء کی طرف گیا۔ ایک شخص جس کے ساتھ جواں مردوں کی ایک جماعت تھی اس سے مہمان نوازی کا مطالبہ کیا۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو ایک لونڈی نکلی جوان کے ہاتھ دھلا رہی تھی۔ نیشاپوری نے ہاتھ دھونے سے کھینچ لیا اور کہا یہ ''جواں مردی'' نہیں کہ عورتیں مردوں کے ہاتھ دھلائیں۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا میں کئی سالوں سے اس گھر میں آ رہا ہوں لیکن مجھے معلوم ہی نہیں کہ عورت ہمارے ہاتھوں پر پانی ڈالتی ہے یا مرد؟ (یعنی میں نے اس کی طرف کبھی نہیں دیکھا)۔

لڑکی کو بھی لڑکا سمجھ کر ہاتھ نہیں لگایا

حضرت منصور مغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک شخص نے ''نوح نیشاپوری'' عیار کا امتحان لینا چاہا تو اس پر ایک لونڈی لڑکے کے لباس میں فروخت کی اور کہا یہ لڑکا ہے اور وہ بہت خوبصورت تھی۔ نوح نے یہ سوچ کر کہ یہ لڑکا ہے اسے خرید لیا

اور وہ کئی مہینے اس کے پاس رہی۔ اس لڑکی سے پوچھا گیا کیا اس کو علم تھا کہ تم لڑکی ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ کیونکہ اس نے مجھے یہ خیال کرتے ہوئے کہ میں لڑکا ہوں، ہاتھ نہیں لگایا۔

ٹھنڈے پانی سے سرد رات میں غسل کرنا

کہا گیا کہ ایک شاطر شخص سے اس کے خدمت گار غلام کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہ اسے بادشاہ کے حوالے کر دے لیکن اس نے انکار کر دیا۔ اس نے اسے ایک ہزار (1000) کوڑے مارے پھر بھی نہ مانا۔ اتفاق سے اسے اس رات احتلام ہو گیا اور سخت سردی تھی۔ صبح ہوئی تو ٹھنڈے پانی کے ساتھ غسل کیا۔ اس سے کہا گیا تم نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال دیا۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے اللہ عزوجل سے حیا آتی ہے کہ میں مخلوق کے لیے ہزار (1000) کوڑے کھانے پر صبر کروں اور اللہ عزوجل کے لیے غسل کی ٹھنڈک کو برداشت نہ کروں۔

دستر خوان پر چونٹیاں تھیں

کہا گیا ہے کہ جواں مردوں کی ایک جماعت ایک شخص کی ملاقات کے لیے آئی جس کا دعویٰ تھا کہ وہ جواں مرد ہے۔ اس نے کہا اے لڑکے! دستر خوان لاؤ۔ پس وہ نہ لایا۔ اس شخص نے دوسری اور تیسری بار کہا۔ ان لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہنے لگے یہ "جواں مردی" نہیں ہے کہ یہ شخص اس سے خدمت لے جس نے دستر خوان لانے میں بار بار اس کی نافرمانی کی۔

اس شخص نے پوچھا تم نے دستر خوان لانے میں کیوں تاخیر کی؟ لڑکے نے کہا اس پر چیونٹیاں تھیں اور یہ بات ادب سے نہیں ہے کہ جواں مردوں کے سامنے ایسا دستر خوان لایا جائے جس پر چیونٹیاں ہوں اور دستر خوان سے چیونٹیوں کو پھینکنا جواں مردی کے خلاف ہے پس میں نے انتظار کیا حتیٰ کہ چیونٹیاں چلی گئیں۔

ان حضرات نے کہا اے نوجوان! تم نے بہت باریک بات کی ہے۔ جواں مردوں کا خدمت گار تمھاری طرح کا ہونا چاہیے۔

امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کا حاجی کو ایک ہزار (1000) دینار دینا

کہا گیا ہے کہ حاجیوں میں سے ایک شخص مدینہ طیبہ میں سو گیا۔ اسے وہم ہوا کہ اس کی ہمیانی چوری ہو گئی ہے۔ وہ باہر نکلا تو حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا اور ان کے ساتھ چمٹ گیا اور ان سے کہنے لگا میری ہمیانی تم نے لی ہے۔

انھوں نے پوچھا اس میں کیا تھا۔ اس نے کہا ایک ہزار (1000) دینار تھے۔ آپ اسے اپنے گھر لے گئے اور ایک

ہزار (1000) دینار کا وزن کیا۔ وہ شخص اپنی رہائش گاہ پر آیا اور گھر میں داخل ہوا تو دیکھا اس کی ہمیانی گھر میں تھی اور اسے وہم ہوا تھا کہ وہ چوری ہو گئی ہے۔

وہ حضرت جعفر رحمۃ اللہ علیہ سے معذرت کرنے کے لیے نکلا اور آپ کے دینار واپس کر دیے۔ آپ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا: میں جو چیز اپنے قبضہ سے نکال چکا ہوں وہ واپس نہیں لیتا۔

اس شخص نے پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

یہ کام تو ہمارے ہاں کُتّے بھی کرتے ہیں

کہا گیا ہے کہ حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ''جواں مردی'' کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا آپ کیا کہتے ہیں؟

حضرت شقیق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر ہمیں دیا جائے تو شکر کرتے ہیں اور نہ دیا جائے تو صبر کرتے ہیں۔

حضرت جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہمارے ہاں مدینہ طیبہ کے کتے بھی یہی کام کرتے ہیں۔

حضرت شقیق رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا اے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے! آپ لوگوں کے ہاں جواں مردی کیا ہے؟

فرمایا: اگر ہمیں مل جائے تو ہم دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اور نہ ملے تو شکر ادا کرتے ہیں۔

میرے رخسار پر پاؤں رکھے

حضرت جریری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: شیخ ابوالعباس بن مسروق رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں ایک رات اپنے گھر بلایا۔ ہمارا ایک دوست ہمارے سامنے آیا تو ہم نے کہا ہمارے ساتھ آؤ، ہم شیخ کی ضیافت میں جا رہے ہیں۔

اس نے کہا انھوں نے مجھے تو دعوت نہیں دی۔

ہم نے کہا ہم ان سے اجازت لے لیں گے جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے اجازت لی تھی۔ پس ہم نے اسے واپس بلایا۔ جب شیخ کے دروازے پر پہنچا تو ہم نے شیخ کو بتایا کہ اس نے کیا کہا اور ہم نے کیا کہا۔

اس نے کہا آپ نے مجھے اپنے دل میں جگہ دی ہے کہ دعوت کے بغیر میرے گھر میں تشریف لائے۔ مجھے قسم ہے آپ نے جس جگہ بیٹھنا ہے وہاں تک میرے رخسار پر قدم رکھیں اور اصرار کیا۔ انھوں نے اپنا رخسار زمین پر رکھ دیا اور اس شخص کو اٹھایا گیا۔ اس نے اپنا پاؤں تکلیف پہنچائے بغیر آپ کے رخسار پر رکھا اور حضرت شیخ اپنے چہرے کو زمین پر گھسیٹتے رہے حتیٰ کہ وہ شخص اپنے بیٹھنے کی جگہ تک پہنچ گیا۔

جان لو کہ دوستوں کے عیبوں کو چھپانا ''جواں مردی'' ہے خاص طور پر جب اس میں ان پر دشمن ہنستے ہوں۔

شرابی کو گھر بھجوا دیا

شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ اکثر حضرت نصرابادی رحمۃ اللہ علیہ سے کہتے کہ علی قوال رات کو شراب پیتا ہے اور دن کے وقت وہ آپ کی مجلس میں حاضر ہوتا ہے لیکن وہ اس کے بارے میں کوئی بات نہ سنتے۔ اتفاق سے ایک دن آپ کہیں جا رہے تھے اور آپ کے ساتھ ان لوگوں میں سے ایک شخص تھا جو علی قوال کے بارے میں آپ کو یہ خبریں دیا کرتا تھا۔ اس نے علی کو ایک جگہ گرا ہوا دیکھا اور اس پر مستی کے اثرات ظاہر تھے اور وہ اس طرح ہو گیا جیسے وہ اپنا منہ دھو رہا ہے۔ اس شخص نے کہا ہم کب تک شیخ سے اس کے بارے میں کہتے رہیں گے اور وہ نہیں سنیں گے۔ یہ علی ہے جو اس ہمارے بیان کردہ وصف کے مطابق ہے۔

حضرت نصرابادی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی طرف دیکھا اور ملامت کرنے والے سے کہا اس کو اپنی گردن پر اٹھاؤ اور اس کے گھر منتقل کر دو۔ اسے آپ کا حکم ماننے سے کوئی چارہ نہ نظر آیا۔

بیمار کی بیماری لے لو

حضرت مرتعش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت حفص رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ایک مریض کی عیادت کے لیے گئے اور ہم ایک جماعت تھے۔ انھوں نے مریض سے پوچھا کیا تم تندرست ہونا پسند کرتے ہو؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: تم اس کی طرف سے بیماری اٹھا لو پس وہ بیمار اُٹھ کھڑا ہوا اور ہم تمام ساتھی بیمار ہو گئے۔ ہماری بیمار پرسی کی جاتی تھی۔

باب
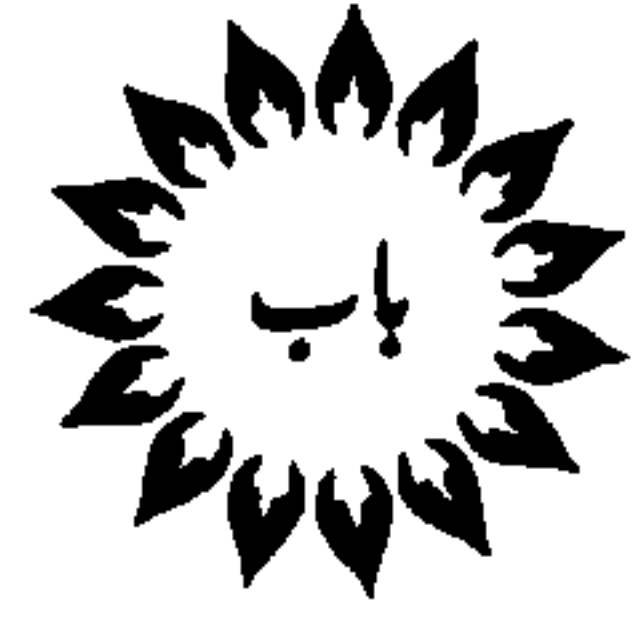
فراست کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ۝﴾

''بے شک اس میں نشانیاں ہیں فراست والوں کے لیے۔''[1]

(مُتَوَسِّمِیْنَ کی جگہ) مُتَفَرِّسِیْنَ کا قول بھی کیا گیا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ))

''مومن کی فراست سے ڈرو بے شک وہ اللہ عزوجل کے نور سے دیکھتا ہے۔''[2]

فراست کیا ہے؟

فراست ایک خیال ہے جو دل پر طاری ہوتا ہے اور وہ متضاد خیالات کو نکال دیتا ہے اور دل پر اسی کا حکم ہوتا ہے۔ لفظ ''فراست'' فَرِیْسَةُ السَّبُعِ سے مشتق ہے (یعنی درندے کا شکار)۔ فراست کے مقابلے میں نفس کوئی خیال تجویز نہیں کرسکتا۔ یہ فراست ایمانی قوت کے مطابق ہوتی ہے جس شخص کی قوت ایمانی زیادہ مضبوط ہوگی اس کی فراست زیادہ تیز ہوگی۔

حضرت ابو سعید خرّاز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص فراست کی نظر سے دیکھتا ہے وہ نورِ حق کے ساتھ دیکھتا ہے اور اس کے علم کا مواد حق کی طرف سے ہوتا ہے جس میں سہو اور غفلت نہیں ہوتی بلکہ یہ اللہ عزوجل کا فیصلہ ہوتا ہے جو زبان پر جاری رہتا ہے۔ اور ان کا یہ قول کہ ''وہ نورِ حق سے دیکھتا ہے'' یعنی ایسا نور جس کے ساتھ اللہ عزوجل نے اسے مخصوص کیا ہے۔

حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بے شک فراست وہ اٹھنے والے نور ہیں جو دلوں میں چمکتے ہیں اور ایسی جاگزیں ہونے والی معرفت ہے جو ایک غیب سے دوسرے غیب کی طرف رازوں کو اُٹھاتی ہے حتیٰ کہ وہ اشیاء کو اس طرح دیکھتا

[1] پارہ 14، الحجر 75، ترجمہ کنزالایمان

[2] جامع ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ الحجر، رقم الحدیث: 3127.

ہے جس طرح حق سبحانہ وتعالیٰ اسے دکھاتا ہے اس طرح وہ مخلوق کے ضمیر (دل) کی باتیں بتانے لگتا ہے۔

لوگوں کی پوشیدہ باتیں بتانا

حضرت ابوالحسن دیلمی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے وہ فرماتے ہیں: میں انطاکیہ [1] میں ایک حبشی سے ملنے گیا۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ وہ لوگوں کے راز بتاتا ہے۔ میں وہاں قیام پذیر رہا حتیٰ کہ وہ لکام پہاڑ سے نکلا اور اس کے پاس کچھ جائز چیزیں تھیں جن کو وہ بیچ رہا تھا اور میں دو (2) دن سے بھوکا تھا، میں نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا یہ کتنی قیمت پر دو گے؟ میں نے یہ بات ظاہر کی کہ جو کچھ اس کے پاس ہے میں وہ سب کچھ خرید لوں گا۔ اس نے کہا یہاں بیٹھو جب ہم یہ چیزیں فروخت کر دیں گے تو تمھیں بھی کچھ دے دیں گے جس کے ساتھ تم کوئی چیز خرید سکو گے۔

میں اسے چھوڑ کر ایک اور شخص کے پاس گیا اور میں نے اس پر ظاہر کیا کہ میں اس سے بھاؤ لگا رہا ہوں۔ میں لوٹ کر پھر اس پہلے شخص کے پاس آیا اور اس سے کہا اگر تم یہ چیز فروخت کرتے ہو تو بتاؤ اس کی کیا قیمت ہے؟

اس نے کہا تم دو (2) دن سے بھوکے ہو، یہاں بیٹھ جاؤ۔ حتیٰ کہ جب ہم اسے بیچیں گے تو تمھیں بھی کچھ دے دیں گے تاکہ تم اس کے ساتھ کوئی چیز خرید سکو۔ پس میں بیٹھ گیا۔ جب اس نے وہ چیز فروخت کر دی تو مجھے کچھ دے کر چلا گیا۔ میں اس کے پیچھے پیچھے چلا۔ اس نے میری طرف توجہ کی اور کہا تمھیں جب کوئی حاجت پیش آئے تو اللہ عزوجل کے سامنے پیش کیا کرو۔ ہاں اگر اس میں تمھارے نفس کے کسی حصے کا دخل ہے تو پھر اللہ عزوجل کے سامنے پیش نہ کرنا ورنہ تم اللہ عزوجل سے پردے میں ہو جاؤ گے۔

حضرت کتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فراست یقین کا کشف اور غیب کا معائنہ ہے اور یہ ایمان کے مقامات میں سے ہے۔

یہ بڑھئی ہے، یا یہ لوہار ہے؟

کہا گیا ہے کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ مسجد حرام میں تھے کہ ایک شخص داخل ہوا۔ حضرت محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میری فراست کہتی ہے کہ یہ بڑھئی ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میری فراست کے مطابق یہ لوہار ہے۔ ان دونوں نے اس شخص سے پوچھا تو اس نے کہا اس سے پہلے میں لوہار تھا اور اس وقت بڑھئی کا کام کرتا ہوں۔

---

[1] "انطاکیہ" ترکی کا ایک شہر ہے۔ ۱۲ ہزاروی

حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مُسْتَنْبِطْ (مجتہد) وہ ہے جو ہمیشہ غیب کو دیکھتا ہے اور اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہوتی۔ اس پر اللہ عزوجل کا یہ ارشادِ گرامی دلالت کرتا ہے:

﴿لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ط﴾

''تو ضرور ان سے اس کی حقیقت جان لیتے یہ جو بعد میں کاوش کرتے ہیں۔''[1]

اور مُتَوَسِّمْ وہ ہے جو علامت کی پہچان رکھتا ہو اور وہ استدلال اور علامات کے ذریعے لوگوں کے دلوں کی باتیں معلوم کر لیتا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ۝﴾

''بے شک اس میں نشانیاں ہیں فراست والوں کے لیے۔''[2]

یعنی وہ ان علامات کے ذریعے پہچان لیتے ہیں جو علامات اللہ عزوجل نے دونوں فریقوں اپنے دوستوں اور دشمنوں دونوں کے لیے ظاہر کر دیں۔ اور ''مُتَفَرِّسْ'' وہ ہے جو اللہ عزوجل کے نور کے ساتھ دیکھتا ہے اور یہ اُٹھنے والے انوار ہیں جو اس کے دل میں چمکتے ہیں تو ان کے ذریعے معانی کا ادراک کر لیتا ہے اور یہ ایمان کے خواص سے ہے۔ اس سے بڑے حصے والے لوگ ''رَبَّانِيُّوْنَ'' کہلاتے ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ﴾ ''اللہ والے ہو جاؤ۔''[3]

یعنی علماء اور حکماء جو اخلاق خداوندی سے مزین ہیں اسی کو دیکھتے ہیں اور اسی کے اخلاق کو اپناتے ہیں۔ وہ مخلوق کے بارے میں خبر دینے، ان کی طرف نظر کرنے اور ان میں مشغولیت سے فارغ ہوتے ہیں۔

سیب لیا اور رقم نہ دی تو تاریکی ہوگئی

کہا گیا ہے کہ حضرت ابوالقاسم منادی رحمۃ اللہ علیہ جن کو ''نیشاپور'' کے مشائخ میں بہت بڑی شان حاصل تھی، بیمار ہو گئے۔ حضرت ابوالحسن بوشنجی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت حسن حدّاد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی عیادت کی اور راستے میں انھوں نے نصف درہم کے بدلے ایک سیب ادھار خریدا اور ان کے پاس لے آئے۔ جب ان کے پاس بیٹھے تو حضرت ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ تاریکی کیسی ہے؟

---

[1] پارہ 5، النساء 83، ترجمہ کنزالایمان

[2] پارہ 14، الحجر 75، ترجمہ کنزالایمان

[3] پارہ 3، آل عمران 79، ترجمہ کنزالایمان

وہ دونوں باہر نکلے اور کہنے لگے ہم نے کیا کیا ہے؟ پھر غور کرنے لگے اور کہا کہ شاید ہم نے سیب کی قیمت ادا نہیں کی۔ پھر انھوں نے قیمت ادا کی اور دوسرے دن ان کے پاس آئے۔ جب ان دونوں پر نگاہ پڑی تو فرمایا تعجب کی بات ہے کیا انسان کے لیے ممکن ہے کہ اتنی جلدی تاریکی سے نکل آئے۔ مجھے اپنا معاملہ بتاؤ۔ انھوں نے ان کو اپنا واقعہ بتایا تو فرمایا: ہاں تم میں سے ہر ایک قیمت کی ادائیگی میں دوسرے پر اعتماد کر رہا تھا اور دکان دار تقاضا کرنے میں تم دونوں سے حیا کرتا تھا اس لیے تقاضا باقی تھا۔ اور میں اس کا سبب تھا (کیونکہ تم نے میرے لیے خریدا تھا) اور میں نے یہ بات تم دونوں میں دیکھ لی تھی۔

اور یہ ابوالقاسم منادی رحمۃ اللہ علیہ ہر دن بازار میں داخل ہو کر پکارتے تھے۔ جب ان کے ہاتھ میں ایک دانگ سے لے کر نصف درہم تک رقم جو ان کو کفایت کرتی، آ جاتی تو وہاں سے نکل جاتے اور اپنے وقت اور اپنی قلبی حالت کی نگہداشت میں لگ جاتے۔

حضرت حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب کسی کے دل پر غلبۂ حق ہو جاتا ہے تو وہ اسرار کو دیکھتا اور ان کے بارے میں خبر دیتا ہے۔

کسی بزرگ سے فراست کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا یہ ارواح ہیں جو عالمِ ملکوت میں گھومتی رہتی ہیں اور غیبی امور سے باخبر ہو جاتی ہیں پس وہ حق کے اسرار اس طرح بیان کرتے ہیں گویا ان کا مشاہدہ کر رہے ہوں محض اندازے اور گمان سے بیان نہیں کرتے۔

حضرت زکریا نخشبی رحمۃ اللہ علیہ کے توبہ کرنے سے پہلے ان کے اور ایک عورت کے درمیان تعلقات تھے۔ حضرت ابو عثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ خاص بننے کے بعد ایک دن ان کے سرہانے کھڑے تھے کہ انھیں اس عورت کا خیال آیا۔ حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی طرف سر اٹھایا اور فرمایا تمھیں حیا نہیں آتی۔

دل میں آنے والے خیال کا حال بتا دیتے

حضرت استاذ (امام قشیری) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابھی میرا اپنے استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تعلق شروع ہی ہوا تھا اور میں مسجد ''مطرز'' میں وعظ کیا کرتا تھا۔ میں نے ان سے (مقام) ''نساء'' جانے کی اجازت طلب کی تو انھوں نے مجھے اجازت دے دی۔ ایک دن میں آپ کے ساتھ آپ کی مجلس کی طرف جا رہا تھا تو میرے دل میں خیال آیا کہ کاش میری عدم موجودگی میں آپ میری مجلس میں میری نیابت کریں۔ آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: میں تمھاری عدم موجودگی میں تمھاری مجلس میں نیابت کروں گا۔

میں تھوڑی دیر چلا تو میرے دل پر خیال آیا کہ آپ علیل ہیں۔ ہفتے میں دو (2) دن میری نیابت کرنا ان کے لیے

باعث مشقت ہوگا۔ کاش وہ ہفتہ میں ایک دن پر اکتفا کریں۔ پس وہ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اگر میرے لیے ہفتہ میں دو (2) دن ممکن نہ ہوا تو میں ایک دن تمھاری نیابت کروں گا۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد تیسری بار میرے دل میں خیال آیا تو وہ میری طرف متوجہ ہوئے اور انھوں نے صراحتاً اس بات کا ذکر فرمایا۔

حضرت ابوعمرو بن نجید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت شاہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ تیز فراست والے تھے اور فرماتے تھے: جس شخص نے حرام سے اپنی نگاہ کو پست رکھا، خواہشات سے اپنے نفس کو روکا، باطن کو مراقبہ کے ساتھ اور ظاہر کو سنت کی اتباع کے ساتھ آباد کیا اور حلال کھانے کا عادی ہوا تو اس کی فراست میں خطا نہیں ہوگی۔

حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا اہلِ فراست کی فراست کہاں پیدا ہوتی ہے؟

انھوں نے فرمایا: اللہ عزوجل کے اس قول سے:

﴿وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ﴾ ''اور اس میں اپنی طرف کی خاص معزز روح پھونک دوں۔''[1]

پس جس شخص کو اس نور سے کامل حصہ ملا اس کا مشاہدہ زیادہ مضبوط اور اس کے لیے فراست کا حکم بہت سچا ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ ان (حضرت آدم علیہ السلام) میں روح پھونکنے سے کس طرح ان کے لیے سجدہ واجب قرار دیا۔ ارشاد فرمایا:

﴿فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ۝﴾

''پھر جب میں اسے ٹھیک بنالوں اور اس میں اپنی طرف کی روح پھونکوں تو تم اس کے لیے سجدے میں گرنا۔''[2]

استاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام میں کچھ ابہام ہے۔ وہ روح کے پھونکنے کا ذکر کر کے ان لوگوں کے کلام کو درست قرار دے رہے ہیں جو ارواح کے قدیم ہونے کے قائل ہیں حالانکہ اس طرح نہیں جس طرح کمزور لوگوں کے دلوں پر ظاہر ہوتا ہے کیونکہ جس چیز پر نَفْخٌ (پھونکنا)، اِتِّصَالٌ اور اِنْفِصَالٌ درست ہوتا ہے وہ تاثیر اور تبدیلی کو قبول کرنے والا ہوتا ہے اور یہ ''حدوث'' کی علامات ہیں (قدیم نہیں)۔

اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے مؤمنوں کو بصیرت اور انوار کے ساتھ خاص کر رکھا ہے جن کے ذریعے وہ ''فراست'' کی بات کہتے ہیں اور یہ حقیقت میں معرفت کی باتیں ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی کہ: ((فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ)) ''وہ (مومن) اللہ عزوجل کے نور سے دیکھتا ہے۔''[3] اسی پر محمول کیا جاتا ہے۔ یعنی علم اور بصیرت کے ساتھ دیکھتا ہے جس کے ساتھ اللہ عزوجل نے اس کو مخصوص کیا اور دوسرے لوگوں سے ممتاز کیا ہے اور علوم اور بصیرتوں کو انوار کہنا کوئی نئی بات

---

[1] پارہ 14، الحجر 29، ترجمہ کنزالایمان

[2] پارہ 23، ص 72، ترجمہ کنزالایمان

[3] جامع ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ الحجر، رقم الحدیث: 3127.

نہیں ہے اور اس کو نفخ کے ساتھ موصوف کرنا بھی عقل سے بعید نہیں اس سے مراد ''خَلَقَ'' (یعنی پیدا کرنا) ہے۔

حضرت حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''متفرس'' وہ ہے جو پہلی نگاہ سے ہی مقصد تک پہنچ جائے اور وہ تاویل، گمان اور خیال کا حاجت مند نہ ہو۔

کہا گیا ہے کہ مُرِیدِین کی فراست ایسا ظن ہے جو تحقیق کو واجب کرتا ہے۔ اور عارفین کی فراست تحقیق ہے جو حقیقت کو واجب کرتی ہے۔

حضرت احمد بن عاصم انطاکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب تم اہل صدق کے ساتھ بیٹھو تو ان کے پاس نیک نیتی کے ساتھ بیٹھو کیونکہ وہ لوگوں کے جاسوس ہیں اور یہ لوگ تمھارے دلوں میں اس طرح داخل ہوتے اور نکلتے ہیں کہ تمھیں محسوس بھی نہیں ہوتے۔

حضرت ابو جعفر حدّاد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: پہلا خیال جس میں کوئی تعارض نہ پایا جائے، فراست ہے۔ اگر اس کی جنس میں سے کوئی معارض آ جائے تو اس کو ''خاطر'' اور ''حدیثِ نفس'' کہتے ہیں۔

اونی کپڑے جلا دیے

حضرت ابو عبداللہ رازی رحمۃ اللہ علیہ جو ''نیشاپور'' میں چلے گئے تھے ان سے منقول ہے فرماتے ہیں: ابن انباری رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے صوف پہننے کو دیا اور میں نے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے سر پر ایک عمدہ ٹوپی دیکھی جو اس صوف کے ساتھ مناسبت رکھتی تھی۔ میں نے اپنے دل میں تمنا کی کہ یہ دونوں مجھے حاصل ہو جائیں۔ جب حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مجلس سے اٹھے تو میری طرف متوجہ ہوئے۔ میں ان کے پیچھے چلا اور ان کی عادت تھی جب وہ چاہتے کہ میں ان کے پیچھے جاؤں تو وہ میری طرف متوجہ ہوتے۔ جب وہ گھر میں داخل ہوئے تو میں بھی داخل ہوا۔ انھوں نے مجھ سے فرمایا: اونی لباس اتارو۔ میں نے اتار دیا۔ آپ نے اسے لپیٹا اور اس پر ٹوپی رکھ کر آگ منگوائی اور دونوں کو جلا دیا۔

فراست کا دعویٰ نہ کرو

حضرت ابو حفص نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کسی شخص کے اختیار میں نہیں کہ وہ فراست کا دعویٰ کرے لیکن اسے دوسروں کی فراست سے بچنا چاہیے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ)) ''مومن کی فراست سے بچو۔''[1] یہ نہیں فرمایا کہ فراست اختیار کرو پس جس شخص کو دوسروں کی فراست سے بچنا چاہیے اس کی طرف سے فراست کا دعویٰ کیسے درست ہوگا۔

---

[1] جامع ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة الحجر، رقم الحديث: 3127.

رزق کہاں سے ملتا ہوگا؟

حضرت ابوالعباس بن مسروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں اپنے ساتھیوں میں سے ایک شیخ کی عیادت کے لیے گیا تو اسے بہت برے حال میں پایا۔ میں نے دل میں کہا: (مِنْ أَيْنَ يَرْتَزِقُ هٰذَا الشَّيْخُ؟) ''یہ شیخ رزق کہاں سے حاصل کرتا ہوگا؟''

اس نے کہا اے ابوالعباس! (دَعْ عَنْكَ هٰذِهِ الْخَوَاطِرَ الدَّنِيئَةَ فَإِنَّ لِلّٰهِ أَلْطَافًا خَفِيَّةً) ''اپنے آپ سے ان گھٹیا خیالات کو دور کرو، اللہ عزوجل ہی کی عنایات ہیں۔''

اپنی حاجت مخلوق کو نہ بتاؤ

حضرت زبیدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں بغداد کی مسجد میں فقراء کی ایک جماعت کے ساتھ تھا اور کئی دنوں سے ہمیں کوئی چیز نہیں ملی تھی۔ میں حضرت خواص رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کچھ مانگنے کے لیے آیا۔ جب ان کی نگاہ مجھ پر پڑی تو فرمایا: تم جس حاجت کے لیے آئے ہو اسے اللہ عزوجل جانتا ہے یا نہیں؟

میں نے عرض کیا ہاں کیوں نہیں (یعنی جانتا ہے)۔

فرمایا: پھر خاموش رہنا اور مخلوق کو نہ بتانا۔ پس میں واپس آیا اور زیادہ دیر نہ گزری کہ ہم پر ضرورت کا دروازہ کھول دیا گیا۔

اور کہا گیا ہے کہ حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ ایک دن جامع مسجد میں تھے۔ سخت گرمی اور مشقت کی وجہ سے ایک کبوتری مسجد میں گر پڑی۔ حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس وقت حضرت شاہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوگئی ہے لوگوں نے وہ وقت لکھ لیا تو جس طرح انھوں نے فرمایا تھا اسی طرح ہوا تھا۔

قیدیوں کے لیے کھانے کا انتظام

کہا گیا ہے کہ حضرت ابوعبداللہ تروغندی رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ تھے (خراسان کے ایک شہر) ''طوس'' کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ اپنے وقت کی بہت بڑی شخصیت تھے۔ جب آپ مقام عُرّ میں پہنچے تو اپنے ساتھی سے فرمایا: روٹی خریدو۔ اس نے اتنی روٹی خریدی جو ان دونوں کے لیے کافی تھی۔

فرمایا: اس سے زیادہ خریدو۔ آپ کے خادم (ساتھی) نے جان بوجھ کر اس قدر روٹی خریدی جو دس (10) آدمیوں کے لیے کافی تھی گویا وہ شیخ کے قول کی حقیقت تک نہ پہنچا۔

فرماتے ہیں جب ہم پہاڑی کے اوپر پہنچے تو وہاں ایک گروہ کوڈاکوؤں نے قید کر رکھا تھا اور ایک مدت سے انھوں نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ انھوں نے ہم سے کھانے کا سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ان کے سامنے کھانا رکھو۔

اعتراض کہیں اور جواب کہیں

حضرت استاذ امام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں ایک دن استاذ امام ابوعلی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے تھا کہ حضرت شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ کی بات چھڑ گئی کہ وہ فقراء کی موافقت میں محفل سماع میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ استاذ ابوعلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کیا اس جیسے آدمی کا یہ معاملہ ہوسکتا ہے شاید ان کے لیے سکون بہتر ہے۔ پھر اسی مجلس میں فرمایا: ان کے پاس جاؤ وہ اپنے کتب خانے میں بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ کتابوں کے اوپر ایک چھوٹی سی سرخ رنگ کی کتاب ہوگی جس میں حضرت حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار ہیں، یہ کتاب اٹھا لانا اور انھیں کچھ نہ کہنا اور کتاب میرے پاس لے آنا۔

یہ دوپہر کا وقت تھا۔ میں ان کے پاس گیا۔ دیکھا کہ وہ بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ کتاب اسی جگہ پڑی ہے جس جگہ کا انھوں نے ذکر کیا تھا۔ جب میں بیٹھ گیا تو شیخ ابوعبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ گفتگو کرنے لگے اور فرمایا: ایک شخص ایک عالم پر اس لیے اعتراض کرتا تھا کہ وہ سماع میں حرکت کرتا تھا تو اس عالم نے اس شخص کو ایک دن اپنے گھر میں خلوت میں یوں چکر لگاتے دیکھا جیسے کوئی وجد والا چکر لگاتا ہو۔ اس سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے بتایا کہ ایک مشکل مسئلہ تھا جو حل نہ ہوتا تھا، پھر حل ہوگیا تو میں خوشی کے مارے اپنے اوپر قابو نہ پاسکا حتیٰ کہ میں نے اٹھ کر چکر لگانا شروع کر دیا۔

اس شخص کو بتایا گیا کہ علماء وصوفیاء کا بھی یہی حال ہوتا ہے (جس پر تو اعتراض کرتا ہے) جب میں نے یہ کیفیت دیکھی جس کا استاذ ابوعلی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا تھا اور شیخ ابوعبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی زبان پر یہ قصہ جاری ہوا جس کا انھوں نے ذکر کیا تو میں حیران ہوگیا کہ اب دونوں کے ساتھ کیا معاملہ اختیار کروں۔ پھر میں نے دل میں سوچا اور کہا کہ سچ کے سوا کوئی چارہ نہیں تو میں نے کہا کہ استاذ ابوعلی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے اس کتاب کے بارے میں فرمایا تھا اور ارشاد فرمایا تھا کہ شیخ کی اجازت کے بغیر اٹھا لانا لیکن اب مجھے آپ سے ڈر لگتا ہے۔ اور میں استاذ ابوعلی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم کی خلاف ورزی بھی نہیں کر سکتا۔ آپ مجھے کیا مشورہ دیتے ہیں؟

تو انھوں نے ایک کتاب نکالی جس میں حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ کی ''مسدس'' تھی اور اس جلد میں ان کی اپنی تصنیف ''اَلصِّھْیُوْرُ فِیْ نَقْضِ الدُّھُوْرِ'' بھی تھی۔

فرمایا: یہ کتاب ان کے پاس لے جائیں اور ان سے کہیں کہ میں اس کتاب کا مطالعہ کرتا ہوں اور اس کے اشعار اپنی تصنیفات میں نقل کرتا ہوں۔ پس میں وہاں سے چلا آیا۔

درویش حکومتی لوگوں کی روٹی نہ کھائے

حضرت حسن حدّاد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: میں ابوالقاسم منادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھا اوران کے پاس فقراء کی ایک جماعت بھی تھی۔ انھوں نے فرمایا: جاؤ اوران فقراء کے لیے کچھ لے کر آؤ۔ مجھے اس بات پر خوشی ہوئی کہ انھوں نے مجھے فقراء کے لیے کچھ لانے کا حکم دیا حالانکہ وہ جانتے تھے کہ میں خود محتاج ہوں۔ فرماتے ہیں: میں نے ایک ٹوکری لی اور چلا گیا۔ جب میں سیار محلے میں پہنچا تو ایک پُر رونق بوڑھے کو دیکھا، میں نے اسے سلام کیا اور کہا فقراء کی ایک جماعت فلاں جگہ پر ہے کیا آپ ان سے کچھ حسن سلوک کریں گے؟

تو اس کے حکم سے مجھے کچھ روٹیاں، گوشت اور انگور دیے گئے۔ جب میں دروازے پر پہنچا تو حضرت ابوالقاسم منادی رحمۃ اللہ علیہ نے دروازے کے پیچھے سے آواز دی کہ یہ اسی جگہ لے جاؤ جہاں سے لائے ہو۔ میں واپس گیا اور شیخ سے معذرت کی اور میں نے کہا کہ میں نے ان لوگوں کو نہیں پایا۔ اور میں نے اشارہ دیا کہ وہ وہاں سے منتشر ہو گئے ہیں اس لیے میں نے یہ چیزیں واپس دی ہیں پھر میں بازار میں آیا تو اللہ عزوجل نے مجھے کوئی چیز دے دی اور میں اسے اٹھا لایا۔ انھوں نے فرمایا: آ جاؤ۔

پس میں نے ان کو واقعہ سنایا تو انھوں نے فرمایا: ہاں یہ شخص ابن سیار حکومتی آدمی ہے جب تم درویشوں کے لیے کوئی چیز لاؤ تو اس قسم کی چیز لاؤ، اُس (روٹی وغیرہ) کی طرح نہ لاؤ (یعنی حلال اور پاکیزہ لاؤ)۔

دو (2) سیب کس کے لیے بھیجے

حضرت ابوالحسین قرافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابوالخیر تیناتی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی جب میں ان سے رخصت ہوا تو وہ میرے ساتھ مسجد کے دروازے تک آئے اور مجھ سے فرمایا: اے ابوالحسین! بے شک مجھے خوب معلوم ہوا کہ آپ اپنے ساتھ کوئی چیز نہیں رکھتے مگر یہ دو (2) سیب اپنے ساتھ لے جائیں۔

فرماتے ہیں: میں نے وہ دونوں سیب لیے اور اپنی جیب میں ڈال دیے اور چلا گیا۔ تین (3) دن تک مجھے کوئی چیز نہ ملی تو میں نے ان میں سے ایک سیب نکال کر کھایا۔ پھر میں نے دوسرا سیب نکالنے کا ارادہ کیا تو دیکھا وہ دونوں میری جیب میں ہیں۔ میں موصل کے دروازے تک پہنچنے تک ان دونوں سیبوں کو کھاتا رہا تو میں نے دل میں خیال کیا کہ یہ سیب میرے توکل کو خراب کر دیں گے کیونکہ مجھے ان کا حال معلوم ہو چکا ہے۔ چنانچہ میں نے ان دونوں کو ایک ہی بار جیب سے نکالا تو میں نے دیکھا ایک فقیر چادر میں لپٹا ہوا کہہ رہا ہے "مجھے سیب کی خواہش ہے" میں نے وہ دونوں اسے دے دیئے۔ جب میں آگے نکلا تو میرے دل میں خیال آیا کہ حضرت شیخ نے یہ دونوں سیب اس فقیر کے لیے بھیجے تھے

اس وقت میں راستے میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ تھا میں فقیر کی طرف واپس آیا تو اسے نہ پایا۔

آپ بھی سچے اور میں بھی سچا پھر جھوٹ کیسے؟

حضرت ابوعمر بن علوان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ایک نوجوان نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اختیار کی اور وہ لوگوں کے دلوں کے خیالات بتاتا تھا۔ یہ بات حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کی گئی تو انھوں نے فرمایا: یہ کس طرح کی بات تمھارے بارے میں ذکر کی گئی ہے؟

اس نے کہا آپ کوئی بات دل میں رکھ لیں۔

انھوں نے فرمایا ''میں نے رکھ لی۔''

نوجوان نے کہا آپ نے فلاں فلاں بات دل میں رکھی ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: نہیں۔

اس نے کہا دوبارہ کوئی بات سوچیں۔

آپ نے اسی طرح کیا۔

اس نے کہا آپ نے فلاں فلاں بات سوچی ہے۔

آپ نے فرمایا: نہیں۔

اس نے تیسری بار کہا آپ نے اسی طرح فرمایا: تو نوجوان کہنے لگا یہ عجیب بات ہے۔ آپ بھی سچے آدمی ہیں اور میں بھی اپنے دل کو جانتا ہوں۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تو نے تینوں بار سچ کہا لیکن میں تیرا امتحان لینا چاہتا تھا کہ آیا (میرے انکار کی وجہ سے) تیرے دل میں کوئی تبدیلی تو نہیں آتی۔

میں نہیں کھاؤں گا جب تک پتہ نہ چلے

وہی فرماتے تھے کہ حضرت ابن رقی رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہو گئے تو ان کے لیے ایک پیالے میں دوائی لائی گئی۔ انھوں نے اسے پکڑ کر فرمایا آج سلطنت میں کوئی حادثہ رونما ہوا ہے، جب تک مجھے معلوم نہ ہو جائے کہ وہ کیا ہے تو میں کھاؤں گا نہ پیوں گا۔ چند دنوں کے بعد خبر آئی کہ اسی دن قرمطی مکہ مکرمہ میں داخل ہوا اور اس نے ایک بہت بڑی جماعت کو قتل کیا۔

حضرت ابوعثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: کسی نے اس حکایت کا ذکر ابن کاتب رحمۃ اللہ علیہ سے کیا تو انھوں نے فرمایا یہ عجیب بات ہے۔ میں نے جواب دیا یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے تو حضرت ابوعلی بن کاتب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا: آج

مکہ مکرمہ کی کیا خبر ہے؟

میں نے کہا طلحیون (بنو طلحہ) اور بنو حسن آپس میں لڑ رہے ہیں اور بنو طلحہ کا سردار سیاہ رنگ کا ہے جس نے سرخ رنگ کی پگڑی باندھ رکھی ہے اور اس وقت مکہ مکرمہ کے اوپر بادل چھائے ہوئے ہیں جنھوں نے تمام حرم کو گھیر رکھا ہے۔ ابو علی نے یہ بات مکہ مکرمہ لکھ بھیجی تو اسی طرح تھا جس طرح میں نے کہا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بغیر دیکھے خبر دے دی

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور میں نے راستے میں ایک عورت کو دیکھا اور اس کے حسن کے بارے میں غور کیا تھا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم میں سے کوئی ایک میرے پاس آتا ہے اور اس پر زنا کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ فرماتے ہیں میں نے ان سے کہا کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی وحی نازل ہو رہی ہے؟

انھوں نے فرمایا: (لَا ، وَلٰكِنْ تَبْصِرَةٌ وَّ بُرْهَانٌ وَّ فِرَاسَةٌ صَادِقَةٌ) ”نہیں لیکن بصیرت، برہان اور سچی فراست موجود ہے۔“

مانگنے والا فقیر دل کا حال جان گیا

حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں مسجد حرام میں داخل ہوا تو میں نے ایک فقیر کو دیکھا جس نے دو کرتے پہنے ہوئے تھے اور وہ لوگوں سے کچھ مانگ رہا تھا۔ میں نے دل میں کہا اس قسم کے لوگ لوگوں پر بوجھ ہیں۔ اس نے میری طرف دیکھا اور کہا:

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ج﴾

”اور جان لو کہ اللہ تمھارے دل کی جانتا ہے تو اس سے ڈرو۔“ [1]

فرماتے ہیں: میں نے دل ہی دل میں بخشش طلب کی تو اس نے مجھے آواز دی:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ لا﴾

”اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا اور گناہوں سے درگزر فرماتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔“ [2]

---

[1] پارہ 2، البقرہ 235، ترجمہ کنز الایمان

[2] پارہ 25، الشوریٰ 25، ترجمہ کنز الایمان

مومن فراست میں خطا نہیں کھاتا

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں بغداد میں جامع مدینہ میں تھا اور وہاں فقراء کی ایک جماعت تھی تو ہمارے مابین ایک خوش طبع، اچھی خوشبو والا، اچھے مقام والا، خوبصورت نوجوان آیا تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا مجھے یہ یہودی معلوم ہوتا ہے۔ ان سب نے میری بات کو ناپسند کیا۔ پس میں باہر نکلا اور نوجوان بھی باہر نکل گیا پھر ان کی طرف لوٹا اور پوچھا کہ حضرت شیخ نے میرے بارے میں کیا کہا تھا؟

انھوں نے بتاتے ہوئے شرم محسوس کی تو اس نے اصرار کیا۔ چنانچہ انھوں نے بتایا کہ شیخ نے کہا ہے کہ یہ یہودی ہے۔ فرماتے ہیں: وہ میرے پاس آیا اور میرے سامنے جھک کر اسلام قبول کیا۔

اس سے پوچھا گیا کہ اس کا سبب کیا ہے؟

اس نے کہا: (نَجِدُ فِیْ کُتُبِنَا اَنَّ الصِّدِّیْقَ لَاتُخْطِئُ فِرَاسَتُہٗ) ''ہم اپنی کتب میں (لکھا ہوا) پاتے ہیں کہ صدیق (نہایت سچے انسان) کی فراست خطا نہیں کرتی۔''

اس پر میں نے کہا کہ مسلمانوں کو آزماؤں گا پس میں نے ان میں غور کیا اور کہا اگر ان میں کوئی صدیق ہے تو یہی گروہ ہے کیونکہ یہی لوگ اللہ سبحانہ کا کلام پڑھتے ہیں لہٰذا میں نے تم سے اپنا معاملہ چھپائے رکھا۔ پس جب اس شیخ کو مجھ پر اطلاع ہوگئی اور میرے بارے میں انھوں نے فراست کی بات کہی تو میں جان گیا کہ یہ صدیق ہیں۔ یہ نوجوان بڑے صوفیاء میں سے ہوا ہے۔

ان دلوں پر رؤو جنھوں نے اللہ عزوجل سے کچھ نہ پایا

حضرت محمد بن داؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم لوگ حضرت جریری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھے کہ آپ نے فرمایا: کیا تم میں کوئی ایک ایسا شخص ہے کہ اللہ عزوجل جب اپنی سلطنت میں کوئی واقعہ پیدا کرنا چاہے تو اس کو ظاہر کرنے سے پہلے اس شخص کو خبر دے دے؟

ہم نے کہا نہیں ہے۔

انھوں نے فرمایا: (اِبْکُوْا عَلٰی قُلُوْبٍ لَّمْ تَجِدْ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی شَیْئًا) ''ان دلوں پر رؤو جنھوں نے اللہ عزوجل سے کچھ نہیں پایا۔''

تم زیارت کے لیے نہیں آئے

حضرت ابوموسیٰ دیلمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت عبدالرحمٰن بن یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ سے توکل کے بارے میں پوچھا تو

انھوں نے فرمایا: اگر تم اپنے ہاتھ کو اژدھا کے منہ میں داخل کرو حتیٰ کہ کلائی تک پہنچ جائے تو پھر بھی تم اللہ ﷻ کے سوا کسی سے نہ ڈرو۔

فرماتے ہیں: میں حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ کی طرف گیا کہ ان سے توکل کے بارے میں پوچھوں۔ میں نے دستک دی تو انھوں نے فرمایا: کیا تمھارے لیے حضرت عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کا قول کافی نہیں۔ میں نے کہا دروازہ کھولیے۔

انھوں نے فرمایا: تم میری زیارت کے لیے نہیں آئے اور تمھیں دروازے کے پیچھے سے جواب مل چکا ہے چنانچہ انھوں نے میرے لیے دروازہ نہ کھولا اور میں چلا گیا۔ اور ایک سال ٹھہرنے کے بعد ان کی زیارت کا قصد کیا تو انھوں نے مجھے خوش آمدید کہا کہ تم میری زیارت کے لیے آئے ہو۔ پس میں ان کے پاس ایک مہینہ ٹھہرا تو میرے دل میں جو بات آتی وہ مجھ سے بیان نہ کرتے۔ میں ان سے رخصت ہونے لگا تو میں نے ان سے کہا مجھے کوئی مفید بات بتائیے۔

انھوں نے فرمایا: مجھ سے میری ماں نے کہا کہ جب میں ان کے پیٹ میں تھا ان دنوں ان کے سامنے حلال کھانا رکھا جاتا تو ان کا ہاتھ اس طرف بڑھتا اور جب اس کھانے میں شبہ ہوتا تو ہاتھ آگے نہ بڑھتا۔

بڑھیا جنگل میں ساتھ تھی

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں جنگل میں گیا تو مجھے سخت تکلیف ہوئی۔ جب میں مکہ مکرمہ میں پہنچا تو میرے دل میں کچھ غرور آ گیا۔ ایک بڑھیا نے مجھے آواز دی اے ابراہیم! میں جنگل میں آپ کے ساتھ تھی لیکن میں نے اور آپ نے گفتگو نہ کی کیونکہ میں نہیں چاہتی تھی کہ آپ کے باطن کو کسی اور طرف مشغول کردوں اپنے دل کے وسوسوں کو نکال دو۔

ماں کو چھوڑ کر حج پر جانا

منقول ہے کہ حضرت فرغانی رحمۃ اللہ علیہ ہر سال حج کے لیے جاتے اور ''نیشاپور'' سے گزر جاتے لیکن حضرت ابو عثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس نہ جاتے فرماتے ہیں: میں ایک دفعہ ان کے پاس گیا اور سلام کیا تو انھوں نے میرے سلام کا جواب نہ دیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا ایک مسلمان ان کے پاس جاتا ہے اور ان کو سلام کرتا ہے لیکن وہ سلام کا جواب نہیں دیتے۔

حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس قسم کا آدمی حج کرتا ہے اور اپنی ماں کو چھوڑ جاتا ہے کہ اس کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کرتا۔

فرماتے ہیں: میں واپس فرغانہ آیا اور ماں کی خدمت میں لگ گیا حتیٰ کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ پھر میں نے حضرت

ابوعثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا قصد کیا۔ جب میں داخل ہوا تو انھوں نے میرا استقبال کیا اور مجھے بٹھایا۔ پھر فرغانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے درخواست کی کہ وہ ان کے پاس رہے اور وہ اس کو جانوروں کی نگہداشت پر مقرر کر دیں۔ انھوں نے یہ ذمہ داری اسے سونپ دی حتیٰ کہ حضرت ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا۔

پہلی دفعہ باہر کیوں نہ نکلے؟

حضرت خیر نساج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا تو میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ دروازے پر ہیں۔ میں نے اس خیال کو دل سے جھٹک دیا۔ دوبارہ اور سہ بارہ یہ خیال آیا میں باہر نکلا تو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ موجود تھے۔ انھوں نے فرمایا: (لِمَ لَمْ تَخْرُجْ مَعَ الْخَاطِرِ الْأَوَّلِ) ''پہلی مرتبہ خیال آنے پر باہر کیوں نہیں نکلے؟''

حضرت محمد بن حسین بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں حضرت ابوعثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا تو میں نے دل میں کہا شاید وہ مجھ سے کوئی چیز چاہیں گے تو حضرت ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کیا لوگوں کے لیے یہ بات کافی نہیں کہ میں ان کی چیزیں قبول کرتا ہوں حتیٰ کہ وہ مجھ سے یہ چاہتے ہیں کہ میں ان سے مانگوں۔

پھر ہمیں اذیت کیوں دیتے ہو؟

ایک فقیر فرماتے ہیں: کہ میں بغداد میں تھا کہ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ حضرت مرتعش رحمۃ اللہ علیہ مجھے 15 درہم لا کر دیں تاکہ میں ان کے ساتھ چھاگل، رسی اور جوتا خریدوں اور جنگل میں جاؤں۔ فرماتے ہیں: میرا دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔ میں نے دروازہ کھولا تو حضرت مرتعش رحمۃ اللہ علیہ تھے اور ان کے پاس چھوٹا سا کپڑے کا ٹکڑا تھا۔ فرمایا: اسے لے لو۔

میں نے کہا اے میرے آقا! میں نے اس کا ارادہ نہیں کیا۔

انھوں نے فرمایا: پھر ہمیں اذیت کیوں پہنچاتے ہو۔ تم نے کتنے درہم چاہے تھے؟

میں نے کہا پندرہ (15) درہم۔

فرمایا: یہ پندرہ (15) درہم ہی تو ہیں۔

کسی صوفی نے اللہ عزوجل کے اس قول:

﴿اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ﴾ ''اور کیا وہ کہ مردہ تھا تو ہم نے اسے زندہ کیا۔''[1]

کے بارے میں فرمایا: کہ اس سے وہ شخص مراد ہے جس کا ذہن مردہ تھا پھر اللہ عزوجل نے اسے نورِ فراست کے ساتھ

[1] پارہ 8، الانعام 122، ترجمہ کنزالایمان

زندہ کر دیا اور اس کے لیے تجلی اور مشاہدہ کا نور پیدا کر دیا۔ وہ اس شخص کی طرح نہیں جو غافل لوگوں کے درمیان غفلت کے ساتھ چلتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جب "فراست" درست ہو تو صاحبِ فراست "مشاہدہ" کی طرف ترقی کرتا ہے۔

تم یہودی ہو

حضرت ابو العباس بن مسروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہمارے پاس ایک بوڑھا شخص آیا اور ہمارے ساتھ صوفیاء کے انداز پر عمدہ باتیں کرنے لگا اور اس کی گفتگو بہت میٹھی اور طبیعت اچھی تھی۔ اس نے اپنی بعض گفتگو کے دوران ہم سے کہا تمھارے دلوں میں جو کچھ ہے وہ مجھ سے بیان کرو۔

میرے دل میں خیال آیا کہ وہ یہودی ہے۔ میرا خیال مضبوط تر ہو گیا اور زائل نہ ہوا۔ میں نے یہ بات حضرت جریری رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کی تو انھوں نے اس کو برا محسوس کیا۔ میں نے کہا میں یہ بات اس شخص کو ضرور بتاؤں گا۔ میں نے اس سے کہا تم نے ہمیں کہا تھا کہ جو کچھ تمھارے دلوں میں آئے میرے بارے میں کہو اور میرے خیال میں یہ بات آئی ہے کہ تم یہودی ہو۔

اس نے تھوڑی دیر سر جھکایا پھر اٹھایا اور کہا تم نے سچ کہا۔ پھر اس نے پڑھا: "أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کہنے لگا میں نے تمام مذاہب کا تجربہ کیا اور میں کہتا تھا اگر کسی قوم کے پاس کوئی چیز ہے تو وہ یہی (مسلمان) قوم ہے۔ تو میں تم لوگوں کو آزمانے کے لیے تمھارے درمیان گھس گیا تم لوگ حق پر ہو پس اس کے بعد وہ اچھا مسلمان رہا۔

لوگوں کو وعظ کرو

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے حکایت ہے کہ حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ ان سے فرماتے تھے لوگوں کے سامنے وعظ کرو۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میرے دل میں لوگوں سے کلام کرنے میں جھجک تھی اور میں اپنے آپ کو اس بات کا اہل نہیں سمجھتا تھا تو میں نے خواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور وہ جمعہ کی رات تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((تَكَلَّمْ عَلَى النَّاسِ)) "لوگوں کو وعظ کرو۔"

میں بیدار ہوا تو صبح ہونے سے پہلے ہی حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ کے دروازے پر آیا اور میں نے ان کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

انھوں نے فرمایا: تم نے میری بات کیوں نہ مانی حتیٰ کہ تم سے کہا گیا۔

دوسرے دن آپ لوگوں کے لیے مسجد میں بیٹھے اور لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کو وعظ

کرنے کے لیے بیٹھے ہیں۔ ایک عیسائی لڑکا بھیس بدل کر آپ کے پاس کھڑا ہوا اور کہا اے شیخ! رسول اکرم ﷺ کے اس قول کا کیا مطلب ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّ الْمُؤْمِنَ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى))

''مومن کی فراست سے ڈرو بے شک مؤمن اللہ عزوجل کے نور سے دیکھتا ہے۔''[1]

فرماتے ہیں: حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ نے اپنا سر جھکایا پھر سر اٹھا کر فرمایا: (أَسْلِمْ، فَقَدْ حَانَ وَقْتُ إِسْلَامِكَ: فَأَسْلَمَ الْغُلَامُ) ''اسلام قبول کرو تمھارے اسلام کا وقت آ چکا ہے۔'' پس وہ لڑکا مسلمان ہو گیا۔

---

[1] جامع ترمذی، كتاب تفسير القرآن، باب ومن سورة الحجر، رقم الحديث: 3127.

باب
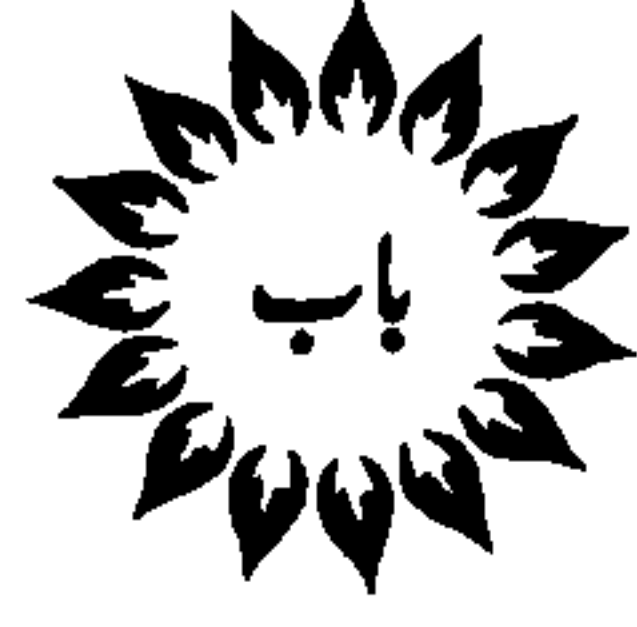
خُلق کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝﴾ ''اور بے شک آپ خلق عظیم کے مالک ہیں۔''[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ! (أَيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ أَفْضَلُ إِيْمَانًا؟) کون سا مومن ایمان کے اعتبار سے افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((قَالَ: أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا)) ''جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔''[2]

کیونکہ بندے کے مناقب میں اخلاق سب سے زیادہ فضیلت کا باعث ہے، اس سے مردوں کے جواہر ظاہر ہوتے ہیں اور انسان اپنی تخلیق کے ساتھ چھپا ہوا اور اپنے خلق کے ساتھ ''مشہود'' ہوتا ہے۔

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمہ اللہ فرماتے تھے: بے شک اللہ عزوجل نے اپنے نبی ﷺ کو بے شمار خوبیوں کے ساتھ خاص کیا لیکن اس کے بعد جس قدر آپ ﷺ کی تعریف خلق کے ساتھ کی کسی اور وصف کے ساتھ نہیں کی۔ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝﴾ ''اور بے شک آپ خلق عظیم کے مالک ہیں۔''[3]

حضرت واسطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ عزوجل نے آپ کا وصف خلق عظیم کے ساتھ بیان فرمایا کیونکہ آپ نے دونوں جہانوں کی اشیاء دے کر صرف اللہ عزوجل کی ذات پر اکتفاء کیا۔

خلق کے معنی

حضرت واسطی رحمہ اللہ ہی فرماتے ہیں: خلق عظیم یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی خوب معرفت کی وجہ سے نہ خود کسی سے جھگڑے اور نہ اس سے کوئی جھگڑے۔

---

[1] پارہ 29، القلم 4.

[2] المعجم الكبير للطبراني، جلد 20، صفحه: 212.

[3] پارہ 29، القلم 4.

حضرت حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جب تم حق تعالیٰ کا مطالعہ کر چکے ہو تو اس کے بعد مخلوق کا ظلم تم پر اثر انداز نہ ہو۔

حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تمھارا مقصود اللہ عزوجل کے سوا کوئی نہ ہو۔

حضرت کتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تصوف خلق ہے پس جو شخص تم سے خلق میں بلند ہوگا وہ تم سے تصوف میں بلند ہوگا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: جب تم مجھ سے سنو کہ میں اپنے غلام کے بارے میں کہوں کہ اللہ عزوجل اسے ذلیل کرے تو گواہی دو کہ وہ آزاد ہے۔

حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر بندہ پورے طور پر نیکی کرتا ہو اور اس کے پاس مرغی ہو اور اس سے وہ بُرا برتاؤ کرتا ہو تو وہ نیک لوگوں میں سے نہیں ہے۔

کہا گیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب اپنے کسی غلام کو اچھے طریقے سے نماز پڑھتا دیکھتے تو اسے آزاد کر دیتے۔ غلاموں کو اس بات کا پتہ چل گیا تو وہ دکھاوے کے طور پر اچھی طرح نماز پڑھتے اور آپ ان کو آزاد کر دیتے۔ آپ کو یہ بات بتائی گئی تو آپ نے فرمایا: (مَنْ خَدَعَنَا فِی اللّٰهِ اِنْخَدَعْنَالَهٗ) جو شخص اللہ عزوجل کے بارے میں ہمیں دھوکہ دیتا ہے تو ہم دھوکہ کھا جاتے ہیں۔

حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ہم نے تین چیزیں گم کر دیں: ① حُسْنُ الْوَجْهِ مَعَ الصِّیَانَةِ "خلق کے ساتھ خوبصورتی" ② حُسْنُ الْقَوْلِ مَعَ الْأَمَانَةِ "امانت کے ساتھ اچھی بات" ③ حُسْنُ الْإِخَاءِ مَعَ الْوَفَاءِ "وفا کے ساتھ اچھا بھائی چارہ۔"

حضرت عبد اللہ بن محمد رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: خلق یہ ہے کہ جو نیک اعمال تجھ سے سرزد ہوں ان کو حقیر سمجھو اور اللہ عزوجل کی طرف سے جو عنایات تم پر ہوں ان کو عظیم سمجھو۔

تم اللہ عزوجل کے لیے آزاد ہو

حضرت احنف رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے خلق کس سے سیکھا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: حضرت قیس بن عاصم منقری رحمۃ اللہ علیہ سے۔ پوچھا گیا: ان کے اخلاق کس حد تک پہنچ چکے ہیں؟

فرمایا: ایک دن وہ اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کی خادمہ سیخ لے کر آئی جس پر بھنا ہوا کباب تھا۔ وہ اس کے ہاتھ سے آپ کے بیٹے پر گر گئی اور وہ فوت ہو گیا۔ لونڈی گھبرا گئی تو آپ نے فرمایا: (لَا رَوْعَةَ عَلَيْكِ أَنْتِ حُرَّةٌ لِوَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰی) "خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں تم اللہ عزوجل (کی رضا) کی خاطر آزاد ہو۔"

حضرت شاہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حسن خلق کی علامت تکلیف پہنچانے سے رُک جانا اور تکلیف برداشت کرنا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّكُمْ لَا تَسْعَوْنَ النَّاسَ بِأَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ لِّيَسَعُهُمْ مِّنْكُمْ بَسْطُ الْوَجْهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ))

''تم اپنے مال کے ذریعے لوگوں کو خوش نہیں کر سکتے لہٰذا خندہ پیشانی اور حسن خلق کے ساتھ ان کو خوش کیا کرو۔''[1]

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ غم زدہ شخص کون ہے؟ آپ نے فرمایا: جو سب سے زیادہ بداخلاق ہے۔

حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بندہ جب چالیس (40) دن تک کسی بات کو اپنا خلق (عادت) بنالے تو اللہ عزوجل اسے اس کی فطرت بنا دیتا ہے۔

ارشادِ خداوندی: ﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝﴾ ''اور اپنے کپڑے پاک رکھو۔''[2] کی تشریح کرتے ہوئے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اپنے اخلاق کو اچھا کیجیے۔

بزرگوں کے اخلاق کا حال

کہا گیا ہے کہ ایک عبادت گزار کی ایک بکری تھی اس نے اسے تین ٹانگوں پر کھڑا دیکھا تو کہا اس کے ساتھ یہ سلوک کس نے کیا ہے؟

اس کے غلام نے کہا میں نے کیا ہے۔ پوچھا کیوں؟

کہا اس لیے کہ میں اس کے ذریعے تمھیں غم زدہ کروں۔ اس نے کہا نہیں بلکہ میں اس کے ذریعے تمھیں حکم دینے والے (یعنی شیطان) کو غم زدہ کروں گا جاؤ تم آزاد ہو۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ دنیا میں کبھی خوش ہوئے؟ فرمایا: ہاں دو مرتبہ، ایک مرتبہ جب میں ایک دن بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے مجھ پر پیشاب کر دیا۔ دوسری مرتبہ جب میں بیٹھا ہوا تھا اور ایک

[1] حلیة الأولیاء، جلد 10، صفحہ: 25، مطبوعہ دارالکتاب العربی، مسند ابو یعلی، من احادیث، مسند ابوھریرہ، رقم الحدیث: 6543.

[2] پارہ 29، المدثر 4، ترجمہ کنزالایمان

شخص نے آ کر مجھے تھپڑ مارا۔

کہا گیا ہے کہ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو بچے دیکھتے تو آپ کو پتھر مارتے۔ آپ فرماتے اگر تم نے مجھے پتھر ضرور مارنے ہیں تو چھوٹی چھوٹی کنکریاں مارو تا کہ میری پنڈلی نہ توڑ ڈالو اس طرح تم مجھے نماز سے روک دو گے۔

ایک شخص نے حضرت احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ کو گالی دی۔ وہ آپ کے پیچھے آ رہا تھا۔ جب قبیلے کے قریب پہنچے تو ٹھہر گئے اور فرمایا: اے نوجوان! اگر کچھ گالیاں باقی رہ گئی ہیں تو کہہ ڈالو تا کہ قبیلے کے بعض ناسمجھ تمھاری گالیاں سن کر تمھیں جواب نہ دیں۔

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کیا آدمی ہر شخص کی خطا کو برداشت کرے؟ فرمایا ہاں! إِلَّا مِنْ نَفْسِهِ البتہ اپنے نفس کی خطا کو برداشت نہ کرے۔

غلام کا ڈر ختم ہو گیا

ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک غلام کو بلایا تو اس نے جواب نہ دیا۔ دوسری پھر تیسری بار بلایا تو بھی اس نے جواب نہ دیا۔ آپ اس کی طرف اٹھے تو وہ لیٹا ہوا تھا۔ آپ نے پوچھا اے غلام! تو سن نہیں رہا؟

اس نے کہا ہاں سن رہا ہوں۔

آپ نے پوچھا کس چیز نے تجھے جواب نہ دینے پر ابھارا؟

اس نے کہا مجھے آپ کی طرف سے سزا کا ڈر نہیں ہے اس لیے میں نے سستی کی۔

آپ نے فرمایا: جاؤ تم اللہ عزوجل (کی رضا) کے لیے آزاد ہو۔

قرآن دے دو کپڑا لے لو

کہا گیا ہے کہ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ وضو کرنے کے لیے دریائے دجلہ کے پاس اترے اور اپنا قرآن مجید اور لحاف رکھ دیا۔ ایک عورت آئی اور اُٹھا کر لے گئی۔ حضرت معروف رحمۃ اللہ علیہ اس کے پیچھے گئے اور فرمایا: اے میری بہن! میں معروف ہوں اور تجھے کوئی تکلیف نہیں دوں گا۔ کیا تیرا کوئی بیٹا پڑھنا جانتا ہے؟

اس نے کہا نہیں۔

فرمایا: تمھارا خاوند؟ اس نے کہا نہیں۔

آپ نے فرمایا: اچھا قرآن مجید مجھے دے دو اور کپڑا لے جاؤ۔

ایک دفعہ چور زبردستی حضرت شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں داخل ہوئے اور جو کچھ ملا، لے کر چلے گئے۔ پھر حضرت شیخ ابوعبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں بازار میں سے گزرا تو ایک شخص کو اپنا جبہ پہنے ہوئے دیکھا جو اس کو نیلام کر رہا تھا تو میں نے اس سے منہ پھیر لیا اور اس کی طرف متوجہ نہ ہوا۔

وہ تمھاری مہربانی اور یہ تمھارا حق ہے

حضرت حریری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں مکہ مکرمہ میں آیا، اللہ عزوجل اس شہر پاک کی حفاظت فرمائے۔ تو پہلے میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا تاکہ وہ میری طرف آنے کی تکلیف نہ کریں۔ میں نے ان کو سلام کیا پھر میں اپنی منزل کی طرف گیا۔ جب میں نے مسجد میں صبح کی نماز پڑھی تو میں نے دیکھا کہ وہ میرے پیچھے صف میں تھے۔ میں نے کہا میں اس غرض سے کل آپ کے پاس آیا تھا کہ آپ تکلیف نہ فرمائیں۔ انھوں نے فرمایا: وہ تمھاری مہربانی تھی اور یہ تمھارا حق ہے۔

حضرت ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ سے خلق کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: خلق وہ ہے جسے اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس ارشادِ گرامی میں پسند فرمایا:

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ﴾

''اے محبوب معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو۔''[1]

کہا گیا ہے کہ ''خلق'' یہ ہے کہ تو لوگوں کے قریب ہو کر بھی ان کے درمیان اجنبی معلوم ہو۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''خلق'' یہ ہے کہ تو لوگوں کی بداخلاقی اور اللہ عزوجل کے فیصلے کو ملال اور بے چینی کے اظہار کے بغیر قبول کرے۔

کہا گیا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ حوض پر اپنے اونٹ کو پانی پلا رہے تھے تو کچھ لوگوں نے ان کی طرف جلد بازی کی اور حوض ٹوٹ گیا۔ آپ بیٹھ گئے پھر لیٹ گئے۔ ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جب کسی شخص کو غصہ آئے تو وہ بیٹھ جائے اگر غصہ دور ہو جائے تو ٹھیک ورنہ لیٹ جائے۔

کہا گیا ہے کہ انجیل میں لکھا ہوا ہے کہ اے میرے بندے! جب تجھے غصہ آئے تو مجھے یاد کر جب مجھے غصہ آئے گا تو میں تجھے یاد کروں گا۔

ایک عورت نے حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے کہا اے ریاکار! آپ نے فرمایا: اے فلاں! تم نے میرا وہ نام لیا

---

[1] پارہ 9، الاعراف 199، ترجمہ کنزالایمان

ہے جو اہل بصرہ بھول چکے ہیں۔

حضرت لقمان حکیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا: تین آدمیوں کا تین باتوں کے وقت پتہ چلتا ہے: ①(أَلْحَلِيْمُ عِنْدَ الْغَضَبِ) حلیم کا غصہ کے وقت ②(أَلشُّجَاعُ عِنْدَ الْحَرَبِ) بہادر کا لڑائی کے وقت ③(وَالْأَ خُ عِنْدَ الْحَاجَةِ إِلَيْهِ) بھائی کا حاجت کے وقت۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ لوگ میرے بارے میں وہ بات نہ کہیں جو مجھ میں نہیں پائی جاتی۔ (اللہ عزوجل نے وحی کی کہ تو نے یہ خواہش میری خاطر نہیں کی تو میں یہ) بات تیری خاطر کیوں کروں۔

کہتے ہیں حضرت یحییٰ بن زیاد حارثی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بداخلاق غلام تھا۔ لوگوں نے کہا آپ نے اسے اپنے پاس کیوں رکھا ہے۔ انھوں نے فرمایا: اس لیے کہ میں اس کے ذریعے حلم (بردباری) سیکھوں۔

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ﴾

''اور تمھیں بھرپور دیں اپنی نعمتیں ظاہر اور اچھی۔''[1]

کہا گیا ہے کہ ظاہری نعمتوں سے مراد اچھی صورت اور باطنی نعمتوں سے مراد اخلاق کی پاکیزگی ہے۔

حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اچھے اخلاق والے فاجر شخص کی صحبت مجھے برے اخلاق والے عبادت گزار کی صحبت سے زیادہ پسند ہے۔

کہا گیا ہے اچھا اخلاق اچھی ''مدارات'' کے ساتھ ناپسندیدہ باتوں کو برداشت کرنا ہے۔

آبادی کدھر ہے؟

کہا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کسی جنگل کی طرف نکلے تو ایک فوجی سے آپ کی ملاقات ہوگئی۔ اس نے پوچھا آبادی کدھر کو ہے؟

آپ نے قبرستان کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے آپ کے سر پر مار کر اس طرح زخمی کر دیا کہ ہڈی ظاہر ہوگئی۔ جب وہ سپاہی آگے چلا گیا تو اس کو بتایا گیا کہ آپ خراسان کے زاہد حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ وہ آ کر آپ سے معذرت کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا: جب تو نے مجھے مارا تو میں نے اللہ عزوجل سے تیرے لیے جنت کا سوال کیا۔ اس نے

[1] پارہ 21، لقمان 20، ترجمہ کنزالایمان

پوچھا کیوں؟

فرمایا: مجھے معلوم تھا کہ اس تکلیف پر اللہ ﷻ مجھے اجر عطا فرمائے گا تو میں نہیں چاہتا تھا کہ تمھاری وجہ سے مجھے نیکی ملے اور میری وجہ سے تجھے شر حاصل ہو۔

دعوت پر بلانا اور لوٹا دینا

حکایت کی گئی ہے کہ حضرت ابو عثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ کو ایک شخص نے دعوت پر بلایا۔ جب آپ اس کے گھر کے دروازے پر پہنچے تو اس نے کہا اے استاذ! ابھی آپ کے داخل ہونے کا وقت نہیں ہے۔ میں تو (دعوت دینے پر) نادم ہوں۔

حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ واپس چلے گئے۔ جب آپ اپنے گھر پہنچے تو وہ شخص دوبارہ آیا اور کہا اے استاذ! میں نادم ہوں۔ وہ معذرت کرنے لگا اور کہا ابھی تشریف لائیں۔ حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ اُٹھے اور چل پڑے جب اس کے مکان کے دروازے پر پہنچے تو اس نے پہلے والی بات کہی، پھر اسی طرح تیسری اور چوتھی بار کہا۔ حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ آئے اور واپس چلے گئے۔

جب کئی بار اسی طرح ہوا تو اس نے کہا اے استاذ! میں آپ کو آزمانا چاہتا تھا۔ وہ آپ سے معذرت کرنے اور آپ کی تعریف کرنے لگا۔ حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

ایسے اخلاق پر میری تعریف نہ کرو جو کتوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ کتے کو بلایا جائے تو وہ آجاتا ہے اور جب جھڑک دیا جائے تو چلا جاتا ہے۔

آگ کی جگہ راکھ پھینکی جائے تو ناراض نہ ہو

کہا گیا ہے کہ حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ دوپہر کے وقت ایک گلی میں سے گزرے تو چھت پر سے آپ پر راکھ کا تھال پھینکا گیا۔ آپ کے مریدین ناراض ہوئے اور پھینکنے والے کو برا بھلا کہنے لگے۔ حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کچھ نہ کہو جو شخص اس بات کا مستحق ہو کہ اس پر آگ پھینکی جائے پھر راکھ پر اکتفا کیا جائے تو اس کے لیے ناراض ہونا جائز نہیں۔

کہا گیا ہے کہ ایک درویش جعفر بن حنظلہ کے پاس مہمان بن کر آیا۔ جعفر اس کی بہت زیادہ خدمت کرتا اور فقیر کہتا تم اچھے آدمی ہوتے اگر یہودی نہ ہوتے۔ جعفر نے کہا جس خدمت کے آپ محتاج ہیں اس خدمت گزاری سے میرے عقیدے میں کوئی فرق نہیں پڑتا، آپ اپنے لیے شفاء اور میرے لیے ہدایت کا سوال کریں۔

کھوٹا درہم لے لیتا ہوں

کہا گیا ہے کہ عبداللہ خیاط (درزی) رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مجوسی گاہک تھا۔ آپ اس کے لیے کپڑے سیتے تھے اور وہ آپ کو کھوٹا درہم دیتا اور حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ لے لیتے۔ اتفاق سے ایک دن آپ دکان سے اُٹھ کر کسی کام کے لیے چلے گئے وہ کھوٹا درہم لے کر آیا۔ اس نے وہ درہم آپ کے شاگرد کو دیا تو اس نے قبول نہ کیا۔ اس نے کھرے درہم دے دیے۔ حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ واپس تشریف لائے تو اپنے شاگرد سے پوچھا مجوسی کی قمیص کہاں ہے؟ اس نے واقعہ بیان کیا۔

آپ نے فرمایا: تم نے بُرا کام کیا۔ وہ ایک عرصہ سے میرے ساتھ یہ معاملہ کرتا ہے اور میں اس کو برداشت کر رہا ہوں اور میں اس کو کنویں میں پھینک دیتا ہوں تا کہ وہ اس کے ذریعے کسی اور کو دھوکہ نہ دے سکے۔

کہا گیا ہے کہ برے اخلاق والا برے اخلاق سے تنگ دل ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں اس کے مطلب کے بغیر کوئی اور بات سما نہیں سکتی جس طرح تنگ مکان میں صرف اس کا مالک ہی سما سکتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ ''حسن اخلاق'' یہ ہے کہ تو ان لوگوں سے ناراض نہ ہو جو تیرے پہلو میں کھڑے ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''بُرا خلق'' یہ ہے کہ تو دوسروں کے برے اخلاق کو دیکھے۔

رسول اکرم ﷺ سے شوم (نحوست) کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((سُوْٓءُ الْخُلُقِ)) ''برے اخلاق (نحوست ہیں)۔''[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ! مشرکین کے خلاف دعا کریں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((إِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً وَّلَمْ أُبْعَثْ عَذَابًا)) ''مجھے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے اور مجھے عذاب بنا کر نہیں بھیجا گیا۔''[2]

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، رقم الحدیث: 124.

[2] صحیح مسلم، کتاب البر، رقم الحدیث: 87.

باب

جُودوسخا کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ قف ط﴾

''اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انھیں شدید محتاجی ہو۔''[1]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((أَلسَّخِيُّ قَرِيْبٌ مِّنَ اللّٰهِ تَعَالٰى قَرِيْبٌ مِّنَ النَّاسِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْجَنَّةِ، بَعِيْدٌ مِّنَ النَّارِ والْبَخِيْلُ: بَعِيْدٌ مِّنَ اللّٰهِ تَعَالٰى، بَعِيْدٌ مِّنَ النَّاسِ، بَعِيْدٌ مِّنَ الْجَنَّةِ، قَرِيْبٌ مِّنَ النَّارِ وَالْجَاهِلُ السَّخِيُّ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى مِنَ الْعَابِدِ الْبَخِيْلِ))

''سخی اللہ عزوجل کے قریب، لوگوں کے قریب اور جنت کے قریب اور جہنم سے دور ہوتا ہے۔ اور بخیل اللہ عزوجل سے دور، لوگوں سے دور، جنت سے دور اور جہنم کے قریب ہوتا ہے۔ اور جاہل سخی اللہ عزوجل کے ہاں عابد بخیل سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔''[2]

حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صوفیاء کے نزدیک ''جوذ'' اور ''سخاء'' میں کوئی فرق نہیں اور اللہ عزوجل کی صفات ''سخاء'' اور ''سماحت'' نہیں کیونکہ اسمائے خداوندی میں ان ناموں سے آگاہی نہیں ہوتی۔ حقیقتِ ''جوذ'' یہ ہے کہ آدمی پر خرچ کرنا باعث تکلیف نہ ہو۔

صوفیاء کے نزدیک پہلا مرتبہ ''سخاء''، دوسرا مرتبہ ''جوذ'' اور اس کے بعد ''ایثار'' ہے۔

جو شخص کچھ مال خرچ کرے اور کچھ باقی رکھے وہ ''سخی'' ہے اور جو شخص اکثر مال خرچ کرے اور کچھ اپنے آپ کے لیے باقی رکھے وہ ''جود والا'' ہے اور جو شخص ضرر برداشت کرے اور مالِ کفایت کے ساتھ دوسروں کو ترجیح دے وہ ''صاحبِ ایثار'' ہے۔

[1] پارہ 28، الحشر 9، ترجمہ کنزالایمان

[2] جامع ترمذی، کتاب البر والصلة، باب ماجاء في السّخاء، رقم الحدیث: 1961.

حضرت اسماء بن خارجہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی شخص مجھ سے اپنی حاجت کے مطابق مانگے اور میں اس کو نہ دوں کیونکہ اگر وہ معزز ہے تو میں اس کی عزت کو بچاؤں گا اور اگر وہ کمینہ ہے تو اس سے اپنی عزت کو بچاؤں گا۔

حضرت مورّق عجلی رحمۃ اللہ علیہ اپنے (مسلمان) بھائیوں کو آسانی پہنچانے میں نہایت لطف و مہربانی کا طریقہ اختیار کرتے۔ ان کے پاس ایک ہزار (1000) درہم رکھ کر فرماتے میرے واپس آنے تک یہ رقم اپنے پاس رکھو۔ پھر ان کو پیغام بھیجتے کہ یہ مال تمھارے لیے حلال ہے۔

کہا گیا ہے کہ منبج[1] مقام کا ایک شخص اہلِ مدینہ میں سے ایک آدمی سے ملا تو پوچھا آپ کہاں سے ہیں؟

اس نے جواب دیا! مدینہ طیبہ والوں میں سے ہوں۔ اس نے کہا تم لوگوں میں سے ایک شخص جس کو حکم بن عبدالمطلب کہا جاتا ہے ہمارے پاس آیا تو اس نے ہمیں مال دار کر دیا۔

مدنی نے پوچھا وہ کیسے؟ وہ تو تمھارے پاس صرف ایک اونی جُبّہ میں آیا تھا۔

اس نے کہا اس نے مال کے ذریعے ہمیں مال دار نہیں کیا بلکہ اس نے ہمیں کرم کرنے کی تعلیم دی تو ہم نے ایک دوسرے کو مال دیا تو ہم مال دار ہو گئے۔

پہلے میری جان لے لو

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب غلام خلیل نے خلیفہ کے پاس صوفیاء کرام کی چغلی کھائی تو اس نے ان کی گردنیں مارنے کا حکم دیا لیکن حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فقر کے ذریعے اپنے حال کو چھپائے رکھا۔ وہ حضرت ابو ثور رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق فتویٰ دیتے تھے لیکن خلیفہ نے شحام، رقام، نوری اور ایک جماعت (رحمہم اللہ) کو گرفتار کر لیا اور ان کی گردنیں اڑانے کے لیے چمڑا بچھا دیا۔ حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ آگے بڑھے تو جلاد نے کہا آپ کو معلوم ہے آپ کس چیز کی طرف بڑھ رہے ہیں؟

فرمایا: جانتا ہوں۔ اس نے کہا پھر آپ جلدی کیوں کرتے ہیں؟

فرمایا: ایک ساعت کی زندگی کے لیے اپنے ساتھیوں کو اپنے اوپر ترجیح دیتا ہوں۔ جلاد حیران رہ گیا اور اس نے خلیفہ کو اس کی خبر دی۔ اس نے ان کو قاضی کی طرف بھیجا تا کہ وہ ان کے حال کی چھان بین کرے۔ قاضی نے حضرت ابو الحسین نوری رحمۃ اللہ علیہ سے چند فقہی مسائل پوچھے تو انھوں نے تمام سوالوں کا جواب دے دیا پھر فرمایا: اس کے بعد واضح

[1] فرات سے تین فرسخ اور حلب سے دس فرسخ کے فاصلے پر بہت بڑا شہر منبج ہے۔ ایک فرسخ تقریباً آٹھ کلو میٹر ہوتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

رہے کہ اللہ ﷻ کے کچھ بندے ہیں جب وہ کھڑے ہوتے ہیں تو اللہ ﷻ کے حکم کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں۔ جب بولتے ہیں تو حکم خداوندی کے ساتھ بولتے ہیں۔ انھوں نے ایسے الفاظ کے ساتھ گفتگو کی کہ قاضی کو رُلا دیا۔ اس نے خلیفہ کو پیغام بھیجا کہ اگر یہ لوگ زندیق ہیں تو روئے زمین پر کوئی بھی مسلمان نہیں۔

حضرت علی بن فضیل رحمۃ اللہ علیہ اپنے محلے کے دکانداروں سے مال خریدتے۔ پوچھا گیا اگر آپ بازار جاتے تو سستا سودا ملتا۔ انھوں نے کہا: (هٰؤُلَآءِ نَزَلُوْا بِقُرْبِنَا وَجَآءَ مَنْفَعَتَنَا) ''یہ لوگ ہمارے قریب اترے اور نفع کی امید رکھتے ہیں۔''

ہر ایک کے لیے ایک لونڈی

کہا گیا ہے کہ ایک شخص نے جبلہ بن سحیم کے پاس ایک لونڈی بطور تحفہ بھیجی۔ اس وقت وہ اپنے ساتھیوں میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ اگر میں اسے اپنے لیے رکھوں اور تم لوگ یہاں موجود ہو تو یہ بری بات ہے اور تم میں سے کسی کو ایک کے ساتھ خاص کرنا بھی ناپسندیدہ ہے جبکہ تم میں سے ہر ایک کا حق اور احترام ہے اور اس کو تقسیم بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اور وہ اَسّی (80) افراد تھے تو اس نے ہر ایک کے لیے ایک لونڈی یا خادم کا حکم دیا۔

ایک کوزہ پانی کے بدلے تیس ہزار (30,000) درہم دے دیے

بیان کیا گیا کہ ایک دن حضرب عبیداللہ بن ابی بکرہ رحمۃ اللہ علیہ کو راستے میں پیاس لگی تو انھوں نے ایک عورت کے گھر سے پانی طلب فرمایا۔ اس نے آپ کے لیے ایک کوزہ نکالا اور دروازے کے پیچھے کھڑی ہوگئی اور کہا آپ دروازے سے ہٹ جائیں اور آپ کا کوئی بچہ اسے اٹھالے۔ میں ایک عرب خاتون ہوں، میرا خادم چند دن پہلے فوت ہوگیا ہے۔ حضرت عبیداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے پانی پیا اور اپنے غلام سے فرمایا: اس خاتون کو دس ہزار درہم (10,000) دے دو، اس نے کہا: سُبْحَانَ اللّٰه! آپ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں۔

انھوں نے فرمایا: بیس ہزار (20,000) درہم دے دو۔ اس نے کہا میں اللہ ﷻ سے عافیت کا سوال کرتی ہوں۔

انھوں نے فرمایا: اے غلام! ان کو تیس ہزار (30,000) درہم دے دو۔ اس عورت نے دروازہ بند کر دیا اور کہا تم پر افسوس ہے۔ پس غلام اس کے پاس تیس ہزار (30,000) درہم لے گیا تو اس نے قبول کر لیے تو شام ہونے سے پہلے ہی اسے بہت سے لوگوں نے منگنی کا پیغام بھیجا۔

کہا گیا ہے کہ: (اَلْجُوْدُ: إِجَابَةُ الْخَاطِرِ الْأَوَّلِ) ''پہلے خیال آتے ہی اس کے مطابق عمل کرنا ''جود'' کہلاتا ہے۔''

بیت الخلاء سے قمیص ہبہ کردی

حضرت ابوالحسن بوشنجی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ساتھی فرماتے تھے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ بیت الخلاء میں تھے تو انھوں نے اپنے ایک شاگرد کو بلایا اور اس سے فرمایا: میری یہ قمیص اتار کر فلاں شخص کو دے دو۔ پوچھا گیا کہ آپ نے بیت الخلاء سے نکلنے کا انتظار کیوں نہ کیا؟

انھوں نے فرمایا: اگر میں اس وقت قمیص نہ دیتا تو مجھے اپنی نیت کے بدلنے کا ڈر تھا۔

میزبانی کی قیمت دیتے ہو؟

حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے اپنے آپ سے زیادہ سخی دیکھا ہے؟

کہا ہاں۔ ہم جنگل میں ایک عورت کے ہاں اترے، اس کا خاوند آیا تو اس نے کہا تمھارے ہاں مہمان آئے ہیں۔ وہ اونٹنی لایا اور اسے ذبح کر دیا اور فرمایا: تم اسے کھاؤ۔ دوسرا دن ہوا تو اس نے دوسری اونٹنی لا کر ذبح کر دی اور کہا یہ تمھارے لیے ہے (اسے کھاؤ)۔ ہم نے کہا ہم نے تو گزشتہ رات والی اونٹنی سے بھی تھوڑا سا کھایا ہے۔

اس نے کہا میں اپنے مہمانوں کو باسی چیز نہیں کھلاتا۔

ہم اس کے پاس دو یا تین دن رہے اور بارش برستی رہی اور وہ اسی طرح کرتا رہا۔ جب ہم نے جانے کا ارادہ کیا تو ہم نے اس کے لیے اس کے گھر میں ایک سو (100) دینار رکھ دیے اور اس خاتون سے کہا کہ ہماری طرف سے معذرت کر لینا اور ہم چلے گئے۔ جب سورج کچھ بلند ہوا تو ہم نے دیکھا کہ ایک شخص پیچھے سے آواز دے رہا ہے:

اے کمینے سوارو! ٹھہر جاؤ، تم نے میری مہمان نوازی کی قیمت دی ہے۔ پھر وہ ہمارے پاس پہنچ گیا اور کہا یہ رقم تم ضرور واپس لو گے ورنہ میں تمھیں اس نیزے سے زخمی کر دوں گا۔ ہم نے وہ رقم لے لی اور وہ یہ شعر پڑھتا ہوا واپس چلا گیا:

وَإِذَا أَخَذْتَ ثَوَابَ مَا أَعْطَيْتَهُ
فَكَفٰى بِذَاكَ لِنَائِلٍ تَكْدِيْرًا

* جو کچھ میں نے اس کو دیا ہے اس کا ثواب لے لوں تو احسان کو مکدر (خراب) کرنے کے لیے کافی ہے۔

کمبل بھی بیچ دو

حضرت ابوعبداللہ روذباری رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مرید کے گھر تشریف لے گئے تو اسے نہ پایا اور اس کے گھر کے دروازے

کو تالا لگا ہوا تھا۔ انھوں نے فرمایا: صوفی اور دروازے پر تالا، انھوں نے تالا توڑا اور حکم دیا کہ گھر میں جو کچھ ہے اسے بازار لے جا کر فروخت کر دیا جائے اور اس کی قیمت خرچ کر دی جائے۔ اور وہ سب لوگ گھر میں بیٹھ گئے۔ مالک مکان آیا لیکن وہ کچھ نہ کہہ سکا۔ اس کے بعد مالک مکان کی بیوی آئی، اس نے کمبل اوڑھ رکھا تھا۔ وہ گھر میں داخل ہوئی تو کمبل بھی پھینک دیا اور کہنے لگی اے لوگو! یہ بھی تو سامان میں شمار ہوتا ہے اسے بھی فروخت کر دو۔

خاوند نے اس سے کہا تو اپنے اختیار سے اس قدر تکلیف کیوں کرتی ہے؟

اس نے کہا تم خاموش ہو جاؤ۔ اس قسم کا مرشد ہم سے بے تکلفی کرتا ہے اور ہمارے بارے میں فیصلہ کرتا ہے اور ہم اس سے بچا کر کوئی چیز رکھ لیں۔

حضرت بشر بن حارث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (اَلنَّظْرُ اِلَی الْبَخِیْلِ یُقْسِی الْقَلْبُ) ''بخیل کو دیکھنے سے دل سخت ہو جاتا ہے۔''

رشتہ داروں کو قرضہ معاف کر دیا

کہا گیا ہے کہ حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بیمار پڑ گئے اور ان کی برادری کے لوگوں نے آنے میں تاخیر کر دی۔ انھوں نے ان کے بارے میں پوچھا تو ان سے کہا گیا ان کو تمھارے اس قرض کی وجہ سے حیا آتی ہے جو ان کے ذمہ ہے۔ انھوں نے فرمایا: اللہ عزوجل اس مال کو رسوا کرے جو بھائیوں کو ملاقات سے روکتا ہے پھر ایک شخص سے فرمایا: کہ اعلان کر دو جس شخص کے ذمہ ''قیس'' کا قرض ہے انھوں نے اسے معاف کر دیا۔ تو شام کے وقت تیمارداروں کی کثرت کی وجہ سے ان کے دروازے کی چوکھٹ ٹوٹ گئی۔

حضرت عبداللہ بن جعفر رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ جب آپ سے سوال کیا جاتا ہے تو آپ بہت مال خرچ کرتے ہیں اور جب آپ سے کوئی جھگڑا کرتا ہے تو تھوڑا مال دینے میں بھی ''بخل'' سے کام لیتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا: میں اپنا مال خرچ کرتا ہوں اور عقل کے ساتھ بخل کرتا ہوں۔

بھوکے کتے کو رد کرنا مجھے پسند نہیں

کہا گیا کہ حضرت عبداللہ بن جعفر رحمۃ اللہ علیہ اپنی زمین کی طرف گئے تو راستے میں ایک قوم کے باغ میں اترے وہاں سیاہ رنگ کا غلام کام کر رہا تھا۔ غلام کا کھانا آیا تو ایک کتا باغ میں داخل ہو کر غلام کے قریب آیا۔ غلام نے اس کے سامنے ایک روٹی ڈالی اس نے کھا لی۔ پھر دوسری روٹی ڈالی اور پھر تیسری۔ اس نے وہ بھی کھا لیں۔ حضرت عبداللہ بن جعفر رحمۃ اللہ علیہ اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ آپ نے اس سے فرمایا:

اے غلام! ہر دن تو کتنا رزق کھاتا ہے؟

اس نے کہا جو تم نے دیکھا ہے۔

فرمایا: تو کتے کو ترجیح کیوں دیتا ہے؟

اس نے کہا یہ کتوں کا علاقہ نہیں یہ دور سے بھوکا آیا ہے تو اس کو رد کرنا مجھے پسند نہیں۔

فرمایا: آج تم کیا کرو گے؟

اس نے کہا آج بھوکا رہ جاؤں گا (یہ سن کر)

حضرت عبداللہ بن جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مجھے سخاوت پر ملامت کی جاتی ہے یہ غلام مجھ سے زیادہ سخی ہے چنانچہ انھوں نے وہ باغ، غلام اور اس میں جو سامان تھا سب کچھ خرید لیا اور اس غلام کو آزاد کر کے سب کچھ اسے ہبہ کر دیا۔

چار سو (400) درھم دے کر رونے لگے

کہتے ہیں ایک شخص اپنے دوست کے گھر آیا اور اس کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ جب وہ اس کی طرف نکلا تو پوچھا تم میرے پاس کیوں آئے ہو؟ اس نے کہا مجھ پر چار سو (400) درہموں کا قرض ہے پس وہ اندر گیا اور اس کے لیے چار سو (400) درہموں کا وزن کیا اور اس کے لیے باہر لے آیا اور گھر میں روتا ہوا داخل ہوا۔ اس کی بیوی نے اس سے کہا اگر یہ (رقم دینا) ناگوار تھا تو کوئی بہانہ کر دیتا۔ اس نے کہا میں اس بات پر رو رہا ہوں کہ میں نے پہلے ہی اس کی خبر گیری کیوں نہ کی حتیٰ کہ وہ مجھ سے بیان کرنے کا محتاج ہوا۔

حضرت مطرف بن شخیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: جب تم میں سے کسی ایک کو مجھ سے کام ہو تو وہ اسے ایک رقعہ میں لکھ دے۔ میں اس کے چہرے پر حاجت کی ذلت دیکھنا پسند نہیں کرتا۔

روزانہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے گھر کھانا

کہا گیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی مخالفت کرنا چاہی تو وہ عمائدین شہر کے پاس گیا اور ان سے کہا ابن عباس رضی اللہ عنہما تم لوگوں کو آج صبح اپنے ہاں کھانے کی دعوت دیتے ہیں۔ وہ لوگ آئے اور ان سے گھر بھر گیا۔ انھوں نے فرمایا: یہ کیا ہے؟

تو ان کو وجہ بتائی گئی۔ انھوں نے اسی وقت پھل خریدنے اور روٹی وغیرہ پکانے کا حکم دیا اور سب کچھ ٹھیک ٹھاک کر دیا۔ جب وہ فارغ ہوئے تو آپ نے اپنے کارندوں سے کہا یہ چیزیں ہمیں روزانہ مہیا ہو سکتی ہیں؟

انھوں نے کہا جی ہاں۔ فرمایا: ان لوگوں کو روزانہ صبح ہمارے ہاں کھانا کھانا چاہیے۔

زیادہ سخاوت پر گھر والے ملامت کرتے

حضرت استاذ ابو سہل صعلوکی رحمۃ اللہ علیہ ایک دن اپنے گھر کے صحن میں وضو کر رہے تھے کہ آپ کے پاس ایک آدمی آیا اور آپ سے ایک دنیوی چیز مانگی اور آپ کے پاس اس وقت وہ چیز نہ تھی۔

فرمایا: میرے فارغ ہونے تک صبر کرو۔ پس وہ انتظار کرنے لگا۔ جب فارغ ہوئے تو اس سے فرمایا: یہ قمقمہ ہی لے لو اور چلے جاؤ چنانچہ وہ قمقمہ لے کر چلا گیا۔ آپ نے اتنی دیر انتظار کیا کہ وہ دور نکل گیا تو آپ نے چلانا شروع کیا کہ ایک شخص آیا اور قمقمہ لے گیا وہ اس کے پیچھے چلے اور اس کو نہ پایا۔ آپ نے یہ کام اس لیے کیا کہ گھر والے ان کو زیادہ سخاوت پر ملامت کیا کرتے تھے۔

اپنا جبہ دے دیا

استاذ ابو سہل رحمۃ اللہ علیہ نے سردیوں کے موسم میں اپنا جبہ کسی شخص کو دے دیا۔ پس جب آپ تدریس کے لیے نکلتے تو عورتوں کا جبہ پہن کر نکلتے کیوں کہ ان کے پاس کوئی اور جبہ نہ تھا۔ ایک دفعہ فارس سے ایک مشہور وفد آیا ان میں ہر قسم کے لوگ تھے؛ فقہاء کے امام، متکلمین کے امام اور نحویوں کے امام شامل تھے۔ فوج کے کمانڈر ابوالحسن نے ایک بار ان کو پیغام بھیجا کہ وہ ان کے استقبال کے لیے سوار ہو کر آئیں۔ انھوں نے عورتوں کے جبہ کے اوپر ایک اونی جبہ پہن لیا جو اگلی جانب سے پھٹا ہوا تھا۔ لشکر کے کمانڈر نے کہا شہر کے امام نے میری بے عزتی کی ہے یہ عورتوں کا جبہ پہن کر آیا ہے پھر انھوں نے ان سب سے مناظرہ کیا تو ہر فن میں ان سب پر غالب آ گئے۔

میں اپنے ہاتھ سے چیز نہیں دوں گا

حضرت استاذ سہل رحمۃ اللہ علیہ کسی کو اپنے ہاتھ سے کوئی چیز نہیں دیتے تھے۔ وہ اس چیز کو زمین پر ڈال دیتے تا کہ وہ اسے زمین سے اُٹھا لے اور فرماتے تھے دنیا کی ذلت اس سے بھی کم ہے کہ میں اس کے لیے اپنے ہاتھ کو کسی کے ہاتھ سے اوپر رکھوں۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلیٰ))

''اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔''[1]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب تأویل قول اللہ تعالیٰ ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِیَّةٍ یُوْصِیْ بِهَآ اَوْدَیْنٍ﴾ رقم الحدیث: 2750.

سخاوت کا عجیب انداز

کہا گیا کہ حضرت ابو مرثد رحمۃ اللہ علیہ شرفاء میں سے ایک تھے۔ کسی شاعر نے ان کی تعریف کی تو انھوں نے فرمایا: میرے پاس تجھے دینے کے لیے کچھ نہیں لیکن تم مجھے قاضی کے سامنے لے جا کر پیش کر دو اور مجھ پر دس ہزار درہموں کا دعویٰ کر دحتیٰ کہ میں تمھارے لیے اقرار کروں۔ پھر مجھے اپنے پاس قید کر لو میرے گھر والے مجھے قید میں نہیں رہنے دیں گے۔ اس نے اسی طرح کیا تو شام ہونے سے پہلے اسے دس ہزار درہم دیئے گئے اور آپ قید خانے سے نکل آئے۔

مزدور کی مزدوری بھی دے دی

کہا گیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے کسی چیز کا سوال کیا تو آپ نے اس کو پچاس ہزار (50,000) درہم اور پانچ سو (500) دینار عطا فرمائے اور فرمایا: کسی مزدور کو لے آؤ، جو اُٹھا کر لے جائے۔ وہ شخص مزدور کو لے آیا تو آپ نے اس کو اپنی چادر دے دی اور فرمایا: مزدور کی مزدوری میرے ذمہ ہے۔

''سوال'' تمھارے مطابق ''عطا'' ہمارے مطابق

ایک عورت نے حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ سے شہد کا پیالہ مانگا تو انھوں نے شہد کا مشکیزہ دینے کا حکم دیا۔ ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: (إِنَّهَا سَأَلَتْ عَلٰى قَدْرِ حَاجَتِهَا وَنَحْنُ نُعْطِيْهَا عَلٰى قَدْرِ نِعَمِنَا) ''اس نے اپنی حاجت کے مطابق سوال کیا اور ہم اسے اس انعام کے مطابق دیں گے جو اللہ عزوجل نے ہم پر انعام کیا ہے۔''

مسجد والوں کو انعام

ایک صاحب کہتے ہیں میں نے کوفہ میں مسجد اشعث میں صبح کی نماز پڑھی۔ میں ایک مقروض کو تلاش کر رہا تھا جب میں نے سلام پھیرا تو ہر ایک کے سامنے کپڑوں کا ایک جوڑا اور جوتوں کا ایک جوڑا رکھا ہوا تھا۔ اسی طرح میرے سامنے بھی رکھا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ اشعث مکہ مکرمہ سے آیا ہے تو اس نے تمام مسجد والوں کے لیے اس کا حکم دیا ہے۔

میں نے کہا میں تو اہلِ مسجد میں سے نہیں ہوں۔ انھوں نے بتایا کہ یہ ہر اس شخص کے لیے ہے جو مسجد میں موجود ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو غسل دینے والا

کہا گیا کہ جب حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو فرمایا: فلاں سے کہنا مجھے غسل دے اور وہ شخص موجود نہیں تھا۔ جب وہ آیا اور اس کو بتایا گیا اس نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ڈائری منگوائی تو اس میں دیکھا کہ ان کے ذمہ ستر ہزار (70,000) درہم قرض تھا تو اس نے وہ سارا قرض ادا کر دیا اور کہا یہی میرا ان کو غسل دینا ہے۔

کہا گیا ہے کہ جب حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ (یمن کے شہر) صنعاء سے مکہ مکرمہ آئے تو آپ کے پاس دس ہزار (10,000) دینار تھے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ اس رقم سے لونڈی خرید لیں، آپ نے مکہ مکرمہ سے باہر خیمہ لگا لیا۔ جو شخص بھی آپ کے پاس آتا آپ مٹھی بھر کر اسے دے دیتے۔ جب ظہر کا وقت ہوا تو آپ کھڑے ہوئے اور کپڑے جھاڑ دیئے اور کچھ بھی باقی نہ رہا۔

دوسروں کو زیادہ رحمتیں ملیں

کہا گیا ہے کہ حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ عید کے دن نکلے تو ایک بڑی شان والا آدمی آپ کے سامنے آیا۔ حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ناقص سلام کیا۔ آپ کو بتایا گیا کہ یہ شخص بڑی شان والا ہے۔ انھوں نے فرمایا میں اس کو جانتا ہوں لیکن مرفوع حدیث میں ہے کہ جب دو مسلمان باہم ملاقات کریں تو ان کے درمیان ایک سو (100) رحمتیں تقسیم ہوتی ہیں۔ ان میں سے نوے (90) اس کے لیے ہوتی ہیں جو زیادہ خندہ پیشانی سے پیش آئے تو میں نے ارادہ کیا کہ اسے زیادہ رحمتیں ملیں۔

اہلِ سخاوت کے حالات

کہا گیا ہے کہ ایک دن امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کے رونے کا سبب کیا ہے؟

فرمایا: سات دن سے میرے پاس کوئی مہمان نہیں آیا اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں اللہ عزوجل نے مجھے ذلیل تو نہیں کر دیا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: گھر کی زکوٰۃ یہ ہے کہ اس میں ایک کمرہ ضیافت کے لیے بنایا جائے۔

ارشادِ خداوندی ہے: ﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝﴾ ''اے محبوب کیا تمھارے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر آئی۔''[1]

[1] پارہ 26، الذاریات 24، ترجمہ کنزالایمان

کہا گیا ہے کہ ان کو "مکرمین" اس لیے کہا گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بذاتِ خود ان کی خدمت گزاری میں مصروف رہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ کریم کا "مہمان" بھی کریم ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم بن جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہا جاتا تھا کہ شریف آدمی کو چار باتوں سے نفرت نہیں کرنی چاہئے اگرچہ خود حاکم کیوں نہ ہو:

① (قِيَامُهُ مِنْ مَّجْلِسِهٖ لِأَبِيْهِ) "اپنے باپ کے لیے اپنی جگہ سے اٹھنا۔"

② (خِدْمَتُهُ لِضَيْفِهٖ) "مہمان کی خدمت کرنا۔"

③ (خِدْمَتُهُ لِعَالِمٍ يَّتَعَلَّمُ مِنْهُ) "جس عالم سے سیکھتا ہے اس کی خدمت کرنا۔"

④ (اَلسُّوَالُ عَمَّا لَمْ يَعْلَمْ) "جس بات کا علم نہ ہو اس کے بارے میں سوال کرنا۔"

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ﴾

"تم پر کوئی الزام نہیں کہ مل کر کھاؤ یا الگ الگ۔"[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ وہ لوگ تنہا کھانے میں حرج سمجھتے تھے تو ان کو اس کی اجازت دی گئی۔

کہا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عامر بن کریز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کی ضیافت کی اور اس کی اچھی طرح مہمان نوازی کی۔ جب وہ شخص آپ سے رخصت ہونے لگا تو ان کے غلاموں نے اس کی کوئی مدد نہ کی۔ حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ غلام اس شخص کی مدد نہیں کرتے جو ہم سے رخصت ہوا۔

حضرت عبداللہ بن باکو یہ صوفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کا ایک شعر متنبی نے ہمیں سنایا:

إِذَا تَرَحَّلْتَ عَنْ قَوْمٍ وَقَدْ قَدَرُوْا
أَنْ لَّا تُفَارِقَهُمْ فَالرَّاحِلُوْنَهُم

* جب تم کسی قوم سے کوچ کر کے چلے جاتے ہو حالانکہ اگر وہ چاہتے تو تم نہ جا سکتے تو درحقیقت تم ان سے جدا نہیں ہوتے بلکہ وہ جا رہے ہوتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: نفس کا دوسرے لوگوں کی چیزوں کی طرف توجہ نہ کرنا مال کی سخاوت

[1] پارہ 18، النور 61، ترجمہ کنزالایمان

سے بہتر ہے۔

ایک صوفی کہتے ہیں کہ میں سخت سردی کے دن حضرت بشر بن حارث رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا تو انھوں نے کپڑے اتار رکھے تھے اور وہ کانپ رہے تھے۔ میں نے کہا اے ابونصر! ایسے دن میں تو لوگ زائد کپڑے پہنتے ہیں اور آپ نے کم کر دیے۔

انھوں نے فرمایا: میں نے فقراء اور ان کی تکلیف کو یاد کیا اور میں ان سب کی خیر خواہی نہیں کر سکتا تو میں نے چاہا کہ ٹھنڈک برداشت کرنے میں ان کی موافقت کروں۔

حضرت دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''سخاوت'' یہ نہیں کہ مال دار محتاج کو دے، سخاوت یہ ہے کہ محتاج مال دار کو دے۔

باب
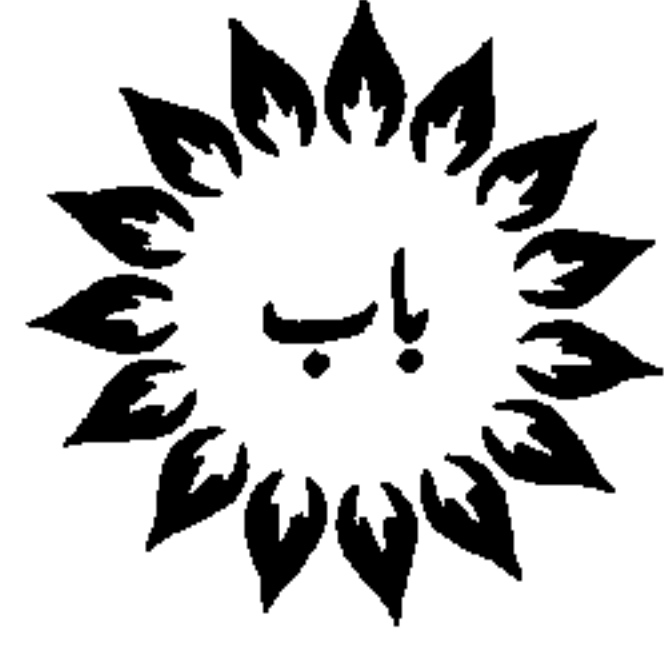
غیرت کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾

''تم فرماؤ میرے رب نے تو بے حیائیاں حرام فرمائی ہیں جو ان میں کھلی ہیں اور جو ان میں چھپی ہیں۔''[1]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا أَحَدٌ أَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَمِنْ غَيْرَتِهٖ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ))

''اللہ عزوجل سے بڑھ کر کوئی غیرت مند نہیں اور اس کی غیرت میں سے یہ بات بھی ہے کہ اس نے بے حیائی کے کاموں کو حرام کیا وہ ظاہری ہوں یا باطنی۔''[2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ يَغَارُ وَإِنَّ الْمُؤْمِنَ يَغَارُ وَغَيْرَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى أَنْ يَّأْتِيَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ))

''بے شک اللہ عزوجل بھی غیرت فرماتا ہے اور مومن کو بھی غیرت آتی ہے اور اللہ عزوجل کی غیرت یہ ہے کہ مومن بندہ وہ کام کرے جسے اللہ عزوجل نے حرام قرار دیا ہے۔''[3]

غیرت کا مفہوم

غیرت، غیر کی شرکت کو کہتے ہیں۔ جب غیرت اللہ عزوجل کی صفت ہو تو اس کا معنٰی یہ ہے کہ اللہ عزوجل اپنے حق میں کسی دوسرے کی غیرت کو پسند نہیں کرتا اور اس کا حق یہ ہے کہ بندہ اس کی اطاعت کرے۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ ان کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی:

---

[1] پارہ 8، الاعراف 33، ترجمہ کنزالایمان

[2] صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب 15، رقم الحدیث: 7403، کتاب التفسیر القرآن، باب 7، رقم الحدیث: 4634.

[3] صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الغیرۃ، رقم الحدیث: 5223، صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، باب غیرۃ اللہ تعالی وتحریم الفواحش، رقم الحدیث: 2761.

﴿وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًاۙ﴾

''اور اے محبوب! تم نے قرآن پڑھا ہم نے تم میں اور ان میں کہ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ایک چھپا ہوا پردہ کر دیا۔''●

حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مریدین سے پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو یہ حجاب کیا ہے؟ یہ غیرت کا حجاب ہے اور اللہ عزوجل سے بڑھ کر کوئی بھی غیرت مند نہیں ہے۔

ان کا یہ قول کہ یہ ''حجاب غیرت'' ہے، اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اس نے کافروں کو صداقتِ دین کی معرفت کا اہل نہیں بنایا۔

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جو لوگ اللہ عزوجل کی عبادت میں سستی کرتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جن کے قدموں کو اللہ عزوجل نے بھاری رسوائی کے ساتھ باندھ دیا ہے پس ان کے لیے دوری کو پسند کیا اور ان کو قرب کے مقام سے پیچھے رکھا اسی لیے وہ پیچھے رہ گئے۔

ان حضرات نے یہ شعر پڑھا:

أَنَا صَبٌّ لِّمَنْ هَوِيْتُ وَلٰكِنْ
مَا اِحْتِيَالِيْ لِسُوْءِ رَايِ الْمَوَالِيْ

* میں تو اپنے محبوب (یعنی اللہ عزوجل) کا عاشق ہوں مگر آقاؤں (خواہشات نفسانی) کی بدگمانی کا کیا کروں۔

اسی مفہوم میں یہ قول کیا ہے کہ (عبادت میں سستی کرنے والا) ایسا بیمار ہے جس کی عیادت نہیں کی جاتی اور وہ (بلند مقامات کی) خواہش کرتا ہے لیکن اس کی خواہش پوری نہیں کی جاتی۔

حضرت عباس زوزنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: میری ابتداء اچھی تھی اور مجھے پتہ چل جاتا کہ میرے اور مقصود کے درمیان کتنی مدت باقی ہے یعنی میں کب اپنی مراد کو پانے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک بلند پہاڑ سے لڑھک رہا ہوں۔ میں اس کی چوٹی تک پہنچنے کا ارادہ کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں: میں بیدار ہوا تو مجھے اس کا غم ہوا مجھے پھر نیند آ گئی تو میں نے دیکھا کوئی کہنے والا کہتا ہے: ''اے عباس! اللہ عزوجل نہیں چاہتا کہ تو اس مقام تک پہنچے جسے تو چاہتا ہے لیکن اس نے تمہاری زبان پر حکمت کے دروازے کھول دیے ہیں۔'' وہ فرماتے ہیں: صبح ہوئی تو مجھے کلمات حکمت الہام کیے گئے تھے۔

● پارہ 15، الاسرا 45، ترجمہ کنزالایمان

استاذ ابوعلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مشائخ میں ایک شیخ تھے جن کو اللہ عزوجل کے ساتھ وقت اور حال کا مقام حاصل تھا۔ وہ ایک عرصہ تک پوشیدہ رہے اور فقراء کے درمیان نہ دیکھے گئے۔ پھر ایک عرصہ کے بعد ظاہر ہوئے تو وہ پہلے والی صفت وقت پر نہ تھے۔ ان سے پوچھا گیا تو فرمایا: افسوس! حجاب پیدا ہو گیا۔

جب کبھی حضرت استاذ ابوعلی رحمہ اللہ کی مجلس میں کوئی ایسی بات واقع ہو جاتی جس سے حاضرین کے دل پریشان ہو جاتے تو آپ فرماتے: یہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی غیرت ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس وقت کی وہ صفائی جو جاری ہوتی ہے، جاری نہ رہے (اور وہ مکدّر رہے)۔

اسی معنیٰ میں یہ شعر پڑھا جاتا ہے:

هَمَّتْ بِإِتْيَانِنَا حَتّٰى إِذَا نَظَرَتْ

إِلَى الْمِرْآةِ نَهَاهَا وَجْهُهَا الْحُسَنُ

* اس (محبوبہ) نے ہمارے پاس آنے کا ارادہ کیا حتیٰ کہ جب اس نے آئینہ دیکھا تو اس کے خوبصورت چہرے نے اسے ہمارے پاس آنے سے روک دیا۔

ان (صوفیاء کرام) میں سے کسی صوفی سے کہا گیا کہ تو اسے دیکھنا چاہتا ہے؟

اس نے کہا نہیں۔ پوچھا گیا کیوں؟ کہا میں اس کے جمال کو اپنے جیسے کی نظر سے پاک رکھنا چاہتا ہوں۔

اسی معنیٰ میں انھوں نے یہ شعر پڑھے ہیں:

إِنِّيْ لَأَحْسُدُ نَاظِرِيْ عَلَيْكُمَا

حَتّٰى أَغُضَّ إِذَا نَظَرْتُ إِلَيْكَا

وَأَرَاكَ تَخْطُرُ فِيْ شَمَآئِلِكَ الَّتِيْ

هِيَ فَتَنَتْنِيْ فَأَغَارُ مِنْكَ عَلَيْكَا

* میں تمھاری وجہ سے ان دونوں آنکھوں سے حسد کرتا ہوں حتیٰ کہ جب تمھاری طرف نظر کرتا ہوں تو آنکھوں کو بند کر لیتا ہوں۔

* میں تجھے دیکھتا ہوں کہ تو اپنی خوبیوں میں مٹک کر چل رہا ہے جو مجھے فریفتہ کر دیتی ہیں لہٰذا مجھے تمھاری وجہ سے تم پر غیرت آتی ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ کو کب آرام ملتا ہے؟ فرمایا: جب مجھے اس کی یاد تازہ کرنے والا کوئی دکھائی نہ دے (جبکہ اس کی نعمتیں اس کی یاد تازہ کرتی رہتی ہیں)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غیرت فرمانا

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دیہاتی پر گھوڑا فروخت کیا اور اس سے سودا فسخ کرنا چاہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فسخ کر دیا۔ اس پر اعرابی نے کہا اللہ عزوجل تمھاری عمر دراز کرے تم کن لوگوں میں سے ہو؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اِمْرَؤٌ مِّنْ قُرَیْشٍ)) ''میں قریش کا ایک فرد ہوں۔''[1]

وہاں موجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی نے اعرابی سے کہا تمھاری بداخلاقی کے لیے یہی کافی ہے کہ تو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پہچانتا۔

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ میں قریش کا ایک فرد ہوں، غیرت کے طور پر تھا ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ضروری تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کو تعارف کرواتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں؟ پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس صحابی کی زبانی اس دیہاتی کو بتلا دیا۔ جب انھوں نے فرمایا: تمھاری بدخلقی کے لیے یہ بات کافی ہے کہ تو اپنے نبی علیہ السلام کو نہیں پہچانتا۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ غیرت مبتدی لوگوں کی صفات میں سے ہے اور موحد میں نہ غیرت ہوتی ہے نہ کوئی اختیار اور نہ ہی ان امور میں جو سلطنت میں جاری ہوتے ہیں کوئی حکم ہوتا ہے بلکہ اللہ عزوجل کو زیادہ حق حاصل ہوتا ہے جو چاہے جس پر چاہے حکم دے۔

حضرت ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''غیرت'' مریدین کا عمل ہے اہل حقائق کا نہیں۔

غیرت کی اقسام

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: غیرت کی دو صورتیں ہیں: ① بشریت کی غیرت نفسوں پر ② غیرت الٰہیہ دلوں پر۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ ہی فرماتے ہیں: نفسوں پر غیرت الٰہیہ یہ ہے کہ نفسوں کو مَاسِوَی اللّٰہ عزوجل میں ضائع کیا جائے۔

(امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) واجب یہ ہے کہ غیرت کی دو قسمیں ہیں:

① حق سبحانہ وتعالیٰ کی بندے پر غیرت اور اس کی صورت یہ ہے کہ اسے مخلوق کی طرف نہ جانے دے اور اس کے معاملے میں مخلوق میں بخل کرے اور بندے کے حق کے لیے غیرت کہ اس کے احوال اور انفاس میں سے کوئی چیز حق تعالیٰ

[1] سنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب البیوع، باب المتبایعان بالخیار، جلد 5، صفحہ: 271.

کے غیر کے لیے نہ ہو۔

لہٰذا یہ کہنا جائز نہیں کہ مجھے حق تعالیٰ پر غیرت آتی ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ مجھے حق تعالیٰ کے لیے غیرت آتی ہے کیونکہ اللہ عزوجل پر غیرت جہالت ہے اور بعض اوقات یہ دین کو چھوڑنے تک لے جاتی ہے اور اللہ عزوجل کے لیے غیرت اس کے حقوق کی تعظیم اور اس کے لیے اعمال کی صفائی کو لازم کرتی ہے۔

اور یہ بات جاننا چاہئے کہ اولیاء کرام رحمہم اللہ کے ساتھ اللہ عزوجل کا طریقہ یہ ہے کہ جب وہ غیر کے ساتھ سکون حاصل کریں یا غیر اللہ کا لحاظ کریں یا دل کے ساتھ غیر اللہ کے ساتھ مشغول ہوں تو ان کی حالت کو پریشان کر دیا جاتا ہے اور اللہ عزوجل کی غیرت کی وجہ سے ان کے دلوں کو خالص اپنے لیے بنا دیتا ہے اور ان کے دلوں کو غیر کے ساتھ سکون، غیر کے لحاظ اور مشغولیت سے خالی کر دیتا ہے جس طرح حضرت آدم علیہ السلام نے جب ہمیشہ جنت میں رہنے کے لیے اپنے آپ کو آمادہ کیا تو اللہ عزوجل نے ان کو اس سے باہر نکال دیا۔

اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام پسند آئے تو آپ کو ان کے ذبح کرنے کا حکم دیا حتیٰ کہ ان کے دل سے ان کو نکال دیا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿فَلَمَّآ اَسۡلَمَا وَتَلَّهٗ لِلۡجَبِیۡنِ ۚ﴾

''تو جب ان دونوں نے ہمارے حکم پر گردن رکھی اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹایا اس وقت کا حال نہ پوچھ۔''[1]

اور ان کا باطن ان سے پاک ہو گیا تو ان کو حکم دیا کہ ان کی جگہ جانور کو بطور فدیہ ذبح کریں۔

اللہ تعالیٰ غیور ہے

حضرت محمد بن حسان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس دوران کہ میں لبنان کے پہاڑ میں چکر کاٹ رہا تھا کہ ایک نوجوان آدمی میرے پاس آیا جسے بادِ سموم اور (گرم) ہوا نے جلا دیا تھا۔ اس نے جب مجھے دیکھا تو پیٹھ پھیر کر بھاگ گیا۔ میں اس کے پیچھے چلا اور اس سے کہا کہ مجھے کچھ نصیحت کرو۔ اس نے مجھ سے کہا بچو، اللہ عزوجل بہت غیور ہے وہ اپنے بندے کے دل میں اپنے سوا کسی کو دیکھنا نہیں چاہتا۔

اہلِ غیرت کے احوال

حضرت نصرابادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ عزوجل غیور ہے اور اس کی ''غیرت'' سے یہ ہے کہ اس نے اپنی طرف جانے

[1] پارہ 23، صافات 103، ترجمہ کنزالایمان

کا کوئی دوسرا طریقہ نہیں رکھا۔

کہا گیا ہے کہ کسی نبی علیہ السلام کی طرف وحی کی گئی کہ فلاں شخص میرے پاس حاجت لایا ہے اور مجھے بھی اس کی طرف حاجت ہے۔ اگر وہ میری حاجت کو پورا کرے گا تو میں اس کی حاجت کو پورا کروں گا۔ تو اس نبی علیہ السلام نے اپنی مناجات میں کہا الٰہی! تجھے کس طرح حاجت ہو سکتی ہے؟

فرمایا: اس کے دل میں میرا غیر بس رہا ہے لہٰذا اسے چاہئے کہ وہ اپنے دل کو غیر سے پاک کرے تو میں اس کی حاجت کو پورا کر دوں گا۔

کہا گیا ہے کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں حوروں کی ایک جماعت دیکھی۔ انھوں نے ان کی طرف دیکھا تو ان کی کیفیت کئی دن تک سلب رہی پھر انھوں نے خواب میں حوروں کی ایک جماعت دیکھی تو ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: تم دلوں کو دوسری طرف مشغول کرنے والی ہو۔

کہتے ہیں کہ حضرت رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہا بیمار ہو گئیں تو ان سے پوچھا گیا آپ کی بیماری کا سبب کیا ہے؟

انھوں نے فرمایا: میں نے اپنے دل کے ساتھ جنت کو دیکھا تو اللہ عزوجل نے مجھے اس کی سزا دی۔ اسے سزا دینے کا حق ہے آئندہ میں ایسا نہیں کروں گی۔

سال میں ایک مرتبہ دعا

حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں ایک مدت تک اپنے ایک دوست کی تلاش میں تھا۔ میں ایک پہاڑ سے گزرا تو میں نے دیکھا وہاں ایک گروہ ہے جن میں اپاہج، اندھے اور بیمار ہیں۔ میں نے ان کی حالت کے بارے میں پوچھا تو لوگوں نے بتایا یہاں ایک شخص ہے جو سال میں ایک مرتبہ باہر نکلتا ہے اور ان کے لیے دعا مانگتا ہے اور یہ شفاء پاتے ہیں۔ میں نے اس کے نکلنے کا انتظار کیا حتیٰ کہ وہ نکلا اور ان کے لیے دعا کی تو ان کو شفاء حاصل ہو گئی۔ میں اس کے پیچھے ہو لیا اور اس سے چمٹ گیا اور میں نے اس سے کہا مجھے ایک باطنی بیماری ہے، اس کا علاج کیا ہے؟

اس نے جواب دیا اے سری! مجھے چھوڑ دے بے شک اللہ عزوجل غیور ہے۔ اگر اس نے تجھے کسی اور کے ساتھ سکون پکڑتے دیکھا تو تو اس کی نظروں سے گر جائے گا۔

غفلت کے ساتھ ذکر اولیاء کو پریشان کرتا ہے

حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض صوفیاء کی غیرت یہ ہے کہ جب وہ لوگوں کو غفلت کے ساتھ اللہ عزوجل کا ذکر

کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو وہ اسے دیکھ نہیں سکتے اور یہ بات ان کے لیے باعث مشقت ہوتی ہے۔

حضرت استاذ ابو علی دقاق فرماتے تھے: جب ایک دیہاتی مسجد میں داخل ہوا اور اس نے اس میں پیشاب کیا اور صحابہ کرام نے اس کو نکالنے کے لیے جلدی کی۔ یہ اس دیہاتی کی طرف سے بے ادبی تھی لیکن شرمندگی صحابہ کرام کو ہوئی اور انھوں نے جب ایک شخص کو دیکھا کہ وہ احترام ترک کر رہا ہے تو ان کو تکلیف ہوئی۔ اسی طرح بندہ جب اللہ کی بزرگی کو جان لیتا ہے تو اس پر غفلت کے ساتھ ذکر کرنے والوں کا ذکر باعث تکلیف ہوتا ہے اور ان لوگوں کی عبادت بھی اس پر شاق ہوتی ہے جو احترام کے ساتھ عبادت نہیں کرتے۔

عجیب حکایت

منقول ہے کہ حضرت ابو بکر شبلی کا ایک بیٹا جس کا نام "ابو الحسن" تھا، انتقال کر گیا تو اس کی ماں نے اس پر رونا شروع کر دیا اور اس نے اپنے بال کاٹ لیے۔ حضرت شبلی حمام میں گئے اور آپ نے اپنی داڑھی چونے کے ساتھ مونڈ ڈالی۔ اب جو شخص ان سے تعزیت کے لیے آتا تو پوچھتا اے ابو بکر! یہ کیا ہے؟

وہ فرماتے: میں نے اپنی بیوی سے موافقت کی ہے، ان میں سے کسی ایک نے پوچھا اے ابو بکر! آپ نے یہ کام کیوں کیا ہے؟ (کیونکہ میرا دل نہیں مانتا کہ آپ نے بیوی کی موافقت میں یہ کام کیا ہو)۔

انھوں نے فرمایا: مجھے معلوم تھا کہ لوگ غفلت کے ساتھ تعزیت کریں گے اور کہیں گے اللہ آپ کو اجر دے لہٰذا ان کی غفلت کا فدیہ میں نے اپنی داڑھی سے ادا کر دیا۔[1]

حضرت نوری نے ایک شخص کو اذان دیتے ہوئے سنا تو فرمایا: اللہ تجھے نیزہ مارے اور موت کا زہر دے اور ایک کتے کو بھونکتے ہوئے سنا تو (لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ) کہا (خوش آمدید کہا)۔ کسی نے ان پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ یہ تو دین کو چھوڑنا ہے کیونکہ یہ مؤمن کی شہادت پر اس طرح کہتا ہے کہ نیزہ اور موت کا زہر ہو اور کتے کے بھونکنے پر "لَبَّیْکَ" کہتا ہے۔ ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: یہ شخص غفلت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرتا ہے اور کتے کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾

"اور کوئی چیز نہیں جو اسے سراہتی ہوتی پاکی نہ بولے۔"[2]

---

[1] یعنی لوگ اللہ کی تعظیم سے غافل ہو کر مجھ سے تعزیت کریں گے، حالانکہ میں تو اللہ کے حکم پر راضی ہوں، لہٰذا میں نے سوچا کہ وہ مجھ سے تعزیت کرنے کے بجائے میری شکل کی تبدیلی پر تعزیت کریں۔ نتائج الأفکار القدسیہ، حصہ 3، صفحہ: 369، اللہ حقیقت حال بہتر جانتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[2] پارہ 15، الاسرا 44، ترجمہ کنزالایمان

ایک دفعہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے اذان دی۔ جب وہ "أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" اور "أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه" تک پہنچے تو فرمایا: اگر تو نے مجھے حکم نہ دیا ہوتا تو میں تیرے نام کے ساتھ کسی اور کا ذکر نہ کرتا۔

ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو جَلَّ اللّٰهُ (اللہ بزرگ ہے) کہتے ہوئے سنا تو اس سے فرمایا: (أُحِبُّ أَنْ تُجِلَّهُ عَنْ هٰذَا) "میں چاہتا ہوں کہ تو اللہ عزوجل کو اس سے بھی زیادہ سمجھے۔"

حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: جو شخص "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" کہتا ہے وہ دل کے اندر سے کہتا ہے اور جو شخص "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کہتا ہے وہ کان کی بالی سے کہتا ہے اور جو شخص ان الفاظ کے ظاہر کو دیکھے گا وہ یہی کہے گا کہ حضرت ابوالحسن خرقانی نے شریعت کی تحقیر کی ہے لیکن حقیقت میں یہ بات نہیں کیونکہ غیراللہ کی قدر و منزلت حق سبحانہ وتعالیٰ کی قدر و منزلت کے مقابلے میں کم ہے۔

باب
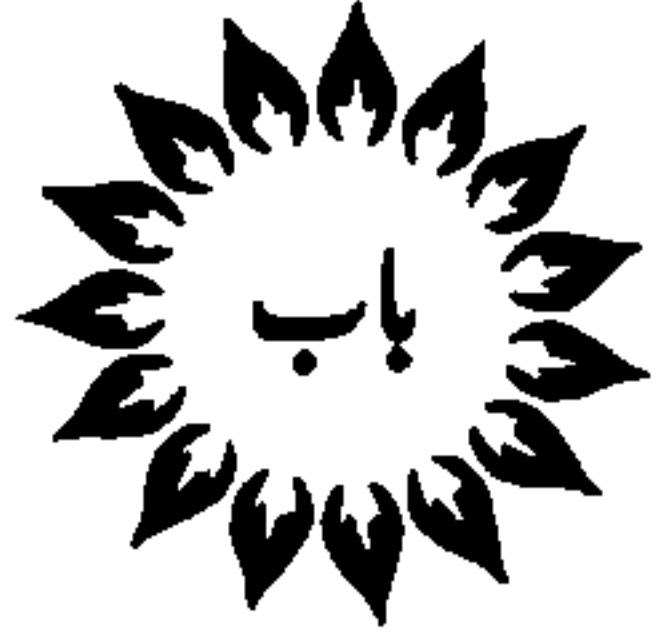
ولایت کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾

''سن لو بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ کچھ غم۔'' [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل فرماتا ہے:

((مَنْ اٰذٰى وَلِيًّا فَقَدِ اسْتَحَلَّ مُحَارَبَتِيْ وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ الْعَبْدُ بِمِثْلِ أَدَاءِ مَا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ وَمَا يَزَالُ الْعَبْدُ يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أُحِبَّهٗ وَمَا تَرَدَّدْتُ فِيْ شَيْءٍ أَنَا فَاعِلُهٗ كَتَرَدُّدِيْ فِيْ قَبْضِ رُوْحِ عَبْدِيِ الْمُؤْمِنِ لِأَنَّهٗ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَأَكْرَهُ مَاءَتَهٗ وَلَا بُدَّلَهٗ مِنْهُ))

''جس شخص نے کسی ولی کو تکلیف پہنچائی اس نے مجھ سے جنگ کرنا جائز سمجھا اور بندہ جس قدر میرے فرائض کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے کسی اور چیز کے ذریعے نہیں کرتا اور بندہ مسلسل نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں اور میں جس کام کو کرنے والا ہوتا ہوں اس میں اس قدر پس و پیش نہیں کرتا جس قدر میں اپنے مومن بندے کی روح قبض کرنے میں پس و پیش کرتا ہوں کیونکہ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اسے دکھ دینا نہیں چاہتا حالانکہ موت سے چھٹکارا نہیں۔'' [2]

ولی کے معنی

ولی کے دو معنیٰ ہیں: ان میں سے ایک ''فَعِيْلٌ'' بِمَعْنٰى ''مَفْعُوْلٌ'' ہے ''یعنی وہ شخص جس کے کاموں کا اللہ عزوجل ولی ہے۔''

---

[1] پارہ 11، یونس 62، ترجمہ کنزالایمان

[2] صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، رقم الحدیث: 6502. کچھ الفاظ کے فرق کے ساتھ۔ (ابو حنظلہ محمد اجمل عطاری)

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ ۝﴾ ''اور وہ نیکوں کو دوست رکھتا ہے۔''[1]

پس وہ اس کو ایک لحظہ کے لیے بھی اس کے نفس کے سپرد نہیں کرتا بلکہ حق سبحانہ وتعالیٰ اس کی نگرانی کرتا ہے۔

دوسرا معنیٰ ''فَاعِلٌ'' سے بطور مبالغہ ''فَعِيلٌ'' کا وزن ہے۔ یعنی وہ شخص جو اللہ عزوجل کی عبادت اور اطاعت کو اپنے ذمہ لیتا ہے اس لیے اس کی عبادت میں تسلسل ہوتا ہے درمیان میں کوئی نافرمانی حائل نہیں ہوتی۔

ولی کے اوصاف

ولی ہونے کے لیے دونوں وصف ضروری ہیں اور اس پر اللہ عزوجل کے حقوق کو مکمل طور پر ادا کرنا ضروری ہے اور اللہ عزوجل خوشی اور غم دونوں حالتوں میں اس کی حفاظت کرتا ہے۔ ولی کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ محفوظ ہو جس طرح نبی ﷺ کے لیے معصوم ہونا شرط ہے پس جس شخص پر شریعت کی رُو سے اعتراض پایا جاتا ہو اسے شیطان نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔

ولی سے ملاقات

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ایک ایسے شخص سے ملنے گئے جس کے بارے میں لوگوں میں مشہور تھا کہ وہ ولی ہے۔ جب اس کی مسجد میں پہنچے تو اس کے نکلنے کا انتظار کرنے لگے۔ اتنے میں ایک شخص باہر آیا اور اس نے مسجد میں گلا صاف کر کے بلغم پھینک دی۔ حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ واپس چلے گئے اور اسے سلام نہ کیا اور فرمایا: (هٰذَا رَجُلٌ غَيْرُ مَأْمُوْنٍ عَلٰى أَدَبٍ مِنْ اٰدَابِ الشَّرِيْعَةِ، فَكَيْفَ يَكُوْنُ أَمِيْنًا عَلٰى أَسْرَارِ الْحَقِّ؟) ''یہ شخص آدابِ شریعت میں سے کسی ایک ادب کا بھی امین نہیں تو یہ حق کے اسرار (رازوں) کا کس طرح امین ہوگا۔''

ولی کو اپنی ولایت کا علم ہوتا ہے؟

اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا ولی کو اپنی ولایت کا علم ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ بعض حضرات نے فرمایا: ولی کو اپنی ولایت کا علم نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ولی اپنے آپ کو ''إِسْتِحْقَارْ'' کی نظر سے دیکھتا ہے اور اگر اس سے کوئی کرامت ظاہر ہو جائے تو اسے ڈر ہوتا ہے کہ کہیں کوئی چال نہ ہو اس لیے وہ ہمیشہ ڈرتا رہتا ہے کہ کہیں وہ اپنے مقام سے

[1] پارہ 9، الاعراف 196، ترجمہ کنزالایمان

نہ گر جائے اور اس کا انجام اس کی حالت کے خلاف نہ ہو۔ اور یہ لوگ اس بات کو دل کی شرائط میں شمار کرتے ہیں کہ اس کا انجام اچھا ہو۔ اس سلسلے میں مشائخ کے واقعات بہت زیادہ ہیں۔ صوفیاء کرام کی ایک بڑی جماعت اسی طرف گئی ہے اگر ہم ان کے اقوال ذکر کرنے میں مشغول ہو گئے تو ہم اختصار کی حد سے نکل جائیں گے۔ اس عقیدے کے جن مشائخ سے ہماری ملاقات ہوئی ہے ان میں امام ابوبکر بن فورک رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔

ان میں سے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ولی کو اپنے ولی ہونے کا علم ہونا چاہیے اور انجام کا درست ہونا اس وقت ولایت کے ثابت ہونے کے لیے شرط نہیں ہے۔ پھر اگر یہ شرط ہو بھی تو ہو سکتا ہے اس ولی کو اس کرامت کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہو اور اللہ عزوجل نے اسے بتا دیا ہو کہ اس کا انجام محفوظ ہے کیونکہ کرامات اولیاء کے جواز کا قول واجب ہے۔ اگر اسے انجام کا خوف بھی ہو تو بھی اس وقت اسے ہیبت، تعظیم اور بزرگی حاصل ہے۔ وہ زیادہ کامل اور مضبوط ہے بے شک تھوڑی سی تعظیم اور ہیبت بھی دلوں کے لیے زیادہ خوف کے مقابلے میں زیادہ سکون کا باعث ہے۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((عَشَرَةٌ فِی الْجَنَّةِ مِنْ اَصْحَابِیْ))

''میرے صحابہ میں سے دس صحابی جنت میں جائیں گے۔''[1]

تو انھوں نے لامحالہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور اپنے انجام کی سلامتی کو پہچانا پھر بھی ان کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ نیز نبوت کی صحیح معرفت کی شرط یہ ہے کہ معجزہ کی تعریف سے آگاہ ہو اور اس میں کرامات کی حقیقت کو جاننا بھی داخل ہے۔ پس جب اس پر کرامات ظاہر ہوں تو یہ بات ممکن نہیں کہ وہ ان (کرامات) اور ان کے غیر میں امتیاز نہ کر سکے۔ جب وہ ان کرامات میں سے کوئی چیز دیکھتا ہے تو جان لیتا ہے کہ وہ اس وقت حق پر ہے۔

پھر یہ بھی جائز ہے کہ وہ اس بات کو جان لے کہ وہ مستقبل میں بھی حق پر ہوگا اور اللہ عزوجل کا اسے اس بات کی پہچان کروانا بھی اس کی کرامت ہے اور اولیاء کرام کی کرامات کا قائل ہونا صحیح عقیدہ ہے۔ اور صوفیاء کرام کے بہت سے واقعات اس بات پر دلالت کرتے ہیں جس طرح ہم کرامات اولیاء کے باب میں چند کرامات کا ذکر کریں گے، اِنْ شَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ جن بزرگوں سے ہماری ملاقات ہوئی ہے ان میں سے حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کا یہی عقیدہ تھا۔

کہا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص سے پوچھا کہ کیا تم اللہ عزوجل کے ولی بننا پسند کرتے ہو؟ اس نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: دنیا اور آخرت کی کسی چیز میں رغبت نہ رکھو اور اپنے دل کو اپنے رب عزوجل

[1] سنن ابوداؤد، کتاب السنہ، باب فی الخلفاء، رقم الحدیث: 4649، اس کا مطلب یہ نہیں کہ کوئی اور صحابی جنت میں نہیں جائے گا بلکہ مقصود ان دس صحابہ کی تخصیص ہے جیسا کہ عشرہ مبشرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ (ابو حنظلہ محمد اجمل عطاری)

کے لیے فارغ کرو اور پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ تا کہ وہ تمھاری طرف متوجہ ہو اور تمھیں اپنا دوست بنائے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ اولیاء کرام کی صفت کے بارے میں فرماتے ہیں: یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے تکالیف برداشت کرنے کے بعد اللہ عزوجل کے ساتھ اُنس کا لباس پہن لیا ہے اور انھوں نے مجاہدہ کے بعد مقام ولایت تک پہنچنے کے ذریعے راحت پالی ہے۔

حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اللہ عزوجل کے ولی اللہ عزوجل کے لیے اس طرح ہیں جس طرح دلہنیں ہوتی ہیں کہ محرم کے سوا دلہن کو کوئی دیکھ نہیں سکتا، اور یہ لوگ اللہ عزوجل کے ہاں اُنس کے پردے میں پوشیدہ رہتے ہیں ان کو دنیا اور آخرت میں کوئی نہیں دیکھ سکتا۔

قبر کی تختی کا غائب ہونا

حضرت ابوبکر صیدلانی رحمۃ اللہ ایک نیک شخص تھے۔ فرماتے ہیں: میں حضرت ابوبکر طمستانی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کی تختی درست کر رہا تھا اور ''حیرہ'' کے قبرستان میں اس (تختی) میں ان کا نام اکثر کندہ کرتا تھا۔ جب بھی اس لوح (تختی) کو نصب کیا جاتا تو وہ چوری ہو جاتی۔ دوسری قبروں میں اس قسم کا معاملہ نہ ہوتا۔ مجھے اس بات پر تعجب ہوتا تھا۔ میں نے ایک دن حضرت ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: اس شیخ نے دنیا میں اپنے آپ کو پوشیدہ رکھا اور تم ان کی قبر کو اس لوح کی درستگی کے ساتھ شہرت دینا چاہتے ہو لیکن اللہ عزوجل ان کی قبر کو مخفی رکھنے کے علاوہ کام کو نہیں چاہتا جس طرح انھوں نے اپنے نفس کو چھپائے رکھا تھا۔

ولی کے بارے ولیوں کے اقوال

حضرت نصرابادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ ولی اپنی زبان سے سوال نہیں کرتا، اس کی عاجزی اور انکساری ہی سوال ہوتا ہے۔ اور میں نے ان ہی سے سنا فرماتے ہیں: (نِهَايَاتُ الْأَوْلِيَاءِ بِدَايَاتُ الْأَنْبِيَاءِ) ''جہاں ولی کی انتہا ہوتی ہے وہاں سے انبیا کرام علیہم السلام کی ابتداء ہوتی ہے۔''

حضرت سہل بن عبداللہ ولی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (هُوَ الَّذِیْ تَوَالَتْ أَفْعَالُهُ عَلَى الْمُوَافَقَةِ) ''ولی وہ ہوتا ہے جس کے افعال لگاتار (شریعت مطہرہ کے) مطابق ہوں۔''

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ولی نہ تو دکھاوا کرتا ہے اور نہ ہی منافقت کرتا ہے۔ جس کا یہ خلق ہوگا اس کے دوست کس قدر کم ہوں گے۔

حضرت ابوعلی جوزجانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ولی اپنے حال سے ''فانی'' ہوتا ہے اور مشاہدۂ حق سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ

''باقی'' ہوتا ہے۔اس کے معاملات کی ذمہ داری اللہ عزوجل نے اپنے ذمہ کرم پر لی ہوتی ہے اور ذمہ داری کے انوار اس پر مسلسل ظاہر ہوتے ہیں۔نہ تو وہ اپنی طرف سے کوئی بات کہتا ہے اور نہ ہی اسے غیر اللہ کے ساتھ قرار حاصل ہوتا ہے۔

حضرت ابوزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگرچہ اولیاء کرام کے حصوں میں فرق ہوتا ہے مگر ان کو (اللہ عزوجل کے) چار ناموں میں سے حصہ ملتا اور ان میں سے ہر گروہ ان چار ناموں میں سے کسی ایک نام پر دارومدار رکھتا ہے۔وہ چار نام ''اَلْاَوَّلُ، اَلْآخِرُ، اَلظَّاهِرُ اور اَلْبَاطِنُ'' ہیں۔

پس جب وہ ان ناموں سے تعلق کے بعد ان سے فنا ہو جاتا ہے تو وہ پورے طور پر کامل ہوتا ہے۔اور جس ولی کو اللہ عزوجل کے نام ''اَلظَّاهِرُ'' سے حصہ ملتا ہے وہ اس کی قدرت کے عجائب کو دیکھتا ہے۔

اور جس کو اس کے اسم ''اَلْبَاطِنُ'' سے حصہ ملتا ہے تو وہ ان اسرار کو دیکھتا ہے جو اس کے دل میں جاری ہوتے ہیں اور جس کو اسم الٰہی ''اَلْاَوَّلُ'' سے حصہ ملتا ہے وہ ان انعامات کو دیکھتا ہے جو اس پر پہلے ہو چکے ہیں۔اور جس کو اس کے اسم ''اَلْآخِرُ'' سے حصہ ملتا ہے اس کا تعلق آئندہ آنے والے امور کے ساتھ ہوتا ہے اور ہر ایک کا کشف اس کی طاقت کے مطابق ہوتا ہے۔سوائے ان لوگوں کے جن پر اللہ عزوجل خود اپنے کرم سے ان کا دل بن جاتا ہے اور خود ان کی کفالت کرتا ہے۔

حضرت ابوزید رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ بات ارشاد فرمائی ہے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ عزوجل کے خاص بندے ان اقسام سے ترقی کر جاتے ہیں تو ان کو نہ انجام کی فکر ہوتی ہے اور نہ گزشتہ کی طرف توجہ ہوتی ہے اور نہ وہ حوادث کی قید میں ہوتے ہیں۔یہی حال اصحابِ حقائق کا ہوتا ہے وہ مخلوق کی صفات سے مٹ چکے ہوتے ہیں۔جیسے ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ﴾

''اور تم انھیں جاگتا سمجھو اور وہ سوتے ہیں۔''[1]

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ولی زمین میں اللہ عزوجل کا ''ریحان'' پودا ہے۔صدیقین اس کو سونگھتے ہیں تو اس کی خوشبو ان کے دلوں تک پہنچتی ہے پس وہ اپنے مولیٰ کے مشتاق ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے اخلاق کے مطابق زیادہ عبادت کرنے لگتے ہیں۔

حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ ولی کی ولایت کے دوران اس کی تربیت کس طرح کی جاتی ہے؟

تو انھوں نے فرمایا: ابتداء میں عبادت کے ساتھ، اور آخری عمر میں اپنی مہربانیوں کے ساتھ ڈھانپنے کے ذریعے،

[1] پارہ 15، الکہف 18، ترجمہ کنزالایمان

پھر اسے اپنی صفاتِ ازلیہ کی طرف منتقل کرتا ہے پھر اسے اس کے اوقات میں اپنے ساتھ قیام کی لذت چکھاتا ہے۔

ولی کی علامات

کہا گیا ہے کہ ولی کی تین علامات ہیں: ① شُغْلُهٗ بِاللّٰهِ "اللہ ﷻ کے ساتھ مشغولیت" ② فِرَارُهٗ إِلَى اللّٰهِ "اللہ ﷻ کی طرف بھاگنا" ③ هَمُّهٗ إِلَى اللّٰهِ "اللہ ﷻ ہی کی فکر۔"

ولی کی منازل

حضرت خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب اللہ ﷻ اپنے بندوں میں سے کسی بندے کو دوست بنانا چاہتا ہے تو اس کے لیے اپنے ذکر کے دروازے کھول دیتا ہے۔ جب وہ ذکر سے لذت حاصل کر لیتا ہے تو اس پر قرب کا دروازہ کھول دیتا ہے پھر اسے اپنے ساتھ اُنس کی مجالس کی طرف اٹھا لیتا ہے، پھر اسے توحید کی کرسی پر بٹھا دیتا ہے، پھر اس سے پردوں کو اُٹھا دیتا ہے اور اسے فردانیت کے گھر میں داخل کر دیتا ہے اور اس کے لیے جلال اور عظمت کو کھول دیتا ہے۔ جب اس کی نگاہ جلال و عظمت پر پڑتی ہے تو اس کی خواہشات ختم ہو جاتی ہیں۔ اب بندہ اپاہج اور فانی ہو جاتا ہے اور اللہ ﷻ کے حفظ وامان میں ہو جاتا ہے اور یوں اپنے نفس کے دعووں سے بیزار ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو تراب نخشبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(إِذَا أَلَّفَ الْقَلْبُ الْإِعْرَاضَ عَنِ اللّٰهِ صَحِبَتْهُ الْوَقِيْعَةُ فِيْ أَوْلِيَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰى)

"جب کسی شخص کا دل اللہ ﷻ سے اعراض کرنے کا عادی ہو جائے تو وہ اللہ ﷻ کے ولیوں پر نکتہ چینی شروع کر دیتا ہے۔"

ولی کو خوف، اُمید اور حزن نہیں

صوفیاء کرام فرماتے ہیں: ولی کی تعریف یہ ہے کہ اس کے لیے کوئی خوف نہیں کیونکہ خوف، آئندہ آنے والے کسی ناپسندیدہ کام کے انتظار یا آئندہ کسی محبوب چیز کے ہاتھ سے نکلنے کے انتظار کا نام ہے اور ولی اپنے وقت کا پابند ہوتا ہے اس کے لیے مستقبل کوئی چیز نہیں کہ اس سے خوف محسوس کرے۔

اور جس طرح اس کے لیے خوف نہیں اسی طرح وہ کسی چیز کی امید بھی نہیں رکھتا کیونکہ امید (رجاء) مستقبل میں حاصل ہونے والی محبوب چیز کے حصول یا ناپسندیدہ چیز کے ختم ہونے کے انتظار کا نام ہے۔ اور یہ کام دوسرے وقت میں

ہوتا ہے۔

اسی طرح ولی کے لیے غم (حزن) بھی نہیں کیونکہ حزن "دل کی سختی" کو کہتے ہیں اور جو شخص رضا کی روشنی اور موافقت کی ٹھنڈک میں ہو اس کے لیے غم کیسا؟

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ۚ﴾

"سن لو بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ کچھ غم۔"[1]

[1] پارہ 11، یونس 62، ترجمہ کنزالایمان

باب
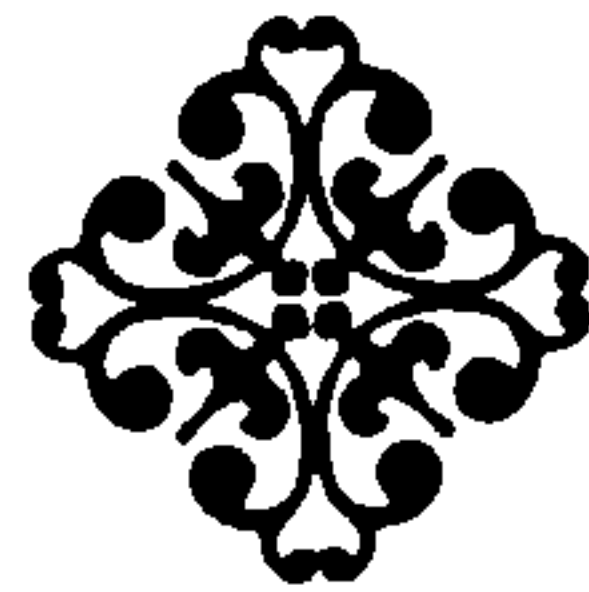
دعا کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً﴾

"اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ۔"[1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ))

"دعا، عبادت کا مغز ہے۔"[2]

دعا (قضائے) حاجت کی چابی، فاقہ مست لوگوں کے لیے سامانِ راحت، مجبوروں کے لیے جائے پناہ اور حاجت مندوں کے لیے آرام کا سبب ہے۔ جو لوگ دعا کرنا چھوڑ دیتے ہیں اللہ عزوجل نے ان کی مذمت فرمائی۔

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ﴾ "اور اپنی مٹھی بند رکھیں۔"[3]

کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہماری طرف دستِ سوال دراز نہیں کرتے۔

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ عزوجل نے مخلوق کو پیدا فرمایا اور فرمایا: (نَاجُوْنِیْ ، فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَانْظُرُوْا إِلَيَّ ، فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاسْمَعُوْا مِنِّیْ ، فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَكُوْنُوْا بِبَابِیْ ، فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأَنْزِلُوْا حَاجَاتِكُمْ بِیْ) "مجھ سے باتیں کرو اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو میری طرف دیکھو اور یہ بھی نہ ہو سکے تو مجھ سے سنو اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو میرے دروازے پر کھڑے ہو جاؤ اور یہ بھی نہ کر سکو تو میری طرف اپنی ضرورتیں لاؤ۔"

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قبولیت کے زیادہ قریب دعا، "دعائے حال" ہے اور دعائے حال یہ ہے کہ بندہ اس قدر مجبور ہو کہ جو کچھ مانگ رہا ہے اس کے سوا اسے کوئی چارہ نہ ہو۔

[1] پارہ 8، الاعراف 55، ترجمہ کنزالایمان

[2] جامع ترمذی، کتاب الدعوات، باب ماجاء فی فضل الدُّعاء، رقم الحدیث: 3371.

[3] پارہ 10، التوبہ 67، ترجمہ کنزالایمان

تیرا بیٹا گھر واپس آ چکا ہے

حضرت ابو عبداللہ مکانسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھا کہ ایک عورت ان کے پاس آئی اور کہنے لگی اللہ عزوجل سے دعا کیجیے کہ وہ میرا گمشدہ بیٹا میری طرف واپس لائے۔ انھوں نے فرمایا: جا اور صبر کر۔ وہ چلی گئی پھر واپس آئی اور وہی بات کہی۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جا اور صبر کر۔ وہ چلی گئی پھر واپس آئی اور اسی قسم کی بات کہی۔ اس نے کئی بار اسی طرح کیا اور آپ اسے فرماتے رہے صبر کر۔ اس نے آپ سے کہا میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اور اب مجھ میں صبر کی طاقت نہیں۔ آپ میرے لیے دعا کیجیے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اگر معاملہ اسی طرح ہے جس طرح تو نے کہا ہے تو جا تیرا بیٹا واپس آ چکا ہے۔ وہ چلی گئی اور اپنے بیٹے کو پا لیا پھر آپ کا شکریہ ادا کرنے واپس آئی۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟ تو انھوں نے فرمایا: ارشادِ خداوندی ہے: ﴿اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكْشِفُ السُّوْٓءَ﴾ ''یا وہ جو لاچار کی سنتا ہے جب اسے پکارے اور دور کر دیتا ہے برائی۔''[1]

دعا کرنا افضل یا خاموشی؟

اس بات میں اختلاف ہے کہ دعا کرنا افضل ہے یا خاموشی اور رضا؟ ① ان حضرات میں سے بعض نے کہا کہ دعا ذاتی طور پر عبادت ہے۔ ارشادِ نبوی ہے: ((اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ)) ''دعا، عبادت کا مغز ہے۔''[2]

اور عبادت کو عمل میں لانا اسے چھوڑنے کے مقابلے میں زیادہ بہتر ہے۔ نیز یہ اللہ عزوجل کا حق ہے اگرچہ وہ بندے کی دعا کو قبول نہ کرے اور بندے کی آرزو کو پورا نہ کرے تو بھی بندے نے اپنے رب عزوجل کا حق ادا کر دیا کیونکہ دعا بندگی کی حاجت کا اظہار ہے۔

حضرت ابو حازم اعرج رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر میں دعا سے محروم کیا جاؤں تو یہ بات مجھ پر قبولیت کی محرومی سے زیادہ سخت ہے۔ ② اور ایک گروہ کہتا ہے کہ اللہ عزوجل کے حکم کے تحت خاموش رہنا اور عاجزی کرنا زیادہ بہتر ہے اور اللہ عزوجل نے بندے کے لیے پہلے سے جو اختیار کر رکھا ہے اس پر راضی رہنا زیادہ مناسب ہے۔

اسی لیے حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جو احکام ازل سے تم پر جاری ہو چکے ہیں ان پر راضی رہنا وقت کا مقابلہ کرنے سے بہتر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

[1] پارہ 20، النمل 62، ترجمہ کنز الایمان

[2] جامع ترمذی، کتاب الدعوات، باب ماجاء فی فضل الدعاء، رقم الحدیث: 3371.

((مَنْ شَغَلَهٗ ذِكْرِیْ عَنْ مَّسْأَلَتِیْ اَعْطَیْتُهٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِی السَّآئِلِیْنَ))

”جس شخص کو میرا ذکر مجھ سے سوال کرنے سے روک رکھے میں اسے مانگنے والوں سے افضل عطا کرتا ہوں۔“[1]

③ایک جماعت کہتی ہے کہ بندے کو زبان کے ساتھ دعا والا اور دل کے ساتھ رضا والا ہونا چاہئے تاکہ اس کا دونوں پر عمل ہو۔ ④ سب سے بہتر بات یہ ہے کہ اوقات مختلف ہیں۔ بعض اوقات (رضا پر) خاموشی کے مقابلے میں دعا افضل ہے اور یہی صحیح ادب ہے۔ اور بعض اوقات دعا کے مقابلے میں (رضا پر) سکوت، دعا سے افضل ہوتا ہے اور یہی ادب ہے اور یہ بات خاص اسی وقت معلوم ہوتی ہے کیونکہ خاص وقت کا علم اسی وقت میں حاصل ہوتا ہے۔ پس جب اس کے دل میں دعا کی طرف اشارہ ہو تو اس وقت دعا زیادہ بہتر ہے۔ اور جب خاموشی کا ارادہ ہو تو اس کے لیے خاموشی زیادہ بہتر ہے۔

اس طرح یہ کہنا بھی درست ہے کہ بندے کو چاہئے کہ وہ دعا کے وقت اپنے رب ﷻ کے مشاہدہ سے غافل نہ ہو پھر اپنی حالت کی رعایت بھی واجب ہے۔ اور اگر وہ دعا کی وجہ سے اپنے وقت میں زیادہ کشادگی پائے تو اس کے لیے دعا زیادہ بہتر ہے اور اگر دعا کرتے وقت اس کا دل اسے جھڑکے اور اس میں تنگی پیدا ہو تو اس وقت دعا کو چھوڑ دینا زیادہ مناسب ہے۔ اور اگر اپنے دل میں زیادہ کشادگی اور جھڑک نہ پائے تو دعا کرنا اور اسے چھوڑ دینا دونوں برابر ہیں۔ اور اگر اس وقت اس پر علم غالب ہو تو دعا زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ عبادت ہے اور اس وقت اس پر معرفت، حال اور سکوت غالب ہو تو سکوت (خاموشی) زیادہ بہتر ہے۔

یہ بات کہنا بھی درست ہے کہ جب اس میں مسلمانوں کا حق یا اللہ ﷻ کا حق ہو تو دعا زیادہ بہتر ہے اور اگر اس میں تمہارے نفس کا حصہ ہو تو خاموشی زیادہ بہتر ہے۔ ایک حدیث شریف میں مروی ہے:

((اِنَّ الْعَبْدَ یَدْعُو اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ وَهُوَ یُحِبُّهٗ، فَیَقُوْلُ: یَاجِبْرِیْلُ أَخِّرْ حَاجَةَ عَبْدِیْ فَاِنِّیْ أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَ صَوْتَهٗ، وَاِنَّ الْعَبْدَ لَیَدْعُو اللّٰهَ وَهُوَ یُبْغِضُهٗ فَیَقُوْلُ: یَا جِبْرِیْلُ، اِقْضِ لِعَبْدِیْ حَاجَتَهٗ فَاِنِّیْ أَكْرَهُ أَنْ أَسْمَعَ صَوْتَهٗ))

”بے شک بندہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا مانگتا ہے اور وہ اس کو پسند کرتا ہے تو فرماتا ہے: اے جبریل ﷤! میرے بندے کی حاجت کو روک لو میں اس کی آواز کو پسند کرتا ہوں اور بے شک بندہ اللہ ﷻ سے دعا مانگتا ہے اور اللہ ﷻ اس بندے کو ناپسند کرتا ہے، تو فرماتا ہے: اے جبریل! میرے بندے کی حاجت کو پورا کردو میں اس کی آواز کو ناپسند کرتا ہوں۔“[2]

---

[1] جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب 25، رقم الحدیث: 2926.

[2] تاریخ دمشق، جلد 8، صفحہ: 244.

حضرت یحییٰ بن سعید قطان رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انھوں نے خواب میں حق سبحانہ وتعالیٰ کو دیکھا تو کہا: (اِلٰهِیْ! کَمْ أَدْعُوْكَ فَلَا تُجِیْبُنِیْ) ''الٰہی! میں تجھ سے کتنی بار دعا کر چکا ہوں اور تو نے میری دعا کو قبول نہیں کیا؟''

تو اللہ عزوجل نے فرمایا: (یَا یَحْیٰی، لِأَنِّیْ أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَ صَوْتَكَ) ''اے یحییٰ میں تیری آواز کو پسند کرتا ہوں۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ، إِنَّ الْعَبْدَ لَیَدْعُو اللّٰهَ تَعَالٰی وَهُوَ عَلَیْهِ غَضْبَانُ فَیُعْرِضُ عَنْهُ، ثُمَّ یَدْعُوْهُ، فَیُعْرِضُ عَنْهُ، ثُمَّ یَدْعُوْهُ، فَیَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی لِمَلَآئِكَتِهٖ: اَبٰی عَبْدِیْ أَنْ یَّدْعُوَ غَیْرِیْ فَقَدِ اسْتَجَبْتُ لَهٗ))

''اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، بے شک بندہ اللہ عزوجل کو پکارتا ہے اور وہ اس پر غضب ناک ہوتا ہے تو اس کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ پھر وہ اس سے دعا کرتا ہے تو وہ اعراض فرماتا ہے۔ پھر وہ دعا مانگتا ہے تو اللہ عزوجل اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے میرے بندے نے میرے غیر سے دعا مانگنے سے انکار کر دیا تو میں نے اس کی دعا قبول کر لی ہے۔''[1]

یہ دعاء مانگو مصیبت ٹل جائے گی

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص شام کے علاقہ سے مدینہ طیبہ کی طرف اور مدینہ طیبہ سے شام کے شہروں کی طرف تجارت کے لیے جاتا تھا اور وہ اللہ عزوجل پر توکل کرتے ہوئے قافلوں کے ساتھ نہیں جاتا تھا۔ اس دوران کہ وہ شام سے مدینہ طیبہ کے ارادے سے جا رہا تھا، گھوڑے پر سوار ایک چور اس کے سامنے آیا اور اس نے چلّا کر تاجر سے کہا کہ ٹھہر جاؤ۔ تاجر اس کے لیے رک گیا اور اس نے اس سے کہا تم میرا مال لے لو اور میرا راستہ چھوڑ دو۔

چور نے اس سے کہا مال تو میرا ہے میں تو تیری جان کے درپے ہوں۔ تاجر نے اس سے کہا تم میرے نفس کا کیا کرو گے۔ مال جانے اور تم، لیکن میری جان چھوڑ دو۔

فرماتے ہیں: چور نے دوبارہ پہلے والی بات کہی تو تاجر نے اس سے کہا مجھے مہلت دو حتیٰ کہ میں وضو کر کے نماز پڑھوں اور اپنے رب عزوجل سے دعا مانگوں۔

اس نے کہا جو چاہو کرو، پس تاجر کھڑا ہوا اور اس نے چار (4) رکعات پڑھیں پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور

[1] حلیۃ الاولیاء، جلد 6، صفحہ: 208.

اپنی دعا میں کہنے لگا:

(يَاوَدُوْدُ يَاوَدُوْدُ يَا ذَا الْعَرْشِ الْمَجِيْدِ يَا مُبْدِئُ يَا مُعِيْدُ يَافَعَّالٌ لِمَا يُرِيْدُ أَسْأَلُكَ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِي مَلَأَ أَرْكَانَ عَرْشِكَ وَأَسْأَلُكَ بِقُدْرَتِكَ الَّتِيْ قَدَرْتَ بِهَا عَلٰى خَلْقِكَ وَبِرَحْمَتِكَ الَّتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ يَا مُغِيْثُ أَغِثْنِيْ)

''اے بہت محبت کرنے والے! اے بہت محبت کرنے والے! اے بزرگی والے عرش کے مالک! اے ابتداءً پیدا کرنے والے اور اے لوٹانے والے! اے اپنے ارادے کو عمل میں لانے والے! میں تیری ذات کے نور کے وسیلہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں جس نور نے تیرے عرش کے ارکان (پایوں) کو بھر دیا اور تیری اس قدرت کے وسیلہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں جس کے ساتھ تو اپنی مخلوق پر قادر ہے اور تیری اس رحمت کے وسیلہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں جو ہر چیز کو شامل ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ اے مدد کرنے والے میری مدد فرما۔'' (تین بار دعا مانگی)۔

جب وہ شخص دعا سے فارغ ہوا تو وہاں سیاہ اور سفید رنگ کے گھوڑے پر سوار ایک گھڑ سوار تھا جس نے سبز کپڑے پہنے ہوئے تھے اس کے ہاتھ میں ایک نورانی نیزہ تھا۔ جب چور نے اسے دیکھا تو تاجر کو چھوڑ کر گھڑ سوار کی طرف چل پڑا۔ جب وہ اس کے قریب گیا تو سوار نے چور پر حملہ کر دیا اور اسے ایسا نیزہ مارا کہ اس کو گھوڑے سے گرا دیا۔ پھر تاجر کے پاس آیا اور کہنے لگا: (قُمْ فَاقْتُلْهُ) اُٹھو اور اس کو قتل کرو۔

تاجر نے اس سے پوچھا: تم کون ہو؟ میں نے کبھی کسی کو قتل نہیں کیا اور نہ ہی میرا دل اسے قتل کرنے کو پسند کرتا ہے۔

فرماتے ہیں: پھر وہ شخص چور کی طرف مڑا اور اسے قتل کر دیا پھر تاجر کے پاس آیا اور کہا: جان لو! میں تیسرے آسمان کا فرشتہ ہوں جب تم نے پہلی بار دعا مانگی تو ہم نے آسمانوں کے (دروازے) کڑکڑانے کی آواز سنی تو ہم نے کہا کوئی حادثہ واقع ہوا ہے۔ پھر تم نے دوسری بار دعا مانگی تو آسمان کے دروازے کھل گئے اور وہ آگ کے شعلوں کی طرح تھا۔ پھر تم نے تیسری بار دعا کی تو حضرت جبریل علیہ السلام آسمان سے اتر کر ہماری طرف آئے اور وہ فرما رہے تھے کون اس مصیبت زدہ کی مدد کرے گا۔ (فرشتہ کہنے لگا) میں نے اپنے رب عزوجل سے دعا کی کہ مجھے اس کو قتل کرنے کی ذمہ داری سونپ دے۔

اور اے اللہ عزوجل کے بندے! جان لو کہ جو شخص بھی کسی مصیبت، سختی یا کسی آنے والی پریشانی میں یہ دعا مانگے جو تم نے مانگی ہے تو اللہ عزوجل اس مصیبت کو دور کر دے گا اور اس کی مدد کرے گا۔

چنانچہ وہ تاجر صحیح سلامت آیا اور مدینہ طیبہ میں داخل ہوا۔ پھر وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ عرض کیا یا اس دعا کے بارے میں بتایا تو نبی اکرم ﷺ نے اس سے فرمایا:

((لَقَدْ لَقَّنَكَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ أَسْمَآءَهُ الْحُسْنَى الَّتِىْ إِذَا دُعِىَ بِهَا أَجَابَ وَإِذَا سُئِلَ بِهَا أَعْطٰى))

''اللہ ﷻ نے تجھے وہ اسمائے حسنہ تلقین فرمائے ہیں کہ جب ان کے ساتھ دعا مانگی جائے تو اللہ ﷻ قبول فرماتا ہے اور جب ان کے ذریعے کچھ مانگا جائے تو عطا کرتا ہے۔''[1]

دعاء کے آداب میں سے یہ بات ہے کہ دل حاضر ہو اور وہ غافل نہ ہو۔ نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَا يَسْتَجِيْبُ دُعَاءَ عَبْدٍ مِنْ قَلْبٍ لَاهٍ))

''بے شک اللہ ﷻ غافل دل سے دعا کرنے والے بندے کی دعا کو قبول نہیں کرتا۔''[2]

اور دعا کی شرائط میں سے ہے کہ اس کا کھانا حلال سے ہو۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((أَطِبْ كَسْبَكَ تُسْتَجَبْ دَعْوَتُكَ))

''اپنی کمائی پاک رکھو تمھاری دعا قبول ہوگی۔''[3]

کہا گیا ہے کہ دعا حاجت کی چابی ہے اور اس کے دندانے حلال لقمے ہیں۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے: (اِلٰهِىْ كَيْفَ أَدْعُوْكَ وَأَنَا عَاصٍ؟ وَكَيْفَ لَا أَدْعُوْكَ وَأَنْتَ كَرِيْمٌ؟) ''الٰہی! میں تجھ سے کس طرح دعا مانگوں میں تو گناہ گار ہوں اور کیسے تجھ سے دعا نہ مانگوں تُو تو کریم ہے۔''

دعا کی قبولیت کا نسخہ

کہا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو گڑگڑا کر دعا مانگ رہا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے معبود! اگر اس کی حاجت میرے اختیار میں ہوتی تو میں اسے پورا کر دیتا۔ تو اللہ ﷻ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ میں اس پر آپ سے زیادہ رحم کرنے والا ہوں لیکن یہ مجھ سے اس حالت میں دعا کرتا ہے کہ اس کا دل اس کی بکریوں میں ہے اور میں بندے کی دعا قبول نہیں کرتا جب وہ مجھ سے اس حالت میں دعا مانگے کہ اس کا دل میرے سوا کسی اور کے پاس ہو۔

[1] جامع ترمذی، کتاب الدعوات، باب نمبر 64، رقم الحدیث: 3475.

[2] جامع ترمذی، کتاب الدعوات، باب نمبر: 66، رقم الحدیث: 3479.

[3] جامع الکبیر، المخطوط الجزء الثانی، بحوالہ اطراف الحدیث، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر: 474.

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بات اس شخص سے کہی تو اس نے خالص اللہ عزوجل کی طرف متوجہ ہو کر دعا کی چنانچہ اس کی حاجت قبول کی گئی۔

حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ کیا وجہ ہے ہم دعا مانگتے ہیں اور ہماری دعا قبول نہیں ہوتی؟ فرمایا: اس لیے کہ تم اس ذات کو پکارتے ہو جس کو تم جانتے نہیں۔

بیماری سے شفاء مل گئی

استاذ ابو علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: یعقوب بن لیث (بادشاہ) ایک ایسی بیماری کا شکار ہوا کہ طبیب اس کے علاج سے عاجز آ گئے۔ انھوں نے اس سے کہا تمھاری حکومت میں ایک نیک شخص ہے جس کا نام ''سہل بن عبداللہ'' ہے۔ اگر وہ تمھارے لیے دعا کرے تو امید ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کی دعا کو قبول کرے گا۔ وہ حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا اور کہا کہ اللہ عزوجل سے میرے لیے دعا کیجیے۔

حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تیرے بارے میں میری دعا کیسے قبول ہوگی جب کہ تمھارے قید خانے میں مظلوم لوگ ہیں۔ اس نے اپنے قید خانے کے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا۔ حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ نے دعا مانگی اے اللہ! جس طرح تو نے اس کو گناہ کی ذلت دکھائی ہے، اطاعت کی عزت بھی دکھا اور اس کی تکلیف کو دور کر دے۔ پس اسے عافیت حاصل ہو گئی۔ اس نے حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مال پیش کیا تو انھوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

ان سے کہا گیا اگر آپ یہ مال لے کر فقراء کو دے دیتے (تو اچھا تھا)۔ (یہ سن کر) انھوں نے صحراء میں پڑی کنکریوں کی طرف دیکھا تو وہ جواہر تھے۔ انھوں نے اپنے مریدین سے کہا کہ جس شخص کو اس قسم کی عطا حاصل ہو وہ ''یعقوب بن لیث'' کے مال کا محتاج ہوگا؟

بوڑھا بے خبر اور عورت باخبر ہے

کہا گیا ہے کہ حضرت صالح مری رحمۃ اللہ علیہ اکثر کہا کرتے تھے: جو شخص دروازہ کھٹکھٹانے کی عادت بنا لے قریب ہے کہ اس کے لیے دروازہ کھولا جائے۔ یہ سن کر حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے ان سے کہا آپ کب تک یہ بات کہتے رہیں گے؟ یہ دروازہ بند کب ہوا ہے کہ اسے کھلوایا جائے۔ حضرت صالح رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''بوڑھا بے خبر ہے اور ایک عورت باخبر ہے۔''

جو بہتر ہے عطا فرما دے

حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حاضر ہوا تو ایک شخص نے اُٹھ کر کہا

اے ابو محفوظ! اللہ عزوجل سے دعا کریں کہ وہ میری تھیلی مجھے لوٹا دے۔ وہ چوری ہو گئی ہے اور اس میں ایک ہزار (1000) دینار ہیں۔ وہ خاموش رہے۔ اس نے دوبارہ وہی بات کہی۔ آپ پھر خاموش رہے۔ اس نے اپنا سوال دہرایا تو حضرت معروف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں کیا کہوں؟

کیا یہ کہوں کہ جو چیز تو نے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام اور منتخب بندوں سے دور رکھی ہے وہ اس شخص کی طرف لوٹا دے۔

اس پر اس شخص نے کہا آپ میرے لیے دعا کریں۔ انھوں نے دعا مانگی یا اللہ! جو کچھ اس کے لیے بہتر ہے، اسے عطا کر دے۔

بینائی واپس کیسے آ گئی؟

حضرت لیث رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے فرماتے ہیں: میں نے حضرت عقبہ بن نافع رحمۃ اللہ علیہ کو نابینا دیکھا۔ پھر میں نے دیکھا کہ ان کی بینائی ٹھیک ہے۔ میں نے ان سے پوچھا: آپ کی بینائی کس طرح واپس آئی ہے؟

انھوں نے فرمایا کہ کوئی شخص خواب میں میرے پاس آیا تو کہا گیا کہو:

(يَاقَرِيْبُ يَامُجِيْبُ يَاسَمِيْعُ الدُّعَاءِ يَالَطِيْفًا لِّمَا يَشَآءُ، رُدَّ عَلَيَّ بَصَرِيْ)

"اے قریب! اے دعا کو قبول کرنے والے! اے دعا کو سننے والے اور وہ ذات جو جسے چاہے اس پر مہربانی کرنے والا ہے میری بینائی مجھے لوٹا دے۔"

فرماتے ہیں میں نے یہ کلمات کہے تو اللہ عزوجل نے میری بینائی میری طرف لوٹا دی۔

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے جب میں ابتداء میں "مرو" سے نیشاپور کی طرف لوٹا تو میری آنکھوں میں تکلیف تھی اور مجھے ایک عرصہ سے نیند نہیں آ رہی تھی۔ ایک صبح میری آنکھ لگ گئی تو میں نے ایک کہنے والے کو سنا وہ کہہ رہا تھا:

﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ﴾ "کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں۔"[1]

جب بیدار ہوا تو تکلیف غائب تھی اور اسی وقت درد چلا گیا تھا اور اس کے بعد کبھی آنکھ میں درد نہیں ہوا۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ پر کرم

حضرت محمد بن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو میں "اسکندریہ" میں تھا۔ مجھے ان کی وفات کا غم ہوا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ وہ مٹک مٹک کر چل رہے ہیں۔

[1] پارہ 24، الزمر 36، ترجمہ کنزالایمان

میں نے کہا اے ابوعبداللہ! یہ کیسی چال ہے؟

انھوں نے فرمایا: جنت میں خادموں کی چال ہے۔

میں نے پوچھا اللہ ﷻ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

فرمایا: اللہ ﷻ نے مجھے بخش دیا، مجھے تاج پہنایا اور سونے کے جوتے پہنائے اور فرمایا: یہ (اعزاز) اس کا بدلہ ہے جو تم نے کہا کہ قرآن مجید اللہ ﷻ کا کلام ہے۔

پھر فرمایا: اے احمد! مجھے ان دعاؤں کے ذریعے پکارو جو آپ کو حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے پہنچی ہیں اور آپ دنیا میں ان دعاؤں کو پڑھا کرتے تھے۔ میں نے کہا: اے ہر چیز کے رب ﷻ! ہر چیز پر تیری قدرت کی قسم! میرے تمام گناہوں کو بخش دے اور مجھ سے کسی بات کا سوال نہ کرنا۔

اللہ ﷻ نے فرمایا: اے احمد! یہ جنت ہے اس میں داخل ہو جا پس میں داخل ہو گیا۔

یہ نوجوان دوزخ سے آزاد ہے

کہا گیا ہے کہ ایک نوجوان کعبہ شریف کے پردوں کے ساتھ لٹک گیا اور کہا الٰہی! تیرا کوئی شریک نہیں جسے لایا جائے اور تیرا کوئی وزیر نہیں جسے ہم رشوت دے سکیں۔ اگر میں تیری اطاعت کروں تو یہ تیرے فضل کی وجہ سے ہے اور تیرے لیے ہی تعریف ہے اور اگر میں تیری نافرمانی کروں تو یہ میری جہالت کی وجہ سے ہے اور تیری حجت مجھ پر قائم ہے تیری اس حجت کی قسم! جو مجھ پر ہے اور میری اس حجت کی قسم! جو تیرے ہاں منقطع ہو چکی ہے تو مجھے بخش دے۔ پس اس نے ہاتف (غیب کی آواز دینے والے) سے سنا وہ کہہ رہا تھا یہ نوجوان دوزخ سے آزاد ہے۔

دعا کے بارے اقوال

کہا گیا ہے کہ دعا کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ ﷻ کے سامنے اپنی حاجت کا اظہار کیا جاتا ہے ورنہ اللہ ﷻ جو چاہتا ہے، کرتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ عام لوگوں کی دعا ''الفاظ'' کے ذریعے، زاہد لوگوں کی دعا ''افعال'' کے ذریعے اور عارفین کی دعا ''احوال'' کے ذریعے ہوتی ہے۔

کہا گیا ہے کہ بہترین ''دعا'' وہ ہے جو غموں کی وجہ سے مجبور ہو کر کی جائے۔

بعض صوفیاء کرام نے فرمایا کہ جب تم اپنی حاجت کا سوال کرو اور اللہ ﷻ اسے آسان کر دے تو اس کے بعد اللہ ﷻ سے جنت کا سوال کرو شاید یہ تمھاری قبولیت کا دن ہو۔

کہا گیا ہے کہ ''مُبْتَدِئِینْ'' کی زبانیں دعا کے ساتھ چلتی ہیں اور ''مُتَحَقِّقِینْ'' کی زبانیں دعا سے گنگ ہو

جاتی ہیں۔

حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ دعا فرمائیں تو انھوں نے فرمایا: مجھے ڈر لگتا ہے کہ اگر میں دعا کروں تو مجھے کہا جائے اگر تو نے ہم سے اس چیز کا سوال کیا جو تیرے لیے ہمارے پاس ہے تو تو نے ہم پر تہمت لگائی (کہ شاید ہم تجھے نہیں دیں گے) اور اگر تو نے اس چیز کا سوال کیا جو تمھارے لیے ہمارے پاس نہیں ہے تو تو نے ہماری بری تعریف کی اور اگر تم ہماری رضا پر راضی رہو تو ہم تمھارے لیے وہ باتیں جاری کر دیں گے جن کے ذریعے ہم ایک عرصہ تک تمھاری حاجتیں پوری کرتے رہیں گے۔

حضرت عبداللہ بن منازل رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے انھوں نے فرمایا: میں نے پچاس (50) سال سے کوئی "دعا" نہیں کی اور میرا یہ ارادہ بھی نہیں کہ کوئی شخص میرے لیے "دعا" کرے۔

کہا گیا کہ "دعا" گناہ گاروں کی سیڑھی ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ باہمی پیغام رسانی ہے جب تک یہ مراسلت قائم رہے معاملہ ٹھیک ٹھاک رہتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ: (لِسَانُ الْمُذْنِبِيْنَ دُعَآؤُهُمْ) "گناہ گاروں کی زبان ان کی "دعا" ہوتی ہے۔"

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: جب گناہ گار روتا ہے تو یوں سمجھو کہ اس نے اپنے رب عزوجل کو اپنا پیغام پہنچایا۔ اسی سلسلے میں کہا گیا ہے:

دُمُوْعُ الْفَتٰى عَمَّا يَجِنُّ تُتَرْجِمُ
وَأَنْفَاسُهٗ يُبْدِيْنَ مَا الْقَلْبُ يَكْتُمُ

* انسان کے آنسو اس کے دل کی ترجمانی کرتے ہیں اور اس کے سانس دل کے راز ظاہر کرتے ہیں۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ "دعا" گناہوں کو چھوڑنا ہے۔

کہا گیا ہے کہ "دعا" محبوب کی طرف اشتیاق کی ترجمانی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ "دعا" کرنے کی اجازت دینا بندے کے لیے عطاء سے بہتر ہے۔

حضرت کتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ عزوجل مومن کی زبان معذرت کے لیے کھول دیتا ہے تو صرف اس لیے کہ اس کے لیے مغفرت کا دروازہ کھول دے۔

کہا گیا ہے کہ "دعا" بندے کے لیے اللہ عزوجل کے در پر حاضری کا سبب بنتی ہے۔ عطاء اس در سے واپس جانے کا (سبب ہے) اور اللہ عزوجل کے در پر کھڑا رہنا "جزا" حاصل کر کے واپس جانے سے افضل ہے۔

کہا گیا ہے کہ "دعا" حیاء کی زبان کے ساتھ اللہ عزوجل کے سامنے آنے کا نام ہے۔

کہا گیا ہے کہ "دعا" کی شرط یہ ہے کہ بندہ اللہ ﷻ کے فیصلے پر راضی رہے۔ نیز کہا گیا ہے کہ تو اپنی "دعا" کی قبولیت کا انتظار کیسے کرتا ہے جبکہ تو نے گناہ کے سبب اس کا راستہ بند کر دیا ہے؟

کسی شخص نے کسی درویش سے کہا کہ میرے لیے دعا کریں۔ اس نے جواب دیا (اپنے اور اپنے رب ﷻ کے درمیان پائی جانے والی) اجنبیت کی وجہ سے کوئی وسیلہ اختیار کرو۔

تمھیں قید کرنا ممکن نہیں

ایک عورت حضرت تقی بن مخلد رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ میرے بیٹے کو رومیوں نے قید کر لیا ہے اور میرے پاس ایک چھوٹے سے گھر کے علاوہ کوئی مال نہیں اور میں اسے فروخت نہیں کر سکتی۔ اگر آپ کسی کو حکم دیں کہ وہ اس کا فدیہ ادا کر دے (تو مناسب ہوگا) کیونکہ میرے لیے دن ہے نہ رات، نیند ہے نہ قرار۔ انھوں نے فرمایا: ٹھیک ہے تم واپس جاؤ حتیٰ کہ میں اس کے معاملے میں غور کروں۔

حضرت شیخ نے سر جھکا کر اپنے ہونٹوں کو حرکت دی۔ کچھ عرصہ بعد وہ عورت اپنے بیٹے کو لے کر حاضر ہوئی اور آپ کو دعائیں دینے لگی اور اس نے کہا یہ صحیح سلامت واپس آیا ہے اور اس کا ایک واقعہ ہے جو آپ سے بیان کرے گا۔

اس نوجوان نے کہا میں قیدیوں کی ایک جماعت کے ساتھ روم کے ایک بادشاہ کے قبضہ میں تھا اور اس کا ایک آدمی ہماری خدمت پر مامور تھا۔ وہ ہمیں کام کے لیے صحرا میں لے جاتا اور ہمیں بیڑیوں کے ساتھ ہی واپس لے آتا۔

ایک دن ہم مغرب کے بعد کام سے اس شخص کے ساتھ واپس آئے جو ہماری حفاظت کرتا تھا تو میرے پاؤں سے بیڑی کھل کر زمین پر گر پڑی۔ اس نے وہ دن، رات اور گھڑی بھی بتائی تو وہ وہی وقت تھا جب وہ عورت اُن کے پاس آئی تھی اور حضرت شیخ نے دعا فرمائی تھی۔ اس نے کہا کہ محافظ میری طرف آیا اور اس نے مجھ سے کہا کہ تو نے یہ بیڑی توڑی ہے؟

میں نے کہا نہیں یہ تو میرے پاؤں سے گری ہے۔ اس نے کہا محافظ کو اس پر حیرانگی ہوئی اور اس نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور انھوں نے لوہار کو بلا کر مجھے بیڑی پہنائی۔ جب میں چند قدم چلا تو بیڑی میرے پاؤں سے گر پڑی۔ ان لوگوں کو میرے معاملے میں حیرانی ہوئی چنانچہ انھوں نے اپنے راہبوں کو بلایا تو انھوں نے پوچھا تمھاری والدہ (زندہ) ہے۔

میں نے کہا ہاں!

انھوں نے کہا اس کی دعا قبول ہوئی ہے اور اللہ ﷻ نے تمھیں آزاد کر دیا ہے پس ہمارے لیے تمھیں قید کرنا ممکن نہیں۔ پھر انھوں نے مجھے زادِ راہ دیا اور ایک آدمی میرے ساتھ بھیجا جس نے مجھے مسلمانوں کے علاقے تک پہنچا دیا۔

باب

فقر کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ز يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ج تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ ج لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ع ۝﴾

''ان فقیروں کے لیے جو راہ خدا میں روکے گئے زمین میں چل نہیں سکتے نادان انھیں تونگر سمجھے بچنے کے سبب تو انھیں ان کی صورت سے پہچان لے گا لوگوں سے سوال نہیں کرتے کہ گڑگڑانا پڑے اور تم جو خیرات کرو اللہ اسے جانتا ہے۔''[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((يَدْخُلُ الْفُقَرَاءُ الْجَنَّةَ قَبْلَ الْأَغْنِيَاءِ بِخَمْسِ مِائَةِ عَامٍ نِصْفَ يَوْمٍ))

''فقراء مال دار لوگوں سے پانچ سو سال (یعنی قیامت کا) نصف دن پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔''[2]

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ الْمِسْكِيْنَ لَيْسَ بِالطَّوَّافِ الَّذِيْ تَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ قَالَ فَقِيْلَ مَنِ الْمِسْكِيْنُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ الَّذِيْ لَا يَجِدُ مَا يُغْنِيْهِ وَيَسْتَحْيِ أَنْ يَّسْأَلَ النَّاسَ وَلَا يُفْطَنُ لَهٗ فَيَتَصَدَّقُ عَلَيْهِ))

''مسکین وہ نہیں جو بہت چکر لگاتا ہے جس کو ایک یا دو لقمے یا ایک اور دو کھجوریں واپس کر دیتی ہیں۔''[3]

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ! مسکین کون ہے؟

---

[1] پارہ 3، البقرہ 273، ترجمہ کنزالایمان

[2] جامع ترمذی، کتاب الزهد، باب 37، رقم الحدیث: 2353، سنن ابن ماجه، کتاب الزهد، باب منزلة الفقراء، رقم الحدیث: 4122.

[3] صحیح بخاری، کتاب الزکاة، باب 53، رقم الحدیث: 1479، مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص جس کے پاس اس قدر نہ ہو جو اس کو بے نیاز کر دے اور وہ لوگوں سے سوال کرنے سے حیا کرے اور اس کے بارے میں معلوم بھی نہ ہو سکے تا کہ اسے صدقہ دیا جائے۔

حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لوگوں سے مانگنے سے حیاء کا مطلب یہ ہے کہ اسے اللہ عزوجل سے حیا آتی ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے، یہ مطلب نہیں کہ وہ لوگوں سے حیاء کرتا ہے۔ فقر، اولیاء کرام کا نشان اور منتخب لوگوں کا زیور ہے اور حق تعالیٰ نے اسے اپنے خاص متقی لوگوں اور انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے پسند فرمایا ہے۔

فقراء کے فضائل

فقراء، اللہ عزوجل کے بندوں میں سے چنے ہوئے لوگ ہوتے ہیں اور اس کی مخلوق کے درمیان اسرار و رموز کا محل ہوتے ہیں۔ اللہ عزوجل ان کی وجہ سے مخلوق کی حفاظت فرماتا ہے اور ان کی برکتوں کے باعث ان پر رزق کشادہ کرتا ہے۔ فقراء وہ صبر کرنے والے لوگ ہیں جو قیامت کے دن اللہ عزوجل کے ہم نشیں ہوں گے۔

حدیث شریف میں نبی اکرم ﷺ سے اسی طرح مروی ہے: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لِكُلِّ شَيْءٍ مِفْتَاحٌ وَمِفْتَاحُ الْجَنَّةِ حُبُّ الْمَسَاكِيْنِ وَالْفُقَرَاءِ الصُّبُرِهُمْ جُلَسَاءُ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

''ہر چیز کی چابی ہے اور جنت کی چابی مسکین لوگوں سے محبت کرنا ہے اور صبر کرنے والے ''فقراء'' قیامت کے دن اللہ عزوجل کے ہم نشیں ہوں گے۔'' [1]

کہا گیا کہ ایک شخص حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دس ہزار (10,000) درہم لے کر آیا تو آپ نے اس سے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اس سے فرمایا: تم چاہتے ہو کہ دس ہزار (10,000) درہموں کی وجہ سے میرا نام ''فقراء'' کے رجسٹر سے مٹا دیا جائے، میں ایسا نہیں کروں گا۔

حضرت معاذ نسفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لوگ جو عمل بھی کریں اللہ عزوجل ان کو ہلاک نہیں کرتا جب تک وہ ''فقراء'' کی توہین نہ کریں اور ان کو ذلیل نہ کریں۔

کہا گیا ہے کہ اللہ عزوجل کے ہاں فقراء کی فضیلت کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ مسلمانوں کے رزق میں کشادگی اور ان کے لیے نرخ میں کمی چاہتے ہیں کیونکہ فقیر کو خریدنے کی ضرورت ہوتی ہے اور مال دار کو فروخت کرنے کی حاجت

[1] فردوس الاخبار، جلد 2، رقم الحدیث: 5028.

ہوتی ہے۔ یہ تو عام فقراء کی بات ہے ان کے خاص لوگوں کی عظمت کس قدر ہوگی۔

فقر کے بارے اقوال

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ سے فقراء کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: اس کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ صرف اللہ عزوجل کے ساتھ مال داری حاصل کرے اور اس کی تعریف یہ ہے کہ دنیوی اسباب پر اعتماد نہ کرے۔

حضرت ابراہیم قصار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: فقر ایک لباس ہے جب بندہ اس میں حقیقتاً داخل ہو جائے تو اس سے رضا پیدا ہوتی ہے۔

394ھ میں حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک فقیر زوزن[1] مقام سے آیا جس نے ٹاٹ کی قمیص اور ٹاٹ کی ٹوپی پہنی ہوئی تھی۔ ان کے شاگردوں میں ایک نے خوش طبعی کے طور پر پوچھا یہ ٹاٹ کتنے میں خریدی ہے؟

اس نے کہا میں نے دنیا دے کر خریدی ہے اور بیچنے والے نے مجھ سے کہا کہ آخرت کے بدلے میں مجھ پر بیچ دو لیکن میں نے اسے نہیں بیچا۔

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ایک فقیر ایک مجلس میں کھڑا ہوا اور کچھ مانگنے لگا اور اس نے کہا میں تین دن سے بھوکا ہوں۔ وہاں ایک بزرگ موجود تھے انھوں نے چلّا کر کہا کہ تو جھوٹ بولتا ہے، بے شک فقر ایک راز ہے اور اللہ عزوجل اپنا راز اس شخص کے پاس نہیں رکھتا جو اس راز کو جہاں چاہے لے جاتا پھرے۔

حضرت حمدون قصار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب ابلیس اور اس کا لشکر اکٹھے ہوتے ہیں تو وہ کسی بات پر اس قدر خوش نہیں ہوتے جس قدر ان تین باتوں پر خوش ہوتے ہیں:

① (رَجُلٌ مُؤْمِنٌ قَتَلَ مُؤْمِنًا) ''کوئی مومن کسی مومن کو قتل کرے۔''

② (رَجُلٌ يَمُوْتُ عَلَى الْكُفْرِ) ''کوئی شخص کفر پر مرجائے۔''

③ (قَلْبٌ فِيْهِ خَوْفُ الْفَقْرِ) ''ایسا دل جس میں محتاجی کا خوف ہو۔''

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: اے فقراء کے گروہ! تم اللہ عزوجل (کی اطاعت) کی وجہ سے جانے جاتے ہو اور اللہ عزوجل کی وجہ سے تمھاری عزت کی جاتی ہے تو دیکھو جب تم اللہ عزوجل کے ساتھ خلوت میں ہوتے ہو تو تمھیں کیسا ہونا چاہیے؟

حضرت محمد بن عبداللہ فرغانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ اللہ عزوجل کے سامنے اپنی

[1] ''زوزن'' نیشاپور اور ہرات کے درمیان ایک بڑا ضلع ہے۔ یہاں علماء اور فضلاء کی کثرت کی وجہ سے اس کو بصرہ صغریٰ کہتے ہیں۔ (معجم البلدان، جلد 3، صفحہ: 158) ۱۲ ہزاروی

حاجت کو پیش کرنا زیادہ بہتر ہے یا اللہ ﷻ کی ذات کے ذریعے ''إِسْتِغْنَاءٌ'' بہتر ہے؟

انھوں نے فرمایا: جب اللہ ﷻ کے سامنے فقر کا اظہار صحیح معنیٰ میں پایا جائے تو اللہ ﷻ کے ساتھ استغناء بھی صحیح ہو جاتا ہے اور جب استغناء باللّٰہ درست ہو جائے تو اس کے ساتھ غنا کامل ہو جاتا ہے لہٰذا یہ نہ کہا جائے کہ إِفْتِقَارٌ إِلَى اللّٰهِ بہتر ہے یا إِسْتِغْنَاء [1] کیونکہ یہ دو حالتیں ہیں جو ایک دوسرے کے بغیر مکمل نہیں ہوتیں۔

حضرت جعفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ سے فقیر کی تعریف کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: نفس کو احکام الٰہیہ (کی ادائیگی) میں چھوڑ دینا۔

کہا گیا ہے کہ فقیر کی تین صفات ہیں:

① (حِفْظُ سِرِّهٖ) ''اللہ ﷻ کے رازوں کی حفاظت کرنا۔''

② (أَدَاءُ فَرْضِهٖ) ''اس کی طرف سے عائد فرائض کی ادائیگی کرنا۔''

③ (وَصِيَانَةُ فَقْرِهٖ) ''اپنے فقر کی حفاظت کرنا۔'' [2]

حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ مال دار لوگوں کی مدد ''فقراء'' تک کیوں نہیں پہنچتی؟ انھوں نے فرمایا: تین وجہ سے: ① ان کا مال پاک نہیں ہوتا ② امراء کو تائیدِ خداوندی حاصل نہیں ہوتی ③ فقراء کو آزمائش میں ڈالا جاتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ اللہ ﷻ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ جب آپ ''فقراء'' کو دیکھیں تو ان سے اسی طرح (خیریت وغیرہ) دریافت کریں جس طرح آپ مال دار لوگوں سے دریافت کرتے ہیں۔ اگر آپ ایسا نہ کریں تو میں نے آپ کو جو علم دیا ہے اسے مٹی کے نیچے ڈال دیں (یعنی اس کی کوئی ضرورت نہیں وہ بے مقصد ہے)۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انھوں نے فرمایا: اگر میں محل کے اوپر سے گر کر چُور چُور ہو جاؤں تو یہ بات مجھے مال دار لوگوں کی مجلس سے زیادہ پسند ہے کیونکہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِيَّاكُمْ وَ مُجَالَسَةَ الْمَوْتٰى)) ''مُردوں کی مجلس سے دور رہیں۔''

پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ! (مَنِ الْمَوْتٰى؟ قَالَ الْأَغْنِيَاءُ)

''مردہ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مال دار لوگ۔'' [3]

---

[1] إِفْتِقَارٌ إِلَى اللّٰهِ کا معنیٰ اللہ ﷻ کا محتاج رہنا اور إِسْتِغْنَاءٌ بِاللّٰهِ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ﷻ سے تعلق قائم کیا جائے وہ تمام ضرورتوں کو پورا کرے گا اس لیے دونوں باتیں ہونی چاہئیں یعنی إِفْتِقَارٌ إِلَى اللّٰهِ ہو إِلىٰ غَيْرِ اللّٰهِ نہ ہو اور إِسْتِغْنَاءٌ بِاللّٰهِ، إِسْتِغْنَاءٌ بِغَيْرِ اللّٰهِ نہ ہو۔۱۲ ہزاروی

[2] یعنی لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر اپنے فقر کی توہین نہ کرے۔ ''خودی نہ بیچ فقیری میں نام پیدا کر'' کا مصداق بنے۔۱۲ ہزاروی

[3] اس حدیث کا حوالہ امام قشیری ہی سے مل سکا ہے۔ (ابو حنظلہ محمد اجمل عطاری)

حضرت ربیع بن خیثم رحمہ اللہ سے کہا گیا کہ مہنگائی ہوگئی ہے۔ انھوں نے فرمایا: ہم اللہ عزوجل کے ہاں اس سے بھی زیادہ حقیر ہیں کہ وہ ہمیں بھوکا رکھے۔ اللہ عزوجل اپنے دوستوں کو بھوکا رکھتا ہے۔ [1]

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہم نے فقر طلب کیا تو ''مال داری'' نے ہمارا استقبال کیا اور لوگوں نے مال داری طلب کی تو ''فقر'' نے ان کا استقبال کیا۔ [2]

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: (مَا الْفَقْرُ) ''کہ فقر کیا ہے؟''

انھوں نے فرمایا: (خَوْفُ الْفَقْرِ) ''فقر کا خوف (فقر ہے)۔''

پوچھا گیا: (فَمَا الْغِنٰی؟) ''مال داری کیا ہے؟''

فرمایا: (أَلْأَمْنُ بِاللّٰهِ تَعَالٰی) ''اللہ عزوجل کے ساتھ امن حاصل کرنا (حقیقی فقر اور حقیقی مال داری مراد ہے)۔''

حضرت کرینی رحمہ اللہ فرماتے تھے: سچے فقیر کو اس خوف کی وجہ سے مال داری سے بچنا چاہئے کہ کہیں وہ مال داری کی حد میں داخل ہو کر اپنے فقر کو خراب نہ کر بیٹھے جس طرح مال دار فقر سے اس وجہ سے بچتا ہے کہ اسے اس بات کا ڈر ہوتا ہے کہ وہ فقر میں داخل ہوگیا تو اس کی مال داری خراب ہو جائے گی۔

حضرت ابو حفص رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ فقیر اپنے رب عزوجل کے پاس کیا لے کر جائے؟ انھوں نے فرمایا: فقیر کے پاس اپنے رب عزوجل کے ہاں لے جانے کے لیے ''فقر'' کے علاوہ کیا چیز ہے؟

کہتے ہیں اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی اور پوچھا کہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ قیامت کے دن آپ کی نیکیاں تمام لوگوں کی نیکیوں کے برابر ہوں؟ عرض کیا: ہاں (چاہتا ہوں)۔

اللہ عزوجل نے فرمایا: مریض کی بیمار پرسی کرو اور ''فقراء'' کے کپڑوں سے جوئیں تلاش کرو (صفائی مقصود ہے) پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہر مہینے میں سات (7) دن اپنے اوپر لازم کرلیا کہ ''فقراء'' کے پاس جا کر ان کے کپڑوں کی صفائی کریں اور بیمار کی عیادت کریں۔

حضرت سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پانچ باتیں نفس کے جوہر سے ہیں (بنیادی ہیں): ① محتاج جو مال داری ظاہر کرے ② بھوکا جو سیر ہونا ظاہر کرے ③ غمگین جو خوشی کا اظہار کرے ④ کسی شخص کی دوسرے آدمی سے دشمنی ہو تو محبت کا اظہار کرے ⑤ کوئی شخص دن کو روزہ رکھے اور رات کے وقت قیام کرے لیکن کمزوری ظاہر نہ کرے۔

---

[1] یعنی اولیاء کرام رحمہم اللہ کو بھوکا رکھنا ان کی آزمائش ہوتی ہے اور نافرمان لوگوں کو بھوکا رکھنا ان کے لیے سزا ہے جس طرح بیماری نیک لوگوں کے لیے کفارہ اور نافرمانوں کے لیے عذاب ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[2] یعنی آدمی مال سے بھاگے تو اللہ عزوجل اس کی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے اور مال خود اس کے پیچھے آتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

حضرت بشر بن حارث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سب سے افضل مقام یہ ہے کہ (اِعْتِقَادُ الصَّبْرِ عَلَى الْفَقْرِ إِلَى الْقَبْرِ) ''قبر تک ''فقر'' پر صبر کرنے کا عزم کرے۔''

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ عزوجل کی بندے پر ناراضگی کی علامت اس کا ''فقر'' سے ڈرنا ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فقر کی علامات میں سے ادنیٰ علامت یہ ہے کہ اگر تمام دنیا کسی شخص کے لیے ہو جائے اور وہ اسے ایک دن میں خرچ کرے پھر اگر اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ وہ ایک دن کی روزی روک لیتا تو اچھا ہوتا تو ایسا شخص اپنے ''فقر'' میں سچا نہیں ہے (کیونکہ اس کا اپنے رب عزوجل پر توکل نہیں)۔

استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: لوگوں نے فقر اور مال داری کے بارے میں گفتگو کی کہ ان میں سے کونسی چیز افضل ہے؟

اور میرے نزدیک افضل یہ ہے کہ انسان کو اس قدر عطا کیا جائے جس پر اس کا گزر اوقات ہو سکے پھر اس میں اس کی حفاظت کی جائے۔

حضرت محمد بن یاسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابن جلاء رحمۃ اللہ علیہ سے فقر کے بارے میں پوچھا تو پہلے وہ خاموش رہے حتیٰ کہ وہ تنہا رہ گئے۔ پھر وہ بھی چلے اور قریب سے واپس آ گئے اور فرمایا: میرے پاس چار دانگ تھے اس لیے مجھے اللہ عزوجل سے شرم آئی کہ میں ''فقر'' کے بارے میں بات کروں اس لیے میں گیا اور وہ دانگ دے دیے۔ اس کے بعد آپ بیٹھ گئے اور ''فقر'' کے بارے میں گفتگو فرمائی۔

حضرت ابراہیم بن مولد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابن جلاء رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ فقیر کب فقیر کہلانے کا مستحق ہوتا ہے؟

انھوں نے فرمایا جب اس پر ''فقر'' میں سے کچھ باقی نہ رہے۔

میں نے پوچھا یہ کس طرح ہوگا؟

فرمایا: جب (اس کے خیال میں) اس کے لیے فقر ہو تو فقر نہیں ہوتا اور جب وہ اپنے لیے فقر خیال نہ کرے تو اسے فقر حاصل ہوتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ صحیح فقر یہ ہے کہ ''فقیر'' اپنے فقر میں اللہ عزوجل کے سوا کسی سے مال داری حاصل نہ کرے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فقر میں مال داری کا اظہار کرنا فقر سے بہتر ہے۔

حضرت بنان مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: میں مکہ مکرمہ میں بیٹھا ہوا تھا اور ایک نوجوان میرے سامنے تھا کہ ایک شخص نے درہموں کی تھیلی اس کے سامنے لا کر رکھ دی جس میں کچھ درہم تھے۔ اس نے کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔

اس نے کہا اس کو مسکینوں پر تقسیم کر دیں۔ فرماتے ہیں: جب عشاء کا وقت ہوا تو میں نے اسے وادی میں دیکھا کہ اپنے لیے کوئی چیز مانگ رہا تھا۔ میں نے کہا اگر تم اس چیز میں سے جو تمھارے پاس تھی کچھ اپنے لیے رکھ لیتے تو (بہتر تھا)۔ اس نے کہا مجھے معلوم نہ تھا کہ میں اس وقت زندہ رہوں گا۔

حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: بندہ اپنے مولیٰ تک پہنچنے کے لیے سب سے بہترین وسیلہ جو اختیار کرتا ہے وہ ہر حالت میں ''فقر'' کو دائمی طور پر اختیار کرنا ہے نیز تمام کاموں میں ''سنت'' کو اختیار کرے اور حلال طریقے سے ''رزق'' تلاش کرے۔

حضرت مرتعش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فقیر کے لیے مناسب یہ ہے کہ اس کی ہمت اس کے قدموں (موجودہ حالت) سے آگے نہ نکلے (مستقبل کی فکر نہ کرے بلکہ اپنے رب عزوجل پر توکل کرے)۔

چار (4) قسم کے فقیر

حضرت ابو علی روذباری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چار (قسم کے) آدمی اپنے اپنے زمانے میں ہوئے ہیں:

① وہ جو اپنے بھائیوں اور بادشاہ کسی سے کچھ نہ لیتا اور وہ حضرت یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ علیہ ہیں ان کو اپنے والد سے وراثت میں ستر ہزار درہم ملے اور انھوں نے ان میں سے کچھ نہ لیا وہ اپنے ہاتھ سے کھجور کے پتوں کی چٹائی بناتے تھے۔

② وہ جو اپنے بھائیوں اور بادشاہ سب سے لیتے تھے وہ حضرت ابو اسحاق فزاری رحمۃ اللہ علیہ تھے وہ جو کچھ اپنے بھائیوں سے لیتے تھے اُسے ان لوگوں پر خرچ کرتے جن کی حالت کا لوگوں کو علم نہ ہوتا اور وہ (عبادت کی وجہ سے) حرکت نہ کر سکتے تھے۔

③ وہ اپنے بھائیوں سے لیتے لیکن بادشاہ سے نہ لیتے وہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ تھے وہ اپنے بھائیوں سے لیتے تو اس کے بدلے ان کو کچھ دیتے۔

④ وہ جو بادشاہوں سے لیتے اور اپنے بھائیوں سے نہ لیتے وہ حضرت مخلد بن حسین رحمۃ اللہ علیہ تھے وہ فرماتے تھے: بادشاہ احسان نہیں جتاتا اور بھائی احسان جتاتے ہیں۔[1]

فقراء کا حال

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حدیث شریف میں آیا ہے:

((مَنْ تَوَاضَعَ لِغَنِيٍّ لِأَجْلِ غِنَاهُ ذَهَبَ ثُلُثَا دِينِهِ))

[1] لیکن وہ بادشاہ سے لیتے ہوئے اپنے دین کا سودا نہیں کرتے تھے اپنے دین پر قائم رہتے تھے اور ان کا ضمیر زندہ رہتا تھا۔ ۱۲ ہزاروی

''جو شخص کسی مال دار کے سامنے اس کی مال داری کی وجہ سے عاجزی کرتا ہے اس کا دو تہائی دین چلا جاتا ہے۔''[1]

فرماتے ہیں: اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان ① دل ② زبان ③ نفس کا نام ہے۔ جب وہ اپنے نفس اور زبان کے ساتھ مال دار کے سامنے عاجزی کرتا ہے تو اس کا دو تہائی دین چلا جاتا ہے اور اگر وہ دل میں اس کی فضیلت کا عقیدہ اسی طرح رکھے جس طرح وہ اپنی زبان اور نفس کے ساتھ اس کے سامنے عاجزی کرتا ہے تو اس کا پورا دین چلا جائے۔

کہا گیا کہ فقیر کے لیے حالت فقر میں کم از کم چار چیزوں کا ہونا ضروری ہے: ① علم جو اس کی تدبیر کرے ② تقویٰ جو اسے (برائیوں سے) روکے ③ یقین جو اسے (عمل کی) ترغیب دے ④ ذکر جس کے ساتھ وہ مانوس ہو۔

کہا گیا ہے کہ جو شخص فقر کا ارادہ فقر کے شرف کی وجہ سے کرتا ہے وہ فقیر مرتا ہے[2] اور جو شخص اس لیے فقر کا ارادہ کرے کہ اللہ عزوجل کے سوا کسی اور طرف مشغول نہ ہو وہ غنی ہونے کی حالت میں مرتا ہے۔

حضرت مزین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ عزوجل کی طرف پہنچنے کے راستے ستاروں سے بھی زیادہ تھے اب ان میں سے صرف فقر کا راستہ باقی رہ گیا ہے اور وہ سب سے درست راستہ ہے۔

حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فقیر کی صفت یہ ہے: (اَلسُّكُوْنُ عِنْدَ الْعَدَمِ، وَالْإِيْثَارُ عِنْدَ الْوُجُوْدِ) ''کہ اس کے پاس کچھ نہ ہو تو اسے سکون ملے اور جب کچھ ہو تو وہ ایثار کرے۔''

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے فقر کی حقیقت کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: یہ کہ بندہ اللہ عزوجل کے سوا کسی اور کی چیز کے ساتھ ''اِسْتِغْنَاء'' محسوس نہ کرے۔

حضرت منصور بن خلف مغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت ابو سہل خشاب کبیر رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا: فقر محتاجی اور ذلت کا نام ہے۔ میں نے کہا نہیں بلکہ محتاجی اور عزت ہے۔

انھوں نے فرمایا: فقر محتاجی اور تواضع ہے۔ میں نے کہا نہیں بلکہ محتاجی اور بلندی ہے۔

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: مجھ سے اِس حدیث کا معنیٰ پوچھا گیا: ((كَادَالْفَقْرُأَنْ يَكُوْنَ كُفْرًا)) ''قریب ہے کہ فقر کفر ہو جائے۔''[3]

فرماتے ہیں: میں نے کہا ہر چیز کی آفت اور اس کی ضد اس کی فضیلت اور قدر کے مطابق ہوتی ہے پس جو چیز فی نفسہ

---

[1] الدّرر المنثرہ فی الاحادیث المشتهرہ، رقم الحدیث: 157، شعب الإیمان، رقم الحدیث: 8232.

[2] یعنی اس کی نیت درست نہیں کیونکہ وہ غیر اللہ سے دور رہنے کی بجائے فقر سے عزت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[3] حلیة الاولیاء، حلد نمبر 3، صفحہ: 53، شعب الایمان، رقم الحدیث: 6612.

افضل ہو اس کی ضد اور آفت سب سے زیادہ ناقص ہو گی۔ جیسے ایمان سب سے بہتر خصلت ہے تو اس کی ضد کفر ہے۔ پس جب فقر پر کفر کا خطرہ ہوا: تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ فقر سب اوصاف سے زیادہ شرف والی خصلت ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ فرماتے تھے: جب تم کسی فقیر سے ملاقات کرو تو اس کے ساتھ نرمی سے ملاقات کرو۔ اسے علم کے ساتھ نہ ملو (علمیّت کا اظہار نہ کرو) کیونکہ نرمی سے وہ ''اُنس'' محسوس کرے گا اور علم کی وجہ سے اسے ''وحشت'' ہو گی۔

حضرت مرتعش رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: میں نے پوچھا اے ابوالقاسم! کیا کسی فقیر کو علم سے وحشت ہوتی ہے؟ فرمایا: ہاں! جب فقیر اپنے فقر میں صادق ہو اور تم اس پر اپنا علم ڈالو تو وہ اس طرح پگھل جاتا ہے[1] جس طرح سیسہ آگ میں پگھلتا ہے۔

حضرت مظفر قرمیسینی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: فقیر وہ ہے جس کی اللہ عزوجل کے پاس کوئی حاجت نہ ہو۔

حضرت استاذ ابوالقاسم رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ان الفاظ میں ان لوگوں کے لیے جو بظاہر الفاظ سنتے ہیں اور وہ صوفیاء کے معانی سے بے خبر ہوتے ہیں کچھ اشکال ہو سکتا ہے لیکن اس عبارت کے قائل کا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ فقراء اپنے مطالبات کو ساقط اور اپنے اختیارات کی نفی کر کے اس بات پر راضی ہوتے ہیں جو حق سبحانہ وتعالیٰ ان پر جاری کرتا ہے۔

حضرت ابن خفیف رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: فقر یہ ہے کہ اپنے آپ کو کسی چیز کا مالک قرار نہ دے اور صفات کے احکام سے نکل جائے (یعنی صفات کو اپنی طرف منسوب نہ کرے)۔

حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: کسی شخص کے لیے ''فقر'' اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا جب تک وہ لینے کی بجائے دینے کو زیادہ پسند نہ کرے اور سخاوت یہ نہیں کہ مال دار محتاج کو دے، سخاوت یہ ہے کہ مفلس، مال دار کو دے۔

حضرت ابن جلاء رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: اگر اللہ عزوجل کے لیے تواضع کو شرف حاصل نہ ہوتا تو فقیر کو چلتے وقت اکڑنے کا حکم دیا جاتا۔

حضرت یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: (مُنْذُ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً مَّا مَلَكْتُ قَمِيْصَيْنِ) ''میں چالیس (40) سال سے دو قمیصوں کا مالک نہیں ہوا (صرف ایک قمیص کا مالک رہا)۔''

ایک قمیص اور دو قمیصیں

ایک صوفی کہتے ہیں: قیامت قائم ہے۔ کسی نے کہا کہ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ اور حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ کو

[1] مطلب یہ کہ فقیر علم کی دنیا سے آگے نکل کر مشاہدہ کی دنیا میں پہنچ جاتا ہے یہ مطلب نہیں کہ فقیر کو علم سے وحشت ہوتی ہے جس طرح آج کل جاہل صوفی علم کی مخالفت کرتے اور علم سے دور رہتے ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

جنت میں داخل کرو۔ میں دیکھنے لگا کہ ان دونوں میں سے کون پہلے داخل ہوتا ہے۔ پس حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ پہلے داخل ہوئے۔ میں نے ان کے مقدم ہونے کی وجہ پوچھی تو مجھے کہا گیا کہ (إِنَّهُ كَانَ لَهُ قَمِيصٌ وَّاحِدٌ وَلِمَالِكٍ قَمِيصَانِ) ''ان کے پاس صرف ایک قمیص تھی اور حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دو قمیصیں تھیں۔''

حضرت محمد مسوحی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: فقیر وہ ہوتا ہے جو اپنے لیے اسباب میں سے کسی سبب کی حاجت نہیں دیکھتا۔

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ فقیر کب آرام پاتا ہے؟ انھوں نے فرمایا: جب وہ اپنے لیے اس وقت کے علاوہ نہیں دیکھتا جس میں وہ موجود ہے (یعنی وہ صرف اپنے حال کو دیکھتا ہے)۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس فقر اور غنا کے بارے میں تذکرہ چھڑا تو انھوں نے فرمایا: قیامت کے دن نہ فقر کا وزن ہوگا نہ غنا کا بلکہ صبر اور شکر کا وزن ہوگا پس کہا جائے گا کہ اس نے شکر ادا کیا، اس نے صبر کیا۔

کہا گیا ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنے ایک نبی (علیہ السلام) کی طرف وحی بھیجی کہ اگر تم یہ بات معلوم کرنا چاہتے ہو کہ میں تم سے کس قدر راضی ہوں تو دیکھو کہ ''فقراء'' تم سے کس قدر راضی ہیں۔

حضرت ابوبکر زقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص اپنے ''فقر'' میں صاحب تقویٰ نہیں وہ محض حرام کھاتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں ''فقراء'' یوں دکھائی دیتے جیسے امراء ہوں۔

حضرت ابوبکر بن طاہر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فقیر کے احکام میں سے یہ بات ہے کہ وہ دنیا میں رغبت نہ رکھے اور اگر یہ ضروری ہو تو اس کی رغبت اس کی ضرورتوں سے نہ بڑھے۔

ایک صوفی کے اشعار

حضرت عبداللہ بن ابراہیم بن علاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت احمد بن عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے کسی صوفی کے یہ اشعار سنائے:

قَالُوْا غَدًا اَلْعِيْدُ مَاذَا أَنْتَ لَابِسُهٗ؟
فَقُلْتُ خَلْعَةَ سَاقٍ حِبَّهٗ جَرَعَا
فَقْرٌ وَّ صَبْرٌ هُمَا ثَوْبَايَ تَحْتَهُمَا
قَلْبٌ يَّرَى إِلْفَهُ الْأَعْيَادَ وَالْجُمَعَا
أَحْرَى الْمَلَابِسِ أَنْ تَلْقَى الْحَبِيْبَ بِهٖ
يَوْمَ التَّزَاوُرِ فِي الثَّوْبِ الَّذِيْ خَلَعَا
أَلدَّهْرُ لِيْ مَأْتَمٌ إِنْ غِبْتَ يَا أَمَلِيْ
وَالْعِيْدُ مَا كُنْتَ لِيْ مَرْأًى وَّمُسْتَمَعَا

* لوگ کہتے ہیں کل عید ہے تو کیا پہنے گا؟ میں نے کہا اس محبوب کی خلعت پہنوں گا جو اپنی محبت کے گھونٹ پلاتا ہے۔
* فقر اور صبر میرے دو کپڑے ہیں جن کے نیچے ایک ایسا دل ہے جو اپنے محبوب کو اپنے لیے عیدیں اور جمعہ سمجھتا ہے۔
* زیارت کے دن مناسب ترین لباس جسے پہن کر تو محبوب سے ملے وہ لباس ہے جو تجھے محبوب نے پہنایا۔
* اے میری آرزو! اگر تو غائب ہو جائے تو زمانہ میرے لیے ماتم کدہ ہے اور جب تک تو مجھے دکھائی دیتا ہے میرے لیے عید ہے۔

کہا گیا ہے کہ یہ اشعار ابو علی روذباری رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔

حضرت ابوبکر مصری رحمۃ اللہ علیہ سے سچے فقیر کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: (لَا یَمْلِكُ وَلَا یَمِیْلُ) ''وہ جو کسی چیز کا مالک نہ ہو اور نہ ہی مالک ہونے کی خواہش رکھتا ہو۔''

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مخلوط اعمال کی موجودگی میں ہمیشہ اللہ عزوجل کا محتاج ہونا مجھے اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ میں ہمیشہ متکبر پاک باز رہوں۔

حضرت ابو جعفر حدّاد رحمۃ اللہ علیہ بیس (20) سال تک مسلسل ہر دن ایک دینار کے بدلے کام کرتے اور وہ دینار فقراء پر خرچ کر دیتے۔ خود روزہ رکھتے اور شام اور عشاء کے درمیان نکلتے تو لوگوں کے دروازوں سے ان کو صدقہ دیا جاتا (وہ خود نہیں مانگتے تھے)۔

حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فقیر کی تعریف یہ ہے کہ جب کچھ نہ ہو تو اسے سکون حاصل ہو اور جب اس کے پاس کچھ ہو تو ایثار کرے۔

اُس جیسی عزت اپنی جیسی ذلت نہ دیکھی

حضرت محمد بن علی کتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مکہ مکرمہ میں ہمارے پاس ایک نوجوان تھا جس نے پرانے چیتھڑے پہن رکھے تھے اور وہ ہم سے میل جول نہیں رکھتا تھا۔ میرے دل میں اس کی محبت پیدا ہوگئی اور مجھے حلال طریقے سے دو سو (200) درہم حاصل ہوئے جن کو میں اس کے پاس لے گیا اور اس کی جائے نماز کے کنارے پر رکھ دیے اور میں نے اس سے کہا یہ درہم مجھے حلال طریقے سے ملے ہیں، تم ان کو اپنے کسی کام میں خرچ کرو۔ اس نے مجھے غضب ناک نگاہ کے ساتھ دیکھا پھر اس نے وہ بات ظاہر کی جو مجھ سے چھپا رہا تھا اور کہا کہ میں نے اللہ عزوجل کے ساتھ اس مجلس کو فراغت کے ساتھ ستر ہزار (70,000) دینار کے بدلے خریدا ہے، جاگیر اور غلہ اس کے علاوہ ہے۔ تو آپ مجھے ان چند درہموں کے ذریعے اس سے دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ اس نے اٹھ کر ان کو بکھیر دیا میں بیٹھ کر چننے لگا۔ جب وہ چلا گیا تو میں نے اس کی عزت جیسی عزت اور اپنی ذلت جیسی ذلت نہیں دیکھی جب میں ان کو چن رہا تھا۔

حضرت عبداللہ بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھ پر چالیس (40) سال سے صدقہ فطر واجب نہیں ہوا اور مجھے عام اور خاص لوگوں میں قبولیت حاصل ہے۔ [1]

حضرت ابوعبداللہ بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ سے اس فقیر کے بارے میں پوچھا گیا: جو تین دن بھوکا رہتا ہے اور تین دن کے بعد باہر نکل کر حسب ضرورت مانگتا ہے۔ اس فقیر کے متعلق کیا کہا جائے گا؟

انھوں نے فرمایا: اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ وہ گداگر ہے...... کھاؤ اور خاموش رہو، اگر اس دروازے سے کوئی فقیر آ گیا تو تم سب کو ذلیل و رسوا کرے گا۔

حضرت دقی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ فقراء اپنی کسی حالت میں اللہ عزوجل کی بے ادبی کے مرتکب ہو جائیں تو اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا: ایسا کرنا ان کے لیے حقیقت سے علم کی طرف تنزل ہے (گویا حقیقت علم کے بعد ہے)۔ [2]

حضرت خیر نساج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں کسی مسجد میں داخل ہوا تو وہاں ایک فقیر تھا اس نے مجھے دیکھا تو مجھ سے لپٹ گیا اور کہنے لگا اے شیخ مجھ پر مہربانی کیجیے میں سخت مصیبت میں ہوں۔ میں نے پوچھا وہ کیا ہے؟

اس نے کہا میری آزمائش نہیں ہوئی اور میں عافیت کے ساتھ قوت حاصل کر چکا ہوں۔ میں نے دیکھا تو اسے دنیا سے کچھ حصہ مل چکا تھا۔

حضرت ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فقیر کے لیے دنیا اور آخرت میں خوش خبری ہے۔ لوگوں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو انھوں نے فرمایا: (لَا يَطْلُبُ السُّلْطَانُ مِنْهُ فِي الدُّنْيَا الْخِرَاجَ، وَلَا الْجَبَّارُ فِي الْآخِرَةِ الْحِسَابَ) ''اس لیے کہ دنیا میں بادشاہ اس سے خراج نہیں لیتا اور آخرت میں اللہ عزوجل اس سے حساب نہیں مانگے گا۔''

---

[1] یعنی میرے پاس اتنا مال نہیں کہ صدقہ فطر واجب ہوتا لیکن اس کے باوجود مجھے قبولیت حاصل ہے یعنی قبولیت کا تعلق دولت اور مال سے نہیں۔ ۱۲ ہزاروی

[2] یعنی جب ان پر احوال کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ حقیقت سے علم کی طرف اتر جاتے ہیں تو مقام حقیقت سے غفلت اور اسباب میں مشغولیت اس بے ادبی کا باعث ہوتی ہے۔ (نتائج الافکار القدسیہ، جلد 2، صفحہ: 441) بے ادبی سے مراد گستاخی نہیں، صرف عدم توجہ مراد ہے۔ ۱۲ ہزاروی

باب

تصوف کا بیان

صفائی ہر زبان میں قابل تعریف ہے اور اس کی ضد گدلا پن ہے جو قابل مذمت ہے۔ حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: رسول اکرم ﷺ ایک بار ہمارے پاس تشریف لائے اور آپ ﷺ کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((ذَهَبَ صَفْوُ الدُّنْيَا وَبَقِيَ الْكَدِرُ فَالْمَوْتُ الْيَوْمَ تُحْفَةٌ لِكُلِّ مُسْلِمٍ)) ''دنیا کی صفائی جاتی رہی اور گدلا پن باقی رہ گیا پس آج ہر مسلمان کے لیے موت ایک تحفہ ہے۔''[1]

لفظ صوفی پر کلام

پھر یہ نام اس گروہ (صوفیاء) کے اوپر غالب آ گیا۔ کہا جاتا ہے ''رَجُلٌ صُوْفِيٌّ'' اور جماعت کو ''صوفیاء''[2] کہا جاتا ہے۔ جو شخص اپنے آپ کو ان لوگوں سے ملانا چاہتا ہے اسے ''مُتَصَوِّفٌ'' اور جماعت کو ''مُتَصَوِّفَةٌ'' کہا جاتا ہے۔ عربیت کے اعتبار سے اس نام کی اصل کی شہادت نہ تو قیاس سے ملتی ہے اور نہ اشتقاق سے، زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ لقب کی طرح ہے جن لوگوں نے کہا یہ لفظ ''صُوْفٌ'' سے بنا ہے اور اسی لیے جو شخص ''صوف'' پہنتا ہے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے ''تَصَوَّفَ'' (اس نے صوف پہنا) جیسے قمیص پہننے والے کے بارے میں کہا جاتا ہے ''تَقَمَّصَ'' اس نے قمیص پہنی ہے۔ تو اس بات کی ایک وجہ ہے (یعنی صوف پہننے کی وجہ سے صوفی کہلاتے ہوں) لیکن صوفیاء کرام کا مخصوص لباس ''صوف'' نہ تھا۔

اور جن لوگوں نے کہا کہ یہ لوگ رسول اکرم ﷺ کی مسجد کے ''صُفہ'' کی طرف منسوب ہیں لیکن صفہ کی طرف نسبت سے لفظ صوفی نہیں بنتا (صُفی بنتا ہے)۔

جن لوگوں نے کہا کہ یہ ''صَفَاءٌ'' سے مشتق ہے تو لغوی اعتبار سے لفظ صُوفی، لفظ ''صَفَاءٌ'' سے بہت بعید ہے (اس سے ''صَافِی'' بنتا ہے)۔ اور جن لوگوں نے کہا کہ یہ لفظ ''صَفٌّ'' سے مشتق ہے گویا وہ اپنے دلوں کے اعتبار سے پہلی صف میں ہیں، یہ مفہوم درست ہے لیکن لغت کے اعتبار سے اس کا اسم منسوب صوفی نہیں آتا (بلکہ صفی آتا ہے)۔

---

[1] بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث، رقم الحديث: 1091.

[2] عربی میں لفظ صوفی کی جمع ''صوفیہ'' ہے۔ لیکن اُردو میں اس طرح زیادہ معروف ہے۔ اس لیے ہم نے اسی طرح لکھا ہے۔ گو کہ قاعدے کے مطابق صوفیہ ہے لیکن باعتبار عرف اس کو بھی غلط نہیں کہا جائے گا۔ لہٰذا کسی جگہ صوفیاء لکھا ہو تو اسے کوئی دوسرا لفظ یا غلط نہ سمجھا جائے۔ (ابو حنظلہ محمد اجمل عطاری)

علاوہ ازیں، یہ لوگ اس نام سے اس قدر مشہور ہو چکے ہیں کہ ان کے تعین کے لیے کسی قیاس اور اشتقاق کی ضرورت نہیں پڑتی۔

تصوف کیا ہے؟ اور صوفی کی تعریف

تصوف کا معنیٰ کیا ہے اور صوفی کسے کہتے ہیں؟ اس سلسلے میں لوگوں نے گفتگو کی ہے اور ہر ایک نے اس کی تشریح اپنے خیال کے مطابق کی ہے۔ اگر ان سب کا ذکر کریں تو ہم اپنے مقصود یعنی اختصار سے نکل جائیں گے البتہ ہم اشارے کے طور پر چند اقوال کا ذکر کریں گے:

حضرت محمد جریری رحمۃ اللہ علیہ سے تصوف کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: تصوف ہر اعلیٰ اخلاق میں داخل ہونا اور گھٹیا خیال سے نکلنے کا نام ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے تصوف کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: تصوف یہ ہے کہ حق تعالیٰ تجھے تیری ذات سے فنا کر دے اور تجھے اپنی ذات کے ساتھ زندہ رکھے۔

حضرت حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ سے صوفی کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: صوفی کی ذات یکتا ہوتی ہے (اللہ کے سوا) کوئی اسے قبول نہیں کرتا اور وہ (اللہ کے سوا) کسی کو قبول نہیں کرتا۔

حضرت ابو حمزہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سچے صوفی کی علامت یہ ہے کہ وہ مال دار ہونے کے بعد بھی فقیر رہے، عزت کے بعد بھی حقیر بنے اور شہرت کے بعد بھی مخفی رہے اور جھوٹے صوفی کی علامت یہ ہے کہ وہ فقر کے بعد بھی دنیا کے ذریعے مال داری حاصل کرے، حقیر ہونے کے بعد بھی عزت والا بنے اور گمنام ہونے کے بعد بھی شہرت والا ہو۔

حضرت عمرو بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ سے تصوف کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: کہ بندہ ہر وقت اس حالت میں رہے جو اس کے لیے "وقت" کے مطابق بہتر ہو۔

حضرت محمد بن علی قصاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تصوف وہ کریمانہ اخلاق ہے جو کریم زمانے میں کریم آدمی سے کریم لوگوں کے ساتھ ظاہر ہو۔

حضرت سمنون رحمۃ اللہ علیہ سے تصوف کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ نہ تم کسی چیز کے مالک بنو اور نہ کوئی چیز تمھاری مالک بنے۔

حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ سے تصوف کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: نفس کو اللہ عزوجل کے سپرد کر دینا وہ اس کے ساتھ جو چاہے سلوک کرے، تصوف ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے تصوف کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: اللہ عزوجل کے ساتھ تمھارا تعلق ایسا ہو کہ کسی دوسرے کے ساتھ تمھارا تعلق ایسا نہ ہو۔

حضرت رویم بن احمد بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تصوف کی بنیاد تین خصلتیں ہیں: ① فقر کو مضبوطی کے ساتھ اختیار کرنا اور اللہ عزوجل کا محتاج رہنا ② خرچ اور ایثار کرنے کی صفت سے متصف ہونا ③ کسی چیز کے تعرض اور اسے اختیار کرنے کو ترک کر دینا۔

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حقائق پر عمل کرنے اور لوگوں کی چیزوں سے ناامید ہونا "تصوف" ہے۔

حضرت حمدون قصار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صوفیاء کی صحبت میں رہو، ان کے ہاں بری باتوں کے لیے کئی عذر ہیں۔

حضرت خراز رحمۃ اللہ علیہ سے اہل تصوف کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جن کو وسیع پیمانے پر انعامات دیے گئے اور ان کو (اپنی طرف رجوع کرنے سے) روکا گیا حتیٰ کہ انھوں نے (اپنے آپ کو بھی) گم کر دیا۔ پھر ان کو ان کے باطن نے پکار کر کہا کہ سنو اب تم ہم پر رو لو (کیونکہ ہم اپنے مقصود تک نہیں پہنچے)۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تصوف جبر و قہر ہے اس میں صلح نہیں ہوتی [1] انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ اہل تصوف ایک گھرانے والے ہوتے ہیں ان میں ان کے علاوہ کوئی داخل نہیں ہوتا۔ انھوں نے یہ بھی فرمایا: تصوف دل جمعی سے ذکر کرنا، سن کر وجد میں آنا اور اتباع سنت کرتے ہوئے عمل کرنا ہے۔ انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ "صوفی" زمین کی طرح ہے اس پر ہر قبیح چیز ڈالی جاتی ہے لیکن اس سے ہر قسم کی خوب صورت چیز نکلتی ہے۔

انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ "صوفی" زمین کی طرح ہے اسے ہر نیک اور بُرا روندتا ہے اور بادل کی طرح ہے جو ہر ایک کو سایہ مہیا کرتا ہے اور بارش کی طرح ہے جو ہر ایک کو سیراب کرتی ہے۔ انھوں نے یہ بھی فرمایا: جب تم "صوفی" کو دیکھو کہ وہ اپنے ظاہر کو درست کرنے کا بڑا اہتمام کرتا ہے تو جان لو کہ اس کا باطن خراب ہے۔ [2]

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صوفی وہ ہے جو اپنے خون کو رائیگاں سمجھے اور اپنی ملکیت کی چیزوں کو لوگوں کے لیے مباح سمجھے۔

حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صوفی کی تعریف یہ ہے کہ اسے محتاجی کے وقت سکون ملے اور اگر کچھ پاس ہو تو ایثار کرے۔

حضرت کتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تصوف "اخلاق حسنہ" کا نام ہے پس جس کے اخلاق تم سے بہتر ہوں گے وہ صوفی ہونے میں بھی تم سے بہتر ہوگا۔

---

[1] صوفی صلح کلی نہیں ہوتا باطل سے صلح نہیں کرتا۔ ۱۲ ہزاروی

[2] یہ بات نہایت ہی قابل افسوس ہے کہ آج کے دور میں بعض صوفیاء اور علماء، خطباء و مدرسین اپنی اپنی ذاتوں کو بنانے میں لگے ہوئے ہیں اور دین کا فروغ ان کا مشن نہیں رہا اسی لیے آستانے اور دینی مدارس برباد ہو گئے اور مساجد غیر آباد ہو گئیں۔ ۱۲ ہزاروی

حضرت ابو علی روذباری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تصوف، محبوب کے دروازے پر کھڑا ہونا ہے خواہ وہ اسے دھکے دے۔
انھوں نے یہ بھی فرمایا: دوری کی کدورت کے بعد قرب کی صفائی حاصل ہوتی ہے۔

کہا گیا ہے کہ بدترین شخص "بخیل صوفی" ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ تصوف فارغ ہتھیلی کے ساتھ دل کی "خوشی" کا نام ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تصوف اللہ عزوجل کے ساتھ کسی غم کے بغیر بیٹھنے کا نام ہے۔

حضرت ابو منصور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صوفی اللہ عزوجل کی طرف سے اشارہ کرنے والا ہوتا ہے اور مخلوق تو ساری اللہ عزوجل کی طرف اشارہ کرنے والی ہوتی ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صوفی مخلوق سے کٹ کر حق تعالیٰ سے وصال اختیار کرتا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے: ﴿وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ۚ﴾ "اور میں نے تجھے خاص اپنے لیے بنایا۔" [1]

اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہر غیر سے منقطع کر دیا پھر فرمایا: تم ہرگز مجھے نہیں دیکھ سکتے (تاکہ آپ کا شوق بڑھے)۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے پھر فرمایا: صوفیاء کرام حق تعالیٰ کے ہاں اِس طرح ہیں جس طرح بچہ (ماں کی گود میں) محفوظ ہوتا ہے۔ انھوں نے یہ بھی فرمایا: تصوف جلانے والی بجلی ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ تصوف کائنات کو دیکھنے سے محروم رہنے کا نام ہے۔

حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صوفیاء ہمیشہ بھلائی کے ساتھ رہتے ہیں۔ جب تک وہ ایک دوسرے سے متنفر رہیں گے (اور یوں ایک دوسرے کو تنبیہ کرتے رہیں گے) اور جب وہ آپس میں صلح کریں (یعنی ایک دوسرے کو عیبوں پر مطلع نہ کریں) تو ان میں کوئی بھلائی نہ ہوگی۔ [2]

حضرت جریری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تصوف اپنے احوال کی نگہداشت کرنا اور ادب کو اختیار کرنا ہے۔

حضرت مزین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تصوف، حق تعالیٰ (کے حکم) کے سامنے جھکنے کا نام ہے۔

حضرت ابو تراب نخشبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صوفی (کے دل) کو کوئی چیز میلا نہیں کرتی اور وہ ہر چیز کے ذریعے صفائی حاصل کرتا ہے۔

---

[1] پارہ 16، طٰہٰ 41، ترجمہ کنزالایمان

[2] یہاں نفرت سے مراد دشمنی نہیں بلکہ ایک دوسرے کے عیب بتانے میں دشمن کی طرح ہوں اور اس صلح سے منع کیا جو "من ترا حاجی بگویم تو مرا ملا بگو" کا مصداق ہے۔ آجکل یہی رسم ایک دوسرے کی جھوٹی تعریفیں کرنا اور قابل ستائش لوگوں کی خدمات سے نظریں چرانا۔ اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ ۱۲ ہزاروی

کہا گیا ہے کہ صوفی کو (حق کی) طلب تھکاتی نہیں اور نہ ہی کوئی سبب اسے بے چین کر سکتا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے تصوف کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: (هُمْ قَوْمٌ آثَرُوْا اللهَ عَزَّوَجَلَّ عَلىٰ كُلِّ شَىْءٍ فَآثَرَهُمُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ عَلىٰ كُلِّ شَىْءٍ) "یہ وہ جماعت ہے جو اللہ عزوجل کو ہر چیز پر ترجیح دیتے ہیں تو اللہ عزوجل نے ان کو ہر چیز پر ترجیح دے دی۔"

حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (كَانَ لِلْقَوْمِ إِشَارَاتٌ ثُمَّ صَارَتْ حَرَكَاتٌ ثُمَّ لَمْ يَبْقَ إِلَّا حَسَرَاتٌ) "صوفیاء کے اشارے ہوتے تھے پھر وہ حرکات بنیں اور اب تو صرف حسرتیں باقی رہ گئیں۔"

حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ سے صوفی کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: صوفی وہ ہے جس نے سماع سنا اور (اللہ عزوجل تک پہنچانے والے) ذرائع کو ترجیح دی۔

حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ کے نزدیک صوفی کون ہے؟ انھوں نے فرمایا: وہ جسے نہ زمین اٹھائے ہوئے ہو اور نہ آسمان اس پر سایہ کرے (یعنی وہ اللہ عزوجل کی ذات میں گم ہو)۔

حضرت استاذ ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: انھوں نے اس کے محو ہونے (گم ہونے) کی طرف اشارہ کیا ہے۔

کہا گیا ہے کہ صوفی وہ ہے جس کے سامنے دو حالتیں یا دو خلق آئیں اور وہ دونوں اچھے ہوں تو وہ ان میں سے زیادہ اچھے کو اختیار کرے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ صوفیاء کا یہ نام کیوں رکھا گیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: اس لیے کہ ان میں ان کے نفسوں کا حصہ باقی رہ گیا اگر یہ بات نہ ہوتی تو یہ نام ان کے ساتھ نہ چمٹتا۔

حضرت ابن جلاء رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ صوفی کا معنٰی کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: کسی علم میں ہم اس کا معنٰی نہیں پاتے البتہ ہم یہ بات جانتے ہیں کہ جو شخص فقیر ہوتا ہے وہ اسباب پر اعتماد نہیں کرتا اور وہ کسی مکان کی قید کے بغیر اللہ عزوجل کے ساتھ ہوتا ہے اور اللہ عزوجل اسے کسی بھی مکان سے بے علم نہیں رہنے دیتا ہے اس لیے ان کو "صوفی" کہا جاتا ہے۔

بعض حضرات نے کہا کہ تصوف، جاہ و جلال کو ساقط کرنے اور دنیا و آخرت میں رسوائی کا نام ہے (یعنی وہ اپنی عزت دنیا اور آخرت کی بجائے اپنے رب عزوجل کے ساتھ تعلق سے حاصل کرتے ہیں)۔

حضرت ابو یعقوب مزابلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تصوف ایسی حالت کا نام ہے جس میں انسانی علامتیں "فنا" ہو جاتی ہیں۔

حضرت ابوالحسن سیروانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صوفی "واردات" کے ساتھ ہوتا ہے، "اَوْرَاد" کے ساتھ نہیں (یعنی اس پر کیفیات کا ورود ہوتا ہے)۔

حضرت استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: اس سلسلے میں جو بہترین بات کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ یہ ایک ایسا

طریقہ ہے جو صرف ان لوگوں کے لیے مناسب ہے جن کی ارواح کے ذریعے اللہ ﷻ نے گندگیوں کو صاف کر دیا ہے اسی لیے انھوں نے ایک دن فرمایا: اگر فقیر کے پاس روح کے سوا کچھ نہ ہو اور وہ اپنی روح کو اس کے سلسلے کے کتوں (یعنی مخالفین) کے آگے ڈال دے تو کوئی بھی کتا اس کی طرف نظر نہیں کرے گا۔ [1]

حضرت استاذ ابو سہل صعلوکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تصوف (اللہ ﷻ کے فیصلے پر) اعتراض کرنے سے بچنے کا نام ہے۔

حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صوفی معدوم ہونے کے بعد وجود میں نہیں آتا اور وجود میں آنے کے بعد معدوم نہیں ہوتا۔

حضرت استاذ ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول میں اشکال ہے ان کا قول کہ وہ معدوم ہونے کے بعد نہیں پایا جاتا یعنی جب اس کی آفات فنا ہو جاتی ہیں تو وہ آفات کی طرف نہیں لوٹتا۔ اور ان کا یہ کہنا کہ وہ وجود میں آنے کے بعد معدوم نہیں ہوتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ ﷻ کے ساتھ مشغول ہوتا ہے لہٰذا خلوق کے ساقط ہونے سے ساقط نہیں ہوتا پس حادثات اس پر اثر انداز نہیں ہوتے۔

کہا گیا ہے کہ صوفی وہ ہے جو حق کی طرف سے اپنے اوپر ظاہر ہونے والے احوال کی وجہ سے اپنی ذات سے بے خبر ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ صوفی اللہ ﷻ کی تدبیر اور تصوف کے سامنے مقہور ہوتا ہے (بے بس ہوتا ہے) اور عبودیت کے تصرفات کی وجہ سے مَستور ہوتا ہے (پردے میں ہوتا ہے)۔ اور کہا جاتا ہے کہ صوفی میں تغیر نہیں ہوتا اور اگر تبدیلی آئے بھی تو اس میں ''میل'' نہیں ہوتی۔

حضرت خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں جمعہ کے دن قیروان [2] کی جامع مسجد میں تھا تو میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ صفوں میں چکر لگا رہا ہے اور کہتا ہے: مجھ پر صدقہ کرو میں ایک صوفی تھا اور اب کمزور ہو چکا ہوں۔ میں نے اسے کچھ دینا چاہا تو اس نے کہا جاؤ تمھارے لیے خرابی ہو۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا اور اس نے وہ خیرات قبول نہ کی (یعنی وہ اپنی اصلی حالت کا سوال کر رہا تھا، مال کا نہیں)۔

---

[1] کیونکہ مخالفین کے نزدیک ان کی روح حقیر ہوتی ہے اور ان کا حال پوشیدہ ہوتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[2] افریقہ کا ایک عظیم شہر، معجم البلدان، جلد 4، صفحہ 420. (ابو حنظلہ محمد اجمل عطاری)

باب

ادب کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝﴾ ''آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔'' [1]

کہا گیا ہے کہ اس سے مراد بارگاہِ خداوندی کے آداب کا لحاظ رکھنا ہے۔

اور ارشادِ خداوندی ہے:

﴿قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ ''اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ۔'' [2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کی تفسیر یوں مروی ہے کہ (فَقِّهُوْهُمْ وَأَدِّبُوْهُمْ) ''ان کو سمجھ دار اور باادب بناؤ''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((حَقُّ الْوَلَدِ عَلٰى وَالِدِهٖ اَنْ يُّحْسِنَ اِسْمَهٗ وَيُحْسِنَ مُرْضِعَهٗ وَيُحْسِنَ أَدَبَهٗ))

''بچے کا اپنے باپ پر یہ حق ہے کہ اس کا اچھا نام رکھے، اچھی دایہ مقرر کرے اور اس کی اچھی تربیت کرے۔'' [3]

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں: جس شخص کو اس بات کی پہچان نہ ہو کہ اللہ عزوجل کا اس پر کیا حق ہے اور وہ اللہ عزوجل کے امر اور نہی کے حوالے سے تربیت حاصل نہ کرے وہ ادب سے کنارہ کش ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ((اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ أَدَّبَنِیْ فَأَحْسَنَ تَادِیْبِیْ)) ''بے شک اللہ عزوجل نے مجھے ادب سکھایا پس اچھا ادب سکھایا۔'' [4]

---

[1] پارہ 27 النجم 17، ترجمہ کنزالایمان

[2] پارہ 28 التحریم 6، ترجمہ کنزالایمان

[3] اتحاف السادۃ المتقین، جلد نمبر 6، صفحہ: 317,318.

[4] کنزالعمال، رقم الحدیث: 18673.

ادب کیا ہے؟

حقیقت ادب تمام اچھی خصلتوں کے اجتماع کا نام ہے۔ پس ''ادیب'' وہ ہوتا ہے جس میں اچھی خصلتیں جمع ہوں اسی سے لفظ مأدبہ لیا گیا ہے جو کھانے کے اجتماع کا نام ہے۔

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے بندہ عبادت کے ذریعے جنت تک پہنچ جاتا ہے اور عبادت میں ادب کے ذریعے اللہ عزوجل تک پہنچتا ہے۔ یہی فرماتے ہیں میں نے ایسے شخص کو دیکھا جو نماز میں اپنا ہاتھ ناک تک لے جانا چاہتا تھا تاکہ جو کچھ ناک کے ساتھ لگا ہوا ہے اس کو دور کرے تو اس نے اپنے ہاتھ کو پکڑ لیا (یعنی ادب کی وجہ سے ایسا نہ کیا)۔ [1]

حضرت ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کا اشارہ اپنی طرف ہے کیونکہ انسان کے لیے یہ بات ممکن نہیں کہ وہ کسی دوسرے کے بارے میں یہ بات جان لے کہ اس نے اپنا ہاتھ پکڑ لیا۔

کسی چیز کا سہارا نہ لیتے

حضرت استاذ ابو علی رحمۃ اللہ علیہ کسی چیز سے ٹیک نہیں لگاتے تھے۔ ایک دن وہ اجتماع میں تھے میں نے ان کی پیٹھ کے پیچھے تکیہ رکھنے کا ارادہ کیا کیونکہ میں نے دیکھا کہ انھوں نے کسی چیز کا سہارا نہیں لیا ہوا تھا، تو وہ تکیے سے کچھ الگ ہو گئے۔ میں نے سوچا کہ شاید آپ تکیے سے اس لیے ہٹے ہیں کہ اس کے اوپر کوئی کپڑا یا جائے نماز نہیں تو آپ نے خود ہی فرما دیا کہ میں تکیے کا سہارا نہیں لینا چاہتا۔ [2]

اس کے بعد جب میں نے ان کی حالت پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ کسی چیز کا سہارا نہیں لیتے۔

توحید، ایمان، شریعت اور ادب

حضرت جلاجلی بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: توحید واجب کرنے والی ہے وہ ایمان کو واجب کرتی ہے پس جس کے پاس ایمان نہیں اس کے پاس توحید نہیں اور ایمان واجب کرنے والا ہے یعنی شریعت کو واجب کرتا ہے پس جس کے پاس شریعت نہیں اس کا ایمان اور توحید نہیں اور شریعت بھی واجب کرنے والی ہے وہ ادب کو واجب کرتی ہے پس جس کے پاس ادب نہیں اس کے پاس شریعت ایمان اور توحید کچھ بھی نہیں۔

---

[1] آج کل کئی لوگ نماز میں کپڑوں، ڈاڑھی اور سر کے بالوں کو سنوارنے میں لگے رہتے ہیں جو نماز سے غفلت اور بارگاہِ خداوندی کے آداب کی بے حرمتی ہے۔ ۱۲ہزاروی

[2] گویا آپ کو ان کے دل کی حالت پر اللہ عزوجل نے آگاہ کر دیا اور آپ نے اس کے مطابق جواب دیا۔ ۱۲ہزاروی

صبر کے بارے اقوال

حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ادب اچھے کاموں کے ساتھ ٹھہرے رہنے کا نام ہے۔ پوچھا گیا اس کا کیا مطلب ہے؟

فرمایا: تم پوشیدہ اور ظاہر (دونوں حالتوں میں) اللہ عزوجل کے ساتھ ''ادب'' کا معاملہ اختیار کرو۔ جب تم ایسے ہو گے تو تم ادیب کہلاؤ گے اگرچہ تم عجمی ہو۔ پھر انھوں نے یہ شعر پڑھا:

إِذَا نَطَقَتْ جَاءَتْ بِكُلِّ مَلَاحَةٍ
وَإِنْ سَكَتَتْ جَاءَتْ بِكُلِّ مَلِيْحٍ

* جب وہ بولتی ہے تو ہر طرح کی نمکین باتیں کرتی ہے اور جب خاموش رہتی ہے تو بھی ہر طرح کی ملاحت (نمکینی) ظاہر کرتی ہے۔

حضرت عبداللہ جریری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے بیس (20) سال سے خلوت میں بیٹھے ہوئے بھی اپنے پاؤں نہیں پھیلائے کیونکہ اللہ عزوجل کے ساتھ ''حسن ادب'' سب سے زیادہ بہتر ہے۔

حضرت استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: جو شخص ادب کا لحاظ کیے بغیر بادشاہ کی صحبت میں بیٹھے گا اس کی جہالت اسے قتل کرا دے گی۔

حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ کون سے آداب بندے کو اللہ عزوجل کے قریب کرتے ہیں؟

فرمایا: اللہ عزوجل کی ربوبیت کو جاننا، اس کی فرماں برداری کرنا، خوشی کی حالت میں اس کا شکر ادا کرنا اور مصیبت میں صبر کرنا۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب عارف باللہ، اللہ عزوجل کے ساتھ ادب کو ترک کر دیتا ہے تو وہ ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہو جاتا ہے۔

حضرت استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ادب کو چھوڑنے سے انسان دھتکارا جاتا ہے۔ جو شخص بساط ادب پر بے ادبی کرتا ہے اس کو دروازے کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور جو دروازے پر بے ادبی کرتا ہے وہ جانوروں کی دیکھ بھال پر مقرر کیا جاتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ لوگ علم آدب کے حصول میں زیادہ رغبت رکھتے ہیں تو ان میں سے کون سا علم دنیا میں نفع بخش ہے اور آخرت تک زیادہ پہنچانے والا ہے۔ انھوں نے فرمایا: (اَلتَّفَقُّهُ فِي الدِّيْنِ، اَلزُّهْدُ فِي

الدُّنْيَا وَالْمَعْرِفَةُ بِمَا اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ عَلَيْكَ) ''دین کی سمجھ اختیار کرنا، دنیا سے بے رغبتی اختیار کرنا اور اس بات کی پہچان کرنا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا تجھ پر کیا حق ہے۔''

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ''آداب'' کا خیال رکھتا ہے وہ ان لوگوں میں سے ہو جاتا ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے محبت کرتے ہیں۔

حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صوفیاء کرام نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے احکام پر کاربند رہنے کے لیے اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ہی مدد طلب کی اور انھوں نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے آداب پر صبر کیا۔

حضرت ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم زیادہ علم حاصل کرنے کے مقابلے میں تھوڑے ''ادب'' کے زیادہ محتاج ہیں۔

حضرت ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم نے ادب کو اس وقت طلب کیا جب ''ادب'' سکھانے والے نہ رہے۔

کہا گیا ہے کہ تین خصلتوں کی موجودگی میں انسان اجنبی معلوم نہیں ہوتا: ① شکوک وشبہات سے کنارہ کشی ② اچھا ادب ③ ایذا رسانی سے باز رہنا۔

اسی سلسلے میں حضرت شیخ ابوعبداللہ مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اشعار کہے ہیں:

يُزَيِّنُ الْغَرِيْبَ إِذَا مَا اغْتَرَبَ
ثَلَاثٌ فَمِنْهُنَّ حُسْنُ الْأَدَبِ
وَثَانِيْهِ حُسْنُ أَخْلَاقِهٖ
وَثَالِثُهٗ إِجْتِنَابُ الرِّيَبِ

❊ مسافر جب سفر پر نکلے تو تین (3) چیزیں اس کی زینت ہوتی ہیں ان میں سے ایک حسن ادب ہے۔
❊ دوسرا حسن اخلاق اور تیسرا شکوک وشبہات سے بچنا۔

جب حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ بغداد میں آئے تو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے فرمایا: آپ نے اپنے مریدوں کو شاہی آداب سکھا رکھے ہیں۔ حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو جواب دیا کہ ''ظاہری'' حسن ادب ''باطنی'' حسن ادب کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے انھوں نے فرمایا: عارف کے لیے ''ادب'' اس طرح (ضروری) ہے جس طرح مبتدی کے لیے توبہ (لازمی) ہے۔

حضرت منصور بن خلف مغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ کسی صوفی کو کسی نے بے ادب کہا تو انھوں نے جواب میں کہا میں تو بے ادب نہیں ہوں۔ ان سے کہا گیا کہ آپ کو ادب کس نے سکھایا؟ جواب دیا: صوفیاء نے۔

حضرت ابونصر طوسی سراج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ادب میں لوگوں کے تین طبقات ہیں:

① اہل دنیا: ان کا زیادہ "ادب" فصاحت و بلاغت، علوم، بادشاہوں کے نام اور عربی اشعار کو یاد کرنا ہے۔

② اہل دین: ان کا اکثر "ادب" ریاضت نفس، اعضاء کی تادیب، حدود کی حفاظت اور شہوات کو ترک کرنا ہے۔

③ خاص لوگ: ان کا اکثر "ادب" دلوں کی طہارت، اسرار کا خیال رکھنا، وعدوں کو پورا کرنا، وقت کی حفاظت، قلبی خیالات کی طرف کم توجہ دینا، طلب کے مقامات، حاضری کے اوقات اور قرب کے مقامات میں حسن ادب ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے وہ فرماتے ہیں: جو شخص اپنے نفس کو "ادب" کے ساتھ مغلوب رکھتا ہے وہ اخلاص کے ساتھ اللہ عزوجل کی عبادت کرتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ کمال ادب صرف انبیاء کرام علیہم السلام اور صدیقین کے لیے خالص ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لوگوں نے "ادب" کے بارے میں بہت کچھ کہا ہے اور ہم کہتے ہیں معرفتِ نفس کا نام ادب ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ عزوجل کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے شرم وحیا کو ترک کر دینا بے ادبی ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عارف کا ادب ہر ادب سے اوپر ہے اس لیے کہ معروفِ ذات (اللہ عزوجل) اس کے دل کو "ادب" سکھاتا ہے۔

کسی صوفی کا قول ہے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ جس شخص کو میں نے اپنے اسماء اور صفات پر غور وفکر میں لگا رکھا ہے۔ اسے میں نے ادب کے لحاظ کا بھی حکم دیا ہے۔ اور جس کے لیے میں نے اپنی ذات کی حقیقت کھول دی اس کے لیے میں نے ہلاکت کو لازم کر دیا۔ پس تم ان دونوں میں سے جس کو چاہو اختیار کرو؛ ادب کو یا ہلاکت کو؟

کہا گیا ہے کہ ایک دن حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ساتھیوں کی موجودگی میں پاؤں پھیلا دیے اور فرمایا: (تَرْكُ الْأَدَبِ بَيْنَ أَهْلِ الْأَدَبِ أَدَبٌ) "اہل ادب کے درمیان ادب کو ترک کرنا بھی ادب ہے۔"[1]

اس حکایت کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ران ڈھانپ لی[2] اور فرمایا:

[1] یہاں ترکِ ادب سے مراد بے تکلفی ہے یعنی دوستوں سے بے تکلفی بھی ادب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دوستوں کے ساتھ اس طرح سلوک ہو جیسے بھائیوں کے درمیان ہوتا ہے، طبیعت میں گھٹن نہ ہو۔ ۱۲ ہزاروی

[2] اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ران برہنہ تھی بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کپڑوں کو سمیٹ لیا کیونکہ ران کا ننگا کرنا حرام ہے۔ ۱۲ ہزاروی

((أَلَا أَسْتَحْيِ مِنْ رَّجُلٍ تَسْتَحْيِ مِنْهُ الْمَلَآئِكَةُ))

''میں اس سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔''[1]

آپ ﷺ نے اس بات سے آگاہ فرمایا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا بڑا احترام ہے لیکن جو حالت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھی، اس میں زیادہ بے تکلفی ہے۔

اسی معنٰی کے قریب یہ شعر ہیں:

فِيَّ إِنْقِبَاضٌ وَ حَشْمَةٌ فَإِذَا
جَالَسْتُ أَهْلَ الْوَفَاءِ وَالْكَرَمِ
أَرْسَلْتُ نَفْسِيْ عَلٰى سَجِيَّتِهَا
وَقُلْتُ مَا قُلْتُ غَيْرَ مُحْتَشِمِ

* مجھ میں انقباض (کھچاؤ) اور احترام پایا جاتا ہے مگر جب میں اہل وفا و کرم کے ساتھ بیٹھتا ہوں تو اپنے نفس کو اس کی طبیعت پر چھوڑ دیتا ہوں اور میں ہر بات بے دھڑک کہتا ہوں۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب محبت صحیح ہو تو ''ادب'' کی شرائط ساقط ہو جاتی ہیں۔

حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب محبت صحیح ہو تو محب پر ''ادب'' کو اختیار کرنا اور زیادہ لازم ہو جاتا ہے۔

حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص غلبۂ احوال کے وقت ''ادب'' کا خیال نہیں رکھتا اس کی حالت اللہ عزوجل کی ناراضگی ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب مرید ادب کے استعمال سے باہر نکل جاتا ہے تو وہ جہاں سے چلا تھا واپس وہیں پہنچ جاتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کا ادب

ارشادِ خداوندی: ﴿اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۝ صلے﴾ ''مجھے تکلیف پہنچی اور تو سب مہر والوں سے بڑھ کر مہر والا ہے۔''[2]

کی تشریح کرتے ہوئے استاذ ابو علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے) ''اِرْحَمْنِیْ'' (مجھ پر رحم فرما)

[1] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، رقم الحدیث: 2401.
[2] پارہ 17، الانبیا 83، ترجمہ کنزالایمان

نہیں کہا کیونکہ انھوں نے خطاب کے آداب کا خیال رکھا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب کہا: ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ﴾ "اگر تو انھیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں۔"[1]

نیز فرمایا: ﴿اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ﴾ "اگر میں نے ایسا کہا ہو تو ضرور تجھے معلوم ہوگا۔"[2]

تو آپ نے آداب کا خیال رکھتے ہوئے یہ نہیں کہا "لَمْ اَقُلْ" میں نے نہیں کہا۔

فقیر سے کہا ان کو خوش کر دو

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک نیک آدمی جمعہ کے دن میرے پاس آئے اور مجھے کہا کہ میرے ساتھ اپنا فقیر بھیج دیں جو مجھے خوش رکھے اور میرے ساتھ کچھ کھائے۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا تو ایک فقیر موجود تھا جسے میں نے فاقہ کی حالت میں دیکھا۔ میں نے اس کو بلا کر کہا اس شیخ کے ساتھ جاؤ اور اسے خوش کرو۔ تھوڑی دیر نہ گزری کہ وہ شخص آیا اور کہنے لگا:

"اے ابوالقاسم! اس فقیر نے تو ایک لقمہ کھایا اور چلا گیا۔"

میں نے کہا: "شاید تم نے کوئی سخت کلمہ کہا ہوگا۔"

اس نے کہا: "میں نے کچھ نہیں کہا۔" میں نے اِدھر اُدھر دیکھا تو وہ فقیر وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا:

"تم نے اس کو مکمل خوشی کیوں نہ دی؟"

اس نے کہا: "اے میرے آقا! میں کوفہ سے نکل کر بغداد آیا اور میں نے کچھ نہ کھایا تھا اور میں نہیں چاہتا تھا کہ فاقہ کی وجہ سے آپ کی موجودگی میں کوئی بے ادبی ہو جائے۔ جب آپ نے خود مجھے بلایا تو میں خوش ہو گیا کہ اس کی ابتدا آپ کی طرف سے ہوئی۔ میں چلا گیا حالانکہ میں اپنے فاقہ کے بدلے جنت پر بھی راضی نہ تھا۔ جب میں اس کے دسترخوان پر بیٹھا تو اس نے میرے لیے ایک لقمہ بنا کر کہا "کھاؤ" اور یہ لقمہ میرے لیے دس ہزار (10,000) درہم سے زیادہ پسندیدہ تھا لیکن جب میں نے اس سے یہ الفاظ سنے تو میں سمجھ گیا کہ وہ کم ہمت انسان ہے اس لیے میں نے اس کے ساتھ کھانا کھانے سے اجتناب کیا۔"

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے تو پہلے ہی (اس سے) کہا کہ تم نے اس کے ساتھ بے ادبی کی ہوگی۔ اس پر اس شخص نے کہا: "اے ابوالقاسم! میں توبہ کرتا ہوں" چنانچہ انھوں نے اس سے فرمایا کہ ان کے ساتھ جاؤ اور ان کو خوش کرو۔

---

[1] پارہ7، المائدہ 118، ترجمہ کنزالایمان

[2] پارہ7، المائدہ 116، ترجمہ کنزالایمان

باب
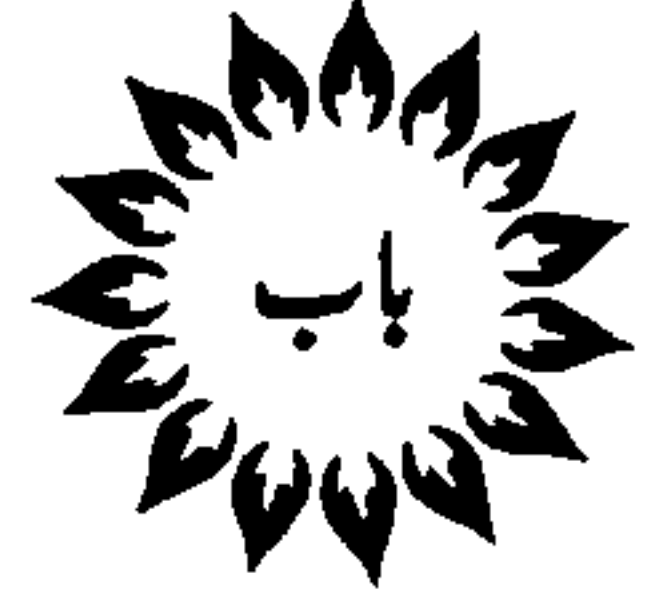
صوفیاء کرام کے احکامِ سفر کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُكُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ﴾

''وہی ہے کہ تمھیں خشکی اور تری میں چلاتا ہے۔''[1]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ سفر کے لیے تشریف لے جاتے ہوئے اونٹ پر بیٹھتے تو تین (3) بار ''اللہ اکبر'' کہتے پھر پڑھتے:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ۙ وَاِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ﴾

''پاکی ہے اسے جس نے اس سواری کو ہمارے بس میں کر دیا اور یہ ہمارے قابو کی نہ تھی اور بے شک ہمیں اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے۔''[2]

پھر یہ دعا مانگتے:

((اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ فِیْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَ التَّقْوٰی وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰی: اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَیْنَا سَفَرَنَا اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَةُ فِی الْاَهْلِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَاٰبَةِ الْمُنْقَلَبِ وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ فِی الْمَالِ وَالْاَهْلِ))

''اے اللہ! بے شک ہم تجھ سے اپنے سفر میں نیکی اور تقویٰ کا اور اس عمل کا سوال کرتے ہیں، جس پر تو راضی ہو۔ اے اللہ! ہم پر ہمارے سفر کو آسان کر دے۔ یا اللہ! تو سفر کا ساتھی اور گھر والوں کا نگہبان ہے۔ یا اللہ! میں سفر کی مشقت، واپسی کی تکلیف اور مال اور گھر میں برائی دیکھنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''

اور جب آپ ﷺ واپس تشریف لاتے تو بھی یہی کلمات پڑھتے اور ان میں یہ اضافہ فرماتے:

((اٰیِبُوْنَ، تَآئِبُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ))

---

[1] پارہ 11، یونس 22، ترجمہ کنزالایمان

[2] پارہ 25، الزخرف 13,14، ترجمہ کنزالایمان

''ہم واپس آنے والے، لوٹنے والے اور اپنے رب کی تعریف کرنے والے ہیں۔'' [1]

جب صوفیاء کرام میں سے اکثر کی رائے سفر اختیار کرنا ہے تو ہم نے اس رسالہ میں سفر کے ذکر کے لیے ایک الگ باب مقرر کیا کیونکہ ان لوگوں کے نزدیک اس کی بہت بڑی شان ہے۔ [2]

سفر کے بارے اختلاف

اس سلسلے میں ان لوگوں کے درمیان اختلاف ہے۔ ان میں سے بعض نے سفر پر اقامت کو ترجیح دی ہے اور انھوں نے سوائے فرض کام مثلاً حج کے علاوہ سفر نہیں کیا۔ یہ لوگ عام طور پر مقیم رہے جیسے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ، ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ، ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم۔

ان میں سے بعض نے سفر کو ترجیح دی اور مرتے دم تک سفر میں رہے جیسے حضرت ابو عبداللہ مغربی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ۔

ان لوگوں میں بہت سے لوگوں نے ابتداء میں اور جوانی کے عالم میں بہت سفر کیے پھر انھوں نے سفر کو ترک کر دیا جیسے حضرت ابو عثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر کئی حضرات، ان لوگوں میں سے ہر ایک کے لیے اصول تھے جن کو انھوں نے اپنے طریقے کی بنیاد بنایا۔

سفر کی اقسام

سفر کی دو قسمیں ہیں:

① (سَفَرٌ بِالْبَدَنِ) ''بدن کے ساتھ سفر'' یعنی ایک حصۂ زمین سے دوسرے علاقے کی طرف منتقل ہونا۔

② (سَفَرٌ بِالْقَلْبِ) ''دل کے ساتھ سفر'' یعنی ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف ترقی۔

پس تم دیکھو گے کہ بدن کا سفر کرنے والے ہزاروں کی تعداد میں ہیں جب کہ دل کے ساتھ سفر کرنے والے کم ہیں۔

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: نیشاپور کی ایک بستی (فَرَخَكَ) میں اس جماعت کے مشائخ میں سے ایک شیخ رہتے تھے۔ اس علم میں ان کی تصانیف بھی ہیں۔ ان سے بعض لوگوں نے پوچھا کہ اے شیخ! کیا آپ نے سفر کیا ہے؟

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الحج، باب مایقول إذا رکب إلی السفر الحج وغیرہ، رقم الحدیث: 1342.

[2] سفر میں مختلف احوال کا مشاہدہ ہوتا ہے اور مظاہر قدرت کو دیکھ کر اس کی ذات کی طرف راہ نمائی ملتی ہے۔ ۱۲ ہزاروی

انھوں نے پوچھا: زمین کا سفر یا آسمان کا سفر؟ زمین کا سفر تو میں نے نہیں کیا البتہ آسمان کا سفر کیا ہے۔

وہی فرماتے ہیں: ایک دن میرے پاس ایک فقیر آیا اور میں ''مرو'' (کے علاقہ) میں تھا۔ اس نے کہا میں نے آپ کے لیے دور دراز کا سفر کیا ہے اور میرا مقصود صرف آپ کی ملاقات ہے۔

میں نے اس سے کہا: ''اگر تم اپنے نفس سے سفر کرتے تو تمھارے لیے ایک قدم بھی کافی تھا۔''

سفر کے سلسلے میں ان صوفیاء کرام کی اقسام اور احوال میں اختلاف جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، کی بنیاد پر ان کی حکایات بھی مختلف ہیں۔

تو اچھا طفیلی ہے

حضرت احنف ہمذانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں جنگل میں اکیلا تھا۔ میں تھک گیا تو میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا: ''اے میرے رب عزوجل! میں کمزور اور اپاہج ہوں اور تیرے پاس ضیافت کے لیے حاضر ہوا ہوں'' اس پر میرے دل میں خیال آیا کہ کہیں مجھے یہ نہ کہا جائے کہ تمھیں کس نے بلایا تھا؟ میں نے کہا: ''اے میرے رب عزوجل! تیری مملکت ایسی ہے جہاں طفیلی (بن بلائے مہمان) کو برداشت کیا جاتا ہے۔'' اچانک مجھے پیچھے سے کسی نے آواز دی، میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ ایک عربی دیہاتی تھا جو سواری پر سوار تھا۔

اس نے کہا اے عجمی! کہاں جا رہے ہو؟

میں نے کہا: ''مکہ مکرمہ جا رہا ہوں۔''

اس نے کہا: ''کیا اس نے تمھیں بلایا ہے؟''

میں نے کہا: ''مجھے معلوم نہیں'' اس نے کہا: کیا اللہ عزوجل نے یہ نہیں فرمایا:

﴿لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ط﴾

''اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے جو اس تک چل سکے۔''[1]

میں نے کہا مملکت وسیع ہے جو طفیلی کو برداشت کر سکتی ہے۔ اس نے کہا تو بہت اچھا طفیلی ہے، تو اونٹ کی خدمت کر سکتا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ پس وہ اپنی سواری سے اترا اور مجھے عطا کرتے ہوئے کہا اس پر سوار ہو کر جاؤ۔

حضرت کتانی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک فقیر نے کہا کہ مجھے کوئی وصیت کیجیے۔ انھوں نے فرمایا: کوشش کرو کہ ہر رات مسجد کے مہمان بنو اور تمھیں دو منزلوں کے درمیان ہی موت آئے (یعنی روحانی سفر جاری رہے)۔

حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے وہ فرماتے تھے: ایک بار بیٹھنا ایک ہزار (1000) حج سے بہتر ہے۔ ان کی مراد

[1] پارہ 4، آل عمران 97، ترجمہ کنزالایمان

یہ تھی کہ اللہ ﷻ کو حاضر جان کر ایک بار اس طرح بیٹھے کہ ہمت جمع ہو جائے اور مجھے اپنی زندگی کی قسم یہ ایسے ایک ہزار (1000) حج سے بہتر ہے جس میں انسان اللہ ﷻ سے غائب رہے۔

سونے والا ہم سے افضل ہے

حضرت محمد بن اسماعیل فرغانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں، ابوبکر زقاق رحمۃ اللہ علیہ اور کتانی رحمۃ اللہ علیہ تقریباً بیس (20) سال سفر کرتے رہے۔ نہ تو ہم کسی سے میل جول کرتے اور نہ کسی کے ساتھ مل جل کر رہتے۔ جب ہم کسی شہر میں آتے تو اگر وہاں کوئی بزرگ ہوتے تو ہم ان کو سلام کرتے اور رات تک ان کے پاس بیٹھے رہتے پھر مسجد کی طرف لوٹ جاتے۔ حضرت کتانی رحمۃ اللہ علیہ رات کے آغاز سے آخر تک نماز پڑھتے اور قرآن مجید مکمل ختم کرتے۔ حضرت زقاق رحمۃ اللہ علیہ قبلہ رخ ہو کر بیٹھ جاتے اور میں لیٹ کر سوچتا رہتا۔ پھر ہم صبح اٹھ کر عشاء کے وضو کے ساتھ نماز پڑھتے۔ اور جب ہمارے درمیان کوئی شخص آتا اور سویا رہتا تو ہم اسے اپنے سے افضل سمجھتے۔

حضرت عیسیٰ قصار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ سے آدابِ سفر کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ اس کا قدم اس کی ہمت سے آگے نہ بڑھے اور جہاں اس کا دل ٹھہر جائے وہی اس کی منزل ہو جائے۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے فرماتے ہیں: اللہ ﷻ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ لوہے کے دو جوتے بنا لیں، لوہے کی لاٹھی لے لیں پھر زمین میں سیاحت کریں اور عبرت کی باتیں تلاش کریں حتیٰ کہ جوتے پھٹ جائیں اور عصا ٹوٹ جائے۔

حضرت عبداللہ مغربی رحمۃ اللہ علیہ کا سفر

حضرت ابو عبداللہ مغربی رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ سفر میں رہتے اور آپ کے ساتھ آپ کے مرید ہوتے اور آپ حالتِ احرام میں ہوتے۔ جب احرام کھول دیتے تو دوبارہ احرام باندھ لیتے۔[1] نہ تو ان کے لیے کپڑا بُنا جاتا اور نہ ہی ان کے ناخن اور بال بڑھتے۔ آپ کے مرید رات کے وقت آپ کے پیچھے چلتے اور جب ان میں سے کوئی ایک راستے سے ہٹ جاتا تو آپ فرماتے: اے فلاں! دائیں طرف ہو جاؤ۔ اے فلاں! بائیں طرف ہو جاؤ اور آپ اپنا ہاتھ اس (کھانے) کی طرف نہ بڑھاتے جس کی طرف دوسرے لوگ اپنے ہاتھ بڑھاتے تھے۔ اور آپ کا کھانا کوئی جڑی بوٹی ہوتی جو ان کے لیے اختیار کی جاتی اور اُن کے لیے اُکھاڑی جاتی۔

---

[1] مطلب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ حالتِ احرام میں ہوتے، پہلا احرام کھولتے ہی دوبارہ احرام باندھ لیتے۔ ۱۲ ہزاروی

کہا گیا کہ وہ شخص جس سے تو کہے کہ اُٹھ چل اور وہ پوچھے کہاں؟ تو وہ دوست نہیں ہے۔
اسی مفہوم کا یہ شعر ہے:

إِذَا اسْتَنْجِدُوْا لَمْ يَسْأَلُوْا مَنْ دَعَاهُمْ
لِأَيَّةِ حَرْبٍ أَمْ لِأَيِّ مَكَانِ

٭ جب ان کو اطاعت کے لیے کہا جاتا ہے تو وہ یہ بات نہیں پوچھتے کہ ان کو کس نے بلایا ہے، کس جنگ یا کس جگہ جانے کے لیے بلایا ہے۔

تم امیر بنو گے یا میں؟

حضرت ابو علی رباطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت عبداللہ مروزی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اختیار کی اور میری صحبت سے پہلے وہ زادِ راہ اور سواری کے بغیر جنگل میں جاتے۔ جب میں ان کی صحبت میں آ گیا تو انھوں نے مجھ سے پوچھا تمھیں کون سی بات پسند ہے تم امیر بنو یا میں؟
میں نے کہا نہیں، بلکہ آپ امیر ہیں۔
انھوں نے فرمایا: پس تم پر حکم ماننا لازم ہے۔ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ پھر انھوں نے ایک تھیلا لے کر اس میں زادِ راہ رکھا اور اسے اپنی پیٹھ پر ڈال دیا۔ جب میں کہتا کہ مجھے دیجیے میں اس کو اٹھاؤں تو فرماتے میں امیر ہوں اور تجھ پر فرماں برداری لازم ہے۔
فرماتے ہیں: ایک رات ہم پر بارش ہوگئی تو وہ چادر لے کر کھڑے ہوئے صبح تک مجھے بارش سے بچاتے رہے۔ میں اپنے دل میں کہتا: (يَالَيْتَنِيْ مُتُّ وَلَمْ أَقُلْ لَهٗ أَنْتَ الْأَمِيْرُ) ''کاش میں مر جاتا اور ان کو یہ بات نہ کہتا کہ آپ امیر ہیں۔''
اس کے بعد انھوں نے مجھ سے فرمایا: جب تم کسی کی صحبت میں رہو تو اس طرح رہو جس طرح تم نے مجھے اپنی صحبت میں دیکھا ہے۔
ایک نوجوان حضرت ابو علی روذباری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا۔ جب اس نے جانے کا ارادہ کیا تو کہا: ''شیخ! کچھ فرمانا چاہتے ہیں۔''
انھوں نے فرمایا: ''اے نوجوان! صوفیاء نہ تو وعدہ کر کے اکٹھے ہوتے ہیں اور نہ مشورہ سے الگ ہوتے ہیں۔''

ہم اللہ عزوجل کے محتاج ہیں

حضرت مزین کبیر رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے فرماتے ہیں: ایک دن میں کسی سفر کے دوران حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تھا تو اچانک دیکھا کہ ایک بچھو ان کی ران پر دوڑ رہا ہے۔ میں اس کو مارنے کے لیے اٹھا تو انھوں نے مجھے منع کر دیا اور فرمایا اسے چھوڑ دو، ہر چیز ہماری محتاج ہے اور ہم (اللہ عزوجل کے سوا) کسی چیز کے محتاج نہیں۔

تیس (30) سال سفر کیا

حضرت ابو عبداللہ نصیبینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے تیس (30) سال تک سفر کیا نہ تو میں نے اپنی گدڑی پر کوئی پیوند لگایا اور نہ ایسی جگہ کی طرف گیا جس کے بارے میں مجھے علم ہوا ہو کہ وہاں میرا کوئی دوست ہے اور نہ ہی میں نے کسی کو اجازت دی کہ میرے ساتھ کوئی چیز اٹھا کر جائے (یعنی اپنا کام خود کیا)۔

سفر میں رخصت پر عمل نہ کرنا

جان لو! صوفیاء کرام نے حاضری کے تمام ''آداب'' مجاہدات کے ذریعے حاصل کیے۔ پھر انھوں نے ارادہ کیا کہ ان کے ساتھ کچھ اور ملائیں تو انھوں نے ان (مجاہدات) کے ساتھ ''احکامِ سفر'' کو شامل کیا تاکہ ان کے نفوس ٹھیک ہو جائیں حتیٰ کہ انھوں نے ان کو عادی چیزوں سے نکال دیا اور ان کو معروف چیزیں چھوڑنے پر مجبور کیا تاکہ وہ کسی دنیوی تعلق اور واسطے کے بغیر اللہ عزوجل کے ساتھ زندگی گزاریں۔ پس انھوں نے حالتِ سفر میں بھی اپنے کسی وظیفہ کو نہ چھوڑا۔

وہ لوگ کہتے تھے کہ رخصتیں ان لوگوں کے لیے ہیں جن کے لیے سفر کسی ضرورت و حاجت کی وجہ سے ہو اور ہمیں سفر میں نہ تو کوئی کام ہے اور نہ کوئی ضرورت (لہٰذا ہمارے لیے رخصت نہیں)۔

حضرت نصرابازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں ایک دفعہ جنگل میں گزرتے ہوئے کمزور ہو گیا تو میں اپنے آپ سے مایوس ہو گیا چنانچہ میری نگاہ چاند پر پڑی اور یہ دن کا وقت تھا۔ میں نے چاند پر لکھا ہوا دیکھا:

﴿فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ ۚ﴾ ''تو اے محبوب عنقریب اللہ ان کی طرف سے تمھیں کفایت کرے گا۔''[1]

مسافر چار چیزوں کا محتاج ہوتا ہے

پس میں نے اپنی تکلیف کو معمولی سمجھا اور اس وقت سے میرے لیے یہ بات (یعنی کرامت) ظاہر ہونا شروع ہوئی۔

حضرت ابو یعقوب سوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مسافر اپنے سفر میں چار چیزوں کا محتاج ہوتا ہے: ① علم جو اس کی

[1] پارہ1، البقرہ 137، ترجمہ کنزالایمان

راہنمائی کرے ② تقویٰ جو اسے بری بات سے روکے ③ شوق جو اسے مطلوب تک پہنچنے پر آمادہ کرے ④ خُلق جو اس کی حفاظت کرے۔

سفر کو سفر کیوں کہتے ہیں

کہا گیا کہ: (سُمِّيَ السَّفَرُ سَفَرًا، لِأَنَّهُ يُسْفِرُ عَنْ أَخْلَاقِ الرِّجَالِ) ''سفر کو اس لیے سفر کہا گیا کیونکہ اس سے لوگوں کے اخلاق ظاہر ہوتے ہیں۔''

بزرگوں کے سفر کا حال

حضرت کتانی رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی فقیر یمن کی طرف سفر کے لیے جاتا پھر وہ ان کے پاس واپس آتا تو وہ اپنے مریدوں کو حکم دیتے کہ اس سے الگ رہیں وہ اس لیے اس طرح کرتے کہ اس زمانے میں لوگ دنیوی مال و دولت کے لیے سفر کرتے تھے۔ کہا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ سفر میں (اپنے ساتھ) کوئی چیز نہیں لے جاتے تھے البتہ سوئی اور مشکیزہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ سوئی اپنا کپڑا سینے کے لیے کہ اگر وہ پھٹ جائے تو ستر کو ڈھانپا جا سکے اور مشکیزہ حصول طہارت کے لیے، اور آپ ان چیزوں کو دنیوی تعلق کی چیزیں خیال نہیں کرتے تھے۔

جوتا نہ پہنا

حضرت ابو عبداللہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں ''طرطوس'' سے ننگے پاؤں نکلا اور میرے ساتھ ایک رفیق تھا پس ہم شام کی ایک بستی میں پہنچے تو ایک شخص میرے پاس جوتا لے کر آیا۔ میں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ میرے رفیق نے مجھ سے کہا اس کو پہن لیں کیونکہ آپ تھک گئے ہیں اور اللہ عزوجل نے یہ جوتا آپ کو میری وجہ سے دیا ہے۔ میں نے پوچھا وہ کیسے؟

اس نے کہا آپ نے میری موافقت اور حق صحبت کا لحاظ رکھتے ہوئے جوتا اتارا تھا۔

ساری رات دروازے پر کھڑے رہے

کہا گیا کہ حضرت خواص رحمۃ اللہ علیہ سفر میں تھے اور ان کے ساتھ تین (3) آدمی تھے۔ آپ جنگل میں کسی مسجد میں گئے اور وہاں رات گزاری۔ اس مسجد کا دروازہ نہیں تھا اور سخت سردی تھی پس وہ لوگ سو گئے۔ جب صبح ہوئی تو انھوں نے حضرت خواص رحمۃ اللہ علیہ کو دروازے پر کھڑا دیکھا۔ انھوں نے اس سلسلے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: (خَشِيْتُ أَنْ

تَجِدُوا الْبَرْدَ) ''مجھے ڈر تھا کہ تم لوگ سردی کا شکار نہ ہو۔'' اور وہ رات بھر وہاں کھڑے رہے۔

جب تک تمھیں نہ دیکھوں یہاں سے نہ ہٹوں گی

کہا گیا ہے کہ حضرت کتانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ اپنی والدہ سے حج پر جانے کی اجازت طلب کی تو انھوں نے ان کو اجازت دے دی۔ وہ وہاں سے نکلے تو جنگل میں آپ کے کپڑوں کو پیشاب لگ گیا تو انھوں نے سوچا یہ بات میری حالت میں کسی خلل کی وجہ سے ہوئی ہے پس وہ واپس آئے۔ جب اپنے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تو ان کی ماں نے جواب دیا اور دروازہ کھولا۔ انھوں نے دیکھا کہ وہ دروازے کے پیچھے بیٹھی ہوئی ہیں۔ انھوں نے ان سے وہاں بیٹھنے کا سبب پوچھا تو ماں نے جواب دیا کہ جب تم یہاں سے نکلے ہو تو میں نے عہد کر لیا تھا کہ جب تک تمھیں نہ دیکھوں یہاں سے نہیں ہٹوں گی۔

حضرت ابراہیم قصار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے تیس (30) سال فقراء کے دلوں کی اصلاح کے لیے سفر کیا۔

کہا گیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی تو کہا اے ابوسلیمان! ایک عرصہ سے میرا دل آپ سے ملاقات کرنا چاہتا تھا۔ انھوں نے فرمایا: کوئی حرج نہیں، جب بدن اور دل دونوں پرسکون ہوں تو ملاقات آسان ہوتی ہے۔

میں خرید کے دیتا ہوں

حضرت ابونصر صوفی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت نصرابادی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے تھے۔ فرماتے تھے: میں ''عمان'' کی بندرگاہ پر سمندر سے اترا اور مجھے سخت بھوک لگی ہوئی تھی۔ میں بازار میں چلتے چلتے ایک حلوائی کی دکان تک پہنچا تو میں نے وہاں بکری کا بھنا ہوا گوشت اور مٹھائیاں دیکھیں تو میں نے ایک شخص کو پکڑ لیا اور کہا کہ میرے لیے یہ چیزیں خریدو۔

اس نے کہا: کیوں، کیا میرے ذمہ تمھاری کوئی چیز ہے یا مجھ پر قرض ہے؟

میں نے کہا تمھیں میرے لیے یہ چیزیں ضرور خریدنا ہوں گی۔

ایک شخص نے مجھے دیکھا تو کہا اے جوان! اسے چھوڑ دو جس شخص پر تمھارے لیے یہ خریدنا واجب ہے وہ میں ہوں یہ نہیں۔ مجھ سے مطالبہ کرو اور جو چاہو حکم دو۔ پھر اس نے وہ چیزیں خریدیں جو میں چاہتا تھا اور چلا گیا۔

تم نے کدو کی وجہ سے خیانت کی

حضرت ابوالحسین مصری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے وہ فرماتے ہیں: مجھے طرابلس سے (شیخ) شجری رحمۃ اللہ علیہ کے

ساتھ سفر کرنے کا اتفاق ہوا۔ ہم چند دن کچھ کھائے بغیر چلتے رہے تو میں نے زمین پر پڑا ہوا ایک کدو دیکھا۔ میں اس کو کھانے لگا تو حضرت شیخ میری طرف متوجہ ہوئے اور انھوں نے کچھ نہ کہا۔ میں نے اسے پھینک دیا اور میں نے جان لیا کہ وہ اس بات کو ناپسند کرتے ہیں۔ پھر اللہ عزوجل نے ہمیں پانچ (5) دینار عطا فرمائے تو ہم ایک بستی میں داخل ہوئے تو میں نے دل میں کہا کہ شیخ ہمارے لیے ضرور کوئی چیز خریدیں گے لیکن وہ چلتے گئے اور کچھ نہ خریدا۔ پھر فرمایا:

شاید تم کہو گے کہ ہم بھوکے جا رہے ہیں اور یہ ہمارے لیے کچھ نہیں خریدتے۔ فرمایا: راستے میں یہودیہ نامی بستی ہے اور وہاں ایک عیال دار آدمی ہے۔ جب ہم وہاں پہنچیں گے تو وہ ہماری خدمت میں مشغول ہوگا ہم یہ دینار اسے دیں گے تاکہ وہ ہم پر اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے۔

ہم اس تک پہنچے تو انھوں نے وہ دینار اسے دے دیے تو اس نے ہم پر خرچ کیے۔ جب ہم وہاں سے نکلے تو فرمایا: اے ابوالحسین! کہاں جاتے ہو؟ میں نے کہا آپ کے ساتھ جا رہا ہوں۔ فرمایا: نہیں تم ایک کدو کی خاطر مجھ سے خیانت کرتے ہو اور پھر میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو چنانچہ انھوں نے مجھے اپنے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیا۔

فقیر کو شرمندہ کیا تو شرمندہ ہونا پڑا

حضرت ابوعبداللہ بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں ابھی نوعمری کی حالت میں تھا کہ مجھے ایک فقیر ملا۔ اس نے مجھے دیکھا کہ بھوک نے مجھے نڈھال کر رکھا ہے چنانچہ وہ مجھے اپنے گھر لے گیا اور میرے سامنے گوشت رکھا جو آبِ جَو (جو کا پانی) میں پکایا گیا تھا اور گوشت کا ذائقہ بدلا ہوا تھا۔ میں ثرید کھاتا اور گوشت کے ذائقہ میں تبدیلی کی وجہ سے اس سے بچتا تھا۔ اس نے مجھے ایک لقمہ دیا جو میں نے بڑی مشقت سے کھایا پھر مجھے دوسرا لقمہ دیا جس سے مجھے بہت تکلیف ہوئی۔ اس نے میری حالت دیکھی تو شرمندہ ہوا۔ اس کی وجہ سے مجھے بھی شرمندگی ہوئی چنانچہ میں چلا گیا اور فوراً سفر پر روانہ ہو گیا۔

میں نے ایک آدمی کو اپنی والدہ کے پاس بھیجا اور اپنی گدڑی منگوائی اور اپنی خبر دی۔ میری والدہ نے میری مخالفت نہ کی اور وہ میرے جانے پر راضی رہی۔ میں فقراء کی ایک جماعت کے ساتھ "قادسیہ" سے نکلا لیکن ہم راستہ بھول گئے اور ہمارا زادِ راہ ختم ہو گیا اور ہم مرنے کے قریب پہنچ گئے۔ ہم عرب کے قبائل میں سے ایک قبیلہ کے پاس پہنچے لیکن ان کے پاس کچھ نہ پایا پس ہم نے مجبور ہو کر چند دیناروں کے بدلے کتا خریدا اور اس کو بھونا۔ انھوں نے مجھے اس کے گوشت سے ایک لقمہ دیا، جب میں نے اسے کھانے کا ارادہ کیا تو میں نے اپنے حال پر غور کیا تو مجھے خیال آیا کہ اس فقیر کی شرمندگی کی سزا ہے۔ پس میں نے اپنے دل میں توبہ کی پھر انھوں نے ہمیں راستہ بتا دیا تو میں چلا اور حج کیا پھر واپس فقیر کے پاس معذرت کرنے کے لیے آیا۔

باب
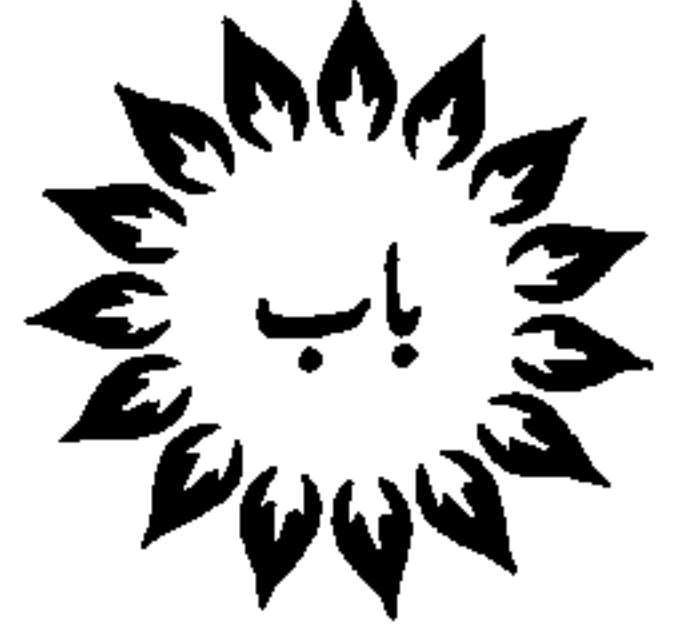
صحبت کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ج﴾

''صرف دو جان سے جب وہ دونوں غار میں تھے جب اپنے یار سے فرماتے تھے غم نہ کھا بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''[1]

جب اللہ عزوجل نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لیے صحبت ثابت کی تو بیان کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر شفقت کا اظہار کیا۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ج﴾ ''جب اپنے یار سے فرماتے تھے غم نہ کھا بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''[2] تو شریف آدمی اپنے ساتھی پر شفیق ہوتا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ((مَتٰی اَلْقٰی اَحْبَابِیْ؟ فَقَالَ اَصْحَابُهٗ: بِاَبِیْنَا اَنْتَ وَ اُمِّنَا اَوَلَسْنَا اَحْبَابَكَ؟ فَقَالَ: اَنْتُمْ اَصْحَابِیْ، اَحْبَابِیْ: قَوْمٌ لَّمْ یَرَوْنِیْ وَاٰمَنُوْا بِیْ وَاَنَا اِلَیْهِمْ بِالْاَشْوَاقِ اَکْثَرُ)) ''میں اپنے دوستوں سے کب ملوں گا؟ آپ کے صحابہ نے عرض کیا: ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کیا ہم آپ کے دوست نہیں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میرے صحابہ ہو، میرے دوست (احباب) وہ لوگ ہیں جنھوں نے مجھے نہیں دیکھا اور وہ مجھ پر ایمان لائے مجھے ان سے ملنے کا بہت شوق ہے۔''[3]

صحبت کی اقسام

صحبت کی تین قسمیں ہیں:

① ''اپنے سے اونچے درجے والے کی صحبت۔'' یہ حقیقت میں خدمت گزاری ہے۔

[1] پارہ 10، التوبہ 40، ترجمہ کنزالایمان

[2] پارہ 10، التوبہ 40، ترجمہ کنزالایمان

[3] کنزالعمال، جلد نمبر 12، صفحہ: 184، رقم الحدیث: 34583.

② ''اپنے سے کم درجے والے کی صحبت۔'' اس کا تقاضا یہ ہے کہ ''مَتبُوع'' (بڑا) اپنے ساتھی کے ساتھ شفقت و رحمت سے پیش آئے اور ''تَابِعْ'' (چھوٹا) اس کی موافقت اور احترام کرے۔

③ ہم پلہ اور برابر لوگوں کی صحبت۔'' یہ ایثار اور جواں مردی پر مبنی ہوتی ہے۔

پس جو شخص اپنے سے بڑے مرتبے والے شیخ کی صحبت میں رہے تو اس کے ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اس پر اعتراض نہ کرے اور اس سے جو بات ظاہر ہو اس کی اچھی تاویل کرے اور اس کے احوال پر ایمان رکھتے ہوئے ان کو قبول کرے۔

جب حضرت منصور بن خلف مغربی رحمۃ اللہ علیہ سے ہمارے کسی ساتھی نے پوچھا کہ آپ حضرت ابوعثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں کتنا عرصہ رہے؟ انھوں نے اس کی طرف ناراضگی سے دیکھا اور فرمایا: (إِنِّیْ لَمْ أَصْحَبْهُ بَلْ خَدِمْتُهُ مُدَّةً) ''میں ان کی صحبت میں نہیں رہا بلکہ ایک مدت تک میں نے ان کی خدمت کی ہے۔''

جب تم اپنے سے کم درجے والے کی صحبت میں رہو تو تمھاری طرف سے اس کی صحبت کے اعتبار سے خیانت ہوگی اگر تم اس کی کسی حالت میں کمی پر اس کو تنبیہ نہ کرو۔ اسی لیے حضرت ابوالخیر تینانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جعفر بن محمد بن نصیر رحمۃ اللہ علیہ کی طرف لکھا: فقراء کی جہالت کا بوجھ تم لوگوں پر ہے کیونکہ تم لوگ ان کی تربیت کی بجائے اپنے نفسوں کی طرف متوجہ رہے پس وہ لوگ جاہل رہ گئے۔

اگر تم اپنے مرتبہ کے لوگوں کی صحبت میں ہو تو تمھارے لیے درست بات یہ ہے کہ ان کے عیبوں سے اندھے بنے رہو اور ان سے جو کچھ دیکھو جہاں تک ممکن ہو اس کی اچھی تاویل کرو۔ اگر کوئی اچھی تاویل نہ ملے تو اپنے نفس کی طرف نگاہ کرو اور اسی کو تہمت دو اور اسی (نفس) کو ملامت کرو۔

خامی ہماری ہے تم میں عیب نہیں

حضرت احمد بن ابی حواری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسفیان دارانی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ فلاں آدمی میرے دل میں نہیں جچتا۔ حضرت ابوسلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: وہ میرے دل میں بھی نہیں جچتا لیکن اے احمد! ہوسکتا ہے یہ ہمارے اپنے نفس کی خرابی ہو۔ ہم صالحین میں سے نہیں ہیں اس لیے ہم ان سے محبت نہیں کرتے۔

کہا گیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اختیار کی۔ جب وہ جدا ہونے لگا تو کہا اگر آپ نے مجھ میں کوئی عیب دیکھا ہے تو مجھے آگاہ کیجیے۔ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے تم میں کوئی عیب نہیں دیکھا کیونکہ میں نے تمھیں دوستی کی نگاہ سے دیکھا ہے پس میں نے تم میں جو کچھ دیکھا اس کو اچھا جانا، اپنے عیب کے بارے میں میرے علاوہ کسی سے پوچھو۔

اسی سلسلے میں یہ شعر ہے:

وَعَيْنُ الرِّضَا عَنْ كُلِّ عَيْبٍ كَلِيْلَةٌ
وَلٰكِنَّ عَيْنَ السُّخْطِ تُبْدِيْ الْمَسَاوِيَا

* دوستی کی نگاہ ہر عیب سے رات کی طرح (یعنی بند) ہوتی ہے، لیکن دشمن کی نگاہ برائیوں کو ظاہر کرتی ہے۔

حضرت ابراہیم بن شیبان رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے وہ فرماتے ہیں: (كُنَّا لَا نَصْحَبُ مَنْ يَقُوْلُ نَعْلِيْ) "ہم اس شخص کی خدمت میں نہیں بیٹھتے تھے جو کہتا یہ میرا جوتا ہے۔" (یعنی وہ شخص فقیر نہیں جو کسی چیز کو اپنی ملکیت قرار دیتا ہے)۔

حضرت ابو احمد قلانسی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ میں سے تھے۔ فرماتے تھے: میں بصرہ میں کچھ لوگوں کی صحبت میں رہا تو انھوں نے میری عزت کی۔ ایک مرتبہ میں نے ان میں سے بعض سے کہا: (أَيْنَ إِزَارِيْ؟) "میرا تہبند کہاں ہے؟" تو میں ان کی نگاہوں سے گر گیا۔

حضرت زقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: میں چالیس (40) سال سے ان لوگوں کی صحبت میں ہوں تو میں نے اپنے ان ساتھیوں کے پاس کوئی سامان نہیں دیکھا البتہ وہ جو ایک دوسرے سے لیتے تھے یا اس سے لیتے جو ان سے محبت کرتا۔ تصوف کی دنیا میں جس شخص کے پاس تقویٰ اور پرہیزگاری نہیں وہ واضح طور پر حرام کھاتا ہے۔

میرے بجائے اللہ عزوجل کی صحبت میں رہو

استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک شخص نے حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے کہا اے ابو محمد! میں نے آپ کی صحبت میں رہنے کا ارادہ کیا ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ اگر ہم میں سے کوئی ایک مر گیا تو باقی رہنے والے کس کی صحبت میں رہیں گے۔ اس نے کہا اللہ عزوجل کی صحبت میں، فرمایا: پھر اسے اب بھی اسی کی صحبت میں رہنا چاہیے۔

میرے دل سے جدائی کا خیال دور ہو گیا

ایک شخص ایک مدت تک دوسرے شخص کی صحبت میں رہا۔ پھر ان میں سے ایک کے دل میں جدائی کا خیال آیا۔ اس نے اپنے ساتھی سے اجازت مانگی۔ اس نے کہا اس شرط پر اجازت دیتا ہوں کہ تم صرف اسی شخص کی صحبت اختیار کرو گے جو ہم سے اونچے درجے والا ہو (پھر کہا) اور اگر وہ ہم سے اونچے درجے والا بھی ہو تو اس کی صحبت میں بھی نہ جانا کیونکہ پہلے تم ہماری صحبت اختیار کر چکے ہو تو اس شخص نے کہا میرے دل سے جدائی کا خیال دور ہو گیا۔[1]

[1] اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ پہلے شیخ سے اُونچے درجہ والے کے پاس جائے گا تو پہلے کے درجہ میں کمی کا خیال آئے گا۔ حالانکہ پہلے یہاں سے فیض حاصل کیا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

دل سے بات نکالنے کا انوکھا طریقہ

حضرت کتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ایک شخص نے میری صحبت اختیار کی۔ اس کی صحبت میرے لیے ناگوار گزری۔ میں نے اسے کوئی چیز بطور تحفہ دی تاکہ میرے دل سے بوجھ زائل ہو جائے لیکن وہ زائل نہ ہوا۔ پس میں اسے اپنے گھر لے گیا اور اس سے کہا کہ اپنا پاؤں میرے رُخسار پر رکھو۔ اس نے انکار کر دیا۔ میں نے کہا ضروری ہے۔ اس نے یہ عمل کیا۔ میں نے عہد کر لیا کہ جب تک میرے دل سے وہ بوجھ زائل نہیں ہو گا وہ اپنا پاؤں میرے رُخسار سے نہیں اٹھائے گا۔ جب میرے دل سے وہ بوجھ دور ہو گیا جو میں محسوس کر رہا تھا تو میں نے اس سے کہا ''اب اپنا پاؤں اٹھا لو۔''

ہم نے کیا کیا اور اُنھوں نے کیا کیا؟

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ فصلوں کی کٹائی اور باغوں کی حفاظت وغیرہ کا کام کرتے اور اپنے ساتھیوں پر خرچ کرتے۔ کہا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کے ساتھ تھے۔ آپ دن کو عمل کرتے اور ان پر خرچ کرتے اور رات کو سب اکٹھے ہوتے اور وہ سب لوگ روزہ رکھتے تھے۔ آپ کام سے واپس آنے میں تاخیر کرتے۔ ایک رات ان حضرات نے کہا آؤ آج ان کے بغیر ہی کھانا کھا لیں تاکہ آئندہ وہ جلدی آئیں۔ پس وہ کھانا کھا کر سو گئے۔ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ واپس تشریف لائے تو وہ لوگ سو چکے تھے۔ انھوں نے سوچا شاید ان مسکینوں کو کھانا نہیں ملا۔ وہاں گھر میں جس قدر آٹا تھا آپ نے اسے گوندھا اور آگ جلائی اور اس میں کوئلے ڈالے۔ پس وہ لوگ جاگ گئے۔ آپ آگ میں پھونکیں مار رہے تھے اور آپ کا رُخسار زمین سے لگ رہا تھا۔

انھوں نے آپ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: میں نے سوچا شاید آپ لوگوں کو کھانا نہیں ملا اور آپ سو گئے، میں نے اسی بات کو پسند کیا کہ جب انگارے روشن ہو جائیں تو جگاؤں۔ وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے: (أَنْظُرُوْا مَا الَّذِیْ عَمِلْنَا، وَمَا الَّذِیْ بِهٖ یُعَامِلُنَا) ''دیکھو ہم نے کیا کیا، اور یہ ہمارے ساتھ کیا معاملہ کر رہے ہیں۔''

صحبت کے لیے تین شرطیں رکھنا

کہا گیا کہ جب کوئی شخص حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں آتا تو آپ اس کے سامنے تین شرطیں پیش کرتے: ① خدمت وہی (آپ) کریں گے ② اذان آپ خود دیں گے ③ اللہ عزوجل ان لوگوں کو جو دنیوی چیزیں عطا کرے گا۔ ان چیزوں میں ان کا اسی قدر حصہ ہو گا جتنا دوسروں کا ہو گا۔

ایک دن آپ کے ساتھیوں میں سے ایک نے کہا: میں اس پر قادر نہیں، آپ نے فرمایا: مجھے تمھارا سچ کہنا پسند آیا۔

صحبت کے بارے اقوال

حضرت یوسف بن حسین رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ میں کس کی صحبت اختیار کروں؟ انھوں نے کہا: اس کی صحبت اختیار کرو جس سے تم کوئی ایسی بات نہ چھپاؤ جس کا اللہ عزوجل نے تمھیں علم دیا ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص سے فرمایا: اگر تم ان لوگوں میں سے ہو جو درندوں سے ڈرتے ہیں تو میری ''صحبت'' اختیار نہ کرنا۔

حضرت بشر بن حارث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: (صُحْبَةُ الْأَشْرَارِ تُوْرِثُ سُوْءَ الظَّنِّ بِالْأَخْيَارِ) ''بروں کی صحبت (اختیار کرنے) سے نیک لوگوں کی صحبت کے بارے میں بدگمانی ہوتی ہے۔''

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ بغداد میں داخل ہوئے تو آپ کے ساتھ ایک گنجا آدمی تھا جو ہمیشہ خاموش رہتا تھا۔ میں نے حضرت ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں سے اس کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ اس شخص نے حضرت ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ پر ایک لاکھ درہم خرچ کیے پھر ایک لاکھ درہم قرض لے کر خرچ کیے اس کے باوجود حضرت ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک کلمہ کہنے کی اجازت نہ دی۔

حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ عزوجل کی صحبت اختیار کرو تو اس کے احکام بجا لانے میں اس کی موافقت اختیار کرو اور مخلوق کی صحبت اختیار کرو تو ان سے خیر خواہی کرو، نفس کی صحبت مخالفت کے ساتھ اور شیطان کی صحبت اس سے عداوت کے ساتھ اختیار کرنی چاہئے۔

ایک شخص نے حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ میں کس کی صحبت اختیار کروں؟ فرمایا: اس کی ''صحبت'' جو تمھاری بیماری میں تمھاری عیادت کرے اور جب تو گناہ کرے تو وہ معاف کر دے (یعنی اللہ عزوجل کی صحبت اختیار کرو)۔

استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: جب درخت کسی کے اُگائے بغیر اُگے تو اس کے پتے نکلیں گے لیکن وہ پھل نہیں دے گا۔ اسی طرح مرید کا استاذ نہ ہو جو اس کی تربیت کرے تو اس سے کوئی بات نہیں بنے گی۔

حضرت استاذ ابوعلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: میں نے طریقت کی راہ حضرت نصرابادی رحمۃ اللہ علیہ سے، حضرت نصرابادی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے، حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے، حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ سے، حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ سے اور حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی اور حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے تابعین سے ملاقات کی۔

وہ فرماتے تھے: میں جب بھی حضرت نصرابادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے اس سے پہلے غسل کیا۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے استاذ سے معاملہ

حضرت امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (طریقت کے) ابتدائی دور میں مَیں جب بھی استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو روزہ رکھ کر حاضر ہوا۔ نیز میں اس سے پہلے غسل کرتا تھا اور میں کئی مرتبہ ان کے مدرسہ کے دروازہ پر حاضر ہوتا لیکن میں دروازے سے لوٹ آتا۔ مجھے ان کے پاس جانے سے شرم آتی تھی اور اگر کبھی جرأت کر کے اندر چلا جاتا تو مدرسہ کے وسط میں پہنچتے ہی میں بے حس ہو جاتا حتیٰ کہ اگر مجھے سوئی چبھوئی جاتی تو مجھے احساس نہ ہوتا (بطور مثال فرمایا)۔

فرماتے ہیں: پھر اگر میں کسی ایک واقعہ کے لیے جو مجھ سے سرزد ہو جاتا، بیٹھ جاتا تو مجھے زبان سے سوال کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی اور جب میں بیٹھ جاتا تو وہ خود بخود میرا واقعہ بیان کرنے لگتے۔ میں نے کئی بار یہ بات اپنی آنکھوں سے دیکھی اور اکثر میں اپنے دل میں سوچا کرتا کہ اگر اللہ عزوجل میرے زمانے میں کسی کو مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجتا تو کیا ممکن تھا کہ میں اس رسول کا اس سے زیادہ احترام کرتا جس قدر میں ان کی عزت کرتا تھا، تو میرے تصور میں یہ بات ممکن نہ تھی [1] اور مجھے یاد نہیں کہ باوجود ان کی مجلس میں کثرت سے آنے کے اور اس کے بعد کہ ان کے ساتھ تعلق قائم ہو گیا میرے دل پر یہ بات گزری ہو یا دل میں خیال آیا ہو کہ میں ان پر اعتراض کروں حتیٰ کہ وہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔

اللہ عزوجل کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی

حضرت محمد بن نضر حارثی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی (اور فرمایا): ہمیشہ بیدار اور ہوشیار رہو اور اپنے دوست طلب کرو اور جو دوست خوشی میں تمہارے ساتھ موافقت نہیں کرتا اس سے دور رہو اور اس کی صحبت اختیار نہ کرو کیونکہ وہ تمہارے دل کو سخت کر دے گا، وہ تمہارا دشمن ہے۔ میرا ذکر کثرت سے کرو اس سے میں تمہارے شکر کا بدلہ دوں گا اور اپنے فضل و کرم میں اضافہ کروں گا۔

حضرت ابوبکر طمستانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: (اِصْحَبُوْا مَعَ اللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ تُطِيْقُوْا فَاصْحَبُوْا مَعَ مَنْ يَّصْحَبُ مَعَ اللّٰهِ، لِتُوْصِلَكُمْ بَرَكَاتُ صُحْبَتِهِمْ اِلٰى صُحْبَةِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ) ''اللہ عزوجل کی صحبت اختیار کرو اگر ایسا نہ کر سکو تو اس کی صحبت اختیار کرو جو اللہ عزوجل کی صحبت اختیار کرتا ہے تاکہ تم اس کی صحبت کی برکت سے اللہ عزوجل کی صحبت تک پہنچ جاؤ۔''

---

[1] اس کا یہ مقصد نہیں کہ معاذ اللہ ان کا مقام کسی نبی علیہ السلام کے مقام سے بڑا سمجھا گیا۔ وہ جانتے تھے کہ نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ یہ تو محض ان کی عظمت اور ان سے عقیدت کا اظہار کیا گیا۔ اور بتایا گیا کہ اپنے شیخ کا ادب و احترام اور ان کی تعظیم ضروری ہے۔ ۱۲ ہزاروی

باب
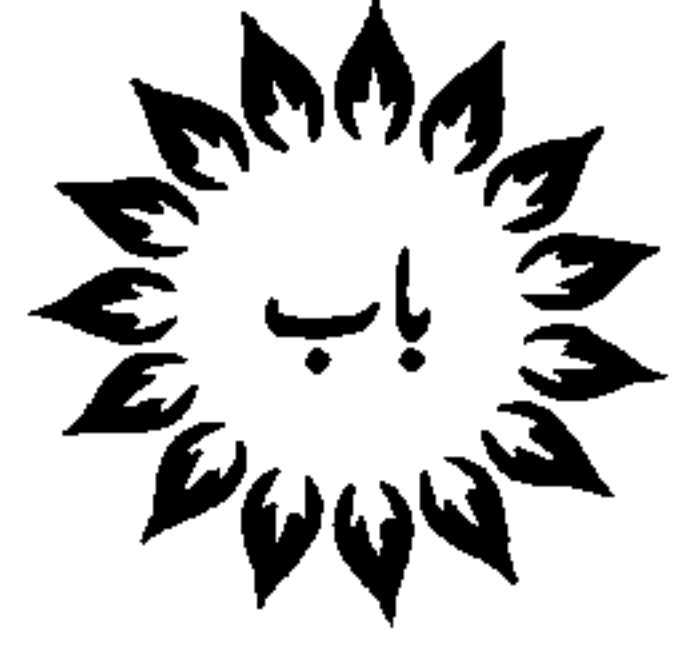
توحید کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ج﴾ ''اور تمھارا معبود ایک معبود ہے۔'' [1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((بَيْنَا رَجُلٌ فِيْمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ لَمْ يَعْمَلْ خَيْرًا قَطُّ إِلَّا التَّوْحِيْدَ، فَقَالَ لِأَهْلِهٖ: إِذَا مُتُّ فَاحْرِقُوْنِيْ ثُمَّ اسْحَقُوْنِيْ، ثُمَّ ذَرُوْا نِصْفِيْ فِي الْبَرِّ وَنِصْفِيْ فِي الْبَحْرِ فِيْ يَوْمٍ رِيْحٍ فَفَعَلُوْا فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لِلرِّيْحِ: أَدِّيْ مَا أَخَذْتِ، فَإِذَا هُوَ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَقَالَ لَهٗ: مَا حَمَلَكَ عَلٰى مَا صَنَعْتَ: فَقَالَ إِسْتِحْيَاءً مِّنْكَ فَغَفَرَ لَهٗ))

''تم سے پہلے (زمانے میں) ایک شخص تھا اس کے پاس توحید کے سوا کوئی نیک عمل نہ تھا۔ تو اس نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا دینا پھر راکھ بنا کر اسے اس دن جب تیز آندھی چلے، نصف خشکی میں اڑا دینا اور نصف سمندر میں ڈال دینا۔ چنانچہ انھوں نے اسی طرح کیا۔ اللہ عزوجل نے ہوا سے فرمایا: جو کچھ تو نے لیا ہے نکال دے تو وہ شخص اللہ عزوجل کے سامنے پیش ہو گیا۔ اللہ عزوجل نے اس سے پوچھا تمھیں اس عمل پر کس چیز نے ابھارا؟ اس نے کہا تجھ سے حیاء کرتے ہوئے ایسا کیا ہے۔ پس اللہ عزوجل نے اسے بخش دیا۔'' [2]

توحید کیا ہے؟

اس بات کا حکم لگانا کہ اللہ عزوجل ایک ہے نیز اس بات کا علم کہ کوئی چیز ایک ہے یہ بھی توحید ہے۔ کہا جاتا ہے: ''وَحَّدْتُهٗ'' (میں نے اسے ایک قرار دیا) اس وقت بولا جاتا ہے جب تم کسی کو وحدانیت کی صفت کے ساتھ موصوف

[1] پارہ 2، البقرہ 163، ترجمہ کنز الایمان

[2] صحیح بخاری، کتاب احادیث الأنبیاء، باب 52، رقم الحدیث: 3481.

کرو۔ جس طرح تم ''شَجَّعْتُ فُلَانًا'' اس وقت کہتے ہو جب تم کسی کو شجاعت کی طرف منسوب کرتے ہو۔

لغت میں کہا جاتا ہے: (وَحَدَ يَحِدُ فَهُوَ وَّاحِدٌ وَوَحْدٌ وَّوَحِيْدٌ) جس طرح کہا جاتا ہے: (فَرَدَ فَهُوَ فَارِدٌ وَ فَرْدٌ وَ فَرِيْدٌ)۔

''اَحَدٌ'' اصل میں ''وَحَدٌ'' تھا واو کو ہمزہ سے بدلا کیونکہ واو مفتوحہ کو بعض اوقات ہمزہ سے بدل دیتے ہیں جس طرح واو مکسورہ اور واو مضمومہ کو ہمزہ سے بدلا جاتا ہے۔ اسی طرح ''إِمْرَاةٌ اَسْمَاءُ بِمَعْنٰى وَسْمَاءُ'' کہا جاتا ہے اور یہ ''وَسَامَةٌ'' سے بنا ہے۔

اہل علم کی زبان میں اللہ عزوجل کے ''واحد'' ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس کی تعریف میں وضع اور رفع نہ پایا جائے (یعنی جو مرکب نہ ہو) بخلاف اس کے جب کہا جائے کہ ''انسان واحد'' ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ ہاتھ اور پاؤں کے بغیر ہے اس میں رفع اور وضع دونوں پائے جاتے ہیں یعنی جو ہاتھ اور پاؤں کے بغیر ہے اس میں کسی چیز کا رفع (اٹھانا) بتایا گیا ہے اور اللہ عزوجل یکتا ہے (کسی چیز سے مرکب نہیں) برخلاف اس نام کے جو کسی ایسی چیز کے لیے وضع کیا گیا ہو جو چند اشیاء سے مرکب ہو۔

بعض اہل تحقیق نے کہا ہے کہ اللہ عزوجل کے واحد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو اس کی ذات کی تقسیم ہوسکتی ہے نہ وہ اپنی ذات وصفات میں کسی کے مشابہ ہے اور نہ ہی اس کے افعال و مصنوعات میں کوئی اس کا شریک ہے۔

توحید کی اقسام

توحید کی تین قسمیں ہیں: ① تَوْحِيْدُ الْحَقِّ لِلْحَقِّ ② تَوْحِيْدُ الْحَقِّ لِلْخَلْقِ ③ تَوْحِيْدُ الْخَلْقِ لِلْحَقِّ۔

① تَوْحِيْدُ الْحَقِّ لِلْحَقِّ: اس بات کا علم ہو کہ وہ (اللہ عزوجل) ایک ہے اور اس کے بارے میں خبر دینا کہ وہ ایک ہے۔

② تَوْحِيْدُ الْحَقِّ لِلْخَلْقِ: اللہ عزوجل کا یہ بتانا ہے کہ اس کا فلاں موحد ہے اور اللہ عزوجل بندے کی توحید کا خالق ہے۔

③ تَوْحِيْدُ الْخَلْقِ لِلْحَقِّ: یہ ہے کہ بندے کو اللہ عزوجل کے واحد ہونے کا علم ہو اور وہ اس کے بارے میں خبر دے کہ وہ ایک ہے۔

توحید کے بارے اقوال مشائخ

اختصار کے طور پر توحید کے مفہوم و معنٰی کا یہ بیان ہے: توحید کے مفہوم میں مشائخ کے اقوال مختلف ہیں۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے توحید کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: تم یہ بات جان لو کہ اشیاء میں اللہ عزوجل کی قدرت طبعی طور پر نہیں (بلکہ اختیار کے ساتھ) جاری ہے۔

اللہ عزوجل مخلوق کو کسی کوشش اور زور کے ساتھ پیدا نہیں کرتا اور ہر چیز کی علت اس کا بنانا ہے اور اس کے بنانے کی علت کوئی نہیں۔ اور جب بھی تمھارے ذہن میں تصور آئے تو وہ اللہ عزوجل کا تصور نہیں ہوگا۔

حضرت جریری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: علم توحید کے بیان کے لیے "توحید کی زبان" چاہئے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے توحید کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: جس ذات کو موحَّد (ایک) قرار دیا جا رہا ہے اس کے کمال احدیت کے ہوتے ہوئے اس کی وحدانیت کی تحقیق کی وجہ سے اسے اس طرح ایک سمجھنا کہ نہ اس کی اولاد ہے اور نہ اسے کسی نے جنا ہے، نہ اس کی ضد ہے نہ اس کا کوئی شریک ہے، نہ اس کی کوئی شبیہ ہے نہ کیفیت، نہ صورت اور نہ مثال ہے، اس کو "توحید" کہتے ہیں۔

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ﴾ "اس جیسا کوئی نہیں۔"[1]

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب توحید کے بارے میں عقلمندوں کی عقلیں انتہاء کو پہنچ جائیں تو ان کی انتہاء حیرت پر ہوتی ہے۔

حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا جب ان سے توحید کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: یہ ایک ایسی کیفیت ہے جس میں تمام آثار مٹ جاتے ہیں اور علوم داخل ہوتے ہیں اور اللہ عزوجل اسی طرح ہوتا ہے جس طرح ازل میں تھا۔

حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: توحید کے سلسلے میں ہمارے اصول پانچ چیزیں ہیں: ① حادث چیز کی نفی کرنا ② قدیم کے ساتھ ہو لینا ③ بھائیوں سے علیحدگی اختیار کرنا[2] ④ اپنے مقامات سے جدائی اختیار کرنا ⑤ ہر معلوم و مجہول چیز کو بھول جانا۔

حضرت منصور بن خلف مغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں بغداد میں جامع مسجد یعنی جامع منصور کے صحن میں تھا اور حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہ توحید کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ میں نے دو فرشتوں کو دیکھا جو آسمان کی طرف جا رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا یہ شخص علم توحید کے بارے میں گفتگو کر رہا ہے اور توحید کچھ اور ہی ہے۔

---

[1] پارہ 25، الشوریٰ 11، ترجمہ کنزالایمان

[2] یعنی معاشرتی زندگی میں وہ اکٹھے رہیں لیکن جب توکل اور بھروسہ کی بات آئے تو صرف اللہ عزوجل پر توکل ہونا چاہئے۔ ۱۲ ہزاروی

فرماتے ہیں: میں اس وقت بیداری اور نیند کے درمیان والی حالت میں تھا۔

حضرت فارس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: غلبۂ حال کے وقت تمام وسائل کو ساقط کرنا اور احکام کی بجا آوری کے وقت پھر ان کو اختیار کرنا اور یہ بات جاننا کہ نیکیاں کسی قسم کی قسمت کو تبدیل نہیں کرتیں چاہے وہ بدبختی ہو یا نیک بختی، یہ توحید ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: توحید حقیقت میں اس ذات کی جس کو ایک تسلیم کیا جاتا ہے (یعنی اللہ عزوجل) کی صفت ہے اور رسمی طور پر موحِد (توحید پر قائم شخص) کا زیور ہے۔

توحید کا بیان

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے توحید خاص کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: یہ کہ بندہ اللہ عزوجل کے سامنے مردہ جسم کی طرح ہو، اللہ عزوجل کے احکامِ قدرت اور اس کی تدابیر کا تصرف اس پر جاری ہو اور وہ اپنے نفس سے فنا ہو کر اس کی توحید کے سمندروں میں ہو۔ اس کو یہ خبر بھی نہ ہو کہ مخلوق اسے پکار رہی ہے اور نہ ہی ان کی دعوت قبول کرنے کا خیال پیدا ہو کیونکہ اللہ عزوجل کے حقیقی قرب میں ہونے کی وجہ سے اللہ عزوجل کے وجود اور وحدانیت کی حقیقت کا اسے علم ہو جائے اور فنائے نفس یہ ہے کہ اس کی حس اور حرکت ختم ہو جائے کیونکہ اللہ عزوجل ان تمام امور میں اس بندے سے جو چاہتا ہے وہ اس کا کفیل اور ضامن بن جاتا ہے۔ اس طرح کہ بندے کی انتہاء لوٹ کر ابتداء کی طرف آ جائے اور وہ ایسا ہو جائے جس طرح وجود میں آنے سے پہلے تھا۔

حضرت بوشنجی رحمۃ اللہ علیہ سے توحید کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ نہ تو وہ کسی ذات کے مشابہ ہے اور نہ اس سے صفات کی نفی کی جا سکتی ہے۔ [1]

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے اللہ عزوجل کی ذات کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: اللہ عزوجل کی ذات علم کے ساتھ موصوف ہے۔ اس کا ادراک اس طرح نہیں ہوتا کہ اس کا احاطہ ہو سکے اور نہ ہی دنیا میں اسے آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ نہ اس کی کوئی حد ہے نہ اس کا احاطہ ہو سکتا ہے اور نہ وہ کسی چیز میں حلول کرتا ہے بلکہ اس کے بغیر وہ حقائق ایمان میں موجود ہے۔

اور قیامت کے دن مخلوق کی نگاہیں اللہ عزوجل کو اپنے ملک اور قدرت میں ظاہری طور پر دیکھیں گی۔ مخلوق اس کی ذات کی حقیقت معلوم کرنے سے عاجز ہے اور اس نے مخلوق کو نشانیوں کے ذریعے اپنا پتہ بتا دیا ہے۔ پس دلوں کو ان کی

[1] جہمیہ فرقہ اللہ عزوجل کی صفات کا منکر ہے تو اس قول میں اس فرقے کی نفی کی گئی ہے۔ ۱۲ ہزاروی

معرفت حاصل ہوتی ہے لیکن عقلیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ مومن اسے آنکھوں سے دیکھیں گے لیکن نہ تو اس کا احاطہ کر سکیں گے اور نہ ہی اس کی انتہاء کو پا سکیں گے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: توحید کے بارے سب سے بہترین قول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

(سُبْحَانَ مَنْ لَّمْ يَجْعَلْ لِخَلْقِهٖ سَبِيْلًا إِلٰى مَعْرِفَتِهٖ إِلَّا بِالْعِجْزِ عَنْ مَّعْرِفَتِهٖ)

"وہ ذات پاک ہے جس نے اپنی ذات کی پہچان کے لیے صرف ایک راستہ بنایا اور وہ اس کی معرفت سے عاجز ہونا ہے۔"

استاذ ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس قول کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ عزوجل کی معرفت حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ محققین کے نزدیک عجز موجود چیز سے ہوتا ہے، معدوم چیز سے نہیں۔ جیسا کہ اپاج اپنے بیٹھنے سے عاجز ہے کیونکہ اسے اس کا کسب اور فعل حاصل نہیں حالانکہ بیٹھنے کی صفت موجود ہے۔ اسی طرح عارف اس کی معرفت سے عاجز ہے اور معرفت اس کے اندر موجود ہے کیونکہ اس کے لیے معرفت ضروری ہے اور ان لوگوں کے نزدیک آخرکار معرفتِ الٰہی ضروری ہے۔

ابتداء میں حاصل ہونے والی کسبی معرفت بھی اگرچہ درحقیقت معرفت ہی ہوتی ہے لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کو معرفت ضروریہ کے مقابلے میں کوئی شے شمار نہیں کیا جس طرح سورج طلوع ہو کر چراغ پر اپنی روشنی ڈالے۔ (یہ اسی طرح ہے)۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو توحید صوفیاء کرام کا طرۂ امتیاز ہے وہ حادث چیزوں کو چھوڑنے، اپنے وطن سے نکلنے (وہ حسیّ وطن ہو یا معنوی)، محبوب اشیاء سے تعلق ختم کرنے، معلوم اور مجہول چیز کو چھوڑنے اور ان تمام کی جگہ حق تعالیٰ کو اختیار کرنے کا نام ہے۔

حضرت یوسف بن حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص بحرِ توحید میں پڑ جاتا ہے وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی پیاس بڑھتی جاتی ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: علم توحید اور وجودِ توحید دو مختلف چیزیں ہیں۔ نیز وجودِ توحید علم توحید سے جدا ہوتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ہی فرماتے ہیں: علم توحید کی بساط تو بیس سال (20) سے لپیٹ دی گئی ہے اور اب تو لوگ اس کے حواشی (بیرونی کناروں) کے بارے میں بات کرتے ہیں۔

حضرت محمد بن احمد اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک شخص حضرت حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کھڑا ہوا اور پوچھا وہ حق کون ہے؟ جس کی طرف لوگ اشارہ کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا: وہ سب کی علت ہے اور اس کی علت کوئی نہیں (اللہ عزوجل کی ذات مراد ہے)۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص علم توحید کے ایک ذرہ سے بھی باخبر ہو گیا اس نے اتنا بوجھ اٹھالیا کہ وہ ایک مچھر کا بوجھ بھی برداشت نہیں کر سکتا۔

حضرت ابو نصر سراج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ ہمیں "حق مفرد" کی زبان میں "توحید مجرد" کے بارے میں بتائیے۔ انھوں نے فرمایا: تجھ پر افسوس! جو شخص توحید کو عبادت میں بیان کرے وہ "ملحد" (بے دین) ہے جو اس کی طرف اشارہ کرے وہ "ثنوی" ہے [1] جو اس کی طرف ایماء (اشارہ) کرے وہ "بت پرست" ہے جو اس کے بارے میں گفتگو کرے وہ "غافل" ہے جو اس سے خاموش رہے وہ "جاہل" ہے جس کو اس تک پہنچنے کا وہم ہوا اس کو کچھ بھی "حاصل" نہیں ہوا جو اپنے آپ کو اس کے قریب سمجھے وہ "بعید" (دور) ہے جو وجد کا اظہار کرے وہ "استغراق" کو کھو چکا جس چیز کا تم اپنے وہم و گمان سے امتیاز کر سکو اور اپنی عقلوں کے ساتھ اس کے پورے معانی کا ادراک کر سکو وہ اللہ عزوجل سے الگ اور تمھاری طرف پھرا ہوا ہے وہ تمھاری طرح حادث اور مصنوع ہے۔

حضرت یوسف بن حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: خاص لوگوں کی توحید یہ ہے کہ بندہ اپنے باطن، وجد اور دل کے ساتھ اپنے آپ کو اللہ عزوجل کے سامنے سمجھے کہ اس پر اس کی تدابیر کے تصرفات اور اس کی قدرت کے احکام جاری ہوتے ہیں وہ توحید کے سمندروں میں مستغرق ہوتا ہے، اپنے نفس سے فنا ہوتا ہے اور اس کا احساس ختم ہو چکا ہوتا ہے کیونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ اس کے بارے میں اپنے ارادے کو پورا کرتا ہے اور وہ رب عزوجل کے حکم کے جاری ہونے سے پہلے والی حالت میں ہو جاتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ توحید حق سبحانہ وتعالیٰ کے لیے ہے اور مخلوق طفیلی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یاؤں کو ختم کرنا توحید ہے۔ تم یوں نہ کہو "لِیْ" (میرے لیے) "بِیْ" (میری وجہ سے) "مِنِّیْ" (میری طرف سے) اور "اِلَیَّ" (میری طرف)۔

حضرت ابوبکر طمستانی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ توحید کیا ہے؟ فرمایا: تین چیزیں ہیں:
① توحید، ② موحِد اور ③ مُوحَّد۔

حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (دل سے) بشریت کے آثار کو مٹا دینا اور الوہیت کے ساتھ (ہی) مشغول ہونا،

[1] ثنوی ایک فرقہ ہے جو دو معبودوں کا قائل ہے ایک خدا خیر کا اور دوسرا شر کا۔ ۱۲ ہزاروی

توحید ہے۔

حضرت ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ اپنی آخری عمر میں فرماتے تھے اور وہ اس وقت سخت بیمار تھے انھوں نے فرمایا: جب بندے پر احکام جاری ہوں اگر وہ اس وقت توحید پر ثابت قدم رہے تو یہ تائید خداوندی کی علامات میں سے ہے۔ پھر گویا انھوں نے اپنے قول کی تفسیر بیان کرتے ہوئے اپنی حالت کی طرف اشارہ فرمایا، اگر اللہ عزوجل احکام کے جاری کرنے میں تجھے اپنی قدرت کی قینچی سے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دے اور تم حمد کرنے والے، شکر کرنے والے رہو تو یہ توحید ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (مَا شَمَّ رَوَائِحَ التَّوْحِيْدِ مَنْ تَصَوَّرَ عِنْدَهٗ التَّوْحِيْدُ) ''جس شخص کو اس بات کا تصور بھی آ جائے کہ اس کے پاس توحید ہے تو اس نے توحید کی خوشبو نہیں سونگھی۔''

حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جس شخص نے علم توحید کو پا لیا اور اسے یہ مقام حاصل ہو گیا تو اس کے لیے پہلا مقام یہ ہے کہ اس کے دل سے تمام اشیاء کا ذکر فنا ہو جائے اور وہ صرف اللہ عزوجل کا ہو کر رہ جائے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص سے پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو کہ تمھاری ''توحید'' کیوں صحیح نہیں ہوتی؟ اس نے کہا میں نہیں جانتا۔ فرمایا: اس لیے کہ تو اسے اپنی قوت کے ساتھ طلب کرتا ہے۔

حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حقیقت توحید کی علامت ''توحید'' کو بھلا دینا ہے وہ اس طرح کہ اس کے دل میں صرف ایک ذات (اللہ عزوجل) ہی ہو۔

کہا جاتا ہے کہ بعض لوگوں پر افعال منکشف ہو جاتے ہیں اور وہ حادثات کو اللہ عزوجل کے حکم سے صادر ہونے والے دیکھتا ہے اور بعض لوگوں پر حقیقت منکشف ہوتی ہے اور اللہ عزوجل کے سوا ہر چیز کے لیے اس کا احساس مضمحل ہوتا ہے۔ اور وہ شخص باطن میں ''جمع'' کے طور پر اور ظاہر کو ''تفرقہ'' کے طور پر مشاہدہ کرتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے توحید کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: میں نے کسی کو یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا ہے:

وغَنّٰى لِیْ مِنْ قَلْبِیْ وَغَنَّیْتُ كَمَا غَنّٰى
وَكُنَّا حَیْثُمَا كَانُوْا وَكَانُوْا حِیْنَمَا كُنَّا

* میرے دل نے گا کر میری آرزوؤں کا ذکر کیا اور میں نے اس کی طرح گانا شروع کیا۔
* اور جہاں وہ تھے ہم بھی ہو گئے اور جہاں ہم تھے وہ بھی وہاں ہو لیے۔

پوچھنے والے نے کہا کیا قرآن وحدیث مٹ چکی ہے؟ فرمایا: نہیں! مگر موحّد کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اسے معمولی سے خطاب سے بھی اعلیٰ توحید حاصل ہوتی ہے۔

باب

دنیا سے جاتے وقت صوفیاء کرام کی حالت کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَیِّبِیْنَ ۙ﴾

''وہ جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے ستھرے پن میں۔''[1]

یعنی ان کے نفس اپنی جانیں پیش کرنے پر خوش ہوتے ہیں اپنے مولیٰ کی طرف واپس لوٹنا ان پر گراں نہیں گزرتا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ الْعَبْدَ لَیُعَالِجُ كُرَبَ الْمَوْتِ وَسُكْرَاتِ الْمَوْتِ وَ إِنَّ مَفَاصِلَهٗ لَسَلَّمَ بَعْضُهَا عَلٰی بَعْضٍ، تَقُوْلُ عَلَیْكَ السَّلَامُ تُفَارِقُنِیْ وَأُفَارِقُكَ إِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ))

''بندہ موت اور سکرات کی تکلیف جھیلتا رہتا ہے اور اس کے جوڑ ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں۔ کہتے ہیں تجھ پر سلام ہو قیامت تک تیرے اور میرے درمیان جدائی ہے۔''[2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((إِنَّ النَّبِیَّ ﷺ دَخَلَ عَلٰی شَابٍّ وَّهُوَ فِی الْمَوْتِ فَقَالَ كَیْفَ تَجِدُكَ؟ فَقَالَ أَرْجُو اللّٰهَ تَعَالٰی وَأَخَافُ ذُنُوْبِیْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ شَیْئَانِ لَا یَجْتَمِعَانِ فِیْ قَلْبِ عَبْدٍ مُّؤْمِنٍ فِیْ هٰذَا الْمَوْطِنِ إِلَّا أَعْطَاهُ اللّٰهُ مَا یَرْجُوْ، وَأَمِنَهٗ مِمَّا یَخَافُ))

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک قریب الموت نوجوان کے پاس تشریف لے گئے تو پوچھا اپنے آپ کو کیسا پاتے ہو؟ اس نے کہا اللہ عزوجل سے امید رکھتا ہوں اور اپنے گناہوں کا خوف بھی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس موقعہ پر جس مومن کے دل میں یہ دونوں باتیں جمع ہو جائیں اللہ عزوجل اسے اس کی امید کے مطابق عطا کرتا ہے اور اسے جس بات کا ڈر ہوتا ہے اس سے اس کو محفوظ کر دیتا ہے۔''[3]

---

[1] پارہ 14، النحل 32، ترجمہ کنزالایمان

[2] صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب سکرات الموت، رقم الحدیث: 1641.

[3] سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب ذکر الموت و الأستعداد له، رقم الحدیث: 4261.

جان لو کہ نزع کی حالت میں ان لوگوں کے احوال مختلف ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض پر "ہیبت" غالب ہوتی ہے اور بعض پر "امید" غالب ہوتی ہے ان میں سے بعض پر اس حالت میں ایسی بات منکشف ہوتی ہے جو ان کے لیے سکون اور بوجھ برداشت کرنے کا سبب ہوتی ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا وقتِ نزع

حضرت ابو محمد جریری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی حالتِ نزع کے وقت ان کے پاس موجود تھا اور وہ جمعۃ المبارک اور نوروز[1] کا دن تھا، وہ قرآن مجید پڑھ رہے تھے پس انھوں نے اسے مکمل کیا تو میں نے کہا اے ابوالقاسم! اس حالت میں؟ فرمایا: (وَمَنْ أَوْلىٰ بِذَالِكَ مِنِّیْ وَهُوَ ذَا تُطْوٰى صَحِيْفَتِیْ) "مجھ سے زیادہ کون اس کا حق دار ہے جب کہ میرا صحیفۂ اعمال لپیٹا جا رہا ہے۔"

حضرت ابو محمد ہروی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی رات ان کے پاس ٹھہرا تو وہ رات بھر یہ دو شعر پڑھتے رہے:

كُلُّ بَيْتٍ أَنْتَ سَاكِنُهٗ
غَيْرُ مُحْتَاجٍ إِلَى السُّرُجِ
وَجْهُكَ الْمَأْمُوْلُ حُجَّتُنَا
يَومَ يَأْتِي النَّاسُ بِالْحُجَجِ

* جس گھر میں تو ساکن ہے (یعنی دل میں) اس کو کسی چراغ کی ضرورت نہیں۔
* اس دن جب لوگ اپنی اپنی حجت لے کر آئیں گے تیرا دیدار، جس کی ہمیں امید ہے، ہمارے لیے حجت ہے۔

دیگر بزرگوں کا حال

حضرت حمدون قصار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مریدوں کو وصیت کی تھی کہ وہ حالتِ موت میں ان کو عورتوں کے درمیان نہ چھوڑیں۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا وقت آیا تو ان سے کہا گیا اے ابونصر! شاید آپ زندگی کو پسند کرتے ہیں انھوں

[1] نوروز موسمی تہوار ہے جب درختوں پر کلیاں کھلتی ہیں۔۱۲ ہزاروی

نے فرمایا: اللہ عزوجل کے سامنے جانا بہت سخت ہے۔

کہا گیا ہے کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی شاگرد سفر پر جاتے ہوئے آپ سے عرض کرتا کہ حضرت! کوئی حکم فرمایئے۔ وہ فرماتے: اگر تمھیں کہیں موت مل جائے تو میرے لیے خرید لینا۔ جب ان کی وفات کا وقت ہوا تو فرما رہے تھے: ہم اس کی تمنا کر رہے تھے لیکن یہ تو بہت سخت ہے۔

کہا گیا ہے کہ جب حضرت حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کی وفات کا وقت آیا تو وہ رونے لگے۔ ان سے پوچھا گیا آپ کے رونے کا سبب کیا ہے؟ فرمایا: میں ایسے آقا کے حضور جا رہا ہوں جس کو میں نے دیکھا نہیں۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے وصال کا وقت آیا تو ان کی زوجہ نے کہا ہائے غم! آپ نے فرمایا: بلکہ ''واہ خوشی۔'' کل ہم اپنے محبوبوں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت سے ملاقات کریں گے۔

کہا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے وفات کے وقت آنکھیں کھولیں اور ہنس پڑے اور فرمایا:

﴿لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ ۝﴾ ''ایسی ہی بات کے لیے کامیوں کو کام کرنا چاہیے۔''[1]

کہتے ہیں حضرت مکحول شامی رحمۃ اللہ علیہ پر ''غم'' غالب رہتا تھا۔ جب لوگ ان کے مرض الموت میں ان کے پاس گئے تو وہ ہنس رہے تھے۔ ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انھوں نے فرمایا: میں کیوں نہ ہنسوں، جب اس سے فراق کا وقت آ گیا ہے جس سے میں بچتا تھا (یعنی نفس و شیطان) اور میں جس کی امید رکھتا تھا اس کے پاس عنقریب پہنچ جاؤں گا۔

حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا وقت آیا تو وہ اپنے آخری سانسوں میں کہہ رہے تھے:

حَنِيْنُ قُلُوْبِ الْعَارِفِيْنَ إِلَى الذِّكْرِ
وَتَذْكَارُهُمْ وَقْتُ الْمُنَاجَاةِ لِلسِّرِّ
أُدِيْرَتْ كُؤُوْسٌ لِلْمَنَايَا عَلَيْهِمْ
فَاَغْفُوْا عَنِ الدُّنْيَا كَاِغْفَاءِ ذِی السُّكْرِ
هُمُوْمُهُمْ جَوَالَةٌ بِمَعْسَكَرٍ
بِهٖ أَهْلُ وُدِّ اللّٰهِ كَالْأَنْجُمِ الزُّهْرِ

[1] پارہ 23، الصافات 61، ترجمہ کنزالایمان

فَأَجْسَامُهُمْ فِيْ الْأَرْضِ قَتْلَىٰ بِحُبِّهٖ
وَأَرْوَاحُهُمْ فِيْ الْحُجُبِ نَحْوَالْعُلَا تَسْرِيْ
فَمَا عَرَّسُوْا إِلَّا بِقُرْبِ حَبِيْبِهِمْ
وَمَا عَرَّجُوْا عَنْ مَسِّ بُؤْسٍ وَّ لَاضُرِّ

* عاشقوں کے دل اپنے محبوب کے ذکر کے مشتاق ہوتے ہیں اور مناجات کے وقت بھی ان کی یاد اسی راز کے لیے ہے۔

* موت کے پیالے کا دور جب اُن پر چلا تو وہ دنیا سے اس طرح غافل ہوئے جس طرح ایک مست اپنے نشے سے غافل ہوتا ہے۔

* ان کے افکار ایسے لشکر گاہ میں جولانی کرتے رہتے ہیں جہاں اللہ ﷻ سے دوستی رکھنے والے روشن ستاروں کی طرح چمکتے ہیں۔

* ان کے جسم اس کی محبت میں ہلاک ہو گئے اور ان کی روحیں پردوں میں بلندی کی طرف جاتی ہیں۔

* یہ لوگ محبوب کے قریب جا کر ہی پڑاؤ کرتے ہیں اور کسی قسم کی تکلیف یا مصیبت سے ڈر کر راستے میں قیام نہیں کرتے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ موت کے وقت بہت وجد میں تھے۔ انھوں نے فرمایا: یہ عجیب بات نہیں کہ ان کی روح شوق سے اڑنے لگی ہو۔

میں گناہوں سے پاک نہیں

کسی بزرگ کی وفات کا وقت آیا تو انھوں نے فرمایا: اے غلام! میرے کاندھے باندھ دو اور میرے چہرے کو خاک آلود کر دو۔ پھر فرمایا کوچ کرنے کا وقت آ گیا ہے اور میں گناہوں سے پاک نہیں ہوں اور میرے پاس کوئی عذر بھی نہیں جو میں پیش کروں نہ قوت ہے جس سے مدد حاصل کروں۔ اے اللہ ﷻ! تو ہی میرے لیے ہے۔ پھر ایک چیخ ماری اور فوت ہو گئے۔ لوگوں نے ایک آواز سنی کہ بندے نے اپنے آقا کے سامنے عاجزی کی تو اس نے قبول کر لی۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے وصال کے وقت پوچھا گیا کہ آپ کی خواہش کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: میری خواہش یہ ہے کہ میں مرنے سے ایک لحظہ پہلے اسے پہچان لوں۔

ایک بزرگ حالتِ نزع میں تھے کہ ان سے کہا گیا کہ کہیں ''اللہ''۔ انھوں نے فرمایا: کب تک کہتے رہو گے کہ ''اللہ'' کہو۔ میں تو ''اللہ'' کی خاطر جل رہا ہوں۔

مرنے کے لیے پاک جگہ ہے؟

ایک صوفی فرماتے ہیں: میں حضرت ممشاد دینوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھا۔ ایک فقیر آیا اور اس نے کہا ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ'' سب نے سلام کا جواب دیا۔ پھر کہنے لگا: کیا یہاں کوئی پاک جگہ ہے جہاں کسی آدمی کے لیے مرنا ممکن ہو۔ انھوں نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا وہاں پانی کا ایک چشمہ تھا۔ فقیر نے تازہ وضو کیا اور جس قدر اللہ عزوجل نے چاہا نماز پڑھی اور جس جگہ کی طرف انھوں نے اشارہ کیا تھا اس طرف چلا گیا۔ ٹانگیں پھیلائیں اور فوت ہو گیا۔

لو میں مرگئی

حضرت شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت ابوالعباس دینوری رحمۃ اللہ علیہ ایک دن اپنی مجلس میں کلام کر رہے تھے۔ ایک عورت وجد میں آ کر چلانے لگی۔ انھوں نے فرمایا: مرجا۔ وہ عورت کھڑی ہوئی جب حویلی کے دروازے تک پہنچی تو ان کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی ''تحقیق میں مرگئی'' اور وہ مر کر گر پڑی۔

ایک صوفی فرماتے ہیں: میں حضرت ممشاد دینوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے وقت ان کے پاس تھا۔ ان سے پوچھا گیا بیماری کو کیسے پاتے ہیں؟ فرمایا: بیماری سے پوچھو وہ مجھے کیسے پاتی ہے؟ ان سے کہا گیا کہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' پڑھیں۔ انھوں نے اپنا چہرہ دیوار کی طرف پھیر لیا اور فرمایا: میں نے اپنا کُل تیرے کُل کے لیے فنا کر دیا۔ (یعنی میں نے اپنے آپ کو مکمل طور پر تیرے سپرد کر دیا) جو تجھ سے محبت کرے، اس کا یہی بدلہ ہے۔

حضرت ابو محمد دبیلی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے وقت ان سے کہا گیا کہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' پڑھیں۔ انھوں نے فرمایا: یہ وہ بات ہے جسے ہم پہچان چکے ہیں اور اسی کے ساتھ فنا ہو رہے ہیں۔ پھر انھوں نے یہ شعر پڑھا:

تَسَرْبَلَ ثَوْبُ التِّيهِ لَمَّا هَوِيتُهُ
وَصَدَّ وَلَمْ يَرْضَ بِأَنْ أَكُ عَبْدَهُ

* جب میں محبوب پر عاشق ہو گیا تو وہ اکڑ گیا اور اس نے منہ موڑ لیا اور مجھے اپنا غلام بنانے پر راضی نہ ہوا۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے وصال کے وقت کہا گیا ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' پڑھیں۔ انھوں نے فرمایا:

قَالَ سُلْطَانُ حِبِّهٖ أَنَا لَا أَقْبَلُ الرِّشَا

فَسَئَلُوْهُ بِحَقِّهٖ لِمَ بِقَتْلِىْ تَحَرَّشَا

* اس (محبوب) کے عشق کے بادشاہ نے کہا کہ میں رشوت قبول نہیں کیا کرتا۔
* اس کو اس کی جان کی قسم دے کر پوچھو وہ میرے قتل کے درپے کیوں ہوا۔

مرنے والے نے سب کو کلمہ پڑھایا

جب حضرت یحییٰ اصطخری رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو ہم ان کے گرد بیٹھ گئے۔ ہم میں سے ایک نے ان سے کہا کہ آپ ''أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' پڑھیں تو وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ پھر ہم میں سے ایک کا ہاتھ پکڑا اور اس سے فرمایا: ''أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' پڑھو۔ پھر دوسرے کا ہاتھ پکڑا حتیٰ کہ سب حاضرین پر شہادت کو پیش کیا، پھر انتقال فرما گئے۔

مجھے بلند مقام دے دیا گیا

حضرت ابوعلی روذباری رحمۃ اللہ علیہ کی ہمشیرہ حضرت فاطمہ رحمۃ اللہ علیہا کے بارے میں منقول ہے وہ فرماتی ہیں: جب میرے بھائی ابوعلی روذباری رحمۃ اللہ علیہ کی موت کا وقت آیا اور ان کا سر میری گود میں تھا۔ انھوں نے اپنی آنکھوں کو کھولا اور فرمایا: یہ آسمان کے دروازے ہیں جو کھول دیے گئے ہیں۔

یہ جنت ہے جو مزین کر دی گئی ہے اور یہ ایک کہنے والا مجھ سے کہہ رہا ہے کہ ہم نے تمھیں بلند رُتبہ دے دیا ہے اگرچہ تم نہیں چاہتے تھے۔ پھر یہ اشعار پڑھے:

وَحَقِّكَ لَا نَظَرْتُ إِلٰى سِوَاكَا

بِعَيْنِ مُوَدَّةٍ حَتّٰى أَرَاكَا

أَرَاكَ مُعَذِّبِىْ بِفُتُوْرِ لَحْظٍ

وَبِالْخَدِّ الْمُوَرَّدِ مَنْ جَنَاكَا

* اور تیرے حق کی قسم میں تیرے سوا کسی کی طرف محبت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔
* میں دیکھتا ہوں کہ تو مجھے اپنی مست نگاہوں اور گلاب جیسے رخسار کے ساتھ عذاب دے رہا ہے۔

پھر فرمایا: اے فاطمہ! پہلا شعر تو ظاہر ہے اور دوسرے شعر میں اشکال ہے۔

میں نے ایک صوفی سے سنا وہ فرماتے تھے: جب حضرت احمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو ان سے ایک آدمی نے کہا: "أَشْهَدُ اَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" پڑھیں۔ انھوں نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا: "مکن" (فقیروں کی بے ادبی نہ کر)۔

مکھیاں نہ اُڑاؤ

ایک اور صوفی فرماتے ہیں: میں نے ایک فقیر کو مسافرت کی حالت میں فوت ہوتے دیکھا اور اس کے چہرے پر مکھیاں تھیں۔ میں بیٹھ کر ان کے چہرے سے مکھیاں ہٹانے لگا تو انھوں نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور پوچھا "یہ کون ہے؟"

میں ایک عرصہ سے اس وقت کی تلاش میں تھا جو مجھے خالص اللہ عزوجل کے ساتھ حاصل ہو جائے اور وہ اب حاصل ہوا ہے اور اب تو آ کر درمیان میں گھس گیا ہے۔ جا! اللہ عزوجل تجھے عافیت عطا کرے۔

حضرت ابو عمران اصطخری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابو تراب رحمۃ اللہ علیہ کو جنگل میں مردہ کھڑا دیکھا۔ آپ کو کسی چیز کا سہارا حاصل نہ تھا۔

شعر سن کر موت واقع ہوگئی

حضرت ابو نصر سراج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: حضرت ابوالحسین نوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات اس شعر کے سننے کی وجہ سے ہوئی:

لَا زِلْتُ أَنْزِلُ فِيْ دَارِكَ مَنْزِلًا
تَتَحَيَّرُ الْأَلْبَابُ عِنْدَ نُزُوْلِهٖ

* میں ہمیشہ تیری محبت میں ایسی منزل میں اترا جہاں اترتے وقت عقلیں حیران رہ جاتی ہیں۔

یہ سن کر ان کو وجد آ گیا اور وہ جنگل کی طرف نکل گئے۔ وہ گنے کا کھیت تھا جو ابھی کاٹا گیا تھا اور اس کی جڑیں باقی تھیں جو تلوار کی طرح تھیں۔ وہ اس پر چلتے گئے اور صبح تک یہ شعر پڑھتے گئے۔ ان کے پاؤں سے خون بہہ رہا تھا۔ پھر نشہ والے شخص کی طرح گر گئے اور ان کے پاؤں سوج گئے اور پھر وہ انتقال کر گئے۔

کہا گیا ہے کہ ان کو نزع کے وقت کہا گیا کہ کلمہ ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' پڑھیں تو انھوں نے فرمایا: کیا میں اسی کی طرف نہیں لوٹ رہا۔

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ وصال فرما گئے

کہا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ ''رے'' کی جامع مسجد میں بیمار ہو گئے۔ انھیں اسہال کی شکایت تھی۔ وہ جب بھی قضائے حاجت کے لیے جاتے تو پانی میں داخل ہو جاتے اور وضو کرتے۔ ایک مرتبہ پانی میں داخل ہوئے تو ان کی روح پرواز کر گئی۔

حضرت منصور مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ حضرت یوسف بن حسین رحمۃ اللہ علیہ ان (حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ) کی بیمار پرسی کے لیے آئے۔ اس سے پہلے وہ کئی دن ان کی عیادت کے لیے نہ آ سکے تھے اور نہ ہی انھوں نے ان کی خبر گیری کی تھی۔ جب ان کو دیکھا تو پوچھا کسی چیز کی خواہش ہے؟ فرمایا: ہاں بھنے ہوئے جگر کے ٹکڑے کی خواہش رکھتا ہوں۔

حضرت استاذ ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: شاید ان کا اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ میں ایسا دل چاہتا ہوں جو کسی فقیر پر ترس کھائے اور ایسا جگر چاہتا ہوں جو کسی اجنبی کے لیے بھنے اور جلے کیونکہ وہ حضرت یوسف بن سین رحمۃ اللہ علیہ کو بے وفا سمجھے کہ انھوں نے ان کی خبر گیری نہ کی۔

کون کیسے دنیا سے رخصت ہوا؟

کہا گیا ہے کہ حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ کی موت کا سبب یہ ہوا کہ ایک دفعہ وہ وزیر کے پاس گئے اور وزیر نے ان سے بدکلامی کی۔ انھوں نے وزیر سے فرمایا: ارے! آرام سے بات کرو پس اس کے حکم سے آپ کے سر مبارک پر جوتے مارے گئے اور آپ کا انتقال ہو گیا۔

حضرت ابوبکر دقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم صبح کے وقت ابوبکر زقاق رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھے۔ انھوں نے کہا اے میرے خدا! مجھے کب تک یہاں رکھے گا۔ پس دوسری صبح آنے سے پہلے انتقال فرما گئے۔

حضرت ابوعلی روذباری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے وہ فرماتے: میں نے جنگل میں ایک نوجوان کو دیکھا اس نے مجھے دیکھ کر کہا: کیا اس کے لیے اتنا کافی نہیں کہ اس نے مجھے اپنے عشق میں مبتلا کر رکھا ہے۔ پھر مجھے بیمار بھی کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں: پھر میں نے دیکھا کہ ان کی جان نکل رہی تھی۔ میں نے کہا ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' پڑھیں تو انھوں نے یہ اشعار پڑھنا شروع کر دیے:

أَيَا مَنْ لَيْسَ لِيْ عَنْهُ
وَ إِنْ عَذَّبَنِيْ بُدُّ
وَ يَا مَنْ نَّالَ مِنْ قَلْبِيْ
مَنَالًا مَّا لَهُ حدٌّ

※ اے وہ محبوب جس سے مجھے چھٹکارا نہیں خواہ وہ مجھے عذاب ہی کیوں نہ دے اورا ے۔

※ وہ جس نے میرے دل سے اپنا مقصد اس طرح حاصل کرلیا ہے جس کی کوئی حد نہیں۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' پڑھیں۔ انھوں نے فرمایا: (مَانَسِيْتُهُ فَأَذْكُرُهُ) ''مجھے یہ بھولا نہیں کہ میں اسے یاد کروں۔'' اور فرمایا:

حَاضِرٌ فِيْ الْقَلْبِ يَعْمُرُهُ
لَسْتُ أَنْسَاهُ فَأَذْكُرُهُ
فَهُوَ مَوْلَايَ وَ مُعْتَمِدِيْ
وَنَصِيْبِيْ مِنْهُ أَوْفَرُهُ

※ وہ دل میں حاضر ہے اور دل کو آباد کر رہا ہے میں اسے بھولتا نہیں ہوں کہ یاد کروں۔

※ وہ میرا آقا اور میرا سہارا ہے اور مجھے اس سے وافر حصہ ملتا ہے۔

مرتے وقت بھی سنت کا لحاظ

حضرت عبداللہ بن علی تمیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت جعفر بن نصیر بکران دینوری رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کیا کرتے تھے سے پوچھا آپ نے ان سے کیا دیکھا۔ انھوں نے کہا کہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ میرے ذمہ ایک درہم قرض تھا جو ناحق تھا (یعنی اس کے مالک کا علم نہیں تھا) میں نے اس کے مالک کی طرف سے ہزاروں درہم صدقہ کیے۔ پس مجھے اس سے بڑھ کر کوئی فکر لاحق نہیں ہوئی۔ پھر فرمایا: مجھے نماز کے لیے وضو کراؤ۔ میں نے ان کو وضو کرایا لیکن داڑھی کا خلال کرنا بھول گیا۔ اس وقت ان کی زبان بند ہو چکی تھی۔ انھوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر میری داڑھی میں داخل کیا پھر انتقال کر گئے۔

یہ بیان کرنے کے بعد حضرت جعفر رحمۃ اللہ علیہ رو پڑے اور فرمایا: تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جس کی عمر کے آخری حصے میں اس سے آدابِ شریعت میں سے کوئی ادب نہ چھوٹا۔

عاشق کی موت

حضرت مزین کبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں مکہ مکرمہ میں تھا۔ اللہ عزوجل اس کی حفاظت فرمائے۔ مجھے ایک بے قراری لاحق ہوئی تو میں مدینہ طیبہ کے ارادے سے نکلا۔ جب میں بئر میمون تک پہنچا تو میں نے ایک نوجوان کو گرا پڑا دیکھا۔ میں اس کی طرف گیا تو دیکھا کہ وہ حالتِ نزع میں ہے۔ میں نے اس سے کہا "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه" پڑھو۔ اس نے اپنی آنکھیں کھولیں اور یہ شعر پڑھا:

أَنَا إِنْ مُتُّ فَالْهَوٰى حَشْوَ قَلْبِيْ

وَبِدَاءِ الْهَوٰى تَمُوْتُ الْكِرَامُ

* اگر میں مر جاؤں تو بھی کوئی پروا نہیں کیونکہ عشق نے میرے دل کو بھر دیا ہے۔ اور شرفاء مرض عشق سے ہی وفات پاتے ہیں۔

اس کے بعد اس نے چیخ ماری اور مر گیا۔ میں نے اس کو غسل دیا اور کفن پہنایا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ جب میں نے اس کو دفن کیا تو سفر کا ارادہ جس نے دل کو بے قرار کر رکھا تھا، ٹھہر گیا۔ پس میں مکہ مکرمہ کی طرف لوٹ آیا۔

کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کو موت پسند ہے؟ انھوں نے فرمایا: اس ذات کے پاس جانا جس سے خیر کی امید ہے، ان لوگوں کے پاس ٹھہرنے سے بہتر ہے جن کے شر کا خوف رہتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں اپنے استاذ ابن کرنبی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھا اور ان کے انتقال کا وقت ہو گیا تھا۔ میں نے آسمان کی طرف دیکھا تو انھوں نے فرمایا: بہت دوری ہے۔ پھر زمین کی طرف دیکھا تو فرمایا: دوری ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ تم آسمان یا زمین کی طرف دیکھو اللہ عزوجل اس سے زیادہ قریب ہے بلکہ وہ تو کون و مکاں کے وجود سے بھی پہلے سے ہے۔

ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی موت کے وقت کہا میں نے تجھے غفلت کی وجہ سے یاد کیا لیکن تو نے میری گرفت کی تو میری سستی کی وجہ سے (مطلب یہ کہ تیری یاد میرے دل میں ہر وقت رہتی ہے لیکن میں غفلت میں پڑا تو میں نے تجھے یاد کیا)۔

حضرت ابوعلی روذباری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں مصر میں گیا تو لوگوں کو ایک جگہ اکٹھا دیکھا۔ انھوں نے بتایا کہ ہم ایک نوجوان کے جنازہ میں تھے جس نے کسی سے یہ شعر سنا:

كَبُرَتْ هِمَّةُ عَبْدٍ
طَمِعَتْ فِيْ أَنْ تَرَاكَا

* اس بندے کی ہمت کتنی بڑی ہے جو تجھے دیکھنے کی خواہش کرتا ہے۔ پھر اس نے ایک چیخ ماری اور مر گیا۔

حضرت ممشاد دینوری رحمۃ اللہ علیہ کا حال

کہا گیا ہے کہ ایک جماعت حضرت ممشاد دینوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئی۔ اس وقت وہ مرض الموت میں تھے۔ انھوں نے پوچھا: اللہ عزوجل نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ انھوں نے فرمایا: تیس (30) سال سے میرے سامنے جنت پیش کی جا رہی ہے لیکن میں نے ایک لحظہ بھی اس کی طرف نگاہ نہیں کی۔ لوگوں نے نزع کے وقت ان سے پوچھا کہ آپ اپنے دل کو کیسا پاتے ہیں؟ فرمایا: میں تیس (30) سال سے اپنے دل کو گم کر چکا ہوں۔

حضرت وجیہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت ابن بنان رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا سبب یہ ہوا کہ ان کے دل پر کوئی بات ''وارد'' ہوئی تو وہ دیوانہ وار نکل پڑے۔ لوگوں نے ان کا پیچھا کیا تو بنی اسرائیل کے تیہ (جنگل) میں جا پہنچے۔ انھوں نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا: یہاں عیش کرو یہ احباب کے عیش کی جگہ ہے، اور پھر ان کی روح پرواز کر گئی۔

ایک دن پہلے بتا دیا میں کل مروں گا

حضرت ابو یعقوب نہرجوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں مکہ مکرمہ میں تھا تو میرے پاس ایک فقیر آیا جس کے پاس دینار تھا۔ اس نے کہا کل میں مر جاؤں گا اس میں سے نصف کے ساتھ میری قبر بنوانا اور دوسرا نصف میری تجہیز و تکفین پر خرچ کر دینا۔ فرماتے ہیں: میں نے دل میں کہا شاید حجاز میں فاقوں کی وجہ سے اس کی عقل میں فتور آ گیا ہے۔ جب دوسرا دن ہوا تو اس نوجوان نے آ کر طواف کیا پھر جا کر زمین پر لیٹ گیا۔ میں نے کہا یہ بناوٹی طور پر مردہ بن رہا ہے۔ میں نے اس کو حرکت دی تو دیکھا کہ وہ مردہ پڑا تھا پس میں نے اس کی وصیت کے مطابق اس کو دفن کر دیا۔

کہا گیا کہ جب حضرت ابوعثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ کی حالت بدل گئی تو ان کے بیٹے حضرت ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی قمیص پھاڑ ڈالی۔ حضرت ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا: اے بیٹے! ظاہر میں سنت کے خلاف کرنا باطن میں ریاکاری ہے۔

کہتے ہیں حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ، حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے۔ ان کی روح پرواز کرنے والی تھی۔
حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے سلام کیا تو انھوں نے جواب دینے میں تاخیر کی، پھر جواب دیا اور فرمایا: میری طرف سے معذرت قبول کیجیے کیونکہ میں اپنے وِرد میں مشغول تھا۔ پھر ان کا انتقال ہو گیا۔

میں قیامت کے دن تمھاری مدد کروں گا

حضرت ابو علی روذباری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک فقیر آیا اور مر گیا۔ میں نے اسے دفن کیا۔ جب قبر میں رکھنے کے لیے اس کا چہرہ کھولا کہ اللہ عزوجل اس کی غریب الوطنی پر رحم فرمائے تو اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور کہا اے ابو علی! کیا تو مجھے اس کے سامنے ذلیل کرتا ہے جس نے مجھے ناز کی عادت ڈالی ہے۔
میں نے کہا اے آقا! کیا موت کے بعد زندگی؟ اس نے کہا ہاں میں زندہ ہوں اور اللہ عزوجل کا ہر محب زندہ ہوتا ہے۔
اے روذباری! اپنے جاہ و مرتبہ کی قسم! میں کل قیامت کے دن تمھاری مدد کروں گا۔

بتا دیا میں کیسے مروں گا

حضرت ابن سہل اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے انھوں نے فرمایا: تمھارا کیا خیال ہے میں لوگوں کی طرح مروں گا، اس طرح کہ میں بیمار پڑوں گا اور میری عیادت ہو گی بلکہ مجھے بلایا جائے گا اور کہا جائے گا اے علی! پس وہ ایک دن چل رہے تھے اور انھوں نے "لَبَّيْكَ" کہا اور فوت ہو گئے۔

حضرت ابو یعقوب نہر جوری رحمۃ اللہ علیہ کا حال

حضرت ابوالحسن مزین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب حضرت ابو یعقوب نہر جوری رحمۃ اللہ علیہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو میں نے نزع کی حالت میں ان سے عرض کیا کہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" پڑھیں وہ میری طرف دیکھ کر تبسم فرمانے لگے اور فرمایا: کیا تمھاری مراد مجھ سے ہے؟ اس ذات کی عزت کی قسم! جس کو موت نہیں آئے گی، میرے اور اس کے درمیان صرف عزت کا حجاب ہے اور اسی وقت وہ ٹھنڈے ہو گئے (فوت ہو گئے)۔
حضرت مزین رحمۃ اللہ علیہ اپنی داڑھی پکڑ کر فرماتے: اے حجام! (پچھنہ لگانے والے) میرے جیسا آدمی اولیاء کرام کو شہادت کی تلقین کرسکتا ہے۔ تجھے شرم آنی چاہیے۔ آپ کو جب بھی یہ واقعہ یاد آتا تو رو پڑتے۔

میں جمعرات کو مروں گا بھولنا نہ

حضرت ابوالحسین مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں کئی سال تک حضرت خیر نساج رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہا۔ انھوں نے

اپنے وصال سے آٹھ دن پہلے مجھ سے فرمایا: میں جمعرات کے دن مغرب کے وقت فوت ہوں گا اور جمعہ کے دن نماز سے پہلے میری تدفین ہوگی، اور تو یہ بات بھول جائے گا لیکن بھولنا نہیں۔

حضرت ابوالحسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں آئندہ جمعہ آنے تک یہ بات بھول گیا تو ایک آدمی مجھ سے ملا جس نے ان کے وصال کی خبر دی۔ میں ان کے جنازہ میں حاضری کے لیے نکلا تو دیکھا کہ لوگ واپس آ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ نماز کے بعد تدفین ہوگی۔ (فرماتے ہیں) میں واپس نہ آیا اور چلا گیا تو میں نے دیکھا کہ جنازہ نماز سے پہلے نکالا گیا۔ میں نے ایک شخص سے پوچھا جو ان کی وفات کے وقت حاضر تھا تو اس نے بتایا کہ وہ بے ہوش ہوئے پھر افاقہ ہوا تو گھر کے ایک کونے کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اللہ عزوجل تمھیں عافیت دے تو بھی حکم خداوندی کا پابند ہے اور میں بھی حکم خداوندی کا پابند بندہ ہوں۔ جس کا تجھے حکم دیا گیا ہے وہ کام تم سے نہیں چھوٹے گا اور جس کام کا مجھے حکم دیا گیا ہے وہ مجھ سے رہ جائے گا۔ چنانچہ انھوں نے پانی منگوا کر تازہ وضو کیا اور نماز پڑھی۔ پھر آنکھیں بند کر کے لیٹ گئے۔

موت کے بعد ان کو خواب میں دیکھا گیا تو پوچھا گیا آپ کا کیا حال ہے؟ فرمایا: کچھ نہ پوچھو، البتہ میں تمھاری گندی (اور خطرناک) دنیا سے چھوٹ گیا ہوں۔

جنازہ دیکھ کر مسلمان ہو گیا

کتاب "بَهْجَةُ الْأَسْرَارِ"[1] کے مصنف حضرت ابوالحسین حمصی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ جب حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو لوگ ان کے جنازہ پر ٹوٹ پڑے۔ شہر میں تقریباً ستر (70) سال کی عمر کا ایک یہودی تھا، اس نے شور سنا تو باہر نکلا کہ دیکھے کیا معاملہ ہے؟ جب اس نے جنازہ دیکھا تو چلا اُٹھا اور کہا "کیا وہ چیز تم بھی دیکھتے ہو جو میں دیکھتا ہوں؟"

انھوں نے کہا نہیں! تم کیا دیکھ رہے ہو؟

اس نے کہا میں دیکھ رہا ہوں کہ کچھ لوگ آسمان سے اتر رہے ہیں اور وہ جنازے کو ہاتھ لگا کر چوم رہے ہیں۔ پھر اس نے کلمہ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو گیا اور نہایت پکا مسلمان ہوا۔

اللہ عزوجل کے دوست زندہ ہوتے ہیں

حضرت ابوجعفر بن قیس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے ہیں میں مکہ مکرمہ

---

[1] یہ کتاب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی المعروف غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح کے حوالے سے معروف ہونے والی کتاب "بھجۃ الاسرار" کے علاوہ ہے۔ (ابوحنظلہ محمد اجمل عطاری)

میں تھا ایک دن میں "باب بنی شیبہ" سے گزرا تو میں نے ایک خوبصورت نوجوان کو مردہ دیکھا۔ میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا تو وہ مجھے دیکھ کر مسکرایا اور مجھ سے کہنے لگا: "اے ابوسعید! تمھیں معلوم نہیں کہ اللہ ﷻ کے دوست زندہ ہوتے ہیں اگرچہ مر جائیں، وہ ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔"

حضرت جریری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ حالتِ نزع میں تھے کہ ان سے کہا گیا کوئی نصیحت کیجیے۔ انھوں نے فرمایا: "مجھے کسی اور کام میں مشغول نہ کرو میں اللہ ﷻ کی عمدہ مہربانیوں پر خوش ہو رہا ہوں۔"

حضرت ابوعثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی حالت وفات میں پوچھا گیا آپ ہمیں کیا نصیحت کرتے ہیں؟

انھوں نے فرمایا: اس وقت مجھ میں گفتگو کی طاقت نہیں پھر انھوں نے اپنے اندر کچھ قوت محسوس کی تو میں نے ان سے عرض کیا کچھ فرمایئے تاکہ میں آپ سے نقل کر سکوں۔ انھوں نے فرمایا: (أَلْإِنْكِسَارُ بِكُلِّ الْقَلْبِ عَلَى التَّقْصِيْرِ) "دل سے پوری طرح انکساری کرو کہ تم سے کوتاہی ہوئی ہے۔"

باب
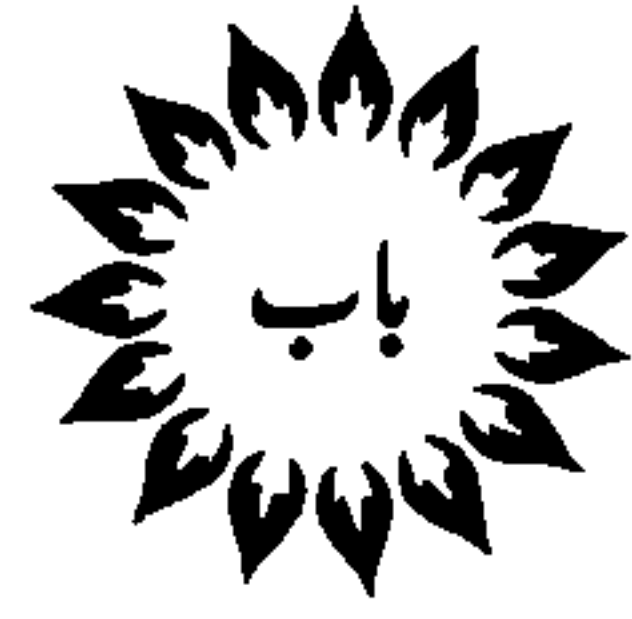
اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ﴾ ''اور یہود نے اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہئے تھی۔''[1]

تفاسیر میں اس کا مطلب یوں بیان کیا گیا ہے کہ انھوں نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کو کما حقہ نہ پہچانا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ دِعَامَةَ الْبَيْتِ أَسَاسُهٗ وَدِعَامَةُ الدِّيْنِ الْمَعْرِفَةُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى وَالْيَقِيْنُ وَالْعَقْلُ الْقَامِعُ. فَقُلْتُ: بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ مَا الْعَقْلُ الْقَامِعُ؟ قَالَ: اَلْكَفُّ عَنْ مَّعَاصِي اللّٰهِ، وَالْحِرْصُ عَلٰى طَاعَةِ اللّٰهِ))

''مکان اپنی بنیادوں پر قائم ہوتا ہے اور دین کا قیام اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت، یقین اور برائیوں سے روکنے والی عقل پر ہوتا ہے۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں عقلِ قامع کیا ہے؟ فرمایا: گناہوں سے رُکنا اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت کی حرص۔''[2]

عارف باللہ کسے کہتے ہیں؟

حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: علماء کے نزدیک ''معرفت'' علم کو کہتے ہیں۔ پس ہر علم معرفت اور ہر معرفت علم ہے اور ہر عالم باللہ عارف ہے اور ہر عارف، عالم ہے لیکن ان لوگوں (صوفیاء کرام) کے نزدیک معرفت اس شخص کی صفت ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات وصفات کے ساتھ اس کی پہچان رکھتا ہے۔ پھر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ساتھ اپنے معاملات میں سچا ہوتا ہے، پھر اپنے بُرے اخلاق اور ان کی آفات کو دور کرتا ہے، پھر اس کے دروازے پر طویل عرصہ کھڑا رہتا ہے اور اپنے دل سے اسی دروازے پر معتکف رہتا ہے۔ اس کے نتیجے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اچھی توجہ کا مستحق ہو جاتا ہے اور وہ اپنے

---

[1] پارہ 7، الانعام 91، ترجمہ کنزالایمان

[2] اس کا حوالہ امام قشیری ہی سے مل سکا ہے۔ (ابو حنظلہ محمد اجمل عطاری)

تمام معاملات میں اللہ عزوجل کے ساتھ سچائی کا معاملہ کرتا ہے اور اس کے دل کے خیالات ختم ہو جاتے ہیں اور جو قلبی خیال اسے غیر اللہ کی طرف بلائے وہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ جب وہ مخلوق سے اجنبی اور اپنی آفات سے بَرِی ہو جاتا ہے اور کسی اور چیز کو دیکھنے سے پاک ہو جاتا ہے اور وہ راز میں اللہ عزوجل کے ساتھ مناجات کرتا ہے اور ہر لحظہ اللہ عزوجل کی طرف اس کا رجوع صحیح ہو جاتا ہے، اللہ عزوجل اس سے یوں باتیں کرے کہ وہ تمام تقدیروں کے ردوبدل جو اللہ عزوجل جاری کرتا ہے وہ اسے بتادے تو اس وقت اس کو ''عارف'' کہا جاتا ہے اور اس کی حالت کو ''معرفت'' کہتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس قدر وہ اپنے نفس سے اجنبی رہتا ہے اسی قدر اس کو اپنے رب کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

معرفت کے بارے بزرگوں کے اقوال

مشائخِ عظام نے معرفت کے سلسلے میں گفتگو کی ہے اور ہر ایک نے وہ بات کی جو اسے پیش آئی اور اس نے اس حالت کی طرف اشارہ کیا جو اس نے اپنے وقت میں حاصل کی۔

استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: معرفت باللہ کی علامات میں سے یہ بات بھی ہے کہ اللہ عزوجل کی ہیبت پائی جائے پس جس کو معرفت زیادہ حاصل ہوگی اس کو اسی قدر زیادہ ہیبت بھی ہوگی۔

وہی فرماتے تھے: معرفت سے دل کو سکون ملتا ہے جس طرح علم سکون کا باعث ہے پس جس شخص میں ''معرفت'' زیادہ ہوگی اس کو سکون بھی زیادہ حاصل ہوگا۔

حضرت احمد بن محمد بن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے: عارف کا غیر اللہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ نہ محبّ شکوہ کرتا ہے نہ بندہ کسی قسم کا دعویٰ کرتا ہے نہ ڈرنے والے کو قرار ہوتا ہے اور نہ ہی کسی شخص کو اللہ عزوجل سے فرار ہو سکتا ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے معرفت کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: اس کا آغاز اللہ عزوجل سے ہوتا ہے اور اس کے آخر کی کوئی انتہا نہیں۔

حضرت ابو العباس دینوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب سے مجھے اللہ عزوجل کی معرفت حاصل ہوئی ہے میرے دل میں حق اور باطل کچھ بھی داخل نہیں ہوا۔

حضرت استاذ ابو القاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ نے جو بات کہی ہے اس میں کچھ اعتراض ہے اور اس میں زیادہ سے زیادہ یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ صوفیاء کرام کے نزدیک معرفت یہ ہے جو بندے کو اپنے نفس سے غائب کردے۔ پس جس طرح عقل ان تمام احوال میں جو اسے پیش آتے ہیں، دل اور اس کی فکر و ذکر کی طرف لوٹتی ہے تو عارف کا رجوع اللہ عزوجل کی طرف ہوتا ہے پس جب وہ صرف اپنے رب کے ساتھ مشغول ہوگا تو اپنے دل کی طرف نہیں

لوٹے گا اور جس کا دل ہی نہ ہو اس کے دل میں کوئی خیال کیسے آ سکتا ہے؟ اور ایک شخص اپنے دل کے ساتھ زندہ ہو اور دوسرا اپنے رب کے ساتھ زندہ ہو تو ان دونوں میں فرق ہے۔

حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ سے معرفت کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے یہ آیت پڑھی:

﴿اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ﴾

''بے شک بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں اسے تباہ کر دیتے ہیں اور اس کے عزت والوں کو ذلیل۔''[1]

حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ وہ معنیٰ ہے جس کی طرف حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کیا ہے۔

حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مخلوق کے احوال ہوتے ہیں لیکن عارف کا کوئی حال نہیں ہوتا کیونکہ اس کے نشانات مٹ چکے ہوتے ہیں، اس کی اپنی حقیقت غیر کی حقیقت میں فنا ہو چکی ہوتی ہے اور اس کے اپنے آثار غیر کے آثار میں چھپ چکے ہوتے ہیں۔

حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب تک بندے میں اللہ ﷻ کے ساتھ ''اِسْتِغْنَاء'' اور اس کی طرف محتاجی موجود ہو، معرفت صحیح نہیں ہوتی۔

حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ ''اِفْتِقَار'' (محتاجی) اور ''اِسْتِغْنَاء'' (بے نیازی) بندے کے ہوش میں ہونے اور اس کے نشانات کے باقی رہنے کی علامات میں سے ہیں کیونکہ یہ دونوں بندے کی صفتیں ہیں اور عارف اس ذات میں محو (مٹ چکا) ہوتا ہے جس کی اسے معرفت حاصل ہوتی ہے۔ پس یہ بات کیسے درست ہو سکتی ہے،[2] کیونکہ وہ وجود الٰہی میں فنا ہونے یا اس کے حضور میں اِسْتِغْرَاق کی وجہ سے، اگر وہ اپنے وجود کو نہیں پہچان سکتا تو (اس کی وجہ یہ ہے کہ) وہ اپنے تمام اوصاف کے احساس کو کھو چکا ہوتا ہے۔[3]

اسی لیے حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا کہ جس نے اللہ ﷻ کو پہچان لیا وہ غیر اللہ سے منقطع ہو گیا نہیں بلکہ گونگا ہو گیا اور اس کی بینائی چلی گئی۔

رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں: ((لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَيْكَ)) ''اے اللہ! میں پوری طرح تیری تعریف نہیں کر سکتا۔''[4]

---

[1] پارہ 19، النمل 34، ترجمہ کنزالایمان

[2] استغناء اور افتقار کا ذکر کیسے درست ہو سکتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[3] مطلب یہ ہے کہ بندہ جب فنا فی اللہ ہوتا ہے تو باقی تمام باتوں کو بھول جاتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[4] صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب مایقال فی الرکوع والسجود، رقم الحدیث: 486، سنن نسائی، کتاب الطھارۃ، باب نمبر 20، رقم الحدیث: 169، سنن ابن ماجہ، کتاب الدعاء، باب ماتعوذ منہ رسول اللہ، رقم الحدیث: 3841.

یہ ان لوگوں کی صفات ہیں جن کا مطمع نظر بہت بعید ہے لیکن جو لوگ اس حد سے کم درجہ میں ہیں انھوں نے معرفت میں بہت زیادہ کلام کیا ہے۔

حضرت احمد بن عاصم انطا کی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: (مَنْ كَانَ بِاللّٰهِ أَعْرَفُ كَانَ لَهُ أَخْوَفَ) ''جو شخص اللہ ﷻ کی معرفت سب سے زیادہ رکھتا ہے وہ اس سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوتا ہے۔''

بعض صوفیاء کرام فرماتے ہیں: جو شخص اللہ ﷻ کو پہچان لیتا ہے وہ دنیا میں زیادہ رہنے سے تنگ آ جاتا ہے اور دنیا کشادگی کے باوجود اس پر تنگ ہو جاتی ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے: جو شخص اللہ ﷻ کو پہچان لے اس کی زندگی پاک صاف ہو جاتی ہے۔ ہر چیز اس سے ڈرتی ہے، مخلوق کا خوف اس سے چلا جاتا ہے اور وہ اللہ ﷻ کے ساتھ مانوس ہو جاتا ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو شخص اللہ ﷻ کو پہچان لیتا ہے اس سے دنیوی چیزوں کی رغبت چلی جاتی ہے اور اس کے لیے جدائی اور وصل کوئی چیز نہیں ہوتے۔

کسی نے کہا ہے کہ معرفت، حیاء اور تعظیم کا موجب ہے۔ جس طرح توحید رضا اور تسلیم کا سبب ہے۔

حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عارف کے لیے ''معرفت'' آئینہ ہے جب وہ اس میں دیکھتا ہے تو اس میں اس کے مولیٰ کی تجلی ہوتی ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میدانِ معرفت میں ''ارواح انبیاء'' نے گھوڑے دوڑائے تو ہمارے نبی ﷺ کی روح تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح سے سبقت کر گئی اور ''روضۂ وصال'' تک جا پہنچی۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عارف کے ساتھ میل جول رکھنا اللہ ﷻ کے ساتھ میل جول کی طرح ہے۔ وہ تمھاری باتوں کو برداشت کرتا اور حلم (بردباری) اختیار کرتا ہے کیونکہ وہ اخلاقِ خداوندی سے موصوف ہوتا ہے۔

حضرت یزدانیار رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ عارف کب حق سبحانہ وتعالیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے؟ انھوں نے فرمایا: جب شاہد (اللہ ﷻ) ظاہر ہو اور ''شواہد'' فنا ہو جائیں، حواس چلے جائیں اور اخلاص مضمحل (کمزور) ہو جائے۔

حضرت حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب بندہ مقامِ معرفت تک پہنچ جاتا ہے تو اللہ ﷻ اس کی طرف اچھے خیالات کا الہام کرتا ہے اور اس کے باطن کی حفاظت کرتا ہے تاکہ اس میں اللہ ﷻ کی طرف سے آنے والے خیالات (خواطرِ حق) کے سوا کوئی خیال نہ آئے۔

انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ عارف کی علامت یہ ہے کہ: (أَنْ يَكُوْنَ فَارِغًا مِّنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ) ''وہ دنیا اور آخرت (کی محبت) سے فارغ ہوتا ہے۔''

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: معرفت کی انتہاء دو چیزیں ہیں: خوف اور حیرت۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص اللہ ﷻ کو سب سے زیادہ جاننے والا ہوتا ہے وہ اس کے بارے میں سب سے زیادہ حیرت والا ہوتا ہے۔

حضرت ابو عمر انطا کی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک شخص نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ بعض اہلِ معرفت کہتے ہیں کہ حرکات واعمال کو ترک کر دینا نیکی اور تقویٰ سے ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ ان لوگوں کا قول ہے جو اعمال کو ساقط کرنے کا قول کرتے ہیں اور میرے نزدیک یہ بہت بڑا گناہ ہے اور چوری کرنے والا اور زنا کرنے والا اس قول والے سے اچھی حالت میں ہیں۔ بے شک اللہ ﷻ کی معرفت والے لوگوں نے اللہ ﷻ سے اعمال حاصل کیے اور ان اعمال میں وہ اللہ ﷻ کی طرف ہی رجوع کرتے ہیں۔ اگر میں دنیا میں ایک ہزار سال بھی زندہ رہوں تو میں نیک اعمال سے ایک ذرّہ بھی کم نہیں کروں گا۔

حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے یہ معرفت کس طرح حاصل کی؟ انھوں نے فرمایا: بھوکے پیٹ اور ننگے بدن کے ساتھ (یعنی صرف ضرورت کے مطابق لباس پہنا اور ضرورت کے مطابق کھانا کھایا)۔

حضرت ابو یعقوب نہر جوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو یعقوب سوسی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کیا عارف، اللہ ﷻ کے علاوہ کسی چیز پر افسوس کرتا ہے؟

فرمایا: (هَلْ يُرٰى غَيْرَهٗ، فَيَتَأَسَّفُ عَلَيْهِ؟) ''کیا اسے اللہ ﷻ کے سوا کوئی چیز دکھائی دیتی ہے کہ وہ اس پر افسوس کرے؟'' (فرماتے ہیں) میں نے پوچھا: (فَبِأَيِّ عَيْنٍ يَنْظُرُ إِلَى الْأَشْيَاءِ) ''وہ کس آنکھ سے چیزوں کو دیکھتا ہے؟''

انھوں نے فرمایا: (بِعَيْنِ الْفَنَاءِ وَالزَّوَالِ) ''فناء اور زوال کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔''

حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: عارف کی مثال اڑنے والے کی ہے اور ''زاہد'' کی مثال پیدل چلنے والے کی۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ عارف کی آنکھ روتی ہے اور اس کا دل ہنستا ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عارف اس وقت تک عارف نہیں ہوتا جب تک وہ زمین کی طرح نہ ہو جائے جسے نیک اور برے تمام روندتے ہیں۔ اور جب تک وہ بادل کی طرح نہ ہو جائے جو ہر چیز کو سایہ مہیا کرتا ہے اور جب تک بارش کی طرح نہ ہو جائے جو ہر چیز کو سیراب کرتی ہے، اسے پسند کرے یا پسند نہ کرے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عارف دو باتوں سے اپنی آرزو پوری کیے بغیر دنیا سے چلا جاتا ہے: ① اپنے نفس پر رونا اور ② اپنے رب ﷻ کی ثناء کرنا۔

حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صوفیاء کرام نے معرفت اس طرح حاصل کی کہ جو کچھ ان کے لیے ہے اس کو ضائع کر دیا اور جو کچھ اللہ عزوجل کے لیے ہے اس کی حفاظت کی۔ [1]

حضرت یوسف بن علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عارف صحیح معنٰی میں اس وقت تک عارف نہیں ہو سکتا جب تک اس کی یہ حالت نہ ہو جائے کہ اگر اس کو حضرت سلیمان علیہ السلام جیسی بادشاہی دی جائے تو ایک لمحہ کے لیے بھی وہ اسے اللہ عزوجل سے غافل نہ کر سکے۔

حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: معرفت کے تین ستون ہیں: ① ہیبت ② حیاء ③ اُنس۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ کو رب کی معرفت کیسے حاصل ہوئی؟ فرمایا: میں نے اپنے رب کو اپنے رب کے (فضل کے) ذریعے پہچانا۔ اور اگر میرا رب نہ ہوتا تو میں اپنے رب کو نہ پہچان سکتا۔ [2]

کہا گیا ہے کہ: (اَلْعَالِمُ يُقْتَدٰى بِهٖ وَالْعَارِفُ يُهْتَدٰى بِهٖ) "عالم کی پیروی کی جاتی ہے اور عارف سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔"

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عارف غیر اللہ کی طرف نگاہ نہیں کرتا اور نہ اللہ عزوجل کے سوا کسی کا کلام بولتا ہے۔ نیز وہ اللہ عزوجل کے سوا کسی کو اپنے نفس کا محافظ نہیں سمجھتا۔

کہا گیا ہے کہ عارف اللہ عزوجل کے ذکر کے ساتھ اُنس حاصل کر چکا ہوتا ہے جو اسے اس کی مخلوق سے بے نیاز کر دیتا ہے وہ اللہ عزوجل کے سامنے عاجزی اور ذلت اختیار کرتا ہے تو وہ اسے اپنی مخلوق میں عزت عطا کرتا ہے۔

حضرت ابو طیب سامری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: معرفت یہ ہے کہ اللہ عزوجل مسلسل انوار کے ساتھ بندے کے باطن پر مطلع ہو۔

کہا گیا ہے کہ: (اَلْعَارِفُ فَوْقَ مَا يَقُوْلُ، وَالْعَالِمُ دُوْنَ مَا يَقُوْلُ) "عارف اپنی گفتگو سے بلند ہوتا ہے اور عالم اپنے قول سے نچلے درجے میں ہوتا ہے۔"

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ عزوجل عارف کے لیے اس کے بستر پر وہ باتیں کھول دیتا ہے جو اس کے غیر کے لیے نماز کے قیام میں بھی نہیں کھولتا (یعنی اس کا سونا بھی مفید ہوتا ہے)۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عارف وہ ہوتا ہے جو خود خاموش رہے اور اللہ عزوجل اس کے اسرار بیان کرے۔

---

[1] یعنی خواہشات کو ترک کر کے اپنے رب عزوجل کے احکام کی بجا آوری کرتے ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

[2] مطلب یہ ہے کہ بندے کو اللہ عزوجل کی معرفت کی طاقت نہیں ہوتی۔ اللہ عزوجل اپنے فضل و کرم سے اسے [illegible]

حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (رِيَاءُ الْعَارِفِيْنَ أَفْضَلُ مِنْ إِخْلَاصِ الْمُرِيْدِيْنَ) ''عارفین کا دکھاوا مریدین کے اخلاص سے افضل ہے۔''

حضرت ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عارف کی خاموشی زیادہ نفع بخش ہے اور اس کا کلام زیادہ پسندیدہ اور عمدہ ہوتا ہے۔

حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: زاہد لوگ آخرت کے بادشاہ اور عارفین کے محتاج ہیں۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے عارف کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: پانی کا رنگ وہی ہوتا ہے جو اس کے برتن کا ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ عارف اپنے ''وقت'' کے حکم کے تحت ہوتا ہے۔

حضرت ابویزید رحمۃ اللہ علیہ سے عارف کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: وہ نیند میں بھی صرف اللہ ﷻ کو دیکھتا ہے، بیداری میں بھی غیر اللہ کو نہیں دیکھتا۔ غیر اللہ کے ساتھ موافقت نہیں کرتا اور نہ ہی اللہ ﷻ کے غیر کا مطالعہ کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن محمد دمشقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ آپ نے اللہ ﷻ کو کس طرح پہچانا؟ انھوں نے فرمایا: اس چمک سے جو اس شخص کی زبانی حاصل کی گئی جس کی معروف عقل کھو چکی ہو اور ان الفاظ سے جو اس شخص کی زبان پر وارد ہوئے، جو شہود حق میں مستغرق ہو۔ یہ قائل وجد ظاہر کی طرف اشارہ کرتا ہو اور ایسے باطن کی خبر دے رہا ہو جو اس کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ یہ شخص اپنی ظاہری شکل وصورت میں انسان معلوم ہوتا ہے لیکن باطن کے اعتبار سے کچھ اور ہی معلوم ہوتا ہے۔ پھر یہ شعر پڑھے:

نَطَقْتُ بِلَا نُطْقٍ هُوَ النُّطْقُ إِنَّهُ
لَكَ النُّطْقُ لَفظًا أَوْ يُبِيْنُ عَنِ النُّطْقِ
تَرَاءَيْتَ كَيْ أَخْفٰى وَقَدْ كُنْتَ خَافِيًا
وَأَلْمَعْتَ لِيْ بَرْقًا فَأَنْطَقْتُ بِالْبَرْقِ

* میں نے نطق (بولنے) کے بغیر گفتگو کی اور دراصل حقیقی نطق بھی یہی ہے۔ یا اللہ! تو لفظوں میں گفتگو کرتا ہے یا نطق کو واضح کر دیتا ہے۔
* تو نے مجھے اپنی ذات کا جلوہ دکھایا تاکہ میں مخفی ہو جاؤں حالانکہ تو خود بھی مخفی تھا اور تو نے میرے لیے نور عرفان کی بجلی چمکائی تو بجلی کے ذریعے تو نے مجھے بولنے والا کر دیا۔

حضرت ابوتراب رحمۃ اللہ علیہ سے عارف کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: عارف وہ ہوتا ہے جسے کوئی چیز

مکدّر (گدلا) نہ کر سکے اور ہر چیز اس سے صفائی حاصل کر سکے۔

حضرت ابوعثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: عارف کے لیے علم کے انوار روشن ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے وہ غیب کی عجیب وغریب باتیں دیکھ لیتا ہے۔

استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: عارف تحقیق کے سمندر میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ جس طرح ان میں سے کسی کہنے والے نے کہا کہ ''معرفت'' غوطہ زن موجوں کا نام ہے جو کبھی اوپر اٹھاتی ہیں اور کبھی نیچے لے جاتی ہیں۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ سے عارف کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: وہ شخص مخلوق کے ساتھ ہوتے ہوئے ان سے جدا ہوتا ہے۔ اور ایک بار فرمایا: عارف کبھی مخلوق کے ساتھ تھا، پھر جدا ہو گیا۔

حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عارف کی تین نشانیاں ہیں:

① اس کی معرفت کا نور اس کے ورع (پرہیزگاری) کے نور کو نہیں بجھاتا۔

② وہ باطنی طور پر اپنے علم کی وجہ سے ایسا عقیدہ نہیں رکھتا جس سے ظاہری طور پر کوئی حکم ٹوٹتا ہو۔

③ اس پر انعامات الٰہیہ کی کثرت اسے اللہ عزوجل کے محارم کے پردے پھاڑنے پر نہیں اکساتی۔

کہا گیا ہے کہ وہ شخص جو آخرت والوں کے لیے معرفت بیان کرتا ہو، عارف نہیں کہلا سکتا تو جو دنیاداروں کے سامنے بیان کرے گا (وہ کیسے عارف ہو سکتا ہے)۔ [1]

حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: معرفت جُودِ خداوندی کے چشمے سے اور خوب محنت صرف کرنے سے حاصل ہوتی ہے (یعنی کوشش بھی ضروری ہے لیکن فیضان خداوندی کے بغیر اس کا حصول ممکن نہیں)۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کے بارے میں پوچھا گیا جو انھوں نے عارف کے بارے میں فرمایا تھا: ''كَانَ هَاهُنَا فَذَهَبَ'' (وہ یہاں تھا پس چلا گیا) تو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

عارف باللہ کسی حالت میں بند نہیں ہوتا اور کوئی منزل اسے دوسری منزلوں کی طرف منتقل ہونے سے نہیں روکتی۔

پس وہ ہر مقام والوں کے ساتھ اسی طرح ہوتا ہے جس حالت پر وہ خود ہے اور وہ اس قسم کی واردات حاصل کرتا ہے جیسی واردات وہ لوگ حاصل کرتے ہیں۔ اور وہ ان کے اشارات کی ترجمانی کرتا ہے تاکہ وہ ان سے نفع حاصل کر سکیں۔

حضرت محمد بن فضل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (اَلْمَعْرِفَةُ: حَيَاةُ الْقَلْبِ مَعَ اللّٰهِ تَعَالٰى) ''معرفت اللہ عزوجل کے

---

[1] کیونکہ جب وہ آخرت والوں کے سامنے معرفت کی بات کرے وہ عارف نہیں کیونکہ وہ ان کے سامنے ایسی بات بیان کر رہا ہے جس کو وہ نہیں سمجھے کیونکہ وہ اللہ عزوجل کے غیر سے تعلق توڑ کر اسی کی ذات میں مشغول ہیں۔ تو دنیادار لوگوں کے سامنے معرفت کی بات کرنا زیادہ نامناسب ہے کیونکہ وہ اسے سمجھ نہیں سکتے۔ (نتائج الافکار القدسیہ، جلد 2، صفحہ: 1335) ۱۲ ہزاروی

ساتھ قلبی حیات کا نام ہے۔"

حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ کیا عارف کی کبھی ایسی حالت ہو جاتی ہے کہ اسے رونا نہ آتا ہو؟

فرمایا: ہاں بے شک اس کو رونا اس وقت آتا ہے جب وہ اللہ ﷻ کی طرف سیر کے مقام پر ہو۔ جب وہ لوگ حقائقِ قرب کے پاس اترتے ہیں اور وہ اللہ ﷻ کے فضل و کرم سے وصل الٰہی کا ذائقہ چکھتے ہیں تو ان سے یہ حالت زائل ہو جاتی ہے۔

باب
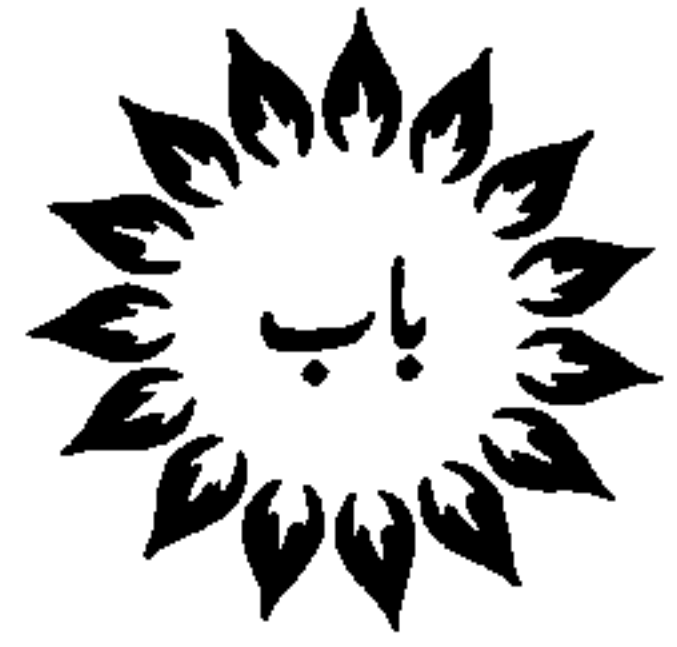
محبت کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ﴾

''اے ایمان والو! تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا تو عنقریب اللہ ایسے لوگ لائے گا کہ وہ اللہ کے پیارے اور اللہ ان کا پیارا۔''[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ أَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ وَمَنْ لَّمْ يُحِبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ لَمْ يُحِبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ))

''جو شخص اللہ عزوجل سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ عزوجل اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جو شخص اللہ عزوجل سے ملاقات کو پسند نہیں کرتا اللہ عزوجل اس کی ملاقات کو پسند نہیں کرتا۔''[2]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے نقل کیا وہ اپنے رب سبحانہ وتعالیٰ سے نقل کرتے ہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

((مَنْ أَهَانَ لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ بَارَزَنِيْ بِالْمُحَارَبَةِ وَمَا تَرَدَّدْتُ فِيْ شَيْءٍ كَتَرَدُّدِيْ فِيْ قَبْضِ نَفْسِ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَأَكْرَهُ مَسَاءَتَهٗ وَلَابُدَّ مِنْهُ وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِيْ بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ أَدَاءِ مَا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ وَلَا يَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أُحِبَّهٗ وَمَنْ أَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ لَهٗ سَمْعًا وَّبَصَرًا وَّيَدًا وَّمُؤَيِّدًا.))

''جو شخص میرے کسی ولی کی توہین کرتا ہے وہ مجھ سے اعلانِ جنگ کرتا ہے اور مجھے اتنا تردد کسی کام میں نہیں ہوتا جتنا تردد مجھے کسی مومن بندے کی روح قبض کرنے میں ہوتا ہے جو موت کو پسند نہیں کرتا اور مجھے اس کی

[1] پارہ 6، المائدۃ 54، ترجمہ کنزالایمان

[2] صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاءہ، رقم الحدیث: 6508، سنن نسائی، کتاب الجنائز، باب فیمن أحب لقاء اللہ، رقم الحدیث: 1836، سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب ذکر الموت والاستعداد لہ، رقم الحدیث: 4264.

پریشانی پسند نہیں لیکن موت کے سوا کوئی چارہ نہیں اور میرا کوئی بندہ میرے نزدیک فرائض کی ادائیگی سے زیادہ محبوب چیز میرے پاس نہیں لاتا اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں اور میں جس سے محبت کرتا ہوں اس کے کان، آنکھ، ہاتھ اور مدد کرنے والا بن جاتا ہوں۔''[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِذَا أَحَبَّ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ الْعَبْدَ قَالَ لِجِبْرِيْلَ يَا جِبْرِيْلُ إِنِّیْ أُحِبُّ فُلَانًا فَأَحْبِبْهُ فَيُحِبُّهُ جِبْرِيْلُ ثُمَّ يُنَادِیْ جِبْرِيْلُ فِیْ أَهْلِ السَّمَآءِ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَدْ أَحَبَّ فُلَانًا فَأَحِبُّوْهُ فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَآءِ ثُمَّ يُضَعُ لَهُ الْقَبُوْلُ فِی الْأَرْضِ وَإِذَآ أَبْغَضَ اللّٰهُ الْعَبْدَ قَالَ مَالِكٌ لَا أَحْسَبُهُ إِلَّا قَالَ فِی الْبُغْضِ مِثْلَ ذٰلِكَ .))

''جب اللہ عزوجل کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو حضرت جبریل علیہ السلام سے فرماتا ہے اے جبریل! میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو پس حضرت جبریل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام آسمان والوں میں اعلان کرتے ہیں کہ بے شک اللہ عزوجل فلاں شخص سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو پس اہل آسمان بھی اس سے محبت کرتے ہیں پھر اس کے لیے زمین میں قبولیت رکھ دی جاتی ہے۔ اور اللہ عزوجل جب کسی بندے سے ناراض ہوتا ہے، حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں میرا خیال ہے ناراضگی کے بارے میں بھی اسی طرح کی بات فرمائی۔''[2]

محبت ایک شریف حالت ہے اللہ عزوجل نے جس کی گواہی بندے کے لیے دی اور یہ بات بھی بتائی کہ وہ بندے سے محبت کرتا ہے، پس اللہ عزوجل کا یہ وصف ہے کہ وہ بندے سے محبت کرتا ہے اور بندے کا وصف یہ ہے کہ وہ اللہ عزوجل سے محبت کرتا ہے۔

محبت کی تعریف

علماء کی اصطلاح میں محبت ''ارادے'' کا نام ہے لیکن صوفیاء کے نزدیک محبت سے ارادہ مراد نہیں ہے کیونکہ (انسانی) ارادے کا تعلق قدیم ذات (اللہ عزوجل) سے نہیں ہوسکتا البتہ یہ کہ اس سے اللہ عزوجل کا ''قرب'' اور اس کی ''تعظیم''

[1] صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، رقم الحدیث: 6502. کچھ الفاظ کے فرق سے

[2] صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ صلوٰت اللہ علیہم، رقم الحدیث: 3209، صحیح مسلم، کتاب البر، باب إذا احب اللہ عبدا حببه لعباده، رقم الحدیث: 2637.

مراد لی جائے۔

محبت کی ایک نفیس تحقیق

ہم ان شاء اللہ ﷻ اس مسئلہ کی تحقیق ذکر کریں گے پس اللہ ﷻ کی بندے سے محبت اس پر خاص انعام کا ارادہ کرنا ہے جس طرح اس کی رحمت سے مراد انعام کا ارادہ کرنا ہے۔ پس رحمت، ارادہ سے خاص ہے اور محبت رحمت سے خاص ہے۔ لہٰذا اللہ ﷻ کا یہ ارادہ کہ وہ بندے کو ثواب اور انعام عطا کرے ''رحمت'' کہلاتا ہے اور اس کا یہ ارادہ کہ بندے کو اپنا قرب خاص عطا کرے اور بلند احوال سے بہرہ ور کرے ''محبت'' کہلاتا ہے۔

① اور اللہ ﷻ کا ارادہ ایک صفت ہے لیکن اس کے متعلقات کے اعتبار سے اس کے مختلف نام ہیں۔ جب اس ''ارادے'' کا نام سزا کے ساتھ ہوتا ہے تو اسے ''غضب'' کہتے ہیں، جب عمومی نعمتوں کے ساتھ ہوتا ہے تو اسے ''رحمت'' کہتے ہیں اور جب خصوصی نعمت کے ساتھ ہوتا ہے تو اسے ''محبت'' کہتے ہیں۔

② بعض حضرات فرماتے ہیں: اللہ ﷻ کی بندے سے ''محبت'' یہ ہے کہ وہ اس کی اچھی تعریف کرتا ہے، اس بنیاد پر اللہ ﷻ کی کسی سے محبت اس کے کلام کی طرف لوٹتی ہے اور اس کا کلام قدیم ہے۔

③ کچھ حضرات فرماتے ہیں: اللہ ﷻ کی بندے کے لیے ''محبت'' اس کے فعل کی صفات سے ہے لہٰذا وہ خاص احسان ہے جو اللہ ﷻ بندے پر کرتا ہے اور خاص حالت ہے جس تک اللہ ﷻ اسے رفعت و بلندی عطا کرتا ہے جس طرح ان میں سے بعض نے فرمایا کہ بندے پر اللہ ﷻ کی رحمت اس کے انعام کے ساتھ ہوتی ہے۔

④ اسلاف (پہلے بزرگوں) کی ایک جماعت نے کہا کہ اللہ ﷻ کی ''محبت'' ان صفات میں سے ہے جن کا ذکر احادیث میں آیا ہے پس انھوں نے اس لفظ کو مطلقاً استعمال کیا اور اس کی تفسیر بیان کرنے سے رُک گئے۔

ان (چار) صورتوں کے علاوہ مخلوق کی محبت کی صفات میں سے جو بات سمجھ آتی ہے وہ کسی چیز کی طرف ''میلان'' اور کسی چیز سے ''اُنس'' ہے اور ایک ایسی ''حالت'' کی طرح ہے جو محبت کرنے والا مخلوق میں سے کسی محبوب کے ساتھ پاتا ہے تو قدیم ذات اس سے بلند و بالا ہے۔ جہاں تک بندے کی اللہ ﷻ سے محبت کا تعلق ہے۔ تو یہ ایک حالت ہے جسے وہ اپنے دل میں پاتا ہے، اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

بعض اوقات یہ حالت انسان کو اللہ ﷻ کی تعظیم اور اس کی رضا کو ترجیح دینے پر مجبور کرتی ہے نیز اسے اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ وہ اس کی جدائی پر صبر نہ کر سکے اس میں اُس کی طرف جوش پایا جائے وہ اُس کے بغیر بے قرار ہو جائے اور ہمیشہ دل سے اُس کے ذکر کے ساتھ مانوس ہو۔

بندے کی اللہ ﷻ سے محبت میں جسمانی میلان نہیں ہوتا نہ اس کی کوئی حد ہوتی ہے۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ

اللہ ﷻ جو "صمد" ذات ہے اس کی حقیقت اس بات سے پاک ہے کہ کوئی اسے جسمانی طور پر پا سکے اور اس کا احاطہ کر سکے۔

محبّ کا محبوب کی ذات میں فنا ہو جانا اس بات سے زیادہ بہتر ہے کہ وہ کسی خطہ یا احاطہ میں آ سکے اور محبت کا کوئی وصف بیان نہیں کیا جا سکتا نہ اس کی کوئی حد بندی ہو سکتی ہے جو لفظ محبت سے زیادہ واضح اور فہم کے زیادہ قریب ہو۔

کسی بحث کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کرنے کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب اس میں کوئی اشکال ہو۔ جب ابہام ختم ہو جائے تو تفصیلی کلام کی ضرورت نہیں رہتی۔

محبت کے بارے صوفیاء کے اقوال

محبت کے بارے میں صوفیاء کرام کی عبارات و اقوال بہت زیادہ ہیں اور انھوں نے اس کے اصل لغوی معنٰی میں بھی گفتگو کی ہے۔

ان میں سے بعض نے کہا پاکیزہ اور صاف محبت کا نام "حُب" ہے کیونکہ عرب دانتوں کی سفیدی اور تر و تازگی کے لیے "حَبَبُ الْأَسْنَان" کا لفظ بولتے ہیں۔

بعض نے کہا کہ "حَبَابٌ" اس چیز کو کہتے ہیں جو سخت بارش میں پانی پر غالب آ جائے۔ اس بنیاد پر محبت پیاس کے وقت اور محبوب کی محبت کے وقت دل کے جوش مارنے کو کہتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ "حَبَابُ الْمَآءِ" (حاء پر فتحہ) سے مشتق ہے یعنی جہاں پانی زیادہ ہوتا ہے کیونکہ دل کی تمام اہم چیزوں میں بڑا حصہ اسی محبت کا ہوتا ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا اشتقاق "لزوم" اور "ثبات" سے ہے۔ کہا جاتا ہے "أَحَبَّ الْبَعِيْرُ" جب اونٹ بیٹھ جائے اور کھڑا نہ ہو، گویا محبّ کا دل کسی بھی وقت محبوب کے ذکر سے نہیں ہٹتا۔

کہا گیا ہے کہ "أَلْحُبُّ" حِبٌّ (بالی) سے مشتق ہے۔ شاعر نے کہا:

تَبِيْتُ الْحَيَّةُ النَّضْنَاضُ مِنْهُ
مَكَانَ الْحِبِّ تَسْتَمِعُ السِّرَارَا

* (شکاری رات بھر ایک گڑھے میں بیٹھا رہتا ہے) اور وہاں سانپ اس کے قریب حرکت کرتے ہیں جس طرح کان کی بالی راز سن رہی ہوتی ہے (یعنی وہ کان سے متصل ہوتی ہے)۔

بالی کو "حُبّ" یا تو اس لیے کہا کہ وہ کان سے چمٹی ہوئی ہوتی ہے یا اس لیے کہ وہ ہر وقت حرکت میں رہتی ہے اور یہ دونوں معنٰی محبت میں صحیح ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لفظ ''حب'' (حَبَّةٌ کی جمع) سے ماخوذ ہے۔ اور ''حَبَّةُ الْقَلْبِ'' وہ چیز ہے جس سے دل قائم رہتا ہے پس محبت کا نام اس کے محل یعنی دل کے نام پر رکھا گیا۔ کہا گیا ہے کہ اَلْحَبُّ اور اَلْحُبُّ، اَلْعَمْرُ اور اَلْعُمْرُ کی طرح ہیں۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ لفظ حِبَّةٌ (حاء کے نیچے کسرہ) سے ماخوذ ہے۔ اور یہ جنگلی بیج ہے پس محبت کو ''حِبٌّ'' کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ زندگی کا مغز ہے جس طرح بیج نباتات کا مغز ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''حُبٌّ'' ان چار لکڑیوں کو کہتے ہیں جن پر گھڑا رکھا جاتا ہے پس محبت کو ''حُبٌّ'' کہا گیا ہے کیونکہ وہ محبوب کی طرف سے ہر عزت و ذلت کو برداشت کرتا ہے۔

کہا گیا کہ اس کی اصل وہ ''حُبٌّ'' (مٹکا) ہے جس میں پانی ہوتا ہے کیونکہ وہ اس چیز (پانی) کو روکتا ہے جو اس میں ہے۔ اس میں صرف اسی قدر پانی ہوتا ہے جو اس میں سما سکتا ہے اسی طرح جب دل محبت سے بھر جاتا ہے تو اس میں محبوب کے غیر کے لیے جگہ نہیں ہوتی۔ اس میں مشائخ کے اقوال اس طرح ہیں:

محبت کے بارے مشائخ کے اقوال

بعض صوفیاء نے فرمایا کہ مشتاق دل کے ساتھ ''دائمی میلان'' محبت ہے۔

کسی نے کہا کہ محبوب کو تمام پسندیدہ چیزوں پر ''ترجیح'' دینا ''محبت'' ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ محبوب کی موجودگی اور عدم موجودگی میں محبوب کی ''موافقت'' کرنا محبت ہے۔

کسی کا قول ہے کہ محبّ کا اپنی تمام صفات سے مٹ جانا اور محبوب کو اس کی ذات کے ساتھ ثابت کرنا ''محبت'' ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ دل کا اللہ عزوجل کی مراد کے موافق ہونا محبت ہے۔

کسی نے کہا کہ خدمت کو قائم کرتے ہوئے احترام کے ترک کا خوف ''محبت'' ہے۔

حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اپنی طرف سے کثیر کو قلیل اور محبوب کی طرف سے قلیل کو کثیر سمجھنا ''محبت'' ہے۔

حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اطاعت پر قائم رہنا اور (محبوب کی) مخالفت سے دور رہنا ''محبت'' ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے محبت کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: محبّ کا اپنی صفات کی بجائے محبوب کی صفات کو اپنانا ''محبت'' ہے۔ انھوں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ محبوب کا ذکر غالب رہے حتیٰ کہ محبّ کے دل میں اکثر محبوب کی صفات کا ذکر ہو اور اپنی ذاتی صفات اور ان کے احساس سے مکمل طور پر غافل رہے۔

حضرت ابو علی روذباری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''محبت'' موافقت کا نام ہے۔

حضرت ابو عبد اللہ قرشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: محبت کی حقیقت یہ ہے کہ تو جس سے محبت کرتا ہے اپنا سب کچھ اس کے حوالے کر دے پس تجھ سے تیرے لیے کچھ بھی باقی نہ رہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: محبت کو ''محبت'' اس لیے کہتے ہیں کہ وہ دل سے محبوب کے علاوہ ہر چیز کو نکال دیتی ہے۔

حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: محبت یہ ہے کہ تو ہمیشہ اپنے آپ کو عتاب کرتا رہے۔

استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: محبت لذت ہے جب کہ حقیقت کے مقامات دہشت کے مقامات ہیں۔

وہی فرماتے ہیں: محبت میں حد سے گزر جانے کا نام ''عشق'' ہے اور اللہ عزوجل کا یہ وصف نہیں ہو سکتا کہ وہ حد سے تجاوز کر گیا۔ اس لیے اس کو عشق سے موصوف قرار دینا بھی جائز نہیں۔ اگر مخلوق میں سے تمام محبت کرنے والے لوگ ایک شخص کے لیے جمع ہو جائیں تو وہ اللہ عزوجل کی قدر کے استحقاق تک نہیں پہنچ سکتا۔ پس یہ بھی نہیں کہا جائے گا کہ کوئی بندہ اللہ عزوجل کی محبت میں حد سے تجاوز کر گیا لہٰذا نہ تو اللہ عزوجل عشق کی صفت سے موصوف ہو سکتا ہے کہ اسے کسی سے عشق ہے اور نہ ہی بندے کے متعلق یہ کہنا درست ہے کہ وہ اللہ عزوجل پر عاشق ہے لہٰذا (دونوں طرف سے) عشق کی نفی ہو گئی۔ اس لفظ کا اللہ عزوجل کا وصف ہونے کی کوئی صورت نہیں نہ حق کی طرف سے بندے کے لیے اور نہ بندے کی طرف سے حق کے لیے، وہ ذات پاک ہے۔ [1]

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: محبت یہ ہے کہ اگر کوئی تمھارے جیسا انسان تمھارے محبوب سے محبت کرے تو تجھے غیرت آئے۔

حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے محبت کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: یہ ٹہنیاں ہیں جو دلوں میں لگائی جاتی ہیں۔ اور ان پر ان کی عقلوں کے مطابق پھل آتا ہے۔

حضرت نصر اباذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک محبت وہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے خون بہنے سے محفوظ ہو جاتے ہیں اور ایک محبت وہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے خون بہانا واجب ہو جاتا ہے۔

حضرت سمنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: اللہ عزوجل کے لیے محبت کرنے والے دنیا اور آخرت کا شرف لے گئے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] محبت میں حد سے تجاوز کرنے کو عشق کہتے ہیں۔ یعنی محب اپنے محبوب کی ذات میں اس طرح غرق ہو جائے کہ اسے اپنے نفس کا بھی احساس نہ ہو، اس معنی کے اعتبار سے بندے کو ''عاشق'' کہا جا سکتا ہے جب وہ اللہ عزوجل کا محب ہو۔ اور اللہ عزوجل کا کسی کی نسبت حد سے بڑھ جانا اُس کی شان کے خلاف ہے۔ لہٰذا اُسے کسی کا عاشق نہیں کہا جا سکتا۔ نتائج الأفکار القدسیہ، حصہ 4، صفحہ: 155۔ ۱۲ ہزاروی

((أَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ)) ''آدمی اس کے ساتھ ہوتا ہے جس سے محبت کرتا ہے۔''[1]
پس یہ لوگ اللہ ﷻ کے ساتھ ہوئے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حقیقی محبت جفا (اور زیادتی) کی وجہ سے کم نہیں ہوتی اور نیکی (کرنے) سے بڑھتی نہیں۔ وہ فرماتے ہیں: وہ شخص سچا نہیں جو محبت کا دعویٰ کرے لیکن اس کی حدود کا خیال نہ رکھے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب محبت درست ہوتی ہے تو ادب کی شرائط ساقط ہو جاتی ہیں۔

حضرت استاذ ابو علی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مفہوم میں یہ شعر پڑھا ہے:

إِذَا صَفَتِ الْمَوَدَّةُ بَيْنَ قَوْمٍ
وَدَامَ وِدَادُهُمْ سَمُجَ الثَّنَاءُ

* جب کسی قوم کے درمیان محبت پاک صاف ہوتی ہے اور پھر یہ دائمی ہوتی ہے تو ایک دوسرے کی تعریف کرنا مناسب نہیں ہوتا (یعنی بے تکلفی ہوتی ہے)۔

وہ فرماتے ہیں: کسی شفیق باپ کو اپنے بیٹے کو خطاب کرتے ہوئے عزت کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے نہیں دیکھو گے۔ لوگ خطاب میں تکلف کرتے ہیں اور باپ کہتا ہے: او فلاں!

حضرت کتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: محبوب کے لیے ''ایثار'' کرنے کا نام محبت ہے۔

حضرت بندار بن حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کسی نے مجنون بنی عامر کو خواب میں دیکھا تو اس سے پوچھا اللہ ﷻ نے تجھ سے کیا سلوک کیا؟ اس نے کہا اس نے مجھے بخش دیا اور مجھے محبت کرنے والوں کے لیے حجت قرار دیا۔

حضرت ابو یعقوب سوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: محبت کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اللہ ﷻ کی طرف سے اپنا حصہ بھول جائے اور اس کی طرف اپنی حاجات کو بھی بھول جائے۔

حضرت حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: محبت کی حقیقت یہ ہے کہ تم اپنے محبوب کے ساتھ اپنے تمام اوصاف کو ختم کر کے کھڑے ہو جاؤ۔

حضرت نصر اباذی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ کو محبت میں سے حصہ نہیں ملا؟ انھوں نے فرمایا: لوگ سچ کہتے ہیں، مگر مجھ میں محبت کرنے والوں کی حسرتیں پائی جاتی ہیں اور میں انہی میں جل رہا ہوں۔

[1] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب علامة حب الله عزوجل، رقم الحدیث: 6168، صحیح مسلم، کتاب البر، باب المرء مع من احب، رقم الحدیث: 2640، سنن ترمذی، کتاب الزهد، باب ماجاء أن المرء مع من احب، رقم الحدیث: 2385.

حضرت نصرا باذی رحمۃ اللہ علیہ ہی فرماتے تھے: محبت یہ ہے کہ تو کسی حالت میں بھی محبت کو ترک نہ کرے۔ پھر انھوں نے یہ اشعار پڑھے:

وَمَنْ كَانَ فِيْ طُوْلِ الْهَوٰى ذَاقَ سَلْوَةً
فَإِنِّيْ مِنْ لَيْلٰى لَهَا غَيْرُ ذَائِقِ
وَأَكْثَرُ شَيْءٍ نِلْتُهُ مِنْ وِصَالِهَا
أَمَانِيَ لَمْ تَصْدُقْ كَلَمْحَةِ بَارِقِ

* جو شخص عشق کے طول پکڑ جانے کے باوجود ملال کا شکار ہو جاتا تو میں لیلیٰ کے عشق ملال میں نہیں پڑتا۔
* مجھے اس وصال میں زیادہ سے زیادہ جو چیز ملی ہے وہ صرف امیدیں ہیں جو ایک لمحہ کے لیے بھی پوری نہیں ہوتیں۔

حضرت محمد بن فضل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: محبت یہ ہے کہ محبوب کی محبت کے علاوہ تمام ''محبتیں'' ساقط ہو جائیں۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: محبت یہ ہے کہ محبوب سے کچھ نہ ملنے کے باوجود اس کی طرف ''میلان'' ہو۔

کہا جاتا ہے کہ محبوب کی طرف سے دل میں جو تشویش پائی جاتی ہے اس کو ''محبت'' کہتے ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ''محبت'' ایک آزمائش ہے جو محبوب کی طرف سے دل میں پائی جاتی ہے۔

حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اشعار پڑھے:

غَرَسْتُ لِأَهْلِ الْحُبِّ غُصْنًا مِّنَ الْهَوٰى
وَلَمْ يَكُ يَدْرِيْ مَا الْهَوٰى أَحَدٌ قَبْلِيْ
فَأَوْرَقَ أَغْصَانًا وَ أَيْنَعَ صَبْوَةً
وأَعْقَبَ لِيْ مُرًّا مِّنْ الثَّمَرِ الْمَحَلِّيِّ
وَكُلُّ جَمِيْعِ الْعَاشِقِيْنَ هَوَاهُمْ
إِذَا نَسَبُوْهُ كَانَ مِنْ ذٰلِكَ الْأَصْلِيْ

* میں نے محبت والوں کے لیے عشق کی ٹہنی لگا دی۔ مجھ سے پہلے کسی کو عشق کا پتہ نہ تھا۔
* اس ٹہنی کو پتے لگے اور عشق کا پھل پکا مگر مجھے میٹھے پھل میں کڑوا پن ہی ملا۔

٭ اب تمام عشاق جب اپنے عشق کا ذکر کرتے ہیں تو اس کی اصل اسی ٹہنی سے ہوتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ محبت کی ابتداء "دھوکہ" اور اس کی انتہاء "قتل" ہے۔

استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کا معنٰی بیان کر رہے تھے:

((حُبُّكَ لِلشَّيْءِ يُعْمِيْ وَيُصِمُّ)) "تیرا کسی چیز سے محبت کرنا (تجھے) اندھا اور بہرہ کر دیتا ہے۔"[1]

وہ فرماتے ہیں: محبت دوسروں سے غیرت کی وجہ سے اندھا کر دیتی ہے، جب کہ محبوب سے اس کی ہیبت کی وجہ سے۔ پھر انھوں نے یہ شعر پڑھا:

إِذَا مَا بَدَا لِيْ تَعَاظَمْتُهُ
فَأَصْدِرُ فِيْ حَالِ مَنْ لَّمْ يَرُدُّ

٭ جب میرے سامنے میرا محبوب ظاہر ہوتا ہے تو میں اسے عظیم سمجھتا ہوں۔ جب واپس لوٹتا ہوں تو پہلے والی حالت ہو جاتی ہے۔

حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: محبت یہ ہے کہ تو کسی چیز کی طرف مکمل طور پر مائل ہو جائے پھر اپنے نفس، اپنی روح اور اپنے مال پر ترجیح دے، پھر ظاہر و باطن میں اس کے موافق ہو جا پھر تو یہ بھی خیال کر کہ تو نے اس کی محبت میں کوتاہی کی ہے۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دو آدمیوں کے درمیان محبت درست نہیں ہوتی حتیٰ کہ ایک، دوسرے سے کہے اے میں!

من تو شدم تو من شدی
من تن شدم توجاں شدی
تا کس نه گوید بعد ازیں
من دیگرم تو دیگری[2][3]

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: محب جب خاموش ہو جائے تو ہلاک ہو جاتا ہے اور عارف اگر خاموش نہ ہو تو ہلاک ہو جاتا ہے۔

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل، رقم الحدیث: 27538.

[2] ٭ میں تو ہو جاؤں تو میں ہو جا ٭ میں تن ہو جاؤں تو جاں ہو جا ٭ تا کہ اس کے بعد کوئی یہ نہ کہے ٭ کہ میں اور ہوں، تو اور ہے

[3] خیال رہے کہ یہ فارسی عبارت اصل کتاب میں نہیں بلکہ مترجم نے عربی عبارت کا ترجمہ اس صورت میں بیان کیا ہے۔ (ابو حنظلہ محمد اجمل عطاری)

کہا گیا ہے کہ ''محبت'' دل میں ایسی آگ ہے جو محبوب کے علاوہ سب کچھ جلا دیتی ہے۔

کسی نے کہا محبت یہ ہے کہ محبوب کے لیے اپنی کوشش صرف کر دے، پھر محبوب کا دل جو چاہے کرے۔

حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: محبت پردوں کا پھٹنا اور ''رازوں'' کا کھلنا ہے۔

حضرت ابو یعقوب سوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: محبت اس وقت درست ہوتی ہے جب محبت کی بجائے محبوب کو دیکھے اور یہ تب ہوتا ہے جب ''محبت'' کا علم نہ رہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے ایک رقعہ دیا اور فرمایا: یہ تمھارے لیے سات سو (700) قصوں یا بلند پایہ باتوں سے بہتر ہے۔ دیکھا تو اس میں لکھا تھا:

وَلَمَّا اِدَّعَيْتُ الْحُبَّ قَالَتْ كَذَبْتَنِىْ

فَمَا لِىْ أَرَى الْأَعْضَاءُ مِنْكَ كَوَاسِيَا

فَمَا الْحُبُّ حَتّٰى يَلْصَقَ الْقَلْبُ بِالْحَشَا

وَتَذْبُلُ حَتّٰى لَا تُجِيْبَ الْمُنَادِيَا

وَتَنْحَلُ حَتّٰى لَا يَبْقٰى لَكَ الْهَوٰى

سِوٰى مُقْلَةٍ تَبْكِىْ بِهَا وَتُنَاجِيَا

* جب میں نے محبت کا دعویٰ کیا تو محبوبہ کہنے لگی تو نے مجھ سے جھوٹ بولا ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو تمھارے اعضاء اسے چھپا نہ سکتے۔

* محبت میں تو دل انتڑیوں کے ساتھ چپک جاتا ہے اور اتنا مرجھا جاتا ہے کہ پکارنے والے کو جواب نہیں دے سکتا۔

* اور پھر تو اس قدر کمزور ہو جائے کہ محبت تیرے لیے تیری آنکھوں کے سوا کچھ نہ چھوڑے تو اسی کے ذریعے روئے اور اسی کے ذریعے بات کرے۔

حضرت ابن مسروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت سمنون رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا وہ محبت کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے تو اس کے اثر سے مسجد کی تمام قندیلیں (شیشے کے چراغ) ٹوٹ گئیں۔

حضرت ابراہیم بن فاتک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے سنا حضرت سمنون رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں محبت کے بارے میں گفتگو فرما رہے تھے کہ اچانک چھوٹا سا پرندہ آیا اور آپ کے قریب ہو گیا پھر اور قریب ہوا، وہ قریب ہوتے ہوتے آپ کے ہاتھ پر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے اپنی چونچ زمین پر ماری حتیٰ کہ اس سے خون جاری ہوا اور وہ مر گیا۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (كُلُّ مَحَبَّةٍ كَانَتْ لِغَرْضٍ إِذَا زَالَ الْغَرْضُ زَالَتْ تِلْكَ الْمَحَبَّةُ) ''جو محبت کسی غرض کی خاطر ہوتی ہے جب غرض پوری ہو جائے تو محبت زائل ہو جاتی ہے۔''

کہتے ہیں حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو پاگل خانے میں بند کر دیا گیا تو ایک جماعت آپ کے پاس آئی۔ آپ نے پوچھا تم کون ہو؟ انھوں نے کہا اے ابوبکر! ہم تمھارے محبّ ہیں۔ آپ ان کو پتھر مارنے لگے تو وہ بھاگ گئے۔ آپ نے فرمایا: (إِنِ ادَّعَيْتُمْ مَحَبَّتِيْ فَاصْبِرُوْا عَلٰى بَلَائِيْ) ''اگر تم میری محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو میری طرف سے پہنچنے والی تکلیف پر بھی صبر کرو۔'' پھر آپ نے یہ اشعار پڑھے:

أَيُّهَا السَّيِّدُ الْكَرِيْمُ

حُبُّكَ بَيْنَ الْحَشَا مُقِيْمُ

يَا رَافِعَ النَّوْمِ عَنْ جُفُوْنِيْ

أَنْتَ بِمَا مَرَّ بِيْ عَلِيْمُ

* اے سیّد و کریم! تیری محبت میری آنتوں کے اندر قائم ہے۔
* اے محبوب! جس نے میری آنکھوں سے نیند اڑا دی، تجھے معلوم ہے کہ مجھ پر کیا گزر رہی ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ کی طرف لکھا کہ میں اللہ عزوجل کی محبت کے بہت سے پیالے پینے کی وجہ سے نشہ میں ہوں۔

حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو لکھا کہ آپ کے سوا کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جنھوں نے آسمانوں اور زمینوں کے سمندر پی لیے لیکن ابھی تک سیر نہیں ہوئے اور ان کی زبان باہر نکلی ہوئی ہے اور وہ کہتے ہیں: ''هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ'' کیا اور بھی ہے؟

عَجِبْتُ لِمَنْ يَقُوْلُ ذَكَرْتُ إِلْفِيْ

وَهَلْ أَنْسٰى فَأَذْكُرُ مَا نَسِيْتُ

أَمُوْتُ إِذَا ذَكَرْتُكَ ثُمَّ أَحْيَا

وَلَوْلَا حُسْنُ ظَنِّيْ مَا حَيِيْتُ

فَأَحْيَا بِالْمُنٰى وَأَمُوْتُ شَوْقًا

فَكَمْ أَحْيَا عَلَيْكَ وَكَمْ أَمُوْتُ

شَرِبْتُ الْحُبَّ كَأْسًا بَعْدَ كَأْسٍ
فَمَا نَفِدَ الشَّرَابُ وَمَا رَوِيْتُ

* مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو کہتا ہے کہ میں نے اپنے محبوب کو یاد کیا اور میں تو اسے کبھی بھولتا ہی نہیں ہوں کہ یاد کرنے کی ضرورت پڑے۔

* اے محبوب! جب میں تمھارا ذکر کرتا ہوں تو مر جاتا ہوں اگر میرا حسنِ ظن نہ ہوتا تو میں زندہ نہ ہوتا۔

* میں آرزو سے زندہ ہوتا ہوں اور شوق سے مرتا ہوں۔ میں کب تک مرتا اور زندہ ہوتا رہوں گا۔

* میں نے محبت کے پیالے پر پیالے پیے مگر نہ شراب ختم ہوئی اور نہ میں سیر ہوا۔

کہا گیا ہے کہ اللہ عزوجل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ جب میں کسی بندے کے دل کی طرف دیکھتا ہوں اور اس میں دنیا اور آخرت کی محبت نہیں پاتا تو میں اس کو اپنی محبت سے بھر دیتا ہوں۔

میں نے استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ سے لکھی ہوئی یہ عبارت دیکھی کہ کسی آسمانی کتاب میں ہے اے میرے بندے! تیری قسم میں تجھ سے محبت کرتا ہوں، تجھے میری قسم تو بھی مجھ سے محبت کر۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جس شخص کو محبت میں سے کچھ حصہ دیا گیا اور اسے اس کی مثل خوف سے حصہ نہ ملا تو وہ شخص دھوکہ کھائے گا۔

کہا گیا ہے کہ (اَلْمَحَبَّةُ : مَا يَمْحُوْ أَثَرَكَ) ”محبت وہ ہے جو تیرا نشان مٹا دے۔“

یہ بھی کہا گیا ہے کہ محبت ایک نشہ ہے جس سے محب، محبوب کے مشاہدہ کے بغیر ہوش میں نہیں آتا۔ پھر محبوب کے مشاہدہ کی مستی کی کیفیت بیان سے باہر ہے۔ اس سلسلے میں یہ شعر پیش کیا جاتا ہے:

فَأَسْكَرَ الْقَوْمَ دَوْرُ كَأْسٍ
وَكَانَ سُكْرِيْ مِنَ الْمُدِيْرِ

* لوگ پیالے کے دَور سے مست ہوئے اور میری مستی دَور دینے والے کی وجہ سے تھی۔

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ اکثر پڑھتے:

لِيْ سُكْرَتَانِ وَلِلنَّدْمَانِ وَاحِدَةٌ
شَيْءٌ خُصِصْتُ بِهٖ مِنْ بَيْنِهِمْ وَحْدِيْ

* مجھے دو مستیاں حاصل ہیں (ایک شراب کی اور ایک محبوب کی) جب کہ ساتھیوں کو ایک ہی مستی حاصل ہے اور یہ ایسی

خصوصیت ہے جو میرے ساتھ خاص ہے۔

حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: محبت یہ ہے کہ تو ہمیشہ اپنے آپ کو "عتاب" کرتا رہے۔

ان کو تکلیف دیتی ہوں کیونکہ محبت کرتی ہوں

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کی ایک لونڈی تھی جس کا نام "فیروز" تھا۔ وہ اس سے محبت کرتے تھے کیونکہ اس نے ان کی بہت خدمت کی تھی۔ میں نے ایک دن ان سے سنا فرماتے تھے: ایک دن فیروز (لونڈی) مجھے دُکھ دے رہی تھی اور میرے سامنے زبان درازی کر رہی تھی تو حضرت ابوالحسین قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے کہا اس شیخ کو کیوں تکلیف دیتی ہو؟

اس نے کہا اس لیے کہ میں ان سے محبت کرتی ہوں۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: رائی کے دانے کے برابر محبت مجھے محبت کے بغیر کی گئی ستر (70) سال کی عبادت سے زیادہ پسند ہے۔

کہا گیا ہے کہ ایک نوجوان نے عید کے دن لوگوں کو جھانک کر دیکھا اور کہا:

مَنْ مَّاتَ عِشْقًا فَلْيَمُتْ هٰكَذَا

لَا خَيْرَ فِيْ عِشْقٍ بِلَا مَوْتٍ

* جو شخص عشق سے مرنا چاہتا ہے وہ اس طرح مرے، عشق میں موت کے بغیر کوئی بھلائی نہیں۔

پھر اس نے بلند چھت سے اپنے آپ کو گرا دیا اور گر کر مر گیا۔

محبوب کو نہ دیکھنے کے سبب آنکھ کو سزا

منقول ہے کہ ایک بندے کو ایک لونڈی سے عشق ہو گیا۔ وہ لڑکی کوچ کرنے لگی تو وہ اس کو رخصت کرنے نکلا۔ اس وقت اس کی ایک آنکھ سے آنسو نکلے اور دوسری آنکھ سے نہ نکلے۔ چنانچہ جس آنکھ سے آنسو نہیں نکلے تھے اس نے اس کو سزا دیتے ہوئے چوراسی (84) سال تک بند رکھا اور نہ کھولا کیونکہ وہ اس کی محبوبہ کے فراق میں روئی نہیں تھی۔

اسی سلسلے میں صوفیاء کرام نے اشعار پڑھے ہیں:

بَكَتْ عَيْنِيْ غَدَاةَ الْبَيْنِ دَمْعًا

وَأُخْرٰى بِالْبُكَاءِ بَخِلَتْ عَلَيْنَا

فَعَاقَبْتُ الَّتِیْ بَخِلَتْ بِدَمْعٍ
بِأَنْ غَمَضْتُهَا یَوْمَ الْتَقَیْنَا

* محبوب کی جدائی کے دن میری ایک آنکھ نے آنسو بہائے اور دوسری نے آنسو بہانے میں ہم سے بُخل کیا۔
* لہٰذا جس آنکھ نے آنسو نہیں بہائے تھے میں نے اس کو سزا دی کہ محبوب کی ملاقات کے دن میں نے اسے بند رکھا۔

بعض صوفیاء نے فرمایا کہ ہم حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھے اور ہم نے محبت کا تذکرہ کیا تو انھوں نے فرمایا: اس مسئلہ سے رُک جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ سن لیں اور اس کا دعویٰ کر بیٹھیں۔ پھر یہ اشعار پڑھے:

أَلْخَوْفُ أَوْلٰی بِالْمُسِیْٓءِ إِذَا تَأَلَّهُ وَالْحُزْنُ
وَالْحُبُّ یَجْمَلُ بِالتَّقٰی وَبِالنُّقٰی مِنْ الدَّرَنِ

* جب بدکردار انسان عبادت گزار ہو جائے تو اس کے لیے خوف و غم بہتر ہے۔
* محبت ان لوگوں کا جمال ہے جو متقی ہوں اور ہر قسم کی میل سے پاک ہوں۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص نااہل لوگوں میں محبت کا ذکر کرے وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔

جھوٹے محب کو سزا

کہا گیا ہے کہ ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کی محبت میں ہلاک ہونے کا دعویٰ کیا تو اس نوجوان (جس کے بارے میں محبت کا دعوی کیا تھا) نے کہا یہ کیسے؟ حالانکہ میرا بھائی مجھ سے زیادہ حسین اور خوبصورت ہے۔

اس شخص نے اس کے بھائی کو دیکھنے کے لیے سر اٹھایا اور وہ دونوں چھت کے اوپر تھے تو اس محبوب نے عاشق کو چھت سے گرا دیا اور کہا جو شخص ہم سے محبت کا دعویٰ کرے اور ہمارے غیر کو دیکھے اس کی یہی سزا ہے۔

حضرت سمنون رحمۃ اللہ علیہ محبت کو معرفت سے مقدم رکھتے تھے جبکہ اکثر مشائخ معرفت کو محبت پر مقدم کرتے (فضیلت دیتے) ہیں۔ محققین کے نزدیک محبت اپنے آپ کو لذت میں "ہلاک" کرنے کا نام ہے اور معرفت یہ ہے کہ حیرت کی حالت میں محبوب کا مشاہدہ ہو اور ہیبت میں "فنا" ہو جائے۔

محبت کے بارے مشائخ کی بحث

حضرت ابوبکر کتانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حج کے دنوں میں مکہ مکرمہ میں محبت کے بارے میں بحث چھڑ گئی اور مشائخ

صوفیاء نے اس موضوع پر گفتگو کی۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ عمر میں سب سے چھوٹے تھے تو ان حضرات نے پوچھا اے عراقی! تو کیا کہتا ہے؟ اس پر آپ نے سر جھکایا اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ پھر فرمایا:

''وہ بندہ جو اپنے آپ سے غافل ہو جائے، اپنے رب کے ذکر میں مشغول ہو اس کے حقوق ادا کرتا رہے، دل سے اس کو دیکھتا رہے، اللہ عزوجل کے انوار ذاتی اس کے دل کو جلا دیں، اللہ عزوجل کی محبت کے پیالے سے اس کا پینا صاف اور خالص ہو اور ذاتِ جبّار غیب کے پردوں سے اس کے سامنے منکشف ہو تو یہ شخص جب گفتگو کرے گا تو اللہ عزوجل کے ساتھ بولے گا اگر حرکت کرے گا تو اللہ عزوجل کے حکم سے اگر سکون اختیار کرے گا تو اللہ عزوجل کے ساتھ، وہ اللہ عزوجل کے ساتھ، اللہ عزوجل کے لیے اور اللہ عزوجل کی معیت میں ہوگا۔''

انھوں نے کہا کچھ اضافہ ہو سکتا ہے۔ اے تاج العارفین! اللہ عزوجل تیری حالت درست رکھے۔

کہا گیا ہے کہ اللہ عزوجل نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اے داؤد علیہ السلام! بے شک میں نے دلوں پر حرام کیا کہ ان میں میری محبت داخل ہو، جب ان میں میرے غیر کی محبت موجود ہو۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے خادم حضرت ابو العباس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ کا پیشاب بند ہو گیا تو انھوں نے اپنے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی: ''یا اللہ! مجھے تجھ سے جو محبت ہے اس کا واسطہ، اس (بیماری) سے مجھے نجات عطا فرما'' پس ہم اپنی جگہ سے نہ ہٹے کہ ان کو شفا ہو گئی۔

کہا گیا ہے کہ محبت ''ایثار'' کا نام ہے، جس طرح عزیز مصر کی بیوی جب اپنے معاملے (محبتِ یوسف) میں انتہا کو پہنچ گئی تو کہا: ﴿اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ۝﴾ ''میں نے ان کا جی لبھانا چاہا تھا اور وہ بے شک سچے ہیں۔'' [1]

جب کہ ابتداء میں کہا: ﴿مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّاۤ اَنْ یُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۝﴾ ''کیا سزا ہے اس کی جس نے تیری گھر والی سے بدی چاہی مگر یہ کہ قید کیا جائے یا دُکھ کی مار۔'' [2]

پس ابتداء میں گناہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ذمہ لگایا اور انتہاء میں اپنے نفس کو خائن قرار دیا۔ یہ بات میں نے حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنی ہے۔

حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے فرماتے ہیں: میں نے خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا عذر قبول فرمائیں۔ مجھے اللہ عزوجل کی محبت میں مشغولیت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی طرف دھیان

[1] پارہ 12، یوسف 51، ترجمہ کنزالایمان
[2] پارہ 12، یوسف 25 ترجمہ کنزالایمان

نہیں آنے دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((یَا مُبَارَكُ مَنْ أَحَبَّ اللّٰهَ تَعَالیٰ فَقَدْ أَحَبَّنِیْ)) ''اے مبارک! جو شخص ''اللہ عزوجل'' سے محبت کرتا ہے وہ ''مجھ'' سے محبت کرتا ہے۔''

کہا گیا ہے کہ حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے اپنی دعا میں کہا: یا اللہ! تو آگ کے ساتھ ایسے دل کو جلائے گا جو تجھ سے محبت کرتا ہے۔ تو ہاتف (غیبی آواز والے) نے پکارا ہم ایسا نہیں کریں گے لہٰذا تم ہمارے بارے میں بدگمانی کا شکار نہ ہو۔

کہا گیا ہے کہ لفظ ''حُبّ'' کے دو حرف ہیں: ''حاء'' اور ''باء'' اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص محبت کرتا ہے وہ اپنی روح اور بدن دونوں سے نکل جائے (حاء سے روح اور باء سے بدن مراد ہے)۔

لفظ محبت کے استعمال میں گویا صوفیاء کرام کا اتفاق ہے کہ محبت، موافقت کو کہتے ہیں اور سب سے مضبوط موافقت دل کے ساتھ موافقت ہے۔ اور محبت، مُبَایَنَتْ (جدائی) کی نفی کرتی ہے پس محب ہمیشہ اپنے محبوب کے ساتھ ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں حدیث شریف بھی آئی ہے: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ: ایک شخص کسی قوم سے محبت کرتا ہے اور وہ ابھی تک ان سے نہیں ملا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((أَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ)) ''انسان انہی لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جن سے محبت کرتا ہے۔''[1]

حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: عام طور پر احوال کا فساد تین باتوں سے ہوتا ہے: ① عارفین کا فسق ② محبین کی خیانت ③ مریدین کا کذب (جھوٹ بولنا)۔

حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عارفین کا فسق یہ ہے کہ وہ اپنی نگاہ، زبان اور کان کو دنیا کے اسباب اور ان کے منافع کی طرف لگائیں۔

محبین کی خیانت یہ ہے کہ وہ آئندہ سے متعلق احوال میں اپنی خواہش کو اللہ عزوجل کی رضا پر ترجیح دیں۔

اور مریدین کا جھوٹ یہ ہے کہ مخلوق کا ذکر اور ان کو دیکھنا اللہ عزوجل کے ذکر پر غالب آ جائے۔

حضرت ابو علی ممشاد بن سعید عکبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گنبد میں ایک نر، ابابیل نے مادہ ابابیل کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تو اس نے انکار کر دیا۔ تو نر، ابابیل نے کہا تو مجھے کیوں منع کرتی ہے اگر تو چاہے تو میں یہ گنبد حضرت سلیمان علیہ السلام پر اُلٹ دوں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو بلایا اور فرمایا: (مَا حَمَلَكَ عَلیٰ مَا قُلْتَ؟) ''تو نے یہ بات کیوں کہی ہے؟'' اس نے کہا اے اللہ کے نبی علیہ السلام! عاشقوں کی باتوں کا مواخذہ نہیں ہوتا۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا: (صَدَقْتَ) ''تو نے سچ کہا ہے۔''

[1] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب علاقة حب الله عزوجل، رقم الحدیث: 6168، صحیح مسلم، کتاب البر، باب المرء مع من أحب، رقم الحدیث: 2640، سنن ترمذی، کتاب الزهد، باب ماجاء أن المرء مع من أحب، رقم الحدیث: 2385.

باب

شوق کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ﴾

"جسے اللہ سے ملنے کی امید ہو تو بے شک اللہ کی میعاد ضرور آنے والی ہے۔" [1]

حضرت عطاء بن سائب (رضی اللہ عنہما) اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے ہمیں نماز پڑھائی تو اس میں اختصار کیا۔ میں نے عرض کیا اے ابوالیقظان! آپ رضی اللہ عنہ نے نماز میں تخفیف کردی؟ انھوں نے جواب دیا کوئی حرج نہیں، میں نے نماز میں وہ دعائیں مانگی ہیں جو میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھیں۔ جب وہ کھڑے ہوئے تو حاضرین میں سے ایک شخص ان کے پیچھے چل پڑا اور اس نے ان دعاؤں کے بارے میں پوچھا۔ انھوں نے فرمایا: یہ دعائیں ہیں:

(أَللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَيْبِ وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ أَحْيِنِيْ مَا عَلِمْتَ الْحَيَاةَ خَيْرًا لِّيْ وَتَوَفَّنِيْ مَا عَلِمْتَ الْوَفَاةَ خَيْرًا لِّيْ. أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ خَشْيَتَكَ فِي الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَأَسْأَلُكَ كَلِمَةَ الْحَقِّ فِي الرِّضَا وَالْغَضَبِ وَأَسْأَلُكَ الْقَصْدَ فِي الْغِنٰى وَالْفَقْرِ و أَسْأَلُكَ نَعِيْمًا لَّا يَنْفَدُ، وَ قُرَّةَ عَيْنٍ لَّا تَنْقَطِعُ وَأَسْأَلُكَ الرِّضَا بَعْدَ الْقَضَاءِ وَبَرْدَالْعَيْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَأَسْأَلُكَ النَّظَرَ إِلٰى وَجْهِكَ الْكَرِيْمِ وَشَوْقًا إِلٰى لِقَآئِكَ فِيْ غَيْرِ ضَرَّآءِ مُضِرَّةٍ وَّ لَا فِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ. أَللّٰهُمَّ زَيِّنَّا بِزِيْنَةِ الْإِيْمَانِ. أَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا هُدَاةً مُّهْتَدِيْنَ)

"یا اللہ! اپنے علم غیب اور مخلوق پر اپنی قدرت کے سبب مجھے زندہ رکھنا جب تک تیرے علم میں میرے لیے زندگی بہتر ہو اور مجھے موت دینا جب تیرے علم کے مطابق میرے لیے موت بہتر ہو۔

یا اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے اپنا خوف عطا فرما! میں (لوگوں سے) پوشیدہ ہوں یا ان کے سامنے، اور میں تجھ سے خوشی اور غضب دونوں حالتوں میں حق بات کہنے (کی توفیق) کا سوال کرتا ہوں۔

[1] پارہ 20، العنکبوت 5، ترجمہ کنزالایمان

میں تجھ سے مال داری اور فقر (دونوں حالتوں) میں میانہ روی کا سوال کرتا ہوں۔ میں تجھ سے نہ ختم ہونے والی نعمت کا سوال کرتا ہوں اور آنکھوں کی ایسی ٹھنڈک مانگتا ہوں جو ختم نہ ہو۔ میں تیرے فیصلے پر راضی ہونے اور موت کے بعد ٹھنڈی زندگی کا سوال کرتا ہوں۔ میں تجھ سے تیرے دیدار کا سوال کرتا ہوں اور تیری ملاقات کا ایسا شوق چاہتا ہوں جس میں کوئی نقصان نہ ہو اور نہ ہی گمراہ کرنے والا فتنہ ہو۔
یا اللہ! ہمیں ایمان کی زینت سے مزین فرما، یا اللہ! ہمیں ہدایت یافتہ راہنما بنا دے۔''[1]
حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: محبوب کی ملاقات کے دلوں کے جوش کا نام شوق ہے اور جس قدر محبت ہوگی اسی قدر شوق ہوگا۔

شوق اور اشتیاق میں فرق

استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ شوق اور اشتیاق میں فرق کرتے تھے اور فرماتے تھے (محبوب کی) ملاقات اور (اسے) دیکھنے کے بعد ''شوق'' تھم جاتا ہے اور ''اشتیاق'' ملاقات سے بھی زائل نہیں ہوتا۔
اسی سلسلے میں صوفیاء کرام یہ شعر پڑھتے ہیں:

مَا يَرْجِعُ الْطَّرْفُ عَنْهُ عِنْدَ رُؤْيَتِهِ
حَتّٰى يَعُوْدَ إِلَيْهِ الطَّرْفُ مُشْتَاقَا

* (اشتیاق کی وجہ سے) محبوب کے دیدار کے وقت اس سے نگاہ ہٹتی نہیں کہ دوبارہ اس کو دیکھنے کا شوق پیدا ہو۔
حضرت نصرابازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: تمام مخلوق کو شوق حاصل ہے لیکن ان کو مقام اشتیاق حاصل نہیں اور جو شخص مقام اشتیاق میں داخل ہوتا ہے وہ اسی میں سرگرداں رہتا ہے حتیٰ کہ اس کا کوئی نشان ملتا ہے نہ قرار۔

مجھے لمبی اُمید دلا دی

کہا گیا ہے کہ حضرت احمد بن حامد اسود رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عبداللہ بن منازل رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تم ایک سال تک فوت ہو جاؤ گے۔ اگر تم اس کے لیے تیاری کر لو تو اچھا ہے۔
حضرت عبداللہ بن منازل رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے فرمایا: تم نے مجھے بہت لمبی مدت بتا دی، کیا میں ایک سال تک زندہ رہوں گا۔ میں تو اس شعر سے مانوس ہوں جو میں نے حضرت ابو علی ثقفی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا:

[1] سنن نسائی، کتاب السهو، باب الدعا بعد الذکر، رقم الحدیث: 1304، مسند امام احمد بن حنبل، رقم الحدیث: 18325.

يَا مَنْ شَكَا شَوْقَهٗ مِنْ طُوْلِ فُرْقَتِهٖ
اِصْبِرْ لَعَلَّكَ تَلْقٰى مَنْ تُحِبُّ غَدًا

* اے وہ شخص جو اپنی طویل جدائی کی وجہ سے شوق کی شکایت کرتا ہے، صبر کر شاید تو کل اپنے محبوب سے ملاقات کرے۔

شوق کی علامات

حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: شوق کی علامت یہ ہے کہ تو آرام کی حالت میں ہوتے ہوئے بھی موت کو پسند کرے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: شوق کی علامت یہ ہے کہ اعضاء اپنی خواہشات کو چھوڑ دیں۔

استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت داوٗد علیہ السلام ایک دن تنہا ایک صحرا کی طرف تشریف لے گئے تو اللہ عزوجل نے آپ کی طرف وحی فرمائی: اے داوٗد! کیا وجہ ہے کہ میں آپ کو تنہا دیکھتا ہوں؟

انھوں نے عرض کیا: الٰہی! میرے دل میں تیری ملاقات کا ''شوق'' ہے جو میرے اور مخلوق کی محبت کے درمیان حائل ہے۔ اللہ عزوجل نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ آپ واپس جائیں اگر آپ میری طرف کسی نافرمان بندے کو بھی لے آئیں گے تو میں لوحِ محفوظ میں آپ کا نام ''جَهْبَذ'' (پرکھنے والا، خبر رکھنے والا) رکھ دوں گا۔

کہا گیا ہے کہ ایک خاتون کا ایک قریبی رشتہ دار سفر سے واپس آیا تو اس کی قوم نے خوشی کا اظہار کیا اور وہ بڑھیا رونے لگی۔ اس سے پوچھا گیا کہ تو کیوں رو رہی ہے؟ اس نے کہا اس نوجوان کے آنے نے مجھے اللہ عزوجل کے سامنے حاضری کا دن یاد دلا دیا۔

شوق کے بارے اقوال

حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے شوق کے بارے میں پوچھا گیا۔ انھوں نے فرمایا: آنتیں جلیں، دل شعلہ زن ہوں اور جگر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ ان سے دوبارہ شوق کے بارے میں پوچھا گیا اور عرض کیا گیا کہ شوق اعلیٰ ہے یا محبت؟ انھوں نے فرمایا: محبت، کیونکہ ''شوق'' اسی سے پیدا ہوتا ہے۔

کسی بزرگ نے فرمایا: شوق ایک شعلہ ہے جو جدائی کی وجہ سے انتڑیوں کے درمیان سے پیدا ہوتا ہے۔ جب ملاقات ہوتی ہے تو وہ بجھ جاتا ہے اور باطن پر مشاہدۂ محبوب غالب آتا ہے تو پھر باطن میں شوق داخل نہیں ہوتا۔

کسی صوفی سے پوچھا گیا کہ آپ کو اشتیاق ہے؟ انھوں نے فرمایا نہیں۔ کیونکہ اشتیاق غائب کی طرف ہوتا ہے وہ (اللہ) تو حاضر ہے۔ حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ اس ارشادِ خداوندی: ﴿وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى﴾

"اور اے میرے رب تیری طرف میں جلدی کر کے حاضر ہوا کہ تو راضی ہو۔" [1]

کے بارے میں فرماتے تھے اس کا معنٰی یہ ہے کہ تیری طرف آنے میں شوق کی وجہ سے جلدی کی لیکن "لِتَرْضٰی" کا لفظ لا کر اس پر پردہ ڈال دیا۔

وہی فرماتے تھے: شوق کی علامات میں سے یہ بات ہے کہ تو عافیت کے باوجود موت کی تمنا کرے جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو جب کنویں میں ڈالا گیا تو انھوں نے موت کی تمنا نہیں کی اور جب ان کے پاس ان کے والدین آئے اور ان کے بھائی سجدے میں گر گئے اور ان کے لیے بادشاہی اور نعمتیں مکمل ہو گئیں تو انھوں نے عرض کیا:

﴿تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا﴾ "مجھے مسلمان اُٹھا۔" [2]

اسی سلسلے میں یہ اشعار ہیں:

نَحْنُ فِیْ أَكْمَلِ السُّرُوْرِ وَلٰكِنْ
لَيْسَ إِلَّا بِكُمْ يَتِمُّ السُّرُوْرُ
عَيْبُ مَا نَحْنُ فِيْهِ يَا أَهْلَ وُدِّیْ
أَنَّكُمْ غُيَّبٌ وَنَحْنُ حُضُوْرٌ

* ہمیں مکمل ترین خوشی حاصل ہے لیکن اس خوشی کی تکمیل صرف تم سے ہوگی۔
* اے میرے دوستو! ہماری حالت و کیفیت میں کمی یہ ہے کہ تم غیر حاضر ہو اور ہم حاضر ہیں۔

اور یہ اشعار بھی پیش کیے جاتے ہیں:

مَنْ سَرَّهُ الْعِيْدُ الْجَدِيْدُ
فَقَدْ عَدِمْتُ بِهِ السُّرُوْرَا
كَانَ السُّرُوْرُ يَتِمُّ لِیْ
لَوْ كَانَ أَحْبَابِیْ حُضُوْرَا

* کسی کو نئی آنے والی عید سے خوشی ہوتی رہے میں نے تو اس کی وجہ سے خوشی کو معدوم پایا۔

[1] پارہ 16، طٰہٰ 84، ترجمہ کنزالایمان
[2] پارہ 13، یوسف 101، ترجمہ کنزالایمان

* میری خوشی تو اس وقت مکمل ہوتی جب میرے احباب موجود ہوتے۔

حضرت ابن خفیف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وَجد کے ساتھ دل کی خوشی اور ملاقات کے قرب کی محبت کا نام ''شوق'' ہے۔

حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل کے کچھ بندے ہیں کہ اگر اللہ عزوجل جنت میں ان کو اپنے دیدار سے قرب میں رکھے تو وہ جنت سے بچنے کی اس طرح فریاد کریں جس طرح جہنمی، جہنم سے بچنے کی فریاد کرتے ہیں۔

مدہوش کو بعد ملاقات ہوش آئے گا

حضرت حسین انصاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: میں نے خواب میں دیکھا گویا قیامت قائم ہو گئی ہے اور ایک شخص عرش کے نیچے کھڑا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ پوچھتا ہے اے میرے فرشتو! یہ کون ہے؟

وہ کہتے ہیں اللہ عزوجل تو بہتر جانتا ہے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: یہ معروف کرخی ہیں یہ میری محبت میں مدہوش ہیں، میری ملاقات کے بغیر ان کو ہوش نہیں آ سکتا۔

ایک اور حکایت میں اسی قسم کا خواب مذکور ہے کہ کہا گیا یہ ''معروف کرخی'' ہیں یہ دنیا سے اللہ عزوجل کے مشتاق ہو کر نکلے تو اللہ عزوجل نے ان کو اجازت دے دی کہ وہ اسے دیکھ لیں۔

حضرت فارس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مشتاق لوگوں کے دل اللہ عزوجل کے نور سے منور ہیں جب ان کا ''اشتیاق'' حرکت میں آتا ہے تو آسمان وزمین کے درمیان روشنی ہی روشنی ہو جاتی ہے، پھر اللہ عزوجل ان لوگوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کرتا ہے اور فرماتا ہے: اے میرے مشتاق لوگو! میں تمھیں گواہ بناتا ہوں کہ مجھے ان کا اس سے زیادہ شوق ہے۔

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی کے بارے میں فرماتے تھے: ((أَسْأَلُكَ الشَّوْقَ إِلٰى لِقَائِكَ)) ''میں تجھ سے تیری طرف شوق کا سوال کرتا ہوں۔''[1]

شوق کے ایک سو (100) اجزاء ہیں جن میں سے ننانوے (99) اللہ عزوجل کے لیے ہیں اور ایک جز تمام لوگوں پر تقسیم کیا گیا۔ اللہ عزوجل نے چاہا کہ وہ جز بھی اس کے لیے ہو جائے تا کہ شوق کا کچھ حصہ بھی اس کے غیر کے لیے نہ ہو۔

کہا گیا ہے کہ اہل قرب کا شوق ان لوگوں کے شوق سے زیادہ ''کامل'' ہے جو پردے میں ہیں۔ اسی لیے کہا گیا:

وَأَبْرَحَ مَا يَكُوْنُ الشَّوْقُ يَوْمًا

إِذَا دَنَتِ الْخِيَامُ مِنَ الْخِيَامِ

* جس دن ہمارے خیمے محبوب کے خیموں کے قریب آ جائیں اس دن شوق زیادہ ہوتا ہے۔

[1] سنن نسائی، کتاب السهو، باب 62، رقم الحدیث: 1304.

کہا گیا کہ مشتاق لوگ موت کی حلاوت (مٹھاس) کے گھونٹ بھرتے ہیں جب موت آتی ہے کیونکہ یہ بات ان کے لیے ظاہر کردی گئی کہ محبوب کے وصل کی خوشی شہد سے زیادہ میٹھی ہوتی ہے۔

حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: شوق، عارف کے لیے ایک جلیل القدر مقام ہے بشرطیکہ وہ اس میں راسخ ہو اور جب وہ شوق میں راسخ ہو جاتا ہے تو اس وقت وہ ان تمام چیزوں سے غافل ہو جاتا ہے جو اسے اپنے محبوب سے ہٹائے رکھیں۔

ارشادِ خداوندی ہے: ﴿فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ﴾ ''تو بے شک اللہ کی میعاد ضرور آنے والی ہے۔'' [1]

اس آیت کے ضمن میں حضرت ابو عثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ مشتاق لوگوں کے لیے تعزیت ہے اس کا معنیٰ یہ ہے کہ میں جانتا ہوں کہ میری طرف تمھارا ''اشتیاق'' غالب ہے اور میں نے تمھاری ملاقات کے لیے ایک وقت مقرر کیا ہے اور عنقریب تم اس تک پہنچ جاؤ گے جس کے تم مشتاق ہو۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی

کہا گیا ہے کہ اللہ عزوجل نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ بنی اسرائیل کے نوجوانوں سے فرمادیں کہ تم کیوں اپنے نفسوں میں مشغول ہو جب کہ میں تمھارا مشتاق ہوں، یہ جفا کیسی ہے؟

یہ بھی کہا گیا کہ اللہ عزوجل نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اگر وہ لوگ جو مجھ سے منہ موڑتے ہیں، جان لیں کہ میں ان کا کیسے انتظار کر رہا ہوں اور ان پر کس طرح مہربان ہوں اور مجھے ان کے گناہوں کے ترک کا کس قدر شوق ہے تو وہ میرے شوق میں مرجائیں اور میری محبت میں ان کے (جسم کے) جوڑ الگ الگ ہو جائیں۔

اے داؤد! میرا یہ ارادہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جو مجھ سے منہ موڑتے ہیں۔ تو ان لوگوں کے بارے میں میرا ارادہ کیسا ہوگا جو میری طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

کہا گیا ہے کہ ''تورات'' میں لکھا ہوا ہے کہ ہم نے تمھیں شوق دلایا پس تم مشتاق نہ ہوئے۔ اور ہم نے تمھیں ڈر سنایا پس تم نہ ڈرے اور ہم نے تمھارے لیے رونے کے اسباب پیدا کیے لیکن تم نہ روئے۔ [2]

---

[1] پارہ 20، العنکبوت 5، ترجمہ کنزالایمان

[2] ہم نے سچے وعدوں کے ساتھ تمھیں اپنی محبت اور اطاعت کا شوق دلایا، لیکن تمھیں شوق نہ ہوا بلکہ نفرت میں رہے اسی طرح عذاب کا خوف دلا کر اپنی نافرمانی سے روکا لیکن تم نہ رُکے۔ (نتائج الافکار القدسیہ، جلد 2، حصہ 4، صفحہ: 191) ۱۲ ہزاروی (نوٹ: یہاں ''نُحْنَا لَکُمْ'' کے الفاظ ہیں جن کا لفظی معنی ہے ''ہم تمھارے لیے روئے، نوحہ کیا۔'' لیکن یہ اللہ عزوجل کے لیے مناسب نہیں اس لیے یہ معنیٰ کیا گیا ہے کہ ہم نے تمھارے لیے رونے کے اسباب پیدا کیے۔) ۱۲ ہزاروی

حضرت شعیب علیہ السلام کا ''شوق'' میں رونا

استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: حضرت شعیب علیہ السلام اس قدر روئے کہ ان کی بینائی جاتی رہی پس اللہ عزوجل نے ان کی بینائی ان کی طرف لوٹا دی۔ پھر وہ روئے حتیٰ کہ بینائی چلی گئی اللہ عزوجل نے پھر ان کی بینائی ان کی طرف لوٹا دی۔ پھر روئے حتیٰ کہ بینائی چلی گئی تو اللہ عزوجل نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ اگر یہ رونا جنت کے لیے ہے تو میں نے تمھیں جنت عطا کر دی اور اگر دوزخ کی وجہ سے تو میں نے اس سے تمھیں پناہ دی۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے عرض کیا نہیں بلکہ یہ تیرے شوق کی وجہ سے ہے پس اللہ عزوجل نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ اسی لیے میں نے اپنے نبی اور کلیم (حضرت موسیٰ علیہ السلام) سے دس (10) سال آپ کی خدمت کرائی۔

کہا گیا ہے کہ: (مَنِ اشْتَاقَ إِلَى اللّٰهِ إِشْتَاقَ إِلَيْهِ كُلُّ شَىْءٍ) ''جو شخص اللہ عزوجل کا مشتاق ہوتا ہے، ہر چیز اس کا شوق رکھتی ہے۔'' حدیث شریف میں ہے:

((إِشْتَاقَتِ الْجَنَّةُ إِلىٰ ثَلَاثَةٍ عَلِيٌّ وَعَمَّارٌ وَ سَلْمَانُ))

''جنت تین آدمیوں کی مشتاق ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عمار اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہم۔'' [1]

استاذ ابوعلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بعض مشائخ نے کہا! میں شوق میں داخل ہوتا ہوں تو ہر چیز میری مشتاق ہو جاتی ہے حالانکہ میں ان سب سے آزاد ہونا چاہتا ہوں۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے تورات میں پڑھا کہ ہم نے تمھیں شوق دلایا لیکن تم مشتاق نہ ہوئے اور ہم نے تمھارے لیے حرکت پیدا کرنے کے اسباب کیے لیکن تمھارے اندر حرکت پیدا نہ ہوئی۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا محب اپنے محبوب سے ملاقات کے وقت کس وجہ سے روتا ہے؟

انھوں نے فرمایا: یہ رونا خوشی اور سخت شوق کی وجہ سے پیدا ہونے والے وجد کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ دو بھائیوں نے معانقہ کیا تو ان میں سے ایک نے کہا واہ شوق! تو دوسرے نے کہا واہ وجد!

[1] جامع ترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب سلمان الفارسی، رقم الحدیث: 3797.

باب
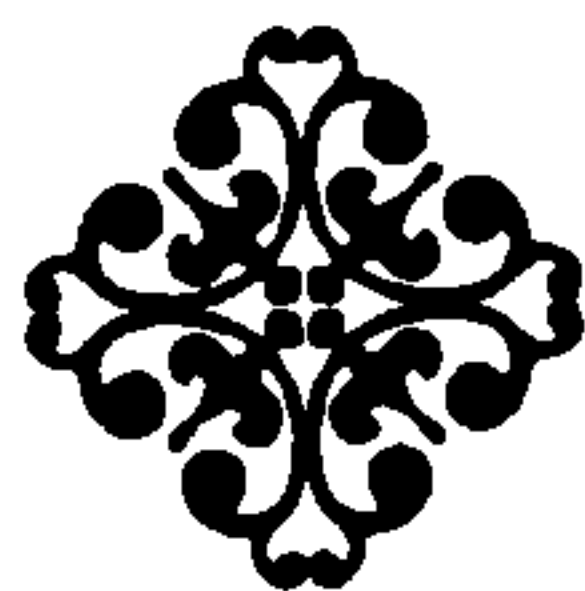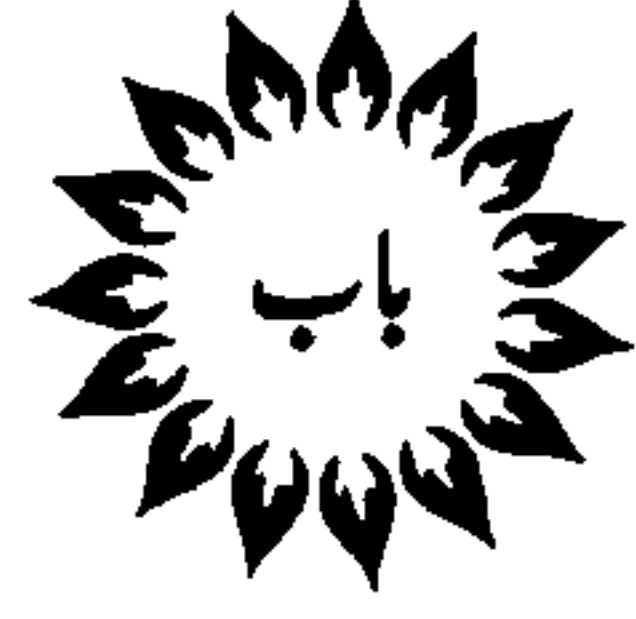
مشائخ کا دل رکھنا اور ان کی مخالفت نہ کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ واقعہ کے سلسلے میں ارشادِ خداوندی ہے:

﴿هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴾

''کیا میں تمھارے ساتھ رہوں اس شرط پر کہ تم مجھے سکھا دو گے نیک بات جو تمھیں تعلیم ہوئی۔''[1]

امام فرماتے ہیں: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کی صحبت کا ارادہ فرمایا تو انھوں نے ادب کی شرائط کو ملحوظ رکھا۔ چنانچہ سب سے پہلے صحبت میں رہنے کی اجازت طلب کی پھر حضرت خضر علیہ السلام نے ان پر شرط رکھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نہ تو ان کے کسی کام کی مخالفت کریں گے اور نہ ہی ان کی کسی بات پر اعتراض کریں گے۔

پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی مخالفت کی تو پہلی اور دوسری بار انھوں نے درگزر کیا جب تیسری بار آئی اور تین (کا عدد) قلت کی آخری اور کثرت کی پہلی حد ہے تو ان کو جدا ہونے کا مشورہ دیا اور فرمایا:

﴿هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ﴾ ''یہ میری اور آپ کی جدائی ہے۔''[2]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا أَكْرَمَ شَابٌّ شَيْخًا لِسِنِّهِ إِلَّا قَيَّضَ اللّٰهُ تَعَالٰى لَهُ مَنْ يُكْرِمُهُ عِنْدَ سِنِّهِ))

''جب کوئی نوجوان کسی بزرگ کے بڑھاپے کی وجہ سے اس کی عزت کرتا ہے تو اللہ عزوجل اس کے لیے ایسے شخص کو مقرر کر دیتا ہے جو اس کے بڑھاپے کے وقت اس کی عزت کرتا ہے۔''[3]

استاذ ابوعلی دقاق رحمہ اللہ فرماتے تھے: ''ہر فرقہ نے ''مخالفت'' کی ابتدا کی'' اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ جس نے اپنے شیخ کی مخالفت کی وہ اس کے طریقہ پر نہیں رہا اور ان کے درمیان تعلق منقطع ہو گیا اگرچہ وہ ایک ہی جگہ رہتے ہیں اور جو مشائخ میں سے کسی شیخ کی صحبت میں رہا پھر اس نے دل سے اس پر اعتراض کیا تو اس نے صحبت کا معاہدہ توڑ دیا

[1] پارہ 15، الکھف 66، ترجمہ کنزالایمان

[2] پارہ 15، الکھف 78، ترجمہ کنزالایمان

[3] جامع ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی إجلال الکبیر، رقم الحدیث: 2022.

اور اس پر توبہ واجب ہے لیکن مشائخ فرماتے ہیں: (عُقُوْقُ الْأُسْتَاذِيْنَ لَاتَوْبَةَ عَنْهَا) ''اگر کوئی شخص اپنے اساتذہ کی نافرمانی کرے تو اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔''

حضرت شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں اپنے شیخ استاذ ابوسہل صعلوکی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں ''مَرْو'' کی طرف گیا۔ میرے جانے سے پہلے ان کے ہاں ہر جمعہ کی صبح قرآن کے دور اور ختم کی مجلس ہوا کرتی تھی۔ جب میں واپس آیا تو وہ مجلس بند ہوگئی اور اس وقت حضرت ابوالغفانی رحمۃ اللہ علیہ قول کی مجلس (وعظ کی مجلس) قائم کرنے لگے۔ اس سے میرے دل میں کچھ خیال پیدا ہوا تو میں دل میں کہنے لگا کہ ختم کی مجلس، قول کی مجلس میں بدل گئی۔

ایک دن انھوں نے مجھ سے فرمایا: اے ابوعبدالرحمٰن! لوگ میرے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

میں نے عرض کیا وہ کہتے ہیں کہ قرآن پاک کی مجلس ختم ہوگئی اور قول کی مجلس شروع ہوگئی۔

انھوں نے فرمایا:

(مَنْ قَالَ لِأُسْتَاذِ لِمَ؟ لَا يُفْلِحُ أَبَدًا) ''جس نے استاذ کے بارے میں یہ بھی کہا کہ انھوں نے فلاں کیوں کیا؟ (یعنی لفظ کیوں بھی کہا) وہ کبھی فلاح نہیں پا سکتا۔''[1]

یہ بات مشہور ہے کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں ایک دن حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوا تو انھوں نے مجھے کسی کام کا حکم دیا۔ میں نے ان کا کام فوری طور پر کر دیا۔ جب میں واپس آیا تو انھوں نے مجھے ایک رقعہ دیا اور فرمایا: یہ اس کے عوض ہے جو تم نے میرا کام فوری طور پر کیا ہے۔ میں نے رقعہ پڑھا تو اس میں لکھا تھا میں نے ایک شتربان سے سنا وہ جنگل میں یہ شعر پڑھ رہا تھا:

أَبْكِيْ وَهَلْ يَدْرِيْكَ مَا يَبْكِيْنِيْ

أَبْكِيْ حِذَارًا أَنْ تُفَارِقِيْنِيْ

* میں رو رہا ہوں اور تمھیں کیا معلوم کہ میں کیوں رو رہا ہوں۔ میں اس خوف سے رو رہا ہوں کہ کہیں تو مجھ سے جدا نہ ہو جائے اور مجھ سے تعلقات توڑ کر چلی نہ جائے۔

کتا مسلط ہو جاتا ہے

حضرت ابوالحسن ہمدانی علوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں ایک رات حضرت جعفر خلدی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھا اور میں نے

[1] مطلب یہ کہ استاذ پر اعتراض کرنے والا فلاح نہیں پا سکتا البتہ شرعی اعتبار سے اعتراض درست ہو تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ ۱۲ ہزاروی

اپنے گھر میں حکم دیا تھا کہ پرندے کو تنور میں لٹکا دیا جائے اور میرا دل پرندے کی طرف لگا ہوا تھا۔ حضرت جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا آج رات ہمارے پاس ٹھہریں لیکن میں نے کوئی بہانہ کر دیا اور میں اپنے گھر کی طرف لوٹ آیا۔ پرندے کو تنور میں سے نکال کر میرے سامنے رکھ دیا گیا۔ دروازے سے کتا داخل ہوا اور حاضرین کی غفلت سے پرندے کو اُٹھا کر لے گیا پھر کھچڑی لائی گئی جو بچ گئی تھی۔ وہ خادمہ کے دامن سے الجھ کر گر گئی۔ صبح ہوئی تو میں حضرت جعفر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا۔ جب ان کی نگاہ مجھ پر پڑی تو فرمایا: جو شخص مشائخ کے دلوں کا پاس نہیں رکھتا اس پر کتا مسلط ہوتا ہے جو اس کو اذیت پہنچاتا ہے۔

بزرگوں کا نافرمان چور بن گیا

حضرت عُمّی بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے حکایت کرتے ہیں کہ حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابوتراب نخشبی رحمۃ اللہ علیہ (دونوں) حضرت ابویزید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے۔ دسترخوان لایا گیا اور ایک نوجوان جو حضرت ابویزید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کیا کرتا تھا، ان دونوں نے کہا اے نوجوان! ہمارے ساتھ کھاؤ۔ اس نے کہا میں روزہ دار ہوں۔

حضرت ابوتراب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کھاؤ تمھیں ایک مہینے کے روزوں کا ثواب ملے گا، اس نے انکار کر دیا۔

حضرت شقیق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کھاؤ تمھارے لیے ایک سال کے روزوں کا ثواب ہے۔

حضرت ابویزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس شخص کو چھوڑ دو جو اللہ عزوجل کی نگاہ میں گر گیا ہے۔ ایک سال کے بعد اس نوجوان نے چوری شروع کر دی اور اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔

تم نے مجھے حقیر جانا

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بصرہ کے ایک نانبائی کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ولی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید نے یہ بات سن لی تو وہ اس کا مشتاق ہوا پس وہ بصرہ کی طرف گیا اور نان بائی کی دکان پر آیا۔ اس نے دیکھا کہ وہ روٹی پکا رہا ہے اور اس نے نان بائیوں کے طریقہ پر اپنے چہرے پر نقاب پہن رکھا تھا۔ اس نے دل میں کہا اگر یہ ولی ہوتا تو نقاب کے بغیر بھی اس کے بال نہ جلتے۔ پھر اس نے اس کو سلام کیا اور کچھ سوال کیا۔

اس شخص نے کہا تم نے مجھے حقیر سمجھا ہے لہٰذا تمھیں میرے کلام سے نفع نہیں ہوگا اور اس نے اس کے ساتھ کلام کرنے سے انکار کر دیا۔

حقیر جانو گے تو فیض نہیں ملے گا

حضرت عبداللہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوعثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت محمد بن فضل بلخی رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف کرتے ہوئے

سنا تو وہ ان کے مشتاق ہو گئے چنانچہ وہ ان کی ملاقات کے لیے نکلے۔لیکن حضرت محمد بن فضل رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے اعتقاد کے مطابق ان کے دل پر اثر نہ کیا چنانچہ وہ حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور ان سے پوچھا، انھوں نے فرمایا: تم نے ان کو کیسا پایا؟

فرمایا: جس طرح آپ نے بیان کیا تھا اس طرح نہیں پایا۔

انھوں نے فرمایا: اس لیے کہ تم نے ان کو حقیر خیال کیا اور جب کوئی شخص کسی کو حقیر خیال کرتا ہے تو وہ اس کے فائدہ سے محروم ہو جاتا ہے۔ دوبارہ ان کے پاس عزت واحترام کے ساتھ جاؤ۔ چنانچہ حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ دوبارہ ان کے پاس گئے تو ان کی زیارت سے نفع حاصل کیا۔

حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ کو شیخ کی بددعا

مشہور واقعہ ہے کہ حضرت عمر بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ کو کچھ لکھتے ہوئے دیکھا تو پوچھا یہ کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: قرآن کے مقابلے میں لکھ رہا ہوں۔ حضرت عمر بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بددعا کی اور ان کو چھوڑ دیا۔

مشائخ صوفیاء کہتے ہیں کہ مدت بعد جو واقعہ منصور کے ساتھ پیش آیا وہ اسی شیخ کی بددعا کا نتیجہ تھا (یعنی ان کو سولی چڑھایا گیا)۔

حضرت استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: جب بلخ والوں نے حضرت محمد بن فضل رحمۃ اللہ علیہ کو شہر سے نکالا تو انھوں نے ان کے خلاف بددعا کی اور یوں کہا: (اَللّٰهُمَّ اِمْنَعْهُمُ الصِّدْقَ) ''اے اللہ! ان کو صدق سے روک دے۔'' تو اس کے بعد بلخ سے کوئی صدیق نہیں نکلا۔

شیخ کی رضا اور ناراضگی کا انجام

حضرت احمد بن یحییٰ ابیوردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: جس شخص سے اس کا شیخ راضی ہوا اسے شیخ کی زندگی میں جزا نہیں دی جاتی تاکہ اس کے دل سے اس شیخ کی تعظیم زائل نہ ہو جائے۔ جب شیخ کا انتقال ہو جاتا ہے تو اللہ عزوجل اس (مرید) پر وہ چیزیں ظاہر کرتا ہے جو شیخ کی رضا کی جزا ہوتی ہیں۔

اور جس شخص سے اس کا شیخ ناراض ہو جائے، اسے بھی شیخ کی زندگی میں سزا نہیں دی جاتی تاکہ کہیں شیخ کا دل پسیج نہ جائے کیونکہ ان لوگوں کی فطرت میں کرم اور مہربانی ہوتی ہے پس جب شیخ کا انتقال ہو جاتا ہے تو اس کے بعد اس کو سزا ملتی ہے۔

باب
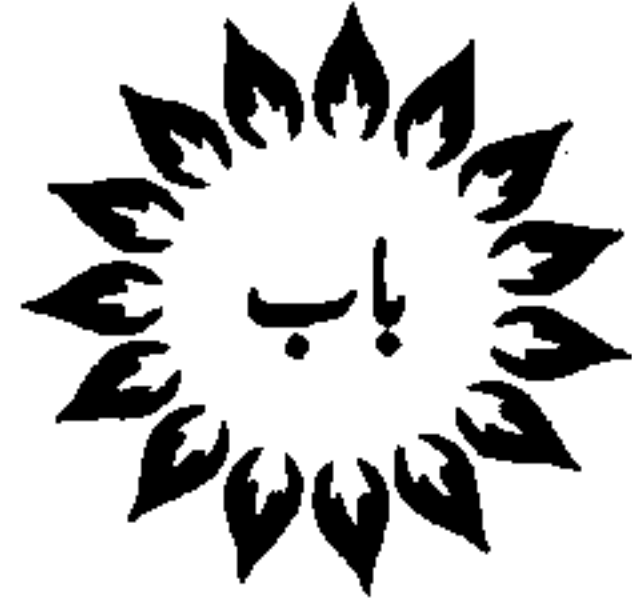
سماع کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ﴾

''تو خوشی سناؤ میرے ان بندوں کو جو کان لگا کر بات سنیں پھر اس کے بہتر پر چلیں۔''[1]

''اَلْقَوْلُ'' میں لام عمومیت اور استغراق کا تقاضا کرتی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے ان کی تعریف اس بات پر کی کہ وہ سب سے اچھی بات کی اتباع کرتے ہیں۔[2]

اور ارشادِ خداوندی ہے:

﴿فَھُمْ فِیْ رَوْضَۃٍ یُّحْبَرُوْنَ ۝﴾ ''باغ کی کیاری میں ان کی خاطرداری ہوگی۔''[3]

تفسیر میں آیا ہے کہ اس سے مراد سماع ہے۔

سماع کب جائز ہے؟

یاد رکھیں کہ اچھی آواز سے اشعار اور پسندیدہ نغمے[4] سننا جائز ہے جب کہ سننے والا کسی ممنوع بات کا اعتقاد نہ رکھے اور نہ ہی وہ کوئی ایسی بات سنے جو شریعت میں مذموم ہے اور نہ ہی وہ خواہشات کی رو میں بہہ جاتا ہو اور نہ ہی فضول چیز کی طرف مائل ہو۔

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اشعار پڑھے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سنا اور کوئی اعتراض نہیں کیا۔ جب خوش آوازی کے بغیر سننا جائز ہے تو خوش آوازی کے ساتھ سننے سے اس کے حکم میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔

---

[1] پارہ 23، الزمر 17-18، ترجمہ کنزالایمان

[2] کیونکہ لفظ ''احسن'' اسم تفضیل ہے اور وہ متعدد کے درمیان ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں تخصیص نہیں بلکہ عموم ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[3] پارہ 21، الروم 15، ترجمہ کنزالایمان

[4] اس سے گانا مراد نہیں۔ ۱۲ ہزاروی

یہ ظاہری بات ہے۔ پھر وہ بات جو سننے والے کے لیے عبادات میں رغبت پیدا کرے اور اللہ ﷻ نے اپنے متقی بندوں کے لیے جو درجات تیار کیے ہیں ان کی یاد دلائے اور اس کو لغزشوں سے بچنے پر مجبور کرے اور اس کے دل پر اچھی واردات کا سبب بنے تو ایسا کلام سننا دین میں مستحب اور شریعت میں پسندیدہ ہے۔ اور رسول اکرم ﷺ کے الفاظ میں ایسا کلام آیا ہے جو شعر کے قریب قریب ہے اگرچہ آپ ﷺ نے یہ قصد نہیں فرمایا کہ وہ شعر کی صورت اختیار کرے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ انصار خندق کھود رہے تھے اور یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے:

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا
عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا أَبَدًا

* ہم وہ لوگ ہیں جنھوں نے رسول اکرم ﷺ کے دست اقدس پر جہاد کے لیے بیعت کی، جب تک ہم باقی ہیں۔

تو رسول اکرم ﷺ نے ان کو یوں جواب دیا:

اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشَ الْآخِرَةِ
فَأَكْرِمِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ

* یا اللہ! زندگی تو صرف آخرت کی زندگی ہے پس تو انصار اور مہاجرین کو عزت عطا فرما۔

نبی اکرم ﷺ کے یہ الفاظ شعری وزن پر نہیں لیکن اس کے قریب قریب ہیں۔

سماع کے بارے کچھ تفصیل

اسلاف اور اکابر بزرگوں نے خوش آوازی کے ساتھ اشعار سنے اور اس کو جائز قرار دینے والوں میں حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی ہیں اور تمام اہل حجاز خوش آوازی کے ساتھ اشعار پڑھنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ حُدی [1] تو سب کے نزدیک جائز ہے۔

اور اس سلسلے میں احادیث اور اقوال صحابہ بکثرت آئے ہیں۔ حضرت ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ سماع کو جائز قرار دیتے تھے۔ ان سے کہا گیا کہ جب قیامت کے دن آپ کو لایا جائے گا اور آپ کی نیکیاں اور برائیاں دونوں لائی جائیں گی تو آپ کا سماع کس جانب ہوگا؟ انھوں نے فرمایا: نہ نیکیوں میں نہ برائیوں میں، یعنی یہ محض مباح (جائز) کام ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کو حرام قرار نہیں دیتے تھے البتہ عوام کے لیے ''مکروہ'' قرار دیتے تھے حتیٰ کہ اگر

[1] شتربانوں کے قافلے جب سفر پر نکلتے ہیں تو اشعار پڑھتے ہیں اس کو حدی کہتے ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

کوئی شخص غنا کو پیشہ بنائے اور لہو ولعب کے طور پر ہمیشہ سماع میں لگا رہے تو اس کی شہادت کو رد کر دیتے اور آپ اسے ان کاموں میں شمار کرتے جن سے مروّت ساقط ہو جاتی ہے لیکن آپ اس کو حرام کاموں کے ساتھ نہ ملاتے۔

ہماری گفتگو اس قسم کے سماع کے بارے میں نہیں ہے، ان لوگوں کا مرتبہ اس سے بڑا ہے کہ وہ لہو ولعب کی باتیں سنیں اور لہو کے ساتھ سماع کے لیے بیٹھ جائیں یا وہ اپنے دلوں کے ساتھ اس کے لغو مضمون میں غور وفکر کریں یا وہ ایسے طریقے سے سنیں جو ان کے شایانِ شان نہ ہو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سماع کے "جواز" میں کچھ آثار مروی ہیں۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہما نیز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بھی "حُدی" وغیرہ کے بارے میں اسی طرح مروی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اشعار پڑھے گئے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منع نہ فرمایا اور یہ بھی مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعار پڑھنے کی فرمائش کی۔ اور مشہور واقعہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارکہ میں داخل ہوئے تو وہاں دو لڑکیاں گانا گا رہی تھیں [1] تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع نہ فرمایا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پاس تشریف لائے اور ان کے پاس دو گانے والیاں وہ اشعار گا رہی تھیں جو انصار نے بعاث کے دن ایک دوسرے کے خلاف کہے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دو بار فرمایا: "یہ شیطان کی بانسری ہے۔" تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (دَعْهُمَا يَا أَبَا بَكْرٍ فَإِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيدًا وَعِيدُنَا هٰذَا الْيَوْمُ) "اے ابوبکر! ان کو چھوڑ دو بے شک ہر قوم کے لیے عید کا دن ہوتا ہے اور ہماری عید یہ دن ہے۔" [2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں انھوں نے اپنی ایک رشتہ دار لڑکی کی شادی کسی انصاری سے کی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو فرمایا: ((أَهْدَيْتُمُ الْفَتَاةَ؟)) "لڑکی کو کوئی تحفہ دیا ہے؟" (فَقَالَتْ نَعَمْ) "عرض کیا جی ہاں۔"

فرمایا: ((فَأَرْسَلْتِ مَنْ يُغَنِّيْ؟)) "کسی گانے والے کو بھیجا ہے؟" (قَالَتْ: لَا) "عرض کیا نہیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انصار کے ہاں غزل کا رواج ہے اگر تم لوگ کسی کو بھیجتے جو یوں کہتا:

((أَتَيْنَاكُمْ أَتَيْنَاكُمْ فَحَيُّوْنَا نُحَيِّيْكُمْ))

"ہم تمھارے پاس آئے ہم تمھارے پاس آئے۔ تم ہمیں سلام کرو ہم تمھیں سلام کرتے ہیں (یا تم ہمارے لیے درازئ عمر کی دعا کرو ہم تمھارے لیے دعا کرتے ہیں)۔" [3]

---

[1] گانے سے مراد غیر شرعی کلام نہیں بلکہ وہ اپنے آباؤ اجداد کی بہادری اور شجاعت کے ذکر پر مشتمل کلام گا رہی تھیں اور چھوٹی بچیاں تھیں۔ ۱۲ ہزاروی

[2] صحيح بخاری، كتاب العيدين، باب سنة العيدين لأهل الاسلام، رقم الحديث: 952.

[3] سنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب الغناء والدف، رقم الحديث: 1900.

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا:

((حَسِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِأَصْوَاتِكُمْ فَإِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ يَزِيْدُ الْقُرْاٰنَ حُسْنًا))

"قرآن مجید کو اپنی آوازوں کے ساتھ خوش نما بناؤ بے شک اچھی آواز قرآن مجید کے حسن میں اضافہ کرتی ہے۔"[1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لِكُلِّ شَيْءٍ حِلْيَةٌ وَّحِلْيَةُ الْقُرْاٰنِ الصَّوْتُ الْحَسَنُ))

"ہر چیز کا زیور ہے اور قرآن مجید کا زیور اچھی آواز ہے۔"[2]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((صَوْتَانِ مَلْعُوْنَانِ صَوْتُ وَيْلٍ عِنْدَ مُصِيْبَةٍ وَصَوْتُ مِزْمَارٍ عِنْدَ نَغْمَةٍ))

"دو آوازیں لعنت کے قابل ہیں مصیبت کے وقت ہلاکت کی دعا کرنے کی آواز، فریاد کرنے اور نغمہ کے وقت بانسری (وغیرہ) کی آواز۔"[3]

اس کے خطاب کے مفہوم کا تقاضا ہے کہ ان احوال کے علاوہ دیگر قسم کے نغمے جائز ہوں ورنہ تخصیص باطل ہو جائے گی۔[4]

اس سلسلے میں روایات بہت زیادہ ہیں اور اگر ہم اس سے زیادہ روایات نقل کریں تو ہم اپنے مقصود یعنی اختصار سے نکل جائیں گے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اکرم ﷺ کے سامنے یہ اشعار پڑھے:

أَقْبَلَتْ فَلَاحَ لَهَا
عَارِضَانِ كَالسَّبَجِ
أَدْبَرَتْ فَقُلْتُ لَهَا
وَالْفُؤَادُ فِيْ وَهَجٍ

---

[1] سنن دارمی، کتاب فضائل القرآن، باب التغنی بالقرآن، رقم الحدیث: 3544.

[2] مجمع الزوائد، جلد نمبر 7، کتاب التفسیر، باب القراءۃ بالصوت الحسنیٰ، صفحہ: 255، رقم الحدیث: 11706.

[3] یہ حدیث امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے بیان فرمائی ہے۔ (ابو حنظلہ محمد اجمل عطاری)

[4] یعنی دو آوازوں کی تخصیص کر کے ان کو ملعون قرار دیا تو باقی اس لعنت سے مستثنیٰ ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

هَلْ عَلیٰ وَیْحَکُمَا
إِنْ عَشِقْتُ مِنْ حَرَجِ

* محبوبہ میری طرف آئی تو اس کے موتیوں جیسے رُخسار مجھے دکھائی دیے۔
* پھر واپس گئی تو میں نے جلتے ہوئے دل سے کہا: اگر میں تم پر عاشق ہو جاؤں تو کیا حرج ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ((لا)) ''نہیں۔''

اچھی آواز ان انعامات میں سے ہے جو اللہ عزوجل اس آواز کو عطا فرماتا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ﴾ ''بڑھاتا ہے آفرینش میں جو چاہے۔''[1]

اس کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ اس سے ''اچھی آواز'' مراد ہے۔

اور اللہ عزوجل نے بری آواز کی مذمت کی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ اَنْکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ﴾ ''بے شک سب آوازوں میں بری آواز گدھے کی۔''[2]

اچھی آوازوں سے دلوں کا لذت حاصل کرنا، ان کا مشتاق ہونا اور ان سے راحت حاصل کرنا ان باتوں سے ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ بے شک بچہ اچھی آواز سے سکون حاصل کرتا ہے، اونٹ چلنے کی تھکان اور بوجھ کی مشقت محسوس کرتا ہے تو حُدی خوانی سے یہ سب کچھ اس پر آسان ہو جاتا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ﴾

''تو کیا اونٹ کو نہیں دیکھتے کیسا بنایا گیا۔''[3]

حضرت اسماعیل بن عُلَیّہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں دوپہر کے وقت حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جا رہا تھا۔ ہم ایسی جگہ سے گزرے جہاں کوئی شخص گیت گا رہا تھا۔[4] آپ نے فرمایا: ہمیں اس کی طرف لے چلو۔ پھر فرمایا: تجھے اس سے خوشی حاصل ہوتی ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا: تم میں حس ہی نہیں۔

---

[1] پارہ 22، فاطر 1، ترجمہ کنزالایمان

[2] پارہ 21، لقمان 19، ترجمہ کنزالایمان

[3] پارہ 30، الغاشیہ 17، ترجمہ کنزالایمان

[4] اس سے مراد اچھے اشعار پڑھنا ہے آج کل کے گانوں کی طرح نہیں۔ ۱۲ ہزاروی

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((مَا أَذِنَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِشَیْءٍ كَإِذْنِهٖ لِنَبِيٍّ يَتَغَنّٰى بِالْقُرْآنِ))

"اللہ ﷻ نے کسی چیز کی اس طرح اجازت نہیں دی جس طرح اپنے نبی ﷺ کو قرآن مجید خوش آوازی سے پڑھنے کی اجازت دی ہے۔"[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((مَا أَذِنَ اللّٰهُ لِشَیْءٍ مَا أَذِنَ لِنَبِيٍّ حَسَنَ الصَّوْتِ يَتَغَنّٰى بِالْقُرْآنِ يَجْهَرُ بِهٖ))

"اللہ ﷻ نے کسی چیز کی اجازت نہیں دی جس طرح نبی ﷺ کو اچھی آواز سے قرآن مجید پڑھنے کی اجازت دی ہے کہ وہ اسے اونچی آواز سے پڑھے۔"[2]

کہا گیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی قرأت کو جن، انسان، پرندے اور جنگلی جانور سنتے، جب آپ علیہ السلام زبور شریف پڑھتے۔ اور ان کی مجلس میں چار سو (400) جنازے اٹھائے جاتے جو آپ کی قرأت سن کر انتقال کر جاتے۔

نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((لَقَدْ أُوْتِيْتَ مِزْمَارًا مِّنْ مَّزَامِيْرِ آلِ دَاوٗدَ))

"تمھیں آل داؤد کے مزامیر میں سے ایک مزمار دیا گیا (خوش آوازی مراد ہے)۔"[3]

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ ﷺ سن رہے ہیں تو میں خوب اچھے طریقے پر کہتا۔

غلام کی آواز

حضرت ابوبکر محمد بن داؤد دینوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں جنگل میں تھا تو قبائلِ عرب میں سے ایک قبیلہ کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ ان میں سے ایک نے مجھے اپنا مہمان بنالیا۔ میں نے وہاں ایک سیاہ رنگ کے غلام کو قید میں دیکھا اور میں نے دیکھا کہ کچھ اونٹ گھر کے صحن میں مرے پڑے ہیں۔ غلام نے کہا آپ آج رات مہمان ہیں اور میرا مولا آپ کی

[1] صحیح مسلم، کتاب المسافرین، باب استحباب تحسین الصوت بالقرآن، رقم الحدیث: 792.

[2] سنن نسائی، کتاب الافتتاح، باب تزیین القرآن بالصوت، رقم الحدیث: 1016.

[3] صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب حسن الصوت بالقراۃ، رقم الحدیث: 5048، صحیح مسلم، کتاب المسافرین، باب استحبابه تحسین الصوت بالقرآن، رقم الحدیث: 793.

عزت کرتا ہے، اس سے میری سفارش کریں وہ آپ کی سفارش کو رد نہیں کرے گا۔

میں نے گھر کے مالک سے کہا: میں اس وقت تک کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک تو اس غلام کو نہیں کھولے گا۔

اس نے کہا اس غلام نے مجھے فقیر کر دیا اور میرا مال ضائع کر دیا۔

میں نے پوچھا اس نے کیا کیا ہے؟

اس نے کہا: اس کی آواز بہت عمدہ ہے۔ میں ان اونٹوں کی بار برداری سے گزر اوقات کرتا تھا۔ اس نے ان پر بھاری بوجھ لادا اور حُدی خوانی کرتا رہا حتیٰ کہ تین دن کا فاصلہ ایک دن میں طے کیا۔ جب ان سے بوجھ اتارے گئے تو یہ مر گئے۔

البتہ میں یہ غلام آپ کو ہبہ کرتا ہوں اور اس نے اس کی بیڑیاں کھول دیں۔ صبح ہوئی تو میں نے اس کی آواز سننا پسند کیا۔ میں نے میزبان سے درخواست کی تو اس نے غلام کو حکم دیا کہ جو اونٹ کنویں سے پانی نکالنے پر لگایا ہے اس پر حُدی خوانی کرے۔ غلام نے حُدی گائی تو اونٹ رسیاں توڑ کر سرپٹ دوڑ پڑا اور میرے خیال میں میں نے اس سے اچھی آواز نہ سنی تھی اور میں منہ کے بل گر گیا حتیٰ کہ میزبان نے غلام کو خاموش ہونے کا اشارہ کیا۔

حضرت ابو عمرو انماطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا اس آدمی کا کیا حال ہے کہ وہ پرسکون ہوتا ہے لیکن جب سماع سنتا ہے تو بے قرار ہو جاتا ہے۔

انھوں نے فرمایا: جب اللہ عزوجل نے پہلے میثاق میں حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت (اولاد) کو مخاطب کر کے فرمایا:

﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوْا بَلٰى ۛ﴾

''کیا میں تمھارا رب نہیں سب بولے: کیوں نہیں۔''[1]

تو اللہ عزوجل کے کلام کی مٹھاس نے تمام ارواح کو باہر نکال دیا جب انھوں نے ''سماع'' سنا تو اس کے ذکر نے ان کو حرکت دی۔

سماع کب حرام، مباح و مستحب

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: عوام کے لیے سماع ''حرام'' ہے کیونکہ ان کے نفوس اپنی حالت پر قائم ہیں لیکن زاہد لوگوں کے لیے ''مباح'' ہے کیونکہ ان کو مجاہدات حاصل ہیں اور ہمارے مریدوں کے لیے ''مستحب'' ہے، ان کے دل زندہ ہیں۔

[1] پارہ 9، الاعراف 172، ترجمہ کنزالایمان

سماع کے بارے اقوال

حضرت حارث بن اسد محاسبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: تین چیزیں ایسی ہیں کہ جب وہ مل جائیں تو ان سے فائدہ ہوتا ہے لیکن ہمیں نہیں ملیں۔ ① خوب صورت چہرہ جس کے ساتھ پاک دامنی ہو ② اچھی آواز جس کے ساتھ دیانت داری ہو ③ اچھی دوستی جس کے ساتھ وفا بھی ہو۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے اچھی آواز کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: وہ مخاطبات واشارات ہیں جو اللہ عزوجل ہر پاکیزہ مرد اور پاکیزہ عورت میں ودیعت فرماتا ہے۔

ایک مرتبہ آپ سے سماع کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ اللہ عزوجل کی طرف سے وارد ہونے والی ایک کیفیت ہے جو دلوں کو اللہ عزوجل کے لیے بے چین کر دیتی ہے، جو سچے طریقے سے ان کی طرف کان لگا لیتا ہے وہ حقیقت کو پالیتا ہے اور جو شخص اس کی طرف اپنے نفس کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے وہ زندیق (بے دین) ہو جاتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: فقراء پر تین جگہ رحمت نازل ہوتی ہے:

① سماع کے وقت کیوں کہ وہ حق کے ساتھ سنتے ہیں اور وجد ہی میں بولتے ہیں۔

② کھانا کھاتے وقت، کیونکہ وہ فاقہ کی صورت میں کھاتے ہیں (یعنی نفسانی خواہشات کے طور پر نہیں کھاتے)۔

③ علمی مقابلہ کے وقت، کیونکہ وہ اولیاء کرام کی صفات ہی بیان کرتے ہیں (یعنی اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے بعد اولیاء کرام کا ذکر کرتے ہیں)۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سماع اس شخص کے لیے فتنہ ہے جو اسے طلب کرے لیکن جس کو خود بخود حاصل ہو اس کے لیے راحت وسکون کا باعث ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے انھوں نے فرمایا: سماع تین باتوں کا محتاج ہے: ① زمان، ② مکان ③ اخوان (دوست)۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے سماع کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: اس کا ظاہر فتنہ اور باطن عبرت ہے۔ جو شخص اس اشارے کو سمجھ جائے اس کے لیے عبرت کا سننا جائز ہے ورنہ وہ فتنہ کو دعوت دیتا ہے اور مصیبت مول لیتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ سماع اس کے لیے درست ہے جس کا نفس مر چکا ہو اور دل زندہ ہو۔ اس کا نفس مجاہدہ کی تلواروں کے ساتھ ذبح کیا گیا اور اس کا دل موافقت کے نور سے زندہ ہے۔

حضرت ابو یعقوب نہرجوری رحمۃ اللہ علیہ سے سماع کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: یہ ایک ایسی کیفیت ہے جو جلن کی وجہ سے اسرار کے دل کی طرف لوٹ آنے کو ظاہر کرتی ہے۔

کہا گیا ہے کہ اہل معرفت کے لیے سماع روحوں کی غذا ہے۔ حضرت استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: سماع شریعت کے مطابق ہوتو ٹھیک ورنہ مُہر (زنگ) ہے اورحق کے بغیر ہوتو پھاڑ دیتا ہے اور عبرت کے بغیر ہوتو فتنہ ہے۔

سماع کی اقسام

کہا جاتا ہے کہ سماع کی دوقسمیں ہیں: ایک قسم وہ ہے جو علم اور ہوش کی شرط کے ساتھ ہے لہٰذا اس قسم کے شخص کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ اسماء اور صفات کی معرفت رکھتا ہو ورنہ وہ کفر محض میں مبتلا ہو جائے گا۔ اور دوسری قسم حال اور کیفیت کی شرط کے ساتھ سماع ہے۔ اس قسم کے شخص کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ احوال بشریت سے فنا ہو چکا ہو اور احکام حقیقت کے ظاہر ہونے کی وجہ سے نفسانی خواہش کے آثار سے پاک ہو۔

حضرت احمد بن ابی حواری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابوسلیمان رحمۃ اللہ علیہ سے سماع کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: مجھے یہ بات پسند ہے کہ قوال ایک کی بجائے دو ہوں۔

حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ سے صوفی کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: جو سماع سنے اور اسباب (سماع) کو ترجیح دے۔ ایک دن حضرت ابوعلی روذباری رحمۃ اللہ علیہ سے سماع کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: کاش ہم اس سے مکمل طور پر نجات پا لیتے۔

حضرت ابوعثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص سماع کا دعویٰ کرے اور پرندوں کی آواز، دروازے کے چرچرانے کی آواز یا ہوا کے چلنے کی آواز نہ سنے تو وہ فقر کا دعویٰ دار ہے (حقیقی فقیر نہیں)۔

حضرت جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ ابن زیری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں ایک فاضل شیخ تھے۔ بعض اوقات وہ سماع کی جگہ پر جاتے، اگر اچھا لگتا تو اپنی چادر بچھا کر بیٹھ جاتے اور فرماتے: صوفی اپنے دل کے ساتھ ہوتا ہے اور اگر انھیں سماع اچھا نہ لگتا تو فرماتے: سماع دل والوں کے لیے ہے اور اپنا جوتا لے کر چل پڑتے۔

سماع کے وقت وجد کیوں؟

حضرت رُویم رحمۃ اللہ علیہ سے سماع کے وقت صوفیاء پر وجد طاری ہونے کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: یہ لوگ ان کیفیات کا مشاہدہ کرتے ہیں جو دوسروں سے مخفی ہوتی ہیں اور یہ کیفیات ان لوگوں کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ ادھر آؤ، ادھر آؤ۔ اس لیے یہ لوگ خوشی کے مارے اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ پھر حجاب اس سرور کو منقطع کر دیتا ہے اور یہ خوشی رونے میں بدل جاتی ہے تو ان میں سے کچھ کپڑوں کو پھاڑ دیتے ہیں اور بعض چیخنے لگتے ہیں اور کچھ روتے ہیں۔ ہر شخص اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق اس کیفیت سے دوچار ہوتا ہے۔

حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بعض کلام میں فرمایا: میں اس سماع کو کیا کروں جو سنانے والے کے سماع کو منقطع کرنے پر منقطع ہو جائے۔ مناسب یہ ہے کہ تمھارا سماع متصل ہو اس میں انقطاع نہ ہو۔

حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: پیاس دائمی ہونی چاہئے وہ جس قدر زیادہ پیتے ہیں اس سے ان کی پیاس بڑھتی جاتی ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِیْ رَوْضَةٍ یُّحْبَرُوْنَ۝﴾

''تو وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے باغ کی کیاری میں ان کی خاطر داری ہوگی۔''[1]

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اس سے مراد سماع ہے جو حور عین لذیذ آوازوں کے ساتھ سنائیں گی وہ کہیں گی:

نَحْنُ الْخَالِدَاتُ فَلَا نَمُوْتُ أَبَدًا

نَحْنُ النَّاعِمَاتُ فَلَا نَبْؤَسُ أَبَدًا

٭ ہم ہمیشہ زندہ رہیں گی پس ہمیں کبھی موت نہیں آئے گی۔ ہم نرم ونازک ہیں ہم پر کبھی سختی نہیں آئے گی۔

کہا گیا ہے کہ سماع (اللہ عزوجل کی طرف سے) ندا ہے اور وجد (بندے کی طرف سے) قصد ہے۔

حضرت ابوعثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اہل حق کے دل حاضر دل ہیں اور ان کے کان کھلے ہوتے ہیں۔

حضرت ابوسہل صعلوکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سماع سننے والا دو کیفیتوں کے درمیان ہوتا ہے۔ ایک کیفیت ''إِسْتِتَارْ'' (پردہ) اور دوسری تجلی۔ ''إِسْتِتَارْ'' (پردے) سے دل میں شعلے اٹھتے ہیں اور تجلی سے راحت ہوتی ہے۔ ''إِسْتِتَارْ'' سے مریدوں کی سی حرکات پیدا ہوتی ہیں اور وہ کمزوری اور عاجزی کا مقام ہے اور ''تجلی'' سے واصلین کو سکون حاصل ہوتا ہے اور یہ استقامت اور تمکین کا مقام ہے۔ یہ بارگاہِ رب العزت کی صفت ہے اور یہاں ہیبت کے مقامات کے تحت مرجھانے کے علاوہ کچھ نہیں۔

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْۤا اَنْصِتُوْا ۚ﴾ ''پھر جب وہاں حاضر ہوئے آپس میں بولے خاموش رہو۔''[2]

[1] پارہ 21، الروم 15، ترجمہ کنزالایمان

[2] پارہ 26، احقاف 29، ترجمہ کنزالایمان

سماع کی تین قسمیں

حضرت ابوعثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سماع کی تین قسمیں ہیں۔ان میں سے ایک قسم مریدین اور مبتدیوں کے لیے ہے وہ اس کے ذریعے احوال شریفہ کو دعوت دیتے ہیں لیکن اس میں فتنہ اور ریاکاری کا خطرہ ہوتا ہے۔

دوسری قسم صادقین (سچے لوگوں) کے لیے ہے جو اپنے احوال میں اضافہ کے طالب ہوتے ہیں اور وہ اس (سماع) سے وہ کلام سنتے ہیں جو ان کے اوقات کے موافق ہو۔

تیسری قسم عارفین میں سے اہل استقامت کے لیے ہے۔ یہ لوگ اپنے دلوں پر وارد ہونے والی حرکت اور سکون کو اللہ عزوجل پر ترجیح نہیں دیتے۔

حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہ سماع کو سمجھنے کی وجہ سے اپنے آپ سے باہر ہو جاتا ہے اور حرکات اس پر قابو پا لیتی ہیں تو اس کی علامت یہ ہے کہ جس مجلس میں اس کو وجد آیا وہ خوبصورت بن جائے۔

حضرت شیخ ابوعبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے یہ حکایت حضرت ابوعثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کی تو انھوں نے فرمایا: یہ تو ادنیٰ درجہ ہے۔ اس کی صحیح علامت یہ ہے کہ اس مجلس میں جتنے صاحبِ حق ہیں وہ سب اس سے مانوس ہو جائیں اور جتنے اہل باطل ہیں ان کو اس سے وحشت ہونے لگے۔

سماع کی مزید تین قسمیں

حضرت بندار بن حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سماع کی تین قسمیں ہیں: ① بعض اپنی طبیعت کی وجہ سے سنتے ہیں ② بعض حال اور کیفیت کی وجہ سے سنتے ہیں ③ بعض حق کی مناسبت سے سنتے ہیں۔

جو لوگ اپنی طبیعت کی وجہ سے سنتے ہیں ان میں خاص و عام مشترک ہیں کیونکہ اچھی آواز سے لذت حاصل کرنا بشری فطرت کا تقاضا ہے۔

جو حال اور کیفیت کے مطابق سنتا ہے وہ ان کیفیات میں غور وفکر کرتا ہے جو اس پر وارد ہوتی ہیں مثلاً عتاب (جھڑک)، خطاب، وصل، جدائی، قرب، بُعد، ہاتھ سے نکلنے والی کسی چیز پر افسوس کا اظہار یا آنے والی چیز کا اشتیاق، وعدہ پورا کرنا یا کسی وعدہ یا وعدہ توڑنے کی تصدیق یا بے قراری کا ذکر یا اشتیاق یا جدائی کا خوف یا وصال کی خوشی یا جدائی کا ڈر یا اسی طرح کے دیگر امور۔

اور جو شخص حق کے مطابق سنتا ہے وہ اللہ عزوجل کے ساتھ اور اللہ عزوجل کے لیے سنتا ہے اور جو احوال بشری سے ملے ہوتے ہیں ان کا کوئی دخل نہیں ہوتا کیونکہ یہ اپنی برائیوں سمیت باقی رہتے ہیں لہٰذا جو لوگ صفائے توحیدِ حق کے ساتھ

سماع کرتے ہیں ان میں نفسانی حصہ نہیں ہوتا۔

اہل سماع کے طبقات

کہا گیا ہے کہ اہل سماع کے تین طبقات ہیں: ① ابنائے حق: یہ لوگ اپنے سماع کے دوران حق سبحانہ وتعالیٰ سے مخاطب ہوتے ہیں۔ ② وہ لوگ جو اللہ ﷻ سے دل کے ساتھ ان معانی کی وجہ سے مخاطب ہوتے ہیں جن کو وہ سنتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو سچائی کے ساتھ ان باتوں کا مطالبہ کرتے ہیں جن کا اشارہ وہ اللہ ﷻ کی طرف کرتے ہیں۔ ③ یہ فقیر مجرد ہے جس نے دنیا اور آفات سے تعلقات کو منقطع کر دیا۔ یہ پاک دلوں کے ساتھ سماع کرتے ہیں اور یہ لوگ ان سب کے مقابلے میں سلامتی کے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔

حضرت ابوعلی روذباری رحمۃ اللہ علیہ سے سماع کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: یہ محبوب کے مشاہدہ کی طرف "اسرار" کا کھل جانا ہے۔

حضرت خواص رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کیا وجہ ہے کہ آدمی قرآن کے علاوہ جو کچھ سنتا ہے اس وقت حرکت کرتا ہے جب کہ سماعِ قرآن کے وقت یہ کیفیت نہیں پاتا۔ انھوں نے فرمایا: اس لیے کہ قرآن ایک ٹھوکر ہے (حرکت دیتا ہے) اس کی شدت کی وجہ سے کسی کے لیے ممکن نہیں کہ وہ اس وقت حرکت کرے اور دوسرے اقوال کا سننا راحت ہے جس میں حرکت ہوتی ہے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب تم مرید کو دیکھو کہ وہ سماع کو پسند کرتا ہے تو سمجھ لو کہ ابھی اس میں باطل کا کچھ حصہ باقی ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ پر وجد

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سماع ایسا علم ہے۔ جو اللہ ﷻ کے ساتھ خاص ہے اسے صرف وہی جانتا ہے۔ حضرت احمد بن مقاتل عکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ بغداد شریف میں داخل ہوئے تو ان کے پاس صوفیاء کرام اکٹھے ہوئے اور ان کے ساتھ قوال بھی تھا۔ ان حضرات نے آپ سے اجازت طلب کی کہ قوال آپ کے سامنے کلام پڑھے، آپ نے اجازت دے دی تو اس نے ابتداء کرتے ہوئے کہا:

صَغِیْرُ هَوَاكَ عَذَّبَنِیْ
فَكَیْفَ بِهٖ إِذَا إِحْتَنَكَا

وَأَنْتَ جَمَعْتَ مِنْ قَلْبِیْ
هَوًی قَدْ كَانَ مُشْتَرِكًا
أَمَا تَرْثِیْ لِمُكْتَئِبٍ
إِذَا ضَحِكَ الْخَلِیُّ بَكَا

❊ تمھاری چھوٹی سی محبت نے مجھے عذاب میں مبتلا کر دیا۔ جب یہ مجھ پر غالب آ جائے تو پھر کیا ہوگا۔
❊ تو نے میرے دل کی محبت کو اکٹھا کر لیا حالانکہ یہ دوسروں کے لیے بھی مشترک تھی۔
❊ کیا تجھے اس غم ناک پر رحم نہیں آتا کہ جب عشق سے خالی آدمی ہنستا ہے اس وقت یہ روتا ہے۔

(یہ سن کر) حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ کھڑے ہوئے اور منہ کے بل گر پڑے اور خون ان کی پیشانی سے ٹپک رہا تھا لیکن زمین پر بہتا نہیں تھا۔ پھر حاضرین میں سے ایک شخص اُٹھا اور بناوٹ کے طور پر "وجد" کا اظہار کرنے لگا۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: (أَلَّذِیْ يَرَاكَ حِيْنَ تَقُوْمُ) "(اس اللہ عزوجل کو یاد کر کہ) جب تو کھڑا ہوتا ہے تو وہ تجھے دیکھ رہا ہوتا ہے۔" پس وہ شخص بیٹھ گیا۔

استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ اسی حکایت کے سلسلے میں فرماتے تھے کہ حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ اس سے بلند مرتبہ تھے اسی لیے انھوں نے اس کو تنبیہ فرمائی کہ یہ اس کا مقام نہیں ہے اور وہ شخص صاحب انصاف تھا کہ اس نے آپ کی بات مان لی اور واپس بیٹھ گیا۔

ایک کے بدلے ایک

حضرت ابن جلاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مغرب میں دو شیخ تھے دونوں کے مرید بھی تھے اور شاگرد بھی۔ ان میں سے ایک کو "جبلہ" اور دوسرے کو "رزیق" کہا جاتا تھا۔ ایک دن رزیق اپنے مریدوں سمیت جبلہ کی ملاقات کے لیے آیا تو رزیق کے ایک مرید نے قرأت کی۔ پس جبلہ کے مریدوں میں سے ایک کی چیخ نکلی اور وہ مر گیا۔ صبح ہوئی تو جبلہ نے رزیق سے کہا جس نے کل قرأت کی تھی وہ کہاں ہے؟ وہ قرأت کرے۔ اس نے ایک آیت پڑھی تو جبلہ نے ایک چیخ ماری تو قاری کا انتقال ہوگا۔ جبلہ نے کہا ایک کے بدلے ایک اور ابتداء کرنے والا زیادہ ظالم ہے۔

اپنے دل کو پھاڑو

حضرت ابراہیم مارستانی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ سماع کے وقت حرکت کیوں ہوتی ہے؟ انھوں نے فرمایا: مجھ تک یہ

بات پہنچی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے سامنے ایک واقعہ بیان فرمایا تو ان میں سے ایک نے اپنی قمیص پھاڑ دی۔ اللہ عزوجل نے آپ کی طرف وحی فرمائی کہ اس سے فرمائیں میرے لیے اپنے دل کو پھاڑو اپنے کپڑے نہ پھاڑو۔

اللہ عزوجل کی عنایت اور شفقت

حضرت ابو علی مغازلی شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بات پوچھی گئی کہ بعض اوقات میرے کانوں میں اللہ عزوجل کی کتاب سے کوئی آیت سنائی دیتی ہے تو اس کے اثر سے میں کچھ چیزیں چھوڑ دیتا ہوں اور دنیا سے منہ پھیر لیتا ہوں، پھر میں اپنے احوال اور لوگوں کی طرف لوٹ جاتا ہوں۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ اللہ عزوجل جو تجھے اپنی طرف کھینچتا ہے تو وہ اس کی طرف سے تجھ پر لطف اور مہربانی ہے اور جب وہ تمھیں تمھاری پہلی حالت کی طرف لوٹاتا ہے تو وہ اس کی طرف سے تجھ پر شفقت ہے کیونکہ اس کی طرف توجہ کرنے میں تم صحیح طور پر اپنی قوت و طاقت سے بری نہیں ہوتے۔

دوستوں سے یوں کلام کرتے ہیں؟

حضرت احمد بن مقاتل عکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں ماہِ رمضان کی ایک رات حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مسجد میں تھا، وہ اپنے امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے اور میں ان کے پہلو میں تھا۔ امام نے پڑھا:

﴿وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ﴾

''اور اگر ہم چاہتے تو یہ وحی جو ہم نے تمھاری طرف کی اسے لے جاتے۔'' [1]

تو انھوں نے چیخ ماری۔ میں نے خیال کیا کہ شاید ان کی روح پرواز کر گئی اور وہ فرما رہے تھے: (بِمِثْلِ هٰذَا يُخَاطَبُ الْأَحْبَابُ) ''کیا دوستوں کو اس قسم کا خطاب کیا جاتا ہے۔'' انھوں نے یہ بات کئی بار دہرائی۔

آیت دوبارہ پڑھو

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے انھوں نے فرمایا کہ ایک دن میں حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا تو میں نے ان کے پاس ایک شخص کو بے ہوش دیکھا۔ میں نے پوچھا اسے کیا ہوا؟

انھوں نے فرمایا: اس نے اللہ عزوجل کی کتاب سے ایک آیت سنی ہے۔

---

[1] پارہ 15، الأسرا 86، ترجمہ کنزالایمان

میں نے کہا اس کے سامنے دوبارہ پڑھی جائے پس آیت پڑھی گئی تو اس کو افاقہ ہو گیا۔
انھوں نے پوچھا آپ کو یہ بات کہاں سے معلوم ہوئی؟
میں نے کہا حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی جانے کا سبب بنی تھی پھر اسی کی وجہ سے ان کی بینائی لوٹ آئی چنانچہ حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ نے میری اس بات کو پسند فرمایا۔

ہر بال سے پانی ٹپکتا

حضرت عبدالواحد بن علوان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک نوجوان حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہتا تھا۔ وہ جب بھی ذکر میں سے کچھ سنتا تو چیخ مارتا۔ ایک دن حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے فرمایا: اگر تم نے دوبارہ یہ کام کیا تو میرے ساتھ نہ رہنا چنانچہ جب وہ ذکر میں سے کوئی بات سنتا تو اس کا رنگ بدل جاتا اور وہ اپنے آپ پر کنٹرول کرتا حتیٰ کہ اس کے بدن کے ہر بال سے ایک قطرہ ٹپکتا۔ پھر وہ ایک دن چلایا جس سے اس کی روح پرواز کر گئی۔

قرآن پڑھ کر نہیں رویا

حضرت ابوالحسین دراج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے یوسف بن حسین رازی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے لیے بغداد سے سفر شروع کیا۔ جب میں ''رَے'' (کے علاقہ) میں پہنچا تو ان کے گھر کے بارے میں پوچھا۔ میں جس سے بھی پوچھتا وہ مجھے جواب دیتا تمھارا اس زندیق سے کیا کام ہے؟ اس سے میرا دل تنگ ہو جاتا حتیٰ کہ میں نے واپسی کا ارادہ کیا۔ چنانچہ میں نے وہ رات مسجد میں گزاری۔ پھر میں نے (دل میں) کہا میں اس شہر میں آیا ہوں کم از کم ملاقات تو کر لوں پس میں ان کے بارے میں مسلسل پوچھتا رہا حتیٰ کہ میں ان کی مسجد میں پہنچ گیا اور وہ محراب (حجرہ) میں بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے سامنے رحل تھا جس پر قرآن مجید تھا اور وہ پڑھ رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ وہ نہایت خوش نما شیخ تھے، ان کا چہرہ اور داڑھی بھی حسین تھی۔ میں نے ان کے قریب ہو کر ان کو سلام کیا، انھوں نے سلام کا جواب دیتے ہوئے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟

میں نے کہا: بغداد سے آیا ہوں اور آپ کی زیارت مقصود تھی۔
انھوں نے فرمایا: اگر کسی شہر میں کوئی انسان تم سے کہتا کہ میرے پاس ٹھہرو تاکہ میں تمھارے لیے غلام یا لونڈی خریدوں تو تم میری ملاقات سے رُک جاتے؟
میں نے کہا اے میرے آقا! اللہ تعالیٰ نے مجھے اس آزمائش میں ڈالا ہی نہیں اور اگر ایسا معاملہ پیش آتا تو میں نہیں جانتا کہ میرا کیا حال ہوتا۔ پھر فرمایا: کیا تو کوئی اچھا قول کہہ سکتا ہے؟ میں نے کہا ہاں اور میں نے پڑھا:

رَأَیْتُکَ تَبْنِیْ دَآئِمًا فِیْ قَطِیْعَتِیْ
وَلَوْ کُنْتَ ذَا حَزْمٍ لَّھَدَمْتَ مَا تَبْنِیْ

* میں تجھے دیکھ رہا ہوں کہ تو مسلسل مجھ سے قطع تعلق کی بنیاد ڈال رہا ہے اگر تو دانش مند ہوتا تو اس عمارت کو گرا دیتا۔

انھوں نے قرآن مجید بند کیا اور مسلسل روتے رہے حتیٰ کہ ان کی داڑھی اور کپڑے تر ہو گئے اور یہاں تک کہ ان کے زیادہ رونے کی وجہ سے مجھے ان پر رحم آنے لگا۔ پھر مجھ سے فرمایا: اے بیٹے! ''رَے'' والوں کو یہ بات کہنے پر کہ ''یوسف بن حسین زندیق ہے'' ملامت نہ کرو۔ میں نماز کے وقت سے قرآن مجید پڑھ رہا ہوں لیکن میری آنکھوں سے ایک قطرہ بھی جاری نہیں ہوا لیکن اس شعر کی وجہ سے مجھ پر قیامت قائم ہو گئی ہے۔

محل کا مالک فقیر بن گیا

حضرت دراج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں اور ابن قوطی دونوں ''بصرہ'' اور ''ابلہ'' کے درمیان ''دجلہ'' پر سے گزر رہے تھے تو دیکھا کہ وہاں ایک خوبصورت محل ہے اور اس کی ایک کھڑکی ہے جس پر ایک مرد ہے جس کے سامنے اس کی لونڈی گا رہی ہے اور وہ کہتی ہے:

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وُدٌّ
کَانَ مِنِّیْ لَکَ یُبْذَلُ
کُلَّ یَوْمٍ تَتَلَوَّنُ
غَیْرُ ھٰذَا بِکَ أَجْمَلُ

* میری محبت اللہ کی راہ میں تمھارے لیے صرف کی جاتی ہے۔

* مگر تو ہر روز رنگ بدلتا ہے اگر کوئی طرز اختیار کرتا تو زیادہ اچھا تھا۔

پھر دیکھا کہ کھڑکی کے نیچے ایک نوجوان ہے جس کے ہاتھ میں لوٹا ہے اور اس نے چیتھڑے پہنے ہوئے ہیں۔ وہ سن رہا ہے، اس نے کہا اے لونڈی! تجھے تیرے آقا کی قسم یہ دوبارہ پڑھو'' کہ تو ہر روز بدلتا ہے کوئی اور طرز اختیار کرتا تو اچھا تھا۔''

اس نے دوبارہ پڑھا۔ نوجوان نے کہا پھر پڑھو۔

اس نے پڑھا۔ فقیر نے کہا اللہ عزوجل کی قسم! میں اسی طرح اللہ عزوجل کے ساتھ رنگ بدلتا ہوں۔ اس پر اس نے ایک

آہ بھری اور اس کی روح پرواز کرگئی۔

محل کے مالک نے لونڈی سے کہا تو اللہ ﷻ کے لیے آزاد ہے۔ بصرہ کے لوگ نکل آئے اور اس فقیر کی نماز جنازہ اور تدفین سے فارغ ہوئے تو محل کا مالک کھڑا ہوا اور کہنے لگا کیا تم لوگ مجھے نہیں جانتے میں تم لوگوں کو گواہ بناتا ہوں کہ میں اپنی ہر چیز اللہ ﷻ کی راہ میں دیتا ہوں اور میرے تمام غلام آزاد ہیں۔ پھر اس نے ایک تہبند باندھا اور ایک چادر اوپر لی اور محل صدقہ کر کے چل پڑا پھر اس کے بعد نہ تو اس کی صورت دکھائی دی اور نہ ہی اس کا کچھ پتہ چلا۔

حضرت ابوسلمان دمشقی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک گردش کرنے والے سے سنا وہ آواز لگا رہا تھا اے جنگلی سعتر [1] (ایک سبزی)! پھر وہ غش کھا کر گر گئے۔ جب ان کو افاقہ ہوا تو اس کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: میں نے خیال کیا کہ اس نے کہا ہے "اِسْعَ تَرَ بِرّیْ" کوشش کرو تم میرے احسان کو دیکھ لو گے۔

حضرت عتبہ غلام رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص سے سنا وہ کہہ رہا تھا: (سُبْحَانَ رَبِّ السَّمَآءِ، إِنَّ الْمُحِبَّ لَفِيْ عِنَآءٍ) "آسمان کا رب پاک ہے بے شک محبت کرنے والا رنج میں ہے۔"

حضرت عتبہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تو نے سچ کہا ہے۔ ایک اور شخص نے سنا تو کہا تو نے جھوٹ کہا ہے۔ تو ہر ایک نے اپنے اپنے "مقام" کے حساب سے سنا۔

حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ سے ان مشائخ کے بارے میں پوچھا گیا جن سے ان کی ملاقات سماع کے دوران ہوئی۔ انھوں نے فرمایا: ان کی مثال اس ریوڑ کی طرح ہے جس میں بھیڑیا گھس آیا ہو۔

حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت علی بن موفق رحمۃ اللہ علیہ کو سماع (کی مجلس) میں دیکھا وہ فرما رہے تھے مجھے کھڑا کرو۔ انھوں نے ان کو کھڑا کیا وہ کھڑے ہوئے تو انھوں نے وجد ظاہر کیا پھر فرمایا میں پھرتیلا بوڑھا ہوں۔

کہا گیا ہے کہ حضرت رُقی رحمۃ اللہ علیہ ایک رات صبح تک کھڑے رہے۔ وہ یہ شعر پڑھتے اور کھڑے ہوتے پھر گر پڑتے اور لوگ کھڑے رو رہے تھے۔ وہ شعر یہ ہے:

بِاللّٰهِ فَارْدُدْ فُؤَادَ مُكْتَءِبٍ
لَيْسَ لَهٗ مِنْ حَبِيْبِهٖ خَلَفٌ

[1] "یاسعتر برّی" کی آواز لگا رہا تھا۔ سعتر ایک سبزی ہے جس کی خوشبو بھی اچھی ہے تو انھوں نے اس سے مطلب نکالا اِسْعَ (کوشش کر) تَرَ (تو دیکھے گا) بِرّیْ (میرے احسانات) جس طرح کسی بزرگ نے پھل فروش سے سنا "اچھے سنگترے" تو انھوں نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے اچھے سنگ والے تر گئے (نجات پا گئے)۔ ۱۲ ہزاروی

* اللہ کے لیے اس غمگین کا دل واپس کر دو جس کے لیے اس کے حبیب کا کوئی بدل نہیں ہو سکتا۔

دوست میں کمزور ہو گیا

حضرت علی بن حسین بن احمد رحمۃ اللہ علیہ کے والد فرماتے تھے: میں نے کئی سال حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کی تو میں نے سماع کے وقت ان میں کوئی تبدیلی نہیں دیکھی۔ وہ ذکر، قرآن مجید اور اس کے علاوہ سنتے۔ جب ان کی زندگی کے آخری دن ہوئے تو ان کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی:

﴿فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ﴾ ''تو آج نہ تم سے کوئی فدیہ لیا جائے۔''[1]

میں نے دیکھا کہ ان کا رنگ بدل گیا اور وہ کانپنے لگے اور قریب تھا کہ گر جاتے۔ جب وہ ہوش میں آئے تو میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا، انھوں نے فرمایا: (يَا حَبِيْبِيْ ضَعُفْنَا) ''میرے دوست! ہم کمزور ہو گئے ہیں۔''

ابن سالم رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک اور بار ان کو دیکھا ان کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی:

﴿اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ نِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ط﴾ ''اس دن سچی بادشاہی رحمٰن کی ہے۔''[2]

تو ان کا رنگ بدل گیا اور وہ گرنے کے قریب ہو گئے۔ میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا تو فرمایا: میں کمزور ہو گیا ہوں۔

یہ تو اکابر کی صفت ہے ان پر اگر بہت قوی حالت بھی وارد ہوتی وہ اس سے زیادہ قوی ہوتے۔

چیزیں بھی ذکر کرتی ہیں

حضرت شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں حضرت ابوعثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا اور وہاں ایک شخص کنویں کی چرخی پر کنویں سے پانی نکال رہا تھا۔ انھوں نے فرمایا: اے ابوعبدالرحمٰن! تم جانتے ہو یہ چرخی کیا کہہ رہی ہے؟

میں نے عرض کیا میں نہیں جانتا۔

انھوں نے فرمایا: یہ ''اللہ، اللہ'' کہتی ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انھوں نے ناقوس (نقارہ) کی آواز سنی تو اپنے ساتھیوں سے فرمایا: تم جانتے ہو یہ کیا کہتا ہے؟

---

[1] پارہ 27، الحدید 15، ترجمہ کنزالایمان

[2] پارہ 19، الفرقان 26، ترجمہ کنزالایمان

انھوں نے جواب دیا: نہیں۔ فرمایا یہ کہتا ہے:

''سُبْحَانَ اللّٰهِ حَقًّا، إِنَّ الْمَوْلٰى صَمَدٌ يَّبْقٰى''

''اللہ عزوجل پاک ہے، سچا ہے، بے شک مولیٰ بے نیاز ہے، باقی رہنے والا ہے۔''

اہل سماع کے اقوال واحوال

حضرت احمد بن علی کرخی وجیہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صوفیاء کرام کی ایک جماعت حضرت حسن قزاز رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں جمع تھی اور ان کے ساتھ قوال تھے جو قوالی کرتے ہوئے وجد کر رہے تھے۔ حضرت ممشاد دینوری رحمۃ اللہ علیہ وہاں ان کے پاس تشریف لائے تو وہ لوگ خاموش ہو گئے۔ انھوں نے فرمایا: تم اپنا کام جاری رکھو اگر دنیا بھر کے ملاہی (دوسری طرف متوجہ کرنے والے کام) میرے کانوں میں جمع کر دیے جائیں تو بھی وہ میرے ارادوں کو پھیر نہیں سکتے اور نہ مجھے سکون دے سکتے ہیں۔

حضرت ابوعلی روذباری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ہم اس معاملے میں ایسی جگہ پہنچ چکے ہیں جو تلوار کی دھار کی طرح ہے اگر تھوڑا سا بھی اس طرف جھکے تو جہنم میں گئے۔

حضرت خیر نساج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے ایک قوم کو ایک قصہ سنایا تو ان میں سے ایک کی چیخ نکل گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے جھڑک دیا تو اللہ عزوجل نے آپ کی طرف وحی فرمائی: اے موسیٰ! یہ لوگ میری خوشبو سے مہکتے ہیں اور میری محبت کا اظہار کرتے ہیں اور میرے وجد سے چلاتے ہیں تو میرے بندوں کی باتوں پر اعتراض کیوں کرتا ہے؟

کہا گیا ہے کہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی کہنے والے سے سنا وہ کہہ رہا تھا ایک دانق (ایک سکہ) کی دس ککڑیاں (''تر'' جو لمبی سی ہوتی ہے)، آپ رو پڑے اور فرمایا: جب ایک دانق کی دس ککڑیاں ہوں تو شرار (بروں) کا کیا حال ہوگا![1]

کہا جاتا ہے کہ جب جنت میں حوریں گانا گائیں گی تو درختوں پر پھول لگ جائیں گے۔ کہتے ہیں حضرت عون بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی خوش آواز لونڈی کو حکم دیتے تو وہ پرسوز آواز سے گاتی جس سے سننے والوں کو رلا دیتی۔

حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ سے سماع کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: جو دل اچھی آواز کا ارادہ کرتا ہے وہ کمزور ہے۔ وہ اپنا علاج کرتا ہے جس طرح بچے کو سلانے کے لیے علاج کیا جاتا ہے (یعنی لوری دی جاتی ہے)۔

[1] آپ نے دیکھا کہ ککڑیوں کی قدر و قیمت ذاتی نہیں بلکہ ایک تہائی کے فضل و کرم سے ہے۔ تو جو شخص برا ہوا سے بھی اللہ عزوجل کے فضل و کرم کی امید رکھنی چاہیے۔ (اللہ عزوجل چاہے تو ان کی قدر و قیمت بڑھا دے)۔ (نتائج الافکار القدسیہ، جلد 2، حصہ 4، صفحہ: 242) ۱۲ ہزاروی

پھر حضرت ابوسلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اچھی آواز دل میں کوئی چیز داخل نہیں کرتی وہ اس چیز کو حرکت دیتی ہے جو دل میں ہوتی ہے۔

حضرت ابن ابی حواری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اللہ عزوجل کی قسم! ابوسلیمان نے ٹھیک کہا ہے۔

حضرت جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "کُوْنُوْا رَبَّانِیِّیْنَ" (رب والے ہو جاؤ) کا مطلب یہ ہے کہ اللہ عزوجل سے سننے والے اور اس کے نام (کی مدد) سے کہنے والے بن جاؤ۔

کسی صوفی سے سماع کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: یہ بجلیاں ہیں جو چمک کر بجھ جاتی ہیں اور انوار ہیں جو ظاہر ہوتے ہیں پھر چھپ جاتے ہیں۔ اگر نور والے کے ساتھ ایک لحہ بھی رہ جائیں تو کس قدر شیریں ہوں گے۔ پھر یہ شعر پڑھے:

خَطْرَةٌ فِیْ السِّرِّ مِنْهُ خَطَرَتْ
خَطْرَةَ الْبَرْقِ اِبْتَدَی ثُمَّ اِضْمَحَلَ
أَیُّ زُوْرٍ لَكَ لَوْ قَصَدًا سَرَی
وَمُلِمٍّ بِكَ لَوْ حَقًّا فَعَلَ

* راز ہی راز میں محبوب کا اس طرح خیال آیا جس طرح بجلی چمک کر مدھم پڑ جائے۔
* اگر یہ قصداً خیال آیا تھا تو یہ کس قسم کی زیارت تھی کہ ٹھہرا نہیں اور چل دیا اور یہ اترنے والا کون تھا اگر اس نے حقیقت کو پالیا۔

کہا گیا ہے کہ سماع میں ہر عضو کا حصہ ہوتا ہے جو آنکھوں کو ملتا ہے اس سے آنکھ رونے لگتی ہے۔ جو حصہ زبان کو ملتا ہے اس سے زبان چیخنے لگتی ہے، جو حصہ ہاتھوں کو ملتا ہے اس سے ہاتھ کپڑے پھاڑنے لگتے ہیں اور تھپڑ مارتے ہیں اور جو حصہ پاؤں کو ملتا ہے اس کے ذریعے وہ ناچنے لگتے ہیں۔

کہا گیا ہے کہ ایک عجمی بادشاہ فوت ہو گیا اور اس نے ایک چھوٹا بیٹا چھوڑا۔ لوگوں نے اس کی بیعت کرنے کا ارادہ کیا تو کہنے لگے کیسے معلوم ہو کہ وہ سوجھ بوجھ بھی رکھتا ہے یا نہیں؟ پھر انھوں نے اتفاق کیا کہ کسی قوال کو لائیں جو قوالی کرے۔ اگر وہ اس کی طرف اچھی طرح متوجہ ہو تو معلوم ہو جائے گا کہ وہ سمجھ دار ہے۔ چنانچہ وہ ایک قوال کو لائے۔ جب قوال نے کچھ پڑھا تو بچہ ہنس پڑا۔ یہ سن کر ان سب نے زمین کو بوسہ دیا اور اس کی بیعت کر لی۔

حضرت استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرو بن نجید رحمۃ اللہ علیہ، حضرت نصر ابادی رحمۃ اللہ علیہ اور اس طبقہ کے کچھ

لوگ ایک جگہ جمع ہوئے حضرت نصر اباذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب لوگ جمع ہوں تو میں کچھ گفتگو کروں گا۔ ایک آدمی کوئی بات کرے اور باقی خاموش رہیں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی کی غیبت کریں۔

حضرت ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر تم تیس (30) سال غیبت کرو تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم سماع میں اس حالت کو ظاہر کرو جو تم میں نہیں ہے۔

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: سماع کے اعتبار سے لوگوں کی تین قسمیں ہیں: ① مُتَسَمِّعْ، ② مُسْتَمِعْ ③ سَامِعْ۔

مُتَسَمِّعْ اپنے وقت کے ساتھ سنتا ہے۔

مُسْتَمِعْ: اپنے حال کے ساتھ سنتا ہے اور "سَامِعْ" حق کے ساتھ سنتا ہے۔ [1]

میں نے حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ سے کئی بار سماع سننے کی اجازت طلب کی لیکن وہ مجھے ٹال دیتے یعنی اس بات کی طرف اشارہ فرماتے کہ اس سے بچنا ضروری ہے۔ پھر بار بار سوال کرنے میں ایک عرصہ گزر گیا تو انھوں نے فرمایا: (مَاجَمَعَ قَلْبَكَ إِلَى اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى فَلَا بَأْسَ بِهٖ) مشائخ فرماتے ہیں: جو تمھارے دل کو جمع کر کے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف لے آئے اس کے سننے میں کوئی حرج نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میں نے تم میں دس ہزار (10,000) کان بنائے تاکہ تم میرا کلام سنو۔ دس ہزار (10,000) زبانیں بنائیں تاکہ تم میری بات کا جواب دو اور مجھے سب سے زیادہ پسند اور میرے قرب کا زیادہ باعث یہ بات ہے کہ تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجو۔

کہا گیا ہے کہ کسی بزرگ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس (سماع) میں اکثر لوگوں سے غلطی ہو جاتی ہے۔

سماع اور شیطان

حضرت ابو الحارث اولاسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے شیطان لعین کو خواب میں اولاس [2] (قلعہ) کی ایک چھت پر دیکھا اور میں بھی چھت پر تھا۔ اس کی دائیں طرف ایک جماعت تھی اور بائیں طرف بھی ایک جماعت تھی جنھوں نے صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ ابلیس نے ان میں سے ایک جماعت سے کہا گانا گاؤ۔ چنانچہ انھوں نے گانا گایا۔

[1] وقت اور حال صوفیاء کی اصطلاحات ہیں جن کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[2] "اولاس" شام کے ساحل میں طرسوس کے نواح میں قلعہ ہے اور اسے "حصن الزہاد" کا نام بھی دیا گیا ہے۔ (ابو حنظلہ محمد اجمل عطاری)

اس گانے کی عمدگی نے مجھے گھبراہٹ میں ڈال دیا حتیٰ کہ میں نے اپنے آپ کو چھت سے گرانے کا ارادہ کیا۔

پھر اس نے کہا رقص کرو۔ انھوں نے بہت عمدہ رقص کیا پھر مجھ سے کہا اے حارث! مجھے تو صرف یہی ایک چیز ملی ہے جس کے ذریعے میں تم لوگوں میں گھس سکتا ہوں۔

آپ یہاں کیوں بیٹھے ہیں؟

حضرت عبداللہ بن علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک رات میں حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تھا، قوال نے کچھ کہا تو حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ چلائے اور بیٹھے بیٹھے وجد میں آ گئے۔ ان سے پوچھا گیا اے ابوبکر! آپ لن لوگوں کے درمیان کیوں بیٹھے ہوئے ہیں (جب کہ باقی کھڑے ہو گئے)۔ پس وہ کھڑے ہوئے اور حالتِ وجد میں کہنے لگے:

لِیْ سُکْرَتَانِ وَلِلنَّدْمَانِ وَاحِدَةٌ
شَیءٌ خُصِصْتُ بِهٖ مِنْ بَیْنِهِمْ وَحْدِیْ

* میرے ساتھی کو ایک مستی ہے اور مجھے دو ہیں۔ یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو صرف مجھے حاصل ہے۔

نوجوان محل سے گر کر مر گیا

حضرت ابوعلی روذباری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں ایک محل سے گزرا تو میں نے ایک خوبصورت نوجوان کو پڑے ہوئے دیکھا اور اس کے اردگرد لوگ تھے۔ میں نے اس کے بارے میں پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ یہ اس محل سے گزر رہا تھا اور اس میں ایک لونڈی گا رہی تھی:

کَبُرَتْ هِمَّةُ عَبْدٍ
طَمَعَتْ فِیْ أَنْ تَرَاکَا
أَوْ مَا حَسْبَ لِعَیْنٍ
أَنْ تَرٰی مَنْ قَدْ رَأَکَا

* اس بندے کی ہمت کس قدر بلند ہے جو تجھے دیکھنے کی خواہش کرتا ہے۔
* کیا آنکھ کے لیے اس قدر کافی نہیں کہ وہ ان لوگوں کو دیکھ لے جنھوں نے تجھے دیکھا۔

یہ سن کر اس نے آہ بھری اور مر گیا۔

باب

کراماتِ اولیاء کا بیان

استاذ ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اولیاء کرام سے کرامات کا ظاہر ہونا جائز ہے اور اس کے جواز کی ''دلیل'' یہ ہے کہ یہ ایک ایسا امر ہے جو عقل میں آتا ہے اور اس سے شرعی ضابطوں میں سے کوئی ضابطہ نہیں ٹوٹتا۔ پس اللہ سبحانہ کا اس کے ایجاد پر قادر ہونے کے وصف سے موصوف ہونا واجب ہے۔ جب یہ بات واجب ہے کہ یہ اللہ عزوجل کی قدرت میں ہے تو اس کے حصول کے جواز میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں۔

کرامات کا ظہور کیوں؟

کرامت کا ظہور اس بات کی علامت ہے کہ جس کے ہاتھوں یہ ظاہر ہوتی ہے وہ اپنے احوال میں سچا ہے کیونکہ جو شخص سچا نہ ہو اس سے اس قسم کی کرامت کا ظہور درست نہیں۔ اس پر جو بات دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اس قدیم ذات نے ہمیں سچے اور جھوٹے میں فرق کرنے کے لیے ایسے استدلال کی پہچان کرائی ہے جو عقل میں آسکتا ہے اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب ولی کو کچھ ایسے امور کے ساتھ خاص کر دیا جائے جو جھوٹے دعوٰی دار میں نہیں پائے جا سکتے۔ اور یہی بات کرامت ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔ اور ضروری ہے کہ یہ کرامت ایسا فعل ہو جو ایام تکلیف (دنیا) میں عام عادت کے خلاف ہو اور ایسے شخص سے صادر ہو جو ولایت کے ساتھ موصوف ہو تاکہ اس کی حالت سے اس کی تصدیق ہوسکے۔

کرامت اور معجزے میں فرق

اہل حق نے کرامات اور معجزات میں فرق کے سلسلے میں بحث کی ہے۔ حضرت امام ابواسحاق اسفرائنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: معجزات نبی کی سچائی کے دلائل ہیں اور نبوت کی دلیل نبی علیہ السلام کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہوسکتی جس طرح عقل محکم کسی عالم کے عالم ہونے کی دلیل ہے تو وہ غیر عالم کے پاس نہیں ہوسکتی۔ وہ فرماتے تھے: اولیاء کرام کے لیے کرامات ہیں جیسے قبولیتِ دعا، لیکن جو چیزیں انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات ہیں وہ نہیں۔

حضرت امام ابوبکر بن فورک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: معجزات، صدق کی دلالتیں ہیں پھر اگر وہ شخص نبوت کا دعوٰی کرے تو

معجزات اس کے قول کی سچائی کی دلیل ہیں۔ اور اگر وہ ولایت کی طرف اشارہ کرے اور یہ معجزہ اس کی حالت کی سچائی پر دلالت کرے تو اس کو کرامت کہتے ہیں، معجزہ نہیں کہتے۔ اگرچہ وہ جنس معجزات میں سے ہی کیوں نہ ہو کیونکہ نبوت اور ولایت میں فرق ہے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: معجزات اور کرامات میں فرق ہے۔ وہ یوں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو معجزات کے اظہار کا حکم دیا گیا اور ولی پر کرامت چھپانا واجب ہے۔ نبی علیہ السلام معجزہ کا دعویٰ کرتا اور اس سلسلے میں قطعی بات کرتا ہے اور ولی اس کا دعویٰ بھی نہیں کرتا اور قطعی قول بھی نہیں کرتا کیونکہ ہوسکتا ہے یہ صرف دھوکہ ہو۔

معجزہ کب معجزہ بنتا ہے؟

اپنے زمانے میں، اپنے فن میں یکتا حضرت قاضی ابوبکر اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ معجزات انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ خاص ہیں اور کرامات اولیاء کرام کے لیے بھی اسی طرح ہوتی ہیں جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے ہوتی ہیں۔ لیکن اولیاء کرام کے لیے معجزہ نہیں ہوتا کیونکہ معجزہ کے لیے شرط ہے کہ اس کے ساتھ نبوت کا دعویٰ ملا ہوا ہو۔ معجزہ بذاتِ خود عاجز کرنے والا نہیں ہوتا۔ یہ معجزہ تب بنتا ہے جب اس میں بہت سی صفات پائی جائیں۔ جب ان شرائط میں سے کسی ایک شرط میں بھی خلل ہو تو وہ معجزہ نہیں ہوگا اور ان شرائط میں سے ایک نبوت کا دعویٰ ہے اور ولی نبوت کا دعویٰ نہیں کرتا لہٰذا جو کچھ اس کے ہاتھوں سے ظاہر ہوتا ہے وہ معجزہ نہیں ہوتا۔

ہم اسی قول پر اعتماد کرتے ہیں، اسی کے قائل ہیں بلکہ یہی ہمارا دین ہے۔ پس معجزہ کی تمام یا اکثر شرائط کرامت میں پائی جاتی ہیں لیکن یہ ایک شرط (یعنی دعویٰ نبوت) نہیں پائی جاتی۔ اور کرامت یقیناً ایک نو پید فعل ہے کیونکہ قدیم فعل کسی ایک کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتا، کرامت عادت کو توڑنے والی ہوتی ہے اور تکلیف کے وقت ہوتی ہے اور کسی بندے سے اس لیے ظاہر ہوتی ہے کہ اس کی تخصیص اور فضیلت ظاہر ہو جائے۔ کبھی یہ کرامت ولی کے اختیار اور دعا سے ظاہر ہوتی ہے اور کبھی ظاہر نہیں ہوتی اور بعض اوقات اس کے اختیار کے بغیر ظاہر ہوتی ہے۔

ولی کو اس بات کا حکم نہیں دیا کہ وہ لوگوں کو اپنی طرف آنے کی دعوت دیں لیکن اگر وہ اس کے اہل لوگوں کے سامنے اظہار کرے تو جائز ہے۔

کیا ولی کو اپنی ولایت کا علم ہوتا ہے؟

اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا ولی کو اپنے ولی ہونے کا علم ہوتا ہے یا نہیں؟

حضرت امام ابوبکر بن فورک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: یہ بات جائز نہیں کیونکہ اس طرح اس کا خوف چلا جاتا ہے اور وہ

بے فکر ہو جاتا ہے۔

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ اس کے جواز کے قائل ہیں۔ ہم بھی اس بات کو ترجیح دیتے ہیں اور اسی کے قائل ہیں۔

اور یہ بات تمام اولیاء کرام کے لیے ضروری نہیں کہ ہر ولی کو اس بات کا علم ہو کہ وہ ولی ہے لیکن بعض کو اس بات کا علم ہونا جائز ہے جس طرح بعض کو علم نہ ہونا جائز ہے اور جب کسی ولی کو اپنی ولایت کا علم حاصل ہو جائے تو یہ علم اس کی خصوصی کرامت ہوگی۔

ولی کے لیے کرامت ضروری نہیں

اور یہ بات ضروری نہیں کہ جو کرامت کسی ایک ولی کے لیے ہو وہ بعینہٖ تمام اولیاء کرام کے لیے ہو بلکہ اگر کسی ولی کے لیے دنیا میں کرامت ظاہر نہ بھی ہو تو اس سے اس کے ولی ہونے میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔ بخلاف انبیاء کرام علیہم السلام کے کہ ان کے لیے معجزات کا ہونا ضروری ہے کیونکہ نبی کو مخلوق کی طرف بھیجا جاتا ہے لہٰذا لوگوں کو اس کی پہچان کی حاجت ہوتی ہے اور یہ پہچان صرف معجزہ کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ جب کہ ولی کا معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے کیونکہ مخلوق پر اور خود اس ولی پر بھی واجب نہیں کہ ان کو اس کے ولی ہونے کا علم ہو۔ ان دس (10) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خبر میں تصدیق کی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا وہ لوگ جنتی ہیں۔

اور جس نے یہ بات کہی کہ ان کے لیے اپنی ولایت کو جاننا جائز نہیں کیونکہ اس طرح وہ بے خوف ہو جائیں تو اس میں کوئی بات نہیں کیونکہ وہ انجام کے بدلنے سے ڈرتے ہیں اور ان کے دلوں میں حق تعالیٰ کی جو ہیبت، تعظیم اور بزرگی کا عقیدہ ہے وہ بڑھتا رہتا ہے اور وہ اس خوف سے کہیں زیادہ ہے۔

جاننا چاہئے کہ ولی سے جو کرامت ظاہر ہوتی ہے اس پر اس کا نظر رکھنا درست نہیں۔ بعض اوقات اس قسم کی کرامات کے ظہور سے ان لوگوں کا یقین مضبوط اور بصیرت بڑھ جاتی ہے کیونکہ ان کو اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ یہ اللہ عزوجل کا فعل ہے پس وہ اس کے ذریعے اپنے عقائد کی درستگی پر استدلال کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اولیاء کرام پر کرامات کے ظہور کے ''جواز'' کا قول واجب ہے اور جمہور اہل معرفت کا یہی نقطۂ نظر ہے اور چونکہ اس قسم کی خبریں اور واقعات کثرت سے منقول ہیں اس لیے اولیاء کرام سے ان کرامات کے ظہور اور ان کے اس بات کو جاننے سے ان کا علم مضبوط ہو جاتا ہے جس سے شکوک و شبہات اُٹھ جاتے ہیں۔ ان دلائل میں سے قرآن مجید میں مذکور حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ بھی ہے (جب ان کے ایک ولی نے کہا اور اسے قرآن مجید نے یوں نقل کیا):

﴿اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ ؕ﴾

''کہ میں اسے حضور میں حاضر کردوں گا ایک پل مارنے سے پہلے۔'' [1]

حالانکہ وہ کہنے والا (آصف بن برخیا) نبی نہ تھا۔

اور حدیث شریف سے دلیل اس طرح ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے صحیح حدیث ثابت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن خطبہ کے دوران فرمایا: (یَاسَارِیَۃُ الْجَبَلَ) ''اے ساریہ! پہاڑ کی طرف ہو جاؤ۔'' [2]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی آواز اس وقت حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ تک پہنچ گئی اور انھوں نے اسی وقت پہاڑ کے ان مقامات سے اپنا بچاؤ کر لیا جہاں دشمن پوشیدہ تھے۔

ایک اعتراض اور جواب

اعتراض: ان کرامات کا اظہار کس طرح جائز ہو سکتا ہے جو رسلِ عظام علیہم السلام کے معجزات سے بڑھ کر ہوں۔ نیز کیا اولیاء کرام کو انبیاء کرام علیہم السلام پر فضیلت دینا جائز ہے؟

جواب: یہ کرامات ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں شمار ہوتی ہیں کیونکہ جو شخص اسلام میں سچا نہیں اس سے کرامت ظاہر نہیں ہوتی اور جس نبی علیہ السلام کے کسی امتی سے کرامت ظاہر ہو وہ اس نبی علیہ السلام کے معجزات میں شمار ہوتی ہے کیونکہ اگر وہ سچا نبی نہ ہوتا تو اس کی اتباع کرنے والے سے کرامت ظاہر نہ ہوتی۔

جہاں تک اولیاء کرام کے مرتبہ و مقام کا تعلق ہے تو اس بات پر اجماع منعقد ہے کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے مقام و مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے۔ حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے اسی مسئلہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

جو کچھ انبیاء کرام علیہم السلام کو حاصل ہے وہ شہد کے اس مشکیزے کی طرح ہے جس سے ایک قطرہ ٹپکتا ہے اور وہ قطرہ اس مرتبہ کی مثال ہے جو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو حاصل ہے اور جو کچھ برتن کے اندر ہے وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال ہے۔

کرامات کی مختلف صورتیں

پھر یہ کرامات کبھی قبولیتِ دعا کی شکل میں ظاہر ہوتی ہیں، کبھی فاقہ کے وقت کسی ظاہری سبب کے بغیر کھانا موجود ہونے کی شکل میں یا پیاس کے وقت پانی حاصل ہونے یا تھوڑی سی مدت میں طویل مسافت طے کرنے یا دشمن سے

[1] پارہ 19، النمل 40، ترجمہ کنزالایمان [2] تاریخ الامم و الملوک، ج 4، ص: 178، البدایہ و النہایہ، ج 7، ص: 131، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج 3، ص: 6، تاریخ الخمیس فی احوال انفس، ج 20، ص: 243، مقاصد الحسنہ، ص: 480، حرف الیاء الاخیرہ۔

چھٹکارا حاصل ہونے یا غیبی خطاب سننے وغیرہ کی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں یعنی ایسی باتیں ظاہر ہوتی ہیں جو عام عادات کے خلاف ہیں۔

یہ بات بھی جاننا چاہیے کہ آج کے زمانے میں اللہ عزوجل کی بعض قدرتوں کا ظہور ہوتا ہے ان سے قطعی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ اولیاء کرام سے بطور کرامت ظاہر نہیں ہوسکتیں۔ ان چیزوں کا علم ضروری طور پر یا بطور شبہ ضروری حاصل ہوتا ہے مثلاً کوئی بچہ والدین کے بغیر پیدا ہو جائے یا جمادات میں سے کوئی چیز جانور یا چوپایہ کی شکل میں بدل جائے اور اس طرح کی بہت سی مثالیں ہیں۔

ولی کا معنیٰ کیا ہے؟

اگر کہا جائے کہ ولی کا معنیٰ کیا ہے؟ تو کہا جائے گا کہ اس میں دو باتوں کا احتمال ہے۔ ایک یہ کہ "فَعِیْلٌ" کا صیغہ "فَاعِلٌ" سے مبالغہ ہو جیسے "عَلِیْمٌ" اور "قَدِیْرٌ" وغیرہ۔ اس وقت اس کا معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ شخص جس میں اللہ عزوجل کی عبادت لگاتار پائی جائے، درمیان میں کوئی گناہ نہ ہو۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ "فَعِیْلٌ"، "مَفْعُوْلٌ" کے معنیٰ میں ہو جس طرح "قَتِیْلٌ"، "مَقْتُوْلٌ" کے معنیٰ میں ہے۔ جَرِیْحٌ، مَجْرُوْحٌ کے معنیٰ میں ہے اس وقت ولی اس شخص کو کہیں گے جس کا اللہ عزوجل ہمیشہ کے لیے ولی بن چکا ہے۔ اور وہ اس کی حفاظت و نگہبانی کرتا ہے پس اللہ عزوجل اس کے لیے ذلت جو گناہوں پر طاقت ہے، پیدا ہی نہیں کرتا اور اسے عبادت و اطاعت پر قدرت کی توفیق ہمیشہ عطا فرماتا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِيْنَ ۝﴾ "اور وہ نیکوں کو دوست رکھتا ہے۔"[1]

کیا ولی معصوم ہوتا ہے؟

اگر کہا جائے کہ کیا ولی معصوم ہوتا ہے؟ تو کہا جائے گا جہاں تک وجوب کا تعلق ہے جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام کی معصومیت واجب ہے تو یہ بات نہیں اور اگر اس سے مراد ان کا "محفوظ" ہونا ہے حتیٰ کہ وہ گناہ پر اصرار نہیں کرتے۔ اگرچہ کمزوری، غلطی اور لغزش ہوتی ہے اور یہ بات ان کے محفوظ ہونے کے وصف میں رکاوٹ نہیں ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ اے ابوالقاسم! کیا عارف زنا کا مرتکب ہوتا ہے؟ تو انھوں نے کچھ دیر سر جھکایا پھر سر اٹھایا اور فرمایا:

[1] پارہ 9، الاعراف 196، ترجمہ کنزالایمان

﴿وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ۙ﴾

''اور اللہ کا کام مقرر تقدیر ہے۔'' [1]

کیا اولیاء کرام سے خوف ساقط ہوتا ہے؟

اگر کہا جائے کہ کیا اولیاء کرام سے خوف ساقط ہوتا ہے؟ تو جواب میں کہا جائے گا اکابر کا خوف غالب رہتا ہے۔ اور اس سے پہلے جو ہم نے کہا کہ شاذ و نادر خوف ساقط ہو جاتا ہے تو یہ بھی ممکن ہے۔ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص کسی باغ میں داخل ہو جس میں بہت سے درخت ہوں اور ہر درخت پر ایک پرندہ ہو جو فصیح زبان سے کہے (اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاوَلِيَّ اللّٰهِ) ''اے اللہ کے ولی! تجھ پر سلام ہو۔'' اب اگر اسے یہ خوف نہ ہو کہ یہ فریب ہے تو وہ دھوکہ کھا جائے گا۔ اور ان حضرات کے واقعات میں ایسی بے شمار مثالیں ہیں۔

کیا بطور کرامت دنیا میں دیدارِ الٰہی ممکن ہے؟

اگر پوچھا جائے کہ کیا جو شخص فی الحال ولی ہے اس کے انجام میں تبدیلی ہو سکتی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جن لوگوں نے ولایت میں ''حُسْنِ مَوَافَاة'' (اچھی وفاداری) کی شرط لگائی ہے ان کے نزدیک ایسا ممکن نہیں اور جس نے کہا کہ اس وقت وہ حقیقتاً مومن ہے اگرچہ بعد میں اس کی حالت بدل جائے تو یہ بات بعید نہیں کہ وہ فی الحال سچا ہو، پھر اس میں تبدیلی آ جائے یہی بات ہمارے ہاں پسندیدہ ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ ولی کی کرامات میں سے ایک کرامت اس کو اپنی عاقبت کے محفوظ ہونے کا علم ہو اور بطور کرامت وہ جانتا ہو کہ اس کے انجام میں تبدیلی نہیں آئے گی۔ پس اس مسئلہ کو اس مسئلہ کے ساتھ ملایا جائے جو ہم نے ذکر کیا کہ ولی کے لیے جائز ہے کہ اسے اپنی ولایت کا علم ہو۔

کیا ولی سے مکر کا خوف زائل ہو جاتا ہے؟

اگر کوئی پوچھے کہ کیا ولی سے مکر و فریب کا خوف زائل ہو جاتا ہے؟ تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اگر ولی اپنے مشہود (جس کا مشاہدہ کر رہا ہے) میں مشغول ہو اور اپنی اس حالت کی وجہ سے احساس کھو بیٹھے تو یہ شخص غلبۂ حال کی وجہ سے اپنے آپ سے کھویا ہوا ہے اور خوف ان لوگوں کی صفات میں سے ہے جن کے احساسات حاضر ہوں۔

---

[1] پارہ 22، الاحزاب 38، ترجمہ کنزالایمان

ہوش کی حالت میں ولی پر کیا کیفیت غالب ہوتی ہے؟

اگر پوچھا جائے کہ حالتِ ہوش میں ولی پر کون سی کیفیت غالب ہوتی ہے؟ تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ ولی حالت ہوش میں صدق دل سے اللہ سبحانہ کے حقوق ادا کرتا ہے۔ پھر وہ ہر حالت میں مخلوق پر شفقت اور مہربانی کرتا ہے اور تمام مخلوق پر اپنی رحمت کو پھیلاتا ہے۔ پھر اچھے اخلاق کے ساتھ ان کی باتوں کو برداشت کرتا ہے اور لوگوں کے مطالبہ کے بغیر ہی وہ اللہ ﷻ سے ان پر احسان کی درخواست کرتا ہے۔ نیز وہ مخلوق کی نجات کے لیے اپنی پوری ہمت صرف کرتا ہے اور ان سے انتقام نہیں لیتا اور اس بات سے بچتا ہے کہ کہیں اس میں ان لوگوں کے بارے میں کینہ پیدا نہ ہو۔ علاوہ ازیں وہ ان کے مالوں کی طرف اپنا ہاتھ نہیں بڑھاتا اور ان سے ہر قسم کا لالچ ترک کر دیتا ہے اور زبان کو کھلا رکھنے کے بعد ان سے روک لیتا ہے کہ کہیں ان کی برائی بیان نہ کرے اور وہ ان کی برائیاں دیکھنے سے اپنے آپ کو بچاتا ہے اور وہ ان سے دنیا اور آخرت میں کسی قسم کا جھگڑا نہیں کرتا۔ یہ بات جان لو کہ اولیاء کرام کی سب سے بڑی کرامت عبادت کی دائمی توفیق نیز گناہوں اور شریعت کی مخالفت سے بچنا۔

کرامات اور قرآنِ مجید

قرآن مجید میں اولیاء کرام کی کرامات پر جو باتیں گواہی دیتی ہیں ان میں حضرت مریم رضی اللہ عنہا کا وصف بیان کرنا ہے حالانکہ وہ نبی اور رسول نہ تھیں۔ (ارشادِ خداوندی ہے):

﴿كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ﴾

"جب زکریا اس کے پاس اس کی نماز پڑھنے کی جگہ جاتے اس کے پاس نیا رزق پاتے۔"[1]

حضرت زکریا علیہ السلام پوچھتے:

﴿اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ﴾ "یہ تیرے پاس کہاں سے آیا"[2]

حضرت مریم رضی اللہ عنہا فرماتیں:

﴿هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ﴾ "وہ اللہ کے پاس سے ہے۔"[3]

---

[1] پارہ 3، آل عمران 37، ترجمہ کنزالایمان

[2] پارہ 3، آل عمران 37 ترجمہ کنزالایمان

[3] پارہ 3، آل عمران 37، ترجمہ کنزالایمان

اور ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝﴾

''اور کھجور کی جڑ پکڑ کر اپنی طرف ہلا تجھ پر تازی پکی کھجوریں گریں گی۔''[1]

اور یہ کھجوروں کا موسم نہیں تھا۔

اسی طرح اصحابِ کہف کا واقعہ ہے۔ ان کو عجیب وغریب واقعات پیش آئے بالخصوص ''کُتے'' کا ان سے ہم کلام ہونا اور اس کے علاوہ، اسی سے ''ذوالقرنین'' کا واقعہ ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان کو اس کام کے کرنے کی قدرت دی جو دوسروں کے لیے ممکن نہ ہوا۔

اسی (کرامت) سے حضرت خضر علیہ السلام کا دیوار کھڑا کرنا اور دیگر عجیب واقعات ہیں اور وہ ان باتوں کا بھی علم رکھتے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر پوشیدہ تھیں۔ یہ تمام کام عادت کے خلاف تھے اور حضرت خضر کے ساتھ کیے گئے حالانکہ آپ نبی نہ تھے بلکہ ولی تھے۔[2]

کرامات اور احادیثِ مبارکہ

اس سلسلے میں جو احادیث مبارکہ آئی ہیں ان میں ''جریج راہب'' کا واقعہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پنگھوڑے میں صرف تین آدمیوں نے گفتگو کی: حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام)، جریج کے زمانے میں ایک بچے نے اور ایک اور بچے نے (کلام کیا)۔

جریج کا واقعہ

((لَمْ يَتَكَلَّمْ فِي الْمَهْدِ إِلَّا ثَلَاثَةٌ: عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ، وَصَبِيٌّ فِيْ زَمَنِ جُرَيْجٍ، وَصَبِيٌّ آخَرَ. فَأَمَّا عِيسَى فَقَدْ عَرَفْتُمُوْهُ. وَأَمَّا جُرَيْجٌ فَكَانَ رَجُلًا عَابِدًا فِيْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ وَكَانَتْ لَهٗ أُمٌّ. فَكَانَ يَوْمًا يُصَلِّيْ إِذَا اشْتَاقَتْ إِلَيْهِ أُمُّهٗ. فَقَالَتْ: يَا جُرَيْجُ. فَقَالَ: يَا رَبِّ، أَلصَّلَاةُ خَيْرٌ أَمْ آتِيْهَا؟ ثُمَّ صَلّٰى. فَدَعَتْهُ، فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ. ثُمَّ صَلّٰى. فَاشْتَدَّ عَلٰى أُمِّهِ. فَقَالَتْ: أَللّٰهُمَّ لَا تُمِتْهُ حَتّٰى تُرِيَهٗ وُجُوْهَ الْمُوْمِسَاتِ. وَكَانَتْ زَانِيَةٌ فِيْ

---

[1] پارہ 16، مریم 25، ترجمہ کنزالایمان

[2] یہ امام قشیری کا قول ہے جبکہ جمہور کے نزدیک حضرت [illegible] ہیں۔ (ابوحنظلہ محمد اجمل عطاری)

بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ، فَقَالَتْ لَهُمْ: أَنَا أُفْتِنُ جُرَيْجًا حَتّٰى يَزْنِيَ، فَأَتَتْهُ، فَلَمْ تَقْدِرْ عَلٰى شَيْءٍ، وَكَانَ رَاعٍ يَأْوِي بِاللَّيْلِ إِلٰى أَصْلِ صَوْمَعَتِهٖ، فَلَمَّا أَعْيَاهَا رَاوَدَتِ الرَّاعِي عَلٰى نَفْسِهَا، فَأَتَاهَا، فَوَلَدَتْ، ثُمَّ قَالَتْ: وَلَدِيْ هٰذَا مِنْ جُرَيْجٍ. فَأَتَاهُ بَنُوْ إِسْرَائِيْلَ، وَكَسَرُوْا صَوْمَعَتَهٗ، وَشَتَمُوْهُ، ثُمَّ صَلّٰى وَدَعَا، ثُمَّ نَخَسَ الْغُلَامَ. قَالَ مُحَمَّدٌ قَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ: كَأَنِّيْ أَنْظُرُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ حِيْنَ قَالَ بِيَدِهٖ: يَا غُلَامُ مَنْ أَبُوْكَ؟ فَقَالَ: الرَّاعِيُ، فَنَدِمُوْا عَلٰى مَا كَانَ مِنْهُمْ، وَاعْتَذَرُوْا إِلَيْهِ، وَقَالُوْا: نَبْنِي صَوْمَعَتَكَ مِن ذَهَبٍ- أَوْ قَالَ: مِنْ فِضَّةٍ- فَأَبٰى عَلَيْهِمْ، وَبَنَاهَا كَمَا كَانَتْ. وَأَمَّا الصَّبِيُّ الْآخِرُ فَإِنَّ إِمْرَأَةً كَانَ مَعَهَا صَبِيٌّ لَهَا تَرْضَعُهٗ، إِذْ مَرَّ بِهَا شَابٌّ جَمِيْلُ الْوَجْهِ، ذُوْ شَارَةٍ فَقَالَتْ: أَللّٰهُمَّ اجْعَلْ إِبْنِيْ مِثْلَ هٰذَا، فَقَالَ الصَّبِيُّ: أَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنِيْ مِثْلَهٗ. قَالَ مُحَمَّدٌ: قَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ: كَأَنِّيْ أَنْظُرُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ حِيْنَ كَانَ يُحْكِيْ الْغُلَامَ وَهُوَ يَرْضِعُ ثُمَّ مَرَّتْ بِهَا أَيْضاً إِمْرَأَةٌ ذَكَرُوْا أَنَّهَا سَرِقَتْ، وَزَنَتْ، وَعُوْقِبَتْ، فَقَالَتْ: أَللّٰهُمْ لَا تَجْعَلْ إِبْنِيْ مِثْلَ هٰذَا! فَقَالَ: أَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِثْلَهَا. فَقَالَتْ لَهٗ أُمُّهٗ فِيْ ذٰلِكَ، فَقَالَ: إِنَّ الشَّابَّ جَبَّارٌ مِنَ الْجَبَابِرَةِ، وَإِنَّ هٰذِهٖ (الْمَرْأَةَ) قِيْلَ: إِنَّهَا زَنَتْ وَلَمْ تَزْنِ، وَقِيْلَ: سَرِقَتْ وَلَمْ تَسْرَقْ، وَهِيَ تَقُوْلُ: حَسْبِيَ اللّٰهِ))

''حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ لوگوں کو علم ہے اور جریج کا واقعہ اس طرح ہے کہ وہ بنی اسرائیل میں ایک عبادت گزار شخص تھا اور اس کی ایک والدہ موجود تھی۔ ایک دن وہ نماز پڑھ رہا تھا کہ اس کی والدہ کو اس کا اشتیاق ہوا۔ اس نے آواز دی اے جریج! انھوں نے کہا اے میرے رب ﷻ! کیا نماز بہتر ہے یا ماں کے پاس جانا بہتر ہے۔ پھر نماز پڑھنے لگا۔ اس نے اسی طرح آواز دی۔ جریج نے نماز جاری رکھی۔ ماں کو یہ بات ناگوار گزری۔ اس نے کہا اے اللہ ﷻ! اس کو مرنے سے پہلے زانی عورتوں کے چہرے دکھانا اور بنی اسرائیل میں ایک زانیہ عورت تھی اس نے ان لوگوں سے کہا میں جریج کو گمراہ کروں گی تاکہ وہ زنا کرے۔ وہ اس کے پاس آئی، لیکن وہ اسے گمراہ نہ کر سکی۔ اور ایک چرواہا رات کے وقت جریج کے عبادت خانہ کے پاس پناہ لیتا تھا جب وہ عورت عاجز آ گئی تو اس نے اس چرواہے کو پھسلایا، اس نے اس سے زنا کیا اور ایک بچہ پیدا ہوا۔ پھر اس نے کہا میرا یہ بچہ جریج کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے۔ بنی اسرائیل جریج کے پاس آئے اور اس کا عبادت خانہ توڑ دیا اور اسے گالی گلوچ کی۔ پھر جریج نے نماز پڑھ کر دعا مانگی اور بچے کو حرکت دی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے گویا میں رسول اکرم ﷺ کو دیکھ رہا ہوں جب آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ (جریج نے پوچھا) اے لڑکے تیرا باپ کون ہے؟ اس نے کہا فلاں چرواہا۔ پس وہ لوگ اپنے کیے پر پشیمان ہوئے اور اس سے معذرت کی اور کہنے لگے ہم تمھارے لیے سونے کا حجرہ بنا دیتے ہیں یا چاندی کا، لیکن جریج نے انکار کر دیا اور وہ حجرہ پہلے کی طرح بنایا۔"[1]

اور تیسرے بچے کا واقعہ اس طرح ہے: ایک عورت تھی جس کے ساتھ اس کا بچہ تھا جو دودھ پی رہا تھا۔ اس دوران ایک خوبصورت اور اچھی وضع قطع کا نوجوان گزرا۔ اس عورت نے کہا یا اللہ! میرے بیٹے کو اس کی طرح کرنا، بچے نے کہا یا اللہ! مجھے اس جیسا نہ بنانا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: گویا میں نبی اکرم ﷺ کو دیکھ رہا ہوں۔ جب آپ ﷺ غلام بچے کا واقعہ بیان فرما رہے تھے اور وہ دودھ پی رہا تھا، پھر اس کے پاس سے ایک عورت گزری جس کے بارے میں لوگوں میں مشہور تھا کہ اس نے چوری کی اور زنا کیا اور اس کو سزا ہوئی۔ بچے کی ماں نے کہا یا اللہ! میرے اس بیٹے کو اس جیسا نہ بنانا۔ اس بچے نے کہا یا اللہ! مجھے اس جیسا بنا دے۔

اس کی ماں نے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا وہ نوجوان ظالم اور جابر لوگوں میں سے ایک ہے اور اس عورت کے بارے میں کہا گیا کہ اس نے زنا کیا لیکن اس نے زنا نہیں کیا اور کہا گیا کہ اس نے چوری کی ہے حالانکہ اس نے چوری نہیں کی اور وہ کہتی ہے میرے لیے اللہ ہی کافی ہے۔[2]

یہ روایت صحیح احادیث کی کتاب میں ہے اور اِسی قسم کا واقعہ حدیث غار میں ہے اور وہ صحاح کی کتب میں مذکور ہے۔

حدیثِ غار

((اِنْطَلَقَ ثَلَاثَةُ رَهْطٍ مِّمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، فَاَوَاهُمُ الْمَبِيْتَ اِلٰى غَارٍ فَدَخَلُوْهُ، فَانْحَدَرَتْ صَخْرَةٌ مِنَ الْجَبَلِ، فَسَدَّتْ عَلَيْهِمُ الْغَارَ. فَقَالُوْا: اِنَّهٗ وَاللّٰهِ لَا يُنْجِيْكُمْ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، رقم الحدیث: 3436 (روایت بالمعنٰی)، مسند امام احمد بن حنبل، رقم الحدیث: 8071.

[2] ہر مسلمان کا یہی عقیدہ ہے کہ اس کے لیے اللہ ﷻ ہی کافی ہے لیکن ہمارے ہاں کچھ بدعقیدہ لوگ رسول اکرم ﷺ اور اولیاء کی عظمت کے انکار کی بنیاد پر یہ کلمہ کہتے ہیں یعنی ان کا مقصد اللہ ﷻ کے رسول ﷺ سے مدد مانگنے اور آپ کے مدد کرنے کو غلط قرار دینا ہوتا ہے۔ گویا محبت علی نہیں بغض معاویہ ہے حالانکہ قرآن میں واضح فرمایا: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَا آتَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ﴾ "اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ اور رسول ﷺ نے ان کو دیا۔ اور کہتے ہمیں اللہ کافی ہے اب دیتا ہے۔ ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اللہ کا رسول۔" (پارہ 10، التوبہ: 59) ۱۲ ہزاروی

مِنْ هٰذِهِ الصَّخْرَةِ إِلَّا أَنْ تَدْعُوا اللّٰهَ تَعَالىٰ بِصَالِحِ أَعْمَالِكُمْ، فَقَالَ رَجُلٌ مِّنْهُمْ: أَللّٰهُمَّ كَانَ لِيْ أَبَوَانِ شَيْخَانِ كَبِيْرَانِ، وَكُنْتُ لَآ أَغْبِقُ قَبْلَهُمَا أَهْلًا وَّلَا مَالًا، فَعَاقَنِى طَلَبُ الشَّجْرِ يَوْمًا، فَلَمْ أُرِحْ عَلَيْهِمَا حَتّٰى نَامَا، فَحَلَبْتُ لَهُمَا غَبُوْقَهُمَا، فَجِئْتُهُمَا بِهٖ فَوَجَدْتُّهُمَا نَائِمَيْنِ فَتَحَرَّجْتُ أَنْ أُوْقِظَهُمَا، وَكَرِهْتُ أَنْ أَغْبِقَ قَبْلَهُمَا أَهْلًا وَّلَا مَالًا، فَقُمْتُ وَالْقَدَحُ عَلىٰ يَدَيَّ أَنْتَظِرُ إِسْتِيْقَاظَهُمَا حَتّٰى بَرَقَ الْفَجْرُ، فَاسْتَيْقَظَا، فَشَرِبَا غَبُوْقَهُمَا، أَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتُ فَعَلْتُ ذٰلِكَ إِبْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرِجْ عَنَّا مَا نَحْنُ فِيْهِ فَانْفَرَجَتْ إِنْفِرَاجًا لَّا يَسْتَطِيْعُوْنَ الْخُرُوْجَ مِنْهُ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: وَقَالَ الْاٰخِرُ: أَللّٰهُمَّ إِنَّهٗ كَانَتْ لِيْ بِنْتُ عَمٍّ، وَكَانَتْ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَيَّ، فَرَاوَدْتُّهَا عَنْ نَّفْسِهَا، فَامْتَنَعَتْ، حَتّٰى أَلَمَّتْ بِهَا سَنَةٌ مِّنَ السِّنِيْنَ، فَجَآءَتْنِيْ فَأَعْطَيْتُهَا عِشْرِيْنَ وَمِائَةَ دِيْنَارٍ عَلٰٓى أَنْ تُخَلِّيَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ نَفْسِهَا، فَفَعَلَتْ حَتّٰى إِذَا قَدَرْتُ عَلَيْهَا، قَالَتْ: لَا يَحِلُّ لَكَ أَنْ تَفُضَّ الْخَاتَمَ إِلَّا بِحَقِّهٖ! فَتَحَرَّجْتُ مِنَ الْوُقُوْعِ عَلَيْهَا. فَانْصَرَفْتُ عَنْهَا وَهِيَ أَحَبُّ النَّاسِ إِلَيَّ. وَتَرَكْتُ الذَّهَبَ الَّذِيْ أَعْطَيْتُهَا: أَللّٰهُمَّ، إِنْ كُنْتُ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ عَنَّا مَا نَحْنُ فِيْهِ، فَانْفَرَجَتِ الصَّخْرَةُ غَيْرَ أَنَّهُمْ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ الْخُرُوْجَ مِنْهَا، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ الثَّالِثُ: أَللّٰهُمَّ إِنِّي اسْتَأْجَرْتُ أَجْرَاءَ فَأَعْطَيْتُهُمْ أُجُوْرَهُمْ، غَيْرَ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْهُمْ تَرَكَ الَّذِيْ لَهٗ وَذَهَبَ، فَثَمَّرْتُ أَجْرَهٗ، فَجَآءَنِيْ بَعْدَ حِيْنَ فَقَالَ: يَا عَبْدَاللّٰهِ أَدِّ إِلَيَّ أَجْرَتِيْ، فَقُلْتُ لَهٗ كُلَّ مَا تَرٰى مِنْ أُجْرَتِكَ مِنَ الْإِبِلِ وَالْغَنَمِ وَالْبَقَرِ وَالرَّقِيْقِ، فَقَالَ: يَا عَبْدَ اللّٰهِ لَا تَسْتَهْزِئُ بِيْ! فَقُلْتُ: إِنِّيْ لَا أَسْتَهْزِئُ بِكَ، فَأَخَذَ ذٰلِكَ كُلَّهٗ فَاسْتَاقَهٗ، وَلَمْ يَتْرُكْ مِنْهُ شَيْئًا. أَللّٰهُمَّ فَإِنْ كُنْتُ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ عَنَّا مَا نَحْنُ فِيْهِ. فَانْفَرَجَتِ الصَّخْرَةُ، فَخَرَجُوْا مِنَ الْغَارِ يَمْشُوْنَ))

''حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: تم سے پہلے لوگوں میں تین آدمیوں پر مشتمل ایک گروہ کو ایک غار میں رات گزارنا پڑی۔ پہاڑ سے ایک چٹان گری اور ان پر غار کا دروازہ بند ہو گیا۔ انھوں نے کہا اللہ عزوجل کی قسم! اس چٹان

سے نجات کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ اللہ ﷻ سے اپنے نیک اعمال کے وسیلہ سے دعا مانگو۔ تو ان میں سے ایک نے کہا میرے ماں باپ بوڑھے تھے اور میں ان سے پہلے اپنے اہل و عیال کو دودھ نہیں پلاتا تھا۔ ایک دن درختوں کی تلاش میں مجھے دیر ہوگئی اور میں ان تک نہ پہنچ سکا حتیٰ کہ وہ سو گئے۔ میں نے ان کے لیے دودھ دوہا اور ان کے پاس لے آیا۔ میں نے ان کو سویا ہوا پایا تو ان کو جگانا مناسب خیال نہ کیا اور ان سے پہلے گھر والوں اور بچوں کو دودھ پلانا بھی پسند نہ کیا۔ میں ان کے بیدار ہونے کے انتظار میں ہاتھ میں پیالہ لیے کھڑا رہا حتیٰ کہ صبح طلوع ہوگئی۔ وہ دونوں جاگے اور انھوں نے دودھ نوش کیا۔ اے اللہ! اگر میں نے یہ کام تیری رضا کی خاطر کیا ہے تو ہم سے اس مصیبت کو دور کر دے جس میں ہم مبتلا ہیں۔ اس سے چٹان کچھ ہٹ گئی لیکن ابھی وہ نکل نہیں سکتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں: دوسرے شخص نے کہا: اے اللہ! میری چچازاد تھی اور وہ مجھے سب لوگوں سے زیادہ پسند تھی۔ میں نے اس کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی لیکن وہ نہ مانی حتیٰ کہ وہ قحط سالی میں مبتلا ہوگئی۔ وہ میرے پاس آئی پس میں نے اس کو ایک سو بیس دینار اس شرط پر دیے کہ وہ میرے ارادے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالے گی۔ پس اس نے یہ بات منظور کر لی حتیٰ کہ جب وہ میرے قابو میں آ گئی تو اس نے کہا تیرے لیے یہ بات جائز نہیں کہ تو ناحق طور پر میری مہر (کنوارہ پن) کو توڑے۔ پس میں اس کے ساتھ جماع سے باز آ گیا اور اس کو چھوڑ دیا حالانکہ وہ مجھے سب لوگوں سے زیادہ پسند تھی، اور جو سونا اس کو دیا تھا وہ بھی چھوڑ دیا۔ اے اللہ! اگر میں نے یہ عمل تیری رضا کے لیے کیا ہے تو ہمیں اس مصیبت سے نجات دے جس میں ہم مبتلا ہیں چنانچہ چٹان کچھ ہٹ گئی لیکن ابھی بھی وہ نکلنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: پھر تیسرے نے کہا: یا اللہ! میں نے کچھ مزدوروں کو مزدوری پر حاصل کیا اور ان کو ان کی مزدوری بھی دے دی البتہ ان میں سے ایک شخص اپنی مزدوری چھوڑ کر چلا گیا اور اس کی اجرت میرے پاس بڑھتی رہی۔ ایک عرصہ کے بعد وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا اے بندۂ خدا! میری اجرت مجھے دے دے۔ میں نے اس سے کہا یہ جو کچھ اونٹ، بکریاں، گائے اور غلام تو دیکھ رہا ہے یہ سب تیرے ہیں۔ اس نے کہا اے اللہ ﷻ کے بندے! مجھ سے مذاق نہ کر۔ میں نے کہا میں تجھ سے مذاق نہیں کرتا چنانچہ وہ سب کچھ لے کر چلا گیا اور کچھ بھی نہ چھوڑا۔ اے اللہ! اگر میرا یہ عمل تیری رضا جوئی کی خاطر تھا تو ہم سے اس مصیبت کو دور کر دے جس میں ہم مبتلا ہیں۔ پس چٹان اپنی جگہ سے ہٹ گئی اور وہ غار سے نکل کر چل پڑے۔ [1]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الاجارہ، باب من استأجرہ اجیراً فترك اجرہ، رقم الحدیث: 2272.

اسی سلسلے (یعنی ثبوتِ کرامات کے سلسلے) میں وہ حدیث بھی ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ گائے نے ان سے کلام کیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((بَيْنَا رَجُلٌ يَسُوْقُ بَقَرَةً قَدْ حَمَلَ عَلَيْهَا، إِلْتَفَتَتِ الْبَقَرَةُ وَقَالَتْ إِنِّيْ لَمْ أُخْلَقْ لِهٰذَا إِنَّمَا خُلِقْتُ لِلْحَرْثِ! فَقَالَ النَّاسُ: سُبْحَانَ اللّٰهِ! فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اٰمَنْتُ بِهٰذَا أَنَا وَأَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ))

''ایک شخص اپنی گائے پر بوجھ لادے ہوئے اسے لے جا رہا تھا کہ گائے پیچھے کی طرف مڑی اور کہنے لگی مجھے اس مقصد کے لیے پیدا نہیں کیا گیا، مجھے کھیتی باڑی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا سبحان اللہ! نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میں، ابوبکر اور عمر اس بات پر ایمان لائے۔''[1]

اسی سلسلے میں حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اور جو کچھ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کے واقعات کا مشاہدہ کیا اس کے بعد حضرت اویس رضی اللہ عنہ کا حضرت ھرم بن حیّان سے ملاقات کرنا اور پہلے سے کسی جان پہچان کے بغیر ان کا ایک دوسرے کو سلام کرنا، یہ تمام کام عادت کے خلاف ہیں۔ ہم نے حضرت اویس (قرنی) رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اور بعد کے بزرگوں رحمہم اللہ سے اس قدر کرامات ظاہر ہوئی ہیں جو حد شہرت کو پہنچ چکی ہیں۔ اور اس سلسلے میں بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں إِنْ شَاءَ اللّٰهُ عزوجل ہم اختصار کے ساتھ ان میں سے بعض کا ذکر کریں گے۔

درندے سے بچالیا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک سفر میں تھے کہ آپ کی ملاقات ایک جماعت سے ہوئی جو ایک درندے کے خوف سے راستے میں کھڑے تھے۔ آپ نے درندے کو ان لوگوں کے راستے سے ہٹا دیا۔ پھر فرمایا: اللہ عزوجل انسان پر ایسی چیز مسلط کر دیتا ہے جس سے وہ ڈرتا ہے اور اگر وہ اللہ کے غیر سے نہ ڈرے تو اللہ اس پر کسی چیز کو مسلط نہ کرے۔ یہ مشہور واقعہ ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو غازیوں کی جماعت میں بھیجا۔ ان لوگوں کے راستے میں سمندر حائل تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اللہ عزوجل کو اس کے اسم اعظم کے ساتھ پکارا اور پانی پر چل پڑے۔

حضرت عبّاد بن بشیر اور حضرت اُسید بن حُضیر رضی اللہ عنہما، رسول اکرم ﷺ کے پاس سے نکلے تو ان کے لیے ان میں

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل الصحابه، باب قول النبی ﷺ: ((لو کنت متخذًا خلیلا)) رقم الحدیث: 3663.

سے ایک کے عصا کے کنارے سے چراغ کی طرح روشنی نکلنے لگی۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت سلمان (فارسی) اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہما کے سامنے ایک پیالہ تھا، اس نے تسبیح کہی جسے ان دونوں نے سنا۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كَمْ مِنْ أَشْعَثَ أَغْبَرَ ذِي طِمْرَيْنِ لَا يُؤْبَهُ لَهُ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ))

"کتنے ہی لوگ ہیں جن کے بال پراگندہ، چہرہ خاک آلود اور چیتھڑے پہنے ہوئے جن کو لوگ کسی شمار میں نہیں لاتے اگر وہ اللہ عزوجل پر قسم کھائیں تو اللہ عزوجل ان کی قسم کو پورا کرتا ہے۔"[1]

اور جب وہ اللہ عزوجل پر قسم کھاتے ہیں تو اس میں امتیاز نہیں کرتے کہ کس بات کے حوالے سے قسم کھائیں اور کس کے لیے نہ کھائیں۔

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص صدق دل اور اخلاص کے ساتھ دنیا میں چالیس (40) دن زُہد (دنیا سے بے رغبتی) اختیار کرے اس کے لیے کرامات ظاہر ہو جاتی ہیں۔ اور جس کے لیے کرامت ظاہر نہیں ہوتی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے زُہد میں سچا نہیں ہے۔

حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ اس کی کرامات کس طرح ظاہر ہوتی ہیں؟ فرمایا: (يَأْخُذُ مَا يَشَآءُ كَمَا يَشَآءُ مِنْ حَيْثُ يَشَآءُ) "وہ جو چاہے، جیسے چاہے، جہاں چاہے، لے سکتا ہے۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((بَيْنَا رَجُلٌ ذَكَرَ كَلِمَةً إِذَا سَمِعَ رَعْدًا فِي السَّحَابِ. فَسَمِعَ صَوْتًا فِي السَّحَابِ: أَنْ إِسْقِ حَدِيقَةَ فُلَانٍ، فَجَآءَ ذٰلِكَ السَّحَابُ إِلٰى (سرحة) فَأَفْرَغَ مَآءَهُ فِيهَا، فَأَتْبَعَ السَّحَابَ. فَإِذَا رَجُلٌ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي حَدِيقَةٍ. فَقَالَ مَا أَسْمُكَ؟ فَقَالَ فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ بِإِسْمِهِ. قَالَ: فَمَا تَصْنَعُ بِحَدِيقَتِكَ هٰذِهِ إِذْ صَرَمْتَهَا؟ قَالَ: وَلِمَ تَسْأَلُ عَنْ ذٰلِكَ؟ قَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ صَوْتًا فِي السَّحَابِ أَنْ إِسْقِ حَدِيقَةَ فُلَانٍ. قَالَ: أَمَّا إِذْ قُلْتَ فَإِنِّي أَجْعَلُهَا أَثْلَاثًا. فَأَجْعَلُ لِنَفْسِي وَلِأَهْلِي ثُلُثًا وَأَرُدُّ عَلَيْهَا ثُلُثًا. وَاجْعَلُ لِلْمَسَاكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيلِ ثُلُثًا))

"ایک دفعہ کسی شخص نے ایک بات کہی تو اسے بادلوں کی گرج سنائی دی تو اس نے بادل میں سے آواز سنی کہ

---

[1] جامع ترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب البراء بن مالک رضی اللہ عنہ، رقم الحدیث: 3854.

فلاں کے باغ کو سیراب کر دو پس وہ بادل اس باغ کی طرف آیا اور اس میں اپنا پانی ڈال دیا (برس گیا)۔ وہ شخص بادل کے پیچھے پیچھے گیا تو دیکھا کہ ایک شخص باغ میں کھڑا نماز پڑھ رہا ہے۔ اس نے پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا فلاں بن فلاں یعنی اپنا نام بتایا۔ پوچھا تم اپنے اس باغ کا پھل توڑنے کے بعد کیا کرتے ہو؟ اس نے کہا: تم یہ بات کیوں پوچھتے ہو؟ اس نے کہا میں نے بادلوں میں سے آواز سنی کہ فلاں شخص کے باغ کو سیراب کرو۔ اس نے کہا اب جب کہ تم نے یہ بات بتائی ہے تو میں اس (پھل) کو تین حصوں میں تقسیم کرتا ہوں۔ ایک تہائی اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے رکھتا ہوں، ایک تہائی اس باغ پر لگا دیتا ہوں اور ایک تہائی مساکین اور مسافروں پر خرچ کرتا ہوں۔ [1]

حضرت ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم تستر (شہر) میں داخل ہوئے تو ہم نے حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے محلے میں ایک گھر دیکھا جس کو لوگ ''بَيْتُ السَّبَاعِ'' (درندوں کا گھر) کہتے ہیں۔ ہم نے اس کے بارے میں لوگوں سے پوچھا تو انھوں نے کہا درندے حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ کی طرف آتے تھے اور آپ ان کو اس گھر میں داخل کر کے ان کی مہمان نوازی کرتے اور ان کو گوشت کھلاتے پھر ان کو چھوڑ دیتے۔ حضرت ابونصر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے تُستر کے رہنے والے تمام لوگوں کو اس پر متفق پایا وہ ان پر اعتراض نہیں کرتے تھے حالانکہ وہ بہت بڑی تعداد میں تھے۔

کھانا اٹھا کر پیچھے آ گئے

حضرت حمزہ بن عبداللہ علوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں حضرت ابوالخیر تیناتی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا اور میرے دل میں یہ بات تھی کہ میں ان کو سلام کر کے نکل آؤں گا اور ان کے پاس کھانا نہیں کھاؤں گا۔ جب میں ان کے پاس سے نکل کر کچھ دور گیا تو دیکھا وہ میرے پیچھے ہیں اور انھوں نے کھانے کا ایک تھال اُٹھا رکھا ہے۔ انھوں نے فرمایا: اے نوجوان! اسے کھاؤ تم اپنا عہد وپیمان پورا کر چکے ہو۔ حضرت ابوالخیر تیناتی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات مشہور تھیں۔

ہم دلوں کو درست کیے ہوئے ہیں

حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے وہ فرماتے ہیں: ان (حضرت تیناتی رحمۃ اللہ علیہ) کے پاس سلام کے لیے گیا، انھوں نے مغرب کی نماز ادا کی لیکن سورۃ فاتحہ بھی صحیح طور پر ادا نہ کر سکے۔ میں نے دل میں کہا میرا سفر ضائع ہو گیا۔ جب میں نے سلام پھیرا تو قضائے حاجت کے لیے نکل گیا۔ اس دوران ایک شیر میرے پیچھے لگا، میں واپس ان کے پاس آیا اور کہا شیر میرے درپے ہے۔ وہ باہر نکلے اور شیر کو آواز دی اور فرمایا:

[1] صحيح مسلم، كتاب الزهد، رقم الحديث: 45. کچھ الفاظ کے فرق کے ساتھ

کیا میں نے تمھیں نہیں کہا تھا کہ میرے مہمانوں کو نہ چھیڑا کرو۔ چنانچہ وہ دور ہو گیا اور میں نے طہارت حاصل کی۔

جب میں واپس آیا تو انھوں نے فرمایا: تم لوگ اپنے ظاہر کو درست کرنے میں لگے ہوئے ہو اس لیے شیر سے ڈر رہے ہو اور ہم اپنے دل کو درست کرنے میں لگے ہوئے ہیں اس لیے شیر ہم سے ڈرتا ہے۔

گم شدہ چیز مل جانے کی دعا

کہا گیا ہے کہ حضرت جعفر خلدی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک نگینہ تھا۔ ایک دن وہ نگینہ ''دجلہ'' میں گر گیا اور ان کو ایک دعا یاد تھی جو گمشدہ چیز کے لوٹانے میں ان کے تجربہ میں تھی۔ انھوں نے وہ دعا مانگی تو ان کو اوراق تلاش کرتے کرتے نگینہ مل گیا۔

حضرت ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ دعا یہ ہے:

(يَا جَامِعَ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّارَيْبَ فِيْهِ أَجْمِعْ عَلَيَّ ضَآلَّتِيْ)

''اے اس دن لوگوں کو جمع کرنے والے جس دن میں کوئی شک نہیں میری گمشدہ چیز میری طرف لوٹا دے۔''

حضرت ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت ابوطیب مکی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے ایک ''رسالہ'' دکھایا جس میں ان لوگوں کا ذکر تھا جن لوگوں نے گمشدہ چیز کے حصول کے لیے اس دعا کو پڑھا اور اس چیز کو پا لیا اور یہ رسالہ کئی اوراق پر مشتمل تھا۔

میں ہوا میں سے چیز لے لیتا

میں نے حضرت احمد طابرانی سرخسی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھتے ہوئے کہا کہ کیا آپ کے لیے کوئی کرامت ظاہر ہوئی ہے؟
انھوں نے فرمایا: جب میں مرید ہوا اور میرا ابتدائی زمانہ تھا تو بعض اوقات میں استنجا کے لیے پتھر تلاش کرتا لیکن نہ پاتا۔ تو میں ہوا میں سے کوئی چیز پکڑتا تو وہ ٹھوس بن جاتی پس میں اس کے ساتھ استنجا کر کے اس کو پھینک دیتا۔ پھر فرمایا:
کرامات میں کون سی بزرگی پائی جاتی ہے؟ اس سے توحید میں زیادہ یقین مقصود ہوتا ہے پس جو شخص اس کائنات میں اللہ عزوجل کے سوا کسی کو موجد نہیں مانتا اس کے لیے برابر ہے، عادت کے مطابق فعل کو دیکھے یا عادت کے خلاف عمل کو دیکھے۔

تمام زمین سونے کی

حضرت ابوالحسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عبادان (بصرہ کی ایک بستی) میں ایک سیاہ رنگ کا فقیر رہتا تھا جس کا ٹھکانہ ایک ویرانے میں تھا۔ میں اس کے لیے کچھ لے کر اس کی تلاش میں نکلا، جب اس نے مجھے دیکھا تو وہ مسکرایا اور اپنے ہاتھ سے زمین کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے دیکھا تو تمام زمین سونے کے ساتھ چمک رہی ہے پھر کہا لاؤ تمھارے پاس کیا ہے۔ میں نے وہ چیز اسے دے دی اور میں ڈر کے مارے بھاگ گیا۔

معافی کب ہوتی ہے؟

حضرت احمد بن عطاء روذباری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: میں پاکیزہ رہنے میں مبالغہ سے کام لیتا تھا۔ ایک رات زیادہ پانی بہانے کی وجہ سے میرے دل میں تنگی پیدا ہوئی اور میرے دل کو اطمینان حاصل نہ ہوا۔ میں نے کہا اے میرے رب عزوجل! مجھے معاف فرما دے۔ اس پر میں نے غیب سے کسی آواز دینے والے سے سنا کہ (اَلْعَفْوُفِی الْعِلْمِ) معافی تو علم کی صورت میں ہوتی ہے (یعنی جان بوجھ کر غلط کام کرے) پس میری بے چینی زائل ہوگئی۔

حضرت منصور مغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس کے بعد میں نے ایک دن ان کو صحرا میں زمین پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ وہاں بکریوں کے نشان تھے اور آپ مصلّٰی کے بغیر بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے فرمایا: اس میں فقہاء کا اختلاف ہے (گویا اب ان کو علم دے دیا گیا تھا پہلے ان کے پاس علم نہ تھا)۔

دراز گوش کا کلام

حضرت ابوسلیمان خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں ایک دن دراز گوش پر سوار تھا اور مکھیاں اسے تنگ کر رہی تھیں۔ وہ سر کو جھکاتا تو میں اسے اس لکڑی کے ساتھ مارتا جو میرے ہاتھ میں تھی۔ دراز گوش نے سر اُٹھایا اور کہا مارو، تم اپنے ہی سر پر مار رہے ہو۔

حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے ابوسلیمان رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ یہ واقعہ آپ کے ساتھ پیش آیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں جس طرح تم مجھ سے سن رہے ہو۔

مجھے کرامت میں شک تھا

حضرت ابوالحسین نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے مجھے ان کرامات کے بارے میں کچھ شبہ تھا پس میں نے بچوں سے ایک

بانسری لی اور دو کشتیوں کے درمیان کھڑا ہو گیا۔ پھر میں نے کہا تیری عزت و جلال کی قسم! اگر میرے لیے تین رطل (ڈیڑھ کلو) کی مچھلی نہ نکلی تو میں اپنے آپ کو ڈبو دوں گا۔ فرماتے ہیں: ایک مچھلی نکلی جس کا وزن تین رطل (ڈیڑھ کلو) تھا۔

یہ خبر حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچی تو انھوں نے فرمایا: چاہیے تو یہ تھا کہ ایک سانپ نکلتا اور اس کو ڈس دیتا (مطلب یہ کہ انھوں نے معمولی مطالبہ کیا)۔

اللہ عزوجل کے لیے میرے بال مونڈ دو

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ حضرت ابو جعفر حداد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں مکہ مکرمہ میں تھا، میرے بال لمبے ہو گئے اور میرے پاس لوہے کا ایک ٹکڑا نہ تھا جس سے میں اپنے بال کاٹتا (یعنی قینچی نہ تھی) میں حجام کے پاس گیا اور میں اسے نیک خیال کرتا تھا، میں نے کہا اللہ عزوجل کے لیے میرے بال کاٹ دو۔ اس نے کہا ٹھیک ہے اور یہ اعزاز کی بات ہے۔ اور اس کے سامنے دنیا داروں میں سے ایک شخص تھا۔ اس نے اسے ہٹا کر مجھے بٹھا لیا اور میرا سر مونڈ دیا پھر اس نے مجھے ایک کاغذ دیا جس میں کچھ درہم تھے اور مجھ سے کہا اس سے اپنی ضرورتیں پوری کرو۔ میں نے وہ درہم لے لیے اور ارادہ کر لیا کہ اب جو رقم مجھے ملے گی سب سے پہلے میں اسے دوں گا۔

فرماتے ہیں: میں مسجد میں داخل ہوا تو میرا ایک دوست مجھے ملا اور مجھ سے کہنے لگا یہ تھیلی تمھارے کسی دوست نے دی ہے جو بصرہ سے تمھارے ایک بھائی نے بھیجی ہے، اس میں تین سو دینار ہیں۔ میں نے وہ تھیلی لی اور اسے حجام کے پاس لے گیا اور میں نے کہا یہ تین سو دینار ہیں، ان کو اپنی ضرورتوں پر خرچ کرو۔ اس نے کہا اے شیخ! تجھے شرم نہیں آتی تو مجھ سے کہتا ہے کہ اللہ عزوجل کے لیے میرے بال مونڈ دو پھر میں اس کی اجرت لوں گا، جاؤ اللہ عزوجل تمھیں معاف کرے۔

دو بوتلوں میں کیا تھا؟

حضرت ابن سالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب حضرت اسحاق بن احمد رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ ان کے عبادت خانہ میں داخل ہوئے تو وہاں ایک ٹوکرا پایا جس میں دو بوتلیں تھیں۔ ان میں سے ایک میں سرخ رنگ کی کوئی چیز تھی اور دوسری میں کوئی سفید چیز تھی اور وہاں انھوں نے ایک ٹکڑا سونے کا اور ایک ٹکڑا چاندی کا پایا۔

حضرت ابن سالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: انھوں نے وہ دونوں ٹکڑے دریائے دجلہ میں پھینک دیے اور جو کچھ ان دونوں بوتلوں میں تھا اس میں مٹی ملا دی۔ اور حضرت اسحاق رحمۃ اللہ علیہ پر قرض تھا، حضرت ابن سالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ ان بوتلوں میں کیا تھا؟

انھوں نے فرمایا: ایک میں ایسی چیز تھی کہ اگر اس میں سے ایک درہم کے برابر تانبے کی کئی مثقال پر ڈالا جاتا تو وہ

سونا بن جاتا اور دوسری میں سے ایک مثقال تانبے کی کئی مثقال پر ڈالا جاتا تو وہ چاندی بن جاتی۔ میں نے کہا اگر حضرت اسحاق رحمۃ اللہ علیہ اس سے اپنا قرض ادا کر دیتے تو کیا حرج تھا؟ انھوں نے فرمایا: اے دوست! ان کو اپنے ایمان کا ڈر تھا۔

حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ ایک رات وہ ''دجلہ'' کے کنارے پر گئے تو دیکھا کہ دونوں کنارے آپس میں ملے ہوئے ہیں۔ وہ واپس لوٹ آئے اور کہنے لگے تیری عزت کی قسم! میں کشتی کے بغیر اسے عبور نہیں کروں گا۔

میں آپ کی صحبت میں نہیں رہوں گا

حضرت محمد بن یوسف بناء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت ابوتراب نخشبی رحمۃ اللہ علیہ صاحبِ کرامات تھے۔ میں نے ایک سال ان کے ہمراہ سفر کیا اور ان کے ساتھ چالیس (40) افراد تھے۔ پھر ایک بار ہم فاقہ کا شکار ہو گئے تو حضرت ابوتراب رحمۃ اللہ علیہ راستے سے ہٹ گئے اور کیلوں کا ایک خوشہ لائے جسے ہم نے کھایا۔ ہمارے درمیان ایک نوجوان تھا اس نے نہ کھایا۔

حضرت ابوتراب رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے فرمایا: کھاؤ۔ اس نے کہا میں نے عہد کر لیا کہ ''معلوم'' چیزیں ترک کروں گا اور اب آپ بھی میرے معلوم ہو گئے ہیں پس اس کے بعد میں آپ کی صحبت میں نہیں رہوں گا۔ حضرت ابوتراب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''جو تمھاری مرضی وہی کرو۔''

جواہر سے بھری تھیلی

حضرت ابویزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت ابوعلی سندی رحمۃ اللہ علیہ میرے پاس آئے اور وہ ان کے استاذ تھے اور ان کے ہاتھ میں ایک تھیلی تھی۔ انھوں نے ان کو انڈیلا تو وہ جواہر تھے۔ میں نے پوچھا یہ آپ کو کہاں سے ملے؟ انھوں نے فرمایا: میں یہاں ایک وادی میں گیا تو یہ تھیلی چراغ کی طرح روشن تھی پس میں نے اس کو اٹھالیا۔ فرماتے ہیں:

میں نے پوچھا جب آپ وادی میں گئے تو آپ کے وقت [1] کی کیا کیفیت تھی؟

انھوں نے بتایا کہ وہ وقت اس حالت سے خالی تھا جس میں میں (پہلے سے) تھا۔

یہ بزرگی کی دلیل نہیں

حضرت ابویزید رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ فلاں شخص رات کے وقت مکہ مکرمہ کی طرف پیدل جاتا ہے۔ انھوں نے فرمایا:

[1] وقت صوفیاء کی ایک حالت کا نام ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ تفصیل متعلقہ باب میں دیکھیں۔ ۱۲ ہزاروی

شیطان اللہ عزوجل کی لعنت میں ایک ساعت میں مشرق سے مغرب کی طرف جاتا ہے۔[1] ان سے کہا گیا کہ فلاں شخص پانی پر چلتا اور ہوا میں اڑتا ہے۔ انھوں نے فرمایا: پرندہ ہوا میں اڑتا اور مچھلی پانی کی سطح پر چلتی ہے۔

حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (أَكْبَرُ الْكَرَامَاتِ أَنْ تُبَدِّلَ خُلُقًا مَّذْمُوْمًا مِّنْ أَخْلَاقِكَ) ''سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ تم اپنے برے اخلاق میں سے کسی خلق (عادت) کو (اچھی عادت میں) بدل دو۔''

پانی سونے، چاندی کی طرح ہوتا

حضرت ابن سالم رحمۃ اللہ علیہ کے والد فرماتے تھے: ایک شخص جس کو ''عبدالرحمٰن بن احمد'' کہا جاتا تھا اور وہ حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہتا تھا، ایک دن ان سے کہنے لگا کہ بعض اوقات میں نماز کے لیے وضو کرتا ہوں تو پانی میرے سامنے سونے اور چاندی کی شاخیں بن کر بہنے لگتا ہے۔ حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ بچے جب روتے ہیں تو ان کو جھنجھنا دیا جاتا ہے تا کہ وہ اس میں مشغول رہیں۔

چڑیا ہاتھ پر نہ بیٹھی

حضرت سری (سقطی) رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک چڑیا ہر دن آتی تو میں اس کے لیے روٹی کے ریزے بناتا، وہ میرے ہاتھوں سے کھاتی۔ ایک دن وہ اتری اور میرے ہاتھ پر نہ آئی۔ میں نے دل میں سوچا کہ اس کا سبب کیا ہے تو مجھے یاد آیا کہ میں نے نمک، مرچ وغیرہ مسالوں کے ساتھ کھایا ہے۔ میں نے دل میں کہا کہ آئندہ نہیں کھاؤں گا اور میں اس سے توبہ کرتا ہوں پس وہ چڑیا آکر میرے ہاتھ پر بیٹھ گئی اور روٹی کے ٹکڑے کھانے لگی۔

لکڑی لمبی ہوگئی

حضرت ابوعمرو انماطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں جنگل میں اپنے استاذ کے ہمراہ تھا تو ہم پر بارش ہوگئی۔ ہم پناہ لینے کے لیے مسجد میں داخل ہوئے اور چھت سے پانی ٹپکتا تھا۔ ہم ایک لکڑی لے کر چھت پر چڑھ گئے تا کہ اسے ٹھیک کریں لیکن وہ چھوٹی ہونے کی وجہ سے دیوار تک نہ جاتی تھی۔ میرے استاذ نے کہا اسے کھینچو۔ میں نے اس کو کھینچا اور یہاں سے وہاں تک دیوار پر چڑھ گیا۔ حضرت ابوبکر دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں بنی اسرائیل کے جنگل سے گزر رہا تھا تو میرے دل میں خیال آیا کہ علمِ حقیقت، علمِ شریعت کے خلاف ہے چنانچہ درخت کے نیچے سے غیبی آواز آئی: (كُلُّ

[1] ان کا مطلب یہ تھا کہ رات کے وقت پیدل مکہ مکرمہ جانا ولایت کی دلیل نہیں، شیطان ایک آن میں کہاں سے کہاں چلا جاتا ہے۔ اصل ولایت دین پر استقامت ہے۔ ۱۲ ہزاروی

حَقِیْقَةٍ لَّا تَتْبَعُهَا الشَّرِیْعَةُ فَهِیَ کُفْرٌ) ''ہر وہ حقیقت جس کی تائید شریعت سے نہ ہو وہ کفر ہے۔''[1]

میرا ہاتھ سکڑ گیا

ایک درویش کہتے ہیں میں حضرت خیر نساج رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھا کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا میں نے کل آپ کو دیکھا کہ آپ نے دو درہم کے بدلے سُوت فروخت کیا۔ میں آپ کے پیچھے چلا حتیٰ کہ آپ کے تہبند سے کھول کر لے گیا اور اب میرا ہاتھ سکڑ گیا ہے اور وہ دونوں درہم میرے ہاتھ میں ہیں۔ یہ سن کر حضرت خیر نساج رحمۃ اللہ علیہ ہنس پڑے اور انھوں نے اپنے ہاتھ سے میرے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا اور اسے کھول دیا۔ پھر فرمایا: جاؤ اور ان دو درہموں سے اپنے اہل و عیال کے لیے کچھ خرید و اور آئندہ ایسا نہ کرنا۔

حضرت احمد بن محمد سلمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں ایک دن حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا اور ان کے سامنے سونے کا ایک تھال دیکھا جس کے گرد، نَد (خوشبو) اور عنبر (کستوری) تھی جس کو دھونی دی گئی تھی۔ انھوں نے فرمایا: تم بادشاہوں کی خوشی کے وقت ان کے پاس جاتے ہو۔ پھر انھوں نے مجھے ایک درہم دیا تو میں نے بلخ (پہنچنے) تک اس میں سے خرچ کیا۔

بارہ دن کچھ نہ کھایا

حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں اپنے ایک سفر میں تھا اور ہر تین دن کے بعد مجھے کوئی چیز مل جاتی پس میں اس کو کھا لیتا اور اس سے کچھ طاقت حاصل کر لیتا۔ ایک دفعہ تین دن گزر گئے لیکن مجھے کوئی چیز نہ ملی پس میں کمزور ہو گیا اور بیٹھ گیا۔ غیبی آواز دینے والے نے مجھے آواز دی (اور پوچھا) تجھے کونسی چیز پسند ہے سبب یا قوت؟

میں نے کہا قوت، پس میں اسی وقت اٹھا اور چل پڑا۔ میں نے بارہ دن تک کچھ نہ کھایا اور مجھے کمزوری محسوس نہ ہوئی۔

راستہ دکھا دیا

حضرت خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے میں کچھ دن جنگل میں حیران پھرتا رہا۔ ایک شخص آیا اور اس نے مجھے سلام کیا اور مجھ سے پوچھا پریشان ہو؟

میں نے کہا جی ہاں! اس نے کہا میں تجھے راستہ دکھاؤں۔ پس وہ میرے سامنے چند قدم چلا پھر میری نظروں سے غائب ہو گیا۔ میں نے دیکھا تو میں راستے پر تھا اس کے بعد نہ تو میں حیران و پریشان ہوا اور نہ ہی سفر میں مجھے بھوک اور

[1] اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو جھوٹے صوفی ہیں اور شریعت سے بھاگنے کے لیے کہتے ہیں حقیقت اور شریعت دونوں الگ الگ ہیں اور اس میں خطرہ ہوتا ہے کہ خدانخواستہ کفر تک پہنچا دے، العیاذ باللہ۔ ۱۲ ہزاروی

پیاس نے ستایا۔

اہلِ کرامت کے احوال

حضرت ابن جلاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب میرے والد کا انتقال ہوا تو وہ غسل کے تختہ پر مسکرائے پس کسی کو ان کو غسل دینے کی جرأت نہ ہوئی اور کہنے لگے یہ تو زندہ ہیں حتیٰ کہ ان کے ہم مرتبہ لوگوں میں سے ایک شخص نے آ کر ان کو غسل دیا۔

کھاتے تو کمزور ہو جاتے

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مرید حضرت منیحی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ ستر (70) دن تک کھانے سے صبر کرتے اور جب کھاتے تو کمزور ہو جاتے اور جب بھوکے رہتے تو طاقت ور ہو جاتے (روحانی غذا (عبادات) سے ان کو قوت حاصل ہوتی تھی)۔

نہ سحری میں کھاتے نہ افطاری میں

حضرت ابوعبید بسری رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ یہ تھا کہ جب ماہِ رمضان شروع ہوتا تو وہ گھر میں داخل ہو جاتے اور اپنی زوجہ سے فرماتے دروازے پر لپائی کر دو اور ہر رات کھڑکی سے ایک روٹی مجھے دے دینا۔ جب عید کا دن ہوتا تو دروازہ کھولتے اور ان کی بیوی اندر داخل ہوتی تو وہ تیس (30) روٹیاں گھر کے ایک کونے میں پڑی ہوتیں، نہ وہ کھاتے اور نہ پیتے اور نہ ہی آرام فرماتے اور نہ ہی ان سے نماز کی کوئی رکعت فوت ہوتی۔[1]

حضرت ابوالحارث اولاشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے تیس (30) سال یوں گزارے کہ میری زبان جو کچھ سنتی میرے باطن سے سنتی۔ پھر حالت بدل گئی اور میں نے تیس (30) سال اس طرح گزارے کہ میرا باطن صرف میرے رب عزوجل سے سنتا۔

حضرت علی بن سالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ آخری عمر میں اپاہج ہو گئے تھے۔ جب نماز کا وقت ہوتا تو ان کے ہاتھ اور پاؤں کھل جاتے اور جب فرض نماز سے فارغ ہوتے تو اسی طرح اپاہج ہو جاتے۔

[1] مطلب یہ کہ پانی کے گھونٹ سے سحری اور افطاری کرتے اور بطور کرامت بھوکے پیاسے روزہ رکھ لیتے۔ ۱۲ ہزاروی

ہوا میں بٹھا دیا

حضرت ابو عمران واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کشتی ٹوٹ گئی اور میں اور میری بیوی ایک تختہ پر ٹھہرے رہ گئے۔ اس حالت میں اس کے ہاں بچے کی پیدائش ہوئی۔ اس نے مجھے آواز دیتے ہوئے کہا کہ مجھے پیاس نے ہلاک کر دیا۔ میں نے کہا وہ (اللہ) ہماری حالت کو دیکھ رہا ہے، پھر میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو ہوا میں ایک شخص ہے جس کے ہاتھ میں سونے کی زنجیر ہے اور اس میں سرخ یاقوت کا ایک لوٹا ہے۔ اس نے کہا یہ لو پیو۔

وہ فرماتے ہیں: میں نے وہ لوٹا لیا اور ہم نے اُس سے پیا تو وہ کستوری سے زیادہ خوشبودار، برف سے زیادہ ٹھنڈا اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا۔ میں نے کہا: اللہ عزوجل تم پر رحم کرے تم کون ہو؟

اس نے کہا تمھارے آقا کا غلام ہوں۔

میں نے پوچھا تو اس مقام تک کیسے پہنچا؟

اس نے کہا میں نے اس کی رضا کی خاطر اپنی خواہش کو چھوڑ دیا تو اس نے مجھے ہوا میں بٹھا دیا۔

فرماتے ہیں: پھر وہ مجھ سے غائب ہو گیا اور میں نے اسے نہیں دیکھا۔

تمھارے اگلے پچھلے گناہ بخش دیے

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: میں نے کعبہ شریف کے پاس ایک نوجوان کو دیکھا جو بکثرت رکوع اور سجدہ کر رہا تھا۔ میں اس کے قریب ہوا اور کہا تم بہت زیادہ نمازیں پڑھتے ہو۔ اس نے کہا اپنے رب عزوجل سے واپس جانے کی اجازت کا منتظر ہوں۔ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا اس پر ایک رقعہ گرا جس میں لکھا تھا: (مِنَ الْعَزِیْزِ الْغَفُوْرِ اِلٰی عَبْدِی الصَّادِقِ اِنْصَرِفْ مَغْفُوْرًالَّکَ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ) ''عزیز وغفور کی طرف سے میرے سچے بندے کی طرف، لوٹ جاؤ تمھارے اگلے پچھلے گناہ بخش دیے گئے۔''

دونوں آنکھیں گر پڑیں

ایک صوفی کہتے ہیں کہ میں ''مَدِیْنَۃُ الرَّسُوْل'' میں مسجد نبوی میں ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ہم لوگ قرآنی آیات کے بارے میں ایک دوسرے کا مقابلہ کر رہے تھے اور ایک نابینا آدمی ہمارے قریب سن رہا تھا۔ وہ ہماری طرف بڑھا اور کہنے لگا مجھے تمھارا کلام سن کر اُنس پیدا ہوا، تمھیں معلوم ہونا چاہئے کہ میری ایک بچی اور بیوی تھی میں بقیع (مدینہ شریف کا قبرستان) میں جا کر لکڑیاں اکٹھی کرتا تھا۔ ایک دن میں نکلا تو میں نے ایک نوجوان کو دیکھا جس نے

سوتی قمیص پہن رکھی تھی اور اس کا جوتا اس کے ہاتھ میں تھا۔ مجھے وہم ہوا کہ یہ پاگل ہے۔ میں نے اس کے کپڑے چھیننے کا ارادہ کیا تو میں نے کہا اپنے کپڑے اتار دو۔

اس نے کہا اللہ عزوجل کی حفاظت میں چلے جاؤ۔

میں نے دوسری اور تیسری بار وہی بات کہی۔

اس نے کہا کیا اس کے بغیر چارہ نہیں؟

میں نے کہا یہ ضروری ہے۔

اس نے دور سے میری آنکھوں کی طرف اشارہ کیا تو میری دونوں آنکھیں گر پڑیں۔

میں نے اسے اللہ عزوجل کی قسم دے کر پوچھا کہ تو کون ہے؟

اس نے کہا ابراہیم خواص (رحمۃ اللہ علیہ)۔

کیا میں چور ہوں؟

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک دفعہ میں کشتی میں تھا کہ کسی کا کمبل چرا لیا گیا۔ ان حضرات نے ایک شخص پر تہمت لگائی۔ میں نے کہا اسے چھوڑو مجھے اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنے دو۔ وہ ایک نوجوان تھا جو چادر اوڑھے سویا ہوا تھا۔ حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اس سلسلے میں بات کی تو اس نے کہا آپ مجھے کہتے ہیں کہ میں نے چوری کی ہے۔ یا الٰہی! میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ جس قدر مچھلیاں ہیں سب ایک ایک جوہر لے کر آ جائیں۔

فرماتے ہیں: پس ہم نے دیکھا کہ پانی کی سطح پر مچھلیاں ہی مچھلیاں ہیں جن کے مونہوں میں جواہر ہیں پھر اس نوجوان نے دریا میں چھلانگ لگائی اور ساحل کی طرف چل دیا۔

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کے وسیلے سے کھانا

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ایک دفعہ میں جنگل میں گیا تو میں نے ایک عیسائی کو دیکھا جس نے اپنی کمر کے ساتھ زنار [1] باندھا ہوا تھا۔ اس نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اسے اپنے ساتھ رکھوں پس ہم سات (7) دن چلے تو اس نے مجھ سے کہا اے مسلمان عبادت گزار! ہمیں بھوک لگی ہے اگر تم کوئی کرامت دکھا سکتے ہو تو سامنے لاؤ۔ میں نے کہا اے میرے اللہ عزوجل! مجھے اس کافر کے سامنے شرمندہ نہ کرنا۔

[1] عیسائیوں کی علامت ہے جس طرح پٹہ یا بیلٹ باندھا جاتا ہے وہ کمر کے ساتھ باندھتے ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

پس میں نے ایک تھال دیکھا جس میں روٹی، بھنا ہوا گوشت، تازہ کھجوریں، کُرز[1] اور پانی تھا۔ ہم نے اسے کھایا، پیا اور پھر سات (7) دن تک چلتے رہے۔ پھر میں نے جلدی کی اور کہا اے نصاریٰ کے راہب! تمھارے پاس جو کچھ ہے، لاؤ اب تمھاری باری ہے۔

اس نے اپنے عصا کا سہارا لے کر دعا مانگی تو دو تھال آئے جن میں میرے تھال کے مقابلے میں دوگنا کھانا تھا۔

فرماتے ہیں: میں حیران ہوا اور میرا رنگ بدل گیا اور میں نے کھانے سے انکار کر دیا۔ اس نے مجھ سے بہت اصرار کیا لیکن میں نے قبول نہ کیا۔ اس نے کہا کھاؤ میں تمھیں دو خوشخبریاں دوں گا۔ ان میں سے ایک خوشخبری یہ ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ﷻ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ ﷻ کے رسول ہیں، اور اس نے زنّار کھول دیا۔

دوسری خوشخبری یہ کہ میں نے یوں دعا کی تھی کہ اے اللہ! اگر تیرے ہاں اس بندے کا کوئی مقام ہے تو مجھے غیب سے کچھ عطا کر دے پس غیب کا دروازہ کھل گیا۔ پس ہم نے کھایا اور چل پڑے اور حج کیا پھر ایک سال تک مکہ مکرمہ میں رہے اس کے بعد وہ فوت ہو گیا اور اسے ''بطحا'' (مقام) میں دفن کیا گیا۔

درخت نے کہا میرا پھل کھالو

حضرت محمد بن مبارک صوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں بیت المقدس کے راستے میں حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تھا، ہم قیلولہ کے وقت انار کے درخت کے نیچے اترے اور ہم نے کچھ رکعات پڑھیں تو میں نے انار کے درخت کی جڑ سے آواز سنی اے ابواسحاق! ہم سے کچھ کھا کر ہمیں اعزاز بخشو۔ پس حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے سر کو جھکا لیا۔ اس نے تین مرتبہ یہی بات کہی پھر کہا اے محمد! ان سے میری سفارش کریں کہ وہ میرا تھوڑا سا پھل کھا لیں۔ (حضرت محمد بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں):

میں نے کہا اے ابواسحاق! آپ سن رہے ہیں پس وہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے دو انار لیے، ایک خود کھایا اور دوسرا مجھے دے دیا۔ میں نے کھایا تو وہ انار کھٹا تھا اور درخت چھوٹا تھا۔ جب ہم واپسی پر وہاں سے گزرے تو وہ درخت بڑا ہو چکا تھا اور اس کے انار میٹھے تھے اور وہ سال میں دو مرتبہ پھل دیتا تھا۔ لوگ اسے ''رُمَّانَةُ الْعَابِدِيْنَ'' (عبادت گزار لوگوں کا انار) کہتے تھے اور عابد لوگ اس کے سائے میں بیٹھتے تھے۔

[1] کُرز ایک درخت ہے جس کا پھل شفتالو یا آڑو کی طرح مگر اس سے چھوٹا ہوتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

شیر پر سوار ہو گئے

حضرت جابر رحبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: رحبہ کے رہنے والے اکثر لوگ میری کرامات کا انکار کرتے تھے۔ایک دن میں شیر پر سوار ہو کر رحبہ میں داخل ہوا اور میں نے کہا وہ لوگ کہاں ہیں جو اولیاء کرام کو جھٹلاتے ہیں؟ فرماتے ہیں اس کے بعد وہ لوگ مجھ (پر اعتراض کرنے) سے رُک گئے۔

ان کو خضر علیہ السلام نے بھی نہ پہچانا

میں نے منصور مغربی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ کسی صوفی نے حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھا تو ان سے پوچھا: کیا آپ نے کسی کو اپنے آپ سے بلند مرتبہ دیکھا ہے؟

انھوں نے فرمایا: ہاں! حضرت عبدالرزاق بن ہمام رحمۃ اللہ علیہ مدینہ طیبہ میں احادیث مبارکہ بیان کرتے تھے اور لوگ ان کے گرد غور سے سنتے تھے۔ان سے کچھ فاصلے پر میں نے ایک نوجوان کو دیکھا جس نے اپنا سر اپنے گھٹنوں پر رکھا ہوا تھا۔ میں نے اس سے کہا اے فلاں! حضرت عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ بیان کر رہے ہیں تو ان سے کیوں نہیں سنتا؟

اس نے کہا یہ تو میت سے روایت کر رہے ہیں اور میں اللہ عزوجل سے غائب نہیں ہوں (راوی کے بارے میں میت کا لفظ بولا)۔ میں نے کہا اگر تیری بات درست ہے تو میں کون ہوں؟

اس نے سر اٹھایا اور کہا تم میرے بھائی حضرت ابوالعباس خضر (علیہ السلام) ہو،تو میں نے جان لیا کہ اللہ عزوجل کے کچھ ایسے بندے ہیں جن کو میں نہیں پہچانتا۔

طہارت کے لیے ہوا میں اُڑنا

کہا گیا کہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید تھا جسے ''یحییٰ'' کہا جاتا تھا۔وہ ایک بالا خانہ میں عبادت کرتا تھا جس کی کوئی سیڑھی نہیں تھی۔ جب وہ طہارت حاصل کرنا چاہتا تو بالا خانے کے دروازے پر آتا اور کہتا ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ'' اور وہ ہوا میں اُڑ جاتا گویا وہ پرندہ ہے۔ پھر وہ طہارت حاصل کرتا جب فارغ ہوتا تو کہتا ''لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ'' اور اپنے بالا خانہ کی طرف لوٹ آتا۔

بغیر پوچھے بتا دیتے

حضرت ابو محمد جعفر حذاء رحمۃ اللہ علیہ شیراز (ایران کا ایک شہر) میں فرماتے تھے: میں حضرت ابو عمر اصطخری رحمۃ اللہ علیہ سے تربیت

حاصل کرتا تھا چنانچہ جب میرے دل میں کوئی خیال آتا تو میں ''إِصْطِخَرْ'' کی طرف نکل جاتا تو بعض اوقات وہ میرے پوچھنے کے بغیر اس بات کا جواب دیتے جس کی مجھے حاجت ہوتی اور بعض اوقات میں پوچھتا تو وہ مجھے جواب دیتے۔ پھر میں مشغولیت کی وجہ سے ان کے پاس نہ جاسکا تو جب کبھی میرے دل میں کوئی خیال آتا وہ مجھے اصطخر (مقام) سے جواب دیتے اور مجھ سے مخاطب ہو کر مجھ پر وارد ہونے والی تمام کیفیت بیان کر دیتے۔

ایک صوفی کا مقام

ایک صوفی سے منقول ہے کہ ایک فقیر ایک اندھیری کوٹھڑی میں فوت ہوگیا۔ ہم نے اسے غسل دینے کا ارادہ کیا تو ہم نے چراغ ڈھونڈنے کی کوشش کی تو کھڑکی میں سے روشنی آنے لگی جس نے گھر کو روشن کر دیا پس ہم نے اس کو غسل دیا۔ جب ہم فارغ ہوئے تو روشنی چلی گئی گویا تھی ہی نہیں۔

میں تمھارے درہموں کا محتاج نہیں

حضرت آدم بن ابی ایاس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم لوگ عسقلان (شام کا ایک شہر) میں تھے اور ایک نوجوان ہمارے پاس آتا، ہمارے پاس بیٹھتا اور ہمارے ساتھ باتیں کرتا تھا۔ جب ہم فارغ ہوتے تو وہ نماز کے لیے کھڑا ہوتا اور نماز پڑھتا۔

فرماتے ہیں: ایک دن وہ ہم سے رخصت ہوا اور کہنے لگا میں ''اسکندریہ'' جانا چاہتا ہوں۔ میں بھی اس کے ساتھ نکلا اور اسے چند درہم دے دیے، اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ میں نے اصرار کیا تو اس نے اپنے چمڑے کے تھیلے میں سے ریت کی ایک مٹھی نیچے ڈالی اور سمندر کا پانی پیا اور کہنے لگا اس کو کھاؤ! میں نے دیکھا تو وہ ستو تھے جن میں بہت سی شکر تھی۔ اس نے کہا جس شخص کا اللہ عزوجل کے ساتھ یہ معاملہ ہو وہ تمھارے درہموں کا محتاج ہوگا؟ پھر اس نے یہ اشعار پڑھے:

بِحَقِّ الْهَوٰی یَا أَهْلَ وُدِّیْ تَفَهَّمُوْا
لِسَانَ وَجْدِیْ بِالْوُجُوْدِ غَرِیْبٌ
حَرَامٌ عَلٰی قَلْبٍ تَعَرَّضَ لِلْهَوٰی
یَکُوْنُ لِغَیْرِ الْحَقِّ فِیْهِ نَصِیْبٌ

* اے میرے دوستو! تمھیں عشق کا واسطہ تم اس وجود کی زبان سمجھو جو اپنے وجود کے ساتھ اجنبی ہے۔

* جو دل عشق کے پیچھے لگ جائے اس کے لیے حرام ہے کہ اس میں حق کے سوا کسی کا حصہ ہو۔
کسی دوسرے شاعر کے یہ اشعار ہیں:

لَيْسَ فِيْ الْقَلْبِ وَالْفُؤَادِ جَمِيْعًا
مَوْضِعٌ فَارِغٌ يَرَاهُ الْحَبِيْبُ
هُوَ سُؤْلِيْ وَمُنْيَتِيْ وَ سُرُوْرِيْ
وَبِهٖ مَا حَيِيْتُ عَيْشِيْ يَطِيْبُ
وَإِذَا مَا السَّقَامُ حَلَّ بِقَلْبِيْ
لَمْ أَجِدْ غَيْرَهٗ لِسُقْمِيْ طَبِيْبٌ

* دل کے اندر کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جسے محبوب (اپنے) عشق سے خالی دیکھے۔
* وہی میری خواہش، وہی میری آرزو اور وہی میرا محبوب ہے۔ اس کے سبب جب تک میں زندہ رہوں مجھے زندگی اچھی لگتی ہے۔
* اور جب میرا دل بیمار پڑ جائے تو اس کے سوا میرا معالج بھی کوئی نہیں ہے۔

یہودی کے کپڑے جل گئے

حضرت ابراہیم آجری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میرے پاس ایک یہودی آیا جو اس قرض کا مطالبہ کرنے لگا جو اس کا میرے ذمہ تھا۔ یہودی نے مجھ سے کہا اے ابراہیم! مجھے کوئی کرامت دکھاؤ، میں مسلمان ہو جاؤں گا۔

میں نے کہا تم اسلام قبول کرو گے؟

اس نے کہا ہاں کروں گا۔

میں نے کہا اپنا لباس اتار دو۔

اس نے اتارا تو میں نے اس کے کپڑوں کو اپنے کپڑوں میں لپیٹ دیا اور ان کو آگ میں ڈال دیا پھر میں خود آگ کے بھٹے میں گھس گیا اور میں نے کپڑے نکال لیے اور دوسرے دروازے سے نکل گیا۔ کیا دیکھا کہ میرے کپڑے اپنی حالت پر ہیں ان تک کوئی چیز (یعنی آگ) نہ پہنچی اور اس کے کپڑے درمیان سے جل گئے پس یہودی نے اسلام قبول کر لیا۔

کہا گیا ہے کہ حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ 8 ذوالحجہ کو بصرہ میں اور 9 ذوالحجہ کو عرفات میں دیکھے جاتے تھے۔

تین دن بعد خاوند آ گیا

حضرت احمد بن محمد بن عبداللہ فرغانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: حضرت عباس بن مہتدی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عورت سے شادی کی۔ جب اس کے پاس جانے والی رات آئی تو ان کو ندامت ہوئی اور جب انھوں نے اس کے قریب جانے کا ارادہ کیا تو ان کو اس کے پاس جانے سے ڈانٹ ڈپٹ کی گئی۔ پس وہ اس کے ساتھ ہم بستری سے رُک گئے اور باہر چلے گئے۔ تین دن کے بعد اس کا خاوند آ گیا۔

حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: درحقیقت یہی کرامت ہے کہ ان کے علم نے ان کو محفوظ رکھا۔

دنیا کو حکم دیا کہ ان کی خدمت کرو

حضرت عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو عاصم بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: جب حجاج نے آپ کو بلایا تو آپ نے کیا کیا؟ انھوں نے فرمایا: میں بالا خانے میں تھا۔ ان لوگوں نے دروازے پر دستک دی اور اندر آ گئے، مجھے کسی نے دھکا دیا تو میں نے دیکھا کہ میں مکہ مکرمہ میں ابوقبیس پہاڑ پر ہوں۔ حضرت عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے پوچھا آپ کہاں سے کھاتے تھے؟

انھوں نے فرمایا: ایک بڑھیا افطاری کے وقت دو روٹیاں لے کر اوپر آتی جو میں بصرہ میں کھاتا تھا۔

حضرت عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے اس دنیا کو حکم دیا کہ وہ حضرت ابو عاصم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کرے۔

پہاڑ حرکت کرنے لگا

کہا گیا ہے کہ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ منیٰ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر تھے تو انھوں نے فرمایا: اگر اللہ عزوجل کے ولیوں میں سے کوئی ولی اس پہاڑ کو حکم دے کہ وہ حرکت میں آ جائے تو وہ حرکت میں آ جائے گا۔ فرماتے ہیں: پس پہاڑ میں حرکت آ گئی۔

انھوں نے فرمایا، ٹھہر جا! تم سے میں نے یہ ارادہ نہیں کیا تھا۔ پس پہاڑ رُک گیا۔

کہا گیا ہے کہ حضرت عامر بن قیس رحمۃ اللہ علیہ اپنا وظیفہ لیتے اور جو بھی ان کے سامنے آتا اس کو کچھ نہ کچھ عطا کرتے۔ اور جب وہ اپنے گھر آتے تو ان کی طرف وہ درہم پھینک دیے جاتے تو وہ اتنے ہی ہوتے جس قدر وظیفہ وہ لیتے، اس میں سے کچھ بھی کم نہ ہوتا۔

ہمارا درہم دے دو

حضرت ابو عمر زجاجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا اور میں حج کے لیے جانا چاہتا تھا۔ انھوں نے مجھے ایک صحیح درہم دیا، میں نے اس کو تہبند میں باندھ دیا۔ میں جس منزل میں داخل ہوتا وہاں دوستوں کو پاتا اور مجھے درہم خرچ کرنے کی ضرورت نہ پڑی۔ جب میں نے حج کیا اور میں بغداد کی طرف واپس آیا تو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے اپنا ہاتھ آگے کیا اور فرمایا: لاؤ۔

میں نے ان کو درھم دے دیا۔

انھوں نے فرمایا: کیا حال رہا؟

میں نے کہا اللہ عزوجل کا فیصلہ نافذ ہو کر رہا۔

چارپائی چکر لگانے لگی

حضرت ابو جعفر اعور رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے فرماتے ہیں: میں حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھا تو ہمارے درمیان اس مسئلہ پر گفتگو ہوئی کہ اشیاء، اولیاء کرام کی فرماں برداری کرتی ہیں؟ حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ بات بھی اطاعت سے ہے کہ میں اس چارپائی سے کہوں کہ وہ گھر کے چاروں کونوں میں چکر لگائے۔ پھر وہ اپنی جگہ لوٹ آئے تو وہ ایسا کرے گی۔

فرماتے ہیں: پس چارپائی گھر کے چاروں کونوں میں پھری اور اپنی جگہ لوٹ آئی۔ وہاں ایک نوجوان تھا اس نے رونا شروع کر دیا اور اسی حالت میں فوت ہو گیا۔

دو ٹوکرے آنے لگے

کہا گیا کہ حضرت واصل احدب رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھا:

﴿وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ۝﴾

"اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور جو تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے۔"[1]

انھوں نے فرمایا: میرا رزق آسمان میں ہے اور میں اسے زمین میں تلاش کر رہا ہوں۔ اللہ عزوجل کی قسم! میں اسے کبھی بھی تلاش نہیں کروں گا۔ وہ ایک ویرانے میں چلے گئے اور وہاں دو دن ٹھہرے لیکن ان کے لیے کوئی چیز ظاہر نہ ہوئی۔ یہ

[1] پارہ 26، الذاریات 22، ترجمہ کنز الایمان

معاملہ ان پر گراں گزرا۔ جب تیسرا دن ہوا تو تازہ کھجوروں کا ایک ٹوکرا آ گیا۔ ان کا ایک بھائی تھا جس کی نیت ان سے بھی بہتر تھی وہ بھی ان کے ساتھ ہو گیا تو اب دو ٹوکرے ہو گئے۔ وہ مسلسل اسی حالت میں رہے حتیٰ کہ موت نے ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔ [1]

ایک صوفی کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ ایک باغ کی نگرانی کرتے تھے۔ ایک دفعہ میں ان کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ سوئے ہوئے ہیں اور ایک سانپ اپنے منہ میں نرگس کا پودا لیے ہوئے ان کو پنکھا جھل رہا ہے۔

کہا گیا ہے کہ حضرت ایوب سجستانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ سفر میں ایک جماعت تھی۔ وہ پانی کی تلاش میں تھک گئے تو حضرت ایوب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کیا تم میری زندگی میں اس بات کو پوشیدہ رکھو گے؟ انھوں نے کہا جی ہاں۔ انھوں نے دائرہ کھینچا تو پانی پھوٹ نکلا اور ہم نے پیا۔ راوی کہتے ہیں جب ہم بصرہ میں پہنچے تو حضرت حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ذکر کر دیا تو حضرت عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں اس دن ان کے ساتھ وہاں موجود تھا۔

تازہ کھجوریں گرنے لگیں

حضرت بکر بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم جنگل میں حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تھے تو ہم ببول کے درخت کے نیچے اترے۔ ہم نے کہا یہ جگہ کتنی اچھی ہوتی، اگر اس میں کھجوریں ہوتیں۔ (یہ سن کر) حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ مسکرائے اور فرمایا: کیا تم تازہ کھجوریں چاہتے ہو؟ پھر آپ نے درخت کو حرکت دی اور فرمایا: میں تجھے اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے تجھے ابتداء سے ہی درخت پیدا کیا ہم پر تازہ کھجوریں بکھیر دے۔ پھر اس کو حرکت دی تو تازہ کھجوریں گرنے لگیں پس ہم نے سیر ہو کر کھجوریں کھائیں پھر ہم سو گئے۔ جب بیدار ہوئے اور ہم نے درخت کو حرکت دی تو اس سے ہم پر کانٹے گرے (کیونکہ کھجوریں بطور کرامت لگی تھیں)۔

اللہ عزوجل کی جانب سے دو طریقے

حضرت ابوالقاسم بن مروان نہاوندی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے فرماتے ہیں: میں، حضرت ابوبکر ورّاق رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابوسعید خرّاز رحمۃ اللہ علیہ مقام ''صیدا'' کی طرف جاتے ہوئے ساحل سمندر پر چل رہے تھے۔ انھوں نے دور سے ایک شخص کو دیکھا تو فرمایا: بیٹھ جاؤ۔ یہ شخص اولیاء اللہ میں سے ایک ولی ہو سکتا ہے۔ فرماتے ہیں: تھوڑی دیر بعد ایک خوبصورت چہرے والا نوجوان آیا اس کے ہاتھ میں ٹوکری اور دوات تھی اور اس نے گدڑی پہن رکھی تھی۔

[1] اس واقعہ میں اللہ عزوجل پر توکل کا نتیجہ بتایا گیا اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ رزق حلال کی تلاش ترک کی جائے بلکہ اسباب کو اختیار کر کے اپنے رب عزوجل پر توکل کیا جائے۔ ۱۲ ہزاروی

حضرت ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی طرف تعجب کی نگاہ سے دیکھا کیونکہ اس نے ٹوکری کے ساتھ دوات اٹھا رکھی تھی۔
انھوں نے فرمایا: اے نوجوان! اللہ عزوجل کی طرف جانے کا کیا طریقہ ہے؟
اس نے کہا اے ابوسعید! مجھے اللہ عزوجل کی طرف جانے کے دو طریقے معلوم ہیں، ایک خاص طریقہ اور دوسرا عام طریقہ۔ عام طریقہ وہ ہے جس پر آپ ہیں اور آئیں آپ کو خاص طریقہ بتاؤں۔ پھر وہ پانی پر چلا اور ہماری نگاہوں سے غائب ہو گیا۔ حضرت ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ یہ واقعہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔

ستون کا آدھا سونا آدھا چاندی ہو جانا

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں (بغداد کے ایک مقبرہ) شونزیہ کی مسجد میں گیا تو وہاں میں نے فقراء کی ایک جماعت دیکھی۔ وہ لوگ آیات کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے ان میں سے ایک فقیر نے کہا میں اس شخص کو جانتا ہوں جو اس ستون سے کہے کہ تمھارا نصف سونا اور نصف چاندی ہو جائے تو وہ ہو جائے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا تو ستون کا نصف سونا اور اس کا نصف چاندی تھی (یعنی انھوں نے خود اپنی طرف اشارہ فرمایا)۔

شیر پر سامان رکھ کر پھرتا

کہا گیا ہے کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیبان راعی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حج کیا تو ایک درندہ ان دونوں کے سامنے آ گیا۔ حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیبان رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کیا آپ اس درندے کو نہیں دیکھتے؟
انھوں نے فرمایا: آپ نہ ڈریں۔ حضرت شیبان رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا کان پکڑ کر اس کو مروڑا تو اس نے (ڈر کے مارے) اپنی دُم کو حرکت دی۔ حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ کیا خواہش ہے؟
انھوں نے جواب دیا اگر شہرت کا خوف نہ ہوتا تو میں اپنا سامان اس کے سر پر رکھتا حتیٰ کہ مکہ مکرمہ پہنچ جاتا۔

دنیا خدمت کے لیے آتی

بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ نے تجارت کو چھوڑا تو ان کی ہمشیرہ اپنے سوت کی قیمت میں سے ان پر خرچ کرتی تھیں۔ ایک دن ان کی طرف سے تاخیر ہو گئی تو حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے فرمایا: آپ نے تاخیر کیوں کی؟
بہن نے جواب دیا اس لیے کہ میرا سوت فروخت نہیں ہوا، لوگ کہتے ہیں اس میں ملاوٹ ہے۔ تو حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ نے کھانا چھوڑ دیا۔ اس کے بعد ایک دن ان کی بہن ان کے پاس آئی تو ایک بڑھیا کو دیکھا کہ وہ گھر میں

جھاڑو دے رہی ہے اور ہر روز ان کے لیے دو روٹیاں لے کر آتی ہے۔ ان کی بہن چلی گئیں اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ کی شکایت کی۔ انھوں نے اس سلسلے میں حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا:

جب سے میں نے اس (ہمشیرہ) کے کھانے کو چھوڑا تو اللہ عزوجل نے میرے لیے دنیا کو مسخر کر دیا کہ وہ مجھ پر خرچ کرے اور میری خدمت کرے (گویا دنیا اس بوڑھی خاتون کی شکل میں آتی تھی)۔

کل نشان نہیں تھا آج کیسے؟

حضرت محمد بن منصور طوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں حضرت ابو محفوظ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھا تو انھوں نے میرے لیے دعا کی۔ دوسری صبح میں ان کے پاس آیا تو ان کے چہرے پر نشان تھا۔ ایک شخص نے ان سے پوچھا اے ابو محفوظ! کل ہم آپ کے پاس تھے تو اس وقت آپ کے چہرے پر یہ نشان نہیں تھا تو یہ کیا ہے؟

انھوں نے فرمایا: تم اپنا مقصد بتاؤ۔

اس شخص نے کہا: آپ کے معبود کی قسم! آپ ضرور بتائیں۔

انھوں نے فرمایا: کل میں نے یہاں نماز پڑھی اور مجھے بیت اللہ شریف کے طواف کی خواہش ہوئی تو میں مکہ مکرمہ چلا گیا اور طواف کیا پھر زمزم کی طرف گیا تا کہ اس کا پانی پیوں۔ تو میں دروازے سے پھسل گیا جس کی وجہ سے مجھے یہ چوٹ آئی جو تم دیکھ رہے ہو۔

کہا گیا ہے کہ حضرت عتبہ غلام رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما ہوئے اور کہنے لگے اے ورشان! [1] اگر تو مجھ سے زیادہ اللہ عزوجل کی اطاعت کرتا ہے تو آ اور میری ہتھیلی پر بیٹھ جا۔ پس ورشان (پرندہ) آیا اور آپ کی ہتھیلی پر بیٹھ گیا۔

جیسا کہا ویسا ہوا

حضرت ابو علی رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں ایک دن ''فرات'' پر گزرا تو مجھے تازہ مچھلی کی خواہش ہوئی پس میں نے دیکھا پانی نے ایک مچھلی میری طرف پھینک دی اور ایک شخص دوڑا ہوا آیا اور کہنے لگا میں اسے آپ کے لیے بھون دیتا ہوں۔ میں نے کہا ہاں (ٹھیک ہے) پس اس نے اس کو بھونا اور میں نے بیٹھ کر اسے کھایا۔

کہا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ اپنے رفقاء کے ساتھ تھے کہ ایک درندہ ان لوگوں کے سامنے آیا۔ ان حضرات نے کہا اے ابو اسحاق! درندہ ہمارے سامنے آیا ہے چنانچہ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور فرمایا اے شیر!

[1] ورشان ایک پرندے کا نام ہے۔ ۱۲ ہزاروی

اگر تجھے ہمارے بارے میں کسی ترش بات کا حکم دیا گیا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ واپس چلا جا۔ پس وہ شیر چلا گیا اور یہ لوگ بھی آگے گزر گئے۔

وقت وقت کی بات ہے

حضرت حامد اسود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں حضرت خواص رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ صحرا میں تھا۔ ہم نے ایک درخت کے پاس رات گزاری کہ اچانک ایک درندہ آیا۔ میں صبح تک درخت پر چڑھا رہا اور مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سوتے رہے، درندہ ان کے سر سے لے کر قدم تک سونگھتا رہا پھر وہ چلا گیا۔ جب دوسری رات ہوئی تو ہم نے بستی کی مسجد میں رات گزاری۔ ایک مچھر ان کے چہرے پر گرا اور اس نے کاٹا تو وہ رونے لگے۔ میں نے کہا یہ تعجب خیز بات ہے گذشتہ رات آپ شیر سے نہیں ڈرے اور آج رات مچھر کی وجہ سے چیخنے لگے؟

انھوں نے فرمایا: گذشتہ رات میں ایسی ''حالت'' میں تھا کہ اس میں، میں اللہ عزوجل کے ساتھ تھا اور آج رات میری حالت یہ تھی کہ میں اپنے نفس کے ساتھ تھا۔ [1]

کوئی اور آٹا نہ خریدا کرو

حضرت عطاء ازرق رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ان کی بیوی نے اپنے سوت کی قیمت سے ان کو دو درہم دیے تاکہ وہ ان کے لیے آٹا خریدیں۔ وہ اپنے گھر سے باہر نکلے تو ایک لونڈی سے ملاقات ہوئی جو رو رہی تھی۔ انھوں نے اس سے پوچھا کہ تجھے کیا ہوا؟

اس نے کہا میرے آقا نے مجھے دو درہم دیے تھے کہ میں اس کے لیے کوئی چیز خریدوں، وہ مجھ سے کہیں گر گئے ہیں تو مجھے اس بات کا خوف ہے کہ وہ مجھے مارے گا۔

حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے وہ دو، درہم اسے دے دیے اور چلے گئے اور اپنے ایک دوست کی دکان پر بیٹھ گئے جو ساگوان کی لکڑی چیر رہا تھا۔ انھوں نے اس سے واقعہ بیان کیا اور یہ بھی بتایا کہ ان کو بیوی کی بداخلاقی کا ڈر ہے۔ ان کے دوست نے ان سے کہا اس تھیلے میں لکڑی کا یہ برادہ لے جائیں تاکہ تم لوگوں کو تنور گرم کرنے میں اس کے ذریعے نفع حاصل ہو کیونکہ اس وقت میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ انھوں نے برادہ اٹھایا اور اپنے گھر کا دروازہ کھول کر تھیلا پھینک دیا اور خود دروازہ بند کر کے مسجد میں چلے گئے اور عشاء کے بعد تک وہاں ٹھہرے رہے تاکہ گھر والے سو جائیں اور

[1] صوفیاء کرام کے مختلف احوال ہوتے ہیں۔ جب وہ اپنے رب عزوجل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو انھیں کسی چیز کا احساس نہیں ہوتا اور لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کو کسی چیز کا علم نہیں۔ ۱۲ ہزاروی

خاتون ان پر زبان درازی نہ کرے۔ پھر جب انھوں نے دروازہ کھولا تو ان لوگوں کو روٹی پکاتے ہوئے دیکھا۔

فرمایا: یہ روٹی (آٹا) کہاں سے آئی ہے؟

انھوں نے کہا اس آٹے سے جو تھیلے میں تھا اور کوئی اور آٹا نہ خرید اکریں (یعنی اسی قسم کا آٹا خریدا کریں)۔

انھوں نے فرمایا: إِنْ شَاءَ اللّٰهُ! ایسا ہی کروں گا۔

درہم دو، دانت بچ جائیں گے

حضرت ابوجعفر بن برکات رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں فقراء کے پاس بیٹھا کرتا تھا تو مجھے ایک دینار ملا۔ میں نے ارادہ کیا کہ ان (فقراء) کو دے دوں پھر میں نے دل میں کہا شاید مجھے اس کی ضرورت پڑ جائے۔ پس میری داڑھ میں درد شروع ہوا تو میں نے دانت نکلوا دیا۔ پھر دوسرے میں درد ہوا تو اسے بھی نکلوا دیا تو مجھے غیب سے آواز آئی کہ اگر تم نے یہ دینار ان (فقراء) کو نہ دیا تو تمھارے منہ میں ایک دانت بھی نہیں رہے گا۔

حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ ایک بڑی کرامت ہے اس کی نسبت یہ ہے کہ اللہ عزوجل اس کو عادت کے خلاف زیادہ درہم دیتا۔

حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عامر بن عبد قیس رحمۃ اللہ علیہ شام کی طرف نکلے اور ان کے پاس مشکیزہ تھا۔ جب چاہتے اس سے وضو کے لیے پانی نکال لیتے تاکہ نماز کے لیے وضو کریں اور جب چاہتے اس سے دودھ نکال کر پی لیتے۔

میں مسلمانوں کا غم کم کرتا ہوں

حضرت عثمان بن ابی عاتکہ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ روم کی سرزمین میں جہاد کر رہے تھے تو والی نے ایک دستہ ایک مقام کی طرف بھیجا اور ایک دن مقرر کیا۔ فرماتے ہیں: وہ دن آ گیا لیکن فوجی دستہ واپس نہ آیا۔ اچانک اس وقت جب ابومسلم اپنے سامنے نیزہ گاڑے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک پرندہ نیزے کے سر پر آ گیا اور کہنے لگا بے شک دستہ صحیح سلامت ہے اور مال غنیمت حاصل کر چکا ہے اور فلاں فلاں وقت تمھارے پاس پہنچ جائے گا۔

ابومسلم رحمۃ اللہ علیہ نے پرندے سے کہا اللہ عزوجل تجھ پر رحم کرے تو کون ہے؟

اس نے کہا میں مومنین کے دلوں سے غم کو دور کرنے والا ہوں۔

ابومسلم رحمۃ اللہ علیہ نے آ کر والی کو خبر دی پھر جب اس پرندے کا بتایا ہوا دن آیا تو دستہ آ گیا جس طرح اس نے کہا تھا۔

صوفیاء کے مختلف حالات

ایک صوفی فرماتے ہیں: ہم کشتی میں تھے تو ایک بیمار شخص جو ہمارے ساتھ تھا، مر گیا۔ ہم نے اس کی تجہیز و تکفین کی اور اس کو سمندر میں ڈالنے کا ارادہ کیا تو سمندر خشک ہو گیا اور کشتی نیچے بیٹھ گئی۔ ہم اترے اور ہم نے اس کے لیے قبر کھود کر اسے دفن کر دیا۔ جب ہم فارغ ہوئے تو پانی برابر ہو گیا اور کشتی اوپر کو اٹھ گئی اور ہم چل پڑے۔

کہا گیا ہے کہ بصرہ میں لوگوں کو فاقہ کشی کی نوبت آ گئی تو حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ نے بطور ادھار کچھ کھانا خریدا اور مساکین پر تقسیم کر دیا اور اپنی تھیلی سر کے نیچے رکھ لی۔ جب وہ لوگ آ کر تقاضا کرنے لگے تو انھوں نے تھیلی کو اٹھایا۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ درہموں سے بھری ہوئی ہے پس انھوں نے اس سے ان کا قرض ادا کر دیا۔

کہا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے کشتی میں سوار ہونے کا ارادہ کیا تو ان لوگوں نے کہا ہم ایک دینار لیے بغیر سوار نہیں کریں گے۔ انھوں نے کنارے پر دو رکعتیں پڑھیں اور دعا مانگی اے اللہ! ان لوگوں نے مجھ سے اس چیز کا سوال کیا ہے جو میرے پاس نہیں ہے چنانچہ ان کے سامنے جو ریت تھی وہ دینار بن گئی۔

حضرت ابو حمزہ نصر بن فرخ رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت ابو معاویہ اسود رحمۃ اللہ علیہ کے خادم تھے، فرماتے ہیں حضرت ابو معاویہ رحمۃ اللہ علیہ کی بینائی چلی گئی۔ جب وہ قرآن مجید پڑھنا چاہتے تو قرآن پاک کھولتے پس اللہ عزوجل ان کی بینائی لوٹا دیتا۔ جب قرآن مجید بند کرتے تو بینائی چلی جاتی۔

میرا واقعہ کسی کو نہ بتانا

حضرت احمد بن ہیثم متطیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ سے کہیں میں نماز پڑھ کر آپ کے پاس آؤں گا۔ وہ فرماتے ہیں: میں نے پیغام پہنچا دیا اور انتظار کرنے لگا۔ ہم نے ظہر کی نماز پڑھی اور وہ نہ آئے پھر ہم نے نماز عصر ادا کی پھر مغرب اور پھر عشاء کی نماز پڑھی۔ میں نے دل میں کہا سبحان اللہ! حضرت بشر رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیت ایک بات کہے پھر اس پر عمل نہ کرے، ان کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں اور میں مسجد کے گھاٹ پر انتظار کرنے لگا۔

حضرت بشر رحمۃ اللہ علیہ کچھ رات گزرنے کے بعد تشریف لائے اور ان کے سر پر مصلّی تھا۔ وہ دجلہ کی طرف بڑھ کر پانی پر چلنے لگے۔ میں نے چھت سے چھلانگ لگا دی اور ان کے ہاتھ اور پاؤں چومنے لگا۔ میں نے کہا میرے لیے دعا کیجیے۔ انھوں نے میرے لیے دعا کی اور فرمایا میرا یہ واقعہ چھپائے رکھنا۔ فرماتے ہیں: میں نے ان کے وصال تک یہ واقعہ کسی کو نہیں بتایا۔

موقع شہادت ہاتھ سے نکلنے پر افسوس

حضرت قاسم جرعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے ایک شخص کو طواف کرتے ہوئے دیکھا وہ صرف یہی الفاظ کہتا تھا:

''اے میرے معبود! تو نے سب کی حاجتیں پوری کیں مگر میری حاجت پوری نہ کی۔''

میں نے کہا تمھیں کیا ہوا کہ اس دعا میں اضافہ نہیں کرتے۔

کہنے لگا میں آپ کو بتاتا ہوں۔ ہم مختلف شہروں کے سات افراد تھے پس ہم جہاد کے لیے نکلے تو رومیوں نے ہمیں قید کرلیا اور ہمیں قتل کرنے کے لیے لے گئے۔ میں نے دیکھا کہ آسمان کے سات دروازے کھلے اور ہر دروازے پر خوبصورت حور کھڑی ہے۔ ہم میں سے ایک کو آگے لے جا کر قتل کر دیا گیا۔ میں نے ان میں سے ایک حور کو دیکھا وہ زمین کی طرف اتری اس کے ہاتھ میں رومال تھا اور اس نے اس شخص کی روح کو لے لیا حتیٰ کہ ہم میں سے چھ کی گردنیں ماری گئیں۔ رومیوں میں سے ایک شخص نے مجھے مانگ لیا اسی حور نے کہا اے بدبخت! کون سی چیز تجھ سے چھوٹ گئی۔ اور (اس کے ساتھ) آسمان کے دروازے بند ہو گئے۔ تو اے بھائی میں اس پر افسوس کر رہا ہوں جو میرے ہاتھوں سے نکل گیا (یعنی شہادت)۔

حضرت قاسم جرعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میرے خیال میں یہ شخص ان سب سے افضل تھا کیونکہ اس نے وہ کچھ دیکھا جو ان (دوسروں) نے نہیں دیکھا اور ان کے فوت ہونے کے بعد اس نے اسی شوق پر عمل کیا۔

اگر اٹھاؤ گے تو تمھارا فقر سلب ہو جائے گا

حضرت ابوبکر کتانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں سال کے درمیان والے حصے میں مکہ مکرمہ کے راستے میں تھا کہ اچانک مجھے ایک ہمیانی ملی جس میں دینار چمک رہے تھے۔ میں نے ارادہ کیا کہ اسے اٹھالوں تا کہ فقراء مکہ پر تقسیم کردوں تو مجھے غیبی آواز آئی اگر تم اسے اٹھاؤ گے تو ہم تمھارا فقر سلب کرلیں گے۔

حضرت ابوتراب نخشبی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت

حضرت عباس شرقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم مکہ مکرمہ کے راستے میں حضرت ابوتراب نخشبی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ تھے۔ وہ راستے سے ایک کنارے پر ہو گئے۔ ان کے ساتھیوں میں سے ایک نے ان سے کہا میں پیاسا ہوں۔ انھوں نے اپنا پاؤں زمین پر مارا تو وہاں صاف پانی کا ایک چشمہ پھوٹ نکلا۔

نوجوان نے کہا میں اس کو پیالے میں پینا چاہتا ہوں۔ انھوں نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا تو اسے شیشے کا ایک سفید

پیالہ پکڑا دیا وہ بہت خوبصورت تھا۔ چنانچہ اس نے خود بھی پیا اور ہمیں بھی پلایا۔ وہ پیالہ مکہ مکرمہ تک ہمارے پاس رہا۔

ایک دن حضرت ابوتراب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا: تمھارے دوست ان کاموں کے بارے میں کیا کہتے ہیں جن کاموں کے ذریعے اللہ عزوجل اپنے بندوں کو عزت بخشتا ہے؟

میں نے کہا میں نے ان سب کو دیکھا کہ وہ ان باتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

انھوں نے فرمایا: جو شخص ان باتوں پر ایمان نہ لائے وہ کافر ہے (یعنی کرامت کا انکار کرنے والا)۔ میں نے احوال کے طریقے سے پوچھا ہے (کہ تم ان کے احوال کے بارے میں جو علم رکھتے ہو اس کے مطابق ان کا کیا خیال ہے)۔

میں نے کہا اس سلسلے میں مجھے ان کے کسی قول کا علم نہیں۔

انھوں نے فرمایا: ہاں کیوں نہیں، تمھارے دوستوں کا خیال ہے کہ یہ دھوکہ ہے حالانکہ معاملہ یوں نہیں۔ دھوکہ اس صورت میں ہے کہ آدمی اس سے سکون محسوس کرے لیکن جو شخص نہ تو اس کی آرزو کرے اور نہ ہی اس سے سکون محسوس کرے تو یہ ربانیین کا مرتبہ ہے۔

ایک بزرگ کہہ رہے ہیں اس کو نہ مارنا

حضرت ابوعبداللہ بن جلاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم بغداد شریف میں حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ کے بالاخانہ میں تھے۔ جب رات کا کچھ حصہ گزر گیا تو انھوں نے ایک صاف ستھری قمیص، شلوار، چادر اور جوتا پہنا اور باہر جانے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ میں نے کہا اس وقت کہاں جا رہے ہیں؟

انھوں نے فرمایا: میں حضرت فتح موصلی رحمۃ اللہ علیہ کی عیادت کرنا چاہتا ہوں۔ جب وہ بغداد کے راستوں میں چلنے لگے تو ان کو پہرہ داروں نے پکڑ لیا اور قید کر دیا۔ جب صبح ہوئی تو اور قیدیوں کے ساتھ ان کو بھی مارنے کا حکم ہوا۔ جب جلاد نے ان کو مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا تو اس کا ہاتھ رک گیا اور وہ اس کو حرکت نہ دے سکا۔ جلاد سے کہا گیا مارو! اس نے کہا میرے سامنے ایک بزرگ شخصیت کھڑی ہے وہ کہہ رہے ہیں اس کو نہ مارنا پس میرا ہاتھ رک گیا اور وہ حرکت نہیں کرتا۔

چھت سے درہم و دینار برسنے لگے

حضرت سعید بن یحییٰ بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قریش کے کچھ لوگ حضرت عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھا کرتے تھے۔ ایک دن وہ ان کے پاس آئے اور کہنے لگے ہمیں تنگی اور محتاجی سے ڈر لگتا ہے۔ انھوں نے اپنا سر آسمان کی طرف اُٹھا کر یوں دعا مانگی:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الْمُرْتَفِعِ الَّذِیْ تُكْرِمُ بِهٖ مَنْ شِئْتَ مِنْ اَوْلِيَآئِكَ وتُلْهِمُهُ الصَّفِيَّ مِنْ اَحْبَابِكَ اَنْ تَأْتِيَنَا بِرِزْقٍ مِّنْ لَّدُنْكَ تَقْطَعُ بِهٖ عَلَآئِقَ الشَّيْطَانِ مِنْ قُلُوْبِنَا وَقُلُوْبِ اَصْحَابِنَا هٰؤُلَاءِ فَأَنْتَ الْحَنَّانُ الْمَنَّانُ الْقَدِيْمُ الْاِحْسَانُ اَللّٰهُمَّ السَّاعَةَ، السَّاعَةَ."

"اے اللہ! میں تجھ سے تیرے اس بلند نام کے طفیل سوال کرتا ہوں جس کے ساتھ تو اپنے جس ولی کو چاہتا ہے عزت بخشتا ہے اور اپنے برگزیدہ دوستوں کے دلوں میں ڈالتا ہے تو ہمیں اپنی طرف سے ایسا رزق عطا فرما جس کے ذریعے ہمارے دلوں اور ہمارے ساتھیوں کے دلوں سے شیطانی تعلق ختم ہو جائے۔ تو بہت رحم فرمانے والا، بہت احسان کرنے والا ہے۔ تو وہ ہے جس کا احسان قدیم ہے یا اللہ! اسی وقت، اسی وقت (عطا فرما)۔"

فرماتے ہیں: اللہ عزوجل کی قسم! میں نے چھت کی کڑکڑاہٹ سنی پھر ہم پر دینار اور درہم برسنے لگے۔

حضرت عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اوروں کو چھوڑ کر اللہ عزوجل (کی مدد) کے ساتھ مال داری چاہو پس ان لوگوں نے وہ درہم و دینار اٹھائے اور حضرت عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی چیز نہ لی۔

حضرت کتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے ایک صوفی کو دیکھا اور وہ ایک اجنبی شخص تھا۔ میں اسے پہچانتا نہیں تھا۔ اس نے کہا اے میرے رب عزوجل! مجھے معلوم نہیں یہ لوگ یعنی طواف کرنے والے کیا کر رہے ہیں؟ اس سے کہا گیا اس رقعہ کی طرف دیکھ۔ حضرت کتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ رقعہ ہوا میں اڑا اور غائب ہو گیا۔

اللہ والوں میں چھوٹے بچے بھی ہوتے ہیں

حضرت ابو عبداللہ بن جلاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک دن میری والدہ نے میرے والد سے مچھلی کی خواہش کی۔ میرے والد بازار گئے اور میں ان کے ساتھ تھا۔ انھوں نے ایک مچھلی خریدی اور کسی اٹھانے والے (مزدور) کا انتظار کرنے لگے۔ انھوں نے ایک بچے کو دیکھا جوان کے سامنے تھا اور اس کے ساتھ ایک اور بچہ کھڑا تھا۔

اس نے کہا چچا جان! آپ کسی اٹھانے والے کو دیکھ رہے ہیں؟

میرے والد نے فرمایا: ہاں۔ پس اس نے مچھلی اٹھائی اور ہمارے ساتھ چل پڑا۔ ہم نے اذان سنی تو بچے نے کہا مؤذن نے اذان دے دی ہے اور میں وضو کر کے نماز پڑھنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ (انتظار کرنے پر) راضی ہوں تو ٹھیک ہے ورنہ مچھلی اٹھالیں اور بچہ مچھلی رکھ کر چلا گیا۔

میرے والد نے کہا ہم پر زیادہ حق ہے کہ ہم مچھلی کے بارے میں اللہ ﷻ پر بھروسہ کریں پس ہم مسجد میں داخل ہوئے اور نماز پڑھی۔ وہ بچہ آیا اور اس نے بھی نماز پڑھی۔ جب ہم باہر نکلے تو مچھلی اپنی جگہ پر موجود تھی۔ بچے نے اسے اٹھایا اور ہمارے ساتھ ہمارے گھر کی طرف چل پڑا۔

میرے والد نے یہ واقعہ میری والدہ کو سنایا تو اس نے کہا اس سے کہیں کہ وہ ہمارے پاس ٹھہرے اور ہمارے ساتھ کھائے۔ ہم نے اس سے یہ بات کہی تو اس نے کہا میرا روزہ ہے۔ ہم نے کہا شام کو ہمارے پاس آ جانا۔

اس نے کہا میں ایک مرتبہ بوجھ اٹھانے کے بعد دوبارہ بوجھ نہیں اٹھاتا البتہ میں شام تک مسجد میں ٹھہرتا ہوں پھر تم لوگوں کے پاس آؤں گا چنانچہ وہ چلا گیا۔ جب شام ہوئی تو وہ بچہ آیا اور ہم نے کھانا کھایا۔ جب فارغ ہوئے تو ہم نے اسے طہارت کی جگہ بتائی اور ہم نے دیکھا کہ تنہائی پسند ہے پس ہم نے اسے ایک کمرے میں رہنے دیا۔ جب رات کا کچھ حصہ گزر گیا تو ہماری ایک رشتہ دار لڑکی جو چلنے پھرنے کے قابل نہ تھی، وہ چل کر آئی۔

ہم نے اس سے اس کی حالت پوچھی تو اس نے کہا میں نے یوں دعا کی:

"اے میرے رب! ہمارے اس مہمان کے صدقے مجھے عافیت عطا فرما" پس میں کھڑی ہوگئی۔ وہ کہنے لگی ہم اس بچے کی تلاش میں نکلے تو دیکھا دروازے پہلے کی طرح بند تھے اور ہم نے اس بچے کو نہ پایا۔ میرے والد کہنے لگے ان (اللہ والوں) میں چھوٹے بچے بھی ہوتے ہیں اور بڑے بھی۔

کنکریاں سونا بن گئیں

حضرت سعید بن یحییٰ بصری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور وہ سائے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے ان سے کہا اگر آپ اللہ ﷻ سے سوال کریں کہ وہ آپ پر رزق کشادہ کر دے تو مجھے امید ہے کہ وہ ایسا کرے گا۔

انھوں نے فرمایا میرا رب ﷻ اپنے بندوں کی حاجات کو خوب جانتا ہے۔ پھر انھوں نے زمین سے کنکریاں اٹھائیں اور (بارگاہِ خداوندی میں) عرض کیا: "اے اللہ! اگر تو ان کنکریوں کو سونا بنانا چاہے تو ایسا کر دے۔"

فرماتے ہیں: اللہ ﷻ کی قسم! وہ اسی وقت ان کے ہاتھ میں سونا بن گئیں۔

انھوں نے اسے میری طرف پھینکا اور فرمایا: اس کو تم خرچ کرو، دنیا میں کوئی بھلائی نہیں سوائے اس کے جو آخرت کے لیے خرچ کیا جائے۔

مردے نے ہاتھ پکڑ لیا

حضرت ابو یعقوب سوسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے ایک مرید کو غسل دیا تو اس نے میرا انگوٹھا پکڑ لیا اس وقت وہ غسل کے تختہ پر تھا۔ میں نے کہا اے بیٹے! میرا ہاتھ چھوڑ دے مجھے معلوم ہے تو مردہ نہیں یہ تو ایک گھر (دنیا) سے دوسرے گھر (آخرت) کی طرف منتقل ہونا ہے پس اس نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔

حضرت ابراہیم بن شیبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک اچھے ارادے والے نوجوان نے میری صحبت اختیار کی پھر وہ مر گیا تو میرے دل میں اس کا بہت زیادہ غم ہوا چنانچہ میں نے خود اسے غسل دیا۔ جب میں نے اس کے ہاتھوں کو دھونے کا ارادہ کیا تو خوف کی وجہ سے میں نے بائیں ہاتھ سے آغاز کیا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنا دایاں ہاتھ تھما دیا۔

میں نے کہا اے بیٹے! تم سچے ہو، مجھ سے غلطی ہوئی۔

اللہ کا ہر محب زندہ ہوتا ہے

حضرت ابو یعقوب سوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک مرید میرے پاس مکہ مکرمہ میں آیا اور کہنے لگا: اے استاذ! میں کل ظہر کے وقت مر جاؤں گا۔ یہ ایک دینار لے لیں اس کے نصف سے میرے لیے قبر کھدوانا اور دوسرے نصف سے مجھے کفن پہنا دینا۔ پھر جب دوسرا دن ہوا تو وہ آیا اور اس نے بیت اللہ شریف کا طواف کیا پھر وہاں سے دور ہوا اور مر گیا۔ میں نے اس کو غسل دیا، کفن پہنایا اور قبر میں رکھ دیا۔ اس نے اپنی آنکھیں کھولیں میں نے کہا کیا موت کے بعد زندگی؟ اس نے کہا: (أَنَا حَيٌّ وَّكُلُّ مُحِبٍّ لِلّٰهِ حَيٌّ) ''میں زندہ ہوں اور اللہ عزوجل کا ہر محب زندہ ہوتا ہے۔''

ایک دن حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کے بارے میں گفتگو کی اور فرمایا: اللہ عزوجل کا واقعی ذکر کرنے والا اگر مُردوں کو زندہ کرنا چاہے تو کر دے (اس کے ساتھ ہی) انھوں نے اپنے سامنے موجود ایک بیمار پر اپنا ہاتھ پھیرا تو وہ ٹھیک ہو کر کھڑا ہو گیا۔

حضرت عمرو بن عتبہ رحمۃ اللہ علیہ نماز پڑھ رہے تھے اور ان کے سر کے اوپر بادل تھے اور درندے ان کے گرد اپنی دُمیں ہلا رہے تھے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میرے پاس چار درہم تھے، میں حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا اور کہا یہ درہم میں آپ کے پاس لے کر آیا ہوں۔

انھوں نے فرمایا: اے لڑکے! تجھے خوشخبری ہو تو کامیاب ہوا۔ میں چار درہموں کا حاجت مند تھا تو میں نے کہا: (أَللّٰهُمَّ ابْعَثْهَا عَلٰى يَدِ مَنْ يُّفْلِحُ عِنْدَكَ) ''اے اللہ! اس شخص کے ہاتھ چار درہم بھیج دے جو تیرے نزدیک

کامیاب ہے۔"

شیر کھڑا دیکھتا رہا

حضرت ابراہیم یمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم لوگ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ سمندر کے کنارے سیر کے لیے نکلے تو ہم ایک گھنے درخت کے پاس پہنچے۔ اس میں بہت سی خشک لکڑی تھی اور اس کے قریب ایک قلعہ تھا۔ ہم نے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا اگر ہم لوگ رات یہاں گزاریں اور ان لکڑیوں کو جلائیں (تو کیسا ہے)؟

انھوں نے فرمایا: ایسا کرلو۔ ہم نے قلعے میں آگ تلاش کی اور لکڑیاں جلائیں۔ ہمارے پاس روٹیاں تھیں ہم نے ان کو نکال کر کھانا شروع کیا۔ ہم میں سے ایک نے کہا یہ انگارے کتنے اچھے ہیں اگر ہمارے پاس گوشت ہوتا تو ہم اس پر اسے بھونتے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اللہ عزوجل اس بات پر قادر ہے کہ تمھیں گوشت کھلائے۔ فرماتے ہیں: ہم اسی حالت میں تھے کہ ایک شیر بارہ سنگے کو بھگاتا ہوا آیا۔ جب ہمارے پاس پہنچا تو وہ گر گیا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کھڑے ہوئے اور فرمایا: اس کو ذبح کر دو۔ اللہ عزوجل نے تمھیں یہ کھانا دیا ہے پس ہم نے اس کا کچھ گوشت بھونا اور شیر کھڑا ہمیں دیکھتا رہا۔

رُک جاؤ پانی ساتھ نہ لینا

حضرت حامد اسود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں سات (7) دن جنگل میں حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ایک ہی حالت میں رہا۔ جب ساتواں دن ہوا تو میں کمزور ہو کر بیٹھ گیا۔ انھوں نے میری طرف دیکھ کر فرمایا تمھیں کیا ہوا؟

میں نے کہا میں کمزور ہو گیا ہوں۔

فرمایا: تم پر کیا چیز غالب آئی ہے پانی یا کھانا (یعنی کس کی طلب ہے)؟

میں نے کہا! پانی۔

فرمایا: پانی تمھارے پیچھے ہے۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہاں تازہ دودھ جیسے پانی کا چشمہ تھا۔ میں نے پانی پیا اور طہارت حاصل کی۔ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ دیکھ رہے تھے اور اس کے قریب نہ گئے۔ جب میں نے اٹھنے کا ارادہ کیا تو چاہا کہ اس سے کچھ پانی ساتھ لے لوں۔ انھوں نے فرمایا: رُک جاؤ، یہ ایسا پانی نہیں جسے ہم زادِ راہ بنا سکیں۔

اب کہو گی کہ اولیاء گندے ہیں؟

حضرت ابوالحسین نوری رحمۃ اللہ علیہ کی خادمہ زیتونہ جو اُن کی خدمت کرتی تھی اور وہ حضرت ابوحمزہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کر چکی تھی، وہ بیان کرتی ہے کہ ایک ٹھنڈا دن تھا تو میں نے حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ آپ کے لیے کچھ لاؤں؟

انھوں نے فرمایا: ہاں۔

میں نے پوچھا آپ کیا چاہتے ہیں؟

انھوں نے فرمایا: روٹی اور دودھ۔ میں لے کر آئی اور حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کوئلے پڑے ہوئے تھے جن کو وہ اپنے ہاتھ سے اِدھر اُدھر کر رہے تھے اور ان کا ہاتھ شعلہ زن تھا۔ انھوں نے کھانا شروع کر دیا اور دودھ ان کے ہاتھ پر بہہ رہا تھا اور ہاتھ کوئلوں سے سیاہ ہو چکے تھے۔ میں نے اپنے دل میں کہا اے میرے رب عزوجل! تیرے یہ ولی کس قدر گندے ہیں، کیا ان میں کوئی بھی ستھرا نہیں؟

وہ کہتی ہے میں ان کے پاس سے نکل کر چلی گئی تو ایک عورت مجھ سے چمٹ گئی اور کہنے لگی میرے کپڑوں کی ایک گٹھڑی تو نے چوری کی ہے اور لوگ مجھے گھسیٹ کر پولیس کے پاس لے گئے۔ حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ کو جب خبر ہوئی تو وہ باہر نکل آئے اور پولیس والے سے کہنے لگے اس کو کچھ نہ کہو یہ تو اولیاء کرام میں سے ایک ولیہ ہے۔

پولیس والے نے کہا میں کیا کروں، وہ عورت دعویٰ کر رہی ہے۔

(اسی دوران) ایک لڑکی وہی گٹھڑی لے کر آئی اور حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ اس لونڈی کو واپس لائے اور فرمایا: کیا اس کے بعد بھی کہو گی کہ ولی کتنے گندے ہیں؟

وہ کہتی ہے میں نے کہا میں اللہ عزوجل کے ہاں توبہ کرتی ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا سلام کہنا

حضرت خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک سفر کے دوران مجھے اس قدر پیاس لگی کہ میں گر گیا تو میں نے دیکھا کہ میرے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے جا رہے ہیں۔ میں نے آنکھ کھولی تو وہاں ایک خوبصورت آدمی گھوڑے پر سوار موجود تھا۔ اس نے مجھے پانی پلایا اور کہا میرے پیچھے سوار ہو جاؤ۔ اس وقت میں حجاز میں تھا۔ تھوڑی دیر گزری تو اس نے پوچھا کیا دیکھ رہے ہو؟

میں نے کہا میں مدینہ طیبہ کو دیکھ رہا ہوں۔

اس نے کہا اترو اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں میرا سلام کہنا اور عرض کرنا کہ آپ کا بھائی خضر آپ کو سلام کہتا ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے تصدیق کر دی

حضرت مظفر جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں اور حضرت نصر خراط رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ اکٹھے تھے تو ہم نے علم کے بارے میں کچھ گفتگو کی۔ حضرت خراط رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اللہ عزوجل کا ذکر کرنے والے کو یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ اسے ابتدائے ذکر میں اس بات کا علم ہو جاتا ہے کہ اللہ عزوجل نے اس کو یاد کیا ہے تو اس کا یہ ذکر اللہ عزوجل کے یاد کرنے کی وجہ سے ہے۔
حضرت جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے اس کی مخالفت کی تو انھوں نے فرمایا: اگر حضرت خضر علیہ السلام یہاں ہوتے تو وہ میری بات کے درست ہونے کی تصدیق کرتے۔ فرماتے ہیں: کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بوڑھا شخص زمین و آسمان کے درمیان چلا آ رہا ہے حتیٰ کہ وہ ہمارے پاس پہنچا اور اس نے سلام کیا اور کہنے لگا یہ سچ کہتا ہے، اللہ عزوجل کا ذکر کرنے والا اس لیے ذکر کرتا ہے کہ اللہ عزوجل اس کا ذکر کرتا ہے۔ پس ہمیں معلوم ہو گیا کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔

ولی کو پردے میں رکھا جاتا ہے

ایک شخص حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ لوگ کہتے ہیں آپ پانی پر چلتے ہیں۔
انھوں نے فرمایا: محلے کے مؤذن سے پوچھو وہ نیک آدمی ہے جھوٹ نہیں بولتا۔ اس شخص نے اس سے پوچھا تو مؤذن نے کہا مجھے اس بات کا پتہ نہیں البتہ ان دنوں میں سے کسی دن وہ حوض میں طہارت حاصل کرنے کے لیے اترے تو پانی میں گر گئے اگر میں وہاں نہ ہوتا تو وہ وہاں ہی رہ جاتے۔
حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ اس حالت میں تھے جو بیان کی گئی لیکن اللہ سبحانہ اپنے دوستوں کو پردے میں رکھنا چاہتا ہے پس مؤذن اور حوض والے واقعہ کو حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ کی حالت کے لیے پردہ بنا دیا۔ اور حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ صاحبِ کرامات تھے۔

اسی کے قریب قریب حضرت ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابوالحسین جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر دیکھی۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے مصر جانے کا ارادہ کیا، میرے دل میں خیال آیا کہ میں کشتی میں سوار ہو جاؤں پھر مجھے خیال آیا کہ وہاں لوگ مجھے جانتے ہیں پس مجھے شہرت کا ڈر ہوا۔ پھر ایک کشتی گزری جو مجھے نظر آئی میں پانی پر چل کر کشتی تک پہنچ گیا اور اس کے اندر چلا گیا۔ لوگ دیکھ رہے تھے، کسی نے بھی نہ کہا کہ یہ عمل عادت کے خلاف ہے یا نہیں پس مجھے معلوم ہوا کہ ولی کو پردے میں رکھا جاتا ہے چاہے وہ مشہور ہی کیوں نہ ہو۔

ہم نے اپنے استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کے جن احوال کا مشاہدہ کیا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ پیشاب کی جلن میں مبتلا تھے اور انھیں ایک گھنٹے میں کئی بار پیشاب آتا تھا حتیٰ کہ وہ فرض نماز کی دو رکعتوں کے لیے کئی بار وضو کرتے تھے اور وہ کسی مجلس میں جاتے ہوئے راستے میں بوتل ساتھ رکھتے تھے اور بعض اوقات وہ راستے میں آتے جاتے کئی بار حاجت محسوس کرتے لیکن جب وہ وعظ کے لیے کرسی پر بیٹھتے تو طہارت کی ضرورت نہ پڑتی اگرچہ مجلس بہت زیادہ طویل ہو جاتی۔

ہم کئی سالوں سے ان کا یہ معاملہ دیکھ رہے تھے اور ہمیں ان کی زندگی بھر یہ خیال نہ آیا کہ یہ عمل خرق عادت (کرامت) ہے ان کی وفات کے بعد یہ بات محسوس ہوئی۔

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کرامت اسی سے ملتی جلتی ہے وہ آخری عمر میں اپاہج ہو گئے تھے مگر فرض نماز کے وقت ان کو قوت حاصل ہو جاتی پس وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے۔

اور یہ بات مشہور ہے کہ حضرت عبداللہ وزّان رحمۃ اللہ علیہ شل تھے لیکن جب محفل سماع میں ان کو وجد آتا تو وہ کھڑے ہو کر سنتے تھے۔

اللہ عزوجل کی محبت کی گرمی اور سردی

حضرت احمد بن ابی حواری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے اور حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے حج کیا، ہم چل رہے تھے کہ مجھ سے مشکیزہ گر گیا میں نے حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ مشکیزہ گم ہو گیا اور ہمارے پاس پانی نہیں۔ یہ سخت سردی کا موسم تھا، حضرت ابو سلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اے گمشدہ چیز لوٹانے والے! اے گمراہی میں ہدایت دینے والے! اس وقت ایک شخص نے آواز دی کس کا مشکیزہ گم ہوا ہے؟

فرماتے ہیں: میں نے کہا میرا مشکیزہ گم ہوا ہے پس میں نے اس سے لے لیا۔ ہم چل رہے تھے اور سخت سردی کی وجہ سے ہم نے پوستینیں پہنی ہوئی تھیں۔ اچانک ایک شخص دکھائی دیا جس نے پھٹے پرانے کپڑے پہن رکھے تھے اور اس سے پسینہ ٹپک رہا تھا۔ حضرت ابو سلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: آؤ! جو کپڑے ہم نے پہن رکھے ہیں ان میں سے کچھ تمھیں دے دیں۔

اس نے کہا اے ابو سلیمان! کیا تم مجھے زہد کا مشورہ دیتے ہو اور خود سردی محسوس کر رہے ہو، میں تیس (30) سال سے اس جنگل میں پھر رہا ہوں لیکن نہ مجھ پر کپکپاہٹ طاری ہوئی اور نہ ہی مجھ پر لرزہ طاری ہوا۔ اللہ عزوجل مجھے سردی کے موسم میں اپنی محبت کی گرمی اور گرمی کے موسم میں اپنی محبت کی ٹھنڈک عطا کرتا ہے۔ پھر وہ چلا گیا۔

شیر نے روٹی لا کر دی

حضرت خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں جنگل میں تھا، میں دوپہر کے وقت چلا حتیٰ کہ ایک درخت تک پہنچا اس کے قریب پانی تھا۔ میں اترا تو ایک بہت بڑا شیر میری طرف آیا میں نے اپنے آپ کو اپنے رب عزوجل کے سپرد کردیا، جب وہ میرے قریب آیا تو دیکھا کہ وہ لنگڑا رہا ہے۔ وہ ہنہنایا اور میرے سامنے بیٹھ گیا اور اپنا ہاتھ میری گود میں رکھ دیا۔

میں نے دیکھا تو اس کا ہاتھ (پاؤں) پھولا ہوا تھا اور اس میں پیپ اور خون تھا۔ میں نے لکڑی لے کر پیپ والی جگہ کو پھاڑ دیا اور اس کے ہاتھ پر کپڑا لپیٹ دیا اور وہ چلا گیا۔ کچھ دیر کے بعد دیکھا کہ وہ شیر آیا اور اس کے ساتھ اس کے دو بچے تھے جو میرے سامنے دُم ہلا رہے تھے اور انھوں نے مجھے روٹی لا کر دی۔

درد والی جگہ پر یہ دعا پڑھو

حضرت احمد بن ابی حواری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت محمد بن سماک رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہوگئے، ہم ان کا پیشاب لے کر طبیب کے پاس گئے اور وہ عیسائی تھا۔ وہ فرماتے ہیں: اس دوران کہ ہم حیرہ (مقام) اور کوفہ کے درمیان چل رہے تھے، ایک خوبصورت آدمی ہمارے سامنے آیا اس نے اچھی خوشبو لگائی ہوئی تھی، اس کے کپڑے صاف ستھرے تھے، اس نے پوچھا تم لوگ کہاں جا رہے ہو؟

ہم نے کہا ہم فلاں طبیب کے پاس جا رہے ہیں، اسے حضرت ابن سماک رحمۃ اللہ علیہ کا پیشاب چیک کروانا ہے۔

اس نے کہا: سبحان اللہ! اللہ عزوجل کے ولی کے لیے اللہ کے دشمن سے مدد مانگ رہے ہو، اس کو زمین پر دے مارو (یعنی اسے چھوڑ دو) اور واپس حضرت ابن سماک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو اپنا ہاتھ تکلیف والی جگہ پر رکھیں اور کہیں: ﴿وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ﴾ ''اور ہم نے قرآن کو حق ہی کے ساتھ اتارا اور حق ہی کے لیے اترا۔''[1]

پھر وہ ہم سے غائب ہوگیا اور ہم نے اسے نہ دیکھا۔ ہم حضرت ابن سماک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف واپس آئے اور ان کو واقعہ سنایا۔ انھوں نے درد والی جگہ پر ہاتھ رکھا اور وہی کلمات کہے جو اس شخص نے کہے تھے تو اسی وقت ان کو آرام آ گیا۔ انھوں نے فرمایا: وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

دو کرامتیں

حضرت عمّی بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے تو انھوں نے فرمایا: ہمارے ساتھ اُٹھو ہم اللہ عزوجل کے ولیوں میں سے ایک ولی کا استقبال کریں پس ہم ان کے ساتھ اٹھے، جب ہم

[1] پارہ 15، بنی اسرائیل 105، ترجمہ کنز الایمان

پھاٹک تک پہنچے تو دیکھا وہ حضرت ابراہیم بن شیبہ ہروی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے فرمایا: میرے دل میں خیال آیا کہ میں آپ کا استقبال کروں اور آپ کے لیے اپنے رب عزوجل کے ہاں سفارش کروں۔ حضرت ابراہیم بن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا: اگر آپ تمام مخلوق کی سفارش کریں تو بھی یہ زیادہ نہیں، یہ لوگ مٹی کے ٹکڑے ہیں۔ حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ ان کا جواب سن کر حیران رہ گئے۔

حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس شفاعت کو معمولی سمجھنے میں حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت، حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ کی اس کرامت سے زیادہ بڑی ہے کیونکہ ان کو اس وقت ''فراست'' حاصل ہوگئی تھی اور سفارش کے بارے میں ان میں سچی حالت پیدا ہوگئی تھی۔

میرے لیے یہ کافی ہے

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت سالم مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی توبہ (رُجُوْعٌ اِلَی اللّٰہِ) کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: میں مصر سے نکل کر کسی بستی کی طرف روانہ ہوا پس میں راستے میں سو گیا پھر میں بیدار ہوا اور میں نے اپنی آنکھیں کھولیں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اندھا پرندہ (قنبرہ) درخت سے گر کر زمین پر آیا اور زمین پھٹ گئی، اس میں سے دو آبخورے (پیالے) نکلے ایک سونے کا تھا اور دوسرا چاندی کا، ایک میں تل تھے اور دوسرے میں گلاب کا پانی۔ اس نے ایک میں سے کھایا اور دوسرے سے پیا۔

میں نے کہا میرے لیے یہی کافی ہے۔ میں نے توبہ کی اور اللہ عزوجل کے دروازے کو لازم پکڑ لیا حتیٰ کہ اس نے مجھے قبول کر لیا۔ [1]

بوقت نماز فالج ختم ہو جاتا

کہا گیا ہے کہ حضرت عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ کو فالج ہوگیا۔ نماز کا وقت ہوا تو ان کو وضو کی ضرورت پڑی۔ انھوں نے فرمایا: یہاں کون ہے؟ ان کو کسی نے جواب نہ دیا پس ان کو وقت کے نکل جانے کا ڈر ہوا تو کہا اے میرے رب عزوجل! میری مشکیں کھول دے تاکہ میں طہارت حاصل کرسکوں پھر جس طرح تو چاہے کرنا۔ فرماتے ہیں: وہ بالکل ٹھیک ہوگئے حتیٰ کہ وضو مکمل کیا پھر اپنے بستر کی طرف آئے اور پہلے کی طرح ہوگئے۔

[1] توبہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا اور دنیا پر اعتماد نہ کرنا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

گدھا خود ہی آجاتا

حضرت ابو ایوب حمال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت ابو عبداللہ دیلمی رحمۃ اللہ علیہ جب سفر میں کسی منزل پر اترتے تو اپنے گدھے کی طرف جاتے اور اس کے کان میں فرماتے: میں تمھیں باندھنا چاہتا تھا لیکن اب تجھے نہیں باندھوں گا اور تجھے اس صحرا میں چھوڑوں گا تاکہ تو گھاس کھائے، جب ہم جانے کا ارادہ کریں تو آجانا پس جب کوچ کرنے کا وقت ہوتا تو گدھا ان کے پاس آجاتا۔

ایک دینار کا کپڑا سو (100) دینار میں

کہا گیا ہے کہ حضرت ابو عبداللہ دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بیٹی کی شادی کی اور اسے جہیز دینے کے لیے پیسوں کی ضرورت پڑی۔ آپ کے پاس ایک کپڑا تھا جسے لے کر آپ نکلتے تو وہ ایک دینار کے بدلے فروخت ہو جاتا۔ اب وہ کپڑا لے کر نکلے تو خریداروں نے کہا اس کی قیمت ایک دینار سے زیادہ ہے پس وہ مسلسل قیمت میں اضافہ کرتے رہے حتیٰ کہ ایک سو (100) دینار تک پہنچے تو انھوں نے اپنی بیٹی کو جہیز دیا۔

اولیاء کی چند مزید کرامات

حضرت نضر بن شُمیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے ایک تہبند خریدا تو وہ چھوٹا نکلا۔ میں نے اپنے رب عزوجل سے سوال کیا کہ اسے ایک ہاتھ اور لمبا کر دے تو وہ لمبا ہو گیا۔ حضرت نضر بن شمیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر میں زیادہ لمبا کرنے کی درخواست کرتا تو وہ اور لمبا ہو جاتا۔

کہا گیا ہے کہ حضرت عامر بن عبد قیس رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں عرض کیا کہ وہ سردیوں میں ان کے لیے طہارت کو آسان کر دے پس ان کے لیے پانی لایا جاتا تو اس سے بخارات اٹھ رہے ہوتے (یعنی وہ گرم ہوتا) اور انھوں نے اپنے رب عزوجل سے سوال کیا کہ ان کے دل سے عورتوں کی خواہش کو نکال دے تو ان کو عورتوں کی پرواہ ہی نہ ہوتی اور سوال کیا ان کے دل سے شیطان کو روک دیا جائے، جب وہ نماز پڑھ رہے ہوں لیکن ان کی یہ دعا قبول نہ ہوئی۔ [1]

حضرت بشر بن حارث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں اپنے گھر میں داخل ہوا تو وہاں ایک شخص تھا۔ میں نے پوچھا تو کون ہے؟ تو میری اجازت کے بغیر میرے گھر میں داخل ہوا ہے۔ اس نے کہا میں تیرا بھائی خضر ہوں۔

میں نے کہا میرے لیے اللہ عزوجل سے دعا کیجیے، انھوں نے کہا اللہ عزوجل تمھارے لیے اپنی عبادت و اطاعت کو

[1] چونکہ ولی کو وسوسے نقصان نہیں دیتے بلکہ نماز کی طرف زیادہ توجہ کا باعث ہوتے ہیں اس لیے یہ دعا قبول نہ ہوئی۔ واللہ اعلم۔ ۱۲ ہزاروی

آسان کر دے۔

میں نے کہا مزید دعا کیجیے۔

فرمایا: اللہ عزوجل اس پر پردہ بھی ڈال دے۔

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں اپنے ایک سفر کے دوران مکہ مکرمہ کے راستے میں ایک ویرانے میں داخل ہوا تو وہاں ایک بہت بڑا شیر تھا، مجھے ڈر لگا تو ایک غیبی آواز آئی ثابت قدم رہو تمھارے ارد گرد ستر ہزار (10,000) فرشتے ہیں جو تمھاری حفاظت کر رہے ہیں۔

حضرت جعفر دبیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ پانی میں داخل ہوئے تو ایک چور آ کر آپ کے کپڑے لے گیا پھر وہ آیا اور کپڑے اس کے پاس تھے اور اس کا ہاتھ خشک ہو چکا تھا۔ حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس نے ہمارے کپڑے لوٹا دیئے (یا اللہ!) اس کا ہاتھ اسے لوٹا دے تو اس کا ہاتھ ٹھیک ہو گیا۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک دفعہ میں نے ارادہ کیا کہ میں صرف حلال کھاؤں گا۔ میں جنگلوں میں چکر کاٹتا رہا پس میں نے انجیر کا درخت دیکھا، میں نے کھانے کے لیے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو درخت نے مجھے آواز دی اپنے "ارادے" کی حفاظت کرو مجھ سے نہ کھانا میں ایک یہودی کا درخت ہوں۔

تم ڈول اور رسی لے کر آئے تھے

حضرت ابو عبداللہ بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں حج کے لیے جاتے ہوئے بغداد میں داخل ہوا اور میرے سر میں صوفیاء کی نخوت تھی (یعنی غرور تھا) اور میں نے چالیس (40) دن سے ایک روٹی بھی نہیں کھائی تھی۔ میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لیے بھی نہ گیا۔ میں بغداد سے باہر نکل آیا اور میں نے زبالہ (مقام) تک پانی بھی نہ پیا، ابھی تک میرا وضو باقی تھا میں نے کنویں کے پاس ایک ہرن کو پانی پیتے ہوئے دیکھا اور مجھے بھی پیاس لگی ہوئی تھی، میں کنویں کے پاس پہنچا تو ہرن بھاگ گیا، پانی کنویں کی تہہ میں تھا۔ چنانچہ میں چلا گیا اور میں نے کہا: "اے مالک! میرا مقام اس ہرن جیسا بھی نہیں" چنانچہ میں نے اپنے پیچھے کی جانب سے سنا کہ ہم نے تمھیں آزمایا لیکن تم نے صبر نہ کیا جاؤ جا کر پانی پیو۔

پس میں واپس آیا تو کنواں پانی سے بھرا ہوا تھا، میں نے اپنا ڈول بھر لیا میں اس سے پیتا اور طہارت حاصل کرتا رہا حتیٰ کہ مدینہ طیبہ پہنچ گیا لیکن پانی ختم نہ ہوا۔ جب میں نے کنویں سے پانی باہر نکالا تو غیبی آواز دینے والے سے سنا کہ ہرن تو ڈول اور رسی کے بغیر آئی تھی اور تم ڈول اور رسی لے کر آئے۔

جب میں حج سے واپس آیا تو جامع مسجد میں داخل ہوا، حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ مجھ پر پڑی تو انھوں نے فرمایا: اگر تم صبر کرتے تو پانی تمھارے پاؤں کے نیچے سے پھوٹ نکلتا، اگر تم ایک گھڑی صبر کر لیتے۔

اونٹ زندہ ہو گیا

حضرت محمد بن سعید بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں بصرہ کے ایک راستے پر چل رہا تھا کہ میں نے ایک اعرابی کو دیکھا جو اونٹ کو ہانک رہا تھا۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو اونٹ مر کر گر گیا تھا اور اس کا پالان اور کجاوہ بھی گر گیا تھا۔ میں چل پڑا، پھر مڑ کر دیکھا تو اعرابی کہہ رہا تھا: (یَا مُسَبِّبَ کُلِّ سَبَبٍ، وَیَا مَوْلٰی مَنْ طَلَبَ، رُدَّ عَلَیَّ مَا ذَھَبَ مِنْ جَمَلٍ یَّحْمِلُ الرَّحْلَ وَالْقَتَبَ) ”اے ہر سبب کو پیدا کرنے والے اور اے ہر طالب کی آرزو کو پورا کرنے والے! میرا اونٹ مجھے لوٹا دے تاکہ وہ پالان اور کجاوے کو اٹھا لے۔“

اچانک دیکھا تو اونٹ کھڑا تھا اور اس کا پالان اور کجاوہ اس کے اوپر تھا۔

میں اُسے بھولتا ہوں وہ مجھے نہیں بھولتا

کہا گیا ہے کہ حضرت شبل مروزی رحمۃ اللہ علیہ کو گوشت کی خواہش ہوئی تو انھوں نے نصف درہم کا گوشت لیا، راستے میں ایک چیل جھپٹ کر لے گئی۔ حضرت شبل رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے داخل ہو گئے۔ جب اپنے گھر واپس آئے تو ان کی بیوی نے ان کے سامنے گوشت پیش کیا، انھوں نے پوچھا یہ کہاں سے آیا؟

اس نے کہا دو چیلیں آپس میں لڑ رہی تھیں تو ان دونوں سے یہ گوشت گر گیا۔ حضرت شبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: (اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَنْسَ شِبْلًا وَّاِنْ کَانَ شِبْلٌ کَثِیْرًا یَّنْسَاہُ) ”اللہ عزوجل کے لیے تمام تعریفیں ہیں جو شبل کو نہیں بھولتا اگرچہ شبل اکثر اسے بھول جاتا ہے۔“

گھوڑی بطور اُدھار لی

حضرت ابن ابی عبید بسری رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے ایک سال جہاد کیا۔ وہ ایک فوجی دستے میں نکلے تو راستے میں ان کی گھوڑی جس پر وہ سوار تھے، مر گئی اور وہ ابھی اس دستے میں تھے۔ انھوں نے کہا اے میرے رب عزوجل! یہ گھوڑی بطور ادھار دے دے تاکہ ہم ”بُسریٰ“ یعنی اپنی بستی میں پہنچ جائیں تو دیکھا کہ گھوڑی کھڑی ہے۔ جب وہ جہاد کر کے بُسریٰ (بستی) کی طرف واپس آئے تو انھوں نے فرمایا: بیٹے! گھوڑی سے زین اتارو۔ میں نے کہا اسے پسینہ آیا ہوا ہے اگر میں نے زین اتاری تو اسے ہوا لگ جائے گی۔

انھوں نے فرمایا بیٹے! یہ ادھار لی ہوئی ہے، وہ فرماتے ہیں: جب میں نے اس سے زین اتاری تو گھوڑی گری اور مر گئی۔

جنازہ میں شرکت کرنے سے بخشش

کہتے ہیں کہ ایک شخص کفن چور تھا۔ ایک عورت کا انتقال ہوا تو لوگوں نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور اس کفن چور نے بھی اس کی نماز جنازہ پڑھی تا کہ قبر معلوم ہو جائے۔ جب رات کی تاریکی ہوئی تو اس نے اس عورت کی قبر کو کھودا، اس عورت نے کہا: سُبْحَانَ اللّٰهِ! ایک ایسا شخص جس کو اللہ عزوجل نے بخش دیا ایسی عورت کا کفن چوری کر رہا ہے جس کو اللہ عزوجل نے بخش دیا ہے۔ اس نے کہا مان لیا کہ تجھے بخش دیا گیا لیکن میں کہاں کا بخشا ہوا ہوں؟

اس عورت نے کہا اللہ عزوجل نے مجھے بھی اور جتنے لوگوں نے میری نماز جنازہ پڑھی ہے سب کو بخش دیا ہے اور تو نے بھی میری نماز جنازہ پڑھی ہے۔

وہ کہتا ہے میں نے اس کو چھوڑ دیا اور اس پر دوبارہ مٹی ڈال دی، پھر اس شخص نے بہت اچھی طرح توبہ کر لی۔

دانت تھوک سے جُڑ گیا

حضرت ابو محمد نعمان بن موسیٰ حیری رحمۃ اللہ علیہ حیرہ (مقام) میں فرماتے تھے دو آدمی لڑ پڑے، ان میں سے ایک بادشاہ کا کارندہ تھا اور دوسرا رعایا میں سے تھا۔ جو عام شخص تھا اس نے سرکاری آدمی پر حملہ کر کے اس کا اگلا دانت توڑ دیا۔ سپاہی اس شخص سے چمٹ گیا اور کہنے لگا ہمارے درمیان حاکم فیصلہ کرے گا۔ وہ لوگ حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سے گزرے تو لوگوں نے کہا شیخ کے پاس جاؤ، وہ ان کے پاس چلے گئے اور ان کو واقعہ سنایا۔ انھوں نے دانت لے کر اس کو اپنے لعاب مبارک سے تر کیا اور اس شخص کے منہ میں اس جگہ لگا دیا جہاں وہ پہلے تھا اور اس کے دونوں ہونٹوں کو حرکت دی۔ پس اللہ عزوجل کے حکم سے وہ اپنی جگہ مضبوط ہو گیا۔ اس شخص نے دانت کی تلاش کی تو تمام دانتوں کو برابر پایا۔

گدھا زندہ ہو گیا

حضرت ابو سیرہ نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک شخص یمن سے آیا ابھی وہ راستے میں ہی تھا کہ اس کا گدھا مر گیا۔ وہ اٹھا، وضو کیا اور پھر دو رکعتیں پڑھیں پھر کہا اے اللہ! میں تیری رضا کے حصول کی خاطر جہاد کے لیے آیا تھا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تو مُردوں کو زندہ کرے گا اور قبروں سے لوگوں کو نکالے گا۔ آج مجھ پر کسی کا احسان رہنے نہ دینا، آج میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میرے گدھے کو زندہ کر دے پس گدھا کان جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

گرم لوبیا اور روٹی کھالو

حضرت ابوبکر ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں کئی دن حجاز کے جنگل میں اس طرح رہا کہ میں نے کچھ نہ کھایا پس مجھے گرم لوبیا اور (بغداد کے محلّہ) باب طاق کی روٹی کی خواہش ہوئی۔ میں نے کہا میں تو جنگل میں ہوں اور میرے اور عراق کے درمیان بہت بڑا فاصلہ ہے۔ ابھی میں اسی خیال میں تھا کہ دور سے ایک اعرابی نے آواز دی: گرم لوبیا اور روٹی۔ میں اس کی طرف آگے بڑھا اور کہا تمھارے پاس گرم لوبیا اور روٹی ہے؟

اس نے کہا ہاں ہے۔ پھر اس نے اپنے اوپر والی چادر بچھائی اور روٹی اور لوبیا نکالا اور مجھ سے کہا کھاؤ۔ چنانچہ میں نے کھایا۔ پھر مجھ سے کہا کھاؤ، میں نے کھایا پھر مجھ سے کہا کھاؤ تو میں نے کھایا۔ جب چوتھی بار ہوئی تو میں نے کہا اس ذات کی قسم جس نے تجھے میری طرف بھیجا ہے بتاؤ تم کون ہو؟

اس نے کہا میں "خضر" ہوں پھر وہ مجھ سے غائب ہو گئے اور میں نے ان کو نہیں دیکھا۔

انھوں نے بھی کھجوریں کھائیں اور میں نے بھی

حضرت ابوجعفر حدّاد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں ثعلبیہ [1] میں آیا جب یہ جگہ ویران ہو چکی تھی اور میں نے سات دن سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ میں قبہ (خیمہ وغیرہ) میں داخل ہوا وہاں خراسان کے کچھ لوگ آئے وہ تھکے ماندے تھے لہٰذا وہ قبہ کے دروازے پر ہی بیٹھ گئے۔ ایک دیہاتی سواری پر آیا اور اس نے ان کے سامنے کھجوریں رکھ دیں پس وہ کھانے میں مشغول ہو گئے اور انھوں نے مجھے کچھ نہ کہا اور اس دیہاتی نے بھی مجھے نہ دیکھا۔ کچھ وقت کے بعد وہی اعرابی آیا اور اس نے پوچھا تمھارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ انھوں نے کہا ہاں قبہ کے اندر ایک شخص ہے۔

وہ فرماتے ہیں: وہ اعرابی اندر داخل ہوا اور مجھ سے پوچھا تم کون ہو؟ تم بولتے کیوں نہیں؟

میں جب یہاں سے چلا گیا تو راستے میں مجھے ایک شخص ملا اور اس نے مجھ سے کہا تم نے ایک شخص کو چھوڑ دیا اسے کھانا نہ دیا، اب میرے لیے آگے جانا بھی ممکن نہ تھا اور راستہ بھی لمبا تھا کیونکہ میں کئی میلوں سے واپس آیا تھا پھر اس نے میرے سامنے بہت سی کھجوریں ڈال دیں اور چلا گیا۔ پس انھوں نے بھی کھجوریں کھائیں اور میں نے بھی کھائیں۔

اُونٹ بول اُٹھا "اللہ جلال" ہے

حضرت احمد بن عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھ سے اونٹ نے گفتگو کی۔ میں نے مکہ مکرمہ کے راستے میں کچھ اونٹ

[1] ثعلبیہ: کوفہ سے مکہ جاتے ہوئے ایک جگہ۔ ۱۲ ہزاروی

دیکھے جن پر محمل پڑے ہوئے تھے اور انھوں نے رات کے وقت گردنیں لمبی کر رکھی تھیں (آرام کر رہے تھے)۔

میں نے کہا وہ ذات پاک ہے جو ان سے اس بوجھ کو اتارتا ہے جو ان پر ہے تو ایک اونٹ نے میری طرف متوجہ ہو کر کہا کہو "اللہ جلال" ہے، میں نے کہا "اللہ جلال" ہے۔

اصل حالت میں لوٹا دے

حضرت ابوزرعہ جنبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک عورت نے مجھ سے فریب کیا اور کہا کیا تم گھر کے اندر آ کر بیمار کی بیمار پرسی نہیں کرتے۔ میں داخل ہوا تو اس نے دروازہ بند کر دیا اور میں نے وہاں کسی کو نہ دیکھا تو مجھے پتہ چل گیا کہ وہ کیا کرنا چاہتی ہے۔ میں نے کہا یا اللہ! اس کو سیاہ کر دے پس وہ سیاہ ہو گئی اور حیران رہ گئی۔ میں دروازہ کھول کر باہر نکل گیا اور میں نے کہا یا اللہ! اس کو اس کی اصل حالت کی طرف لوٹا دے پس اللہ عزوجل نے اسے اس پہلی حالت کی طرف لوٹا دیا۔

گم شدہ بیٹا مل گیا

حضرت خلیل صیاد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرا بیٹا محمد گم ہو گیا۔ ہمیں اس بات کا بہت دکھ ہوا چنانچہ میں حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوا اور کہا اے ابومحفوظ! میرا بیٹا گم ہو گیا ہے اور اس کی ماں کو اس بات کا شدت سے غم ہے۔

انھوں نے پوچھا تم کیا چاہتے ہو؟

میں نے کہا آپ اللہ عزوجل سے دعا کریں اللہ عزوجل اسے واپس لائے۔

انھوں نے یوں دعا مانگی: (أَللّٰهُمَّ إِنَّ السَّمَآءَ سَمَآؤُكَ وَالْأَرْضَ أَرْضُكَ . . وَمَابَيْنَهُمَالَكَ . . أَئْتِ بِمُحَمَّدٍ) "اے اللہ! بے شک آسمان تیرا آسمان ہے اور زمین تیری زمین ہے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اس کا مالک بھی تو ہی ہے" محمد کو لے آ۔"

حضرت خلیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں باب الشام پہنچا تو دیکھا کہ وہ کھڑا ہے۔ میں نے پوچھا اے محمد! تم کہاں تھے؟

اس نے کہا ابا جان! میں ابھی انبار (مقام) میں تھا۔

حضرت استاذ ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کرامات سے متعلق واقعات بے شمار ہیں اگر ہم ان کو بیان کریں تو اپنے مقصود یعنی اختصار سے نکل جائیں گے۔ ہم نے اس سلسلے میں جس قدر واقعات بیان کیے ہیں وہ کافی ہیں۔

باب

اولیاءِ کرام کے خوابوں کا بیان

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ط﴾

''انھیں خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔''[1]

کہا گیا ہے کہ اس سے اچھے خواب مراد ہیں جن کو کوئی شخص دیکھتا ہے یا اس کو دکھائے جاتے ہیں۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت: ﴿لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ط﴾[2] کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا سَأَلَنِيْ عَنْهَا أَحَدٌ قَبْلَكَ هِيَ الرُّؤْيَا الْحَسَنَةُ يَرَاهَا الْمَرْءُ أَوْتُرٰى لَهُ))

''اس سلسلے میں تم سے پہلے کسی نے مجھ سے سوال نہیں کیا، اس سے مراد نیک خواب ہے جسے آدمی دیکھتا ہے یا اس کو دکھایا جاتا ہے۔''[3]

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلرُّؤْيَا مِنَ اللهِ وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ رُؤْيَا يَكْرَهُهُ فَلْيَتْفِلْ عَنْ يَسَارِهٖ وَلْيَتَعَوَّذْ فَإِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهُ))

''اچھے خواب اللہ عزوجل کی طرف سے اور برے خواب شیطان کی طرف سے ہیں۔ پس جب تم میں سے کوئی ایک ناپسندیدہ خواب دیکھے تو اپنی بائیں جانب تھوک دے اور أَعُوْذُ بِاللهِ پڑھے (اس طرح) وہ اسے ہرگز نقصان نہیں دے گا۔''[4]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] پارہ 11، یونس 64، ترجمہ کنزالایمان

[2] پارہ 11، یونس 64.

[3] جامع ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب سورہ یونس، رقم الحدیث: 3106.

[4] صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب من رای النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام، رقم الحدیث: 7005، کچھ مختلف الفاظ کے ساتھ

((مَنْ رَّاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ لَا یَتَمَثَّلُ فِیْ صُوْرَتِیْ))

''جس نے مجھے دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا بے شک شیطان میری صورت اختیار نہیں کرسکتا۔''[1]

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک سچا خواب ہے اور اس کی تاویل بھی صحیح ہے۔ اور بے شک خواب کرامت کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔

خواب کی حقیقت

حقیقت میں خواب دل پر وارد ہونے والے خیالات ہوتے ہیں۔ نیز وہ حالات ہیں جن کا تصور وہم میں اس وقت آتا ہے جب نیند تمام شعور پر غالب نہ آ گئی ہو پس انسان بیدار ہونے پر یہ خیال کرتا ہے کہ یہ ایک حقیقی خواب تھا حالانکہ یہ صرف تصورات اور خیالات ہوتے ہیں جو مخلوق کے دلوں میں قرار پکڑتے ہیں اور جب ان سے ظاہری احساس زائل ہو جاتا ہے تو یہ وہم ان امور سے جدا ہو جاتا ہے جو جس سے یا بدیہی طور پر (کسی فکر کے بغیر) معلوم ہوتے ہیں اور یہ حالت خواب دیکھنے والے کے لیے قوی ہو جاتی ہے اور جب وہ بیدار ہوتا ہے تو وہ حالات جن کا تصور ان حالات کے مقابلہ میں کرتا ہے جن کا مشاہدہ کے ذریعے اسے احساس ہوتا ہے یا بدیہی طور پر ان کا علم حاصل ہوتا ہے، کمزور ہو جاتے ہیں۔

اس کی مثال اس طرح ہے کہ کوئی شخص سخت تاریکی میں چراغ کی روشنی حاصل کرتا ہے مگر جب سورج نکل آئے تو وہ چراغ کی روشنی پر غالب آ جاتا ہے پس سورج کی روشنی کے مقابلے میں چراغ کی روشنی مدھم پڑ جاتی ہے۔ پس نیند کی حالت اس شخص کی طرح ہے جو چراغ کی روشنی میں ہو اور بیدار ہونے والے کی مثال اس شخص جیسی ہے جس پر دن بلند ہو جائے بے شک بیدار ہونے والا ان امور کو یاد کر لیتا ہے جو نیند کی حالت میں اس کو دکھائی دیے تھے۔

خواب کی اقسام

پھر وہ باتیں اور خیالات ہیں جو انسان کی حالتِ نیند میں اس کے دل پر وارد ہوتے ہیں، کبھی وہ شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اور بعض اوقات اس کے اپنے دل کی باتیں ہوتی ہیں اور کبھی فرشتے کی طرف سے خیالات پیدا ہوتے ہیں اور کبھی اللہ ﷻ اپنی طرف سے اس کے دل میں ان احوال کو پیدا کر کے کچھ امور کی معرفت پیدا کر دیتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

[1] صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب من رای النبی ﷺ فی المنام، رقم الحدیث: 6994، سنن ابن ماجه، کتاب الرؤیا، باب رؤیة النبی فی المنام، رقم الحدیث: 3901.

((أَصْدَقُكُمْ رُؤْيَا أَصْدَقُكُمْ حَدِيثًا))

''تم میں سے جو شخص سب سے زیادہ سچا ہوگا اس کا خواب سب سے زیادہ سچا ہوگا۔''[1]

نیند کی اقسام

اس بات کو جان لیں کہ نیند کی دو قسمیں ہیں: ① غفلت کی نیند ② عادت کی نیند۔

عادت کی نیند ناپسندیدہ ہے بلکہ مذموم سمجھی جاتی ہے کیونکہ یہ موت کی بہن ہے اور بعض روایات میں ہے: (أَلنَّوْمُ أَخُوْ الْمَوْتِ) ''نیند موت کی بہن ہے۔''

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ﴾

''اور وہی ہے جو رات کو تمھاری روحیں قبض کرتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ دن میں کماؤ۔''[2]

اور ارشادِ خداوندی ہے:

﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِىْ لَمْ تَمُتْ فِىْ مَنَامِهَا﴾

''اللہ جانوں کو وفات دیتا ہے ان کی موت کے وقت اور جو نہ مریں ان کے سوتے میں۔''[3]

کہا گیا ہے کہ اگر نیند میں بھلائی ہوتی تو جنت میں نیند ہوتی۔

کہا گیا ہے کہ جب اللہ عزوجل نے جنت میں حضرت آدم علیہ السلام پر نیند ڈالی تو ان میں سے حضرت حوّاء علیہا السلام کو نکالا اور ان پر جو بھی آزمائش آئی، حضرت حوّاء علیہا السلام کے آنے سے آئی۔

نیند کے بارے اقوال

حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا: اے میرے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تمھیں ذبح کر رہا ہوں تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا اے ابا جان! یہ اس شخص کی سزا ہے جو اپنے محبوب سے (غافل ہو کر) سو جائے۔ اگر آپ نہ سوتے تو آپ کو بیٹے کے ذبح کا حکم نہ دیا جاتا۔

[1] جامع ترمذی، کتاب الرؤیا، باب ان رؤیا المؤمن، رقم الحدیث: 2270.

[2] پارہ 7، الانعام 60، ترجمہ کنزالایمان

[3] پارہ 24، الزمر 42، ترجمہ کنزالایمان

کہا گیا ہے کہ اللہ ﷻ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ جو شخص میری محبت کا دعویٰ کرتا ہے وہ جھوٹ کہتا ہے کیونکہ جب رات ہوتی ہے تو وہ سو جاتا ہے۔

نیند، علم کی ضد ہے۔ اسی لیے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک ہزار سال میں ایک بار بھی ''اونگھنا'' رسوائی ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ ﷻ نے اپنی مخلوق کی طرف جھانک کر فرمایا: جو شخص سو گیا وہ غافل ہوا اور جو غافل ہوا وہ پردے میں ہو گیا۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بعد نمک کا سرمہ لگاتے حتیٰ کہ ان کو نیند نہ آتی اور اسی معنیٰ میں یہ شعر پڑھا گیا:

عَجَبًا لِّلْمُحِبِّ كَيْفَ يَنَامُ
كُلُّ نَوْمٍ عَلَى الْمُحِبِّ حَرَامُ

* محب پر تعجب ہے وہ کیسے سوتا ہے محب پر ہر قسم کی نیند حرام ہے۔

کہا گیا ہے کہ مرید کا کھانا فاقہ [1] (کے بعد) اس کی نیند غلبہ (کے وقت) اور اس کا کلام ضرورت (کے وقت) ہے۔

کہا گیا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام بارگاہِ خداوندی میں سو گئے تو ان سے کہا گیا یہ حضرت حواء علیہا السلام ہیں۔ آپ ان سے سکون حاصل کریں۔ یہ اس شخص کی سزا ہے جو ہماری بارگاہ میں حاضر ہو کر سو جائے۔

کہا گیا ہے کہ اگر تو حاضر ہے تو نہ سو، کیوں کہ حاضری کی صورت میں سونا بے ادبی ہے اور اگر تو غائب ہے تو حسرت اور مصیبت والوں میں سے ہے اور مصیبت زدہ کو نیند نہیں آتی۔

اور جو مجاہدہ کرنے والے لوگ ہیں ان کی نیند ان پر اللہ ﷻ کی طرف سے صدقہ ہوتی ہے جب بندہ سجدے کی حالت میں سو جائے تو اللہ ﷻ اس پر فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے: میرے بندے کو دیکھو وہ سو گیا، اس کی روح میرے پاس اور اس کا جسم میرے سامنے ہے۔

حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی روح مقام مناجات میں اور اس کا بدن عبادت کی بساط (مصلّٰی) پر ہے۔

کہا گیا ہے کہ جو شخص باوضو سوتا ہے اس کی روح کو اجازت دی جاتی ہے کہ وہ عرش کا طواف کرے اور اللہ ﷻ کو سجدہ کرے۔

---

[1] فاقہ سے مراد بھوک ہے یعنی بلا ضرورت نہیں کھاتا۔ ۱۲ ہزاروی

ارشادِ خداوندی ہے: ﴿وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۙ﴾ ''اور تمھاری نیند کو آرام کیا۔''[1]

نیند کے فوائد

استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک شخص نے کسی بزرگ کے سامنے زیادہ نیند کی شکایت کی تو انھوں نے فرمایا: جاؤ اور اللہ عزوجل کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمھیں صحت دی ہے کیونکہ کئی مریض اس بات کی خواہش رکھتے ہیں کہ ان کو وہ نیند حاصل ہو جس کی تم شکایت کر رہے ہو۔

کہا گیا ہے کہ شیطان کو گناہ گار کی نیند سے بڑھ کر کوئی چیز سخت نظر نہیں آتی۔ وہ کہتا ہے یہ کب بیدار ہو کہ اللہ عزوجل کی نافرمانی کرے گا۔

کہا گیا ہے کہ نافرمانی کرنے والے کی بہترین حالت سو جانا ہے اگر ''وقت'' اس کے حق میں نہیں ہوگا تو اس کے خلاف بھی نہیں ہوگا۔

حضرت استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت شاہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے بیداری کی عادت بنالی۔ ایک مرتبہ ان پر نیند کا غلبہ ہو گیا تو ان کو خواب میں حق سبحانہ وتعالیٰ کی زیارت ہوئی۔ اس کے بعد وہ سونے کی کوشش کرتے تھے، ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

رَأَيْتُ سُرُوْرَ قَلْبِيْ فِيْ مَنَامِيْ
فَأَحْبَبْتُ التَّنَعُّسَ وَالْمَنَامَا

* میں نے خواب میں اپنے دل کا سرور دیکھا تو مجھے اونگھ اور نیند پسند آئی۔

نیند افضل ہے یا بیداری؟

کہا گیا ہے کہ ایک شخص کے دو شاگرد تھے۔ ان دونوں کے درمیان اختلاف ہو گیا، ان میں سے ایک نے کہا نیند بہتر ہے کیونکہ انسان اس حالت میں اللہ عزوجل کی نافرمانی نہیں کرتا۔ دوسرے نے کہا بیداری بہتر ہے کیونکہ وہ اس حالت میں اللہ عزوجل کی پہچان حاصل کرتا ہے۔ وہ دونوں فیصلہ کے لیے شیخ کے پاس آئے تو انھوں نے فرمایا:

جس نے نیند کو فضیلت دی ہے اس کے لیے زندگی سے موت بہتر ہے اور جس نے بیداری کی فضیلت کا قول کیا ہے اس کے لیے زندگی، موت سے بہتر ہے۔

---

[1] پارہ 30، النبا 9، ترجمہ کنزالایمان

کیا تمھارا آقا سوتا ہے؟

کہا گیا ہے کہ ایک شخص نے ایک لونڈی خریدی۔ جب رات ہوئی تو اس نے کہا بستر بچھاؤ۔ اس لونڈی نے پوچھا اے میرے آقا! کیا تمھارا بھی کوئی آقا ہے؟

اس نے کہا ہاں۔

پوچھا تمھارا آقا سوتا ہے؟ کہا نہیں۔

اس لونڈی نے کہا کیا تمھیں حیا نہیں آتی کہ تم سو جاؤ اور تمھارا آقا نہ سوئے۔

بزرگوں کے احوال واقوال

کہا گیا ہے کہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی چھوٹی سی بیٹی تھی۔ اس نے کہا آپ سوتے کیوں نہیں؟ فرمایا: بے شک جہنم (کا خیال) مجھے سونے نہیں دیتا۔

کہا گیا ہے کہ حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ کی بیٹی نے ان سے کہا آپ سوتے کیوں نہیں؟ فرمایا: بے شک تمھارے باپ کو خوف ہے کہ کوئی (شیطان) چھاپہ نہ مار دے۔

بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت ربیع بن خثیم رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو ان کے پڑوسی کی لڑکی نے اپنے باپ سے پوچھا ابا جان! ہمارے پڑوسی کے گھر میں جو ستون تھا وہ کہاں گیا؟ انھوں نے فرمایا وہ ہمارا نیک پڑوسی تھا جو رات کے شروع سے آخر تک کھڑا رہتا تھا، تو اس بچی نے ان کو ستون خیال کیا کیونکہ وہ صرف رات کے وقت چھت پر جاتی تو ان کو کھڑا پاتی۔

بعض صوفیاء کرام فرماتے ہیں: نیند میں کچھ خوبیاں ہیں جو بیداری میں نہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ نیند میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور گزشتہ بزرگوں کی زیارت نصیب ہوتی ہے جب کہ بیداری میں ان کی زیارت نہیں ہوتی۔[1] اسی طرح وہ نیند میں حق تعالیٰ کا دیدار کرتا ہے اور یہ بہت بڑی فضیلت ہے۔

بعض اہم خواب

کہا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر آجری رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں اللہ عزوجل کی زیارت کی تو اللہ عزوجل نے فرمایا: اپنی حاجت کا سوال کرو۔

انھوں نے عرض کیا اے اللہ! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے تمام گناہ گاروں کو بخش دے۔

---

[1] بعض خوش نصیبوں کو بیداری میں بھی یہ سعادت نصیب ہو جاتی ہے۔ (ابو حنظلہ محمد اجمل عطاری)

اللہ ﷻ نے فرمایا: (أَنَا أَوْلٰى بِهٰذَا مِنْكَ سَلْ حَاجَتَكَ) ''اس کا خیال تم سے زیادہ مجھے ہے، اپنی کوئی ضرورت بتاؤ۔''

حضرت کتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے خواب میں رسول اکرم ﷺ کی زیارت کی تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: جو شخص لوگوں کے سامنے زینت اختیار کرتا ہے جب کہ اللہ ﷻ کے علم میں اس کی اندرونی حالت اس (ظاہر) کے خلاف ہو تو اللہ ﷻ اسے رُسوا کرتا ہے۔

حضرت کتانی رحمۃ اللہ علیہ ہی فرماتے ہیں: میں نے خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی تو میں نے عرض کیا اللہ ﷻ سے دعا کیجیے کہ وہ میرے دل کو مردہ نہ بنائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہر دن چالیس (40) مرتبہ ''یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ لَا اِلٰهَ اِلَّا أَنْتَ'' (اے خود زندہ دوسروں کو زندہ و قائم رکھنے والے تیرے سوا کوئی معبود نہیں) پڑھا کرو اللہ ﷻ تمھارے دل کو زندہ رکھے گا۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے خواب میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی زیارت کی تو کہا کہ میں انگوٹھی بنوانا چاہتا ہوں اس پر کیا لکھواؤں؟ فرمایا اس پر لکھو: ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ'' (اللہ ﷻ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ سچا، واضح بیان والا بادشاہ ہے)۔ فرمایا: انجیل کے آخری الفاظ یہی ہیں۔

بزرگوں نے خواب میں کیا دیکھا

حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے انھوں نے فرمایا: میں نے اپنے رب ﷻ کو خواب میں دیکھا تو میں نے پوچھا تجھ تک پہنچنے کا کیا طریقہ ہے؟ فرمایا: اپنے نفس کو چھوڑ کر آ جاؤ۔

کہا گیا ہے کہ حضرت احمد بن خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں اپنے رب ﷻ کو دیکھا تو اللہ ﷻ نے فرمایا: اے احمد! یہ شخص مجھ سے کچھ نہ کچھ مانگتا ہے مگر ''ابو یزید'' مجھ ہی کو طلب کرتے ہیں۔

حضرت یحییٰ بن سعید قطان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے رب ﷻ کو خواب میں دیکھا تو میں نے کہا اے میرے رب ﷻ! میں نے تجھے کتنی بار پکارا لیکن تو نے میری دعا کو قبول نہ کیا۔ اللہ ﷻ نے فرمایا:

((یَا یَحْیٰی اِنِّیْ أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَ صَوْتَكَ))

''اے یحییٰ! میں تیری آواز سننے کو پسند کرتا ہوں۔''

حضرت بشر بن حارث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا

تو میں نے عرض کیا مجھے کوئی نصیحت کریں۔ انھوں نے فرمایا: مال دار لوگوں کا ثواب کی خاطر فقراء کی طرف جھکنا کتنا اچھا ہے اور اس سے بھی اچھی بات یہ ہے کہ فقراء اللہ عزوجل پر بھروسہ کرتے ہوئے مال داروں کے سامنے اکڑیں۔ میں نے عرض کیا: امیر المؤمنین کچھ اور فرمایئے۔ آپ نے فرمایا:

قَدْ كُنْتَ مَيْتًا فَصِرْتَ حَيًّا
وَعَنْ قَرِيْبٍ تَصِيْرُ مَيْتًا
عِزٌ بِدَارِ الْفَنَآءِ بَيْتًا
فَابْنِ بِدَارِ الْبَقَآءِ بَيْتًا

* تم مردہ تھے پس زندہ ہو گئے (پیدا ہوئے) اور عنقریب مردہ ہو جاؤ گے۔
* دار الفناء میں گھر بنانا ناممکن ہے پس دار البقاء (آخرت) میں گھر بناؤ۔

کہا گیا ہے کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا گیا تو ان سے پوچھا گیا کہ اللہ عزوجل نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ انھوں نے فرمایا: اللہ عزوجل نے مجھ پر رحم فرمایا۔ پوچھا گیا حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا کیا حال ہے؟

فرمایا: وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو ہر روز دو مرتبہ اپنے رب عزوجل کے ہاں حاضر ہوتے ہیں۔

استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: استاذ ابو سہل صعلوکی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو سہل زجاجی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا اور زجاجی ابدی عذاب کے قائل تھے[1] پوچھا اللہ عزوجل نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

زجاجی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا یہاں معاملہ اس سے آسان ہے جو ہم گمان کیا کرتے تھے (یعنی دائمی عذاب نہیں ہے وہ صرف کافروں کے لیے ہے)۔

حضرت حسن بن عاصم شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا گیا تو ان سے پوچھا گیا اللہ عزوجل نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ فرمایا کریم تو صرف کرم کرتا ہے۔

کسی صوفی نے کسی دوسرے صوفی کو خواب میں دیکھا تو ان سے ان کا حال پوچھا۔ انھوں نے فرمایا:

حَاسَبُوْنَا فَدَقَّقُوْا
ثُمَّ مَنُّوْا فَأَعْتَقُوْا

[1] یعنی گناہ گار مسلمان کو ہمیشہ جہنم میں رکھا جائے گا اور عذاب دیا جائے گا۔ ۱۲ ہزاروی

* ہمارا محاسبہ کیا اور خوب چھان بین کی پھر احسان کرتے ہوئے آزاد کر دیا۔

حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا گیا تو پوچھا گیا اے حبیب عجمی! آپ کا انتقال ہو گیا ہے۔ فرمایا: یہ بات نہیں رہی میری عجمیت جاتی رہی اور نعمت خداوندی باقی رہ گئی۔

بخشش کا معاملہ

کہا گیا ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں داخل ہوئے تا کہ اس میں مغرب کی نماز ادا کریں تو ان لوگوں کا امام حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ کو پایا پس انھوں نے ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی کیونکہ انھیں ڈر تھا کہ وہ عجمی ہونے کی وجہ سے اعراب غلط نہ پڑھتے ہوں۔ اسی رات انھوں نے خواب میں کسی کہنے والے کو دیکھا جو ان سے کہہ رہا تھا کہ آپ نے ان کے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھی، اگر آپ ان کے پیچھے نماز پڑھتے تو آپ کے گذشتہ گناہ بخش دیے جاتے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا گیا تو ان سے پوچھا گیا اللہ عزوجل نے آپ سے کیا سلوک کیا؟ فرمایا: مجھے اس کی بدولت بخش دیا گیا جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کسی جنازہ کو دیکھ کر پڑھتے تھے یعنی: (سُبْحَانَ الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ) ''وہ زندہ پاک ہے جسے موت نہیں آئے گی۔''

جس رات حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا اس رات دیکھا گیا کہ گویا آسمان کے دروازے کھلے ہیں اور ایک منادی اعلان کر رہا ہے: سنو! حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اللہ عزوجل کے ہاں حاضر ہو گئے اور وہ ان سے راضی ہے۔

حضرت ابوبکر بن اشکیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: میں نے استاذ ابو سہل صعلوکی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں اچھی حالت میں دیکھا تو میں نے کہا اے استاذ! آپ کو یہ حالت کیسے حاصل ہوئی؟

انھوں نے فرمایا: (بِحُسْنِ ظَنِّيْ بِرَبِّيْ) ''اپنے رب کے بارے میں حسن ظن کی وجہ سے۔''

جاحظ (ادیب شہیر) کو خواب میں دیکھا گیا تو پوچھا گیا اللہ عزوجل نے تمھارے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اس نے کہا:

فَلَا تَكْتُبْ بِخَطِّكَ غَيْرَ شَيْءٍ
يَسُرُّكَ فِي الْقِيَامَةِ أَنْ تَرَاهُ

* اپنی تحریر میں وہی باتیں لکھو جو قیامت کے دن تمھارے لیے باعث مسرت ہوں۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے شیطان کو دیکھا

کہا گیا کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں ابلیس کو ننگا دیکھا تو اس سے فرمایا: کیا تجھے لوگوں سے حیا

نہیں آئی؟

اس نے کہا یہ حقیقتاً لوگ نہیں ہیں، حقیقی لوگ تو وہ ہیں جو مسجد "شونزیہ" میں ہیں۔ انھوں نے میرا جسم کمزور کر دیا اور میرا جگر جلا دیا۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں بیدار ہوا تو مسجد کی طرف گیا، میں نے ایک جماعت کو دیکھا انھوں نے غور وفکر میں اپنے سر گھٹنوں پر رکھے ہوئے ہیں۔ جب انھوں نے مجھے دیکھا تو کہنے لگے شیطان خبیث کی بات سے دھوکہ نہ کھانا۔

حضرت نصراباذی رحمۃ اللہ علیہ کا معاملہ

حضرت نصراباذی رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے وصال کے بعد مکہ مکرمہ میں خواب میں دیکھا گیا تو ان سے پوچھا گیا کہ اللہ عزوجل نے آپ سے کیا سلوک کیا؟

انھوں نے فرمایا: مجھے شریفوں کی طرح عتاب کیا گیا پھر مجھے پکارا گیا اے ابوالقاسم! کیا "اِتِّصَالْ" کے بعد "اِنْفِصَالْ" (جدائی) ہے؟ میں نے کہا اے جلال والے! نہیں ہے، چنانچہ مجھے ابھی قبر میں رکھا نہیں گیا تھا کہ میں "اَحَدْ ذات" (اللہ عزوجل) سے جا ملا۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا سوال

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا گیا تو ان سے پوچھا گیا اللہ عزوجل نے آپ سے کیا سلوک کیا؟

انھوں نے فرمایا: میں دنیا میں اس سے تین باتوں کا سوال کرتا تھا تو اس نے مجھے بعض عطا کر دیں اور امید ہے کہ باقی بھی عطا فرمائے گا۔ میں اس سے سوال کرتا تھا کہ وہ مجھے ان دس (10) چیزوں میں سے جو رضوان (جنت کا دربان فرشتہ) کے ہاتھ میں ہیں، ایک عطا کرے نیز یہ کہ وہ بذاتِ خود دے۔ نیز جو عذاب مالک (جہنم کا دربان فرشتہ) کے ہاتھ میں ہے اس کے مقابلے میں دس (10) گنا عذاب دے لیکن اپنے ہاتھ سے دے اور یہ کہ مجھے ابدی زبان کے ساتھ "ذکر" کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا معاملہ

کہا گیا ہے کہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے وصال کے بعد خواب میں دیکھا گیا تو ان سے پوچھا گیا اللہ عزوجل نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

انھوں نے فرمایا: میرے دعوؤں پر کسی دلیل کا مطالبہ نہیں کیا البتہ ایک بات پر مطالبہ کیا۔ میں نے ایک دن کہا تھا

کہ جنت کے نقصان اور جہنم میں جانے سے بڑھ کر کوئی خسارہ اور نقصان نہیں تو اللہ عزوجل نے مجھ سے فرمایا: ''میری ملاقات کے خسارے سے بڑھ کر کون سا خسارہ ہے؟''

بزرگوں کے احوالِ آخرت

حضرت جریری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا اے ابوالقاسم! آپ کا حال کیسا ہے؟ انھوں نے فرمایا: ہمارے اشارات اور عبارات سب مٹ گئیں اور ہمیں صرف تسبیحات نے نفع دیا جو ہم صبح کے وقت پڑھتے تھے۔

حضرت نباجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک دن مجھے ایک چیز کی خواہش ہوئی تو میں نے دیکھا کہ ایک کہنے والا کہتا ہے کیا آزاد مرید کے لیے یہ بات اچھی معلوم ہوتی ہے کہ وہ غلاموں کے سامنے ذلیل ہوتا پھرے حالانکہ وہ اپنے مولا سے جو چاہتا ہے لیتا ہے۔

حضرت ابن جلاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں مدینہ طیبہ میں فاقہ کی حالت میں پہنچا تو میں قبرانور کی طرف بڑھا اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ کا مہمان ہوں، اس کے بعد مجھ پر نیند طاری ہوگئی تو میں نے خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ایک روٹی عطا کر رہے ہیں۔ میں نے آدھی روٹی کھائی اور جاگ گیا تو آدھی روٹی میرے ہاتھ میں تھی۔

ایک صوفی فرماتے ہیں: میں نے خواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (زُوْرُوْا ابْنَ عَوْنٍ فَاِنَّهٗ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ) ''ابن عون کی زیارت کرو وہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں۔''

کہا گیا ہے کہ حضرت عتبہ غلام رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں ایک حور کو نہایت اچھی صورت میں دیکھا۔ اس نے ان سے کہا اے عتبہ! میں تم پر عاشق ہوں، تو دیکھنا ایسا کام نہ کرنا جو میرے اور تیرے درمیان حائل ہو جائے (رکاوٹ بن جائے)۔ حضرت عتبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے کہا میں نے دنیا کو ایسی تین طلاقیں دی ہیں جن کے بعد رجوع نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ میں تمھیں آملوں۔

منصور مغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: میں نے شام کے علاقہ میں بڑی شان والے بزرگ کو دیکھا جن پر ''انقباض''[1] طاری رہتا تھا۔ مجھ سے کہا گیا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ یہ شیخ آپ سے کھل کر باتیں کریں تو ان کو سلام کرو اور کہو اللہ عزوجل تمھیں حورعین عطا کرے، وہ تمھاری اس دعا سے خوش ہوں گے۔ میں نے اس کا سبب پوچھا تو کہا گیا کہ انھوں

---

[1] انقباض صوفیاء کی ایک حالت ہے جس کا مکمل بیان اس کتاب میں پہلے مذکور ہے۔ ۱۲ ہزاروی

نے اپنے خواب میں کسی حور کو دیکھا ہے جس کا کچھ اثر ان کے دل پر باقی ہے۔

فرماتے ہیں: میں گیا اور ان کو سلام کیا اور کہا اللہ ﷻ آپ کو حورعین عطا کرے تو وہ شیخ مجھ سے کھل کر باتیں کرنے لگے۔

کہا گیا ہے کہ حضرت ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک گناہ گار کا جنازہ دیکھا تو ڈیوڑھی میں چلے گئے تا کہ ان کو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھنی پڑے تو کسی نے اس میت کو خواب میں دیکھا تو اس سے پوچھا اللہ ﷻ نے تمھارے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اس نے کہا اللہ ﷻ نے بخش دیا اور مجھ سے فرمایا حضرت ایوب سختیانی سے کہو:

﴿قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّیْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ط﴾

''تم فرماؤ اگر تم لوگ میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو انھیں بھی روک رکھتے اس ڈر سے کہ خرچ نہ ہو جائیں۔''[1]

کہا گیا ہے کہ جس رات حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا، اس دن کسی نے خواب میں دیکھا کہ گویا آسمان کے دروازے کھول دیے گئے ہیں اور ایک کہنے والا کہتا ہے سنو! بے شک مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے جنت میں سکونت اختیار کر لی ہے۔

ایک صوفی فرماتے ہیں: جس رات حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا اس رات میں نے نور دیکھا اور دیکھا کہ کچھ فرشتے اوپر جا رہے ہیں اور کچھ نیچے آ رہے ہیں۔ میں نے کہا یہ کیسی رات ہے؟

انھوں نے کہا: یہ وہ رات ہے جس میں حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا ہے اور ان کی روح کی آمد پر جنت کو اہل جنت کے لیے آراستہ کیا جا رہا ہے۔

حضرت استاذ امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا تو میں نے ان سے کہا اللہ ﷻ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

انھوں نے فرمایا: یہاں مغفرت کا معاملہ کوئی بڑی بات نہیں، جو لوگ یہاں ہیں ان میں کم مرتبہ کا فلاں شخص ہے جسے ایسے ایسے انعامات دیے گئے ہیں۔ فرماتے ہیں: خواب ہی میں میرے دل میں یہ خیال آیا کہ انھوں نے اس سے وہ آدمی مراد لیا ہے جس نے کسی کو ناحق قتل کیا تھا۔

کہتے ہیں جب حضرت کرز بن وبرہ رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو خواب میں دیکھا گیا کہ گویا قبروں والے اپنی قبروں سے باہر آ گئے ہیں اور انھوں نے نیا سفید لباس پہنا ہوا ہے۔ پوچھا گیا یہ کیا ہے؟

---

[1] پارہ 15، الاسرا 100، ترجمہ کنزالایمان

جواب دیا گیا کہ حضرت کرز بن وبرہ رحمۃ اللہ علیہ کی آمد پر ان کو نیا لباس پہنایا گیا ہے۔

حضرت یوسف بن حسین رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا گیا تو ان سے پوچھا گیا اللہ عزوجل نے آپ سے کیا سلوک کیا؟

انھوں نے فرمایا: اس نے مجھے بخش دیا۔ پوچھا گیا کس وجہ سے؟

فرمایا: اس لیے کہ میں نے کبھی بھی سنجیدگی اور مذاق کو اکٹھا نہیں کیا (یعنی سنجیدہ بات کو مذاق میں نہیں ڈالا اور ہمیشہ سنجیدہ رہا)۔

حضرت ابوعبداللہ زرّاد رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا گیا تو ان سے پوچھا گیا اللہ عزوجل نے آپ سے کیا سلوک کیا؟

انھوں نے فرمایا: مجھے ٹھہرایا گیا پھر میرا ہر وہ گناہ بخش دیا گیا جس کا میں نے دنیا میں اقرار کیا البتہ ایک گناہ کا اقرار کرنے میں مجھے حیاء آئی تو مجھے پسینے میں ٹھہرائے رکھا حتیٰ کہ میرے چہرے کا گوشت گر گیا۔

ان سے پوچھا گیا کہ وہ کون سا گناہ ہے؟

فرمایا: میں نے ایک دن ایک خوبصورت شخص کی طرف دیکھا جس کا ذکر کرنے سے مجھے شرم محسوس ہوئی۔

ابوسعید شحام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے شیخ امام ابوطیب سہل صعلوکی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا تو میں نے کہا اے شیخ! فرمایا: شیخ کو چھوڑو، میں نے کہا جن احوال کا میں نے مشاہدہ کیا ہے ان کا کیا بنا؟

فرمایا: انھوں نے ہمیں کوئی فائدہ نہ دیا۔

میں نے پوچھا اللہ عزوجل نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

فرمایا: اللہ عزوجل نے مجھے ان مسائل کی وجہ سے بخش دیا جو بوڑھی عورتیں مجھ سے پوچھتی تھیں اور میں ان کو جواب دیتا تھا۔

ابوبکر رشیدی فقیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت محمد طوسی معلم رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا تو انھوں نے مجھ سے فرمایا:

وَكُنَّا عَلٰى أَنْ لَا نَحُوْلُ عَنِ الْهَوٰى

فَقَدْ وَحَيَاةِ الْحُبِّ حِلْتُمْ وَمَا حِلْنَا

تَشَاغَلْتُمْ عَنَّا بِصُحْبَةِ غَيْرِنَا

وَأَظْهَرْتُمُ الْهِجْرَانَ مَا هٰكَذَا كُنَّا!!

لَعَلَّ الَّذِيْ يَقْضِي الْأُمُوْرَ بِعِلْمِهٖ

سَيَجْمَعُنَا بَعْدَ الْمَمَاتِ كَمَا كُنَّا

* ہمارے درمیان یہ معاہدہ تھا کہ ہم عشق سے نہیں پھریں گے۔ محبت کی زندگی کی قسم تم اس سے پھر گئے مگر ہم نہیں پھرے۔

* تم ہمارے غیر کی صحبت میں مشغول ہو گئے اور تم نے جدائی ظاہر کی لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا۔

* شاید کہ اللہ عزوجل جس کے علم سے تمام امور کا فیصلہ ہوتا ہے عنقریب موت کے بعد ہمیں پہلے کی طرح اکٹھا کر دے گا۔

فرماتے ہیں: میں جاگ گیا اور میں نے یہ بات حضرت ابوسعید صفار رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کی تو انھوں نے فرمایا: (كُنْتُ أَزُوْرُ قَبْرَهٗ كُلَّ يَوْمِ جُمْعَةٍ فَلَمْ أَزُرْهُ هٰذِهِ الْجُمْعَةَ) "میں ہر جمعہ کے دن ان کی قبر کی زیارت کرتا تھا لیکن اس جمعہ زیارت نہ کر سکا۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بھی ان میں سے ہے

کسی بزرگ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں: مجھے خواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد فقراء کی ایک جماعت تھی۔ اس دوران کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی حالت میں تھے کہ آسمان سے دو فرشتے نازل ہوئے ایک کے ہاتھ میں تھال تھا اور دوسرے کے ہاتھ میں لوٹا تھا۔ اس نے تھال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ دھلوائے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو ان فرشتوں نے ان فقراء کے بھی ہاتھ دھلوائے، پھر وہ تھال میرے سامنے رکھا گیا اور ان (فرشتوں) میں سے ایک نے دوسرے سے کہا اس کے ہاتھوں پر پانی نہ ڈالو یہ ان میں سے نہیں ہے۔

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ سے یہ حدیث مروی نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((أَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ)) "آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرتا ہے؟"[1] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں! کیوں نہیں۔"

میں نے کہا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی محبت کرتا ہوں اور ان فقراء سے بھی مجھے محبت ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((صُبَّ عَلٰى يَدِهٖ فَإِنَّهٗ مِنْهُمْ)) "اس کے ہاتھ پر بھی ڈالو، یہ ان لوگوں میں سے ہے۔"

عافیت کا سوال کرو

کسی صوفی سے منقول ہے کہ وہ ہر وقت "عافیت، عافیت" کہتا تھا۔ اس سے پوچھا گیا کہ اس دعا کا کیا مطلب ہے؟

[1] جامع ترمذی، کتاب الزهد، باب ماجاء ان المرء مع من أحب، رقم الحدیث: 2387.

اس نے کہا میں ابتداء میں بوجھ اٹھانے والا تھا، ایک دن میں نے کچھ آٹا اٹھایا ہوا تھا، میں نے آرام کرنے کے لیے اسے اتارا۔ میں کہہ رہا تھا اے میرے رب ﷻ! اگر تو مجھے ہر روز کسی مشقت کے بغیر دو روٹیاں عطا کرے تو وہ مجھے کافی ہیں۔ اچانک دیکھا کہ دو آدمی آپس میں جھگڑ رہے ہیں۔ میں ان کے درمیان صلح کرانے کے لیے آگے بڑھا تو ان میں سے ایک نے میرے سر پر کوئی چیز دے ماری۔ درحقیقت وہ اس دوسرے شخص کو مارنا چاہتا تھا، میرا چہرہ خون آلود ہو گیا۔ علاقہ کا تھانے دار آیا اور اس نے ان دونوں کو پکڑ لیا۔ جب اس نے مجھے خون آلود دیکھا تو مجھے بھی پکڑ لیا۔ اس نے خیال کیا کہ میں بھی جھگڑا کرنے والوں میں سے ہوں، اس نے مجھے قید خانہ میں بند کر دیا۔ میں ایک مدت تک قید خانہ میں رہا، مجھے روزانہ دو روٹیاں دی جاتی تھیں۔

میں نے خواب میں دیکھا کوئی کہنے والا مجھ سے کہہ رہا ہے تم نے روزانہ کسی تھکاوٹ کے بغیر دو روٹیوں کا سوال کیا تھا، عافیت کا سوال نہیں کیا پس جو کچھ تم نے مانگا اس نے دے دیا۔

میں بیدار ہوا اور میں نے کہا ''عافیت، عافیت'' تو میں نے دیکھا کہ قید خانے کا دروازہ کھٹکھٹایا جا رہا ہے اور پوچھا گیا: عمر بوجھ اٹھانے والا (اَلْحِمَالُ) کہاں ہے؟ پس ان لوگوں نے مجھے رہا کر دیا۔

پختہ عزم کا اثر

حضرت کتانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہمارے پاس ہمارے ساتھیوں میں سے ایک شخص تھا جس کی آنکھ میں درد تھا۔ اس سے پوچھا گیا کیا تو اس کا علاج نہیں کراتا؟

اس نے کہا میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں اس کا علاج نہیں کرواؤں گا حتیٰ کہ یہ خود بخود ٹھیک ہو جائے۔ وہ شخص کہتا ہے پھر میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہتا ہے اگر یہ عزم و ارادہ اہل دوزخ کے بارے میں ہوتا تو ہم ان کو آگ سے نکال دیتے۔

چند بزرگوں کا حال

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا کہ میں لوگوں کو وعظ کر رہا ہوں تو ایک فرشتہ میرے پاس کھڑا ہوا اور اس نے کہا وہ کون سا عمل ہے جو اللہ ﷻ کا قرب حاصل کرنے کا سب سے اہم ذریعہ ہے؟

میں نے کہا وہ عمل جو پوشیدہ طور پر کیا گیا ہو لیکن میزان میں پورا ہو۔ یہ سن کر فرشتہ میرے پاس سے چلا گیا اور وہ کہہ رہا تھا یہ کلام توفیق الٰہی سے کیا گیا ہے۔

ایک شخص نے حضرت علاء بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ سے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گویا آپ اہل جنت میں سے ہیں۔

انھوں نے فرمایا: ہوسکتا ہے شیطان کوئی ارادہ رکھتا ہو اور مجھے اس سے بچایا گیا لہٰذا اس نے ایک آدمی میرے پاس بھیجا تا کہ وہ مجھے گمراہ کرنے میں اس کے مقصود میں اس کی مدد کرے۔

کہا گیا ہے کہ حضرت عطاء سلمی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا گیا تو ان سے پوچھا گیا آپ بہت غمگین رہتے تھے، اللہ عزوجل نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

انھوں نے فرمایا: سنو! قسم بخدا! اللہ عزوجل نے اس کے بدلے میں مجھے طویل آرام اور دائمی خوشی عطا فرمائی ہے۔

پھر پوچھا آپ کس درجہ میں ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾

"اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔"[1]

نیت کی وجہ سے بخشش

حضرت نباجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: زبیدہ (ہارون الرشید کی زوجہ) کو خواب میں دیکھا گیا تو ان سے پوچھا گیا اللہ عزوجل نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ انھوں نے کہا اس نے مجھے بخش دیا۔

پوچھا گیا اس لیے کہ آپ نے مکہ مکرمہ کی طرف جانے والی سڑک پر بہت پیسہ خرچ کیا؟

کہا نہیں، اس کا اجر تو کام کرنے والوں کو ملا لیکن اللہ عزوجل نے مجھے میری نیت کی وجہ سے بخش دیا۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا گیا تو پوچھا گیا آپ سے اللہ عزوجل نے کیا سلوک کیا؟ فرمایا:

(وَضَعْتُ أَوَّلَ قَدَمِيَّ عَلَى الصِّرَاطِ وَالثَّانِيَ فِي الْجَنَّةِ)

"میں نے پہلا قدم پل صراط پر رکھا اور دوسرا جنت میں۔"

روشن چہرے کا سبب

حضرت احمد بن ابی حواری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے خواب میں ایک لونڈی دیکھی، اس سے خوبصورت میں نے

[1] پارہ 5، النساء 69، ترجمہ کنزالایمان

نہیں دیکھی۔ اس کے چہرے پر نور کی چمک تھی۔ میں نے کہا تمھارا چہرہ کس قدر نورانی ہے۔

اس نے کہا وہ رات تمھیں یاد ہے جس میں تم روئے تھے؟

میں نے کہا ہاں! اس نے کہا تمھارے آنسو مجھے لا کر دیے گئے تو میں نے ان کو اپنے چہرے پر مل لیا پس میرا چہرہ اس طرح ہو گیا۔

کہا گیا ہے کہ حضرت یزید قرشی رحمۃ اللہ علیہ نے رسول اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا تو آپ ﷺ کے سامنے قرأت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((هٰذِهِ الْقِرَآءَةُ أَيْنَ الْبُكَاءُ؟)) "یہ تو قرأت ہے، رونا کہاں ہے؟" (یعنی قرأت تو ظاہری چیز ہے اس کا اثر کہاں ہے)۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے خواب میں دیکھا گویا آسمان سے دو فرشتے اترے، ان میں سے ایک نے مجھ سے کہا صدق کیا ہے؟ میں نے کہا وعدہ پورا کرنا۔ دوسرے نے کہا انھوں نے سچ کہا۔ پھر دونوں اوپر چلے گئے۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا گیا تو ان سے پوچھا گیا: اللہ عزوجل نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ انھوں نے فرمایا: اس نے مجھے بخش دیا اور فرمایا اے بشر! کیا تجھے مجھ سے حیا نہیں آتی کہ اس قدر مجھ سے ڈرتا تھا۔

کہا گیا ہے کہ حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا گیا تو ان سے پوچھا گیا اللہ عزوجل نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ فرمایا: اس نے مجھے بخش دیا لیکن میرے لیے صوفیاء کرام کے اشارات سے بڑھ کر کوئی چیز نقصان دہ ثابت نہ ہوئی۔

حضرت علی بن موفق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک دن میں اپنے عیال اور ان کے فقر کے بارے میں فکرمند ہو رہا تھا تو میں نے خواب میں ایک رقعہ دیکھا جس میں لکھا ہوا تھا: (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) "اے ابن موفق! کیا تو فقر سے ڈرتا ہے حالانکہ میں تیرا رب ہوں۔" فرماتے ہیں: پھر جب رات کے آخر میں تاریکی کا وقت تھا تو ایک شخص میرے پاس ایک تھیلی لایا جس میں پانچ ہزار (5,000) دینار تھے۔ اس نے کہا اے کمزور یقین والے! یہ لو۔

کہتے ہیں کسی نے حضرت اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا تو انھوں نے فرمایا: یہاں علماء کے درجہ سے بلند کوئی درجہ نہیں اس کے بعد غمگین لوگوں کا درجہ ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے خواب میں دیکھا کہ میں اللہ عزوجل کے سامنے کھڑا ہوں، اللہ عزوجل نے مجھ سے فرمایا اے ابوالقاسم! تم جو گفتگو کرتے ہو اسے کہاں سے حاصل کیا؟ میں نے کہا میں تو سچ ہی کہتا ہوں۔ فرمایا: تم نے سچ کہا۔

میں ہنسوں گا نہیں

حضرت ابوبکر کتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے خواب میں ایک نوجوان کو دیکھا میں نے اس سے زیادہ خوبصورت کوئی شخص نہیں دیکھا۔ میں نے پوچھا تو کون ہے؟

اس نے کہا تقویٰ۔ میں نے پوچھا تو کہاں رہتا ہے؟ کہا ہر غمگین دل میں۔

پھر میں متوجہ ہوا تو ایک سیاہ عورت تھی جو نہایت وحشت ناک شکل کی تھی۔ میں نے پوچھا تو کون ہے؟

اس نے کہا ہنسی ہوں۔ میں نے پوچھا تو کہاں رہتی ہے؟ اس نے کہا ہر خوش ہونے والے، اکڑنے والے دل میں۔

فرماتے ہیں: پس میں جاگ گیا اور میں نے پختہ ارادہ کیا کہ جب تک ہنسی غالب نہ آئے میں نہیں ہنسوں گا۔

مرنے والوں سے خواب میں ہم کلام ہونا

حضرت ابوعبداللہ بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: جس نے اللہ عزوجل کی طرف جانے والا راستہ پہچان لیا اور وہ اس پر چلا پھر وہ اس سے پھر گیا تو اللہ عزوجل اسے وہ عذاب دے گا جو تمام جہان والوں میں سے کسی کو نہیں دے گا۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا گیا تو ان سے پوچھا گیا اللہ عزوجل نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ فرمایا: مجھ پر اس قدر سختی کی کہ میں مایوس ہو گیا۔ جب اس نے میری مایوسی کو دیکھا تو مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لیا۔

حضرت ابوعثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے خواب میں دیکھا گویا کوئی کہنے والا مجھ سے کہتا ہے "اے ابو عثمان! فقر کے بارے میں اللہ عزوجل سے ڈرو اگرچہ تل کے برابر ہو۔"

کہا گیا ہے کہ حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بیٹا تھا جوان سے پہلے فوت ہو گیا۔ انھوں نے اس کو خواب میں دیکھا تو اس سے کہا بیٹا! مجھے کوئی نصیحت کرو۔

اس نے کہا: ابا جان! اللہ عزوجل کے ساتھ معاملہ بزدلی کے ساتھ نہ کرو۔

فرمایا: بیٹا! مزید بتاؤ۔

اس نے کہا اللہ عزوجل جس بات کا مطالبہ کرتا ہے اس میں اس کی مخالفت نہ کرو۔

فرمایا بیٹا! کچھ اور بتاؤ۔

اس نے کہا اللہ عزوجل اور اپنے درمیان قمیص کو حائل نہ کرو۔ [1] کہتے ہیں انھوں نے تیس سال تک قمیص نہیں پہنی۔

---

[1] اس میں اللہ عزوجل کے بہت قریب ہونے کی طرف اشارہ ہے یا دنیا کی اشیاء سے تعلق ختم کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲ ہزاروی

کہا گیا ہے کہ ایک صوفی اپنی دعا میں یوں کہا کرتا تھا: یا اللہ! جو چیز تجھے نقصان نہیں دیتی اور ہمیں نفع دیتی ہے اسے ہم سے نہ روکنا۔ پس اس نے خواب میں دیکھا گویا اس سے کہا جا رہا ہے تو بھی اس چیز کو چھوڑ دے جو تجھے نقصان پہنچاتی ہے اور نفع نہیں دیتی۔

حضرت ابوالفضل اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! اللہ عزوجل سے دعا کیجیے کہ وہ میرا ایمان سلب نہ کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل یہ تو پہلے سے کر چکا ہے۔

حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے خواب میں ابلیس کو دیکھا تو میں نے اسے مارنے کے لیے اپنی لاٹھی پکڑی پس مجھے کہا گیا یہ اس سے نہیں ڈرتا، یہ اس نور سے ڈرتا ہے جو دل میں ہوتا ہے۔

ایک صوفی فرماتے ہیں: میں حضرت رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہا کے لیے دعا مانگتا تھا تو میں نے ان کو خواب میں دیکھا وہ فرما رہی ہیں تمہارے تحائف نور کے تھالوں میں ہمارے پاس آتے ہیں جو نور کے رومالوں سے ڈھانپے ہوتے ہیں۔

حضرت سماک بن حرب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میری بینائی جاتی رہی تو میں نے خواب میں دیکھا گویا کوئی کہنے والا مجھ سے کہتا ہے دریائے فرات پر جاؤ اور اس میں غوطہ لگا کر آنکھیں کھولو۔ فرماتے ہیں: میں نے ایسا ہی کیا پس میری بینائی واپس آ گئی۔

کہا گیا ہے کہ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا گیا تو ان سے پوچھا گیا اللہ عزوجل نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

فرمایا: جب میں نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا تو اس نے مجھ سے فرمایا: اے بشر! جس دن میں نے تمہاری روح قبض کی اس دن میں نے تمہاری روح قبض تو کر لی لیکن میرے نزدیک زمین پر تجھ سے زیادہ کوئی محبوب نہ تھا۔

باب

مریدوں کو وصیت کا بیان

حضرت استاذ امام رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: جب ہم نے صوفیاء کے کچھ حالات بیان کر دیے اور اس کے ساتھ ان کے مقامات کا بیان بھی ملایا تو ہم نے ارادہ کیا کہ اِس "رسالہ" کو مریدین کے لیے وصیت (کے بیان) پر ختم کریں۔ ہم اللہ عزوجل سے امید رکھتے ہیں کہ وہ ان کو ان نصائح پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے گا اور ہمیں بھی اللہ عزوجل ان پر عمل سے محروم نہیں کرے گا اور ان باتوں کو ہمارے خلاف حجت نہیں بنائے گا۔

مرید کا پہلا قدم

اس طریقہ (تصوف) پر چلنے کا ارادہ کرنے والے (مرید) کے لیے سب سے پہلا قدم "صدق" ہے تا کہ یہ عمارت صحیح بنیادوں پر اُستوار ہو۔ مشائخ کرام فرماتے ہیں: جو لوگ مقصود تک پہنچنے سے محروم رہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اصول ضائع کر دیے۔

اسی طرح میں نے حضرت استاذ ابوعلی رحمۃ اللہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ اللہ عزوجل اور اپنے درمیان صحیح اعتقاد کے ساتھ ابتداء کرنی چاہیے جو ہر قسم کے گمان اور شبہ سے پاک ہو، گمراہی اور بدعت سے خالی ہو اور اس کے پیچھے دلائل و براہین ہوں۔

صوفیاء کے راستے کو نہ چھوڑے

مرید کے لیے یہ بات قبیح ہے کہ وہ صوفیاء کے مذہب (راستے) کو چھوڑ کر کسی اور مذہب سے نسبت قائم کرے۔ اگر کوئی صوفی، صوفیاء کے راستے کو چھوڑ کر کسی اور راستے پر چلتا ہے تو اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ صوفیاء کے طریقہ سے جاہل و بے خبر ہے۔ بے شک مسائل میں ان کے دلائل دوسروں کے دلائل سے زیادہ واضح ہیں اور ان کے مذہب کے اصول دیگر مذاہب کے مقابلے میں زیادہ مضبوط ہیں۔

دوسرے لوگ یا تو روایت نقل کرتے ہیں یا عقل وفکر کو استعمال کرتے ہیں جب کہ اس طریقہ کے شیوخ ان تمام باتوں سے آگے نکل گئے ہیں (یعنی مشاہدہ تک پہنچ گئے) پس جو چیز دوسروں کے لیے غیب ہے وہ ان کے لیے ظاہر ہے

اور جو امورِ معرفت دوسرے لوگ حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ ان کے لیے اللہ عزوجل کی طرف سے موجود ہیں، پس یہ وصال والے اور دوسرے استدلال والے ہیں۔ اور یہ اس طرح ہیں جس طرح کسی شاعر نے کہا:

لَیْلِیْ بِوَجْهِكَ مُشْرِقٌ
وَظَلَامُهٗ فِیْ النَّاسِ سَارِیْ
فَالنَّاسُ فِیْ سُدَفِ الظَّلَامِ
وَنَحْنُ فِیْ ضَوْءِ النَّهَارِ

❋ میری رات تیرے چہرے کی بدولت روشن ہے حالانکہ اس کی تاریکی لوگوں میں پھیلی ہوئی ہے۔
❋ پس لوگ شدید تاریکی میں ہیں اور ہم دن کی روشنی میں۔

علماء کرام کی صوفیاء کرام سے عقیدت

اسلام میں کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا جس میں اس گروہ کے مشائخ میں سے کوئی بزرگ نہ ہوئے ہوں جن کو توحید کا علم اور قوم کی امامت حاصل نہ ہوئی ہو اور علماء میں سے ''ائمہ وقت'' نے اس شیخ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر کے ان کے سامنے عاجزی کا اظہار نہ کیا ہو اور ان سے برکت حاصل نہ کی ہو۔ اگر ان کو کوئی فضیلت اور خصوصیت حاصل نہ ہوتی تو معاملہ اس کے برعکس ہوتا۔

یہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس موجود تھے کہ اس دوران حضرت شیبان راعی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اے ابو عبداللہ (امام شافعی)! میں چاہتا ہوں کہ اس شخص (شیبان راعی) کو جہالت سے آگاہ کروں تا کہ یہ کچھ حاصل کرنے کی طرف توجہ دیں۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ایسا نہ کرنا۔ مگر وہ باز نہ آئے اور کہا اے شیبان! اگر کوئی شخص دن رات کی پانچ (5) نمازوں میں سے کوئی نماز پڑھنا بھول جائے اور اسے معلوم نہ ہو کہ کون سی نماز بھول گیا ہے تو اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں، اس پر کیا واجب ہے؟

حضرت شیبان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اے احمد! یہ ایسا دل ہے جس کو اللہ عزوجل نے غافل کر دیا اس پر واجب ہے کہ اسے سزا دی جائے تا کہ اس کے بعد وہ اپنے مولا سے غافل نہ ہو۔

(یہ سن کر) حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ جب افاقہ ہوا تو حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے

فرمایا: کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ ان کو نہ چھیڑیں۔

اور ان حضرات میں حضرت شیبان اُمی تھے (پڑھے ہوئے نہ تھے)، جب ان میں سے ایک اُمی کا یہ حال ہے تو ان کے ائمہ کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مقام

بیان کیا گیا ہے کہ "اکابر فقہاء" میں سے ایک فقیہ کا حلقہ جامع "المنصور" میں حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ کے ساتھ تھا اور اس فقیہ کو "ابوعمران" کہا جاتا تھا۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے ان لوگوں کا حلقہ منتشر ہو جاتا۔ ایک دن "ابوعمران" کے شاگردوں نے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے حیض کے بارے میں ایک مسئلہ پوچھا اور ان کا مقصد ان کو شرمندہ کرنا تھا تو حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں فقہاء کے اقوال اور ان کا اختلاف ذکر کیا۔ (اس پر) حضرت ابوعمران اٹھے اور حضرت شبلی کے سر کو بوسہ دیا اور فرمایا۔

اے ابوبکر! میں نے اس مسئلہ میں آپ سے ایسے دس (10) اقوال معلوم کیے جن کو میں نے نہیں سنا تھا اور جو کچھ آپ نے فرمایا: مجھے ان میں سے صرف تین اقوال معلوم تھے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی فضیلت

کہا جاتا ہے کہ ابوالعباس بن سُریج فقیہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس سے گزرے تو انھوں نے ان کا کلام سنا۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ اس کلام کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

انھوں نے فرمایا: مجھے معلوم نہیں یہ کیا کہہ رہے ہیں، لیکن اس کلام میں اس قدر دبدبہ ہے جو کسی باطل والے کے کلام میں نہیں پایا جاتا۔

حضرت عبداللہ بن سعید بن کُلَّاب رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ آپ ہر کسی کے کلام پر جرح کرتے ہیں اور یہاں ایک "جنید" نامی شخص ہے کیا آپ اس پر بھی اعتراض کر سکتے ہیں یا نہیں؟

پس وہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ میں آ گئے اور ان سے توحید کے بارے میں سوال کیے تو انھوں نے ان کو جواب دیا۔ حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ حیران ہو گئے اور فرمایا: دوبارہ بتائیے۔ انھوں نے دوبارہ کسی اور عبارت کے ساتھ ذکر کیا۔ حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ تو کوئی اور بات ہے جو مجھے یاد نہیں، اسے ایک بار پھر بیان کیجیے۔ انھوں نے پھر عبارت بدل کر بیان کیا۔ حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: آپ جو کچھ فرما رہے ہیں اسے یاد رکھنا میرے لیے ممکن نہیں آپ مجھے لکھ کر دیں۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر آپ سلوک کا راستہ طے کر چکے ہوں تو میں آپ کو لکھ دیتا ہوں۔ اس پر حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی فضیلت کا اقرار اور آپ کی رفعتِ شان کا اعتراف کیا۔

مرید کی حالت

پس جب اس گروہ (صوفیاء) کے اصول سب سے زیادہ صحیح اصول ہیں اور ان کے مشائخ تمام لوگوں سے بڑے اور ان کے علماء سب لوگوں سے بڑھ کر علم رکھنے والے ہیں تو وہ مرید جو ان لوگوں کی تصدیق کرتا ہے اگر وہ اہل سلوک میں سے ہو اور صوفیاء کے مقاصد کی طرف بتدریج جانے کا خیال رکھتا ہو تو وہ ان غیبی مکاشفات میں جن کے ساتھ یہ لوگ خاص ہیں، ان کے ساتھ شریک ہوگا پس وہ ان لوگوں کا محتاج نہ ہوگا جو ان سے خارج ہیں۔

اور اگر مرید اتباع کے طریقہ کا ارادہ رکھتا ہو اور اس کی حالت مستقل نہ ہو اور وہ تحقیق کے حصول تک تقلید کے وطن میں رہنا چاہتا ہو تو اسے ان (اسلاف) کے طریقہ پر چلنا چاہیے اور ان کی تقلید کرنی چاہیے کیونکہ دوسروں کے مقابلے میں یہ لوگ بہتر ہیں۔

علمِ تصوف کی برتری

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (مَا ظَنُّكَ بِعِلْمٍ عِلْمَ الْعُلَمَاءِ فِيْهِ تُهْمَةٌ) ''ایسے علم کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے جس کے مقابلے میں علماء کا علم تہمت زدہ ہو؟''

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر مجھے علم ہوتا کہ جس علم کے بارے میں ہم اپنے احباب اور دوستوں سے گفتگو کرتے ہیں اس کے مقابلے میں دنیا میں کوئی علم زیادہ شرف والا ہے تو میں اس کے لیے کوشش کرتا اور اس کا ارادہ کرتا۔

مرید کے لیے علم شریعت کا حصول ضروری ہے

جب کوئی مرید اپنے اور اپنے رب عزوجل کے درمیان اپنا عہد مضبوط کر لے تو اسے چاہیے کہ وہ علم شریعت سے اس قدر علم جس کے ذریعے فرض کی ادائیگی کر سکے ضرور سیکھے، یا تو تحقیقی طور پر سیکھے یا ائمہ سے پوچھ کر حاصل کرے۔ اور اگر اس سلسلے میں فقہاء کے فتاویٰ میں اختلاف ہو تو زیادہ محتاط قول کو اختیار کرے اور اختلافی امور سے باہر رہے کیونکہ شریعت

میں رخصت صرف ان لوگوں کے لیے ہوتی ہے جو کمزور، حاجت منداور کام کاج کرنے والے ہیں۔ [1]

اوراس گروہ کا کام صرف اللہ عزوجل کے حقوق کی پابندی کرنا ہے اسی لیے کہا گیا ہے کہ فقیر جب درجۂ حقیقت سے اتر کرشریعت کی رخصتوں پر آ جائے تو گویا اس نے اللہ عزوجل کے ساتھ کیا ہوا عہد و پیان توڑ دیا۔

مرشد اختیار کرنا ضروری ہے

وہ کبھی بھی کامیابی حاصل نہیں کرسکتا ہے۔ یہ حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جوفرماتے ہیں جس کا کوئی اُستاذ (مرشد) نہ ہواُس کا امام شیطان ہوتا ہے۔

حضرت ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب کوئی پودا کسی کے لگانے کے بغیر خوداُگے تو اس میں پتے لگتے ہیں، پھل نہیں لگتا اسی طرح جب مرید کا کوئی مرشد نہ ہو جس سے وہ ایک ایک سانس کر کے وہ اس کا راستہ اختیار کرے تو وہ اپنی خواہشات کا پجاری ہوگا اس کے لیے کوئی راستہ نہیں۔

توبہ کرنا مرید پر واجب ہے

پھر جب مرید ''سلوک'' کا ارادہ کرے تو ان (مذکورہ) باتوں کے بعد اس پر واجب ہے کہ بارگاہ خداوندی میں ہر قسم کی لغزش سے توبہ کرے اور تمام ظاہری، باطنی، چھوٹی اور بڑی لغزشوں کو چھوڑ دے اور سب سے پہلے ان لوگوں کو راضی کرے جن سے کوئی جھگڑا ہو کیونکہ جس شخص سے اس کے مخالفین راضی نہ ہوں وہ راہِ طریقت میں سے کسی بات میں کامیابی حاصل نہیں کرسکتا، اسی طریقہ پر چلتا رہے۔

دنیوی تعلقات کو کم کرنا

پھراس کے بعد دنیوی تعلقات اور مشغولیت کو ختم کرے (یعنی کم کرے) کیونکہ طریقت کی بنیاد دل کی فراغت پر ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہ کو شروع میں فرماتے تھے: اگر ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک جب تم میرے پاس آتے ہو اللہ عزوجل کے غیر کا خیال بھی آ گیا تو میرے پاس آنا تم پر حرام ہے۔

[1] مثلاً: ماہ رمضان میں روزہ رکھنا عزیمت (اصل حکم) ہے جب بیمار ہو یا سفر پر تو اسے رخصت حاصل ہوتی ہے کہ فی الحال چھوڑ دے اور بعد میں قضا کرے، اسے رخصت کہتے ہیں۔ ۱۲ہزاروی

مال اور مرتبہ کی خواہش کو ترک کرنا

جب دنیوی تعلق سے نکلنا چاہے تو سب سے پہلے مال سے تعلق ختم کرے کیونکہ یہی مال اسے حق تعالیٰ سے دور کرتا ہے۔ ایسا کوئی مرید نہیں ملا کہ اس نے راہِ طریقت میں قدم رکھا ہو اور وہ دنیا سے بھی تعلق رکھتا ہو تو تھوڑے ہی عرصہ میں اس طرف نہ چلا گیا ہو جس سے نکلا تھا۔

جب مال سے تعلق ختم ہو جائے تو اس کو "جاہ و مرتبہ" کی خواہش ترک کرنی چاہئے کیونکہ جاہ و مرتبہ پر نظر اللہ ﷻ سے تعلق کے خاتمہ کا بہت بڑا سبب ہے۔ جب تک مرید کے لیے مخلوق کی قبولیت اور اس کو رد کرنا برابر نہ ہو اس وقت تک وہ کسی مرتبہ پر نہیں پہنچ سکتا بلکہ لوگوں کا اسے اچھی نگاہ سے دیکھنا اور اس سے برکت حاصل کرنا اس کے لیے سب سے زیادہ نقصان دہ ہے کیونکہ لوگ تو اس سلسلے سے مفلس و بے مایہ ہیں اور اس کی ابھی تک ارادت ہی درست نہیں ہوئی تو اس کو باعث برکت سمجھنا کیسے درست ہوگا۔ [1] لہٰذا جاہ و جلال سے نکلنا اس پر واجب ہے کیونکہ یہ اس کے لیے زہرِ قاتل ہے۔

عقیدہ کی درستگی اور شیخ کی اطاعت

جب مرید اپنے مال اور جاہ و مرتبہ کو چھوڑ دے تو اس پر لازم ہے کہ اپنے اور اللہ ﷻ کے درمیان عقیدے کو درست رکھے اور جس بات کا اسے شیخ (مرشد) حکم دے اس کی مخالفت نہ کرے کیونکہ ابتدائی حالت میں مخالفت کا بہت بڑا نقصان ہے اس لیے کہ اس کی ابتدائی حالت سے باقی تمام عمر کی حالت کا پتہ چلتا ہے۔

مرشد کے بارے میں دل صاف ہو

مرید ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ مرید کے دل میں شیخ (مرشد) کے بارے میں کوئی شک یا اعتراض نہ ہو اگر مرید کے دل میں یہ خیال آ جائے کہ دنیا اور آخرت میں اس کی کوئی قدر و قیمت ہے یا شیخ کے علاوہ دنیا میں کوئی اور شخص بھی ہے [2] تو اس کے لیے "ارادت" میں قدم رکھنا درست نہیں کیونکہ اس پر اللہ ﷻ کی معرفت حاصل کرنے کی کوشش لازم ہے یہ نہیں کہ اپنی قدر و قیمت حاصل ہو۔

---

[1] یعنی جب وقت سے پہلے لوگوں نے اسے ایک مرتبہ پر فائز سمجھ لیا تو وہ آگے نہیں بڑھے گا اور اس طرح وہ ناکام ہوگا۔ ۱۲ ہزاروی

[2] اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنے شیخ کے علاوہ کسی بزرگ کو نہ مانے یا اس کو معمولی سمجھے جس طرح آج کل بعض پیروں کے مریدین کر رہے ہیں (العیاذ باللہ)۔ مطلب یہ ہے کہ پوری توجہ اپنے مرشد کی طرف ہوتا کہ اس کی عظمت دل میں جاگزیں ہو اور اس کے ذریعے معرفت خداوندی حاصل کرے۔ ۱۲ ہزاروی

وہ شخص جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ارادہ کرتا ہے اور وہ شخص جو اپنا مرتبہ و جاہ چاہتا ہے، فرق ہے یا تو وہ فوری طور پر فرق معلوم ہو جائے گا یا آخرت میں معلوم ہو جائے گا۔

اسرار کی حفاظت مرید پر واجب ہے

پھر مرید پر واجب ہے کہ وہ اپنے رازوں کی حفاظت کرے حتیٰ کہ اپنے بٹنوں سے بھی محفوظ رہے [1] البتہ شیخ سے نہ چھپائے۔ اگر اس نے اپنے شیخ سے ایک سانس بھی چھپایا تو اس نے اس کے حق صحبت میں خیانت کی اور اگر اس سے شیخ کی مخالفت میں کوئی بات سرزد ہو جائے تو اسے چاہئے کہ اسی وقت اس کے سامنے اقرار کر لے پھر اس جرم کی جو سزا شیخ تجویز کرے اس کے سامنے سر جھکا دے مثلاً شیخ اسے سفر کا حکم دے یا کوئی اور حکم دے جو مناسب سمجھے (تو اس پر عمل کرے)۔

شیخ کی ذمہ داری

شیخ کے لیے مناسب نہیں کہ وہ مریدوں کی لغزشوں سے درگزر کرے کیونکہ یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حقوق کو ضائع کرنا ہے۔
اور جب تک مرید تمام دنیوی تعلقات ختم نہ کر دے شیخ کے لیے جائز نہیں کہ اسے کسی قسم کے ذکر کی تلقین کرے بلکہ پہلے مرید کو آزمانا ضروری ہے۔ جب مرشد کا دل گواہی دے کہ مرید میں صحیح عزم و ارادہ پایا گیا ہے تب شیخ اس پر شرط رکھے کہ اس راستے میں تقدیر کے جس قدر فیصلے اور تصرفات آئیں گے ان پر اسے راضی رہنا ہوگا۔
وہ اس سے وعدہ لے کہ وہ (مرید) مستقبل میں اس راستے سے نہیں پھرے گا چاہے اسے کوئی تنگی، ذلت، فقر، بیماری اور دُکھ پہنچے۔ اور یہ کہ وہ اپنے دل کو سہولت کی طرف نہیں جھکائے گا اور ضرورت اور فاقوں کی کثرت کے وقت رخصت (مثلاً حرام کھانا) کی طرف نہیں جائے گا نہ تن آسانی کو اختیار کرے گا اور نہ سستی کو اپنا شعار بنائے گا کیونکہ مرید کے لیے وقفہ (سفر سلوک میں رک جانا) فترت سے بھی برا ہے (کیونکہ اس طرح منزل تک رسائی ممکن نہیں رہتی لہٰذا مشکلات کے باوجود سلوک کا سفر جاری رکھے)۔
فترت اور وقفہ کے درمیان فرق یہ ہے کہ "فترت" ارادہ سے رجوع اور اس سے نکلنے کو کہتے ہیں (یعنی ارادت کو ختم کر دے) اور "وقفہ" سستی کے حالات کو لذیذ سمجھ کر سفر میں ٹھہرنا ہے اور جو مرید ابتدائے ارادت میں ٹھہر گیا وہ کوئی مقام

[1] بطور مبالغہ یہ بات فرمائی کہ اس کی قمیص وغیرہ کے بٹن سینے کے قریب ہوتے ہیں ان کو بھی پتہ نہ چلے جس طرح یہ فرمایا کہ زکوٰۃ اس طرح پوشیدہ دی جائے کہ دوسرے ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو اس میں پوشیدگی میں مبالغہ کا بیان ہے۔ ۱۲ ہزاروی

حاصل نہیں کرسکتا۔

مرید کو ذکر کی تلقین

جب شیخ اپنے مرید کا تجربہ کرلے تو اس پر لازم ہے کہ جو ذکر مناسب سمجھے اس کی تلقین کرے، اسے حکم دے کہ وہ زبان سے ذکر کرے پھر اس کو حکم دے کہ زبان کے ساتھ اس کا دل بھی ذکر کرے۔ وہ اس سے یوں کہے اس ذکر پر ہمیشہ کاربند رہو گویا تم ہمیشہ قلبی طور پر اپنے رب عزوجل کے ساتھ ہو اور جس قدر ممکن ہو تمھاری زبان پر اس اسم کے سوا کوئی اور اسم جاری نہ ہو۔

مرید کا ہر وقت باوضو رہنا

پھر اس کو ہدایت کرے کہ وہ ہر وقت باوضو رہے اور وہ اس وقت سوئے جب نیند کا غلبہ ہو اور وہ بتدریج اپنی غفلت کو کم کرے حتیٰ کہ اس پر قادر ہو جائے، اسے ایک ہی بار عادت ختم کرنے کا حکم نہ دے۔ حدیث شریف میں ہے:

((إِنَّ الْمُنْبِتَ لَا أَرْضًا قَطَعَ وَلَا ظَهْرًا بَقِيَ))

"اپنی سواری کو زبردستی چلانے والا نہ تو سفر طے کرتا ہے اور نہ اس کی سواری باقی رہتی ہے۔"

خلوت نشینی اختیار کرنے کی ہدایت

پھر شیخ اپنے مرید کو خلوت نشینی اختیار کرنے کی ہدایت کرے اور اس مرید پر لازم ہے کہ اس حالت میں ان گھٹیا خیالات اور اللہ عزوجل سے غافل کرنے والے خیالات کو دور کرنے کی کوشش کرے۔

مرید کے وسوسے اور مرشد کی ذمہ داری

یہ بات جان لیں کہ ابتدائے ارادت میں اس حالت خلوت میں بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ مرید کے اعتقاد میں وسوسے نہ آئیں۔ خاص طور پر جب مرید کا دل صاف ہو[1] اور بہت کم مرید ایسے ہوتے ہیں جن کے ابتدائے ارادت میں یہ حالت ان کا استقبال نہ کرے۔

یہ امتحانات اور آزمائشیں ہیں جن کا مرید کو سامنا کرنا پڑتا ہے پس شیخ پر لازم ہے کہ اگر وہ مرید میں سمجھداری پائے تو اسے عقلی دلائل کی طرف رجوع کرنے کے لیے کہے کیونکہ معرفت کا طالب علم کے ذریعے پیش آمدہ وسوسوں سے

[1] کیونکہ پاک صاف دل والوں کی آزمائش زیادہ ہوتی ہے اور یہاں وسوسوں کو جگہ ملتی ہے۔ ۱۲ ہزاروی

نجات پا سکتا ہے۔ اور اگر شیخ دیکھے کہ اس میں طریقت پر صبر اور استقامت پائی جاتی ہے، تو اسے صبر کرنے اور دائمی ذکر کا حکم دے حتیٰ کہ اس کے دل میں قبولیت کے انوار چمک اٹھیں اور اس کے باطن میں اللہ ﷻ تک پہنچنے کے سورج طلوع ہو جائیں اور یہ بات جلد ہی ہو جائے گی۔ لیکن یہ بات خاص افراد کے علاوہ کسی میں نہیں پائی جاتی۔ عام طور پر اس کا علاج اسی طرح کیا جاتا ہے کہ ان کو آیات میں غور وفکر کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے بشرط یہ کہ ان کو اس قدر علم اصول حاصل ہو جس قدر مرید کو ضرورت پڑتی ہے۔

مرید کی آزمائشیں

یاد رکھیں کہ اس مقام پر مریدین کو آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے وہ اس طرح کہ وہ مجالسِ فکر یا مجالسِ سماع یا کسی دوسری مجلس میں ہوتے ہیں تو اس وقت ان کے دل میں بُری باتوں کا خیال آتا ہے حالاں کہ وہ یقینی طور پر جانتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان باتوں سے پاک ہے۔ اور انھیں اس بات میں شک نہیں ہوتا کہ یہ باطل خیالات ہیں لیکن یہ خیالات دائمی ہو جاتے ہیں اور ان کو اذیت پہنچاتے ہیں حتیٰ کہ وہ اس حد تک پہنچ جاتے ہیں کہ سخت ترین گالی، قبیح ترین قول اور بدترین خیالات بن جاتے ہیں حتیٰ کہ مرید ان کو زبان پر بھی نہیں لاسکتا اور نہ کسی کے سامنے ظاہر کرسکتا ہے۔ ان پر واقع ہونے والی یہ سخت ترین چیز ہوتی ہے۔

اس وقت ضروری ہے کہ وہ ان خیالات کی پروا نہ کریں۔ ذکر میں مشغول رہیں اور ان کو دور کرنے کے لیے اللہ ﷻ کے ہاں آہ وزاری کریں۔ یہ وسوسے شیطان کی طرف سے نہیں ہوتے یہ نفسانی خیالات ہوتے ہیں۔ جب بندہ ان کی پروا نہ کرنے کے ساتھ ان کا مقابلہ کرے تو وہ اس سے منقطع ہو جاتے ہیں۔

مرید سفر نہ کرے

مرید کے آداب بلکہ اس کے حال کے ''فرائض'' میں سے یہ بات بھی ہے کہ اپنے مقام ارادت سے نہ نکلے اور جب تک اس طریق میں اسے قبولیت حاصل نہ ہو اور وہ دل کے ساتھ رب ﷻ تک نہ پہنچے وہ سفر نہ کرے کیونکہ مرید کا ''بے وقت'' سفر کرنا زہرِ قاتل ہے۔ اور جب ان (مریدین) سے کوئی ایک بے وقت سفر کرتا ہے تو اس کے لیے جن مراتب کی امید کی جاتی تھی وہ ان تک نہیں پہنچ سکتا۔

اللہ ﷻ جب کسی مرید سے بھلائی کرنا چاہتا ہے تو ابتدائے ارادت میں اسے ثابت قدم بنا دیتا ہے اور جب اللہ ﷻ کسی مرید کے لیے برائی چاہتا ہے تو اسے اس کے پہلے پیشے یا حالت کی طرف لوٹا دیتا ہے۔ اور جب اللہ ﷻ کسی مرید کو آزمانا چاہتا ہے تو اس کو غریب الوطنی (سفر) کی طرف دھکیل دیتا ہے۔ یہ اس وقت ہے جب مرید اللہ ﷻ تک پہنچنے کی

صلاحیت رکھتا ہو۔ لیکن جب وہ نوجوان ہو تو اس کی طریقت یہی ہے کہ ظاہری طور پر بذات خود فقراء کی خدمت کرے اور وہ طریقت میں ان فقراء سے کم مرتبہ والا ہوگا۔ یہ اور اس قسم کے لوگ طریقت کی ظاہری رسوم پر اکتفاء کریں اور سفر میں رہیں اور اس طریقہ پر انھیں جو چیز زیادہ سے زیادہ حاصل ہوگی وہ چند ''حج'' ہوں گے یا چند مقامات کی ''زیارت'' ہوگی جن کی طرف وہ جائیں گے اور ظاہری سلام کے ساتھ چند شیوخ کی ملاقات ہوگی پس وہ ظاہری امور کا مشاہدہ کریں گے اور اس طرح وہ ظاہری سیر وسیاحت پر اکتفا کر بیٹھیں گے۔ ان لوگوں پر دائمی سفر لازم ہے تاکہ ان کی تن آسانی کسی ممنوع کام کے ارتکاب کا باعث نہ بنے کیونکہ جب نوجوان راحت اور تن آسانی کا شکار ہوتا ہے تو اس کے فتنے میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔

احباب کی خدمت اور ان کی موافقت

اور جب کوئی مرید ابتدائے ارادت میں فقراء اور اصحاب (دوستوں) کی جماعت میں چلا جائے تو یہ اس کے لیے سخت مضر ہے۔ اگر کوئی شخص اس میں مبتلا ہو تو اس کا طریقہ شیوخ کا احترام اور احباب کی خدمت کرنا ہے نیز ان کی مخالفت سے بچنا اور وہ کام کرنا ہے جس میں فقیر کا آرام ہو اور کوشش کرے کہ کہیں اس سے شیخ کا دل اچاٹ نہ ہو جائے نیز جب فقراء کی صحبت میں ہو تو ان کی خاطر ہر وقت اپنے نفس سے جھگڑے اپنے نفس کی خاطر ان سے نہ جھگڑے اور خیال کرے کہ ان میں سے ہر ایک کا اس پر حق ہے اور ان میں سے کسی پر اپنا حق نہ سمجھے۔

مرید پر واجب ہے کہ وہ کسی کی مخالفت نہ کرے اور اگر وہ سمجھتا ہے کہ وہ حق پر ہے تو خاموش رہے اور ہر ایک سے موافقت کا اظہار کرے (جب کہ شریعت کے مطابق ہو)۔ جو مرید ہنسی، جھگڑے اور ضد بازی کو عادت بنا لے وہ کسی مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔

جب مرید فقراء کی جماعت میں ہو، سفر میں ہو یا حالت اقامت میں، تو اسے ظاہر میں ان کی مخالفت نہیں کرنی چاہئے نہ کھانے میں، نہ روزے میں، نہ سکون میں، نہ حرکت میں بلکہ دل اور باطن کے ذریعے ان کی مخالفت کرے اور اپنے دل کو اللہ ﷻ کے ساتھ محفوظ رکھے اور مثال کے طور پر جب وہ اسے کھانے کے لیے کہیں تو ایک دو لقمے کھا لے لیکن خواہش کے مطابق نہ کھائے۔

مرید اور کثرتِ وظائف

ظاہری طور پر وظائف کی کثرت مریدین کے آداب میں سے نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ اپنے وسوسوں کو نکالنے، اپنے اخلاق کے علاج اور اپنے دلوں سے غفلت کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ نیک اعمال کی کثرت مقصود نہیں ہوتی البتہ

فرائض اور سنن مؤکدہ سے چھٹکارا نہیں (ان کی ادائیگی ضروری ہے)۔[1] جہاں تک زیادہ نفل پڑھنے کا تعلق ہے تو ان لوگوں کے لیے اس کے مقابلے میں دل سے ذکر کرنا زیادہ بہتر ہے۔

مرید ہر بات خوش دلی سے قبول کرے

مرید کا تمام سرمایہ یہ ہے کہ وہ ہر کسی کی بات کو خوش دلی سے برداشت کرے اور جو کچھ اسے پیش آئے اسے رضامندی سے قبول کرے۔ تکلیف اور فقر پر صبر کرے، سوال نہ کرے اور اپنے حصے کے لیے کسی سے جھگڑا نہ کرے وہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔ اور جو مرید ان باتوں پر صبر نہ کر سکتا ہو وہ بازار میں چلا جائے (اور کاروبار کرے وہ سلوک کے لائق نہیں) کیونکہ جو شخص ان باتوں کی خواہش رکھتا ہے جن کی خواہش عام لوگوں کو ہوتی ہے تو اس کے لیے مناسب ہے کہ وہ اپنی خواہش کو اس جگہ سے پورا کرے جہاں سے دوسرے لوگ پورا کرتے ہیں یعنی ہاتھ کی مشقت اور پیشانی کا پسینہ (مطلب یہ ہے کہ محنت مزدوری کرے)۔

مرید مشاہدات کی طرف توجہ نہ کرے

جب مرید دائمی ذکر کو اختیار کرے اور گوشہ نشینی کو ترجیح دے تو اگر اس گوشہ نشینی میں اسے وہ باتیں حاصل ہوں جو اس سے پہلے حاصل نہ تھیں یا تو خواب میں حاصل ہوں یا بیداری کی حالت میں یا بیداری اور نیند کی درمیانی حالت میں، چاہے وہ خطاب سنے یا خلاف عادت بات (کرامت) دیکھے تو اسے چاہئے کہ اس کی طرف بالکل توجہ نہ کرے اور نہ اس سے سکون حاصل کرے اور نہ اس قسم کی باتوں کے حصول کا منتظر رہے کیونکہ یہ تمام باتیں اللہ ﷻ سے غافل کر دیتی ہیں۔ البتہ ان تمام احوال کو اپنے شیخ کے سامنے بیان کرے تاکہ اس کا دل اس سے فارغ ہو جائے۔

اور شیخ پر واجب ہے کہ اس کے راز کو راز رکھے اور اس کے معاملہ کو دوسروں سے مخفی رکھے اور اس کی نگاہ میں ان کو حقیر قرار دے کیونکہ یہ تمام امور آزمائش کے طور پر ہوتے ہیں اور ان پر مطمئن ہو جانا دھوکہ ہے پس مرید ان باتوں اور ان کو ملاحظہ کرنے سے بچتا رہے اور اپنی ہمت اور ارادے کو ان سے بلند تر امور کی طرف رکھے۔

مرید کے لیے نقصان دہ بات

یہ بات جان لو کہ مرید کے لیے سب سے زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ وہ ان امور سے مانوس ہو جو حق تعالیٰ کی

---

[1] جس طرح کسی چیز کو روغن کرنے سے پہلے اس کو صاف کیا جاتا ہے تاکہ رنگ اس پر ٹھہر سکے اسی طرح مرید پہلے اپنے دل کو صاف کرتا ہے پھر اس پر عبادت کا رنگ چڑھتا ہے اس لیے ابتداء میں عبادت کی کثرت کی بجائے دل کی صفائی اور اخلاق حسنہ کی طرف توجہ دی جاتی ہے۔۱۲ ہزاروی

طرف سے اس کے باطن میں ڈالے جاتے ہیں جس طرح اللہ عزوجل کا اسے قرب عطا کرنا اور اللہ عزوجل کا یہ احسان کہ میں نے تجھے اس (قرب) کے ساتھ خاص کیا اور تمھارے ہم جنسوں سے تجھے ممتاز کیا کیونکہ اگر وہ ان امور کو ترک کرنے کا عزم کرے تو عنقریب اس سے حقیقت کے ان مکاشفات [1] کو چھین لیا جائے گا جو اس کے لیے ظاہر ہوئے۔

کتابوں میں ان امور کی تشریح مشکل ہے۔

حصولِ تربیت کے لیے ہجرت

مرید کے احکام میں سے یہ بات بھی ہے کہ اگر وہ اس جگہ کسی ایسے شخص کو نہ پائے جو اس کی تربیت کر سکے تو وہ اس شخص کی طرف ہجرت کرے جو اس وقت مریدین کی راہ نمائی کے لیے مقرر کیا گیا ہے اور جب تک وہ اجازت نہ دے اس کے دروازے کو نہ چھوڑے۔

اللہ عزوجل کی معرفت، حج سے پہلے

یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ بیت اللہ شریف کے رب کی معرفت بیت اللہ شریف کی زیارت سے پہلے ضروری ہے۔ جب تک بیت اللہ کے رب کی معرفت حاصل نہ ہو بیت اللہ شریف کی زیارت واجب نہ ہو گی۔ ان لوگوں میں سے وہ نوجوان جو شیخ کی اجازت کے بغیر حج اور بیت اللہ شریف کی زیارت کے لیے جاتے ہیں وہ نفسانی خواہش کے تحت ایسا کرتے ہیں، وہ لوگ طریقت کو محض نام کے طور پر اختیار کیے ہوئے اور ان کے اس سفر کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جس قدر ان کا سفر بڑھتا ہے اسی قدر ان کے دل کا خوف بڑھتا ہے اگر یہ لوگ اپنے نفس کی خواہش کو ترک کر کے سفر کرتے تو یہ ان کے لیے ایک ہزار (1000) سفر سے زیادہ فائدہ مند ہوتا۔

مرشد کا احترام

مرید کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ جب وہ شیخ کی زیارت کے لیے جائے تو احترام کے ساتھ جائے اور اس کی طرف حیاء کی نگاہ کے ساتھ دیکھے۔ اگر شیخ اسے کسی خدمت کا حکم دے تو اسے بہت بڑی نعمت شمار کرے۔

مرشد کو معصوم نہ سمجھے

مرید کے لیے مناسب نہیں کہ وہ مشائخ کے "معصوم" ہونے کا عقیدہ رکھے بلکہ وہ ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دے ،

[1] مکاشفات سے مراد وہ امور جو اس پر ظاہر کیے گئے۔ ۱۲ ہزاروی

اور ان کے بارے میں اچھا گمان رکھے اور اسے جس بات کا حکم دیا جائے اس کے بارے میں اللہ ﷻ کی حدود کا لحاظ رکھے۔ محمود اور غیر محمود کام میں امتیاز کے لیے اس کا علم کافی ہے۔ [1]

مرید کے دل میں دنیوی مال ومتاع کی قدر ومنزلت نہ ہو

جس مرید کے دل میں دنیوی ساز وسامان کی تھوڑی سی بھی قدر ومنزلت ہو اس کے لیے ارادت کا نام ''مجازی'' ہو گا (حقیقتاً وہ مرید نہیں) اور جب اس کے دل میں اس مال سے متعلق جس سے وہ نکل گیا ہے اختیار باقی ہو اور وہ خاص قسم کی نیکی کرنا چاہتا ہو یا کسی مخصوص شخص کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہو تو وہ اپنے حال میں تکلف برتنے والا ہے اور اس بات کا خطرہ ہے کہ وہ جلد ہی دنیا کی طرف لوٹ جائے کیونکہ دنیوی تعلق کو ختم کرنے کے بارے میں مرید کا ''ارادہ'' ان چیزوں سے علیحدگی اختیار کرنا ہوتا ہے نہ یہ کہ وہ اعلیٰ قسم کی نیکی کرے۔

مرید کے لیے یہ بات بھی بری ہے کہ وہ اپنے تمام مال اور جمع کی گئی دولت سے نکل جانے کے بعد کسی خاص پیشے کا قیدی بن جائے، اس وقت اس کے نزدیک ہونا نہ ہونا برابر ہونا چاہیے تاکہ وہ اس مال کی وجہ سے نہ تو کسی فقیر پر فخر کرے اور نہ کسی کو تنگ کرے اگرچہ وہ مجوسی ہی ہو۔ [2]

شیخ کے دل میں جگہ بنانا سعادت مندی ہے

مشائخ کے دلوں میں مرید کی قبولیت اس کی سعادت مندی کی سب سے سچی دلیل ہے اور جس شخص کو مشائخ میں سے کسی شیخ کا دل رد کر دے وہ یقیناً اس کا انجام دیکھے گا اگرچہ کچھ مدت کے بعد ہو۔ اور جو اپنے شیخ کا احترام نہ کرنے کی وجہ سے رسوا ہوا اس نے بدبختی کی علامت کو ظاہر کیا اور وہ بدبختی سے بچ نہیں سکتا (اور کوئی حصہ حاصل نہیں کر سکتا)۔

نوخیز لڑکوں سے دور رہنا

اس راستے میں سخت ترین آفت نوخیز بچوں کی صحبت ہے اور جس شخص کو اللہ ﷻ اس میں مبتلا کرتا ہے تو اس بات پر بزرگوں کا اتفاق ہے کہ اس بندے کو اللہ ﷻ نے ذلیل ورسوا کیا بلکہ اسے اپنی ذات سے غافل کر دیا اگرچہ اسے ہزارہا کرامات کا اہل بنایا ہو۔ اگرچہ فرض کر لیں کہ وہ شہداء کے مرتبہ کو پہنچ چکا ہے کیونکہ حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ

---

[1] یعنی وہ جانتا ہے یا اسے جاننا چاہیے کہ کون سا کام شرعاً درست ہے اور کون سا درست نہیں۔ ۱۲ ہزاروی

[2] مال کے ذریعے نیکی کرنے کی ممانعت نہیں بلکہ اس ابتدائی حالت میں قلبی طہارت کے حصول کے لیے دولت کی محبت کو دل سے نکالنا ہے تاکہ وہ اخلاقِ عالیہ سے موصوف ہو اور دوسروں پر تکبر وغیرہ سے بھی محفوظ رہے۔ ۱۲ ہزاروی

کیا گیا ہے ''کیا یہ دل اللہ عزوجل کو چھوڑ کر دوسری طرف مشغول نہیں ہوا؟'' اور اس سے بھی سخت ترین بات یہ ہے کہ مرید اس بات کو معمولی سمجھے حتیٰ کہ وہ اس کو آسان خیال کرے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَتَحْسَبُوْنَهٗ هَیِّنًا ۖۗ وَّهُوَ عِنْدَاللّٰهِ عَظِیْمٌ۝﴾

''اور اسے سہل سمجھتے تھے اور وہ اللہ کے نزدیک بڑی بات ہے۔''[1]

حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب اللہ عزوجل کسی بندے کو ذلیل کرنا چاہتا ہے تو اسے اس بدبو اور مردار کی طرف ڈال دیتا ہے۔

حضرت فتح موصلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: میں نے تیس (30) مشائخ کی صحبت اختیار کی جن کو 'ابدال' میں شمار کیا جاتا تھا جب میں ان سے جدا ہوا تو ان سب نے مجھے نصیحت کی اور مجھ سے فرمایا: نوخیز لڑکوں کے ساتھ میل جول سے بچنا۔ اور جو لوگ اس سلسلے میں فسق سے بلند ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو روح کی آزمائش ہے اور اس سے کچھ نقصان نہیں ہوتا اور اس سلسلے میں انھوں نے جو کچھ کہا یہ ان لوگوں کے وسوسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل کی تخلیق کا مشاہدہ کرنا چاہئے۔[2]

وہ اس سلسلے میں بعض مشائخ کے واقعات بھی بیان کرتے ہیں حالانکہ ان کے لیے مناسب یہ تھا کہ وہ ان کے عیبوں اور ان کو پہنچنے والی آفات پر پردہ ڈالتے، اس قسم کے خیالات شرک اور کفر کی طرح (خطرناک) ہیں۔ پس مرید کو چاہئے کہ وہ نوخیز لڑکوں کی صحبت اور ان سے میل جول سے بچے کیونکہ اس سلسلے میں تھوڑا سا عمل بھی رسوائی اور ذلت کے دروازے کھول دیتا اور اللہ عزوجل سے جدا کر دیتا ہے ہم اللہ عزوجل کے ہاں بری قضا سے پناہ چاہتے ہیں۔

مرید حسد سے بچے

مرید کی آفات میں سے ایک حسد بھی ہے یعنی اس کے دل میں اپنے بھائیوں کے بارے میں خفیہ ''حسد'' پایا جائے اور یہ حسد اس خیال سے پیدا ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل نے اس کے کسی برادر طریقت پر خاص مہربانی فرمائی اور وہ اس سے محروم ہے۔

یہ بات یاد رہے کہ تمام امور اللہ عزوجل کی طرف سے تقسیم ہوتے ہیں۔ بندہ حسد سے اسی وقت چھٹکارا حاصل کر سکتا ہے جب وہ ذاتِ حق پر اکتفا کرے اور یہ عقیدہ رکھے کہ اس کا کسی کو مقدم کرنا اس کے جود و انعام کا تقاضا ہے۔

---

[1] پارہ 18، النور 15، ترجمہ کنزالایمان

[2] یعنی وہ یہ بہانہ کرتے ہیں کہ یہ اللہ عزوجل کی تخلیق کا کرشمہ ہے اور ہم اس نقطہ نظر سے ان کو دیکھتے ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

پس اے مرید! تم جس شخص کو دیکھو کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس کا مرتبہ بلند کیا ہے تو اس کے خدمت گار بن جاؤ کیونکہ سمجھ دار ارادت مندوں کا طریقہ یہی ہے۔

مرید کا ایثار کرنا

یہ بات جان لو کہ جب مرید دوسرے احباب کے ساتھ ہو تو اسے سب کچھ قربان کر دینا چاہئے وہ بھوک اور پیاس کو اپنی ذات سے مقدم کرے اور جو شخص بھی شیخ بنے اس کی شاگردی اختیار کرے۔ اگرچہ وہ خود اس سے زیادہ علم رکھتا ہو اور اس بات تک پہنچنا تب ہی ممکن ہے جب وہ اپنی قوت پر اعتماد نہ کرے اور یہ کہ اس مقام تک پہنچنا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عنایت اور احسان سے ہی ہو سکتا ہے۔

سماع کے سلسلے میں آدابِ مرید

جہاں تک سماع میں مرید کے آداب کا تعلق ہے تو سماع میں مرید کی حرکات کا سالم رہنا اس کے اختیار کی بات نہیں [1] لہٰذا جب اس پر حرکت کرنے کی کوئی کیفیت طاری ہو اور اس میں کوئی زائد قوت نہ ہو تو اسے غلبہ کی مقدار کے مطابق معذور سمجھا جائے گا۔ جب غلبہ زائل ہو جائے تو اس پر بیٹھ جانا اور سکون اختیار کرنا لازم ہے اور اگر وہ وجد کی لذت حاصل کرنے کی خاطر غلبہ اور ضرورت کے بغیر بھی مسلسل حرکت میں رہے تو یہ بات درست نہیں ہے۔ اور اگر وہ اسے عادت بنا لے تو وہ پیچھے رہ جائے گا اور حقائق میں سے کوئی چیز اس کے سامنے ظاہر نہیں ہوگی، اس وقت زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ اس کا دل خوش ہوگا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حرکت کی وجہ سے ان کے مقام و مرتبہ میں کمی واقع ہوتی ہے مرید حرکت کرے یا شیخ، البتہ یہ کہ یہ حرکت وقت کے اشارہ یا ایسا غلبہ کی وجہ سے ہو جو اس کے ہوش و حواس کو قائم نہ رہنے دے۔ اگر مرید کو شیخ حرکت کا اشارہ کرے اور وہ اس کے اشارے سے حرکت کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں جب کہ شیخ ایسے لوگوں میں سے ہو جو دوسروں کو حکم دے سکتا ہے۔

اور اگر فقراء اسے حکم دیں کہ وہ حرکت کرنے میں ان کی موافقت کرے تو اسے کھڑے ہو جانے میں ان کا ساتھ دینا چاہئے نیز ان کاموں میں ان کی موافقت کرے جن کی ادائیگی ضروری ہے اور یہ خیال کرے کہ کہیں (اس کے انکار سے) ان کے دل متنفر نہ ہو جائیں۔ پھر اس کے حال کی صداقت فقراء کے دلوں کو اس سے موافقت کا سوال کرنے سے باز رکھے گی (یعنی یہ خود ان کی موافقت کرے گا سوال کی ضرورت نہ ہوگی)۔

---

[1] یعنی قوالی سنتے وقت وجد کی کیفیت میں اُٹھ کر حرکت کرنا جائز ہے جب وہ مجبور ہو جائے اور اس پر اس "حالت" کا غلبہ ہو۔ ۱۲ ہزاروی

خرقہ اُتار کر پھینک دینا

جہاں تک خرقہ اتار پھینکنے کا تعلق ہے [1] تو مرید پر لازم ہے کہ اس بے حس چیز کو چھوڑ دے پھر اس کی طرف نہ جائے البتہ یہ کہ شیخ اسے اس کی طرف لوٹنے کا حکم دے تو وہ اسے ادھار پہننے کی نیت سے لے سکتا ہے۔ [2] پھر اس کے بعد شیخ کے دل کو ٹھیس پہنچائے بغیر اسے چھوڑ دے۔

اگر اسے ان لوگوں کے درمیان ہونے کا اتفاق ہو جائے جن کو خرقہ اتار پھینکنے کی عادت ہے اور اسے معلوم ہے کہ وہ (واپس) لے لیتے ہیں اگر ان میں مرشد (شیخ) موجود نہ ہو جس کا ادب واحترام ضروری ہے اور اس مرید کی عادت یہ ہے کہ وہ خرقہ دوبارہ نہیں لیتا تو اس کے لیے بہتر بات یہی ہے کہ خرقہ اتار پھینکنے میں ان کی موافقت کرے اور پھر جب وہ دوبارہ لے لیں تو یہ اپنا خرقہ قوال کو دے دے اور اگر یہ نہ پھینکے تو یہ بھی جائز ہے جب اس کو معلوم ہو کہ ان لوگوں کی عادت یہ ہے کہ واپس لے لیتے ہیں کیونکہ ان کا خرقوں کو لوٹا لینا بری بات ہے ان کی مخالفت کرنا (برا) نہیں ہاں بہتر یہ ہے کہ ان کی موافقت میں اتار پھینکے پھر واپس نہ لے۔

مرید کے لیے اس صورت میں یہ بھی درست نہیں کہ قوال کو دوبارہ پڑھنے کے لیے کہے کیونکہ اس کے حال کا صدق قوال کو تکرار پر مجبور کرے گا اور دوسروں کو مزید تقاضا کرنے پر مجبور کرے گا [3] جو اس حالت میں مرید سے برکت حاصل کرنا چاہتا ہے وہ اس پر ظلم کرتا ہے کیونکہ مرید میں (ریا کو روکنے کی) قوت کم ہونے کی وجہ سے اسے نقصان ہوگا۔ پس مرید پر واجب ہے کہ جاہ ومرتبہ کے حصول کی خواہش ترک کر دے جب کوئی اسے چھوڑنے اور ثابت رکھنے کا کہے۔

آزمائش کے وقت سفر کرنا

اگر مرید جاہ یا مال یا نوخیز لڑکوں کی صحبت یا کسی عورت کی طرف میلان یا کسی معلوم چیز کے ساتھ اطمینان حاصل کرنے (وغیرہ امور) میں مبتلا ہو جائے اور وہاں کوئی ایسا مرشد نہ ہو جو اس کو اس سے نکلنے کے لیے کوئی راستہ بتا سکے تو اس وقت اس کے لیے سفر کرنا اور اس جگہ سے دوسری جگہ کی طرف پھرنا جائز ہوگا تاکہ اس حالت سے اس کے لیے پریشانی پیدا ہو (اور وہ اس آزمائش سے بچ جائے)۔ مریدین کے دلوں کے لیے ان کی بشریت کے محو ہونے سے پہلے

---

[1] اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض اوقات قوالی سن کر صوفیاء اپنا کرتہ اتار کر پھینک دیتے ہیں تو اگر ایسا کیا تو وہ واپس نہ لے، تفصیل اوپر مذکور ہے۔۱۲ہزاروی

[2] یعنی جب شیخ کے حکم سے اپنا خرقہ واپس لے گا تو یہ تصور کرے کہ وہ ادھار لے رہا ہے۔۱۲ہزاروی

[3] یعنی قوال اس شخص کی صداقت کی وجہ سے دوبارہ پڑھے گا لیکن پھر دوسرے لوگ بھی تقاضا کرنا شروع کر دیں گے اور اس طرح قوال کو تکلیف ہو گی۔۱۲ہزاروی

جاہ و مرتبہ کے حصول سے بڑھ کر کوئی چیز زیادہ نقصان دہ نہیں۔ [1]

مرید کا علم اس کی منزل سے زیادہ نہ ہو

مرید کے آداب میں سے یہ بات بھی ہے کہ اس طریقہ میں اس کا علم اس کی منزل سے زیادہ نہ ہو کیونکہ جب وہ اس گروہ کی سیرتوں کو جان لے گا اور اس سے پہلے کہ وہ صوفیاء کے مسائل اور احوال کے ساتھ پوری طرح متصف ہو جائے ان کے مسائل واحوال کو جاننے کی کوشش کرے تو اس کے لیے معانی (حقائق) تک پہنچنا ناممکن ہوگا۔
اسی لیے مشائخ نے فرمایا کہ جب کوئی عارف معرفت کی باتیں کرے تو اسے جاہل کہو کیونکہ منزلوں کی خبر دینا معارف سے کم درجہ میں ہے اور جس کا علم اس کی منزل پر غالب ہو وہ علم والا کہلائے گا، سلوک والا نہیں۔

مرید صدر نشینی کی کوشش نہ کرے

مریدین کے آداب میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ صدر نشینی کی کوشش نہ کریں یعنی یہ خواہش نہ رکھے کہ اس کے شاگرد یا مرید ہوں کیونکہ مرید جب مراد بن جائے اور ابھی اس کی بشریت محو نہ ہوئی ہو اور آفات ساقط نہ ہوئی ہوں تو وہ حقیقت سے پردے میں رہتا ہے اس کے اشارات اور تعلیم سے کسی کو فائدہ نہیں پہنچتا۔

مرید اور فقراء

جب مرید فقراء کی خدمت کرے تو فقراء کے خیالات ان کے قاصد بن کر آتے ہیں پس مرید کے لیے مناسب نہیں کہ وہ ان فقراء کی خدمت کے سلسلے میں اپنے دل کے حکم کی مخالفت کرے یعنی اس کا دل اس کو خدمتِ فقراء کے لیے خلوص اختیار کرنے اور حتی المقدور خدمت کا جو حکم دیتا ہے اس کی مخالفت نہ کرے۔ اور مرید کی شان میں سے یہ بات بھی ہے کہ جب وہ فقراء کی خدمت کرنا اپنا طریقہ بنا لے پھر ان کی سختی پر صبر کرے اور اس بات کا عہد کرے کہ وہ ان کی خدمت کی خاطر اپنی روح تک کو خرچ کر دے گا پھر بھی اگر وہ اس کی باتوں کو پسند نہ کریں تو اپنی کوتاہی کی معذرت کرے اور اسے اپنا جرم قرار دے تاکہ ان کے دل خوش ہو جائیں اگرچہ وہ جانتا ہو کہ وہ بے گناہ ہے۔ اور جب وہ اس پر زیادہ ظلم کریں تو لازم ہے کہ وہ ان کی خدمت اور ان سے نیکی کے عمل میں اضافہ کرے۔
امام ابن فورک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: مثال (مشہور) ہے کہ "جب تو ہتھوڑے کی چوٹیں برداشت نہیں کر سکتا تو (لوہا)

[1] مطلب یہ کہ پہلے بشری کثافتوں کو دور کرے پھر خود بخود مقام و مرتبہ مل جائیگا۔ ایسا نہ کرے کہ ابھی سے بلند مقام پر فائز ہونا شروع کر دے جس طرح ہمارے ہاں پڑھنے کے بغیر لوگ "علامہ" بننے کی کوشش کرتے ہیں اور بڑے منصب کی خواہش رکھتے ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

آڑن کیوں بنتا ہے'' اسی معنیٰ میں یہ شعر کہا گیا ہے:

رُبَّمَا جِئْتُهُ لَأَسْفَلُهُ الْعُذْرَ
لِبَعْضِ الذُّنُوْبِ قَبْلَ التَّجَنِّيْ

* اکثر ایسا ہوتا ہے کہ میں گناہ کے بغیر ہی اس کے پاس عذر پیش کرنے چلا جاتا ہوں۔

تصوف اور آدابِ شریعت

طریقت کی بنا آدابِ شریعت کی حفاظت اور حرام اور شبہ والی چیزوں کی طرف ہاتھ کے بڑھنے کو روکنا نیز حواس کی حفاظت کرنا، غفلت ترک کر کے اپنے سانسوں کو اللہ ﷻ کے ساتھ شمار کرنا، ضرورت کے وقت بھی تل کے برابر شبہ والی چیز کو حلال نہ سمجھنا ہے چہ جائیکہ اختیار اور راحت کے وقت (ان کو حلال سمجھے)۔

مرید کی شان سے یہ بات بھی ہے کہ وہ خواہشات کو چھوڑنے میں ہمیشہ مجاہدہ کرے کیونکہ جس نے خواہشات سے موافقت کی اس (کے باطن) کی صفائی چلی جاتی ہے۔ مرید کا بدترین عمل اس خواہش کی طرف رجوع کرنا ہے جسے وہ اللہ ﷻ (کی رضا) کے لیے چھوڑ چکا ہے۔

عہدِ خداوندی کی پابندی

مرید کے لیے یہ بات بھی ضروری ہے کہ وہ اللہ ﷻ کے ساتھ کیے ہوئے وعدہ کو پورا کرے کیونکہ ارادت کے طریقہ میں وعدہ توڑنا اہل ظاہر[1] کے نزدیک دین اسلام سے کفر کی طرف لوٹنے (مرتد ہونے) کی طرح ہے۔

مرید کے لیے مناسب ہے کہ جس قدر ممکن ہو اپنے اختیار سے اللہ ﷻ کے ساتھ کوئی عہد و پیمان نہ کرے (جس طرح نذر وغیرہ ماننا) کیونکہ شریعت نے جو کام اس پر لازم کیے ہیں وہی اس کی تمام قوت کو خرچ کر دیتے ہیں، اللہ ﷻ نے بعض لوگوں کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَرَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ﴾

''اور راہب بننا تو یہ بات انھوں نے دین میں اپنی طرف سے نکالی ہم نے ان پر مقرر نہ کی تھی ہاں یہ بدعت

[1] بعض لوگ احادیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہیں ان کو ''اہلِ الظواہر'' یا ''اہلِ الظاہر'' کہا جاتا ہے ان کے نزدیک یہ حکم ہے جو اوپر ذکر کیا ورنہ اہلِ تحقیق کے نزدیک یہ عمل ارتداد یعنی اسلام سے کفر کی طرف جانا نہیں ہے۔ ۱۲ ہزاروی

انھوں نے اللہ کی رضا چاہنے کو پیدا کی۔" [1]

اس کے بعد اللہ ﷻ نے بتایا کہ انھوں نے اس کا صحیح طور پر حق ادا نہ کیا۔ [2]

امیدیں کم رکھنا

مرید کی شان سے یہ بھی ہے کہ وہ کم امید رکھے کیونکہ فقیر اپنے وقت کا پابند ہوتا ہے (اسے مستقبل کی بجائے حال کی طرف توجہ دینا چاہئے) اگر وہ مستقبل کی تدبیر میں مصروف ہوگا اور وقت کے علاوہ آئندہ کی امید لگائے رکھے گا تو اس سے کچھ بھی نہیں بن پڑے گا۔

مال و دولت سے دوری

مرید کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے پاس (ضرورت سے زیادہ) مال نہیں ہوتا اگرچہ کم ہی ہو بالخصوص جب وہ فقراء کے درمیان ہو بے شک مال کی تاریکی وقت کے نور کو مٹا دیتی ہے۔

عورتوں کی نرم گفتگو سے بچنا

مرید کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے بلکہ اس مذہب (طریقت) کے تمام سالکین کے لیے ضروری ہے کہ وہ عورتوں کی "نرم گفتگو" کو قبول نہ کریں چہ جائیکہ وہ ان کو اپنی طرف راغب کریں۔ ان کے شیوخ کا یہی طریقہ رہا ہے اور انھوں نے اسی بات کی وصیت کی ہے۔ جو شخص اس بات کو معمولی سمجھے عنقریب اسے ایسے کاموں کا سامنا کرنا پڑے گا جو اس کو رسوا کردیں گے۔

دنیاداروں سے دُوری

مرید کی شان سے یہ بھی ہے کہ وہ "دنیاداروں" سے دور رہے۔ بے شک ان کی صحبت تجربہ شدہ "زہر" ہے کیونکہ وہ (دنیادار) اس سے نفع حاصل کرتے ہیں اور اسے ان کی وجہ سے نقصان ہوتا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا﴾

---

[1] پارہ 27، الحدید 27، ترجمہ کنز الایمان

[2] یعنی بعض لوگوں نے خود اپنے اوپر کچھ عبادات و مجاہدات کو لازم کیا جو اللہ ﷻ نے ان پر فرض نہیں کی تھیں لیکن پھر ان کو کما حقہ ادا بھی نہ کیا تو اس طرح نہیں ہونا چاہئے بلکہ اللہ ﷻ کی طرف سے جو کام فرض کیا گیا ہے ان کی ادائیگی کریں۔ ۱۲ ہزاروی

''اور اس کا کہانہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا۔''[1]

بے شک زاہد لوگ اللہ ﷻ کا قرب حاصل کرنے کے لیے اپنی ہتھیلیوں سے مال نکالتے ہیں اور اہل صفا اللہ ﷻ کی ذات کے ساتھ ثابت رہتے ہوئے مخلوق اور معروف چیزوں کو دل سے نکالتے ہیں۔

حضرت استاذ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

مریدین کو ہماری یہ وصیت ہے۔ ہم اللہ کریم سے ان کے لیے توفیق کا سوال کرتے ہیں اور یہ کہ اللہ ﷻ ان وصیتوں کو ان کے لیے وبال نہ بنائے۔

438 ہجری کے آغاز میں ہم اِس ''رسالہ'' کے لکھانے سے فارغ ہوئے، ہم اللہ کریم سے سوال کرتے ہیں کہ وہ اس (رسالہ) کو ہمارے خلاف حجت اور وبال نہ بنائے بلکہ یہ ہمارے لیے وسیلہ اور عنایت کا ذریعہ بنے۔ اللہ ﷻ کی طرف سے مہربانی معروف ہے اور وہ معاف کرنے کے ساتھ موصوف ہے۔ اللہ ﷻ کے لیے حمد ہے جیسے اس کی حمد کا حق ہے اور اس کی رحمتیں اور برکات اس کے رسول اور ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ پر ہوں جو اُمّی (کسی سے نہ پڑھے ہوئے) نبی علیہ السلام ہیں اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جو منتخب لوگ ہیں اور بہت زیادہ سلام ہو۔

***

الحمدللہ! آج 12 شعبان المعظم 1429ھ / 15 اگست 2008ء بروز جمعۃ المبارک ساڑھے نو بجے دن ''رسالہ قشیریہ'' کا ترجمہ مکمل ہوا۔ اللہ ﷻ اسے شرفِ قبولیت عطا فرما کر راقم کے لیے ذریعہ نجات اور امت مسلمہ کے لیے مفید بنائے اور اس ''کاوش'' کا ثواب امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ، میرے والدین، جملہ اساتذہ اور مرشد گرامی غزالیٔ دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کی ارواح مبارکہ کو عطا فرمائے۔ آمین

محمد صدیق ہزاروی سعیدی ازہری
استاذ الحدیث جامعہ ہجویریہ دربار عالیہ
حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور

[1] پارہ 15، الکھف 28، ترجمہ کنزالایمان

حواشی وتخریج کے مأخذ ومراجع

کتب	اشاعتی ادارہ	کتب	اشاعتی ادارہ
قرآن پاک	ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور	ترجمہ کنز الایمان	ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
تفسير طبری	دار الكتب العلميه بيروت	تفسير در منثور	مكتبه نزار المصطفى الباز بيروت
صحيح بخاری	دار الفكر بيروت	صحيح مسلم	دار المعرفة بيروت
سنن ابو داؤد	دار المعرفة لبنان بيروت	جامع ترمذی	دار الكتب العلميه بيروت
سنن ابن ماجه	دار المعرفة بيروت	سنن نسائی	دار المعرفة بيروت
سنن دارمی	دار المعرفة بيروت	سنن دار قطنی	دار المعرفة بيروت
مسند امام احمد بن حنبل	مؤسسة الرساله بيروت	مصنف ابن شيبه	دار قرطبه بيروت
كنز العمال	موسسة الرساله بيروت	المقاصد الحسنه	دار الكتب العلميه بيروت
اسرار المرفوعه	دار الكتب العلميه بيروت	السنه لابن ابی عاصم	المكتبة الاسلامی بيروت
جمع الجوامع	دار الكتب العلميه بيروت	كشف الخفاء	دار الكتب العلميه بيروت
مستدرك	مكتبۃ نزار المصطفیٰ الباز مكه المكرمه الرياض	شعب الإيمان	دار الكتب العلميه بيروت
الترغيب والترهيب	دار ابن كثير بيروت	شرح السنه	دار الكتب العلميه بيروت
الفردوس بماثور الخطاب للديلمی	دار الكتب العلميه بيروت	المعجم الكبير	دار احياء التراث العربی بيروت
مسند ابو يعلیٰ	دار الفكر بيروت	سنن الكبریٰ	دار صادر بيروت

کتب	اشاعتی ادارہ	کتب	اشاعتی ادارہ
فردوس الاخبار	دارالفکر بیروت	بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث	الجامعة الاسلامیہ بالمدینة المنورہ
مجمع الزوائد	دارالکتب العلمیہ بیروت	الجامع الصغیر	مکتبہ نزار المصطفی بیروت
طبقات ابن سعد	دارالکتب العلمیہ بیروت	اتحاف السعادة المتقین	دارالفکر بیروت
الکامل فی الضعفاء	دارالکتب العلمیہ بیروت	العلل المتناهیہ	دارالکتب العلمیہ بیروت
حلیة الاولیاء	دارالکتاب العربی	تاریخ دمشق	دارا الفکر بیروت
تاریخ الامم و الملوك	دار التراث بیروت	البدایة والنهایہ	مکتبة المعارف بیروت
الصابہ فی تمییز الصحابہ	دارالجیل بیروت	تاریخ الخمیس	دار صادر بیروت
التفسیر الوسیط	دارالمعارف 1119 النیل القاهرہ مصر	الموسوعة الاسلامیہ	وزارت اوقاف العربیہ بیروت
روح تصوف	خورشید گیلانی ٹرسٹ لاہور	طبقات الشافعیہ	بیروت
معجم البلدان		عوارف المعارف	رسالہ تحقیقات
نتائج الأفكار القدسیہ	دارالکتب العلمیہ بیروت	رسالہ قشیریہ	ادارہ تحقیقات
صفوة الصفوة	رسالہ تحقیقات	الدرر المنتشرہ فی الاحادیث المشتهرہ	بیروت
معجم المطبوعات	سکیس	اطراف الحدیث	دار الکتب العلمیہ بیروت

قارئین کے تاثرات

31-10-2009

محترم محمد اجمل عطاری صاحب

السلام علیکم

مکتبہ اعلیٰ حضرت سے طبع ہونے والی کتب دیکھتا رہتا ہوں۔ مجھے آپ کے ہاں حاضر ہو کر بھی گیا تھا۔ غالباً حضور داتا صاحبؒ کے عرس کے اگلے روز آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔ آپ نے مکتبہ اعلیٰ حضرت کے زیر اہتمام جن کتب کی طباعت کا انتظام کیا ہے وہ فی زمانہ معیاری طباعت کی اعلیٰ مثال ہیں۔ کتابوں کے مضامین جس طرح سے کمال ہیں اُسی طرح آپ نے مترجمین کا انتخاب بھی کمال کیا ہے۔ حفظ النفس الکبریٰ، المشغل، تاریخ اسلام، کتاب الآثار دیکھ کر طبیعت خوش ہوتی ہے۔ چند روز پہلے جب احمد بک کارپوریشن کا چکر لگا تو وہاں رسالہ قشیریہ دیکھا اور بہت خوشی ہوئی۔ اس نادر کتاب کا ترجمہ پاکستان میں سب سے پہلے ڈاکٹر پیر محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ نے کیا تھا جو ادارہ تحقیقات اسلامیہ نے چھاپا تھا۔ اب اسلامی یونیورسٹی والوں نے اشاعت کا ضرور کی کہ سلسلہ رحمانیہ لاہور والوں پیغام القرآن والوں نے اس کو ترجمہ کروا کر طبع کروا دیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی طبیعت کو مطمئن نہ کر سکا کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ اس کا ترجمہ کرنا بھی ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ شیخ کا مزاج، صحبت اور تاریخ تصوف کا خوب علم ہونا بہت ضروری ہے ورنہ تو یہ کتاب بھی باہم تقریروں کا رنگ دیتی دکھائی دے گی۔ آپ نے اس کا ترجمہ چشتیہ صابریہ سلسلہ کے عظیم صوفی حضرت سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی کے شاگرد اور مستند جامعات سے فارغ التحصیل حضرت مولانا صدیق ہزاروی مدظلہ العالی سے کروایا۔ مولانا احیاء العلوم کا ترجمہ بھی کر چکے ہیں جو کہ بہت خوب ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا کو جزائے عطا فرمائے۔ اُن کے درجات بلند کرے اور اخلاص و تطہیر قلب کو دوام عطا فرمائے۔

عثمان وجاہت۔

برکت والی کتاب

امام سُبکی رحمۃ اللہ علیہ اس کتاب کے بارے فرماتے ہیں

"یہ رسالہ برکت والا مشہور ہے اور جس گھر میں یہ ہوگا وہاں کوئی آفت نہ آئے گی"۔

نیز اس کے بارے میں کہا گیا ہے "اَلرِّسَالَۃُ الْمُبَارَکَۃُ" "یہ رسالہ برکت والا ہے"۔

رتبہ مصنف کتاب

۱۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا ذکر کشف المحجوب میں اس طرح فرمایا کہ اگر آپ رحمۃ اللہ علیہ پتھر اٹھاتے تو وہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں گوہر بن جاتا۔

۲۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ اگر آپ کا وعظ پتھر سے ٹکراتے تو وہ بھی نرم ہو جاتے۔

۳۔ اگر آپ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں شیطان کو باندھ دیا جائے تو وہ تائب ہو جائے۔

۴۔ بعد از وصال آپ رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا گیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے تھے
اَنَا فِیْ اَطْیَبِ عَیْشٍ وَّاَکْمَلِ رَاحَۃٍ میں پاکیزہ عیش اور کامل راحت میں ہوں

مضامین کتاب

صوفیائے کرام کا تعارف، ان کے عقائد اور تعلیمات ان کے احوال واقوال نیز کرامات اولیاء اور مرشد اور مرید کی ذمہ داریوں کا تفصیلاً بیان۔

تفصیل کیلئے کتاب پڑھیے۔

مکتبہ حضرت علی

Darbar Market Lahore - Pakistan

042-7247301-0300-8842540